THE PRAKASH. LAHORE.

प्रकाश आर्ष नं.

پرکاش لاہور کا رشی نمبر

ایڈیٹر کرشن بی اے

جلد ۲۲ – اتوار ۱۱ نومبر ۱۹۲۸ء – ۲۷ کارتک سمت ۱۹۰۵ – نمبر ۴۴

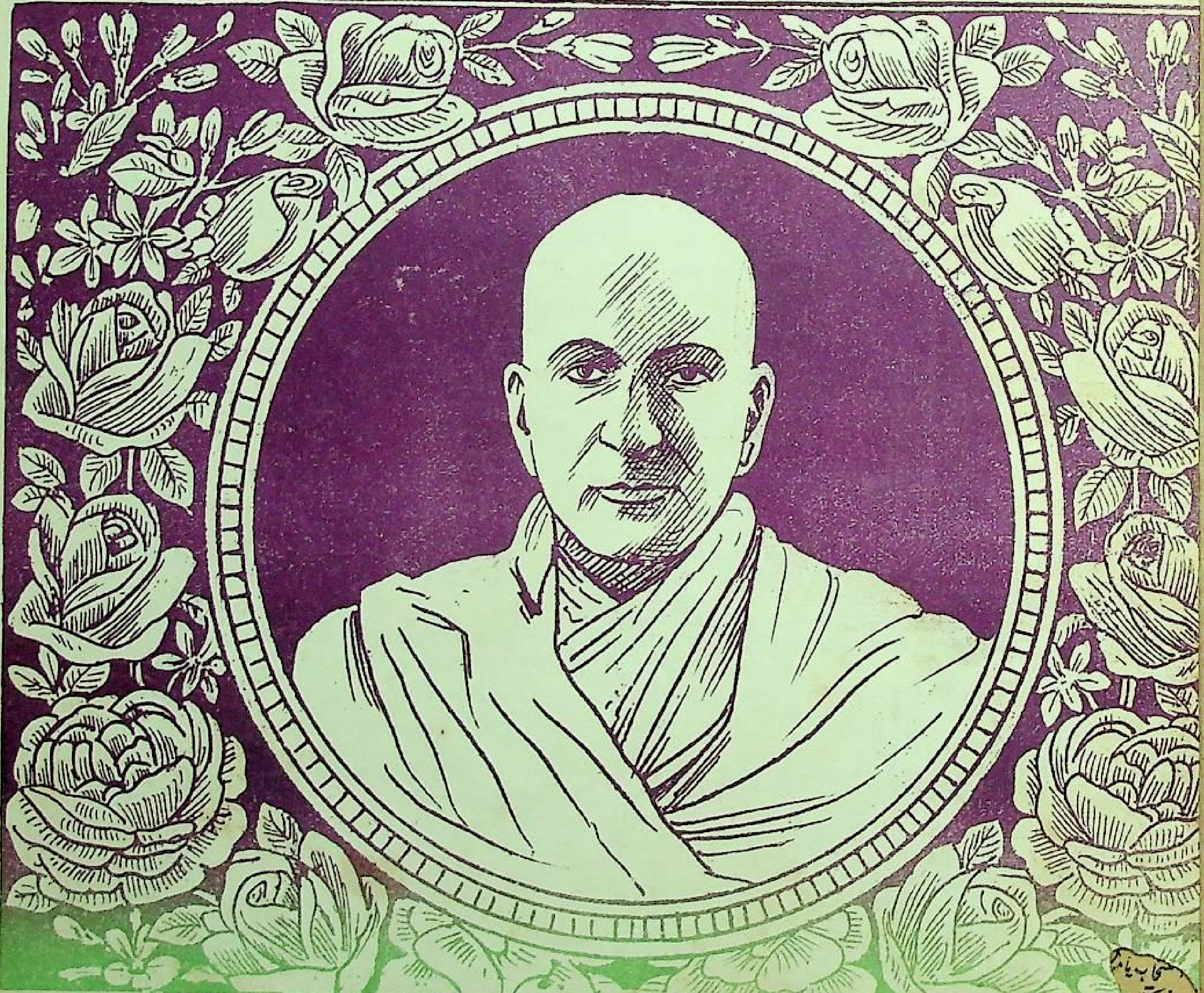

پانچ ہزار روپے (۵۰۰۰) نقد انعام

کمزوری منش کی چھپی ہوئی موت ہے

طاقت نمبر (۱)

دانتوں تلے انگلی دبا جاتے ہیں۔ طاقت نمبر ا کہتے ہیں۔ کر شریر میں طاقت لانے کے واسطے نہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں سے لے کر بے لالچ استعمال کر طاقت نمبر (۱) کے گن گان کے لئے تو یہ ایک ہی مانی گئی ہے۔ نوجوانی کے بات یہ ہی رام بان مہوشدھی ہے۔ جس کے فائدے دیکھ کر بڑے بڑے ہوشیار ڈاکٹر۔ ویدھ۔ حکیم کے ادبھت (عجیب و غریب) گنوں کو دیکھ کر بھی نمبر (۱) سے بڑھ کر سنسار میں دوسری دوا ہے۔ اور بڑے بڑے مشہوروں تک کے رہنے والے اس کر رہے ہیں۔ نا امیدی اور کمزوری کو دور کرکے نئے جوش ہیں کی ہوئی غلطیوں کو تو یہ بات ہی بات میں جڑ مول سے مٹا کر پھر سے نیا جیون پردان کرتی ہے۔ شریر نروگ۔ ہٹا کٹا۔ مضبوط بنا کر چہرے پر اولہست کا نتی لا دیتی ہے۔ نسوں کی کمزوری سوپن دوش۔ نامردی۔ گٹھیا

ویریہ سمبندھی جتنے بھی روگ کیوں نہ ہوں

سب کو ناش کر بڑھاپے میں جوانی کا رنگ لا کر غضب کا جوہر دکھاتی ہے۔ طاقت نمبر (۱) کی تعریف کہاں تک کی جائے۔ بس یہی سمجھئے کہ اس کی ایک ایک بوند جیون کا سہارا۔ آنند کا خزانہ اور سورگ کا انمول میوہ ہے۔ طاقت نمبر (۱) کی بڑی بوتل۔ جس میں دو مہینے تک کی خوراک رہتی ہے۔ سیون کر لینے سے

کایا نروگ۔ چہرہ چاند کا سا چمکتا ہوا۔ شریر کندن کی طرح دمکتا ہوا بنا دیتی ہے

کا دعوے رکھتی ہے۔ سمرن شکتی (قوت حافظہ) بڑھ گئی۔ وچار اور دواد شکتی اتنی گنی۔ شریر کا وزن سوا گنا اور طاقت ۳۲ گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس بات کی گارنٹی ہے۔ کہ آدھی دوا سیون کرتے کرتے اگر فائدہ نہ معلوم ہو تو وہ آدھی دوا واپس لے کر اس کے دونے دام واپس کر دیئے جاویں گے

اگر کوئی نامی ڈاکٹر یا وید

اس بات کو ثابت کر دے۔ کہ یہ دوا طاقت ور نہیں جھوٹی ہے۔ تو اس کو پانچ ہزار ۵۰۰۰ روپیہ نقد کے چہرے دار انعام میں گن دیئے جائیں گے

قیمت فی شیشی دو روپے آٹھ آنے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے۔ بڑی بوتل دس روپے ڈاک خرچ بارہ آنے +

نوٹ (۱) جو تندرست ہے۔ اگر وہ اس کا استعمال کرے۔ تو سونے پر سہاگے کا کام دے گی۔ بالکل ہی جیون سورگ ہو جائے گا۔

(۲) جن کو نامردی کی شکایت ہے۔ ان کو ایک شیشی مالش کرنے کے لئے اور منگوانی چاہئے۔ جس کی قیمت تین روپے ہے

دوا منگانے کا پتہ :-

جے پی شاہا اینڈ کمپنی ۱۵۳/۳۔ اپر چت پور روڈ کلکتہ

لواہ پربندھک کمیٹی کانپور

گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹری شدہ لواہ پربندھک کمیٹی ہالسی روڈ کانپور کو صوبہ جات یوپی سی پی۔ اور بہار کی کنیاؤں۔ بال وِدھواؤں اور ودھواؤں کے لئے وروں کی ضرورت ہے۔ خواہشمند اصحاب درخواست کریں۔ اور اپنی درخواست پر پتہ خوشخط تحریر کریں

شریمتی شیام پتی دیوی لیڈی سپرنٹنڈنٹ

خدائی دعوی

تو ہم نہیں کرتے۔ ہاں اس بات کا دعویٰ ضرور کرتے ہیں، کہ دنیا میں کوئی ایسی بیماری نہیں جس کو علاج جائے۔ پرمیشور نے ہر مرض کے لئے کوئی نہ کوئی دوا پیدا کی ہے تا میں سے وہ مریض جو کہ پانی میں العلاج ہوں۔ اور اپنی بیماری پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ ضائع کر چکے ہوں لیکن پھر بھی تندرستی جیسی نعمت کو ترستے رہ گئے ہوں۔ یا ایسے مریض جو کہ ابتدائی مرض میں اس بات کے خواہشمند ہوں کہ بیماری طول نہ پکڑنے پائے۔ اور وہ بار بار حکیموں ڈاکٹروں اور ویدوں کی فیسیں اور قیمتی نسخہ جات کے خریدنے سے بچے رہیں۔ ایسے مریض ایک مرتبہ اپنی [illegible] تحریر کرکے ہمارے شفاخانہ سے دوائی منگوا کر استعمال کریں بیماری جڑ سے [illegible] امور کے لئے جوابی خط یا ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ ہماری ہر مرض کی دوا [illegible] روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ منیجر ہومیوپیتھک ڈسپنسری دھرمکوٹ رندھاوا

یوگی راج بھگوان کرشن

بھگوان کرشن:- ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ اس گئو ماتا کو مت مارو۔ اب چمڑے کی ضرورت نہیں رہی۔ دہلی نان لیدر گڈس فیکٹری میں ہر قسم کا سامان بغیر چمڑے کا مل سکتا ہے۔ اگر آپ گئو رکھشا چاہتے ہیں۔ تو بغیر چمڑے کے سُندر جوتے پہنا کریں۔

گئو ماتا کی رکھشا کا سوال حل ہو گیا

کیسے؟

چمڑے کے تیاگ سے! ←——→ بغیر چمڑے کی اشیا کے استعمال سے

فی زمانہ ضروریات زندگی میں چمڑے کا استعمال دن بدن بڑھتا جا رہا ہے جس کا نتیجہ ہو رہا ہے کہ قدرتی طور پر مرے ہوئے جانوروں کے چمڑے کی موجودہ مقدار ان بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زندہ جانوروں پر بھی ہاتھ صاف کیا جاتا ہے۔ اور نہیں تو کروم لیدر، تو زندہ جانوروں سے ہی تیار ہوتا ہے!

اس واسطے اگر آپ صدق دل سے گئو رکھشا کے حامی ہیں۔ تو آپ کو چمڑے کا استعمال ترک کر دینا چاہئے۔ یا کم از کم کروم کا استعمال تو ضرور چھوڑ دیں۔ اور اس طرح گئو ماتا کے لئے اپنی سچی محبت اور عقیدت کا ثبوت دیں۔ ایک سوال ہے۔ جو کہ آپ کے ارادہ میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے۔ اور وہ ہے بغیر چمڑے کی خوبصورت فیشن ایبل اور اپ ٹو ڈیٹ ڈیزائین کی اشیا دستیاب نہ ہو سکنے کا عذر۔ ہم آپ کے اس عذر کا جواب دینے کے لئے موجود ہیں۔ ہمارے ہاں ہر قسم کا بغیر چمڑے کا سامان۔ بوٹ۔ گرگابی۔ پمپ شو۔ سلیپر وغیرہ۔ اس قدر خوبصورت۔ فینسی اور مضبوط موجود رہتا ہے۔ کہ اس کو ایک بار استعمال کر کے آپ ہماری محنت کے قائل ہو جائیں گے۔ چمڑے کا سامان اس کے سامنے ہیچ ہے۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ قیمتیں بہت ارزاں ہیں۔ باتصویر فہرست درخواست آنے پر مفت بھیجی جاتی ہے۔

ایجنٹوں کی ضرورت ہے! ہم تمام بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ایجنٹ مقرر کر رہے ہیں۔ کمیشن معقول۔ بیکاری کے دفعیہ اور معقول روزگار کے حصول کا بہترین موقعہ ہے۔ شرائط ایجنسی فوراً طلب کریں۔ مبادا آپ کی درخواست سے پہلے آپ کے ہاں کوئی اور ایجنٹ مقرر ہو جائے۔

ملنے کا پتہ:- **دی نان لیدر گڈس فیکٹری (رجسٹرڈ) کلاتھ مارکیٹ کرشنا بازار دہلی۔ شوروم چاندنی چوک دہلی**

ہندوستان میں

دھلی

اور دھلی میں

میسرز ایل گوپی ناتھ کیبنٹ میکرز و فرنیچر ڈیلرز کشمیری دروازہ

کیوں مشہور ہیں؟

میسرز ایل گوپی ناتھ سب سے پرانے فرنیچر ڈیلرز کیبنٹ میکرز جن کے ہاں عمدہ اور سوکھی لکڑی سے زیر نگرانی ماہرین فن فرنیچر تیار کیا جاتا ہے۔ اگر دہلی میں تشریف لائیں تو ہمارے ہاں دان پور ہاؤس میں آنا نہ بھولیں۔ آپ تشریف لاکر خوش ہوں گے۔

مہذب دنیا کی سب سے بڑی ضرورت عمدہ جائے رہائش ہے

اور عمدہ مکان کیلئے

عمدہ فرنیچر کی ضرورت ہے

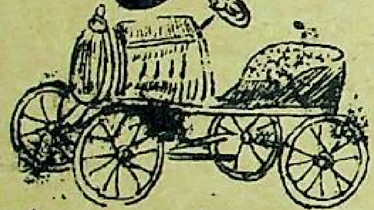

ایسی اور اس سے عمدہ بچوں کی موٹریں قیمت پچاس روپے سے دو سو پچاس روپے تک

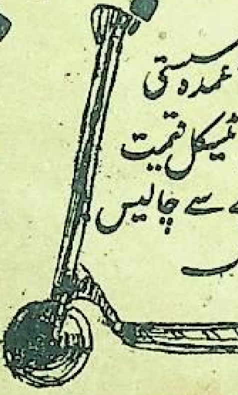

بچوں کیلئے عمدہ سستی
مضبوط بائیسکل قیمت
روپے سے چالیس
روپے تک

بچوں کا فرنیچر۔ میز کرسی الماری بائیسکلیں۔ موٹر کاریں گاڑیاں اور دیگر ہر قسم کا فرنیچر تیار ہوتا ہے!

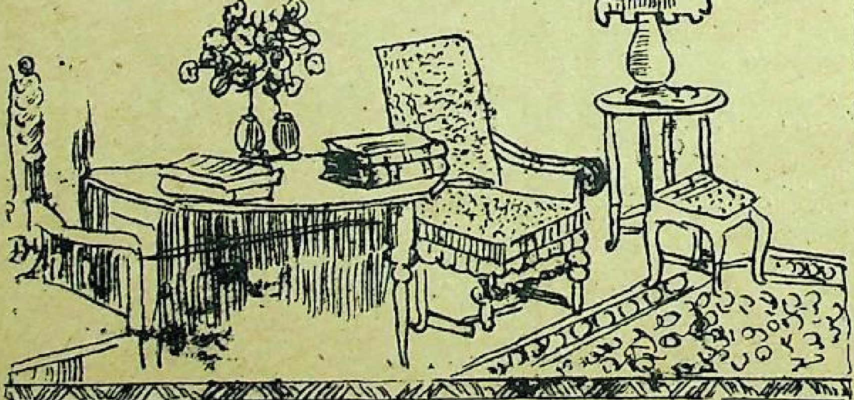

فتر سکول کالج
ال غرضیکہ ہر
ت کا فرنیچر
سکتا ہے!

ہمارے ہاں ہر قسم کا نیلام کا کام ہوتا ہے اصحاب خود تشریف لائیں کمیشن نہایت واجبی لیا جاتا ہے۔

ٹیلیفون نمبر (۵۱۲۴)

عمدہ فرنیچر گھر کی زینت ہے۔ اگر آپ اپنے مکان کو نمونہ جنت بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں یاد فرمائیے

کر دادی ضلع ستارہ میں
مپیوں کے بھی ہم ایجنٹ ہیں

ایل گوپی ناتھ کیبنٹ میکرز و فرنیچر ڈیلرز کشمیری دروازہ دہلی

دیپ مالکا اور ویدک اناتھ سدھارک آشرم

بھارت کی اجدھانی میں ابلا بیکس۔ اناتھ بچوں کا واحد محافظ

ویدک اناتھ سدھارک آشرم گلی مرغان چاوڑی بازار دہلی

آریو! اپنی دولت اناتھوں کے ہت ارتھ خرچ کرو۔ مریادا پرشوتم شری رام چندرجی مہاراج اور سری ۱۰۸ مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج غریب نواز تھے۔ بھگوان رام اور بھگوان دیانند کی سمپتی غریبوں کے لئے تھی۔ بھگوان رام نے کوئی لڑائی ملک گیری کی ہوس میں نہیں کی۔ بھگوان دیانند نے اپنے سوارتھ کے لئے نہ کوئی شاستراتھ کیا۔ اور نہ ہی ستیارتھ پرکاش اور وید بھاشیہ رچا۔ بلکہ اگیانیوں۔ بیکسوں۔ غریبوں اور گمراہوں کے لئے ہی بھگوان دیانند نے سب کشٹ اٹھا کر بلکہ زہر تک کھا کر پرانی مانز کے ہت ارتھ خاص کر اناتھ و دھواؤں کے لئے اپنا سو ہا کیا۔ اور سمادھی جیسے آنند کو چھوڑا۔

اگر آپ واقعی بھگوان دیانند کے شیدا ہیں۔ اور واقعی اُن کے کاریہ سے آپ کو پریم ہے۔ اگر واقعی اناتھ بیکسوں کے لئے آپ کے دل میں درد ہے تو آپ

ویدک اناتھ سدھارک آشرم گلی مرغان چاوڑی بازار دہلی

کے ۱۲۰ اناتھوں کی رکشا کا بھار اپنے اوپر لیویں۔ یتیم جاتی کے رتن ہیں۔ آپ جوہری ہیں جوہر کی قدر کریں۔ کنکر سمجھکر انہیں نہ پھینکیں ہماری کنکروں کو رتن جانتے ہوئے آپ کی لاپرواہی سے انکو اٹھا لیجا رہے۔ آپ اپنی ذمہ واری کو سمجھیں اور اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ان کے پالن پوشن کا بھار اپنے سر پر لیویں۔ اناتھالیہ کا تقریباً ایکہزار روپیہ ماہوار کا خرچ ہے بچوں کی تعلیم کے علاوہ بچوں کو دری بننا قلعی کرنا بڑھئی کا کام درزی کا کام اور بیت کا کام یعنی کرسی۔ کوچ ٹفن باکٹ آدی بنانیکا اعلیٰ کام سکھلایا جاتا ہے۔ ہر ایک آریہ کا فرض ہے کہ دیپ مالکا کے دن بھگوان دیانند کے پرلوک گمن کے سمارک میں اپنے اناتھ ہتیشی ہونیکا ثبوت دینے کیلئے اپنی ایک روز کی کمائی ویدک اناتھ سدھارک آشرم ارپن کر کے شانتی اور یش کے بھاگی بنیں۔

بیکس جو یاں پر رہتے ہیں سچے وہ لعل ہیں — یہ یوں ہی لوٹ جائیں گے ان کو بچا لیجیے

اپنے ہی لخت جگروں کے کھا نیسے جو نیچے — وہ بھگشا ان کو بھیج کر ہاں بچا لیجیے

ہاں وقت ہے کہ قوم کے لالوں کی رکشا ہو — ورنہ یہ لٹ چکے ہی ہیں پھر نہ پچھتائیے

نوید

جانکی ناتھ شرما گورنر ویدک اناتھ سدھارک آشرم دہلی۔ اسسٹنٹ سیکرٹری دہلی ہندو وِدیا کمیٹی

نوٹ اناتھ آلیہ کا اپنا براس بینڈ انگریزی باجہ بھی تیار ہے۔ آپ ہر تقریب بیاہ و جلسہ پر اس کی خدمات اٹھائیں۔ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام +

پرکاش لاہور کا رشی نمبر

۱۱ر نومبر ۱۹۲۸ء

گوپال دیانند

آج پرکاش، دیانند کو سنسار کے سامنے ایک نئے روپ میں اپستھت کرتا ہے۔ وہ روپ ہے گوپال کا۔ سنسار اس وقت تک ایک ہی گوپال کو جانتا تھا۔ اور اس میں سندیہہ نہیں کہ پانچ ہزار ورشوں تک ایک ہی گوپال رہا۔ پرنتو اب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ دوسرے گوپال نے بھی جنم لیا ہے۔ کرشن اور دیانند کی رکشاؤں میں اور بھی کئی سمانتائیں ہیں۔ پرنتو کرشن اور دیانند دونوں نے جیون پرینت گورکشا کو اپنا لکش بنائے رکھا۔

دیانند نے گورکشا پر وشیش بل دیا۔ انہوں نے گورکھشنی سبھائیں ستھاپت کیں۔ انہوں نے یہ کاریہ آریہ سماج کو سونپا۔ گورکھشنی سبھاؤں کے دستور نیم بنائے جن سے سدھ ہے۔ کہ رشی کی درشٹی بہت اچیہ تھی۔ وہ گائے کی رکشا کرتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ کوئی جاتی وشیش پرستی ہو۔ اور کوئی بھگتی۔ پرنتو اس لئے کہ اس کی رکشا دہ سنسار کا ہِت مانتے تھے۔ سبھا کے نیم میں یہ سٹیٹمنٹ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ سبھا منش ماتر کے ہِت ارتھ ستھاپت کی گئی ہے۔ اس لئے نیموں میں کسی سامپردائک بھاؤنا یا جذبات کا گندھ تک نہیں۔

جب رشی دیانند نے گورکھشنی سبھائیں ستھاپت کیں۔ تو اس کا اُدیش غلط سمجھا گیا۔ اس سمے انگریزی سرکار کی دیانند پر کڑی درشٹی تھی۔ کئی راجیہ ادھکاریوں نے سمجھا کہ یہ سبھائیں ستھاپت کی گئی ہیں اس لئے کہ ودیشیوں کے خلاف جذبہ پیدا کیا جا سکے۔ رشی کا اُدیش کو اشدھ سمجھا گیا۔ اس کا شوک تو ہے پرنتو یہ اسچاریہ نہیں۔ انگریز لوگ گائے کھاتے تھے اور اب بھی کھاتے ہیں۔ سنبھاو تھا کہ یہ جائیں گے کیا کے ودرودھ جش تحریک آرمبھ ہو جائیں گے۔ طاقت کے سامنے اس پرکار کی سنکیت سدھ ہونے لئے جلد ہی غلط فہمی دور ہوگئی۔

رشی گو بھگت تھے۔ کیول SENTIMENT پر نہیں پرنتو اس لئے کہ وہ واستوک ارتھوں میں گائے کو ماتا سمجھتے تھے۔ یہ سدھ کرنے کے لئے انہوں نے "گوکرونانِدھی" کے نام سے ایک پستک لکھی۔ جس میں انہوں نے سارا حساب لگا کر سدھ کیا۔ کہ یدی ایک گائے کا بدھ کر دیا جائے۔ تو اس سے ادھک دو درجن پرش بھوجن پا سکیں گے۔ پر نہ وہ جیوت رہے۔ تو وہ جنموں کیا سینکڑوں منشوں کا پالن کر سکتی ہے۔ یہ پستک اس درشٹی سے بھی بڑے یوگیہ ہے۔ کہ رشی نے گورکشا کے پرشن کو ایک نئے روپ میں سنسار کے سامنے پیش کیا ہے۔

رشی نے صرف سبھائیں ہی ستھاپت نہیں کیں۔ انہوں نے کیول پستک ہی نہیں لکھی پرتیت انہوں نے یہ یتن بھی کیا۔ کہ بھارت میں گؤ ہتیا ایک جرم قرار دیا جائے۔ اور اس کے لئے راجیہ ڈنڈ دیا جائے۔ اور ڈنڈ بھی کوئی سادھارن نہیں۔ بلکہ وہی جو کسی منش کا ہنن کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس اُدیش سے انہوں نے آندولن کیا۔ کہ راج راجیشوری ملکہ وکٹوریہ کی سیوا میں ایک میموریل بھیجا جائے۔ جس پر ایک کروڑ منشوں کے ہستاکشر ہوں۔ اور اس میموریل میں یہ مانگا جائے کہ گؤ ہتیا ایک جرم قرار دیا جائے۔ اس میں رشی نے بتلا دیا۔ کہ بھارت ایک کرشی پردھان دیش ہے۔ یدی یہاں کرشی میں سہائتا دینے والے پشوؤں کی رکشا نہ کی گئی۔ تو سروناش ہو جائے گا۔ اس لئے رشی چاہتے تھے۔ کہ گؤ دنش ماتر کی رکشا ہو۔ بھارت کی بھاگیتی مصر ایک کرشی پردھان دیش ہے۔ وہاں آج آوشیکتا وشیش روپ سے انوبھو کی گئی ہے۔ کہ گؤ دنش کی رکشا کی جاتے۔ اس لئے منگاتے اور بھینس اپنے گھر پر رکھنے والے کو راجیہ کی اور سے سہائتا دی جاتی ہے۔ رشی دیانند نے اس سمے بھارت واسیوں کو خبردار کیا۔ کہ تم نے گائے کی رکشا نہ کی۔ تو دکھ پاؤ گے۔ آج اس کا پرتیکش پرمان مل رہا ہے۔ اچھے گھی اور دودھ کا تو سروتھا ابھاؤ ہے۔ اور جو ملتا بھی ہے مہنگا۔ پرنام یہ ہے۔ کہ آریہ جاتی کی آنے والی نسل شاریرک اور مانسک طور پر دُربل ہو رہی ہے۔ کسی سمے مذاق سے کہا جاتا تھا۔ کہ دودھ اور گھی بوتلوں میں بکا کرے گا۔ آج واستو میں ایسا ہو رہا ہے۔ غریب لوگوں کے لئے تو ان دونو وستوؤں کے درشن دُرلبھ ہو گئے ہیں۔ جب غذا ہی کافی نہ ملے۔ تو جسم اور دماغ کی ترقی کیسے ہو۔ اس لئے قوم کمزور ہو رہی ہے۔ اور اس کا اثر اس یتھ پر دیکھ پڑتا ہے۔ جو سوراجیہ پراپتی کے لئے کیا جا رہا ہے۔

رشی دیانند نے جہاں آریہ جاتی پر اور بہت سے اپکار کئے ہیں۔ وہاں ایک بڑا اپکار یہ ہے۔ کہ انہوں نے دیش کی تمام جماعتوں کا دھیان بڑے زور سے گورکشا کی طرف دلایا ہے۔ وہ لوگ نادان ہیں۔ جو سمجھتے ہیں کہ گورکشا کیول ہندوؤں کا کام ہے۔ وہ نادان تر ہیں۔ جو ہندوؤں کو چڑانے کے لئے گائے کا بدھ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ درحقیقت اپنی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں۔

گائے کی رکشا غیر ہندوؤں کے لئے ویسی ہی ضروری ہے۔ جیسی کہ ہندوؤں کے لئے۔ گھی اور دودھ اگر کم یاب ہو جائے۔ یا اچھا نہ ملے۔ تو اس سے غیر ہندوؤں کو بھی ہانی ہوتی۔ اور ہندوؤں کو بھی۔

اس لئے دیانند نے اگر دیش کا دھیان وشیش روپ سے گورکشا کی طرف دلایا۔ تو اس کے لئے غیر ہندوؤں کو ان کا ویسا ہی کرتگیہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ ہندوؤں کو۔ اس لئے آؤ! آج جبکہ ہم اس مہا پرش کی برسی منا رہے ہیں۔ ہم دیانند کو بھی گوپال کی جے بلائیں۔ وہ سنسار ماتر کا ہت چنتک ہے۔

(کرشن)

دیوالی کے دن رشی اتسو ہر آریہ سماج کو [illegible] منانا اور ہم [illegible] رشی فنڈ کے لئے دھن ایکتر [illegible]

سوامی دیانند کا کام

(از شری سوامی ستیانند جی مہاراج)

سوامی دیانند کا کام جنتا کو جگانا تھا۔ مہاراج ان سدھارکوں کی شرینی میں تھے۔ جو منشوں کو سوتنتر بنایا کرتے ہیں۔ مت وادیں۔ پنتھ میں اور اپنے منتویہ ہیں منشوں کو باندھتے نہیں۔ کنتو ستیہ کے پیچھے پریمی بنا دیتے ہیں۔ مت میں پنتھ میں اور نئے نیموں میں باندھنا۔ مہنتوں کا گدی دھاریوں کا کام ہے۔ سنت تو سوتنترتا دینے والے ہوا کرتے ہیں۔

سوامی جی نے بھی سنتوں کے مارگ کو ہی گرہن کیا۔ کسی بھی جن کو انہوں نے نئے منتویوں کو ماننے کے لئے نہیں کہا۔ اور نہ ہی انہوں نے کوئی ایسے نیم جنتا کو دیئے۔ جس سے منش پیار وچن پن کے پشو بن جائیں۔ ان کا دھرم پرچار اُدار تھا۔ ان کے اُپدیش سوتنترتا پردان کرتے ان کی سنگت اُدار بناتی۔ ان کے کٹھن مت واد کے بندھن توڑ دیتے۔ اور ان کے ویاکھیان آزاد کرانے والے ہوتے۔

سوامی دیانند جی کیسے اُدار تھے۔ اس کا پرمان آریہ سماج کے نیم ہیں۔ نیموں میں وہ سوتنترتا ہے۔ جو دوسرے ستھان میں نہیں دیکھی جاتی۔ ان میں ایک بھی ایسا نیم نہیں جو منش کے گیان میں۔ وچار میں اور آستکتا میں روک بنے۔ متواد کی رسی میں باندھنے والے نیم سوامی جی نے نہیں رچے۔ متواد کا قلعہ انہوں نے نہیں بنایا۔ رشی دیانند تو مت واد کی بندی گرہ توڑنے والے تھے۔ یہی کارن ہے۔ کہ آریہ سماج کے نیموں میں پورن سوتنترتا دیکھی ہے۔

جو نیم ریتیوں کو ورنن کیا کرتے ہیں۔ وہ اکثر مت بن جایا کرتے ہیں۔ ایسے ہی نیم منشوں کو باندھا کرتے ہیں۔ اور ایسے ہی نیموں سے لوگوں میں بھید بھاؤ اتپن ہو جایا کرتا ہے۔ آریہ سماج کے نیموں میں ریتیوں کو نہیں رکھا گیا۔ اسی کارن یہ نیم کسی کو لکیر کا فقیر نہیں بناتے۔ سوامی دیانند کا یہ کام پرم اُدار تا کا ہے۔ اور مت متانتروں کے سنسار میں نرمل تست ... [illegible]

رشی دیانند کا سار و بھوم ویدک دھرم

(از شری آچاریہ رام دیوجی مکھیہ ادھشٹھاتا - گورو کل کانگڑی)

رشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے شروع میں لکھا ہے۔

"سرو تنتر سدھانت ارتھات سامراجیہ سارو جنک دھرم جس کو سدا سے سب مانتے آئے۔ مانتے ہیں۔ اور مانیں گے بھی۔ اسی لئے اس کو سناتن نتیہ دھرم کہتے ہیں۔ کہ جس کا کوئی ورودھی نہ ہو سکے"!

رشی کا یہ واک واستو میں بڑا مہتو پورن ہے۔ رشی دیانند نے بھارت ورش کے پراچین قابل فخر ویدک آدرشوں اور ویدک سدھانتوں کا پرتی پادن کیا تھا۔ اس دیش کے پراچین آریوں کا یہ درڑھ وشواس تھا کہ سرشٹی کے شروع میں پرماتما نے منش جاتی کو وید کے روپ میں سچا گیان دیا۔ اسی گیان کے آدھار پر منش سماج کا بودھک ادکاس ہوا۔ اس سمے سمپورن منش جاتی ایک ساتھ رہتی تھی۔ اُن کی سنکھیا بہت ہی کم تھی۔ اس چھوٹے سے منش سماج کا دھرم وچار اور بھاشا اس سمے ایک ہی تھی۔ رفتہ رفتہ منشوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ وہ اپنے آدی ادگم ستھان سے نکلنے بنا کر مختلف دیشوں میں آباد ہونے لگے۔ اور سنسار اپنے اپنے ستھان کی بھوگولک اور انیہ پرستھتیوں کے کارن ان مختلف جتھوں کے وچاروں اور بھاشا میں بھید آ جانے پر بھی بہت سی سوکھشم سمانتائیں بنی رہیں۔ ان پرتھک پرتھک دیشوں میں رہنے والی جاتیوں کے وچاروں اور بھاوں اور رسم و رواج میں کئی سارو بھوم سمانتائیں بنی رہیں۔ آج جب مغرب کے ودوان سنسار کی مختلف جاتیوں کے اتہاس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو انہیں یہ دیکھ کر بڑا آشچریہ ہوتا ہے۔ کہ پراچین سنسار کی سمپورن سبھیہ جاتیاں انیک گوڑھ دارشنک وشیوں کے سمبندھ میں بھی لگ بھگ ایک ہی وچار رکھتی تھیں۔ واستو میں اس سارو بھوم سمانتا کا کارن یہی تھا۔ کہ ان سب جاتیوں کی جا ستھے پیدائش ایک ہی تھی۔ اور ایک ہی سمے وہ وید انویائی رہی تھیں۔

رشی دیانند نے یہ سویکار کیا ہے۔ کہ سرو تنتر ستیہ سدھانتوں کو ہی وہ ویدک روپ سے پرمانک سویکار کرتے ہیں۔ انیہ منش کبھی انہوں نے اسی مارگ کے انوسرن کرنے کا اپدیش کیا ہے۔ اُن کا وشواس تھا کہ یہ سرو تنتر ستیہ سدھانت جن کا وید نے ستیہ کے روپ میں پرتی پادن کیا ہے — سنسار سے کبھی نشٹ نہیں ہو سکتے۔ ان کا لوپ ہونا اسمبھو ہے۔ ودوان اور سمجھدار منش سرشٹی کے پرارمبھ سے انہیں سدھانتوں کو سویکار کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس لیکھ میں ہم انہیں سرو تنتر ستیہ سدھانتوں ہی سے ایک آدھ کی سرو

سالین سارو بھومکتا سدھ کرنے کا پریتن کریں گے۔ ستیہ سدھانتوں کے سمبندھ میں رشی دو الاجمالی گئی پرکھ کے اداہرن کے روپ میں ہم دو بڑے بڑے دارشنک پرشنوں کو لے سکتے ہیں۔ دارشنک سمسیائیں یہ ہیں — (۱) سرشٹی کی اُتپتی کس پرکار ہوئی اور (۲) ایشور کا سروپ کیا ہے؟

ویرتا کی سپرٹ پیدا کرو

(لالہ لاجپت رائے کا سندیش)

سمپادک پرکاش نے رشی اُتسو کے سلسلے میں اپنے پتر کے رشی نمبر کے لئے مجھے بھی دعوت دی ہے۔ کہ میں پرکاش کے ناظرین کے لئے کوئی سندیش دوں۔ میرے پاس اور کوئی پیغام نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں رشی کی سرتیکی برسی کے موقع پر اُن کے پیرو وں کو یہ یاد دلاؤں۔ کہ وہ اپنے اندر ویرتا کی سپرٹ پیدا کریں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ وہ اپنے اندر رشی کی نربھیتا۔ ستیہ کے لئے اُس کی اُمنگ اور سداچار کے لئے اُس کا جوش پیدا کریں۔ اس سے آریہ سماج کی بردھی ہو سکتی ہے۔ کیول سدھانتوں پر جھگڑا کرنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا +

سرشٹی اُتپتی

وید میں سرشٹی اُتپتی کا وستریت ورنن ہے۔ اس ورنن کے آدھار پر ہم سنکشیپ سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ پہلے سب طرف اندھیکار ہی اندھیکار تھا۔ اُس سمے پرکرتی اپنے بیج روپ میں موجود تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اِچھا (کام) کی اُتپتی ہوئی۔ ارتھات ایشور کی اچھیا ہوئی۔ کہ وہ سرشٹی کی اتپتی کرے۔ تب برہمانڈ انڈے کی شکل میں سمپورن وشو اُتپن ہوا۔ پھر اُتپتی کرنے پر سب لوک لوکانتر اور یہ پرتھوی بنی۔ پھر سلسلہ وار پرتھوی پر بنسپتیوں کی اُتپتی ہوئی۔ انت میں منش اور پرانی پیدا ہوئے۔

कामस्त दण्डे समवर्त ताधिमन-
सो रेतः प्रथमं यदासीत ॥ ऋग १०
मण्डल ॥

پراچین سنسار کے انیہ دیشوں میں بھی وچارک لوگ سرشٹی اُتپتی کے سمبندھ میں ٹھیک اسی سدھانت کو سویکار کرتے رہے ہیں۔ وستار بھئے سے ہم یہاں کیول ارسطو ٹیلس نامی مشہور یونانی فلاسفر کا وچار ہی پیش کر سکیں گے۔ ارسطو ٹیلس کا کتھن ہے:-

"شروع شروع میں یہاں شونیہ اور اندھکار کے اتیرکت اور کچھ نہیں تھا۔ تب نہ یہ پرتھوی تھی۔ نہ آکاش تھا اور نہ تارے تھے۔ اس اندھکار میں ایک انڈے (برہمانڈ) کی اُتپتی ہوئی۔ پھر اچھیا (پریم) اُتپن ہوئی۔ اس کے سنہری پنکھ تھے۔ اس اچھیا کی سہایتا سے پرتھوی پر منش جاتی اور انیہ پرانیوں کی اُتپتی ہوئی"

(HINDU MYTHOLOGY صفحہ ۱۸)

سرشٹی اُتپتی کے سمبندھ میں ویدک سدھانتوں اور اس مشہور عالم یونانی فلاسفر کے وچاروں میں کتنی غیر معمولی سمانتا ہے۔ اس سمبندھ میں انیہ پرمان ہم قلت جگہ کے کارن نہیں دے سکتے۔

ایشور کا سوروپ

گزشتہ پندرہ صدیوں میں مختلف سماج میں ایشور کے سوروپ کے پرشن پر بھاری اختلاف اور نفرت کے بھاؤ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ بعض نے سمپردائے اس سمبندھ میں شاہ رگ بل کا پریوگ کرنے سے بھی نہیں چوکے۔

پرنتو سوکشم درشٹی سے وچار کرنے پر صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ سرشٹی کے شروع سے آج تک اس بہت زیادہ ودادہ کا کارن بنے ہوئے وشے کے سمبندھ میں بھی سارو بھوم سو تنتر سدھانت ایک ہی رہا ہے۔ ایشور کے سروپ کے سمبندھ میں ویدک آدرش یہ ہے۔ کہ ایشور ایک ہے وہ سرو شکتیمان ہے اس کی اسنکھیات شکتیوں کے کارن اسکے اسنکھیات نام ہیں۔ وہ جگت کو پیدا کرتا ہے۔ دھارن کرتا ہے اور اس کا پرلے کرتا ہے۔ اس لئے اسکے برہما وشنو اور مہیش یہ تین نام ہیں۔ ان تینوں گنوں سے بھگت پرمیشور کا دھیان کرنے کے لئے اُسے تری مورتی بھی کہا جاتا ہے۔ سمے گزرنے پر جب ویدک پرتھائیں کچھ وکرت ہو گئیں۔ تو ایک ایشور کے مختلف ناموں میں مختلف دیوتاؤں کے روپ میں پوجا کی جانے لگی اور سرشٹی کے سمبندھ میں اس کے تین روپوں کو پرتھک پرتھک دیوتا کے روپ میں مان لیا گیا۔ انہی کے آدھار پر ہندو سماج میں تین اُپ متوں کی اُتپتی ہوئی۔

مصر کے دارشنک بھی ایشور کے سوروپ کے سمبندھ میں ٹھیک یہی اپریکت ویدک سدھانت ہی سویکار کرتے ہیں فلاسفر ایپولونیس کا کتھن ہے:-

"سنسار میں بھن بھن دیوتاؤں کی جو پوجا کی جاتی ہے وہ واستو میں بھن بھن روپ میں سرو شکتیمان ایشور کی ہی پوجا ہوتی ہے۔ وہ ایک ایشور سرو شکتیمان اور اجنما ہے" (صفحہ ۲۸ ہندو میتھالوجی)

اس لیکھ میں نہایت اختصار کیساتھ ہم نے یہ ثابت کرنے کا پریتن کیا ہے کہ رشی دیانند نے اپنی سوکشم رشی بدھی کے ذریعہ جن ویدک سدھانتوں کا پرتی پادن کیا ہے واستو میں وہ سرو تنتر اور سارو بھوم ستیہ سدھانت ہیں۔ انہیں ستیہ سدھانتوں کا پرسار کرنے میں ہی منش ماتر کا ہت ہے۔ آج اس دیپ مالا کے پنیہ مہورت میں ہم شردھا پورک اس رشی کو پرنام کرتے ہیں جس نے بھارت ورش کو ستیہ مارگ کے درشن کرائے۔ سو اس یُگ کے آچاریہ رشی دیانند کی یاد میں سمر کے لئے اس اندھکار کال میں پرکاش کا کاریہ کر... بھگت ہیں اور ستیہ پریمی دیانند دوارا پرکاش...

وید اور آریہ

(از منتری سوامی سرودانند جی مہاراج)

آریہ شبد گن واچی یعنی صفاتی نام ہے نیک فعل نیک عمل۔ نیک عادات کا جو آدمی ہو وہ آریہ ہے۔ ایسی جماعت کا نام آریہ سماج یا آریہ جاتی کہا جاتا ہے۔ اس کے دپریت نہیں اس جاتی کے گن گورو سے اس دیش کا نام آریہ آورت پڑا۔ وید آریہ شبد کو اُتم بتا رہے ہیں۔ یوگی راج کرشن چند جی مہاراج گیتا میں آریہ شبد کی مہما کو گا رہے ہیں۔ برہمن دوان ہر روز سنکلپ پڑھتے ہوتے اس کو ہی سنا رہے ہیں۔ مگر پھر بھی دیش واسی اپنے کو آریہ کہنے میں گھبرا رہے ہیں۔ یہی اگیان ہے۔ اس کا ہی اوڈیا نام ہے۔ یہی انسان کو بھلاتی ہے۔ یہی منش سماج کو غلامی کے جال میں پھنساتی ہے جب تک اوڈیا کا ساتھ رہتا ہے کوئی بھی جاتی سوتنتر ہونے نہیں پاتی ہے۔ اس کو ہی سامنے رکھ کر دیا شیل رشی نے تمہارے ہت کے لئے تم کو آریہ شبد کا گورو بتایا۔ اور اُن کا کرتویہ سمجھایا۔ آریوں کو ویدوں کا ٹھیک ٹھیک گیان تھا۔ اور اس کے موافق چال چلن بنانے کا ہر وقت ان کو دھیان تھا۔ اس سبب سے ہی ان کا سنسار میں مان تھا۔ یہ جاتی پراچین نیک عمل کرنے کرانے میں پردین اور ہر طرح سے سوادھین تھی۔ اپدرو کا رچی اگھاتوں سے بچے ہوئے جگر بہتہ ملتے ہیں۔ ان کی چھان بین سے یہ پتا چلتا ہے۔ کہ آریہ جیون بڑا ہی پوتر اور پاک صاف تھا۔ کمی بیشی کا خیال تو ہر وقت ہی رہتا ہے۔ مگر اس وقت نیک گنوں کے ظاہر ہونے پر دوش بھی چھپ گئے تھے۔ یہ کہنا ٹھیک ہی ہے۔ جیسے اس وقت پدارتھ ودیا سے ریل تار وغیرہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ مگر اتنا کرن کی پرستی کام کرودھ لوبھ موہ سے بڑھتی ہی وحشت ہو رہی ہے۔ یہ ظاہر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ بے قراری اور بے چینی سے منش سماج دکھ پا رہا ہے۔

اب ان کی جیون یاترا پر دھیان دیں

(۱) سرو سر شٹی منڈان میں کامل سروانتریامی سرو گیہ۔ سرو دیاپک ہی آریوں کا اُپاسیہ دیو تھا اُن کو سنتے یہ پاٹھی تھا کہ وہ ایک ہے۔ لا شریک جنس تحت تعال ہے۔ دُنیا کی پیدائش قائمی طاقت کم در انصاف سے تمام جیووں کو ان کی سزا جزا کا ہونا اس کے ہی ہاتھ ہے۔ اس لئے اسی کی عبادت کرنا ہی دُنیا وی سکھ اور موکش کا باعث ہے یہ جان کر اس کو دل سے کبھی نہیں بھلاتے تھے۔

(۲) وہ ستیہ وادی۔ ستیہ مانی۔ ستیہ کاری تھے۔ راگ دویش سے متھیا بھاشن کرنا اُن کے سوبھاو سے علیحدہ تھا۔ اس سبب سے ہی پرتگیا کا پالن کرنا ان کو پرانوں سے بھی پیارا تھا۔

(۳) فرض یعنی کرتویہ کے پالن کرنے کی خواہش اُن میں اس قدر پربل تھی۔ کہ سنسار کی کوئی چیز اُن کو اپنے ارادہ سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

(۴) منش سماج میں رہ کر انیائے سے کسی سے بھی کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ہر وقت ایسے نیموں کا پالن کرتے اور کراتے تھے۔ اُن کے وچار اس قدر پاکیزہ تھے۔ کہ اوروں کے ساتھ اُپکار کرنے کو ہی اپنا اُپکار سمجھتے تھے اور اپکار کرنے کو پاپ جانتے تھے۔ اور وہ فراخ دلی کا ہر وقت ثبوت دیتے تھے۔

(۵) وہ خود نیائے کا ہمیشہ کام کرتے اور اوروں سے کراتے تھے۔ انصاف کے آگے سر جھکانے کی اُن کو عادت تھی۔ اُن کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ جہاں نیائے کا پرکاش ہے۔ وہاں ہی پرماتما کا پرکاش اور دُنیاوی سکھ کا وکاس ہے۔ اس لئے انیائے مولک کلیش پات سے دور رہنا منش جیون کا اصلی اُدیش مانتے تھے

(۶) دُراچار کے مٹانے اور سداچار کے پھیلانے میں آلس اور پرماد کو چھوڑ کر لگاتار یتن کرتے رہتے تھے۔ سدگنوں کا آدھار سداچار ہی ہے۔ یہ اُن کو پورن وشواس تھا اس لئے سداچار سے اُن کو جس قدر پیار تھا۔ دُراچار کے لئے اُن کے من میں اتنا ہی ترسکار تھا۔

(۷) آریوں نے چرکال اور لگاتار وید کے دی ستیہ شاستروں کو وچار کر ایسے اعلیٰ اصولوں کا ظہور کیا تھا۔ کہ جن پر عمل کرنے سے وہ ہمیشہ تندرست اور طاقتور بنے رہتے تھے کبھی بیمار ہونے پر سادھارن اوشدھی یا پتھیہ کے کرنے سے بیماری سے رہائی پاتے تھے۔ اُن کو یہ علم الیقین تھا۔ کہ کمزوری ہی دُنیا میں سرو پاپوں کا بیج اور دُکھوں کا مُول ہے۔ اس لئے تندرستی ☙☙ ☙☙ کے خراب کرنے والے نیموں کو ہی خراب کر دیتے تھے۔

(۸) اُدارتا یعنی فراخ دلی کی دھیرتا اُن کے سوبھاو میں ان باتوں سے پرگٹ ہوتی ہے۔ کوئی بھی انسان کیوں نہ ہو۔ اپنے پرشارتھ جیسے گن کرم اور سوبھاو اپار جن سے حاصل کرتا تھا۔ وہ ویسا ہی ادھکار پاتا تھا جس سے ورن آشرم کی مریادا بڑی ہی خوب صورت اور مضبوطی پر تھی۔ ہر ایک انسان آنتر گنوں سے (بقیہ دیکھو صفحہ کالم ۳ کے نیچے)

رشی دیانند کی تعلیم

(از پنڈت یوگیراج جی نظر سوہانوی)

دیانند سوامی کا حسنِ جلالی — مرا نورِ ایماں مرے دل کا نالی
یہ کہتا تھا وہ گلشنِ دیں کا مالی — ہے دُنیائے دوں ایک بزمِ خیالی
نہ رہنا مگر دُور حسنِ عمل سے
ملے گی نہ منزل کبھی پائے شل سے

خودی سے کہیں اپنی ہستی نہ کھونا — کبھی تخم بنجر زمیں میں نہ بونا
ہوس میں نہ اشکوں کی مالا پرونا — کہ ہے دستِ قدرت میں ہونا نہ ہونا
جو چاہو کہ سرسبز دل کا چمن ہو
رہِ نیک پر عمر بھر گامزن ہو

خدا منقسم ہو جو وہ شے نہیں ہے — جو نغمہ ہے وہ ہستیِ نے نہیں ہے
کبھی رُوح کو رام ہیں لے نہیں ہے — مری جاں نہیں ہے نہیں ہے نہیں ہے
خدا کل نہیں رُوح ٹکڑا نہیں ہے
یہ قطرہ نہیں ہے وہ دریا نہیں ہے

زمانے میں ویدوں کا ڈنکا بجا دو — جو سوئے پڑے ہیں انہیں پھر جگا دو
ضیا بارِ ایماں بنو۔ جگمگا دو — دلوں سے خودی کا اندھیرا مٹا دو
حقیقت جو چاہو تو ویدوں سے لینا
انہی میں سے لینا انہی میں سے لینا

ہزاروں حقیقت کے لب تشنہ تر ہیں — مگر چشمۂ وید سے بے خبر ہیں!
اُٹھو سب یہ کہتے ہیں ہندو کدھر ہیں — کہاں آریاؤں کے لختِ جگر ہیں
ہمیں وید کے پاک منتر سُنا دیں!
ہمارے دلوں کی لگی کو بجھا دیں!

اچھوتوں سے نفرت کی راہیں کھولو — تیرا اپنے سر پر نیوکی آپ تو لو
زبانوں سے لفظوں کے موتی نہ رولو — جو کہتے ہو کرتے بھی ہو منہ سے بولو
پڑے گر تمہیں اس طرح ظلم سہنا!
تو بتلاؤ دُنیا میں کے دِن ہو رہنا

جہالت میں جب سے پھنسے ہو یہاں تم — یہ سوچو گرے ہو کہاں سے کہاں تم
نہ پہنچا جہاں کوئی بھی تھے وہاں تم — کہ بھارت میں رہ کر تھے زیبِ جہاں تم
سکھائی تھی یونان کو تہذیب کس نے
تمہیں سے دیا تھا نیا جو بھی جس نے

ملا ہے تمہیں پھل یہ اپنوں سے لڑ کر — کہ بستے ہو اغیار کے پاؤں پڑ کر
اچھوتوں سے چلتے ہو کیوں تم اکڑ کر — جو مہتر ہیں پل میں رہ جاؤ سڑ کر
تمہارے دلوں کا لہو سو گیا ہے!
تمہیں آہ کیا جانے کیا ہو گیا ہے

بتوں کو تم اپنا خدا جانتے ہو — مسلماں پیروں کو تم مانتے ہو!
جو اپنے ہیں ہردم انہیں سانتے ہو — بیگانوں کی بربادیاں ٹھانتے ہو!
جو اہلِ نظر ہو تو خود کو سمبھالو
اُٹھو اور گرتے ہوؤں کو اُٹھا لو

جگت کا اُپادان کارن

از شری سوامی سوتنترا نند جی آچاریہ دیانند اپدیشک ودیالیہ

سرشٹی اُتپتی کے وشے میں دو پکش ہیں پہلا یہ کہ ایشور ہی تھا۔ جس نے اپنے سے ہی سب کچھ بنایا۔ دوسرا کہ ایشور اور پرکرتی انادی ہیں۔ ایشور اس سنسار کو پرکرتی سے بناتا ہے پہلے پکش والے ایشور ہی کو نمت اور اُپادان کارن مانتے ہیں۔ اور دوسرے پکش والے ایشور کو نمت کارن اور پرکرتی کو اُپادان کارن مانتے ہیں ؛

اگر پرتھم پکش مانا جائے۔ تو یہ پرشن ہے۔ کہ ایشور آرمبھک اُپادان کارن ہے یا پرنامی اُپادان کارن ؟ ان کا مطلب سمجھ میں آجائے۔ اس لئے کچھ سپشٹ کر دینا اچھا ہوگا۔ آرمبھ واد میں یہ نیم ہے۔ کہ کئی دروبہ مل کر ایک دروبہ کو پیدا کرتے ہیں۔ جیسے انیک تنتو مل کر ایک پٹ کو بناتے ہیں۔ انیک اینٹیں مل کر مکان بناتی ہیں۔ اتیادی۔ ایشور کو آرمبھک اُپادان کارن ماننا اسمبھو ہے۔ کیونکہ ایشور انیک نہیں ہیں۔ اور نہ کوئی ایشور کو انیک مانتا ہے۔ کیول جینی انیک ایشور مانتے ہیں۔ وہ جگت رچتا نہیں مانتے۔ ان کے مت میں پرکرتی میں چپ اُپجپ ہوتا ہے۔ اور سنسار سروداہی بنا رہتا ہے۔ اور ایشور اُس جیو کی سنگیا ہو جاتی ہے۔ جو موکش کو پراپت کر لیتا ہے۔ اس واسطے انہیں اس پکش میں سمیت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور آرمبھ واد بھی اسمبھو ہے ؛

اب دوسرا پکش پرنام واد کا ہے۔ جس کا سوروپ اس طرح ہے۔ دودھ میں کچھ کھٹائی ڈالنے سے اُس کا دہی بن جاتا ہے۔ ارتھات دودھ میں پرنام ہو کر دہی بنتا ہے۔ اور کھانڈ میں پانی ڈالکر اُسے پکا کر انیک مٹھائیاں بنائی جاتی ہیں۔ جو مٹھائی صرف کھانڈ سے بنتی ہے۔ وہ کھانڈ کا پرنام ہے۔ آرمبھ واد کی نسبت اس پکش کو مان لینا سہل ہے۔ کیونکہ جیسے وہ پکش ہے۔ اس طرح اس میں وہ دوش نہیں ہے ؛

ایشور سروویاپک ہے۔ اس لئے سوستھانوں پر سرشٹی ہوتی ہے۔ جیسے جل میں پرتیک ستھان پر ترنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایشور میں سنسار بنتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے ایشور جگت کا اُپادان کارن ہے ؛

اس پکش میں یہ دوش ہیں۔ پہلا کاریہ میں کارن کے گُن آتے ہیں۔ جگت کا اُپادان کارن ایشور ہونے سے جگت میں ایشور کے گُن آنے چاہئیں۔ پرنتو اس سنسار میں ایشور کے گُن نہیں ہیں۔ اس لئے ایشور اُپادان کارن نہیں ہے ؛

دوسرا جب ایشور میں پرنام ہو کر جگت بنتا ہے۔ تو پوچھنے یوگیہ بات یہ ہے۔ کہ وہ پرنام ایشور کے کسی دیش میں ہوتا ہے۔ یا سارے میں ؟ اگر سارے ایشور میں پرنام ہوتا ہے۔ تو ایشور باقی نہ رہے گا۔ جیسے دودھ میں پرنام ہونے پر دہی بننے سے دودھ دہی بن جاتا ہے۔ اور دودھ باقی نہیں رہتا ہے۔ ویسے ہی ایشور کی اوستھا ہوگی۔ اور اگر یہ نہیں کہ پرنام سرو میں نہیں ہوتا۔ کسی ایک دیش میں ہوتا ہے۔ جیسے جل میں ایک دیش میں ترنگ ہوتا ہے تو ایسا ماننے پر یہ پرشن ہوتا ہے۔ کہ آپ ایشور کو

सावयव

مانتے ہیں۔ یا

निरवयव

؟ اگر آپ پہلا ہے تو جل وت ایک دیش میں ترنگ کا اداہرن ٹھیک نہیں کیونکہ جل وکاری اور

सावयव

ہے۔ ایشور وکار شونیہ اور

निरवयव

ہے۔ اس لئے ایشور پرنامی کارن بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی بات کو سامنے رکھکر ویاس جی نے شاریرک سوتروں میں

कृत्स्न प्रसक्तिः निरवयवत्व शब्द कोपोवा

سروایشور جگت آکار ہو جائے گا۔ اتھوا نِرویہ پرتی پادک وچنوں سے ورودھ ہوگا ؛

اُپروکت کارنوں سے ایشور کا ابھنّ پرکار سے اُپادان کارن ہونا سدّھ نہیں کرتا ؛

تیسرا پکش ایک اور ہے۔ جو وِورت واد کہلاتا ہے وِداس کا الاپن اس طرح کہتے ہیں :-

کسی کو راستہ میں رجو (رسی) کا بودھ نہ ہونے سے رجو (رسی) میں سانپ کا بھرم ہوتا ہے۔ اس سمے جو سانپ پرتیت ہوتا ہے اُس کا اُپادان کارن آرمبھ واد اور پرنام واد سے کچھ نہیں بنتا ہے۔ کیونکہ وہ سانپ کسی کا پرنام نہیں اور نہ ہی کسی کارن نے اُسے مل کر بنایا ہے۔ اس لئے وہ سانپ رجو کا وِورت ہے۔ نوین ویدانتی بھرم ستھلوں کو اداہرن سے یا سوپن کے درشٹانت سے برہم کا وِورت سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہیں وِورت وادی کہا جاتا ہے۔ وِورت واد میں جو بھرم کے اداہرن ہیں۔ اُن کے آدھار پر ویدانتی کو یہ بتانا ہوگا۔ کہ یہ بھرم کس کو ہوتا ہے اور کس میں ہوتا ہے۔ ادویت واد میں اس کا کوئی سمادھان نہیں ہے۔ اور سوپن کے درشٹانت کو ویدانت کے آچاریہ ہی اسویکار کرتے ہیں۔ وہ ویدانت درشن کے ترک پاد میں لکھتے ہیں :-

वैधर्म्याच्च न स्वप्नादिवत

ارتھات دھرم والا ہونے سے یہ سنسار سوپن وت نہیں ہے۔ اس سوتر پر بھاشیہ کار بھی یہی لکھتا ہے۔ اس لئے یہ واد بھی پہلے وادوں کی طرح ٹھیک نہیں ہے ؛

جب ایشور جگت کا اُپادان کارن نہیں ہے۔ تو پرشن ہوگا۔ اُپادان کون ہے۔ رشی دیانند سرسوتی جی نے اس وشے میں لکھا ہے۔ جگت کا اُپادان کارن پرکرتی ہے آریہ سماج ریک ہے اس لئے وِکشی پوچھے گا۔ اِس پرکرتی کے انادی ہونے میں کوئی وید منتر بھی ہے ؟ اس لئے پہلے وید منتر لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے :-

अजारे पिशंगिला श्वाविटकुस पिशंगिला। शशआसक्त स्कन्द मर्षत्माहिः पंथा विसर्पति
म०२३-५६॥

ہے وِدوان! انادی پرکرتی پرلے کال میں سنسار کو نگلنے والی ہے اتپتی کال میں جگت کو اپنے سے پرگٹ کرتی ہے۔ گیانی اس پرکرتی کو کود جاتا ہے۔ اور اگیانی جنم مرن بیچ میں بھٹکتا ہے ؛

اس منتر میں پرکرتی کو اج اور سنسار کو کارن کہا ہے۔ اور

एषा सनली सनमेव जाते-
षा पुराणी परिसर्व बभूवा महो
देव्युषसो विभाति सैके नैकेन-
मिषुता विचष्टे (अथर्व १०-८-३०

(یہ سناتن سدا ہی پرگٹ رہتی ہے۔ یہ پرانی ہوتی بھی سب کاریوں میں ویاپت ہے) ؛

اس منتر میں بھی پرکرتی کو سناتن اور جگت کے کاریوں میں ویاپت کتھن کیا ہے۔ اور شویتا شوتر اپنشد میں

मायांतु प्रकृति विद्यात मायि-
नं तुम हेश्वरम

(مایا کو سنسار کا اُپادان کارن جانو اور ایشور نمت کارن ہے) ؛

اور ویدانت سوتروں میں

आत्मकृतेः परिणामाच्च

سوتر سے آچاریہ نے یہی بھاو پرگٹ کیا ہے۔ کہ ارتھات ایشور نمت کارن ہے۔ اور پرنامی کارن ہونے سے پرکرتی اس جگت کا اُپادان کارن ہے۔ وید اپنشد سوتر اور یکتی سے یہی سدّھ ہوتا ہے۔ کہ ایشور نمت کارن اور پرکرتی اُپادان کارن۔ جس سے جگت اُتپن ہوا ہے یہی رشی نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ اور یہی آریہ سماج کا سدھانت ہے ؛

وید اور آریہ۔ بقیہ مضمون صفحہ ۹

حق طلب کرتا تھا۔ ترقی کا راستہ سب کے لئے کھلا تھا۔ اور سب سے سب کو سُکھ اور آرام تھا ؛

(۹) آریہ پُرش پرماتما کی اُپاسنا کے پشچات کسی بھی دُنیا وی شے کی یاچنا نہیں کرتے تھے۔ یہ اُن کا وشواس تھا۔ کہ جو دستو ہمارے پُرشارتھ سے حاصل ہو سکتی ہے اُسکی طلب فضول ہے۔

(۱۰) آریوں نے وید انوکول آشرموں کے نیموں کا ٹھیک ٹھیک پالن کر کے دھرم ارتھ کام اور موکش کے مارگوں کو تدرسیدھا اور سرل بنا دیا تھا۔ جس سے سنسار سکھی اور شانت پریہ تھا۔ آریہ سماج کو چاہئے۔ کہ سمجھ سوچ کر اپنے پُرشارتھ کو بڑھا دے۔ دیکھنے سے یہ ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ ہندو سماج جن ودشوں سے ودشت تھا۔ وہی ودش آریہ سماج میں بل بڑھ رہے ہیں۔ اگر دھیان نہ دیا۔ تو پُرشارتھ بیکار ناکامیابی جنتا کی بھرمار اور اپنے ہی من میں اپنا تِرسکار ہو گا۔ [illegible] نہ چاہا گیا۔ تو سماج کا اُپ ہاس جنتا میں اور [illegible] سکار ہاس ہوگا ؎

تھا وہ چترودہ سمے جب ویدوں کا دگیان تھا [illegible]
اپنے اپنے کرم میں ہر ایک بدھ [illegible]
پرسن رہتے تھے سدا کچھ بھی نہ چنتا من میں تھی
شُدھ رہتے نام کو بھی ملنتا تن میں [illegible]

لوتھر سے بڑا دیانند

(از سادھو ٹی۔ ایل وسوانی ایم۔ اے)

میری نربل بانی اُس کی مہانتا کو کیا ورنن کریگی اُس کی مہانتا بدرجہا بڑھکر ہے ٭

ہردیہ کے اندر سمان کے بھاو رکھتا ہوا میں اُس کے برہمچریہ کی خوب صورتی۔ اُس کی تپسیا اور ستیہ کے لئے اس کے آندولن کے سامنے اپنا سیس نواتا ہوں ٭

لوتھر اعظم تھا۔ تو دیانند اعظم تر تھا۔ دیانند کی عظمت کا راز میں نمرتا سے کہتا ہوں۔ اُس کے جیون کے سندیش اور شکشا میں پنہاں تھا ٭

دیانند کی میں پوجا کرتا ہوں۔ وہ شکتی کا پیکر تھا۔ وہ کرم شیل تھا۔ اور اس لئے ایسی شخصیت کا مالک تھا۔ جس کے جیون کا مطالعہ نوجوانوں کو قومی تعمیر کے لئے بل اور اتّجنا پراپت کرنے کے نمت کرنا چاہئے ٭

وہ تنہا تھا۔ اُس کی تنہائی میں کشش تھی تنہا اور دیوتا پورن۔ تنہا اور دلیر۔ تنہا اور آتمک شکتی سے سمپورن ٭

ایشور کرے وہ دن جلد آئے جب دیانند کی برسی بھارت کے طول و عرض میں بطور قومی تہوار کے سماروہ سے منائی جانے لگے ٭

کیوں؟ اس لئے کہ دیانند سرگرم دیش بھگتی تھا۔ میں اس قومی ہیرو کی مورتی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ اس نے نہ صرف اچھوت پن کی لعنت کو دور کرنے کا پرچار کیا۔ بلکہ ذات پات اور بندھنوں کو بھی اڑا دینے کی تلقین کی۔ اُس نے سودیشی۔ راشٹر بھاشا اور راشٹر شکشا کے لئے آواز بلند کی۔ اُس نے ناچوں اور اسی طرح دوسرے منشوں کو برابر کے ادھکار دیئے جنہیں پہلے گناہ و اچھوت کہا جاتا تھا ٭

ٹھیک۔ ہندو دھرم کے تمدن اور ہندوستان کی [illegible] کی وہ سا کشات ساہسی تھا۔ اس ریت رسم اور تمدن کی بنیاد برہمچریہ کے اصول پر رکھی۔ نہ کہ بھوگ واد کے نیم پر۔ دیانند برہمچریہ کا ساکشات اوتار تھا۔ اُس نے ابھر کر بھارتیہ سبھیتا کے ہردے میں بل بھرا۔ وہ آتمک آدیش کا۔ جس نے بھارت کو اگیتا کا تیرتھ اور ٹھنڈک کا سمندر بنا دیا تھا۔ اور جس نے اتہاس کے ابھیودے کے جشن تحفوں کا سنگ بنا رکھا تھا طاقت میں یونان اور دیانند کی شکشا کے سندیش ——— کے سندیش ——— سے

مہک رہے ہیں۔ اور یہ وہ سندیش ہے۔ جس کی آج ہمیں ضرورت ہے۔ کیونکہ ہندوستان بھارت کی حقیقی آزادی نقل میں نہیں۔ اپنے آپ کو جاننے میں ہے۔ مستقبل کا مورخ ہماری اس شتابدی کو مغرب کی شکست کی شتابدی کے نام سے تعبیر کریگا۔ بھارت اگر یورپ کی نقل کریگا۔ تو گراوٹ کے راستہ پر وہ اور زیادہ تیز گامی سے آگے بڑھے گا ٭

اس لئے نوجوانوں کے لئے میرا سندیش ہے۔ کہ نقل کے آسان راستے پر چلنے سے پرہیز کرو۔ مغرب کے شش نہ ہو۔ بلکہ خود موجد بنو۔ اور ایسا نیا بھارت بناؤ۔ جو رام اور ویدک یگ کے رشیوں کے زمانہ کے بھارت سے بھی بڑا ہو ٭

بقیہ کالم ۴ صفحہ ہذا

بھارت اگر وہ آزادی حاصل کر سکتا ہے جو اُسے سوراجیہ کی راہ پر ڈالنے والی ہو۔ تو لازمی ہے کہ وہ دھارمک سدھانتوں کو اپنے نت پرتی کے جیون میں دھارن کرے ٭

ایکتا اور بھراتری بھاو!

(از مسٹر ہری۔ ایس۔ ایل پولک بیرسٹرایٹ لاء لنڈن)

بھارت آج کل نازک حالات میں سے گزر رہا ہے۔ اور اگر آج اُسے سنگھٹن کی ضرورت ہے تو وہ ایکتا اور بھراتری بھاو کا سنگھٹن ہے۔ ایکتا سے میرا مطلب وطنیتوں اور جماعتوں کا کیول ظاہری اتحاد نہیں۔ اگر ایشوری انش ہی سب کچھ ہے اور سب میں ہے۔ تو ہمارا نکتہ نگاہ یہ ہے کہ ہم تمام مذاہب کی شکشا ہے۔ کہ ہر ایک ویکتی ہر ایک جیون کی پرتیک اوستھا میں ایشوری انش کی تلاش کریں۔ ایک بودھ لامینی مصنف کا قول ہے کہ

میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سارا ملک پرچین آدرشوں اور داشتوں سے بیگھم ہو چکا ہے۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں۔ جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک چیز محض اپنی قدامت کی وجہ سے قابل قبول ہے۔ اور نہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں۔ جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ کوئی چیز محض پرانی ہونے کی وجہ سے ترک کرنے کے قابل ہے۔ مسٹر آلیور لاج ان دونو انتہاؤں کے خلاف متنبہ کرتے ہیں ٭

ایسے وچار اور آدرش ہیں۔ کہ جو ہمیشہ سے بھی وہ ہمیشہ نئے اور تازہ ہیں۔ ان میں سچے ایسے انش ہیں۔ جن سے اچھے مانو سنسار کو ابھی تک معلوم نہیں ہوئے۔ اور ان وچاروں میں سے خصوصاً وہ وچار آج بھی ویسے ہی سچے ہیں جیسے اُس وقت تھے۔ جبکہ پہلے پہل وہ ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اور یہ ہیں ایکتا اور بھراتری بھاو کے وچار ٭

اگر ہم ہر ایک وستو میں ایشوری انش سمجھیں اگر ہم اسباب کو کم اہم رکھیں۔ اور یہ مانتا کے نیم کہ سچے آہستہ آہستہ اور یقینی طور پر کاریہ روپ میں آتے ہیں۔ اور یہ تمام وستو ایشوری آنندوں کی طرف حرکت پذیر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ ہماری محدود نگاہوں کو کیسے ہی ناموافق۔ مخالف اور متناقض کیوں معلوم نہ ہوں۔ تو ہم اپنے دلوں کو زیادہ عقیدت زیادہ استقلال اور زیادہ تحمل سے اپنے کرتویہ میں پریت کر پائیں گے۔ قومی بہبودی کا کوئی بھی کام وہ کیسا ہی حقیر کیوں معلوم نہ ہو۔ واستو میں اتنا حقیر نہیں ہوتا۔ کہ ہم اُسے استقلال سے نہ کریں۔ یا اپنے ساتھی کارکنوں کو اُس کے کرنے کے لئے پریرنا نہ کریں۔ اگر ہم اسی بھاو کو اپنے اندر دھارن کریں۔ کہ منش ماتر خصوصاً ہمارے دیرودھیوں کے اندر بھی ایشوری انش ہے۔ تو نفرت۔ جھگڑا اور حسد دور ہو جائینگے منش اوسحادی سے سونترتا پراپت کرنے پر اُنت ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح جب اُسے سیدھا مارگ معلوم ہو۔ تو وہ اس پر چلنے کے لئے کسی ساتھی کے انتظار میں نہیں رہے گا ٭

آج ہندوستان کو جس چیز کی اہمیت اور آشیکتا ہے۔ وہ دھارمک پکھ پر زور دینا ہے۔ جو بلبیر دھارمک بھاونائیں اور راج نیتک نیتوں کے بندھنوں سے آزاد ہو ٭

(بقیہ اسی صفحہ کے کالم ۲ کے نیچے)

سوامی شردھانند جی کے پتا شری لالہ نانک چند جی

وہ کوئی منش میرے لئے غیر نہ ہو" اس کا یہ وچار محض بے معنی راز جوئی سے پیدا شدہ نہیں تھا۔ بلکہ اس بودھ فلاسفر کا انوبھو تھا۔ کہ صادق اور وسیع النظر ناظر کے لئے اس کے مشاہدہ کے دائرے سے کوئی چیز باہر نہ ہونی چاہئے۔ کوئی چیز اجنبی اور غیر نہ سمجھی جانی چاہئے۔ اور کوئی شے ناقابل چھوت اور دلچسپی سے باہر خیال کی جانی چاہئے۔ بلکہ ہر ایک کو کل کا جزو سمجھنا چاہئے جس کا اپنی محدود انسانی نظر سے ہم صرف ایک حصہ دیکھ سکتے ہیں ٭

بھارت کے راج نیتک اور سماجک جیون

وشو جگت کو آریہ بناؤ

(شریمان راجکمار سری اُمید سنگھ جی شاہپورہ راج)

انیک پرکار کے پرانی جو سرشٹی میں آپنن ہوئے ان میں منش اس لئے سریشٹھ مانا گیا کہ یہ منن شیل پرانی ہے - اسی کا ایک دوسرا نام مسلم یعنی پرانی ہے - انیہ پرانی اپنی سوابھاوک پرورتی سے اپنی جیون یاترا سماپت کرتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی دوسرا نہیں ۔ منش نہیں پرنتو منش کے لئے منن شیل ہونے کے کارن منن شیلتا آوشیک ہے ۔ اسی لئے پرماتما پرماتما نے اپنی اسیم دیا سے آدی سرشٹی میں اگنی - آدتیہ وایو اور انگرہ رشیوں دوارا اپنا پرتر گیان دید کے روپ میں پرگٹ کیا - جس کا منن کر کے اور تدانوسار آچرن کر منش اپنے دھیے پر پہنچ جائے ۔

ویدک دھرم - ورن آشرم دھرم کا پرتیاوک ہے - بڑا ایسا سرل اور سیدھا مارگ ہے - مگر اس پر چلتا ہوا منش سنسار میں ابھیودے اور پرلوک میں اُچھ گتی کی پراپتی سرل سے کر سکتا ہے - بھارت کا اتیت گرو تو اس سمے اتیتی کے پیٹ میں چھپ گیا ہے - تاہم اس سے کوئی بھی اتہاس کا واقف ودوان انکار نہیں کر سکتا - جس وقت لوگ اس سچ کے انوگامی تھے - اُن میں شانتی - سچائی - اہنسا - ترک سنشیلتا - اور پرماتما آدی شبھ گن موجود تھے - تبھی تو منو مہاراج نے زور سے کہا تھا :-

एतद्देश प्रसूतस्य
सकाशा देग्न जन्मनः
स्वं स्वं चरित्रं शिक्षेरन
पृथव्यां सर्व मानवाः ॥

اس کے تیاگ دینے سے ہی اس دیش آورت کی اپت ہونے کہ منش کوئی سے گر کر پشو کوٹی میں جا پہنچے ۔

مگر اس سمے جتنے مت متانتر پرچلت ہیں سب کا نصب العین ایک ہی ہے - سب ہی شانتی پراپت کرنا چاہتے ہیں ۔ پرنتو مارگ مختلف ہونے سے ہم سب بھٹک رہے تھے جبکہ رشی دیانند نے آکر ہمیں پراچین ویدک دھرم کے تتوں کو سمجھایا - اور بتلایا کہ

नान्य पन्थाः विदयते ऽयनाय ॥

آریہ سماج کی ستھاپنا اس اُدیش سے کی کہ ورن آشرم دھرم کے گپت سدھانتوں کو سروسادھارن تک پہنچا کر جیون سپھل بنانے کا سرل اپائے سب کے سامنے رکھے - یہ سپھل تبھی ہو سکتا ہے - کہ پرتیک آریہ آج رشی کی پورتی میں سہیوگ کرے ۔

कृण्वन्तो विश्वमार्यम्
अपघ्नन्तो अरावणः

ایشور ایسا ہی کرے ۔

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۲)

ہو جائے گی ۔

رشی دیانند کے جیون کا یہی لکش تھا - کرپا چین منش جاتی کو سواتنتریہ بنانے اس کے لئے کرانتی کی آوشیکتا تھی - سمے کرانتی کے انوکول تھا - بھو منڈل کے آکاش پر کرانتی کا پون بہہ رہا تھا - بھارت میں بھی اس کا آنا انوارییہ تھا - جب بھارت میں کرانتی کے پون کو بہانے والے مہانو بھاووں کی فہرست تیار کی جائے گی - تو رشی دیانند کا نام اس میں یقیناً سب سے اونچا ہو گا ۔

دلتوں کی سمسیا کا حل

(بقیہ کالم ۲ صفحہ ۱۳)

سوراجیہ کی جدوجہد میں شامل ہو جائیں - جس کے لئے کانگرس پرتین وان ہو رہی ہے - اس طرح وہ اپنا سچا اُدھار کر سکیں گے ۔

ساماجک کرانتی

(از پروفیسر اندر ودیا واچسپتی ایڈیٹر روزانہ ارجن)

ہر ایک سماج میں سمے سمے پر کرانتی کی آوشیکتا رہتی ہے - لیکن وہ کبھی اکیلی نہیں آتی - ساماجک کرانتی مانسک کرانتی کا پرنیام ہوتا ہے ۔

مانسک کرانتی جاتی کے جگانے اور سچیت ہونے کا چنہ ہے - ٹھہرے پانی میں کائی جم جاتی ہے - گتی کے ابھاو سے اور نئی پوتر وایو کا سمپرک نہ ہونے سے سڑاند پیدا ہو جاتی ہے - وہ سڑاند پانی کو ہی بدبودار نہیں بنا دیتی - اڑوس پڑوس میں روگ کی اتپتی کا بھی کارن بنتی ہے - سڑاند کو دور کرنے کا اپائے ہے - نالی نکال کر ٹھہرے ہوئے پانی کو بہا دینا - پرانے پانی کو نکال کر اس کی جگہ نیا پانی بھر دو - بدبو دور ہو جائے گی - اگر پرانے پانی کو نکالنے اور نیا پانی بھرنے کا مستقل انتظام کر دیا جائے - تو ہمیشہ کے لئے سڑاند کی اتپتی کا خدشہ مٹایا جا سکتا ہے ۔

جس تالاب میں گندا پانی بھرا ہوا ہے - وہاں تازہ پانی ملا دو - وہ بھی گندا ہو جائے گا - اگر تالاب کو تازہ رکھنا ہے - تو پرانے پانی کا نکال دینا ضروری ہے - اسی کا نام کرانتی ہے - منش سماج میں جب ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے - کہ وچار رُوڑھی کے روپ میں بدل جاتے ہیں - اور وچاروں کی رُوڑھی سماج میں سڑاند کو پیدا کر دیتی ہے تو اس سمے کرانتی کی آوشیکتا ہوتی ہے - ساماجک کرانتی کا پرارمبھ وچار کرانتی سے ہوتا ہے - وچار کرانتی کو کچھ سمے کے لئے صدیوں سے بندھی ہوئی زنجیروں سے چھڑا کر سوچھند وِہار کرنے کی آگیا دینی پڑتی ہے - اس سوچھندتا کے ساتھ جو بے چینی پیدا ہو جاتی ہے - وہ بھی سڑاند سے تو کہیں اچھی ہے - کیونکہ بے چین جیون موت سے تو اچھا ہی ہے ۔

بھارتیہ سماج میں سڑاند پیدا ہو چکی تھی - وچاروں میں گتی کا لیش بھی نہ رہا تھا - پرتیک بھاو رُوڑھی کے روپ میں بدل چکا تھا - سماج کی رکشا کا کیول ایک ہی اپائے تھا - اور وہ تھا کرانتی ۔

وچاروں کے سمندر میں طوفان کی ضرورت تھی - رشی دیانند وہ طوفان بن کر آیا - اور تھوڑے سے ہی سمے میں بھارت کے آکاش منڈل پر پھیل گیا - رشی نے جو سدھار پیش کئے ان کی سچائی کے سمبندھ میں سندیہہ کیا جا سکتا ہے - رشی کے ویاکھیا میں بھولیں رہ جا سکتی ہیں - پرنتو وچاروں کے پرنالے کو رشی نے جو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے اس کی سمے انوکولتا میں شک کا کوئی امکان نہیں - جس وچار کرانتی اور اس کے ساتھ بندھی ہوئی سماج کرانتی کی دیش کو آوشیکتا تھی - رشی دیانند اس کا لانے والا تھا - یہ سچی بات ہے - کرانتی کے وسترت پروگرام کے سمبندھ میں فروعی اختلاف رائے ہو سکتا ہے پرنتو کرانتی کی آوشیکتا سے انکار نہیں کیا جا سکتا - کرانتی کا نرمانا ہونے کے کارن رشی کو یُگ کا نرماتا کہیں تو نہایت مناسب ہو گا۔

کسی کی رُچی کے انوکول ہو یا نہ ہو - بھو منڈل میں کرانتی کا پرویش ہو چکا ہے - اب کوئی چیز بدلے بنا نہیں رہ سکتی - بدلنا آوشیک ہو گیا - سڑاند ناقابل برداشت ہو گئی تھی - اس کا اپائے پریورتن آوشیک تھا - ایک ہی تھا - اور وہ یہ کہ سمے انوکول پریورتن ہو جائے - پریورتن کا آرمبھ رشی دیانند سے ہو گیا ہے ۔

وچاروں کے واتاورن میں جو جھٹکا لگا تھا - وہ آندھی کے روپ میں چاروں آکاش میں چھا گیا ہے - بھارت کے پرانے کھنڈرات کے ڈھیروں کی طرح جو رواج کئی صدیوں سے بھارت کا راستہ روکے ہیں - وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں - منشیہ جا اور رُوڑھی ٹوٹ جانے سے وہ تنکوں کی طرح اُڑ جائیں گے - صدیوں کا بھرا مواد سوسائٹی کے زخموں سے بہہ جائے گا - اسی کا نام کرانتی ہے ۔

اس کرانتی کا پرینام یہ ہو گا - کہ بھارت بھومی سرشٹی پر بندھی ہوئی زنجیروں سے سوادھین ہو جائے گی - اس کے انگ کھل جائیں گے - وہ نئی شکتی سنچار کرنے لگیگا - پرانا گندہ پانی بہہ نکلیگا - اور اس کے ستھان پر شدھ جل کے آنے کی گنجائش ہو جائے گی - اسی سمے وچار پر بابا داکیہ [illegible] ساماجک پرواج کے اور [illegible] پرستھتی پر درشتی [illegible] سکیں گے - منش سماج استھتی

(بقیہ کے لئے دیکھو کالم ۲)

دلتوں کی سمسیا کا حل

(از مسٹر پُت ایس ستیہ مورتی ایڈوکیٹ ایم-ایل سی مدراس)

چھ کروڑ دلتوں کی موجودگی ہندو دھرم کے لئے دائمی ذلت کا موجب ہے۔ ہندو جاتی اور ہندو دھرم کے لئے یہ سخت خطرے کی بات ہے۔ پرماتما اور منش کے خلاف یہ اپرادھ ہے کہ منش کو منش اچھوت اور ذلت سمجھیں۔ کوئی سچا مذہب اس سدھانت کی تشٹی نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہر ایک سچے ہندو کا کرتویہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے۔ اپنے پوتر دھرم کو اس بدنما دھبے سے پاک و صاف کر دے اس دھبے کو دور کرنے کے کئی سادھن ہیں۔ پرتھم سادھن یہ ہے کہ تمام ہندو برت دھارن کریں۔ اور اسے عمل میں لا کر دکھا دیں۔ کہ ماتو جاتی کے کسی بھی ویکتی کو پبلک سہولیت یا سیوا سے محروم نہ رکھا جائے گا۔ اور نہ ان معاملات میں کسی ویکتی پر کوئی پابندی عائد کی جائے گی۔ اور کہ تمام جاتیوں کو ایک سی مراعات حاصل ہونگی۔

دوسرا سادھن یہ ہے کہ دیش کی تمام پولیٹیکل سنستھاؤں میں حق انتخاب سب کو حاصل ہوگا۔ اس طرح دلتوں کے ووٹ کو یہ قدرت حاصل ہوگی۔ کہ وہ انہیں دوسری جاتیوں کے ساتھ ایک قطار میں کھڑا ہو سکنے کے قابل بنا دے۔ چونکہ دلتوں کی سنکھیا بھاری ہے۔ اس لئے وہ اپنے ووٹ کو اپنی جاتی کے ادھار اور اُنتی کے لئے استعمال میں لا سکینگے

آخری سادھن یہ ہے۔ کہ دلتوں کو تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لئے ضروری سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ ... امر کا خیال رکھیں جس تحت ... قسم کی کوئی پابندی ... لیا ہے۔ انیہ جاتیوں اور گورنمنٹ طاقت سے ... ادھار کے واسطے کہ سادھن ... سدھار ... کرنے چاہئیں۔ ... بھاری دلت جاتیوں کے لیڈروں سے التماس ہے۔ کہ وہ اس افسوسناک ... کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے۔ کہ موجودہ حالات میں DIVIDE & RULE (پھاڑ کر حکومت کرنا) کے اصول پر عمل پیرا ہو کر گورنمنٹ انہیں کچھ کہہ دے ... انہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور سوال پر غور کریں۔ سوراجیہ کے جھنڈے کے نیچے ...

بقیہ دیکھو صفحہ ۱۵ کالم ۲ کے نیچے +

امر واقعہ کو یاد رکھیں۔ کہ ڈیڑھ سو سال برٹش گورنمنٹ کے آدھین رہنے کے باوجود ان کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور کہ دیشی گورنمنٹ کے ماتحت وہ کبھی ترقی نہیں

آریہ سماج اور شکشا

(از پروفیسر ایس این کھیروانی ایم اے)

یہ تینوں نیم آریہ سماج کے شکشا سمبندھی سدھانت کا مول آدھار ہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ آریہ سماج نے شکشا کے کھشیتر میں آشچریہ جنک کام کیا ہے۔ جس کی ساکشی گورو کل کالج۔ سکول۔ پاٹھ سالائیں۔ اور انا تھ آلیہ اتیادی ہیں۔ پرنتو اب سمے ہے کہ آریہ سماج آگے قدم اٹھائے

آریہ سماج کا آدھار اس کے دس نیم ہیں۔ ان میں سے نیم ۶-۸- اور ۹ یہ ہیں:-

(۶) سنسار کا اُپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اُدیش ہے۔ یعنی شاریرک۔ آتمک۔ اور سماجک

انسانی تثلیث

بال استری اور پرش مل کر انسانی تثلیث بنتی ہے۔ سماجک کے کھشیتر میں جو بھی کاریہ کرنا ہو۔ آگے ان تینوں کی بتدریج ترقی کا خیال رکھنا چاہئے + اور سماجک سدھار کے کھشیتر میں اسی کرم سے کام آرمبھ کیا جانا چاہئے۔ جس کرم سے قدرت کرتی ہے۔ اور یہ پرسدھ ہے کہ قدرت کا کاریہ بالکوں سے شروع ہوتا ہے۔ سوشل سدھار کے پریتنوں میں منش پہلی وستو ہے۔ جس کی طرف ہمارا دھیان جاتا ہے اور اس کھشیتر میں پہلا کام مانک پدار یعقول عیاشی اور نشہ بیٹو بے رحمی (کی رسوم وغیرہ بند کرنا ہے +

منش سماج کے لئے وچار کا ادھکار اپنے تئیں محدود سمجھ کر منش آخر جلد اس نامعقول سلوک کا احساس کرنے لگتا ہے جو اس کی طرف سے استری جاتی کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے جس پر آخر سدھار کی توجہ مرکوز ہوئی۔ اس کے بعد اب وقت ہے۔ کہ سوشل سدھار کے معاملہ میں صحیح سوچنے میں ایک قدم اور اٹھایا جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ انو بھو کیا جائے کہ منش کی آزادی اور اس کا سرب ادھار استری کی آزادی اور سرب ادھار کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور استری اور پرش دونوں کی آزادی اور سرب ادھار ماتو جاتی کے بھوشید بالک کے

(۸) انڈیا کا نارش اور دیا کی ورڈھی کرنا چاہئے +

(۹) ہر ایک ویکتی کو اپنی ہی اُنتی میں سنتشٹ نہ رہنا چاہئے۔ بلکہ سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہئے +

اُنتی کرنا +

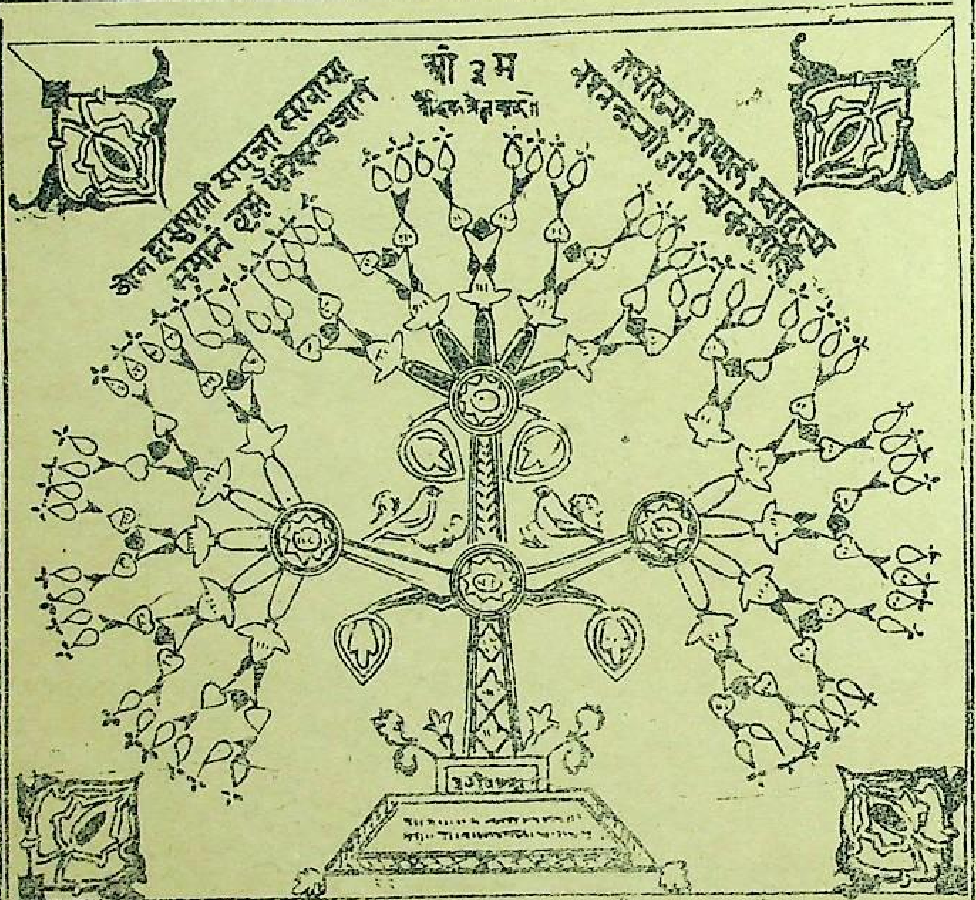

ویدمنتر کا بھاو

انادی جیو پرکرتی اور پرماتما چیتن سوروپ ایک ہی روپ میں بیٹھے ہیں۔ ان دونوں میں جیو آتما کرم کرتا ہوا اس کا پھل بھوگتا ہے۔ لیکن ایشور اکرتا اور ابھوگتا سب کا شاستا ہے۔ جیو آتما کا پرمیشور کی طرف جھکاؤ ہونے سے سکھ شانتی سوتنترتا اور مکتی ہوتی ہے۔ انادی پدارتھ تین ہیں۔ ایک ایشور دوسرا جیو اور تیسرا پرکرتی اسکتا جگت کا کارن ہے۔ ان ہی کو نتیہ بھی کہتے ہیں۔ جو نتیہ پدارتھ ہیں۔ ان کے گُن کرم سوبھاؤ بھی نتیہ ہیں +

ادہار کے پرستوں پر زہر ہے۔ استری جاتی کے متعلق ہم جو پاپ کرتے ہیں۔ اُن سے وہ پاپ ہزار درجہ بھینکر ہیں۔ جو بچے کے متعلق ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ بچوں کے متعلق ہماری جہالت غفلت اور بے رحمی سوشل نظام کی جڑوں کو زہریلا کر دیتے ہیں ÷

بچے کی رکشا اور شکشا

بچے کی رکشا اور شکشا کے مہتو کو جو سماج سدھار کی ایک ماسٹر کلوس بنیاد ہے۔ ترقی یافتہ اقوام رفتہ رفتہ انوبھو کرنے لگ گئی ہیں۔ قدرت چونکہ اپنا کام بچہ سے شروع کرتی ہے۔ اس لئے سوشل سدھار کا کام بھی بچہ سے ہی شروع ہونا چاہیئے۔ گذشتہ سال دنیا کے مختلف ممالک کے کوئی ۱۰۰ کے قریب ماہران تعلیم کی جو کانفرنس لکارنو میں ہوئی۔ اس میں بچوں کے سکول جانے سے پہلے کی عمر کی شکشا کے مہتو پر خوب زور دیا گیا تھا۔ امریکہ میں بچوں کی یونیورسٹی ستھاپت ہے۔ اور وہاں بے شمار

NURSERY SCHOOL

سکول ہیں۔ انگلستان کی توجہ بھی اس طرف ہوئی ہے۔ ۱۹۱۸ء میں وہاں جو تعلیمی قانون پاس کیا گیا ہے۔ اس میں ڈھائی اور پانچ سال کی درمیانی عمر کے بچوں کی حفاظت کے لئے نرسری سکول کا پربندھ کیا گیا ہے۔ وہاں اس وقت کئی سرکاری اور غیر سرکاری نرسری سکول ہیں۔ اور سکول جانے سے پہلے کی عمر کی شکشا کی بنیادی اہمیت کو سمجھ رہے ہیں۔ اور صحت عامہ کی وزارت کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۰ سے ۴۰ فیصدی تک بچوں کے جسمانی نقائص اور بیماریاں محض سرکاری نرسری سکولوں کی طفیل دور ہو گئی ہیں ÷

سا ماجک انتی کی چابی

برٹرینڈ رسل شکشا پر اپنی مشہور پستک میں لکھتا ہے۔ کہ پہلے بچے کی عمر کے پہلے سال شکشا کے دائرہ سے باہر سمجھا جاتا تھا۔ اور کم از کم اس وقت تک کہ وہ بولنے کے قابل نہ ہو جائے۔ اُسے ماں اور دائی کی نگرانی میں حفاظت سے رکھا جاتا تھا۔ جن کے متعلق یہ فرض کر لیا جاتا تھا۔ کہ بچے کی بہتری کی تمام ضروری باتوں سے وہ واقف ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اکثر بے بہرہ ہوتی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کی بڑی تعداد پہلے سال ہی مر جاتی اور جو بچے رہتے۔ اُن میں سے اکثر پہلے سال ہی صحت خراب کر جاتی۔ نہ صرف یہ بلکہ خراب حفاظت سے ان میں تباہ کن عادات کی بنیاد بھی پڑ جاتی "۔

یہ بات مسلّم ہے۔ کہ اگر بچے کی مناسب حفاظت کی جائے تو بچپن کی اموات کی تعداد بہت

گھٹ جائے ÷

وہی مصنف پھر لکھتا ہے :۔ "میری تجویز ہے کہ اخلاقی تعلیم خصوصاً ۲ اور چھ سال کی عمر کے درمیان دیجائے اور جب بچہ چھ سال کا ہو جائے تو اسکی اخلاقی تعلیم قریب مکمل ہو جانی چاہئے۔ بعد کی عمر میں جن اخلاقی خوبیوں کی ضرورت ہوگی۔ وہ چھوٹی عمر کی نیک عادات اور اُمنگوں کے پرینام سروپ بچوں میں خود بخود پیدا ہو جانی چاہئیں۔ بڑی عمر میں اخلاقی تعلیم کی صرف اُن کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ جنہیں چھوٹی عمر میں یہ تعلیم نہیں دی جاتی یا خراب طور پر دی جاتی ہے"

بچے حیرت انگیز تیزی سے عادات اختیار کرتے ہیں۔ جو بھی خراب عادت چھوٹی عمر میں پڑ جائے۔ بڑی عمر میں نیک عادات کے وہ سدراہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

بچوں کے خلاف ہمارے پاپ

بچوں کے خلاف ہمارے جو سارا جنگ پاپ ہیں۔ ان میں سے صرف چند ایک ذکر پر ہی اکتفا کیا جائیگا۔ بچوں کی اموات کی اوسط عمر کے پہلے سال میں فی ہزار تین سو سے چار سو تک ہے۔ حالانکہ یہ اوسط GARDEN VILLAGES اور نیوزی لینڈ میں ۵۰ سے ۴۰ تک فی ہزار ہے۔ اس طرح کل بچوں کی تعداد کا ثلث حصہ مار دینا معصوم بچوں کا قتل عام نہیں تو اور کیا ہے۔ جس کا سماج کو کفارہ دینا چاہیئے۔

کفارہ کے لئے ستری شکشا

ان گناہوں کے کفارہ میں ہمیں ستری شکشا کی سکیم کو بدل دینا چاہیئے۔ استری صحت تعلیم اور اخلاق کی رکشک دیوی ہے۔ ستری ہی ہے۔ جو گرہست کو سورگ دھام بناتی ہے

پربھو! تیری اچھّا پورن ہو
بستر علالت سے مہاتما ہنس راج جی کا سندیش

"پربھو! تیری اچھّا پورن ہو" یہ وہ سندیش تھا۔ جو مہرشی دیانند نے اپنے انتم سمے پر آریہ سماج کے لئے دیا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی آریہ سماج نے اس سندیش کو عملی طور پر پورا نہیں کیا۔ اس لئے میں اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ رشی کے سندیش کی موجودگی میں آریہ سماج کو کوئی نیا سندیش دیا جائے۔ آریہ سماج کے ہر سچے سیوک کو اسی ایک سندیش کی پورتی میں پورن لگن سے لین ہونا چاہیئے +

چھوٹی عمر میں نیک عادات ڈالنا ضروری ہے۔ بچہ اپنے جیون کے پہلے بارہ ماس میں جتنا کچھ سیکھتا ہے۔ اتنا وہ اس کے بعد اس قدر عرصہ میں ہرگز نہیں سیکھ سکتا ÷

سا ماجک انتی کے لئے بچوں کی طرف دھیان دینے کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہ اقتباس کافی ہیں۔ بری شکشا بچے کو بزدل۔ باطل پرست۔ خود غرض جھوٹا اور بے رحم بنا دیتی ہے۔ لیکن اس کے خلاف اچھی شکشا اسے کرم شیل۔ نڈر۔ حق پرست بے غرض سچا اور ہمدرد بنا سکتی ہے۔ ان حالات میں کیا ہمیں بچوں کی بہتر رکشا اور شکشا کی طرف توجہ دینی چاہیئے؟

لڑکیاں لڑکوں سے پہلے بلوغت کو پہنچتی ہیں۔ اس لئے ان کی تعلیم کا وقت تھوڑا ہوتا ہے۔ شاریرک طور پر چونکہ لڑکیاں لڑکوں سے کمزور ہوتی ہیں۔ اس لئے ان پر تعلیم کا بار ہلکا ہونا چاہیئے۔ گرل سکولوں میں سنگیت ہی ترقی دی جانی چاہیئے۔ اور لڑکیوں کو آچار وچار بچوں کی رکشا۔ گرہ شکشا۔ سواستھیہ۔ فرسٹ ایڈ اور نرسنگ کی تعلیم دی جانی چاہیئے۔ اس کا اُدیش یہ ہونا چاہیئے۔ کہ شکشا کے معاملے میں کنیائیں اور استریاں اپنی ضروریات آپ پوری کرنے والی ہوں ÷

سوشکشت استریوں کو استری جاتی سے اگیا اور آگیان دور کرنے کے لئے آگے بڑھنا چاہیئے۔ اور استریوں کے ساتھ پرشوں خصوصاً

پینشنروں کو بھی اس تعلیمی فوج میں بھرتی ہونا چاہیئے۔ اور اپنی بیٹھکوں کو سکول اور خود ٹیچر بنا کر اودیا اور اگیان کے خلاف زبردست مہم جاری کر دینی چاہیئے۔ شکشا منش ماتر کا جنم سدھ ادھکار ہے۔ اس لئے یہ صرف خاص لوگوں تک محدود نہ ہونی چاہیئے ÷

تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے۔ کہ آیا تندرست ہے۔ دماغی قابلیت ترقی پذیر ہو۔ صحت اچھی رہے۔ اور انسان اور دولت پیدا کرنے کے قابل ہو۔ اور ہمارے شکشا کرم کا نرنے بھی اس بات سے ہونا چاہیئے۔ کہ کیا ہمارے سکول آچھت آچار بیوہار سکھاتے ہیں۔ کیا وہ دماغ کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ اور کیا وہ دماغی طاقت دستکاری یا سائنس کے ذریعہ ہماری صنعت حرفت کی امداد کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو اس کرم میں نئی ترتیب کی ضرورت ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں اس ترتیب کی طرف دھیان دیا جا رہا ہے۔

بان پرستھ کی پرتھا چلاؤ

ورن آشرم ویوستھا کے انوسار آیو کا تیسرا بھاگ ۵۰ سے ۷۵ سال تک بان پرست کے لئے نیت ہے۔ اس آیو کا منش اپنے نگر اور سماج کی اس جوش سے سیوا کرتا تھا۔ جس طرح اپنی آیو کے دوسرے بھاگ گرہست آشرم میں اپنے پریوار کی۔ اس مقصد کو پھر سے حاصل کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ وان پرست آشرم پرتھا کو پھر سے چلایا جائے۔ بان پرستیوں کے لئے عام پروگرام یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے جیون شکشا کے ارپن کر دیں ÷

آخری اپیل

میں چاہتا ہوں۔ کہ سکولوں کو مندر مسجد یا گرجا کی طرح مقدس سمجھا جائے۔ منش جاتی کی سیوا کو ایشور پوجا کا ایک ضروری جزو قرار دیا جائے جو شخص خلق خدا کی سیوا کرتا ہے۔ سمجھو وہ پرماتما کی سیوا کرتا ہے ÷

خاتمہ پر اپنے مطلب کو تین شبدوں میں ورنن کرتا ہوں :۔

(۱) ہر ایک بچے کو بال کرشن سمجھو۔ اور نرسری سکول قائم کرو ÷

(۲) استری جاتی کا سمان اور اس کی پوجا کرو۔ کنیاؤں کی شکشا کا سدھار کرو۔ پوجا کے یوگیہ بننے کے لئے ہر ایک استری اور کنیا کی سہائتا کرو۔ انہیں چکتسک اور شکشک دونوں بناؤ ÷

(۳) شکشا مہا سیوا کے لئے بان پرستھا کو پھر جاگرت کرو۔ جن استری اور کنیاؤں کو فرصت ہے۔ اور جو خود کی فکر سے آزاد ہیں۔ ان سے درخواست ہے کہ وہ تعلیمی اور سوشل اصلاح کے مشن بن جائیں ÷

ساماجک سدھار پہلے یا پیچھے؟

(از مسٹر کالی ناتھ رائے ایڈیٹر ٹریبیون لاہور)

راج نیتک سدھار ساماجک سدھار کے پہلے ہونا چاہئیے یا پیچھے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے۔ جو تمام ممالک میں اُنکی ترقی کی درمیانی منزل میں اُٹھا کرتا ہے۔ کم از کم ہندوستان میں یہ سوال اتنا ہی پُرانا ہے۔ جتنی کہ پونا کانگرس۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ پُرانا۔ لوک مانیہ تلک زور دار طور پر اس خیال کے مخالف تھے۔ کہ مجلسی اصلاح راج نیتک سدھار کے پہلے عمل میں آنی چاہئیے۔ ان کا پختہ وچار تھا کہ راج نیتک سدھار کے بغیر حقیقی ساماجک سدھار ممکن ہی نہیں ہے۔ اور لوگ بھی تھے۔ جو ساوی جوش کے ساتھ اس کے مخالف خیال کی حمایت کرتے تھے۔ اس وقت بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں۔ جن کے خیال میں ہندوستان کی راج نیتک ترقی کی اُس وقت تک کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اچھوت پن بلکہ بعض یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ ذات پات موجود ہے۔ اس کے مقابل میں بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جو سوچتے ہیں۔ کہ ذات پات یا اچھوت پن دور ہونے کی اس وقت تک ذرا بھی اُمید نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ ہندوستان سیاسی طور پر اپنا جائز درجہ حاصل نہ کرلے۔ یہ ظاہر کرنا آسان ہے۔ کہ ہر ایک خیال میں سچائی کا ایک نہ ایک قابل قدر انش موجود ہے۔ البتّہ پوری سچائی کسی بھی خیال میں پائی نہیں جاتی۔ کوئی ملک غیر معیّن عرصہ تک ساماجک پراگندگی میں مبتلا رہ کر راج نیتک آزادی کے لئے کوشاں نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح کسی ملک کے لئے یہ بھی مشکل ہے۔ کہ وہ سیاسی غلامی سے مطمئن رہتے ہوتے ساماجک سدھار کے لئے بیچین نہ ہو ایسے اشخاص ہمیشہ موجود رہیں گے۔ کہ جو قومی کام کے ایک یا دوسرے پہلو کے لئے کشش محسوس کریں گے۔ اور ایسے مختصر زمانے بھی طاری ہوتے رہیں گے۔ کہ جب ایک یا دوسری خاص وجوہات سے متاثر ہو کر قومی کام کی ایک نہ ایک شاخ عوام کی نگاہ میں زیادہ قابل قدر ہوتی رہے گی۔ لیکن قوم کو مجموعی طور پر لیتے ہوئے اور اُس کا کافی لمبا زمانہ سامنے رکھتے ہوئے یہ امر کسی قدر دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ساماجک اور راج نیتک سدھار کی بڑی بڑی تحاریک قاعدہ کے مطابق ساتھ ہی ساتھ چلتی ہیں۔ اس کے خلاف اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ قوم کی رُوح انسانی روح کی طرح ایک ہے۔ اور اس کے حصے بخرے نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے علاوہ ہر ایک بڑی تحریک دھانی تحریک ہے۔ اور اس کی وقعت وجہ بھی ہے۔ کہ وہ اپنے آدرش کو پراپت کر سکے۔ اندریں حالات یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ کوئی تحریک بالآخر روح کے کسی حصہ کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس صداقت کی شکل دینے کی طاقت سے زیادہ دور جانے کی ضرورت ... زمانہ میں ہندوستان کی ساماجک سدھار ... کی وہ سب سے بڑی تحاریک بلاشبہ

برہم سماج اور آریہ سماج ہیں۔ اور سب ہی بات کو بھی جانتے ہیں۔ کہ ان تحاریک کا راج نیتک وچار اور کریا پر بڑا بھاری اور گہرا اثر ہے۔ اسی طرح کانگرس بھی ابتدا سے ہی مجلسی سدھار کی تحریک کی بڑی حامی رہی ہے۔ چنانچہ اس کے سرکردہ لیڈران میں بہت سے زبردست مجلسی سدھارک رہے ہیں۔ لوک مانیہ تلک کے سیاسی پروگرام کے ساتھ بھی اُس کا مجلسی پہلو موجود تھا۔ اور اب قومی لیڈری میں اُن کے جانشین ساماجک سدھار کے ایسے ہی سرگرم حامی ہیں۔ جیسے کہ سیاسی ترقّی کے۔

غلامِ ذہنیت کی مہر

ہاں ایک لحاظ سے یہ سوال بامعنی اور حقیقی ہے۔ دیگر تمام سرگرمیوں کی طرح ایک محکوم ملک میں مجلسی اصلاح پر بھی اُس کے لوگوں کی غلام ذہنیت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی کوئی ایسی آتمائیں اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ کہ جو اس ذہنیت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیتی ہیں اور وہ ان مسائل کو درست طور پر دیکھتی ہیں۔ مگر زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو اپنے آپ اپنے مجلسی رواجات اور انسٹی ٹیوشنوں کو اپنے سیاسی مالکوں کے ترازو سے تولتے ہیں۔ ایسے حالات میں ساماجک سدھار کی کسی تحریک کو قدرتاً نقصان ہے۔ کہ وہ حکمران ملک کی مجلسی طور پر ایک کمزور نقل بننے کی کوشش ثابت ہوگی۔ تمام بڑی بڑی تحاریک تمام اُن تحاریک کا جو انسان کی زندگی اور اُس کے مستقبل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ منبع اس کے لوگوں کی آزاد زندگی ہے۔ اور اس کے بعد گرد و پیش کے حالات کا عمل اور جواب عمل ہے۔ ان معنوں میں مجلسی سدھار کی تحریک سے لوگ قدرتاً اُس وقت تک فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جب تک وہ سیاسی طور پر آزاد نہ ہوں۔ سیاسی محکومیت کا بد ترین اثر یہ ہے کہ وہ انسانوں اور اُن کے تمام ضروری حصول کو قوتِ آزاد خیالی سے محروم کر دیتا ہے۔ سیاسی طور پر بیرونی قابو میں ہوتے ہوئے مجلسی رواجات کو وہ اپنی تقدیر کا ایک جزو خیال کر لیتے ہیں۔ ان حالات میں یہ امر واقعہ کہ کوئی رواج سالہا سال سے چلا آتا ہے۔ اس بات کی کافی دلیل ہے۔ کہ اُسے جاری رہنے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ اقتصادی قوتیں ان رواجات کو تبدیل کر دیں۔ مگر احساس رکھتے ہوئے جان بوجھکر انہیں تبدیل کرنا قریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ لوگ جو مجلسی سیڑھی کی سب سے نچلی منزل میں قدم رکھتے ہیں۔ جہاں ہیں۔ وہیں مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور سیڑھی کے اُوپر چڑھنے کا جو قدرتی انسانی حق اُنھیں حاصل ہے اُس پر وہ زور نہیں دیتے۔

اچھوت پن کا مسئلہ

اچھوت پن کا مسئلہ قطعی طور پر اُس وقت تک کبھی حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اچھوت خود اپنی نجات کے پیچیدہ سوال کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ اچھوتوں کو اپنے سدھار کا مسئلہ اپنے ہاتھ میں لینے کے قابل بنانیکا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے۔ کہ اُنھیں استحقاق رائے دیا جائے۔ اس نکتہ نگاہ سے کہ ہر شخص کو حقوق شہریت ملنا چاہئے۔ اس بیان میں صداقت ہے۔ کہ ایک محکوم ملک میں تمام حالات میں ہی ساماجک سدھار سیاسی سدھار کے پہلے ہونا چاہئیے۔ یا کم از کم یہ تحریکیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلنی چاہئیں مجلسی خرابیاں یقینی طور پر بڑی بڑی سیاسی اصلاحات کے راستہ میں حائل ہو کر قومی قابلیّت میں سخت خلل ہوتی ہیں۔ ان خرابیوں کو رفع کرنا بہت سی صورتوں میں سیاسی اصلاح کی تحریک کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ لیکن مکمل مجلسی تبدیلی سیاسی آزادی کے حصول کے بعد ہی عمل میں آسکتی ہے۔ اس کے پہلے نہیں۔ ٹھیک یہی بات ٹرکی اور افغانستان کی تاریخ سے ظاہر ہو رہی ہے ہم ہندوستان میں بھی اسی کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ سیاسی طور پر آزاد ہندوستان ہی مجلسی طور پر ہندوستان کو پھر سے جوان بنا سکتا ہے۔

نراش بھوجن سرواتم بھوجن ہے

از ڈاکٹر دھرم ویر ۔ ایف آر سی ایس ۔ ڈی پی ایچ وغیرہ

یکم مارچ ۱۹۵ء کو سورگ باشی ڈاکٹر چرنجیو بھاردواج اور میں بمبئی سے یورپ کے سفر پر روانہ ہوئے جہاز پر ہم نے تین ہفتے دودھ، پاؤ روٹی اور مکھن پر گذارا اور میرے دوست نے پانی پر۔ کیونکہ وہ سخت بیمار تھے ملان پہنچے۔ تو ریلوے سٹیشن پر دودھ حاصل کرنے میں ہمیں کافی مشکل پیش آئی۔ کیونکہ خدمت گار مٹن بیف اور ایگز (انڈے) ان تین انگریزی الفاظ کے سوا اور کسی لفظ سے آشنا نہ تھے بہر حال ایسے وقت پر ایک انگریزی ہیلا ہماری امداد کو آئی اس نے اطالین زبان میں ہماری سادہ ضروریات کو اس پر واضح کیا۔ باسل BASLE میں ہم ایک خدمت گار عورت کے مذاق کا مضمون بنے۔ اس نے ہمارے ساتھ ایک بدیشی عجوبہ کا سا برتاؤ کیا۔

اشچریہ جنک بات

لندن پہنچے تو جس دوست نے سٹیشن پر ملنا تھا۔ وہ تشریف نہ لائے۔ اس کے گھر پر آئے تو دیکھا۔ کہ وہ شراب نوشی اور عیاشی میں مبتلا ہیں۔ ایک ویجیٹیرین ہوٹل میں کھانا کھایا۔ اور ایڈنبرگ چلے گئے وہاں کی ضعیفہ لینڈ لیڈی یہ دیکھکر حیران رہ گئی کہ ہم مانس نہیں کھاتے۔ اس کے نزدیک یہ قدرے اشچریہ جنک بات تھی۔ یہ انگریز دیوی اس سے پہلے نہ کسی سبزی خور سے ملی تھیں۔ اور نہ ہی انہوں نے ایسے کسی شخص کا تذکرہ سنا تھا۔ بہر حال ہم ایڈنبرگ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اور ہم نے پھلوں ابلی ہوئی سبزیوں دودھ اور پاؤ روٹی پر زندگی بسر کرنے کی کوشش کا آغاز شروع کر دیا۔ خالص ویجیٹیرین خوراک حاصل کرنا اس قدر دشوار تھا کہ ہمارے لئے جگہ بجگہ گھومنا بھی ناممکن ہو رہا تھا۔

خوراک کے اجزا

ولایت میں سور کی چربی LARD بکری اور بیل کی چربی SUET تمام جانوروں کی چربیاں اور نباتیتی روغنیات کا مرکب MARGARINE نیز انڈے کھانے میں کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سبزی کے شوربوں میں بھی ابلی ہوئی ہڈیوں کا الش موجود ہوتا ہے۔ اور سبزی یا مچھلیوں سے جو خوش ذائقہ کچوریاں تیار کی جاتی ہے۔ اس کی تہ میں بھی LARD موجود ہوتا ہے۔ یہی چیز پاؤ روٹی پکانے سے پہلے ٹین کو چکنا کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ SUET بھی بہت سے لذیذ میٹھے پکوانوں کی تیاری میں کام آتا ہے کیک، بسکٹ اور تمام اقسام کے دیگر لذیذ میٹھے کھانوں کے بنانے میں انڈے استعمال کئے جاتے ہیں ان حالات یہ بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ کسی پکے مسلمان کے لئے LARD اور کسی پکے ہندو کے لئے SUET بیف اور انڈوں سے بچنا کس قدر مشکل ہے۔ تمام اقسام کے کھانوں میں یہ چیزیں اس آزادی سے استعمال کی جاتی ہیں۔ کہ کھانے کی کسی بھی چیز کو ہاتھ لگانا مشکل ہے۔ کہ جس میں متذکرہ بالا اشیا میں سے ایک یا دوسری چیز ایک یا دوسری شکل میں موجود نہ ہو۔

ویجیٹیرین ہوٹل

شروع شروع میں ویجیٹیرین ہوٹل چند ایک شہروں میں ہی ملتے تھے۔ سکاٹ لینڈ میں صرف ایک گلاسکو میں اور انگلستان میں لندن۔ مانچسٹر۔ لورپول۔ لیڈز۔ نیوکاسل اور دو ایک دیگر شہروں میں کچھ ہوٹل اس بات کے دعویدار تھے۔ کہ وہ ویجیٹیرین ہوٹل ہیں۔ کفایت شعاری کے خیال سے اکثر غیر سبزی خور لوگ ہی ان ہوٹلوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ کیونکہ سبزی کی رکابی سستی ملتی تھی۔ ناظرین کے لئے یہ جاننا باعث تعجب ہوگا۔ کہ مانچسٹر میں یونی ٹیرین چرچ کے تمام ممبر سبزی خور ہیں۔ یہ اور ایسی ہی ایک سوسائیٹی فلاڈلفیا میں ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے قائم ہے۔ جو مانس۔ مچھلی اور مرغی وغیرہ سے پرہیز کرنے کی روایات کو قائم رکھ رہی ہے۔ ان لوگوں کو انڈے کھانے کی ممانعت نہیں۔ مانچسٹر میں اسی سوسائیٹی کا ایک پرچارک میراودست تھا۔ ایام جنگ میں اسے محض اس وجہ سے مجلس سے خارج کیا گیا تھا۔ کہ جو دیا کے اصولوں کی بنا پر اس کے خیالات جنگ کے خلاف تھے۔ اس زمانہ میں سبزی خوری کو انگلستان میں سخت دھکا لگا۔ کیونکہ فوج میں بھرتی ہو کر سپاہیوں کو نہ چاہ کر بھی فوجی خوراک کھانی ہوتی تھی۔ اور چونکہ مکھن اور خالص نباتی تیل ملنے دشوار ہوتے تھے اس لئے کئی سبزی خوروں نے اپنے دیرینہ اصولوں کو خیرباد کہدیا تھا۔ جب کہ گورنمنٹ خود سبزی خوری کے حق میں اس وجہ سے زبردست پراپیگنڈا کرتی تھی کہ مانس کمیاب تھا۔ ڈاکٹروں نے بھی ان دنوں سبزی خوری کی تائید میں رسالے شایع کئے تھے۔ ویجیٹیرین ہوٹلوں کو خوب منافع ہوئے۔ اور انہیں دیکھکر دوسرے ہوٹلوں نے بھی ویجیٹیرین مذاق کو پورا کرنا شروع کر دیا اس تمام پراپیگنڈا کا ایک لحاظ سے اثر بہت اچھا رہا۔ اور وہ یہ کہ اب قریباً تمام اول درجہ کے ہوٹلوں میں طلب کرنے پر سبزی کے کھانے بلا تامل تیار ہو سکتے ہیں۔ اور لندن کے کئی ہوٹلوں کے تو خوراک کے پروگرام میں ہی ان کو شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے لائق ہے۔ کہ ویجیٹیرین ہوٹلوں کے باہر SUET, LARD اور انڈوں وغیرہ کا استعمال حسب سابق عام ہے۔

انگلستان میں سبزی خوری

انگلستان میں سبزی خوری اب پھر قدم جما رہی ہے لوگوں کی ایک بھاری تعداد سبزی دودھ اور اس سے تیار شدہ اشیا یعنی مکھن پنیر وغیرہ نیز انڈوں پر زندگی بسر کرتی ہے۔ کچھ ایسے لوگ ہیں جو پھل خشک میوے اور روکھی روٹی کھاتے ہیں۔ اور کچھ مکھن اور دودھ سے بنی دوسری چیزیں بھی نہیں کھاتے۔ خوراک میں VITAMINS کی دریافت اور اہمیت نے نراش بھوجن (ویجیٹیرین خوراک) کو خوب فروغ دیا ہے۔ اور اب نہ صرف سبزی خور بلکہ مانس آہاری بھی سبزی کے رائتوں کو بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ سبزی خوری (جس میں انڈے اور کبھی کبھی مچھلی اور مرغی کھانے کی اجازت ہے) کے حامیوں میں سر ولیم آربتھناٹ لین اور مسٹر لیونارڈ ولیمز ایسے ممتاز اصحاب کا ہونا لوگوں پر حیرت انگیز اثر پیدا کر رہا ہے ڈاکٹران جوزیا اولڈ فیلڈ اور ہیڈن ایسے پرانے حامیان سبزی خوری ابتک میدان میں موجود ہیں۔ ویجیٹیرین سمر سکول سبزی خوری کے حق میں اشاعتی کام کرنے کے علاوہ سبزی خوروں کو تعطیل منانے کا دلچسپ سامان مہیا کرتا ہے یونی ٹیرین اور سوشلسٹ وغیرہ جماعتوں کی ہالی ڈے ایسوسی ایشن اور کانفرنس ممبران کے لئے خوراک مہیا کرتی ہے۔ جہاز ران کمپنیاں بالخصوص فرانسیسی اور اطالوی جہازوں پر اعلےٰ درجہ کی ویجیٹیرین خوراک دی جاتی ہے۔ سمندر کے کنارے واقع بہت سے صحت افزا مقامات میں بھی سبزی خوروں کے لئے برابر انتظام ہوتا ہے۔ غرضیکہ گذشتہ صدی کے اخیر تک سبزی خوروں کو جو سہولتیں حاصل نہیں تھیں۔ وہ اب ان کے لئے بآسانی مہیا ہو سکتی ہیں۔ البتہ یہ سچ ہے۔ کہ ویجیٹیرین ہوٹلوں کے باہر خالص ویجیٹیرین خوراک حاصل کرنا سخت دشوار ہے۔

مانس خوری کی حمایت

انگریز ڈاکٹروں کی طرف سے مانس خوری کی حمایت بہت زوردار ہوتی ہے۔ جب ۱۹۰ء میں میرے دوست ڈاکٹر بھاردواج ڈبل نمونیا سے سخت بیمار ہو گئے۔ تو ان کے معالج نے مجھے صاف الفاظ میں کہدیا تھا۔ کہ اُن کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہیں۔ اور جب میں نے اس زوردار رائے کی وجہ دریافت کی۔ تو اس نے جواب دیا کہ یہ اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ سبزی خور ہیں۔ ان کی رائے تھی۔ کہ سبزی خور میں طاقت برداشت کم ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سخت بیماری کی صورت میں بچ نہیں سکتا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ اس صورت میں ان کی رائے بالکل غلط ثابت ہوئی۔ اور آج کل ڈاکٹر بھی سبزی خوری کے اتنے زبردست طور پر مخالف نہیں ہیں۔ مسٹر ڈبلیو آربتھناٹ لین جیسے بڑے ماہر سرجن نے حال ہی میں لکھا ہے۔ کہ ہندوؤں میں کہ جنہیں ان کے دھرم کی طرف سے مانس کھانے کی ممانعت ہے۔ محض ویجیٹیرین ہونے کی وجہ سے گوری قوموں سے بڑھکر قوت برداشت ہوتی ہے۔" فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ وغیرہ میں خالص ویجیٹیرین خوراک حاصل کرنا بہت آسان ہے کیونکہ وہاں انواع و اقسام کی سبزیاں اور روغنیات سبزی ہوتے ہیں۔ اور LORD وغیرہ کی جگہ بھی مکھن استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے تعلیمیافتہ لوگوں میں مانس خوری رائج کرنے کے لئے زیادہ انگلستان کی تعلیم ہی ذمہ دار ہے۔ اور عملی طور پر تمام ہندو اور مسلمان ممنوعہ مانس کھاتے ہیں۔

سبزی خور کیا کریں؟

مجھے ان دو یار شخصوں سے ہمدردی ہے۔ جو انگلستان میں کھانے پینے کے رواجات کا شکار ہو رہے ہیں۔ میرا یقین ہے۔ کہ وہاں رہ کر زیادہ عرصہ تک سبزی خور رہنا قریباً ناممکن ہے۔ اسی لئے جو لوگ انگلستان کا ارادہ کریں۔ انہیں تمام متعلقہ امور پر پورے طور سے غور کر لینا چاہئے۔ انہیں سبزی خور رہنے کی کوشش کے سلسلہ میں قریباً ناقابل عبور مشکلات پر قابو پانا ہوگا۔ کئی کٹر سبزی خور استری اور پرش دیکھے ہیں جو اپنی جان پر کھیل کر بھی اس پرن پر قائم رہنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن جو انگلستان پہنچنے کے ساتھ ہی مانس کھانے لگ گئے۔ ان کا آغاز انڈوں سے اور انتہا بیف پر ہوتی ہے۔ میں ایک ایسے کٹر مسلمان سے بھی ملا ہوں کہ جو غالباً اس وجہ سے سبزی خور تھا۔ کہ انگلستان میں LARD عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ہندو یا مسلمان خود کے لئے یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ ان پشوؤں کی چربی کھانے سے پرہیز کر سکیں۔ جن کے استعمال کی انہیں ممانعت ہے۔

ویجیٹیرین خوراک بہترین ہے

غیر مہذب لوگ پشوؤں کو زبان کے چسکے کے لئے کھاتے رہے ہیں۔ اور مہذب لوگ اس بہانہ کی آڑ میں کہ اس سے سبزی خوری کی نسبت زیادہ جرأت اور بہادری حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں ... کی خاطر اتلاف جان تو ہوتا ہی رہے گا۔ البتہ ... ناقص لئے میں دوسری وجہ طبی نقطہ نگاہ سے ... علمی طور پر کمزور اور دنیا کے تجربہ کے ... غلط ہے۔ مہذب دنیا جانور خوری نہیں ... مگر مجھے یقین ہے۔ کہ علم طب جلد ہی ... صداقت کو ثابت کر دیگا۔ کہ اقتصادی ... اخلاقی اور روحانی نقطہ نگاہ سے ... ویجیٹیرین خوراک (نراش بھوجن) سب سے اتم ہے۔

مہرشی مہتو

(املیٹھی ریاست کے رشی بھگت راجکمار رنجے سنگھ ایم ایل سی کے قلم سے)

جس سمے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کا پرادربھاؤ ہوا۔ اس سمے بھارت ورش کی حالت اور ہی تھی۔ ہندو مختلف قسم کے پاکھنڈوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ عیسائی اور مسلمان انہیں من مانے طور پر ہڑپ کر رہے تھے۔

وہ اپنی حفاظت کا طریقہ ہی نہ جانتے تھے۔ وہ ہواؤں اور اناتھوں کی درد شا تھی۔ سماجک اتیاچار کے کارن وہ عیسائیوں کے جال میں پھنستا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ بھارت واسیوں میں سخت اندھ وشواس تھا۔ ویدوں کا مہتو وہ سمجھتے ہی نہ تھے۔ ویدوں پر دام مارگیوں کی ٹیکائیں اور بھی کلنک لگا رہی تھیں۔ ہندوؤں کی حالت خربوزے کی سی تھی۔ خربوزہ چھری پر گرے۔ تو خربوزہ کٹے۔ چھری خربوزہ پر گرے۔ تو خربوزہ کٹے۔ ودھرمی چھری اور ہندو خربوزہ بن رہے تھے۔

مہرشی دیانند جس سمے کاریہ کشیتر میں داخل ہوئے۔ عجیب قسم کا انقلاب پیدا ہو گیا۔ ہر طرف سے ان کی مخالفت کی جانے لگی۔ ستیہ سناتن ویدک دھرم کا پرچار کرتے ہوئے بھی وہ ناستک سمجھے جاتے تھے۔ جہالت کی وجہ سے کئی طریقوں سے ان کا اپمان کیا جاتا تھا۔ پتھر پھینکے گئے۔ پان میں زہر دیا گیا۔ تلوار سے حملہ کیا گیا۔ قسم قسم کے خوف دلائے گئے۔ لالچ دی گئی کہ راہ راست چھوڑ دیں لیکن وہ اداری کی مورتی۔ ویدک دھرم کے پرچار دھارک۔ اکھنڈ برہمچاری۔ اور تپسوی دیانند راہ راست نہیں ہٹے۔ آریہ سماج ستھاپت کیا۔ ستیارتھ پرکاش کا پرکاش کیا۔ پھر زہر دیا گیا۔ ہنستے ہنستے سنسار تیاگ دیا۔ لیکن ستیہ کو نہیں تیاگا۔ یہی کارن ہے کہ آخر سنسار نے مہرشی کے مہتو کو سمجھا۔ اور ان کے مہان کاریہ کے سامنے مستک جھکا دیا۔ اور ان کا جشن منایا گیا۔

طاقت سے تپ دبل کا نتیجہ ہے کہ آج مہرشی بھر آدیہ ہمارے ادا پکاتے رہتے ہیں۔ جس ایک سچا آریہ سماجی پہنچ جاتا ہے

کے دوارا شکشا پرچار سے جو دیش اور جاتی کی سیوا ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ اسے ودھرمی بھی بھلی بھانتی جانتے ہیں۔ یہ نرنواد ہے۔ کہ پرتیک بھارت ہتکاری آندولن میں بڑا حصہ آریہ سماجیوں نے ہی لیا ہے۔ خواہ وہ آندولن ہوم رول لیگ کی طرف سے ہوا ہو۔ یا کانگرس کی طرف سے ہو رہا ہو۔ ہندو مہاسبھا نے کیا ہو۔ خواہ بھارتیہ ہندو شدھی سبھا نے چلایا ہو۔ وہ ستیہ آگرہ یا اسہیوگ کے لئے ہو رہا ہو۔ یا شدھی۔ سنگٹھن اچھوت ادھار کے لئے ہوا ہو۔

مہرشی دیانند کے سامنے ویدوں کا آدرش تھا۔ ویدوں کی دھارمک۔ راج نیتک اور وگیانک شکشا انہیں سرو سریشٹھ جان پڑی۔ ستیہ اور تحقیقات سے وہ سرو تھا رہت تھے۔ اسی سے اس بات کا بیانگ دہل اعلان کرتے ہوئے آریہ سماج کا چوتھا نیم بنا دیا۔ کہ ستیہ کو گرہن کرنے اور استیہ کو چھوڑنے میں سرودا ادیت رہنا چاہئے۔

دوسرے آچاریوں سے الٹا یہ وششٹتا تھی کہ نہ تو اپنے نام سے کوئی مت چلایا۔ نہ کسی بات کا ملاپش بار بھی تحقیقات کیا اور ہمیشہ ستیہ استیہ نرنے کی آگیا دیکھئے۔ یہ اس بات کا پختہ ثبوت ہے۔ کہ مہرشی نے جو کچھ کیا ستیہ اور سنسار کے لابھ کے لئے کیا۔

جو سونا خالص ہوتا ہے تپانے سے اس کا مہتو بڑھتا ہے گھٹتا نہیں پھر آج کل کے زمانہ میں جو لوگ سمجھتے ہیں کہ بنا انگریزی جانے کوئی بھی مہان کاریہ نہیں ہو سکتا۔ ہندی اور سنسکرت کے ودوان ودیش کا ادھک ادھیکار نہیں رکھتے۔ مہرشی نے عرصہ قلیل میں سخت مخالف حالات کے اندر رہتے ہوئے بھی وہ لاثانی کام کر کے دکھلا دیا۔ جو آج تک کوئی کر نہیں سکا۔ مہرشی تینوں پرکار کے بلوں سے سمپن تھے۔ ودیا بدھی اور کرم ویر تا سے بھر پور تھے۔ میں تو مہرشی کے درشن جتنا وچار کرتا ہوں۔ اتنا ہی ان کا مہتو ادھک معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور شردھا بڑھتی جاتی ہے۔

ویدک دہرم کریاتمک

جیون کا دھرم ہے۔ اس لئے ہر ایک آریہ سماجی کا کرتویہ ہے۔ کہ نت نیم شرودھ ... ویدک کرے

رشی کی آگیا پالن کرو

(از ہز ہائی نس سنری راجہ ادھیراج سرناہر سنگھ بہادر کے سی آئی ای والئ ریاست شاہ پورا)

کسی بھی دھرم کے نیتا سکاریہ نیچ روپ ان کا دستار کرتا۔ سرو سادھارن تک ہی زیادہ شردھالو اور کرتیہ پراش دچاروں کا وستار ہوگا۔ سے سدھانتوں کو جنتا کے سامنے رکھ دیتا ہے انہیں پہنچانا اس کے انیائیوں کا کام ہے۔ جتنے انویائی ہوں گے۔ اتنا ہی زیادہ اس نیتا کے

رشی دیانند نے بھی ویدک ہو گئے تھے۔ ڈھونڈھ کر نکالا۔ سرو سادھارن تک پہنچانا دھرم کے مول تتوں کو جو اندھکار میں گپت تھے ڈھونڈھ کر نکالا اور ہم لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ اب انہیں سرو سادھارن تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ پہلی بار جب رشی جی کے درشنوں کا اوسر ملا تو میں نے انوبھو کیا۔ ان کے ... آئے۔ اور مجھے اچھے ... کیا۔ کہ ان کے اندر ایک دلکش شکتی تھی۔ ان کا ہردے پرکاشت تھا۔ جب میں نے ان ستری اہلیا کے پتھر ہو جانے اندرونی پرکاش سے کے سامنے جاکر گوتم کی اور پھر رام چندر جی کے سمبندھ میں پرشن بھی دریافت اور پاؤں سپرش سے ستری ہو جانے کی اپتی آدمی کے اداہرن سب ... کہانیوں سے کیا۔ آپ نے پرانوں کے اور عیسائی دھرم کے عیسیٰ مسیح کوئی بات نہیں ہے۔ نے مجھے جو بتلایا۔ اس دے کر کہا۔ کہ دھرم کا تتو ان پردے ہے۔ ان میں سار کی کھول دیا۔ اور میں نے کہا۔ جو سمہ پاکر پورن ہوا اس سمہ بانچ سنت میں ہی انہوں نے میرے ہردے کو اٹھ کر یہاں آنے کے لئے منتر ... جس سمے اودے پور میں شریمتی پروپکارنی سبھا کی ستھاپنا ہوئی۔ میں وہاں موجود نہ تھا۔ سوامی جی مہاراج نے مجھے بھی اس کا سدسیہ بنا کر مجھے سوچنا دی اور لکھا کہ ''ہم نا تمہارے پوچھے میں نے تمہیں اس کا سدسیہ بنا دیا ہے۔ اس کا پالن کرنا۔'' تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ میں کہاں تک ان کی آگیا پالن کرنے کے سمرتھ ہوا۔ لیکن انتظام ریاست میں مصروف رہتے ہوئے بھی یتھا شکتی پالن کرنے میں لگا رہتا ہوں۔

آج مہرشی کی پورن سمرتی میں ہمیں چاہئے۔ کہ ہم اپنے دلوں سے پوچھیں۔ کہ کیا ہم رشی کی آگیا کا پالن کر رہے ہیں؟ اگر جواب ''ہاں'' میں ہو۔ تو ہمیں اس کی سیما اور بڑھانے میں پریتن شیل ہونا چاہئے۔ لیکن اگر دربھاگیہ وش اس کا جواب نفی میں ہو۔ تو آگے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے گویا اپنے ہاتھ اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلانا ہوگا۔

رشی دیانند کے سدھانتوں کا آدھار ویدوں کی درڑھ شلا پر ہے۔ اس لئے اس ترک پردھان یگ میں سرتا سے وہ سرو مانیہ ہو سکتے ہیں۔ اور شکتی کیول صرف اس پرشن رکھ کی ہے۔ جس کا آدھار کیول زبانی نہ ہو۔ بلکہ ہردے سے اٹھ کر کرم میں پریت ہونے والا ہو۔

یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

(از مہاشہ جیمنی سرشار خیرپور سادات ضلع مظفر گڑھ)

تنزل کا احساس اپنے ہوا ہے نگاہوں سے غفلت کا پردہ ہٹا ہے
نہ اب وہ جہالت کی کالی گھٹا ہے نظر صاف اچھا برا آ رہا ہے
یہ کس کی عنایت یہ کس کی دیا ہے؟
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

ہوا خواب غفلت سے بیدار بھارت ہے پھر اپنے حق کا طلب گار بھارت
دبے گا کسی سے نہ زنہار بھارت حمیت کے مے میں ہے سرشار بھارت
نیا جوش پھر اس میں کس نے بھرا ہے؟
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

مری قوم کی آہ! ابتر تھی حالت یہ تھی سر بسر دقف تعر ضلالت
مگر آج دشمن پہ چھائی ہے ہیبت یہ کس کی دیا ہے؟ یہ کس کی بدولت؟
نیا جیون اس کو کہاں سے ملا ہے؟
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

نہیں ہندو جاتی کو اب خطرہ جاں کہ سب ہیں خیر خواہ اس کے جس سے ہراساں
میں جب دیکھتا ہوں تو ہوتا ہوں حیراں کہ اب کر رہے ہیں وہی فکر درماں
جو کہتے تھے کل یہ مرض لا دوا ہے
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

فرشتہ صفت وہ بشر کون آیا؟ کہ کلجگ میں ست جگ کا جلوہ دکھایا
پلٹ دی زمانے کی ٹیل کس نے کایا؟ ہمیں خواب غفلت سے کس نے جگایا
ہر اپنا پرایا یہی کہہ رہا ہے
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

وہ دنیا میں دنیا کے طبقوں سے بالا گروکل جو بستا ہے زیر ہمالا
وہ تعلیم ویدوں کی پھیلانے والا ہے سنسار کو جس نے حیرت میں ڈالا
نصاب اس کا تجویز کس نے کیا ہے؟
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

ہے تعلیم نسواں کا ہر سمت چرچا نہیں شور اُن کو کوئی آج کہتا
مٹا اب وہ چھوتوں اچھوتوں کا جھگڑا گلے بھائی بھائی سے ہے آج ملتا
ہر اک سمت شدھی کا جھنڈا گڑا ہے
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

وہ بے مثل گوہر وہ انمول ہیرا نہیں کوئی ثانی زمانے میں جس کا
وہ کیا؟ وید۔ نور حقیقت سراپا جہالت میں پڑ کر جسے ہم نے کھویا
دوبارہ ہمیں لا کے کس نے دیا ہے؟
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

کچھ اہل وطن کو جو فکر وطن ہے اگر خدمت قوم کی کچھ لگن ہے
اگر دل پسند آج طرز کہن ہے نظر میں بزرگوں کا اپنے چلن ہے
ہر اک جانتا ہے ہر اک مانتا ہے
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

جسے عقل دی ہے ذرا بھی خدا نے ہیں لب پر اسی کے اسی کے ترانے
ہیں مشہور دنیا میں اس کے فسانے کوئی ہٹ سے سرشار مانے نہ مانے
مگر دل میں ہر اک کے لکھا ہوا ہے
یہ سب فیض سوامی دیانند کا ہے

پورن اُنتی کے سادھن

(از قلم راج رتن شری ماسٹر آتما رام جی بڑودہ)

یوگیراج رشی دیانند نے آریہ سماج کا چھٹا نیم کیا بنایا۔ گویا گاگر میں ساگر بھر دیا۔ یورپ اور امریکہ کے تمام نامی تتو دیتا HARMONIOUS DEVELOPMENT منش کی پورن اُنتی کا سوروپ لکھ رہے ہیں۔ اس کا بھاو یہی ہے۔ کہ ہر ایک منش کو شاریرک۔ آتمک اور سماجک اُنتی کرنی چاہئے۔ ویدک ساہتیہ کے مطابق شاریرک اُنتی کے موٹے موٹے پانچ وبھاگ ہو سکتے ہیں:

(۱) کنوئیں کا پانی پینے کے لئے نہایت اعلیٰ اور اچھا پانی ہے؛

(۲) ماس شراب۔ تمباکو سے پرہیز کر کے پھل۔ اناج۔ سبزی۔ میوے اور دلیا۔ اور چکی اور خراس کا پسا ہوا موٹا آٹا اور چھلکے دار دالیں؛

(۳) رات کو بغیر لیمپ کے کمرہ کے اندر سونا؛

(۴) پرانایام پورک۔ بیٹھک۔ آسن اور مختلف قسم کی ورزش جسمانی کرنا؛

(۵) گھر کے کتے اور بنے ہوئے کپڑے پہننا

DESEASES OF TO DAY کے مشہور ڈاکٹر مصنف کے علاوہ تمام ڈاکٹر —— میکفیڈن وغیرہ —— لکھ رہے ہیں۔ کہ نل کے پانی میں سیسے کا زہر ہو جاتا ہے۔ اور آدرش پینے کے قابل پانی کنوئیں سے ہی مل سکتا ہے۔ گو دودھ کو دوا یہ داتا اور دودھ کی بالائی کو وہ COD LIVER OIL سے بہتر اسبدل مان چکے ہیں۔ شدھ رہنی یا شدھ اون کے گھر یا گاؤں کے بنے ہوئے کپڑے GERMS رہت ہو سکتے ہیں۔ آریہ آہار سے منش سو ورش کی لمبی عمر بھوگ سکتا ہے۔ انگلینڈ میں گذشتہ سال جو یورپ بھر کے نامی فوٹو گرافروں کی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے مٹی کے تیل اور بجلی کے دیئوں کو بینائی کے لئے ہانی کارک مان لیا ہے DEEP BREATHING یا پرانایام پورک ورزش جسمانی کرنے والے کو اگر وہ نفس کا غلام نہیں۔ تو عمر بھر کوئی بیماری نہیں ہو سکتی یہ ان کا سدھانت ہو چکا ہے؛

آتمک اُنتی کے لئے وہ وید برہم دتیا یا اپنشدوں کی شرن آ رہے ہیں۔ پدار تھ وگیان۔ علم سائنس کے ایجاد کردہ ینتر (مشینیں)، سکھ دینے والے ثابت نہیں ہوئے۔ اس لئے ملین وغیرہ سرمایہ داروں کا در در دھکر رہے ہیں۔ ان کی دتیا سپھل نہیں ہوئی۔ سماجک اُنتی کے لئے ابھی ان کے ہاں SCIENCE OF EUGENICS نے جنم لیا ہے۔ گو یا سو سنسکاروں کی وہاں جھوٹکا بندھ گئی ہے۔ ہمارے رشی ان سنسکاروں کے بل سے شیطان سنتان کی جگہ دیو سنتان حسب منشا پیدا کر سکتے تھے۔ یہ تو وہ سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ہم جن کے ہاں سے سولہ سنسکار نکلے۔ وہ ان کو تلانجلی دے کر رذیل سنتان پیدا کر رہے ہیں۔ رشی دیانند کے آدیش پر چلنے کے بغیر اُنتی کہاں؟

اُفق پر ماہِ کامل بنکے تاباں ہونیوالا ہے

(از بابو ہربنس لال جی سیٹھی متوطن جبر ہیڑہ ضلع سہارنپور)

دیوالی شاہد شب کے گلے کی دیپ مالا ہے اندھیرے میں اُجالے نے عجب جوبن نکالا [illegible]
قیامت ہیں کرشمے اس حسن زخیرے شیدا ابھی تو ہوش آئی ہے ابھی [illegible]
ہے زنجیر معتقد تقدیر اک پلٹنے کے پڑنے پر یہ قسمت آزمائی کا طریقہ [illegible]
ہیں پیارا کسی کے اور کسی کے تن کالے ہیں دیوالا ہے کسی کا اور کسی کا [illegible]
رشی کا آتم سکھ ہے رشی کے کارناموں کا اُفق پر ماہ کامل بن کے تاباں [illegible]
ہے آویزاں دل نازاں سیرا نجواب ابرو ہیں اس کے ہم پجاری ہیں یہی منصف [illegible]
نگاہیں اور ادائیں دیکھیں سب داؤ ہی نکتی
ستم کیسے نے اس ظالم کی ہم کو مار ڈالا ہے

سوامی دیانند کی شکشا اور آرتھک اُنتی

(از قلم شری ہُت ایس۔ ایس ہلکر بی اے ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ ہائیکورٹ رنگون)

آریہ سماج سوامی دیانند کا ستھاپن ہے۔ سوامی دیانند کی شکشا انوسار سنسار میں تین انادی پدارتھ ہیں۔ پرماتما۔ آتما اور پرکرتی۔ پرماتما اور آتما کے سنبندھ کو دھرم کہتے ہیں۔ اور آتما اور پرکرتی کے درمیان جو سنبندھ ہے۔ وہ ارتھ کہلاتا ہے۔ ترکش دھرم اور ارتھ کا پریشام ہے۔ جیسا کہ (ویدک ساہتیہ) میں درشن کیا گیا ہے۔ ترکش آدرشیہ پراپت ہوگی۔ اگر دھرم اور ارتھ کو سنتھ کر لیا جائے۔ یہ ایسی مسئلہ کی بات ہے جس کا کھنڈن نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک دھرم کا تعلق ہے۔ جس ویدک دھرم اور فلاسفی کی شکشا سوامی دیانند نے دی ہے۔ اور جس کا آریہ سماج پرچار کرتا ہے۔ وہ سرو اُتم دھرم ہے۔ اور کسی بھی دھرم سمیلن میں شاستر ارتھ کے ذریعہ سرو اُتم سدھ کیا جا سکتا ہے۔ آریہ سماج نے اس وقت تک اپنی سرگرمیوں کو زیادہ تر دھرم پرچار تک محدود رکھا ہے۔ اور سوامی دیانند کے آٹھویں نیم کو نظر انداز کئے رکھا ہے۔ کہ جس میں اودیا کا ناش اور ودیا (کتک اور شاریرک) کی بڑھتی کرنی چاہئے۔ بیشک آریہ سماج نے کئی سکول (مہا تما آلیہ از گورو کل) ستھاپت کر رکھے ہیں۔ اور بھارت بھر میں نہایت مشہور اور بے غرض کارکن ہونے میں اعلیٰ شہرت حاصل کر رکھی ہے۔ لیکن بھوتک سائنس (ودیا) پرچار کی طرف ابھی تک مناسب توجہ نہیں دی۔ سر جے سی بوس نے اپنے لاہور کے کانووکیشن ایڈریس میں کہا تھا۔ کہ اپنے دورہ یورپ میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ ناروے نے اپنے ملک کی خام پیداوار کو سائنس کے ذریعہ سے مفید بنا کر دیش سے دردرتا کا ناش کر دیا ہے۔

بھارت کو بتیس کروڑ منشوں کے ایرکت پرماتما نے بہت خام پیداوار دی ہے۔ اس میں بے اندازہ دھاتیں اور نانا پرکار کے اناجوں اور بیجوں وغیرہ کی اننت پیداوار شامل ہے۔ آرتھک طور پر دیش کرور کروڑ سے زیادہ روپیہ سالانہ کا اوسط سے پردیسی لوگ لوٹ رہے ہیں۔ اور یہ بات اس امر واقعہ سے ثابت ہے۔ کہ ہر سال ۴۰ ارب روپیہ کا خام مال دیش سے برآمد کیا جاتا ہے۔ اور ۳۰ ارب روپیہ کا غیر ملکی مال درآمد ہوتا ہے۔ یہ برآمد اور درآمد آرتھک درشٹی سے ملکی مفاد کے منافی ہیں۔ اگر یہ غیر معمولی لوٹ جاری رہی تو بھارت دردرتا۔ مری۔ پلیگ اور کال کا ہمیشہ شکار ہوتا رہے گا۔ ارتھ شاستریوں کا مت ہے۔ کہ دہی دیش سب سے بڑھکر دھنی ہے۔ جس میں بھارت پربلت ہر دے با ہنروں کی تعداد سب سے زیادہ ہو۔ بھارت کی دولت جو اسے پرماتما نے دے رکھی ہے بہت عظیم ہے۔ لیکن بھارت دنیا بھر میں غریب ترین قوم ہیں۔ کیونکہ مسٹر جادو ناتھ سرکار نے مدراس میں اپنے جشن تخت نشینی کہا تھا کہ۔ بے طاقت کو جرأت ستانا کی مل گئی ہے۔ ہندوستان کے اندر اقتصادی یا تمدنی جو بھی تبدیلیاں ہوں وہ بے پربلت ہونے بنا نہیں رہ سکتا۔ جرمنی کی ایجاد سے بھارت کی نیل کی کاشت کو زوال پڑ گیا۔ پولینڈ میں گندم پنجاب پہنچ کر سستی ہو جاتی ہے۔ اگر اہل پولینڈ کی نسبت زیادہ قیمت سے گندم خریدنے کی سامرتھ پنجابیوں میں نہ ہو۔ تو پولینڈ کے اکال کی بدولت انہیں بھوکوں مرنا پڑتا ہے۔

اپنے تمام کاریوں میں آریہ سماج کی دیانت داری اور آرگنائز کرنے کی یوگیتا مسلّم ہے۔ اور مجھے پورا نشواس ہے۔ کہ اگر آریہ سماج رشی دیانند کے آٹھویں نیم کی طرف اپنی عنان توجہ پھیرے اور دیش کی آرتھک اور اقتصادی اُنتی کو بھی اپنے کرتویہ کا بھاگ سمجھ لے۔ تو بھارت اگلی پیڑھی تک آرتھک نجات حاصل کرنے کی توقع رکھ سکتا ہے۔ جس طرح آریہ سماج سکول یا مہا تما آلیہ ستھاپت کرنا اپنا کرتویہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح اسے اپنے گرد و نواح کے خام مواد سے لابھ اٹھانے کے لئے مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کی تعداد بڑھانے کو اپنا کرتویہ سمجھنا شروع کر دینا چاہئے ایسی کمپنیوں کا آریہ سماج کے آدھین ہونا ان کے سپربندھ کی ضمانت ہے۔ جس سے علاقہ کے لوگ ان میں سرمایہ لگانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اس وقت اوستھا یہ ہے۔ کہ اس قسم کی کمپنیوں کا انتظام غیر آریہ سماجیوں کے ہاتھ میں ہونے کے کارن لوگوں کا اعتماد ان سے اُٹھ گیا ہے۔ یہ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ جن کمپنیوں کا پربندھ آریہ سماج کے ہاتھ میں ہوگا وہ دیانتداری سے چلائی جائیں گی۔ اور لوگوں کو اپنا روپیہ بلا کھٹکے لگانے کا منافع ملے گا۔ اور وقت آئے گا کہ ہمارا سرمایہ غیر ملکی سرمایہ کو ملک بدر کر دے گا۔ اور ضرورت اور عیش و عشرت کی وہ ہزاروں چیزیں جو اس وقت غیر ممالک سے آتی ہیں۔ پہلے کی طرح اس بے شمار خام مواد سے یہاں ہی بننے لگ جائیں گی۔ جس کی برآمد بھی آخر رک جائے گی مثال کے طور پر ۱۹۱۳ء تک میسور کی ریاست سے صندل کی لکڑی امریکہ اور جرمن کو بھیجی جاتی تھی۔ اس کے بعد سے صندل کا تیل معمولی مشینری سے میسور میں تیار کیا جانا شروع ہو گیا ہے۔ جس کا پریشام یہ ہے کہ میسور امریکہ اور جرمنی سے اب صندل کے تیل کی منہ مانگی قیمت لیتا ہے۔ اس طرح صندل کے تیل کے کارخانے سے ریاست کو اتنی آمدنی ہوتی ہے جتنی کہ سونے کی کان کے مالکانہ سے نہیں ہوتی جسے ودیشی لوگ ریاست کو برائے نام مالکانہ دے کر ودیشی سرمایہ سے لوٹتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر پنجاب آریہ سماج اپنے پرورتک رشی دیانند کے بتائے آٹھویں نیم کے مطلب کو اچھی طرح سمجھ کر اٹک میں مٹی کے تیل کی دریافت پر ضروری کمپنی بنا لیتا۔ تو پنجاب ان تمام فوائد کا آج مالک ہوتا۔ جو اس وقت ودیشی لوگ یعنی اٹک آئیل کمپنی لمیٹیڈ حاصل کر رہے ہیں۔ کیا یہ ...

عطا کرے لیکن پنجابی درڑھ ارادہ ہوتے ہوئے بھی اس خزانہ کے لوٹنے کی ودیشیوں کو کھلی اجازت دے دیں۔ عام کہاوت ہے اگر کوئی آدمی اس کے مالک کی کسی چیز کو اٹھانے لگے۔ تو اس پر لیک پڑتا ہے اور اپنی جان تک کی پرواہ نہ کر کے چور کے پیچھے بھاگ اٹھتا ہے۔ آریہ سماجیوں کی آرتھک سوجھ اس سے یقیناً بہت اعلیٰ ثابت ہو۔ اگر وہ اس طرف توجہ دیں۔

سوئٹزر لینڈ ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ اور اس کی آبادی اتنی تھوڑی ہے۔ کہ پنجاب ہندوستان کے کئی ضلعوں کے برابر ہے۔ لیکن وہاں ۱۹۲۶ء میں خام مسالہ کو کام میں لانے کے لئے ۸۲۲۷ مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں تھیں۔ جن کا اوسط سرمایہ چھ ہزار روپیہ تھا۔ یہ کمپنیاں نہایت اعلیٰ قسم کی گھڑیاں بناتی ہیں۔ جو سارے سنسار میں جاتی ہیں۔ اپنی آرتھک سوجھ کے ساتھ آریہ سماج کو جاننا چاہئے کہ دیش کی دولت پر غیر ملکی بنکوں کا کنٹرول ہے۔ بیمہ کی کمپنیاں پریمیم کے ذریعہ کروڑوں لے جاتی ہیں۔ اگر آریہ سماج اس قسم کی کمپنیاں بنائے۔ اور انہیں کامیابی سے چلائے۔ تو ان سے نہ صرف سرمایہ لگانے والوں کو فائدہ ہوگا بلکہ ان سکولوں اور کالجوں کے لئے معتد بہ مالی امداد بھی مل جائے گی۔ جن کے لئے چندہ اکٹھا کرنے میں آریہ سماج کی طاقتیں لگ رہی ہیں۔

ہندو مسلمان فسادوں کا مول کارن آرتھک ہے۔ یہ جھگڑے اس کوشش کا نتیجہ ہیں۔ جو ملازمت کے ان ٹکڑوں کو حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ جو گورنمنٹ ان کے آگے پھینکتی ہے۔ ان کمپنیوں میں مسلمان بھی شامل ہو جائیں گے۔ جب ان کے ذریعہ ملازمت اور منافع کا وسیع باب ان کے لئے کھل جائیگا۔ ہزاروں لوگ انجینئر۔ بنکوں کے مینجر۔ انشورنس کے ایجنٹ اور کلارک وغیرہ کے عہدوں پر لگ جائیں گے۔ اور اس طرح حقیقی مقابلہ مذہبی فسادات کو دور کر دے گا۔ بعد اس وقت مسلمانوں کی نگاہ و محبت جو ہمیشہ غیر ممالک کی طرف لگی رہتی ہے۔ انکی ہندو ہو جائیگی مذہب آرتھک لابھوں کے آدھین ہو جائیگا اور پالیٹکس میں اسے جگہ نہیں ہوگا۔ مذہب نے ہندو مسلمانوں کو جدا کر رکھا ہے تو مشترکہ آرتھک لابھ انہیں رشتہ محبت میں منسلک کر دیں گے۔ اقتصادی مفاد مسلمانوں کو مادر وطن سے محبت کرنا سکھائیں گے۔ اور مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان کا جو خطرہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ وہ دور ہو جائے گا۔ گریجوئیٹ جنہیں اپنی قابلیت اور دیانتداری کے اظہار کے لئے بہت کم موقعے ملتے ہیں۔ کمپنیوں کے کام کی شکشا پراپت کرنے پر لمیٹیڈ کمپنیوں کے قابل اور دیانتدار ڈائرکٹر اور مینیجنگ ڈائرکٹر بن سکیں گے۔ اور اس طرح ایڈیٹر ایڈوکیٹ یا ٹیچر ہونے کی بجائے اعلیٰ تنخواہیں اور کمیشن حاصل کر سکیں گے۔ ایک بار جب انہیں کمپنیوں کے کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اور انہوں نے کام قابلیت اور ایمانداری سے کر کے دکھایا ... تو آریہ سماج کا نام ہو جائے گا۔ کہ جن کمپنیوں کا پربندھ اس کے ہاتھ میں ہو۔ ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ... اور کمپنیوں کا ... ہندوستانی مال کے ذریعہ بھارتی منافع

اُٹھا سکتی ہیں۔ آریہ سماج کی کمپنیاں کامیابی سے مقابلہ کریں گی ؛

آریہ سماج اس طرح اپنے پروگرام کے ۹ویں نیم کو عمل میں لا کر دکھانے والا ہوگا۔ جو یہ بتاتا ہے کہ اپنی ہی اُنتی میں سنتشٹ نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہئے ؛

यस्मि जीवति, जीवन्तिब-हवः सोऽत्र जीवतु॥

لمیٹڈ کمپنیوں کے فوائد یہ بھی ہیں:

(۱) ذمہ داری محدود ہوتی ہے ؛
(۲) حساب باقاعدہ پڑتال کیا جاتا ہے۔
(۳) ایک دو ڈائرکٹروں کی قابلیت اور یوگیتا کا فائدہ بہت سے حصہ دار اُٹھا سکتے ہیں۔
(۴) ڈائرکٹروں کا دانش مندانہ مشورہ لوگوں کی SPECULATIVE رغبتوں کو روکنے کا کام دیتا ہے۔ جو سرمایہ کو خطرہ میں ڈال کر کاروبار کی ناکامیابی کا کارن ہوتی ہیں ؛
(۵) کمپنیوں کا کام ان کے کسی ایک بانی یا ڈائرکٹر کی مرتیو کے بعد بھی چلتا رہتا ہے۔ حالانکہ تمام شخصی کاروبار خواہ کیسے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں۔ چلانے والے کی مرتیو پر عموماً تتر بتر ہو جاتے ہیں ؛

آریہ سماج کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مثال سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ اور اس کی نقل کرنی چاہئے۔ جو ۱۷ صدی میں مصالحوں کی تجارت کے لئے ہندوستان آئی۔ اور جس نے ملک کے حکمرانوں کو مطیع کر کے ۱۸۵۷ء تک ملک کی حکومت کی۔ اور اس وقت بھی مختلف تجارتی ایوانوں کی شکل میں جنہیں تجارت اور حکومت میں دسترس حاصل ہے۔ ہندوستان میں بڑے قانونی قانونی اقتدار حاصل ہے ؛

المختصر ہمیں اپنے مذہبی اور اخلاقی اصول کو عمل میں لانا چاہئے۔ اور تعمیری کاروبار چلانا چاہئے۔ جس کے لئے مذہبی اور اخلاقی اصول کے عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم اپنے تمدن۔ اولوالعزمی۔ تا زندگی سرگرمی اور سیاسی بیداری کے بوجھ کا بوجھ اُٹھا سکیں۔ اس حالت میں طلبا قدرتاً سائنس کا مطالعہ شروع کریں گے۔ اور ملک کے اندر ہزارہا برس پیدا ہو جائیں گے ؛

یقیناً سوامی دیانند کا ہرگز یہ منشا نہ تھا کہ صرف پرارتھنا سماجیں بنائی جائیں جیسا کہ آریہ سماج اس وقت بنے ہوئے ہیں ؛ اگر ہم منتر کو عملی جامہ پہنا کر عمل میں لائیں۔ تو سنسار انو بھو کریگا کہ ہندوستان میں کوئی آریہ سماج ہے۔ جیسا کہ وہ آج کل جاپان کے

مستعد محسوس کرتے ہیں۔ ورنہ ہم کمپنی میں ہی اپنی عمر گذار دیں گے۔ ہمیں سوامی دیانند کی شکشا کو مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کی بجائے پہلے بھارت میں اور پھر سنسار بھر میں عمل میں لا کر دکھانا چاہئے۔ اپر دکت تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے وسیع میدان ہے۔ جس طرح انگلینڈ۔ سکاٹ لینڈ اور جرمنی وغیرہ میں ہندوستان کو لوٹنے کے لئے کمپنیاں بنی ہوئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آریہ سماجوں کے زیر اہتمام ہندوستان میں کمپنیاں بنائی جائیں جو سنسار کے مختلف دیشوں میں کام کریں۔ اگر ہم سوامی دیانند کی شکشا پر دل سے عمل کریں۔ تو یہ نہایت آسان بات ہے۔ تب تاریخ اپنے آپ کو دوہرائے گی۔ اور ہم اپنی قدیم حکومت۔ آزادی اور شان حاصل کر سکیں گے۔ جو سوامی دیانند کے آریہ سماج قائم کرنے کا آدرش تھا۔ جو اس وقت آریہ دکھن ہندو ریاستی کا محض قائم مقام بن رہا ہے جو اس سے ذرا مختلف طریقہ میں اپنی پرچار کیا کرتا ہے

संगच्छध्वम संवदध्वम
संवो मनांसि जानताम

کمپنیاں بنانے کا ایشوری آدرش ہے۔ اور اپنے پروگرام کے نام پر سمپریدائے کی کمپنیاں بنا کر اس آدرش کو پورا کرنا چاہئے۔ پنڈت مدن موہن مالوی نے سچ کہا تھا۔ جب انہوں نے کہا۔ کہ سوراجیہ آرتھک آرگنیزیشن سے مل سکتا ہے۔ لیکن ان کے پاس اس کام کے لئے ایماندار آدمیوں کی فوج کہاں ہے۔ وہ صرف آریہ سماج سے ہی مل سکتی ہے ؛

میرا وشواس ہے۔ کہ بھارت میں آریہ سماج واحد جماعت ہے۔ جو بڑھتی ہوئی آتنک نوشک کو پھیلنا روک سکتی ہے۔ جیسا کہ اس نے شدھی اور سنگٹھن کے ذریعہ مذہبی لوٹ کو بند کر کے دکھا دیا ہے ؛

رشی دیانند کی وجے
سانکھیہ درشن کی پراچینتا!
(از سوامی ویدانند تیرتھ جی)

رشی دیانند سے پہلے کیا مشرقی اور کیا مغربی سب پنڈت چھ درشنوں میں ورودھ مانتے تھے۔ گو شری مدھو سودن سرسوتی نے اپنے ”پرستھان بھید“ نامی گرنتھ میں سب درشنوں میں ورودھ پریہار کرنے کا یتن کیا ہے۔ لیکن ورودھ پریہار وہ بھی نہیں کر سکے۔ یہ شرے شری دیانند کو ملا ہے۔ وہ پہلے مہانوبھاو ہیں۔ جنہوں نے درشنوں کی ایکتا۔ اور ورودھ بھاؤ کی گھوشنا کی۔ پہلے پہلے سب نے سوامی جی کا ورودھ کیا۔ لیکن وقت گذرنے پر ان کے وچاروں کے انویائی ہوتے گئے۔ ہم گذشتہ برسوں کے رشی انکوں میں ساہاہ تیہ اس دشہ پر لکھ چکے ہیں ؛

ہمارے آریہ درشنوں میں میمانسا اور سانکھیہ نریشوروادی جاتے رہے ہیں۔ سوامی جی نے سب سے پہلے اس وچار کے ورودھ دو نو درشنوں کو ایشوروادی سدھ کیا۔ میمانسا کے وشے میں ہم گت درش لکھ چکے ہیں۔ اب کے سانکھیہ درشن کے سمبندھ میں لکھنا چاہتے ہیں۔ بیشتر اس کے کہ ہم اس دشہ میں کچھ نویدن کریں ؛

سانکھیہ درشن کے سمبندھ میں ایک اور بھرم کا دور کر دینا اُچت پرتیت ہوتا ہے۔ اس وقت جو سانکھیہ درشن ملتا ہے۔ سوامی جی اُسے کپل منی کی کلپنا اور اس لئے پراچین سویکار کرتے ہیں۔ اس کے خلاف سادھارن مغربی اور پورپی پنڈت ایک آواز سے ادھونک رچنا مانتے ہیں اور اپنے کو آریہ سماجی کہنے والے کئی سجن جیسا کہ پنڈت راجا رام شاستری اور پرنسپل دیوان چند بھی ان میں سمّلت ہیں۔ ان لوگوں کی یہ دھارنا ہے کہ چودھویں شتابدی میں ہوئے مادھو پنڈت کے رچے ”سرو درشن سنگرہ“ گرنتھ میں سانکھیہ پرکرن میں اس سانکھیہ درشن سے کوئی ادھرن (QUOTATION) نہیں دیا گیا۔ گو یہ یکتی کوئی یکتی نہیں ہے۔ تاہم

दुर्जन होष کے ان ماننے والوں کی شانتی کے لئے ہم کچھ ادھرن جو

न्याय

”सूतसंहिता“

کی ٹیکا (جس کے رچیتا مادھو منتری ہیں۔ جو سرو درشن سنگرہ کے مصنف کے ہم عہد ہیں) سے لیا گیا ہے۔ پرمانت ہوگا۔

अत सांख्यै रुच्यते सत्त्व
रजस्तमोगुणना साम्यावस्था
मूल प्रकृतिः

सूत संहिता पृष्ठ ४०७
(मद्रास रू०)

یہ آجکل کے چھپے سانکھیہ درشن کے ۱-۶۱ سوتر سے تھوڑا سا بھید ہے۔ کنتو اس کا کارن ٹیکہ پر ادیا یا پستک دیکھئے۔ اودھرن کرنا ہو سکتا ہے۔ یہ ہم نے ٹی۔ آر۔ چنتا منی ایم اے کے آدھار پر لکھا ہے۔ اس کے علاوہ نیائے درشن کے واتسیاین بھاشیہ میں سانکھیہ کے کئی سوتر ملتے ہیں۔ ستھانا بھاو سے انہیں یہاں اودھرت نہیں کرتے۔ اس پرکار

स्याद्वा द रत्नाकर

میں بھی اسی سانکھیہ درشن کے پرانے ہونے کی شہادت ملتی ہے ؛

شری یت ٹی۔ آر۔ چنتا منی مہاشے نے

भगवदज्जु कीयम

نامی ناٹک سے (جو ستویں صدی کی تصنیف ہے) آدھار پر

तत्व सयास

نامک سانکھیہ درشن کے لگھو سنسکرن کی پراچینتا سدھ کی ہے ؛

سانکھیہ میں ایشوروواد

اب لیجئے سانکھیہ درشن میں ایشوروواد کو۔ شری یت ابھے کمار موزمدار۔ ایم اے سنسکرت اور انگریزی بھاشا کے بھاری ودوان ہیں۔ درشن شاستروں پر بھی ان کو پورا عبور حاصل ہے۔ انہوں نے بنگلہ میں ایک پستک لکھی ہے۔ جس کا نام ہے ”سانکھیائے ایشوروواد“ ارتھات سانکھیہ درشن میں ایشوروواد۔ اس میں انہوں نے پرزور دلائل سے سانکھیہ کو نریشوروادی ماننے والوں کا زبردست کھنڈن کیا ہے۔ ان کا مت ہے کہ وادی کے مت سے سانکھیہ درشن میں نریشوروواد کے پرتی پادک دو ستھل ہیں ؛

(۱) پرتھم ادھیائے کے ۹۲ [illegible]
(۲) دوسرے ادھیائے کے ۱-[illegible] ستھلوں میں بھی

[illegible]:
سانکھیہ ۱-۹۲ میں جہاں سوتر [illegible] جی اس پرکار میں لکھتے ہیں۔

[illegible] प्रमाणाभावान्न दो

त्रः इत्यनुवर्त्तते अयं चे-श्वर प्रतिषेध एकदेशिनां प्रौढिवादे नेवेति प्रागेव प्र-तिपादितम अन्यथा हि ईश्वरा भावति इत्ये वो चयेत। इत्यादि ॥

ارتقات .. ایشور ... ہ دوش سے چار شنید۔ پہلے سوتروں سے اس میں آتے ہیں۔ ادریہ کھنڈن پرودھی واد سے ہے۔ اگر واستو میں کھنڈن کرنا ہوتا۔ تو ایشور بھاو ملن سوتر بناتے اس پر موز ممار کہتے ہیں۔ کہ یہ گیان بھکشوجی اس سوتر سے ایشور نشید ھ تو نہیں مانتے۔ لیکن ایشور کی ستا میں پرمان ابھاو دشیہ مانتے ہیں۔ پرشن آتپن ہوتا ہے۔ کس پرمان کا ابھاو؟ سانکھیہ میں پرتکش۔ انومان اور آگم تین پرمان مانے گئے ہیں۔ آگم میں تو ایشور کا جب شمست نہ دیں ہے پھر "ایشور ستا میں کوئی پرمان نہیں" یہ پرمان نارتھک ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے اس سوتر کی دیاکھیا بھن پرکار سے کرنی چاہئے۔ اور وہ اس طرح " ایشور میں پرتکش پرمان نہ ہونے سے " اگرچہ اسی واسطے وگیان بھکشو کو سانکھیہ کار کے پرتکش لکشن کو سنگت کرنا پڑا۔

وگیان بھکشو کی دیاکھیا صاف غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ جب ہم اس سوتر کو

(क) तत्संनिधानादधिष्ठातृत्वं मणिवत। सां १९६ सू

اور

(ख) अन्तः करणस्य तदुज्ज्वलितत्वाल्लोहवतदधिष्ठातृत्वम ॥ सां० १।९९॥

کے ساتھ وچاریں۔ ان دونو سوتروں میں "تت" شبد پڑا ہے۔ اس तत کا یہاں کیا ارتھ ہے؟ وگیان بھکشو جی کے مت سے اس شبد کا ارتھ جیو ہے۔ کنتو یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے پہلے ۹۳ سوتر میں ایشور کا ورنن کیا ہے۔ اس لئے یہاں 'तत' شبد سے ایشور ہی لیا جائے گا۔ ایسی حالت میں ۹۶-۹۹ سوتروں کا ارتھ ہوگا۔ تت = ایشور کی سندھی سے پرکرتی میں سرشٹی رچنا آدی کریا ہوتی ہے جیسے چمبک سے (۹۶) تت = ایشور سے پرکاشت ہو۔ ... انتہ کرن میں ادھشٹھاترتو ... جیسے تپتے لوہے میں (۹۹) طاقت کیا مہابھارت میں پرتیادت سانکھیہ ... سے بھی ملتی ہے۔ ... وستار بھئے سے یہاں ادھک نہیں لکھتے ؛

(ادم شم)

شدھی کی سمسیا

(از پروفیسر رمیش چندر بنرجی وکٹوریہ کالج)

شدھی اب ایک عام بات ہو گئی ہے۔ شدھی کے سماچار ہمیشہ پڑھتے ہیں آتے رہتے ہیں اور ہندو یہ جان کر خوش ہوتے ہیں۔ کہ ہم شدھی کے ذریعہ اپنی کھوئی ہوئی سنگھٹی کو جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن شدھی کے رستہ میں کچھ ایسی سمسیائیں ہیں۔ جنہیں نظرانداز نہیں کرنا چاہئے ورنہ شدھی کا تمام تانا بانا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا ؛

جب ہم شدھی کی رپورٹیں اخبارات میں پڑھتے ہیں تو ہمیں کیول کاریہ کے آرمبھ کا ہی پتہ لگتا ہے۔ جس کا انجام ہی اس تحریک کی سپھلتا یا اسپھلتا کا نشچے کرسکتا ہے۔ مجھے اخبارات میں مشتہر کردہ "عظیم الشان شدھی" کے کئی اوسر معلوم ہیں۔ جن میں شدھ ہونے والے رفتہ رفتہ پھر اپنے مذاہب میں چلے گئے۔ جن سے آئے تھے۔ کیونکہ ہندو سوسائٹی انہیں اپنے اندر جذب نہ کرسکی۔ بنگال میں ایک سنستھا کا بہت ڈھول پیٹا جاتا ہے۔ جو شدھ ہونے والوں کی تعداد کو بہت بڑھا چڑھا کر دکھاتی ہے۔ لیکن نہ جو شدھ ہوتے ہیں۔ نہ اُن کی دھارمک شکشا کا ہی کوئی پربندھ کیا جاتا ہے۔ نہ سوسائٹی میں انہیں کوئی ورن ہی دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس تعداد کو مبالغہ آمیز تعداد میں مشتہر کیا گیا تھا۔ وہ بھی جہاں سے آئی تھی۔ وہیں چلی جاتی ہے۔ اگر تھوک یا خوردہ فروشی کی تجارت کی طرح شدھی کو بھی ایک پیشہ بناتا ہے تو خلوص اور صادقانہ کام کا اس میں بہت کم امکان ہے۔ کیونکہ زیادہ تر توجہ نمائش اور اشتہار بازی کی طرف ہی دی جاتی ہے۔ بعض حالات میں شدھی سنسکار کا بھی بُری طرح مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض حالتوں میں شدھ ہونے والوں پر صرف چند پھول پھینک کر اُن کا شدھی سنسکار سماپت کر دیا جاتا ہے۔ اس پر شدھ ہونے والوں کو اُنکے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور شدھ کرنے کے بعد ان کی کوئی خبر نہیں لی جاتی ؛

دوسرا ضروری پرشن شدھی کے رستہ میں یہ ہے۔ کہ شدھ ہونے والوں کا ہندو جاتی میں درجہ کیا ہوگا؟ گذشتہ بنگال ہندو سبھا کانفرنس میں جو سیمن سنگھ میں ہوئی۔ سواگت کارنی کے پردھان نے اپنی وکتر تا میں کہا تھا۔ کہ شدھ ہوؤں کے ہاں نہ پروہت سنسکار کراتے ہیں۔ اور نہ اُنھیں مندروں میں ہی داخل ہو دیا جاتا ہے۔ اس اوستھا میں جو شدھ ہو کر ہندوؤں میں آتے ہیں۔ وہ کب تک رہ سکیں گے

پھر اس سمسیا کا حل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ویدک دھرم اور صرف ویدک دھرم اس دھرم میں اس کے تمام انویائیوں کو دئے ہوں یا پُرانے ایک سے دھارمک اور سماجک ادھکار پراپت ہیں۔ ویدک دھرم میں شدھ ہوؤں کی ستھتی کی کوئی مشکل نہیں۔ اس میں دماغ کو اس سوال کے حل میں لڑانے کی ضرورت نہیں۔ کہ شدھ ہوؤں کے لئے کون سے سندر منیت کئے جائیں۔ دوسری جاتیوں کے ساتھ کن دھارمک رسومات میں شامل ہونے کی اُنہیں اجازت دی جائے۔ اور کون کون سی دھارمک پُستکیں پڑھنے کا انھیں ادھکار ہو ؛

دشال آریہ جاتی کا آریہ سماج ہی ایک انگ ہے۔ جو ان پرشنوں کے حل کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔ جن حالتوں میں جہاں یہ سپشٹ ہو کہ شدھی کے بعد شدھ ہونے والے کو اس جاتی میں لے لیا جائے گا۔ جس میں وہ پتت ہونے سے پہلے تھا۔ شدھ ہونے والوں کو اُنکی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن باقی تمام حالتوں میں۔ جن میں شدھ ہونے والوں کو سماجک ستھتی دینے میں کٹھنائی ہو۔ اُن کے نئی سوسائٹی سے برگشتہ ہونے سے جس میں اُنہیں دوسرے لوگوں کے ساتھ مساوات کا درجہ نہیں ملتا۔ انہیں آریہ سماج میں داخل کر دیا جاتا ہے ؛

میری دھارنا کے خلاف دو اعتراض ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس طرح پرانک ہندو آریہ سماج کے نام سے خوف زدہ ہو جائیں گے میں نے ایسی ہندو سبھائیں دیکھی ہیں۔ جن کے ممبر آریوں کو سندیہہ درشٹی سے دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ کاش یہ ہمارے درمیان نہ ہوتے۔ اس امر واقعہ کو جھوڑ کر کہ آریہ سماجی ہی ہیں۔ جنہوں نے اکثر مقاموں پر ہندو سبھائیں بنائیں۔ اور سوامی شردھانند جی کے پایہ کے لیڈروں نے ہندوؤں کے لئے کام کرنے میں دن رات ایک کر دیا۔ نہ صرف آریہ سماجیوں کو بلکہ پورانک ہندوؤں اور ہندو سبھائیوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ محض سنگھٹن پر دیاکھیان اور مسلم حملے ہندوؤں کو متحد نہیں کرسکتے۔ جب تک ہم ہندو ماتر کو پرماتما کے ایک ماترگیان کے جھنڈے تلے نہیں لاتے۔ اور ان کے لئے ایک ہی قسم کی دھارمک رسومات نیت نہیں کرتے۔ کوئی سنگھٹن مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایسا کامل سنگھٹن اسی آدرش کو گرہن کرنے سے ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے آریہ سماج کام کر رہا ہے

دوسرا اعتراض جو اُٹھایا جاسکتا ہے یہ ہے۔ کہ آریہ سماجی بھی ذات پات کے بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں عرض ہے۔ کہ ہمیں اس امر واقعہ کو ہرگز نہیں بھولنا چاہئے۔ کہ ہمارا سمبندھ تو آریہ سماج سے ہے۔ نہ کہ اس بات سے۔ کہ فلاں آریہ سماجی کیا کہتا ہے۔ اور کیا کرتا ہے اگر کوئی اچھوت سنسکار ودھی کو لے کر اپنے جیون کو اس کے انوسار منیت کرتا ہے۔ تو اس پر کوئی آریہ سماجی اعتراض نہیں کریگا۔ کوئی آریہ سماج مندر کسی کے لئے بھی بند نہیں اگر پورانک سنسکاروں کے ماتحت کوئی آریہ سماجی کہے کہ میں اچھوت کے ساتھ نہیں کھاؤنگا۔ وہ اپنے دھرم یا سماج کے نام پر ایسا نہیں کرسکتا۔ بلکہ آریہ سماج اس کے اس اویدک بھاو پر نفرت کا اظہار کریگا۔ مجھے ایک مسلمان کا پتہ ہے۔ جس نے ایک مولوی سے اس بنا پر کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ کہ وہ مولوی اس کے خیال میں کسی نیچ جاتی کا تھا۔ لیکن یہ فعل اس کا ذاتی تھا۔ اسلام کے نام پر وہ ایسا نہ کرسکتا تھا۔ مجھے آل انڈیا شہرت کے ایک ہندو لیڈر کا علم ہے۔ کہ وہ بنگال کے ایک گاؤں میں اپنا براہمن رسویا اور نوکر ساتھ لے گیا۔ جہاں وہ اچھوتوں کے عظیم الشان مجمع میں اچھوت ادھار پر دیاکھیان دینے گیا تھا۔ یہ براہمن لیڈر بنگالیوں کے ہاتھ کا بھوجن نہ کرنے کے خیال کو نہ چھوڑ سکا۔ چہ جائیکہ وہ اچھوت بنگالیوں کے ہاتھ کا کھانے یا ان کے ہاتھ کا پانی پینے کا خیال گرہن کرسکتا۔ اس قسم کے لیڈروں کے اچھوت پن کے خلاف دیاکھیانوں کا بھلا اثر ہی کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن میرا پختہ وشواس ہے۔ کہ کوئی آریہ لیڈر اس قسم کا بیہودہ طرز عمل اختیار نہیں کرسکتا ؛

جب آریہ سماج ہندوؤں پر مسلم حملوں کے خلاف سکندری ہے۔ ہندوؤں کو شدھی آدی کے وشیوں پر فراخ دلی سے وچار کرنا چاہئے

رشی دیانند اور نوین پاشچاتیہ وچار

(از پروفیسر سدھا کرجی ایم اے)

اکثر لوگوں کا وچار ہے۔ کہ سوامی دیانند ایک سدھارک تھے۔ انہوں نے جو کام کیا۔ وہ دھرم کے کشیتر میں صرف سماج سدھار کا کام تھا۔ ان کے وچار ہندو دھرم اور ہندو جاتی تک ہی محدود ہے۔ انہوں نے جو کچھ سوچا۔ اور جو کچھ کیا۔ اس کا سیدھا پربھاد بھارت کی ہندو سماج پر ہی پڑا۔ ان کی زندگی کا مقصد ہندو دھرم کا سدھار اور اس کے وشدھ روپ کا پرچار ہی تھا۔ اس لئے انہوں نے دوسرے متوں کی کڑی آلوچنا کی۔ اور ویدک دھرم کے مقابلہ میں ان کو کمتر بتایا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ سوامی دیانند کو صرف سماج سدھارک کا کشیتر ہی کہنا ادھورا ستیہ کہنے کے برابر ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ جو ساہتیہ انہوں نے تیار کیا۔ وہ زیادہ تر دھارمک ساہتیہ ہی تھا۔ لیکن دھرم کے جو ارتھ رشی دیانند سمجھتے تھے۔ وہ ارتھ اتنا وسیع تھا۔ اس کے اندر گیان (سائنس) درشن (فلسفہ) راج نیتی (پالیٹکس) آدی وچار اور جیون کے تمام انگوں کا سماویش ہو جاتا ہے۔ جو لوگ سوامی دیانند کے لکھے۔ دھارمک گرنتھوں میں وگیان اور درشن شاستر کے ان سدھانتوں کو ڈھونڈنا چاہیں۔ جو زمانہ حال کے مشہور مغربی وچارک اپنی قلم کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں۔ ان کو ناامیدی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

یہ ٹھیک ہے۔ کہ سوامی دیانند نے ان سدھانتوں کی تائید۔ اور تشریح میں علیحدہ پستکیں نہیں لکھیں۔ پرنتو وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس کی وجہ اس وقت کے حالات تھے۔ سوامی دیانند وچار کے کشیتر میں اپنے زمانہ کے PIONEER (پتھ پردرشک) تھے۔ ان کو کیول راستہ دکھانا تھا۔ بھارت کی سوئی ہوئی وچار شکتی کو جگانا تھا۔ یہ کام اپنے آپ اتنا مہان تھا۔ کہ ان کا تمام جیون اسی میں لگ گیا۔

ہم سوامی دیانند کی پستکوں سے ان وچاروں یا سدھانتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ جن پر مغربی وچارکوں کے ساتھ ان کا اتفاق یا اختلاف ہے۔ اس لئے کہ مضمون لمبا نہ ہو جائے۔ ہم صرف سوچنا اتر ہی دیئے جائیں گے۔

انتم ستا واد (METAPHYSICS) کی درشٹی سے مغربی عالموں نے اسی طرح سے اختلاف رائے ظاہر کیا:

(۱) MONISM (ادویت واد) انتم ستا ایک ہے۔ کئی اس ستا کو جڑ روپ سویکار کرتے ہیں۔ اور کئی چیتن۔

(۲) DUALISM (دویت واد) جڑ اور چیتن دونوں پرکار کو ستا مانتا ہے۔

(۳) PLURALISM (انیکتا واد) انیک چیتن ستا کو سویکار کرتا ہے۔ اس مت کی نگاہ میں انیک جیو اس سنسار میں جیون وکاس کے سلسلے کو پورن کرنے کی حیثیت اور اس کے لئے جدوجہد میں لگ رہے ہیں۔

رشی دیانند کا اس سدھانت کے متعلق جو کتھن ہے وہ دوسرے اور تیسرے سدھانت کا سماویش ہے۔ دیانند دویت واد اور انیکتا واد دونوں پنتھوں کے سمرتھک تھے۔ وہ جڑ ستا اور چیتن ستا کو مانتے ہوئے انیک چیتن آتماؤں کی ہستی بھی سویکار کرتے تھے۔

مغربی ممالک میں جتنے انیکتا وادی PLURALISTS ہیں۔ ان میں زیادہ تر پنر جنم (TRANSMIGRATION) کو بھی مانتے ہیں۔ اس سدھانت پر بھی وہ رشی دیانند کے ساتھ متفق ہیں جہاں آتماؤں کی انیکتا کو سویکار کیا۔ وہاں آتما کے وکاش کے لگاتار سلسلے کو ماننے کے لئے پنر جنم سے اچھا دوسرا کوئی دوار دکھائی نہیں دیتا۔ دھرم شاستر (RELIGION) کے کشیتر میں اسی انتم ستا کے سمبندھ میں ... واد پاشچاتیوں میں اس

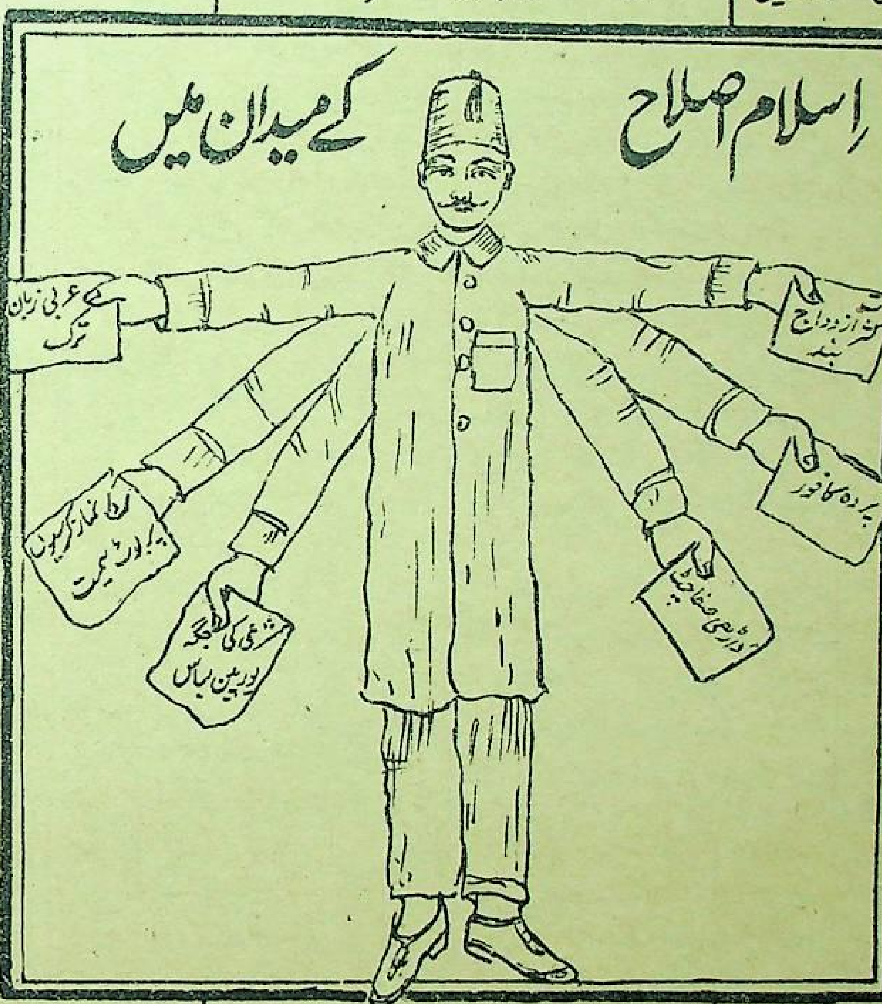

سمہ پرستم ہے:

(۱) KNOWABLE (گیے واد) وہ ستا منش گیان کا وشیہ ہو سکتا ہے

(ب) UNKNOWABLE (اگیے واد) وہ ستا منش کے لئے گیے (جاننے یوگیہ) نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ منش جان سکتا ہے۔ وہ سب نام روپ (PHENOMENON) تک ہی ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد جو واستوک ستا (SUBSTRATUM) ہے۔ اس کو منش جان نہیں سکتا۔ سوامی دیانند گیے وادی تھے۔ وہ الوہی گیان کا اور بھی سمجھتے تھے۔ اسی کی درشٹی سے وشے کا گیان جہاں تک متعلق ہے۔ وہیں تک پرمایت مانتے تھے۔

سوامی دیانند نے ورتمان کال کے وگیان (SCIENCE) کی ایکتا کے لئے ویگرتا (LONGING FOR UNITY) اور سیتا دکھائی ہے وہ ایکتا کے انویشن کے پکشپاتی تھے پرنتو ان کا وہ شونیہ ایکتا (BLANK UNITY) نہ تھا۔ وہ اس ایکتا کے پجاری تھے۔ جو تمام سویم سمبندھوں (RELATIONS) کو مان کر ان کے آدھار پر سنگٹھن کے روپ میں استھن کرتی ہیں۔ منش اس سنسار میں اپنے آپ کو سمبندھوں کے پاش میں بندھا ہوا پاتا ہے۔ ان سمبندھوں کو جان کر جب وہ اپنے اندر اور اپنے سے بیرونی جگت کے ساتھ ایک پرکار کی انوکولتا استھاپن کر لیتا ہے۔ تو اس انوکولتا جنیہ دیو سنگٹھت ایکتا کو منش اپنا انتم دھیے بنا لیتا ہے۔ انیکتا وادی (PLURALISTS) اس ایکتا کو اپنے دھارمک جیون کا لکش سویکار کرتے ہیں:

(۱) گیان ودیا (EPISTEMOLOGY) کے کشیتر میں بھی سوامی دیانند نے درمیانی راستے کا انوسرن کیا ہے گیان کی اتپتی کے سمبندھ میں پاشچاتیوں کے تین سمپردائے ہیں:

(۱) RATIONALISM OR A-PRIORI SCHOOL سوتہ سدھ یا سوبھاوک گیان واد۔ اس کے انوسار گیان کا سروت سوئم آتما ہے۔ پرتیکش ذریعہ انوبھو گیان کو پیدا نہیں کرتا۔ خواہ اس کو پکا کر بھلے ہی کرتا ہو:

(۲) [illegible]RCISM OR A-POS-[illegible]ORI SCHOOL پرتیکش واد۔ اس کے انوسار آتما ایک خالی تختی کے سمان ہے۔ اس میں جو گیان پیدا ہوتا ہے۔ اس کا آدھار

ہمارا پرتیکش انوبھو ہی ہے - اور یہ انوبھو (EXPERIENCE) کے علاوہ گیان کی اُتپتی کا سادھن اور کچھ نہیں ہو سکتا - یہاں پر بھی سوامی دیانند نے اِن دونو وادوں کے ملاپ کو ہی سویکار کیا ہے - آتما میں گیان کے سنسکار رہتے ہیں - پرنتو نیکت گیان کے لئے جتنی ان سنسکاروں کی آوشیکتا ہوتی ہے - اُتنی ہی تجربہ کی - اس لئے یہاں پر سوامی جی مدھیہ مارگ انو ورتی تھے ۔

زمانہ حال کی سائنس نے برہمانڈ کی پیدائش وِکاس واد EVOLUTION دوارا سدّھ کرنے کی چیشٹا کی ہے - پرنتو سوامی دیانند نے وکاس واد کی کلپنا کو صرف ایک انش میں سویکار کیا ہے - اس کے مت انوسار جڑ جگت کی دیاکھیا کے لئے تو وکاس واد ٹھیک معلوم ہوتا ہے - پرنتو چیتن جگت کی ستّا کو جڑ جگت سے نیکت ماننا بہت سی وچار کٹھنائی پیدا کر دیتا ہے - چیتن جگت کی پرادُربھاو اُتپتی سوامی دیانند کی درشٹی میں SPONTAN-EOUS CREATION دوارا سدّھ ہو سکتی ہے - یہاں پر ادھونک گیان گھور آپتی اُٹھاتا ہے - اور وہ اپنے وکاس واد کے سدّھانت کے زور سے اِپرکت مت کا خوب کھنڈن کرتا ہے - سوامی دیانند کے انویائیوں کا اُچت ہے - کہ وہ اپنے پکش کے سمرتھن میں نوین گیان کی کٹھنائیوں کا کھنڈن کریں - میرے وچار میں سوامی دیانند کے دارشنک سدّھانتوں میں یہی ایک ایسا سدّھانت ہے - جس کی دیاکھیا میں نوین وگیان (SCIENCE) کا بل پورک مقابلہ کرنا ہوگا ۔

سوامی دیانند نے وید کے پرتی جو شردھا دکھائی ہے - اس میں بھی ایک دارشنک کلپنا وِدیمان ہے - وید کا ارتھ گیان بنا کر انہوں نے سب ستیہ گیان اور ستیہ ودّیا کو وید روپ سویکار کیا ہے - اس درشٹی سے سنکیرنتا کے ستھان میں سار بھوم کتا کی ستھاپنا کر دی ہے - جہاں پر ستیہ ودّیا یا ستیہ گیان ہے - وہیں پر وید موجود ہے - ایسی حالت میں مت متانتروں کے جھگڑے ایک دم مٹ جاتے ہیں - جب دھرم کا سمبندھ ستیہ گیان سے ہے - تو وہ ستیہ گیان جہاں سے ملے قابل قبول ہے - اس سنسار کے مت متانتر اسی سنکیرنتا میں جکڑے ہوئے ہیں - دیانند نے باہر ستیہ کو دیکھتے ہیں - جس تتّو کو دیکھ کر گرہن کرنے کے لئے تیار طاقت کہیں ۔

(ادم شرم)

سوامی دیانند کی تعلیم اور میانہ روی

(از پنڈت گنگا پرساد جی اُپادھیائے ایم اے)

رشی دیانند نے آریہ سماج کے سامنے جن اصولوں کو پیش کیا ہے - اُنکی ایک خصوصیت میانہ روی ہے - سنسکرت کا ایک مقولہ ہے کہ اتی سروتر ورجیت

अति सर्वत्र वर्जयेत

یعنی حد سے تجاوز ہر جگہ ممنوع ہے - دیگر مذاہب کے بانیوں نے اس کا اس قدر خیال نہیں رکھا - سوامی دیانند دھرم کے ہر ایک ڈیپارٹمنٹ میں اس کے قائل ہیں ۔

خدا کی ہستی کے متعلق دو زبردست خیال ہیں - ایک یہ کہ خدا نہیں دوسرا یہ کہ خدا کے سوا کچھ نہیں - سوامی دیانند ان دونو خیالات کی تردید کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ خدا بھی ہے - اور اس کے ساتھ اس کی ملکیت رُوح اور مادہ بھی ہیں - محض خدا کچھ نہیں کر سکتا - اور محض مادہ بھی کچھ نہیں بنا سکتا ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محض خدا کچھ نہیں کر سکتا - جو کچھ ہوتا ہے - ہمارے کرنے سے ہوتا ہے - اس کے خلاف دوسرے لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے - کہ بغیر حکم ہلا ہے یعنی خدا کے حکم کے بغیر پتّہ تک نہیں ہل سکتا - سوامی دیانند کہتے ہیں - کہ یہ دونوں باتیں سچ ہیں - لیکن ان میں نصف سچائی ہے - یعنی بہت سے کام ہیں - جن کو ہم کرتے ہیں خدا نہیں کرتا - اور بہت سے ہیں - جن کو خدا کرتا ہے - ہم نہیں کرتے - جیسے سورج چاند وغیرہ کا بنانا خدا کا کام ہے - اور لیمپ وغیرہ ہم بناتے ہیں - ہم اپنے کام سے خود مختار ہیں - خواہ کریں یا نہ کریں ۔

شری شنکر آچاریہ وغیرہ نے دنیا میں دیکھا - کہ کبھی لوگ سیپی (صدف) کو چاندی کبھی رسی کو سانپ اور کبھی ریت کو پانی سمجھ بیٹھتے ہیں - ان مثالوں سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا - کہ جتنی دنیا ہے - سب متھیا ہے - سب دھوکا ہے - سب چھلاوہ ہے - سوامی دیانند نے کہا کہ دو تین مثالوں سے جامع اصول اخذ کر لینا غلطی ہے - اگر ہم کبھی رسی کو سانپ یا ریتے کو پانی سمجھ لیتے ہیں - تو اس سے کئی گنا زیادہ مرتبہ ہم رسی کو رسی - سانپ کو سانپ - اور ریت کو ریت یا پانی کو پانی سمجھتے ہیں - یعنی ہم سے کبھی کبھی غلطی بھی ہوتی ہے - لیکن ہمارے حواس خمسہ ہمیشہ ہم کو دھوکا نہیں دیتے - اس لئے ایک دو مثالوں سے دنیا کو متھیا سمجھ لینا غلطی ہے ۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں - کہ ایشور کی پوجا فضول ہے - اگر ایشور ہے - تو کیا؟ اس کی خوشامد سے ہم کو کیا مطلب؟ کچھ کہتے ہیں کہ ایشور کی پوجا کرتے رہو اور سارے کام چھوڑ دو - بس کافی ہے - سوامی دیانند کہتے ہیں کہ ایشور کی پوجا بڑی ضروری ہے - لیکن محض ایشور ایشور کہنے سے کچھ نہیں ہوتا - ایشور پوجا ایشور کی خوشامد نہیں ہے - بلکہ اس سے روحانی تر و تازگی آتی ہے - ایشور پوجا انسانی فرائض کا ایک حصّہ ہے - کل نہیں - انسان کو دنیاوی کاموں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے ۔

سوامی دیانند بت پرستی کے خلاف ہیں مگر مثل مسلمانوں کے مورتیوں مصوّری اور تصاویر وغیرہ کے خلاف نہیں - وہ کہتے ہیں بت بناؤ - لیکن ایشور کے بت نہ بناؤ اور نہ اُن کو پوجو ۔

کچھ لوگ ورن آشرم کو ڈھونگ سمجھتے ہیں - کچھ ورن آشرم کو ایسا مستقل اور غیر متغیر پذیر سمجھتے ہیں - کہ اس میں کوئی تبدیلی روا نہیں رکھتے - سوامی دیانند دونوں اصولوں کو غلط تصور کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ ورن آشرم کی ویوستھا کے بغیر ہماری طرز معاشرت اور مجلسی زندگی ٹھیک نہیں ہو سکتی - لیکن وہ ورن آشرم کو انسانی افعال سے متعلق کرتے ہیں ۔

کچھ لوگ مانتے ہیں - کہ کسی جاندار کو کسی حالت میں بھی نہیں ستانا چاہئے - یعنی اہنسا کا اصول ہر حالت میں ہی ماننا چاہئے - کچھ لوگ اس کے خلاف زندگی کی کوئی وقعت نہیں رکھتے - وہ ہر جاندار کا اپنے فائدہ کے لئے مار ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں - سوامی دیانند ہر زندگی کی وقعت کرتے ہیں - مگر اس کے افعال کے مطابق - وہ جینیوں کی مانند اہنسا نہیں مانتے - اگر کسی زندگی سے دوسری زندگیوں کو خطرہ ہے - تو وہ اس زندگی کو تلف کرنے کی برابر تلقین کرتے ہیں ۔

خورد و نوش کے متعلق بھی سوامی دیانند میانہ رو ہیں - وہ نہ تو یہ کہتے ہیں - کہ ہر ایک کے ہاتھ کا کھا لو - نہ چھوت چھات کے قائل ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ صفائی کے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ ہرگز پرہیز نہ کرو - لیکن جن کی طرز معاشرت گندی ہے - اُن کے ساتھ کھانے پینے سے اُن کی گندی عادات بھی تم میں سرایت کر جاویں گی - وہ لڑائی وغیرہ کے موقعہ پر چوکے کا از حد کھنڈن کرتے ہیں - لیکن خانہ داری میں مسلمان اور عیسائیوں کے طرز عمل کے بھی خلاف ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ نہ تو آدمی چوکے میں کھانے سے دھرماتما کہلایا جا سکتا ہے - نہ ہر ایک کے ساتھ کھا لینے سے ہی ثواب کا مستحق ہوتا ہے - کتے ساتھ کھاتے ہیں - پھر بھی لڑتے ہیں - حضرت عیسیٰ نے دیکھا کہ اس کے زمانے میں لوگ ہاتھ دھو کر کھانے کے عادی تھے - اس نے اپنے حواریوں سے کہا کہ ہاتھ بلا دھوئے کھاؤ - سوامی دیانند نے دیکھا - کہ لوگ چھوت چھات اور سکھری نکھری کے عادی ہیں - انہوں نے اس کا بلا شک کھنڈن کیا - لیکن یہ نہیں کہا - کہ بلا ہاتھ دھوئے کھاؤ - وہ سڑے گوشت پر نشتر لگاتے تھے - لیکن سڑے گوشت کے ساتھ ساتھ تندرست گوشت کو نہ کاٹتے تھے ۔

انہوں نے مہاتما گاندھی کی طرح یہ نہیں کہا - کہ ہر شخص کو برہمچاری رہنا چاہئے کیونکہ وہ آدمیوں کی خصلتوں سے واقف تھے - وہ خود بال برہمچاری تھے - لیکن دوسروں کی کمزوریوں کو بھی جانتے تھے - اس لئے انہوں نے کہا - کہ بال برہمچاری رہنا ہر ایک کا کام نہیں وہ اپنے پیمانہ سے دوسروں کو ناپتے نہ تھے - سوامی دیانند کی تعلیم پر چل کر یہ ممکن نہیں کہ ایک مرض کا دفعیہ ہو - اور دوسرا مرض بڑھ جاوے - شرط یہ ہے - کہ سوامی دیانند کے پروگرام کو مکمل طور پر اختیار کیا جاوے ۔

سیاسی معاملات میں بھی سوامی دیانند میانہ رو ہیں - وہ نہ تو راجوں کو خدائی ایجنٹ سمجھ کر ان کی اندھی تقلید کے قائل ہیں - نہ نہلسٹ (NIHILIST) لوگوں کی مانند راجوں کو دنیا سے نکال دینے کے حامی ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ راجے رہیں - لیکن منصف اور منتظم راجے ہوں - اگر گندے راجوں کو فوراً نکال دو - اسی طرح زندگی کے ہر حصے میں انہوں نے میانہ رو تعلیم دی ہے - جس سے ہر قسم کے آدمی اُس سے فائدہ اٹھا سکیں ۔

"مہا بھارت بُدھ پرب اور ایتشم اُپدیش کے سوائے بہت جگہ گپ ہے - اور منو سمرتی اور رامائن میں بھی گپ ہے"

(دیانند)

آدرش کیلئے جینا سیکھو

(از قلم کنور چاند کرن شاردا۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی)

پیارے آریہ بھائیو! آج دیپاولی کے شبھ اوسر پر اور مہرشی دیانند کے نروان اتسو کے پوتر دن آریہ سماج کی ورتمان ستھتی پر وچار کیجئے۔ اور سوچئے کہ آپ گت ورش سے آگے بڑھے ہیں۔ یا آپ کا اُنتی کے مارگ سے قدم پیچھے ہٹا ہے۔ اس میں سندیہہ نہیں۔ کہ آریہ سماج ہی دیش میں نو جیون سنچار کرنے والی شکتی ہے۔ اس نے بہت کام کیا ہے۔ اور دیش کا اُدھار آریہ سماج کے دوارا ہی ہوگا۔ پنڈت گرودت پرش کو نیچے سے اونچا اٹھانا جانتے تھے۔ کوئی شخص مایوسی کی بات کرتا۔ وہ کہتے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ آؤ کام کریں۔ تمہاری مقصد براری ہوگی۔ لیکن اب حالت دگرگوں ہے۔ گت ورش کے انوبھو سے میں کہتا ہوں۔ کہ اب آریہ سماج کی اُنتی ذرا رُکی ہوئی ہے۔ شدھی کی دھوم اب کم ہے۔ آج کئی آریہ سماجوں کی اوستھا شنکت ہے۔ کئی جگہ آریہ سماجوں میں دل بندی زوروں پر ہے۔ لیکن سا ماجک نیتا INTER JEALOUSIES یا پرسپرک ستا میں مگن ہیں۔ اور دھڑا بندی اس لئے نہیں بناتے۔ کہ مسلمانوں کا مقابلہ کیسے کریں۔ بلکہ دن رات چنتا ہے۔ تو یہ کہ فلاں آدمی کی شہرت کو کیسے ملیامیٹ کریں؛

آریہ سماجی آپس میں لڑنے کے کارن لوگوں کی درشٹی سے نیچے گر رہے ہیں۔ سماج مندروں کی بُری حالت ہے۔ کئی ستھانوں پر سماجوں کے منتری مہنت بن کر اپنے عہدہ کا اپنی خود غرضیوں کے لئے ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ عہدہ پرستی کی بیماری اور حقوق کو غصب کرنے کا عارضہ کئی سماجوں میں زوروں پر ہے۔ مخالفوں کے اعتراضوں کا جواب دینے کا اچت پربندھ نہیں۔ اور آریہ سمیلن اور شتابدی پر کئے گئی ایک سمیلنوں کے پرستاو ابھی تک عمل میں نہیں لائے جا سکے۔ آریہ سماج کے پہلے دنوں والا آریوں میں بھراتری بھاو اب کہاں۔ ایشور بھگتی اور آستکتا اب کم ہو رہی ہے۔ افسوس سارے سنسار کو رحمانیت۔ بھراتری بھاو۔ پریم اور سنگٹھن کا اپدیش کرنے والے آریوں کی یہ دُردشا! زندگی کی محبت تیاگ کر لے خوشی سے میدان کارزار میں کودنے والے آریہ پرشوں کا امتحان تو اس سے ہوگیا۔ کہ آریہ سماجوں کے نگر کیرتن دھڑا دھڑ بند ہو رہے ہیں۔ آریہ ستھیلن روکے جا رہے ہیں۔ نشہ حکومت میں سرشار حاکم آریوں کے ڈیپوٹیشن تک سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ اور جگہ جگہ پرچار میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ لیکن آریہ لوگ ستھانوں میں پھنس کر خاموشی اختیار کئے بیٹھے ہیں۔ واستو میں ستیارتھ پرکاش آریہ سماج پر ہنس رہا ہے۔ اور گورنمنٹ بھی اس کمزوری پر مسکرا رہی ہے۔ لیکن آریہ سماج کے نیتا ہیں۔ کہ اس میں اپمان سمجھتے ہیں آپس کے عناد اور گھر کے جھگڑوں میں لگے رہنے کے باعث آریہ پرشوں نے مسلمان عیسائیوں کے زبردست حملوں سے ہندو سماج کو بچانے کا کام ڈھیلا کر دیا ہے۔ سنگٹھن کی فضولی ذہنیت کی آندھی پر آریہ سماج تو اتنا گرا۔ کہ غریب شدھ ہندوں کو ان کے واجبی ادھکار دینے سے گریز کر رہا ہے۔ گو آریہ سماج اپنے روز تیار کے کہہ رہا ہے کہ شودر کا کام بھوجن پکانا ہے۔ اور مہرشی دیانند سرسوتی جی مہاراج نے ستیارتھ پرکاش کے دشم سمولاس میں صاف لکھا ہے۔ کہ رسوئی شودر کے ہاتھ کی بنائی کھاوے۔ بڑے دکھ کی بات ہے۔ کہ آریہ سماج میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو رشی کے کتھن کے ورودھ شودروں کو روٹی بنانے کا ادھکار دینے سے گھبراتے ہیں۔ ایک طرف تو مہرشی دیانند کے سدھانتوں کی جے سنا تنی دوانوں تک میں ہو رہی ہے اور دوسری طرف خود آریہ سماجی رشی کے سدھانتوں کی اپیکشا کر رہے ہیں؛

اسی پرکار آریہ سماج میں ایک ایسا دل پیدا ہوگیا ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ ہندو سنگٹھن کی خاطر یہ ضروری ہے۔ کہ آریہ سماج کھنڈن کرنا چھوڑ دے۔ کئی آریہ بھائی کہتے سنے جاتے ہیں۔ کہ اب ہندو سنگٹھن کے ہت میں مورتی پوجا کا کھنڈن بند کردو۔ میرا وچار اس کے خلاف ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ نانا پرکار کے دیوی دیوتاؤں کے پوجنے سے سنگٹھن کے راستہ میں بڑی بادھائیں اپستھت ہوتی ہیں۔ اب بھی لاکھوں کروڑوں روپیہ مندروں میں اور پاکھنڈی پنڈتوں میں ویرتھ خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اندھی عقیدت کے کارن گو بندھون جیسے قصے نت سنائی پڑتے ہیں۔ اور ودیا پرچار کی سماجک سنستھاؤں کے لئے ضرورت کے موافق دان ملنے میں کٹھن مشکل پیش آتی ہے۔ کاشی کے پرسدھ پنڈت بابو بھگوان داس جی ایم اے صاف کہتے ہیں کہ بہت سے دیوی دیوتاؤں کے آگے سر جھکانے سے منش بھیرو ڈرپوک اور کاتر ہو جاتا ہے۔ اور جو منش پاکھنڈی پروہتوں پنڈتوں کے پھندے میں آتے ہیں۔ وہ آغا خان خواجہ حسن نظامی اور پادریوں کے دھوکے میں بھی آسکتے ہیں۔ جو لوگ انیک دیوی دیوتاؤں کے پوجنے والے ہوتے ہیں۔ وہ جس کسی کو زیادہ طاقت ور دیکھتے ہیں۔ اسی کے سامنے سر جھکانے اور خوشامد کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ کئی مورتیوں کو پوجنے سے آپس کا دویش اور سوارتھ اندھتا پھیلتی ہے۔ اسی لئے مہرشی دیانند نے ایک پرماتما کی پوجا کا اپدیش کیا۔ ایک پرماتما کی پوجا سے ہی نانا بھید بھاو۔ ڈیڑھ چاول کی کھچڑی پکانا بند ہو سکتا ہے۔ سماتا۔ پرسپر سہانتا ایک دھرمتا۔ ویرتا۔ بے غرضی آدی اُتم باتیں پھیلانے کا ایک ماتر اپائے ایک پرماتما کی پوجا ہے۔ اسی لئے رشی نے چھوٹے چھوٹے مندروں کی مورتیوں کے ستھان میں نراکار پرماتما کی اپاسنا کا اپدیش دیا۔

مہرشی نے عیسائی دھرم اسلام اور ہندو دھرم کی پرچلت مختلف شاکھاؤں کا کھنڈن اسی واسطے کیا تھا۔ کہ یہ سب گل سڑ کر خراب ہو چکے تھے۔ مہرشی نے ہندو جاتی میں نو جیون سنچار کر کے ویدک دھرم کا اپدیش دیا۔ اور کہا کہ [illegible] کی [illegible] پر ہاتھ دھر کر مت بیٹھے رہو۔ اپنی [illegible] پر بھروسہ رکھ کر آگے بڑھو اور پرشارتھ میں [illegible] پرنتو شوک کہ کچھ آریہ سماجی اوتار واد کا کھنڈن ہی پسند نہیں کرتے۔ یہ سدھانتوں سے شتھلتا یقیناً آریہ سماج کی ورتمان درگتی کا کارن ہے۔ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے؛

اس لئے اگر در حقیقت دیپاولی کا دن مہرشی دیانند کی پوتر سمرتی میں منانا ہے۔ تو آج

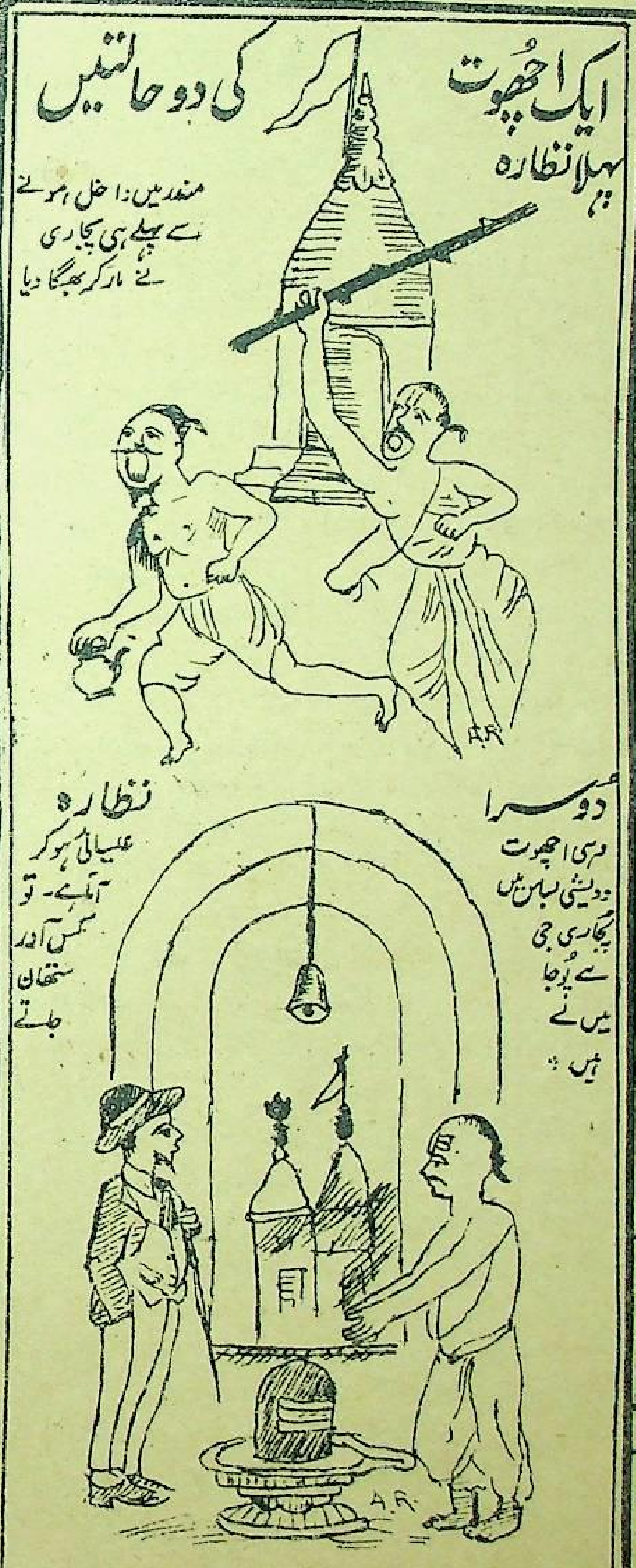

ہندوستان کا پرانا راج ودھان (کانسٹیٹیوشن)

(از پنڈت چموپتی جی ایم اے - پروفیسر گوروکل کانگڑی)

[اِ]س وقت جبکہ بھارت ورش کے لئے [ا]یک کانسٹی ٹیوشن بن رہا ہے - نہرو کمیٹی [ن]ے کانسٹی ٹیوشن کا مسودہ آل پارٹیز کانفرنس [کے پ]یش کر دیا ہے - اور کانفرنس مذکورہ نے اسے [منظور ب]ھی کر لیا ہے - آریہ ورت کے پرانے راج ودھان (ضابطہ حکومت) پر ایک مختصر نظر ڈالنا [خالی] از دلچسپی نہ ہوگا ؛

[وید] ہندوستان کا پرانا مذہبی صحیفہ جسے اہل ہند قدیم زمانے [سے] ساری دنیا کا مذہبی صحیفہ سمجھتے آئے ہیں - وید ہے - [جس نے] راجا اور پرجا کے باہمی تعلقات پر نہایت دلچسپ اور [...] پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے - جس کی طرف ہندوستانی اور غیر ہندوستانی علماء کا خواہ دھیان کھینچتا رہا ہے اس بات کے تسلیم کرنے میں تمام عالم یکزبان ہیں کہ وید کا راجہ اپنی تمام طاقت رعایا سے اخذ کرتا ہے - اس کا انتخاب اور تقرر - اس کی استقلال - اور اس کی برخواستگی سب رعایا کی مرضی سے ہوتی ہیں - جرمنی کے مشہور عالم زمر نے اپنی کتاب الٹنڈسچز لیبن کے صفحہ ۱۶۲ پر .... ویبر نے رسالہ انڈین سٹوڈین کی جلد ۱۷ کے صفحہ ۸۹ پر اور بلوم فیلڈ نے ہمز آف دی اتھروید کے صفحہ ۳۳ پر صاف لکھا ہے کہ وید میں رعایا کو اپنے راجا کا انتخاب کرنے والا کہا ہے - گلڈنر انتخاب کی رسم کا ہونا تسلیم نہیں کرتا - اس کا خیال ہے کہ وید کا راجہ رعایا کا منظور کردہ ہے - منتخب کردہ نہیں - میکڈانل اپنے تصنیف کردہ ویدک انڈکس میں ان دونو طریقوں کا ہونا تسلیم کرتا ہے - رعایا کی مرضی دونوں طریقوں میں ملحوظ رکھی جانی ضروری ہے ؛

راجہ کو رعایا کا باپ تو اکثر کہا جاتا ہے مگر یجروید نے اپنے خاص رحمانی انداز میں راجہ کو رعایا کا لڑکا کہا ہے - اور رعایا کو ماؤں میں سب سے بڑی ماں - کیونکہ رعایا اُسے اپنے پیٹ سے پیدا کرتی ہے - اور راجہ بناتی ہے ؛

"یہ رعایا ایک ساتھ خوش ہونے والی - انوار سے تجلے نہ دینے والی - محنت کی زندگی گذارنے والی ہے - اس رعایا کا فرزند راجہ اس بڑی ماں کے دل میں گھر کرتا ہے" یجروید ۱۰ - ۷ ؛

اتھروید میں لکھا ہے :-

"وہ (راجہ) رعایا کے پیچھے چلتا ہے - سبھا شہر کی مجلس، سمتی - ملک کی مجلس، فوج اور دولت اس کے پیچھے چلتی ہیں" (اتھروید ۱۵ - ۹ - ۱ : ۲)

اوپر پرجا کو راجہ کی بڑی ماں کہا تھا - یہاں راجہ کو ہدایت ہوئی ہے کہ وہ پرجا کی مرضی کی پیروی کرے - تب شہر اور ملک کی مجلسیں - فوج اور دولت اور جلال اُس کے ساتھ ساتھ رہیں گے - یہ وہ بنیادی اصول ہے - جس پر ویدک راجہ کی عمارت کھڑی کی گئی ہے - اب سوال یہ ہوگا - کہ راجہ کا انتخاب یا منظوری کس طرح عمل میں آتی ہے - راجہ اپنے جشن تخت نشینی میں پرجا کو مخاطب کر کے کہتا ہے

"تو طاقت کی لہر ہے - سلطنت کے دینے والی ہے مجھے سلطنت دے ..... تو طاقت کی فوج ہے سلطنت کے دینے والی ہے - مجھے سلطنت دے

(یجروید ۱۰ - ۱ - ۲) ؛

برہمن گرنتھوں کے مصنفوں نے اس جشن کے رسوم میں پانی کو رعایا کا قائم مقام مان کر اس منتر کا مخاطب پانی کو ٹھیرایا ہے - مگر پھر یہ بھی صاف کہہ دیا ہے - کہ پانی رعایا کا قائم مقام ہے - ان رشیوں کی نظر میں رعایا ایک سمندر ہے - اس کی طاقت کے ایک چھینٹے سے راجہ کو راج حاصل کرتا ہے چھینٹے دینے کی رسم دیگر اقوام اور ممالک میں بھی رکھی گئی ہے اس کا مبدا وید کی زبان اور رشیوں کی اس پر تفسیر ہے ؛

اتھروید میں راجہ سلطنت کے نشانات کو قبول کرتا ہوا کہتا ہے :-

"جو جیور - رتھبان یارتھ ساز سمجھدار کاریگر لوگ ہیں - اے نشان حکومت! ان سب کو میرا گرویدہ بنا" (اتھروید ۳ - ۶) ؛

"جو راجہ لوگ راجہ بنانے والے ہیں - یعنی رتھ چلانے والے - اور گاؤں اور شہروں کے مکھیے - اے نشان حکومت! ان سب کو میرا گرویدہ کر"

(۱۰ - ۳ - ۷) ؛

مندرجہ بالا دو منتروں میں دو فقرے خاص طور پر غور طلب ہیں - منتر ۶ میں راجہ نے نہایت غریب لوگوں کو اپنے گرویدہ کرنے کی خواہش کی ہے - جس سے مراد ہے - کہ وہ غریبوں کے دلوں تک بھی پہنچے گا - اور ان کی رضامندی کا خاص خیال رکھے گا - منتر ۷ میں کچھ لوگوں کو راجہ بنانے والا کہا ہے - اور ساتھ ہی ان کو راجہ بھی کہ دیا ہے - یہی الفاظ "راجہ بنانے والے" راماین میں بھی مندرج ہوئے ہیں - راجہ دشرتھ کی وفات کے بعد سوال یہ تھا - کہ کس کو تخت پر بٹھایا جائے - رامچندر جنگل کو چلے گئے تھے - والمیک منی لکھتے ہیں -

"رات کے گذر جانے اور سورج کے طلوع ہونے پر راجہ بنانے والے (राज कर्तारः) مل کر مجلس میں آئے" (راماین اجودھیا کانڈ سرگ ۶۷ شلوک ۲) ؛

مختلف تجاویز پیش ہوتے پر وشسٹھ جی نے بھرت کا نام پیش کیا - اور راجہ بنانے والوں نے اس سے اتفاق کیا -

اس سے قبل رام چندر کو یوراج بنانے کے موقعہ پر بھی ایک سبھا بلائی گئی تھی - وہ اس میں

"مختلف شہروں کے رہنے والے - مختلف علاقوں کے لوگوں - زمین کے مکھیوں (پردھانوں) کو راجہ نے جمع کیا" (راماین ایودھیا کانڈ سرگ ۱ شلوک ۴۶)

اسی کانڈ کے سرگ ۲ شلوک ۷ میں کہا ہے -

"اس دھرم اور ارتھ (سیاست) کے جاننے والے (راجہ) کے مطلب کو اچھی طرح سمجھ کر برہمنوں - فوج کے افسروں نے شہروں اور علاقوں کے (قائم مقاموں)

کے ساتھ صلاح کر کے بالاتفاق بوڑھے راجہ دشرتھ سے کہا" (۲ : ۱۹ - ۲۰) ؛

یہ لوگ راجہ بنانے والے ہیں - سرگ کے شلوک ۴۶ میں ان کو پردھان کہا ہے ..... ملحوظہ علاقہ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے اس لقب سے موسوم ہوتے تھے - اور چونکہ راج کے سب کام ان کے صلاح مشورہ سے ہونا مقصود ہے - اس لئے وید اپنے رحمانی کلام میں ان کو راجہ بھی کہتا ہے - اور راجہ بنانے والا بھی اس کونسل میں تین طرح کے لوگ لئے گئے ہیں ؛

(۱) براہمن

(۲) فوجی افسر

(۳) شہروں اور علاقوں کے قائم مقام ؛

وید فوجی افسروں کو سوت یا رتھبان کہتا ہے - اس لفظ کا مطلب سمجھنے والے کے لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ سنسکرت میں بڑے جنگجو کو مہارتھی کہتے ہیں - اور سری کرشن کی عظمت کا سپہ سالار مہابھارت کی لڑائی میں ارجن کا رتھبان تھا دوسرے لفظوں میں سوت فوجی آبادی کے قائم مقام ہیں - جیسے گرامنی یعنی مکھیے سول آبادی کے ؛

اتھروید کانڈ ۳ سوکت ۴ منتر ۳ میں یہ کہا ہے کہ لوگ مجھ سے ساتھ یک دل ہوں - اور سب مجھے محصول بہت حاصل ہو - منتر ۴ میں فرمایا ہے - کہ

"مجھے براہمن اور کھشتری - طبیب اور جراح - اور بیوپاری سلطنت کی دعوت دیں" ؛

ان حوالوں سے یہ تو صاف ہو گیا ہے کہ وہ جو کو راجہ بنانے والے کون کون لوگ ہیں؟ وہ ہیں فوجی اور سول آبادی کے قائم مقام اور ان کے علاوہ تعلیم یافتہ - قوم کے بےغرض خادم - اب ہم یہ دیکھیں گے - کہ راجہ ان اصلی راج کرنے والوں کا مشورہ لے گا کس طرح؟ اتھروید کانڈ ۷ سوکت ۱۲ میں راجہ کہتا ہے

"مجھے سبھا اور سمتی جو راجہ کی تکمیل کرنے والی ہیں یک رائے ہو کر محفوظ رکھیں - میں جس سے ملوں وہ مجھے سکھائے - اے پترو! میں آپ کے سامنے اچھی بات کہوں" ۱ ؛

اس منتر میں سبھا اور سمتی کو راجہ کی تکمیل کرنے والا کہا ہے - مطلب یہ کہ راجہ ان کے بغیر ادھورا ہے - ممبروں کو پتر لفظ سے مخاطب کیا ہے - آج بھی تو کونسلوں کے ممبروں کو فادر کہا جاتا ہے - یہ وید ہی کی اصطلاح ہے - یہ لوگ اپنی عمر - تجربہ اور فرض کے لحاظ سے رعایا کے باپ ہوتے ہیں - ایک اور بات مزے کی اس منتر میں یہ کہی ہے - کہ راجہ کونسل کے ممبروں سے سیکھنا چاہتا ہے - ان کی رائے کو اس قدر وقعت دیتا ہے - کہ خود ان کا شاگرد ہوتا ہے ؛

آگے چل کر پھر کہا ہے :-

"ان بیٹھے ہوؤں کا علم اور جلال میں حاصل کرتا ہوں - اے اندر! اس ساری سبھا کے جلال سے مجھے فیضیاب کر" ۲ ؛

"آپ کا دل جو دور چلا گیا ہے یا ادھر ادھر مشغول ہو گیا ہے - اسے میں اپنی طرف کھینچتا ہوں - وہ مجھ میں مصروف ہو" - ۴ -

منتر ۴ دوسرے لفظوں میں صدر مجلس کا شائستہ حکم

ہے۔ کہ سب اس کی طرف متوجہ رہیں :۔

وید میں اور بھی بہت مقامات پر راجہ کا ذکر سمتی کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ ایک جگہ تو یہاں تک کہا ہے۔ کہ جیسے جانور کا سہارا جنگل ہے۔ ویسے ہی راجہ کے جوڑ کی جگہ سمتی ہے۔ رگوید۔

راجہ سمتی کے بغیر کچھ نہیں۔ اور یہ سمتی حقیقی راجاؤں کی سبھا ہے۔ اتھروید کانڈ ۲ کے سوکت ۲ میں راجہ کو حکم ہے۔ کہ وہ پرماتما سے لو لگائے رکھے :۔

جس نے مجھے پرجا کا ایک راجہ بنایا ہے۔ راجہ لوگوں میں اعلیٰ بنایا ہے منتر (۶)

اس منتر کا مفہوم صریحاً یہ ہے کہ راجہ سمتی کے ممبروں میں اعلیٰ ممبر ہے۔ اسی سوکت کے منترا میں راجہ ہونے والے کی یہ دعا بھی درج ہے۔ کہ

"جو میرے مخالف ہیں۔ انہیں مقابلے میں مجھ سے نیچے کیجئے"

یہاں مقابلے کے لئے لفظ ہے "اُتم اُتر" میں بڑا۔ اس سے مراد لڑائی یا جنگ نہیں انتخاب کا مقابلہ ہے :۔

وید نے یہ عام اصول بتلا دیا۔ کہ راجہ کو بنانے والے اصلی معنوں میں راجے ہوتے ہیں جو گرامنی اور سوت ہیں یعنی شہروں اور گاؤں کی سول آبادی اور فوج کے قائمقام ہیں۔ مہابھارت۔ شانتی پرب میں اس سمتی کے ممبروں کو اما تیہ لکھ کر ان کی تعداد یوں مقرر کی ہے :۔

(۱) چار براہمن۔ وید پڑھے اور لائق سناتک

(۲) آٹھ کشتری۔ طاقت والے اور مسلح

(۳) اکیس ویشیہ (دولت مند)

(۴) تین شودر۔ پاکیزہ اور شائستہ

(۵) ایک سوت۔ جو پچاس برس کا ہو۔ شانتی پرو۔ راج دھرم ۸۵ شلوک ۷ تا ۱۰ :۔

یہ تعداد کسی خاص راج کے لئے تجویز کی گئی معلوم ہوتی ہے۔ قائمقاموں کی تعداد آبادی کے تناسب سے ہے۔ شودر پرانی ورن ویوستھا کے مطابق آبادی کا نہایت کم تعداد حصہ ہوگا۔ ان سے زیادہ براہمن ہوں گے ان سے زیادہ کشتری اور سب سے زیادہ ویشیہ :۔

آگے چل کر پھر کہا ہے :۔

"ان میں سے آٹھ وزیر چنے جائیں۔ اور وہ انتظام کا کام کریں" :۔

کوٹلیہ کے ارتھ شاستر میں کہا ہے۔ کہ "راجہ منتری پریشد کی کثرت رائے سے کام کرے"۔ یہاں ویدک سمتی کا نام منتری پریشد ہے۔ اور جو غیر حاضر ہوں۔ ان سے خط و کتابت کے ذریعہ سے رائے لے۔

مختصر طور پر ہم یوں کہیں گے۔ کہ بھارت ورش کی پرانی راجیہ پدھتی میں گاؤں یا شہر سلطنت کی اکائی ہے۔ گاؤں کے لوگ پنچایت بناتے ہیں۔ بڑا شہر ہو تو پنچایت کے لئے انتخاب کرنا ضروری ہوگا۔ ورنہ شہر کا ہر بالغ اس میں شامل ہو سکے گا۔ وید میں جہاں اپنی اولاد کے لئے اور دعائیں مانگی ہیں۔ وہاں یہ بھی کہا ہے کہ وہ سبھا میں جانے کے لائق ہو۔ پر ہست آشیرواد دیتا ہے۔ کہ یجمان کا لڑکا جوان ہو کر سبھا میں جایا کرے :۔

युवा सभयोऽस्य यजमानस्य वीरोजायताम्।

ADULT SUFFRAGE ایڈلٹ سفریج کا اشارہ اس منتر میں صاف طور پر ملتا ہے۔ شہروں کی یہ سبھائیں اپنے قائمقام ملک کی سمتی میں بھیجتی ہیں۔ اور ان کا نام ہے بستر۔ فادر یا راجہ۔ ان راجاؤں میں سے ایک اُتم راجہ چنا جاتا ہے۔ وہ سمتی کا صدر ہوتا ہے :۔

آج کل کے مجوزہ ضابطہ میں اور تو جو ہو سو ہو۔ شہروں اور گاؤں کے انضباط کی طرف دھیان نہیں رکھا گیا۔ ہمارے لیڈروں کا دھیان صوبوں تک ہی جا کر رہ گیا ہے۔ سورگ باشی مسٹر داس کا خیال گاؤں کے انضباط کو بھارتی سوراجیہ کی بنیاد بنانے کا تھا۔ وہ خیال آنجہانی کے ساتھ سورگ باشی ہو گیا ہے۔ کاش کہ اسے کوئی اپنائے۔ اصلی سوراجیہ گاؤں اور شہروں کا سوراجیہ ہوگا۔

مضمون لمبا ہو گیا ہے۔ ورنہ پرانے کتبوں کی بنا پر یہ بھی بتایا جا سکتا ہے۔ کہ گاؤں کی سبھا کی بناوٹ کیا ہو؟ انگل کے ایک کتبے میں یہ سارا ڈھنگ بالتفصیل لکھا ہوا ہے۔ رائے دینے والوں اور منتخب ہونیوالوں کی قابلیت۔ ان کے اجتماع کا طریقہ۔ پرچیاں لکھنے اور چننے کا ڈھنگ سب کچھ مذکور ہے کتبوں میں ان سبھاؤں کے اختیارات اور فرائض بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے۔ کہ ان کے آپس میں تعلقات کیا ہوں۔ ایسی مثالیں ہیں۔ جہاں دیا دوت نیا دہ سبھاؤں نے حقیقہ کام کیا ہے :۔

بیرونی سیاحوں کی تحریروں سے بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ ہندوستان میں جمہوری اور ذمہ دارانہ دونوں طرح کی حکومتیں قائم تھیں۔ چنانچہ میگستھنیز نے جو چندرگپت کے دربار میں سفیر تھا۔ کئی ایسے شہروں کا ذکر کیا ہے۔ جہاں جمہوری حکومت تھی۔ کئی ایسی اقوام کے نام لئے ہیں۔ جن کے راجہ نہ تھے۔ ایرین لکھتا ہے کہ سکندر اعظم کے وقت سے پہلے ہندوستان میں تین دفعہ جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ انڈیکا صفحہ ۲۱۲ پر لکھا ہے۔ کہ

افسر لوگ اپنی رپورٹیں ان ریاستوں میں جہاں راجہ ہیں۔ راجاؤں کو کرتے ہیں۔ اور جہاں راجہ نہیں ہیں۔ وہاں کے مجسٹریٹوں کو کرتے ہیں :۔

بدھ مذہب کا انضباط جسے سنگھ کہتے تھے۔ جمہور کے اصول پر بنا تھا۔ اس میں کثرت رائے اور قلت رائے۔ ووٹ پرچیاں وغیرہ سب کچھ چلتا تھا۔ مہاتما بدھ کے اپنے لفظوں میں انہوں نے یہ ضابطہ کچھ ترمیم کے ساتھ اس وقت کی ریاستوں سے اخذ کیا تھا :۔

ان مختصر حوالجات سے ناظر کے دل پر یہ بات نقش ہو ہی جائے گی۔ کہ جمہوری یا ذمہ دارانہ حکومت کا آئین ہندوستان کے لئے کوئی غیر ملکی آئین نہیں۔ یہ دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور تعجب بھی۔ کہ ہمارے زمانہ حال کے لیڈر اپنے ملک کے لئے آئین مرتب کرتے وقت غیر ممالک کے آئین تو مطالعہ میں لاتے ہیں۔ لیکن اپنے ملک کے پرانے وسائیر اور قوانین پر ایک نگاہ بھی نہیں ڈالتے۔ دیگر ممالک کے تجربے سے فائدہ اٹھانا کوئی بری بات نہیں۔ لیکن اپنے بزرگوں کی تحریروں اور عملی کارناموں سے بالکل اغماض کرنا بھی تو شاید کچھ بڑے ثواب کا کام نہ ہوا۔

PP

بڑھی کرانی ہے۔ ان نیموں کے پالن کرنے میں خواہ ہماری سماج کے صرف پانچ سبھاسد ہی رہ جائیں۔ اس کی ہمیں پرواہ نہ ہوگی ہمیں پختہ ارادہ کے سچے کرم ویر ستیاگرہی آریہ بننا ہے۔ ننگر کار سرّاور پھیرو۔ ویدک سدھانتوں کے خلاف آچرن کرنے والے ادا رہے +

اس لئے آریہ ویرو! آج کے پوتر دن اُتساہ سے اُٹھو۔ نگر کیرتنوں کے روکنے والوں کے ورودھ ستیاگرہ یدھ کی تیاری کرو۔ آریہ سماج کے مفاد کی رکشا کرو۔ اور اس کے سدھانت کو بدولت ہونے سے بچاؤ۔ تب ہی آپ مہرشی کے سچے بھگت کہلا سکو گے۔ اور آپ کا گت ورش کا دھرمی آریہ سیتن سپھل مانا جا سکے گا۔

بولو! سنیہ بھے پر درشک رشی دیانند کی جے!

اگر آریہ سماج کی مشہور عالم تحریک سے آپ میل اور تازہ بتازہ واقفیت رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے علاوہ ہندوستان کے پالٹیکس سے واقف بننا چاہتے ہیں۔ تو لاہور کے مشہور ہفتہ وار اخبار پرکاش کے خریدار بن جائیے۔ قیمت صرف سالانہ چار روپیہ

رشی درشن

از مہاشہ ہربنس لال گپتا ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ۔ سہارنپور

۱۸۸۱ء کے موسم سرما میں ایک دن مجھ کو سوامی جی کے درشنوں کا سوبھاگیہ پراپت ہوا تھا۔ میں سہارنپور اسکول میں پڑھا کرتا تھا۔ سوامی جی سہارنپور سے کسی دوسری جگہ جا رہے تھے ہم چند طالب علم ان کے درشنوں کے لئے ریلوے اسٹیشن پر گئے۔ سوامی جی اس وقت پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے۔ قریباً بیس آدمی وہاں بنچ اور فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے سوامی جی سے شگون کے وشے میں پوچھا۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ منوسمرتی میں بچہ کی ماں ایک دن کا شگون ہوتا لکھا ہے۔ بچے کے بارے کو بھی نہیں۔ پھر گنتب کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ شگون ماننا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں کیا ہوتا ہے۔ کہ سندھیا پوجا وغیرہ چھوڑ دی جاتی ہے۔ کوئی چوری یا جھوٹ بولنا نہیں۔ اس لئے یہ فضول ہے۔ پھر پنڈت بھیمسین جو گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھے پوچھا۔ کہ آپ جوتش کو غلط بتلاتے ہو۔ میں خود جوتشی ہوں اور میرے پرشن سچے ہوتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ ایک کوّا آم کے درخت کے نیچے اڑا جا رہا تھا۔ اوپر سے ایک آم اس پر گرا اور کوّا مر گیا۔ یہ ایک اتفاق تھا۔ نہ کوّا مرنے کے ارادے سے وہاں گیا۔ نہ آم کوّے کو مارنے کے لئے گرا۔ ایسا ہی پرشنوں کا حال ہے۔ ایک ہی طرح سے سو پرشن بتلاؤ۔ اگر سب سچے ہوں۔ تب کہو کہ پرشن سچے ہیں۔ ورنہ اتفاق ہے۔ کوئی نہیں :۔

بقیہ مضمون صفحہ ۲۴
آدرش کیلئے جینا سیکھو

پرن کرو۔ کہ ہم رشی کے سدھانتوں کے پرچار کے لئے جئیں گے اور اسی کے لئے مریں گے۔ ہم رشی کی خاطر یا دھک سکھیا کر رہے ہیں۔ لئے کبھی بھی آدرش سے گر کر ایسی باتیں نہ کریں گے جو آریہ سدھانتوں پر پانی پھیرنے والی ہوں۔ ہم آریہ سماج کے چوتھے نیم کو ہمیشہ سامنے رکھیں گے۔ کہ ستیہ کا گرہن کرنا اور استیہ کا تیاگ ہمارا دھرم ہے۔ اور آٹھویں نیم کو کبھی نہ بھولیں گے۔ کہ ہمیں اودیا کا ناش اور ودیا کی

اسی صفحہ کے کالم ۳ کے نیچے

بھارتیہ درشن کا واستوک روپ

(از شری نارائن سوامی جی - پردھان آریہ سارودیشک سبھا)

منش شریر پانچ کوشوں میں وبھگت ہے (۱) ان مے کوش (۲) پران مے کوش - (۳) منو مے کوش (۴) وگیان مے کوش اور (۵) آنند مے کوش ؛

ان میں سے پہلے دو کوش منش کو کرم کرنے کے یوگیہ بنا دینے کے سادھن ہیں - آخر کے تین کوش منش کے اتم ادیش اور ودھے کی پورتی کے سادھن ہیں - انہی آخری کوشوں کے کام کا نام ہی درشن یا فلاسفی ہے - بھارتیہ درشن اپنا ادیش اسند گدھ شبدوں میں موکش - ایشور پراپتی بتاتے ہیں - ایشور پراپتی کے لئے ایشور کا پریم پہلے ہونا ضروری ہے - اسی لئے بھارتیہ درشن میں یوگ درشن کا بھی سمادیش ہوا ہے جس میں بت کی ایکاگرتا دیگ اور پراپتی کے لئے

"ईश्वर प्रणिधान" ایک سوتر ہی رچا گیا ہے - انکات یگ کی پراپتی کے لئے ایشور کی بھگتی آوشیک ہے پچھمی دیشوں میں جب فلاسفی شبد بنایا گیا تھا - تب اس کا بھی بھاو اسی پرکار تھا ؛

LOVE OF WISDOM = PHILOSPHY

KNOW- LEDGE = WISDOM اور AND LOVE TOGETHER

اس سے سپشٹ ہے کہ WIS- DOM جو گیان اور یوگ کے یوگ کا نام ہی ہے - اسی کے پریم کا نام فلاسفی ہے - ارتھات فلاسفی کا ادیش یہ ہے - کہ منش میں گیان کے پرتی پریم اتپن کر دے -

اس طرح درشن اور فلاسفی کے ادیش پر وچار کرتے ہوئے اب انتم تین کوشوں کی کاریہ پرنالی پر ایک درشٹی ڈالنی چاہئے ؛

منو مے کوش

نچلے من کے دوارا سنسار میں ہوئی گھٹناؤں انسان کے پارسپرک سمبندھ کا مطالعہ ارتھات کاریہ کا گیان - کانٹ نے اس کا نام PHENOMENA رکھا ہے - اسی کو बहिर्मुख वृत्ति بھی کہتے ہیں ؛

وگیان مے کوش

اچھے من کے دوارا جس کا نام بدھی ہے سنسار میں گھٹت گھٹناؤں کے کارن پر وچار کرنا ارتھات کارن کا گیان - کانٹ نے اسی کا نام NOUMENA رکھا ہے - یہی INTELLECT ہے ؛

آنند مے کوش

انتر مکھ برتی کا جاگرت ہونا - آتم آدھین ؛

وگیان مے کوش - منو مے کوش اور آنند مے کوش کے درمیان دیوار کی طرح ہے دونو کو علیحدہ کرنے والا اور ساتھ ہی دونو میں میل (HARMONEY) رکھنے والا بھی ہے - منش کا پرشارتھ یہ ہے - کہ تینوں کوشوں میں اپنی ستا کے لئے گیان CONSCIOUSNESS پیدا کر دے - بس درشن یا فلاسفی کا کام یہ ہوگیا - کہ منو مے کوش کو وگیان مے کوش کی طرف پریرت کریں - اور وگیان مے کو آنند مے کی طرف ؛

تینوں میں میل رکھنا HAR-MONEY (جہاں آتم ہوا - وہاں ست چت جیو - کیول ست (پرکرتی) کی طرف نہ جا کر سچدانند (ست چت آنند) کی اور بھی جانے کا یتن وان ہوتا ہے ؛

فلاسفی = ترک (بدھی) کا پریم یہ ہوتا کہ منو مے کوش وگیان مے کوش کی طرف رجوع ہو - اس کے آگے وگیان مے کوش کا آنند مے کوش کی طرف رجوع کر دینا اسی انتر مکھی برتی (ندھی دھیاسن) کا کام ہے - اسی کا کام دھرم یا یوگ یا گیان اور کرم کی سمتا ہے ؛

(اوم شم)

دورِ حاضرہ اور قومی درسگاہیں

(از مسٹر کے ایل لیلارام ہیڈماسٹر رنگ محل مشن ہائی سکول - لاہور)

دیوالی کا تیوہار ہندوؤں میں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے - اور لوگ اسے مختلف نکتہ نگاہ سے مناتے ہیں - تجارتی حلقہ اسے نوروز سے تشبیہ دے کر اپنے پچھلے حساب کتاب کی پڑتال کرتا ہے - اور سال آئندہ کے لئے روزنامچے اور بہیات کو سجا کر لکشمی دیوی کی پرستش کرتا ہے - پرانے خیالات کے ہندو اسے شیو جی کے قیام کیلاش سے منسوب کرتے ہیں مگر افسوس کا مقام ہے - کہ قمار باز طبقے نے اس تہوار کی اہمیت کو بہت کم کر دیا ہے - اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کو برباد کرنا اپنا فرض اولین اختیار کر لیا ہے - مگر خدا کا شکر ہے - کہ ہندوستان میں ابھی ایسی اصلاحی مجالس موجود ہیں - جنہوں نے ان خرابیوں اور بدعتوں کا قلع قمع کرنا اپنا نصب العین بنایا ہوا ہے - ایسی مجلسوں میں ایک آریہ سماج بھی ہے - جس نے قلیل عرصہ میں اپنی لگاتار محنت و مشقت اور جدوجہد سے ہندو قوم میں نئی روح پھونک دی ہے یہ لوگ اس دن اکٹھے ہو کر اپنے روحانی گورو سوامی دیانند کے یوم وصال کو بڑی شان سے مناتے ہیں - اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کا اقرار کرتے ہیں ؛

اگرچہ آریہ سماج کے مذہبی عقائد سے کسی کو ہمدردی ہو یا نہ ہو - لیکن اس کی مجلسی اصلاح - تعلیمی اشاعت - لاثانی قربانی - اور جذبہ ہمدردی سے کون انکار کر سکتا ہے - اس نے ملک کے طول و عرض میں مختلف قسم کے مدارس قائم کر کے ملک سے جہالت اور ظلمت کے بادل دور کرنے میں بڑی کوشش کی ہے - اور کر رہی ہے - اس پاک فرض کے لئے اس کے ممبر ہر وقت قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں - مہاتما ہنسراج اور سوامی شردھانند آریہ سماج کی دو ممتاز ہستیاں مجسم قربانی ہیں - ایک نے اپنی تمام عمر آریہ سماج سے ایک کوڑی تک معاوضہ نہ لے کر اپنی قیمتی زندگی کو سرسوتی دیوی کی قربان گاہ پر نذر کر دیا - اور پنجاب کے بڑے بڑے اضلاع و قصبات میں ڈی اے وی کالج اور اس کی شاخیں کھلوا کر تعلیمی رفتار میں ایک گونہ سرعت پیدا کر دی - دوسرے نے پرانے زمانہ کے ہندوستانی رشیوں کے نصب العین کو اپنی زندگی کا معراج بنایا - اور گنگا کے کنارے ہردوار میں گورو کل جیسی عظیم الشان درسگاہ قائم کر دی - جہاں طالب علم پچیس سال کی عمر تک برہمچاری رہ کر دھارمک اور دنیاوی تعلیم حاصل کرتے ہیں - اور اپنی یونیورسٹی سے سند حاصل کر کے دنیا کے عملی میدان میں داخل ہوتے ہیں - اس وقت تک گورو کل کے کئی گریجوایٹ زندگی کی مختلف مصروفیات کو باحسن وجوہ پورا کر رہے ہیں ؛

ان دو ہستیوں نے جہاں ایک طرف اپنے پیروکاروں کے دل میں قومی محبت کا جذبہ پیدا کر کے ننھے ننھے بچوں کی تربیت کی عنان ان کے ہاتھ میں سونپ دی ہے - وہاں دوسری طرف دوسری قوموں کے لئے بھی چراغ ہدایت کا کام دیا ہے - چنانچہ انہوں نے بھی اپنی اپنی انجمنوں اور سبھاؤں کے ماتحت مختلف مقامات پر سکول کھول کر صوبہ پنجاب کی تعلیمی حالت میں اضافہ کر دیا ہے - اگر سچ پوچھو - تو اس وقت ہمارے صوبہ کی تعلیمی ترقی میں ان دو ہستیوں کی قربانی کا کھلا ہاتھ ہے - اس میں کلام نہیں - کہ ان قومی درسگاہوں نے ملک میں کافی بیداری پیدا کر دی ہے - مگر بعض اشخاص کی رائے ہے - کہ ان سکولوں کے اجراء سے ملک میں متحدہ قومیت کی بجائے نسلی منافرت کو ترقی ہوئی ہے شاید ان کے الزام میں کچھ صداقت ہو اور ہمارے سکول بھی ان الزامات سے بری نہ ہو سکیں لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے - تو اس وقت ملک میں جتنے سیاسی کارکن نظر آتے ہیں - ان کی زیادہ تعداد انہی درسگاہوں کی عرقریزی کا نتیجہ ہے - جن پر یہ الزام تراشا جاتا ہے - تاہم زمانہ بسرعت تمام تبدیل ہو رہا ہے - اور کل جو قومیں پس ماندہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں - آج وہ بڑی بڑی خندقیں پھاند کر ترقی کی شاہراہ پر تیز گامی سے چل رہی ہیں - اس لئے ہمیں بھی زمانہ کے حالات کے موافق اپنے نظام عمل میں تبدیلی کر کے آگے کی طرف بڑھنا چاہئے - اور پرانی حکمت عملی پر قانع نہیں رہنا چاہئے - پس آریہ سماج کے لئے بھی ضروری ہے - کہ وہ مسائل دورِ حاضرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تعلیمی حکمت عملی میں مناسب حہ

حہ تبدیلی کر کے اپنے مقدس فرض کو جو اس نے پچھلے ۵۰ سالوں سے اپنے سر پر لیا ہوا ہے - پورا کرنے کی انتہائی کوشش کرے ؛

رشی دیانند اور ویدک دھرم

(از پروفیسر وشوناتھ جی ودیالنکار - گوروکل کانگڑی)

رشی کی ویدوں پر گہری شردھا اور بھگتی دیکھ کر کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے۔ رشی کی ترک شکتی اور انوسندھان کی لگن اتنی پربل تھی۔ کہ اس نے وید کے علاوہ دیگر تمام گرنتھوں کو ایک دم پرت پرمان کہہ دیا۔ قرآن۔ پران اور بائبل آدی گرنتھوں کو سوتہ پرمان ماننے والے اب بھی کروڑوں کی سنکھیا میں موجود ہیں۔ لیکن رشی کی گہری نظر ان گرنتھوں کی دیمک زدہ آ پہنچ گئی۔ اور انہوں نے ان گرنتھوں کے ستیہ استیہ کا فیصلہ زبردست روپ میں کر دیا۔ کیا کارن ہے۔ کہ جس رشی کی ترک شکتی کی تیز کرنوں کے سامنے اتیہ گرنتھ ہلکے پر مانو ملا کی طرح دہل ہو گئے۔ اس ترک شکتی کی تیز کرنیں ویدروپی چندر کے ساتھ ٹکرا کر ذرا شانت اور شیتل ہو گئیں۔ اس میں ضرور کوئی رہسیہ ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں۔ کہ رشی نے یہ پالیسی چلی تھی۔ اس نے سمجھا تھا۔ کہ ہندو جاتی ٹکڑوں ٹکڑوں میں بکھری ہوئی ہے۔ اس میں طرح طرح کے اندھ وشواسوں نے گھر کر لیا ہے۔ اسی لئے ایسے گرنتھوں کا رشی نے کھنڈن کیا۔ جو ہندوؤں میں اندھ وشواسوں (توہمات) کی جڑ جمانے میں مددگار تھے۔ اس کے ساتھ ہی رشی وشواس اور شردھا کی مہما کو بھی سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ بکھرے ہوئے منشیوں کو پرسپر ملانے میں ایک پربل کارن ان کے دھارمک وشواس اور بھاونائیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے ان گرنتھوں کو رشی نے سوتہ پرمان مان لیا۔ جن گرنتھوں پر ہندو جاتی کا وشواس انادی کال سے چلا آیا تھا۔ اور جن میں اندھ وشواس کی باتوں کا بیان کم از کم تھا۔"

رشی کے متعلق اس پرکار کی کلپنا کرنے والے آدمی رشی کے دل کو رتی بھر نہیں جانتے۔ رشی کے گرنتھوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وید کا نام لیتے ہی رشی کے دل میں وید کے پرتی پریم۔ محبت۔ بھگتی۔ شردھا۔ اور اٹل وشواس کی ایک عجیب لہر فوراً دوڑنے لگتی ہے۔ رشی کا سخت دل وید نام کی اگنی کے سامنے کس طرح پگھل جاتا ہے۔ کیول پالیسی رشی کے دل کی ان لگناؤں کا پورا پورا جواب نہیں ہو سکتی۔ اگر رشی کے دل میں ویدوں کا ماننا کیول پالیسی کا ہی پوشیدہ روپ ہوتا۔ تو ہندو جاتی کو اکٹھا کرنے کے لئے شاید ویدوں کا سودا تیاگ کر دینا ہی وہ بہتر سمجھتے۔ ویدوں کے تیاگ سے برہمو سماج اور تھیاسوفسٹ سوسائٹی کے صفوں کے نیتا اور عوام الناس خود رشی کے منتویوں کو سویکار کر لیتے۔ اور یہ تمام مل کر ایک بڑی طاقت میں نہ صرف بھارت میں بلکہ سنسار بھر میں کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے۔ لیکن رشی نے یہ سویکار نہ کیا۔ ویدوں کے پرتی رشی کی اٹل شردھا کا مول منتر اور ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ رشی نے اپنی ترک دھارا سے ویدوں کی جتنی بھی چھان بین کی۔ وید اتنے ہی سچے موتی ثابت ہوتے گئے

ویدک دھرم کی وششٹتائیں

ویدک دھرم میں کیا وششٹتائیں ہیں؟ جنہوں نے رشی دیانند پر اتنی زبردست چھاپ لگائی۔ ان سب کو اس مختصر سے مضمون میں یہاں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے صرف دو چار کا ہی ورنن کیا جائے گا +

پہلی وششٹتا

ویدک دھرم کی پہلی وششٹتا یہ ہے۔ کہ وہ کریاتمک (PRACTICAL) ہے۔ یہ دھرم منشیوں کی بھاوناؤں پرورتیوں اور جھکاؤں کو خیال میں رکھ کر منش اور منش سماج کو اُنتی کا راستہ دکھلاتا ہے۔ وہ ادھیاتم آج کل سپھل اور سمجھدار نہیں سمجھا جاتا۔ جو ودیارتھی کی مانسک پرورتیوں۔ بھاوناؤں اور شکتیوں کا خیال کئے بنا ایک ہی ڈنڈے سے تمام ودیارتھیوں کو ہانکنا چاہتا ہے۔ اس پرکار کی شکشا کو "ملا سسٹم" کی شکشا یا "پاندھا سسٹم" کی شکشا ہوگی۔ دھرم کا کام بھی یہی ہے۔ کہ وہ منش یا منش سماج کو شکشت کرے۔ انہیں ایسا راستہ دکھلائے جس پر وہ چل سکیں۔ اس لئے وہی دھرم سچا اور قابل قبول ہو سکیگا۔ جو منش اور منش سماج کی سوبھاوک پرورتیوں اور بھاوناؤں کو نہ کچل کر انہیں چلنے کا راستہ دکھائے۔ ویدک دھرم میں یہ خصوصیت موجود ہے۔ لیکن دوسرے کسی بھی دھرم میں موجود نہیں۔ ویدک دھرم میں لوک اور پرلوک دونوں کا گنگا جمنی میل ہے۔ جو خوب سہاونا معلوم ہوتا ہے۔ ویدک دھرم دین اور دنیا کے راستوں کو میل کراتا ہے۔ انہیں الگ الگ نہیں سمجھتا۔ ویدک دھرم میں انفرادی ترقی کے لئے برہمچریہ۔ ورتتا اور تیاگ کو جہاں کم سیکھان دیا ہے۔ وہاں اسی کے ساتھ ہی گرہست کو بھی پرم پوتر اور مکتی دینے والا مانا ہے۔ ویدک بھاو اس حد تک پہنچا ہوا ہے۔ کہ وید کو پرماتما بھی ایک بڑا گرہستی دکھائی دیتا ہے۔ ویدوں میں جگہ بہ جگہ پرماتما کو پتا اور پرجاپتی مانا ہے۔ اور اس نے نالا وید نے یہ کلپنا ہمارے سامنے رکھی ہے۔ کہ پرماتما پتی ہے۔ پرکرتی اس کی پتنی ہے۔ اس پتی اور پتنی کے میل سے سب سرشٹی اُتپن ہوتی ہے۔ جو دھرم اپنے پرماتما کو بھی گرہستی کی شکل میں دیکھ سکتا ہے۔ وہ انسانی گرہست کو نگاہ نفرت سے کیسے دیکھ سکتا ہے۔ بدھ دھرم نے گرہستیوں کو نیچا دیکھا تھا۔ اس کا پرنام کیا ہوا؟ اُسے اتہاس کے جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ویدک دھرم سماج کو بھی بنانا جانتا ہے۔ ویدک دھرم میں ودیا اور تیاگ۔ کشاتر بھاو۔ دھن اور بیوپار اور شلپ کلا کا میل بہت ہی عجیب ہے۔ ویدک دھرم کشاتر بھاو۔ دھن دولت۔ بیوپار اور شلپ کلا کو نیچا درجہ نہیں دیتا۔ انہیں مکتی میں باوھک نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس کے متعلق ویدک دھرم یہ آگیا دیتا ہے۔ کہ کشتری ویش اور شودر بھی نشکام بھاو سے اپنے اپنے دھرم کا پالن کرتے ہوئے مکتی دھام تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس طرح ویدک دھرم۔ منش

اور منش سوسائٹی کی قدرتی رغبتوں اور ضرورتوں کو زیر نگاہ رکھتا ہوا ہی منش اور منش سوسائٹی کو شاہراہ ترقی پر لے جانا چاہتا ہے۔ منش کی سماجک پرورتی کو درشٹی میں رکھ کر جب دھرم کا ورنن کیا جاتا ہے۔ اُسے آشرم دھرم کہتے ہیں۔ اور منش سماج کی سماجک پرورتیوں اور آوشیکتاؤں کو درشٹی میں رکھ کر جس دھرم کا ورنن کیا جاتا ہے۔ اُسے ورن دھرم کہتے ہیں۔ اس پرکار ویدوں کے ورن آشرم دھرم میں دین اور دنیا۔ دھرم اور سنسار۔ شریہ اور پریہ۔ لوک اور پرلوک کا بہت سندر اور منوہر سنگم ہے:۔

دوسری وششٹتا

ویدک دھرم میں دوسری وششٹتا یہ ہے۔ کہ اس میں ستری سماج کا بھی اتنا ہی گورو ہے۔ جتنا پرش سماج کا۔ بلکہ کئی سمرتیوں میں تو یہاں تک لکھا ہے۔ کہ ستری پرش کی نسبت دس گنا اور سو گنا زیادہ مہتو والی ہے۔ ویدک دھرم میں ستریاں بھی ویدوں کی رشی کا ہیں ہیں۔ ستریاں راجا۔ جج۔ وکیل۔ لیجسلیچر کا ممبر۔ یودھا۔ اُپدیشک۔ اور آچاریہ بننے تک کا ادھکار ویدوں میں دیا گیا ہے گرہست میں اس کا درجہ دیوتی کا ہے۔ گرہست میں رہتے ہوئے بھی مکتی کے لئے یتن کرنے کا ادھیکار ستری کو اس دھرم نے دیا ہے۔ ویدک دھرم میں ستری پرش کا پچھلگ نہیں۔ اور نہ ہی پرش کی پسلی سے ہی یہ پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ ستری کو आत्मन्वती کہا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ستری میں بھی آتما ہے۔ ویدک دھرم میں استری پرش کی غلام اس کی خواہش نفسانی کو پورا کرنے والی گھر کی داسی نہیں۔ بلکہ پرش کی اردھنگی۔ اس کا جام انگ اور گھر کی کام داسنا اشی کی شاہک گرہ سوامنی۔ سترسکھا اور منترنی ہے۔ یہ وششٹتا بھی سوائے ویدک دھرم کے اور کسی بھی پرچلت دھرم میں دکھائی نہیں دیتی۔

تیسری وششٹتا

सर्वभूत मैत्री ویدک دھرم میں تیسری وششٹتا ہے۔ دھرم کا یہ اونچا معیار بھی سوائے ویدک دھرم کے اور کسی بھی پرچلت دھرم میں نہیں ملتا۔ منش کا منش کے ساتھ پیار کرنا اسے اپنا ایک انگ سمجھ کر اس کے ساتھ بھائی چارہ رکھنا۔ یہ بات تو تھوڑے بہت انش میں دوسرے دھرموں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن منش منش سوسائٹی سے اٹھکر اپنے ہردہ کے کشیتر کو اتنا وسیع بنانا۔ جس میں نہ صرف منش ہی بلکہ پشو اور پکشی اور کیٹ اور پتنگ بھی سما سکیں۔ یہ وصف سوائے ویدک دھرم کے اور کہیں نہیں ملتا۔ گرہست میں رہتے ہوئے اپنی نیک کمائی کا حصہ۔ منش سماج۔ کتوں۔ پاپیوں۔ روگیوں۔ پنچھیوں اور کیڑیوں تک کو دینا۔ یہ ویدک دھرم ہی سکھاتا ہے۔ ویدک دھرم میں یہاں تک آ گیا ہے۔ کہ رتھ یا چھکڑے میں جب گھوڑوں یا بیلوں کو جوتنے لگو۔ تو دیکھ لو کہ وہ پشو کہیں کسی کشٹ میں تو نہیں۔ اس کی آنکھوں سے کہیں مارے دکھ اور درد کے آنسو تو نہیں نکل رہے۔ ویدک دھرم کی یہ بھاو کتنا بھاوک کے دل کو تھپلا دیتی ہے۔ اس پر کئی لوگ کہیں گے۔ کہ ویدک دھرم اگر اتنے دل والا ہے۔ تو اس میں پشو یگیوں اور مانس بھکشن کا ذکر کیوں ہے؟ ان کے جواب میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا

ہوں۔ کہ وہ ویدک دھرم کے گمبھیر مطلب کو یا تو سمجھ ہی نہیں رہے۔ یا جان بوجھ کر بچلے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ویدوں میں مانس بھکشن کو راکشس بھوجن کہا ہے۔ اور مانس۔ اور انڈے کھانے والوں کو راکشس اور ایسے لشوں کے ناش کرنے کی آگیا دی گئی ہے۔ ان کے پیچھے میں آریا خاص قسم کی [illegible] خود غرضیوں کی آڑ میں ویدوں پر الزام دینے والوں کو کن الفاظ میں یاد [illegible] میں نہیں کہہ سکتا۔ رشی [illegible] سمجھوں اور [illegible] سے اوپر اٹھے ہوئے سمجھتا ہیں۔

چوتھی وشیشتا

ویدک دھرم میں چوتھی وشیشتا یہ ہے۔ کہ اس میں پرماتما اور بھگتوں میں پر سمبندھ کرانے کے لئے کسی شخص کی وساطت کی ضرورت نہیں۔ ویدک دھرم میں پرماتما کی کرپا اور رکت کی تجلی براہ راست منش کے ہردے میں پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ پرماتما اپنے ہی وشد روپ میں منش کے آتما میں انتریامی روپ میں سکتا ہے جو کہ اسے خود راستہ دکھاتا ہے۔ اور اسی طرح منش کے ہردے کی سچی بھگتی شردھا اور پریم کی لہریں بغیر کسی درمیانی سادھن کے سیدھے ہی پرماتما کو پہنچ سکتی ہیں۔ اس دھرم میں عیسائیوں کی طرح دیوی دیوتاؤں کو اور دیگر مذاہب کی طرح کسی پیر پیغمبر کو اپنے اور اپنے پرماتما کے درمیان کسی وسیلے کا ماننا ضروری نہیں۔ یہاں تو منش ماتر پرماتما کے پتر ہیں۔ اور پرماتما ان کا پتا ہے۔ پتر جب بھی چاہے۔ پتا کو مل سکتا ہے۔ اور پتا اسے اپنی پریم بھری گود میں بٹھانے کو تیار ہوتا ہے۔ پتر کو پتا کے ساتھ ملنے کے لئے کسی دلال [illegible] کی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف ایک امنگ کی آوشیکتا ہے۔ خواہش صداقت کی ضرورت ہے۔ اتنا ہوتے ہی پتر پتا کی گود کا ادھیکاری بن جاتا ہے۔ ویدوں میں منش کو امرت پتر کہا ہے۔ اور امرت پتر کہتے ہوئے ویدوں نے منش کو پرماتما کے پتر ہی ادھیکار دیئے ہیں۔ جو قدرتاً پتر کو اس کے پتا کی طرف سے بنا مانگے مل رہے ہیں۔ ویدک دھرم کا پرماتما AUTOCRAT نہیں کہ آسے خوشامد یا خوش کرنے کے لئے سفارش یا گرگڑانے کی آوشیکتا ہو۔ ویدک دھرم میں اور بھی کئی وشیشتا ہیں۔ ہیں۔ انہیں وشیشتاؤں کے کارن رشی کا سر وید کے سامنے جھک گیا۔ اور رشی نے ویدوں کو سچا پستک اور پرماتما دوارا پیدا شدہ گیان مانا۔ اور اسی لئے انہیں سوتہ پرمان بھی مانا ؛

آریہ پرشوں کو چاہئے کہ وہ رشی کی اس آگیا کی طرف دھیان دیں ؛ کہ

"ویدوں کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا پرم آریوں کا کرتویہ ہے"

چرچ کے استحکام کی سادھن

(از قلم پرنسپل دیوی چند جی ایم اے)

کوئی مذہبی چرچ دنیا میں محض اپنی صداقت کے بل پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ کئی ایسی باتیں ہیں۔ جو کہ زندہ چرچ میں موجود ہونی چاہئیں اور جن پر اس کا استحکام منحصر رکھتا ہے۔ میں اس لیکچر میں چند باتوں کی طرف آریہ جنتا کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں ؛

سدھانت و افعال

بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ چرچ کی طاقت اس کے سدھانتوں کی صداقت پر منحصر ہے۔ اور بعض یہ رائے رکھتے ہیں۔ کہ سدھانت ایسے ضروری نہیں ہیں۔ مگر چرچ کے رفاہ عام کے جو افعال ہیں۔ جو چرچ کو بل پردان کرنے والے ہیں۔ سدھانت فلسفہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فلسفہ کے لئے ہر ایک سادھارن انسان کا دماغ کام نہیں کرتا فلسفہ عالموں کے لئے ہے۔ اس واسطے میں چرچ کے افعال پر زور دینا چاہئے۔ پبلک کی سیوا کے لئے سکول۔ ہسپتال۔ یتیم خانے آشرم۔ ودیالیہ شالائیں۔ اخبارات جاری کرنے چاہئیں۔ اور جس چرچ کے پاس یہ بکثرت ہیں۔ وہ چرچ مضبوط ہے۔ دونوں قسم کے خیالات میں صداقت ہے۔ چرچ کے استحکام کے لئے سدھانتوں اور افعال دونوں کی ضرورت ہے۔ عالموں کیلئے سدھانت و عوام الناس کے لئے افعال کام کرتے ہیں جو چرچ محض سدھانتوں کے فلسفے کے بل پر جینا چاہتا ہے۔ وہ جنتا تک نہیں پہنچا اور اس کا پیغام عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ بیشک وہ فلاسفروں و عالموں کے دماغوں کو تو تسخیر کریگا۔ مگر ایسے انسانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ جو دماغی غلامی سے آزاد ہو کر کسی صداقت کو بے باکی سے گرہن کر لیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں چرچ سدھانتوں کی صداقت پر بجا ناز کرے۔ اور اس پر زور دے۔ وہاں عوام الناس تک پہنچنے کے لئے سیوا کے مختلف میدانوں میں کام کرے لوگوں کے دکھوں کو دور کرے ان کی ضروریات کو محسوس کرے۔ ان کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں ہمدردی کرے۔ اگر چرچ اپنے آپ کو جنتا سے الگ تھلگ رکھتا ہے۔ اور اپنی عظمت اور سچائی میں مست رہتا ہے۔ تو یاد رکھو۔ کہ وہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کا اس سے کوئی ہت نہیں رہتا ؛

۲۔ جمہوریت

چرچ کی حکومت جمہوریت کی سپرٹ سے لبریز ہونی چاہئے۔ چرچ کی حکومت چند فرعون دماغ امیروں کے ہاتھ میں نہیں رہنی چاہئے۔ جو کہ اکثر اس کو اپنی ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرتے ہیں ؛ چرچ میں امیر و غریب راجہ و کنگال۔ عالم و بے علم کا درجہ برابر ہونا چاہئے۔ اس میں ہر ایک کو یکساں حقوق ملنے چاہئیں۔ ادنےٰ سے ادنےٰ انسان کی آواز کی شنوائی ہونی چاہئے۔ یہ چرچ کے ممبران کا فرض ہے۔ کہ وہ اسے خود و دم کے زہر سے آلودہ ہونے سے بچاتے رہیں۔ شخصی حکومت چرچ کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے عمبوں میں دماغی غلامی پیدا کرتی ہے۔ آزادانہ طور پر وچار کرنے کے جذبہ کا خون کر کے

مہرشی سوامی دیانند سرسوتی

(از سہاگ سوہانوی جرنلسٹ)

وہ ظلمت کی ہستی مٹا دینے والا
جہالت کی رسمیں۔ ضلالت کے پردے
ہمیں وید کے پاک منتر سنا کر
وہ بچھڑے ہوئے بھائیوں کو ملا کر
عداوت کے جھگڑے مطالب پرستی
زمانے سے وہ پوپ لیلا مٹا کر
بتوں کی محبت توہم پرستی

صداقت کی راہیں دکھلا دینے والا
اڑا دینے والا۔ اٹھا دینے والا
دلوں کی لگی کو بجھا دینے والا
محبت دلوں میں بڑھا دینے والا
اٹھا دینے والا۔ مٹا دینے والا
صداقت کا پرچم اڑا دینے والا
ہمارے دلوں سے مٹا دینے والا

وہ شدھی کا حامی دیانند سوامی
پیام محبت سنا دینے والا

"بچوتھے نہ بولنا۔ مگر ہمیشہ اپنی استری سے جھگڑا نہ کرنا ؛
(سوال کیے ویش) مہاراج اپنی استری سے بھی نہ کرے ؟
(سوامی جی) اپنی سے ہی تو یہ ممانعت ہے۔ ورنہ بیگانی سے تو سوپن میں بھی نہ کرے۔ اور نہ ہی بری دوشٹی سے دیکھے"

(رشی دیانند)

ہماری رُوحوں اور بُدھیوں کو کمزور کرتی ہے۔ پولیٹیکل دُنیا میں بھی جب قومیں اپنے لئے سوچنا چھوڑ دیتی ہیں۔ اور ایک آدمی کے پیچھے بھیڑوں کی طرح لگ جاتی ہیں۔ تو اُن کا ناش ہو جاتا ہے۔ اتہاس میں کئی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ PERICLES۔ زار روس کے قیصر KAISER وغیرہ راجاؤں نے اپنی پرجا کو آزادانہ وچار سے روکا۔ انجام بد ہؤا۔

سکھوں۔ رادھا سوامیوں و دیو سماجیوں میں یہ گورو ڈم کام کر رہی ہے۔ گورو کا حکم حکمِ آلہی سمجھا جاتا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی اُس کے برخلاف آواز اُٹھا سکے۔ یا اُس کی سچنگی پر نُکتہ چینی کر سکے۔

چرچ بُدھ ازم (BUDHISM) کی طرح نہیں ہونا چاہئے۔ جس میں صرف پادری و پروہت کلاس کے ہاتھوں میں ساری حکومت ہو۔ اور جنتا کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ ایسی صورت میں پروہت لوگ آچار ہین ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں۔ اور چرچ کمزور ہو جاتا ہے۔ اسلام کے اندر بھی جمہوریت کی سپرٹ کام نہیں کرتی۔ علمائے کے فتوے نکلتے ہیں۔ اور جو مسلمان ان پر عمل نہ کرے وہ کافر گردانا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں عیسائیت ایک غیر جمہوری چرچ تھا۔ ساری طاقت پوپ کے ہاتھ میں تھی۔ لوتھر نے اس میں اصلاح کے لئے جدوجہد کی۔ لگاتار کوشش سے چرچ اور سٹیٹ علیحدہ ہو گئے۔ تاہم عیسائیت آج تک پوپ اور پادریوں کی حکومت کا دھرم ہے۔ ہندو ازم تو PRIEST-HOOD کی زنجیروں میں اتنا جکڑا ہوا ہے کہ خدا ہی اُسے رہائی دلا سکتا ہے اگر پروہتوں ملاؤں و پادریوں پر کوئی قید نہ ہو۔ تو وہ دنیا میں اندھیر مچا دیں۔ لوگوں کو آپس میں لڑا دیں۔ اُن کے زاویہ نگاہ کو نہایت تنگ و محدود کر دیں۔ سوامی دیانند جی مہاراج نے اس وقت یہ دیکھکر آریہ سماج کی بُنیاد جمہوریت پر ڈالی۔ آریہ سماج کے چرچ میں ایک ویدپاٹھی براہمن اور ایک معمولی حیثیت رکھنے والا دوکاندار یا مزدور شامل ہو سکتا ہے۔ اور اُن کا چرچ کی حکومت میں برابر کا حصہ ہے۔ "جمہوری حکومت سب سے اچھی اور سب سے بڑی حکومت ہے" یہ جان سٹوارٹ مل نے فرمایا ہے۔ اگر ممبر خود غرضی سے آزاد و تعلیم یافتہ ہیں۔ تو اس جیسی کوئی دوسری حکومت نہیں۔ اگر افراد بے علم جاہل و خود غرض ہیں۔ تو یہ حکومت بہت بُری حکومت بن جاتی ہے۔ اس لئے سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کے چرچ کی حکومت کی باگ ڈور آریہ سماج کے ممبروں کے ہاتھ میں نہیں دی۔ بلکہ سبھا سدوں کے ہاتھ میں اسے سونپا ہے۔ جو ممبر آچار و گیان کے لحاظ سے اتم سمجھے جائیں۔ صرف وہی سبھا سد بن سکتے ہیں رشی نے ہمارے چرچ کی بُنیاد مضبوط اصُول پر قائم کی ہے۔ اور آریہ سماج کو دوسرے مذاہب کی طرح وہ خطرے نہیں۔ جو اُن کو شخصی حکومت یا PRIESTHOOD کی وجہ سے لاحق ہیں۔

۳۔ ڈسپلن

چرچ کی مضبوطی کے لئے ڈسپلن کا ہونا لازمی ہے۔ آریہ سماج اس پہلو میں قدرے کمزور ہے۔ ہمارے چرچ کی ہفتہ وار کارروائی میں ڈسپلن کی کمی دکھائی دیتی ہے۔ ہماری انترنگ سبھاؤں و سبھا سدوں کے اوھویشنوں میں ڈسپلن کا فقدان نظر آتا ہے۔ ہم ایک آدمی کو منتری یا پردھان بناتے ہیں۔ اور اسی کے احکام کی نافرمانبرداری کرتے ہیں۔ جو ہدایات ادھکاری سماج کی بہتری کے لئے دیتے ہیں۔ ہم بسا اوقات ان کی طرف سے لاپرواہ ہو کر نہ صرف ادھکاریوں کی ہتک کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی اور اپنے پیارے سماج کی بھی ہتک کرتے ہیں۔ ہمارا یہ ادھکار ہے کہ ہم ایک ادھکاری کو نالائق ہونے کی وجہ سے یا کام ٹھیک نہ کرنے کے لئے تبدیل کر دیں۔ مگر ہمارا یہ حق نہیں۔ کہ ہم اُن کی حکم عدولی کریں۔ اور جو اختیارات ہم نے اُن کو دیئے ہیں۔ اُن کے جائز استعمال سے اُن کو روک لیں۔

۴۔ آرگنیزیشن

چرچ کا اندرونی نظام اعلےٰ پیمانہ کا ہونا چاہئے۔ ہر ایک آدمی کو اڑھائی چاول کی کھچڑی علیحدہ نہیں پکانی چاہئے۔ سماج کے فائدہ کے واسطے اپنی ذاتی اغراض و اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرنا چاہئے۔ آرگنیزیشن کی خوبی اسی میں ہے کہ جہاں چرچ اور شخصی مفاد کے درمیان ٹکر لگے۔ وہاں شخصی مفاد کو چرچ کے مفاد کے مطیع کر دیا جائے۔ جس سماج کے آدمی اس اصول پر کاربند نہیں ہوتے۔ وہ اپنے چرچ کو کبھی مضبوط نہیں بنا سکتے۔ لیڈروں کا یہ کام ہے کہ وہ سوسائٹی کے افراد و سماج میں باہمی جنگ نہ ہونے دیں۔ جہاں ایسا ناممکن ہو وہاں انہیں شخصی مفاد کو ہر صورت میں قربان کرنا پڑیگا۔ ورنہ چرچ قائم نہیں رہ سکیگا۔

وہ لوگ جو سماج یا چرچ کو اپنے فائدہ کے لئے قربان کر دیتے ہیں۔ وہ دراصل سماج کے محب نہیں۔ بلکہ دشمن ہوتے ہیں۔

عام افراد کی زندگی کی پوترتا

چرچ کی مضبوطی کے لئے یہ لازمی نہیں کہ اس میں ایک دیانند یا مہاتما گاندھی ہو۔ بلکہ ضروری یہ ہے۔ کہ عام ممبروں کا جیون اعلیٰ شدھ و پاک ہو۔ اُن کے اندر شردھا بھگتی۔ وشواس ہو۔ وہ اپنے اصولوں کے لئے سخت سے سخت قربانی کر سکیں۔ اگر ضرورت پڑے تو جان بھی قربان کر سکیں جس چرچ کے انویائی اپنے اصولوں کی سچائی کے مقابلہ میں اپنے جسموں کی زیادہ پرواہ کرتے ہیں۔ جن کے دلوں میں اپنی صداقت پر پورن وشواس نہیں ہے۔ وہ چرچ کو مضبوط نہیں بنا سکتے۔ چرچ میں جو غریب لوگ ہیں۔ وہ اکثر اس کے واسطے قربانی کیا کرتے ہیں۔ ایک مہاپرش نے ٹھیک کہا ہے:-

THE POOR ARE THE SALT OF THE CHURCH

(۶) قوّت برداشت

شہیدوں کا خون چرچ کی بنیادوں کو مضبوط بناتا ہے۔ ملکہ میری کے ظلموں نے اسلام کی سختیوں نے لوگوں کے حوصلہ کو پست نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے آتماؤں کو مضبوط بنا دیا تھا۔ آریہ سماج بھی اپنے جنم سے لے کر آج تک سختیوں و ظلموں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اسلام عیسائیت پورانک لوگ و بعض اوقات گورنمنٹ اس کو دبانے کے لئے اور اس کا ناش کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ مگر اس کے ممبروں کی قوتِ برداشت نے آریہ سماج کو اِن حملوں سے بچایا۔ اور ان تمام آزمائشوں میں سے جو وقتاً فوقتاً آریہ سماج پر آتی رہی ہیں۔ یہ فتح یاب نکلتا رہا ہے مہاتما گاندھی کی ناو اجب نکتہ چینی سرکار کی زبردست طاقت۔ اسلام اور عیسائیت و پورانک دھرمیوں کے حملے ہماری سپرٹ کو کچل نہیں سکے ہیں۔ اگر اس طرح سے آئندہ کو بھی آریہ سماج نے کام کیا۔ تو ہمارا چرچ مستحکم ہو کر عالمگیر بن جائیگا جیسے سونا آگ میں تپائے جانے سے کندن بن آتا ہے۔ گنا کولھو میں پلنے سے رس دائک ہو جاتا ہے۔ اور چندن گھسنے سے خوشبودار بن جاتا ہے ویسے ہی ظالموں کے ظلم سے چرچ بلوان ہو جاتا ہے۔

۷۔ تبلیغ

جس چرچ میں تبلیغ کا مادہ کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ چرچ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہندو دھرم کسی زمانہ میں تبلیغی دھرم تھا۔ دُنیا کے ہر ایک کونہ میں پھیلا ہؤا تھا۔ مگر زمانہ آیا جب ہندو دھرم میں تبلیغ کا مادہ کم ہو گیا۔ اور دوسروں کے لئے دھرم میں شمولیت کا دروازہ بند کر دیا نتیجہ یہ ہؤا کہ کروڑوں ہندو مسلمان و عیسائی ہو گئے۔ سوامی جی مہاراج نے اس کمی کو محسوس کیا۔ اور ہمیں بتایا۔ کہ ہمارا دھرم عالمگیر ہے۔ وید بھگوان نے ہمیں ساری دُنیا کو آریہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے [illegible] کی کرپا سے غیر ہندوؤں کی شُدھی صدیوں کے بعد جاری ہؤا۔ اسلام اور عیسائیت بڑے تبلیغی دھرم ہیں۔ ہندو زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ویدک چرچ کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں۔ تو انہیں چاہئے۔ کہ وہ شدھی اور دلت اُدھار کے کام میں خاص دلچسپی لیں۔ دھرم کی اشاعت میں جبر و سختی سے کام نہیں لینا چاہئے تلوار کے زور سے اگر اسلام نے اپنی اشاعت کی تو یہ اس کی کمزوری ہے نہ کہ خوبی۔ کسی چرچ کی عظمت اس بات میں ہے۔ کہ وہ اپنی صداقت کے زور سے پھیلے نہ کہ جسمانی طاقت تلوار و خنجر کے زور سے۔ عیسائیت بھی اس الزام سے آزاد نہیں۔ ویدک دھرم نے اپنی اشاعت میں ان ہتھیاروں کا استعمال نہیں کیا۔ جو کہ کسی چرچ پر بدنما دھبہ ہیں۔

۸۔ چرچ و پالیٹکس

چرچ کو پالیٹکس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے پران کو جسم سے ہم الگ نہیں کر سکتے۔ ویسے چرچ کو پالیٹکس سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ چرچ اور پالیٹکس کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ اگر چرچ روح ہے۔ تو پالیٹکس کو جسم سمجھو۔ روح جسم سے لاپرواہ نہیں ہو سکتی۔ جن چرچوں نے پالیٹکس سے کنارہ کیا ہے۔ وہ جلد صفحہ ہستی سے مٹ گئے ہیں۔ اسلام۔ عیسائیت و خالصہ پنتھ دیر تک زندہ رہے۔ کیونکہ انہوں نے پالیٹکس سے پرہیز نہیں کیا۔ آریہ سماج اگر پالیٹکس سے پرہیز کرتا رہا ہے۔ تو اصول کے خیال سے نہیں۔ بلکہ اس خیال سے کہ آریہ سماج کی ابتدائی عمر میں طاقت کم تھی۔ اور اس کی توجہ دوسری باتوں کی طرف مبذول تھی۔ اگر آریہ سماج اپنی اس پالیسی کو دیر تک استعمال کرتا رہے گا۔ تو اسے نوٹ کر لینا چاہئے کہ پھر سوسائٹی یہ ناکامیاب رہے گا۔ آریہ سماج چرچ بھی ہے۔ اور ایک سوسائٹی بھی ہے مضبوط چرچ ساری دُنیا کو آریہ بنانا اس کا [illegible]

بقیہ دیکھیو صفحہ ۳۲ کالم اول

مہرشی دیانند

نتیجۂ فکر مولوی میر حیدر علی صاحب حسینی مرحوم حیدرآباد دکن

مولوی صاحب آں جہانی مدرسۃ العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ آپ کو عربی اور فارسی میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ آپ کے اکثر مضامین اسلام کی تردید میں رسالۂ "آریہ مسافر" جالندھر میں شائع ہوا کرتے تھے۔ "ازدواج مطہرات" اور دیگر کتب موصوف کی تصنیفات سے ہیں۔ آپ کی یہ زبردست خواہش تھی۔ کہ ویدک دھرم قبول کریں۔ لیکن افسوس کہ آپ کو اچانک موت نے موقعہ نہ دیا۔

ذیل میں آپ کی ایک اردو نظم درج کی جاتی ہے۔ جو مقدس رشی کی مدحت سرائی میں عرفِ عقیدت ہو چکی ہے۔ امید کہ احباب ذوق لطف اندوز ہوں گے۔

(ہربش چندر۔ حیدرآباد دکن)

اے منبعِ جود و کرم!
اے عالم والا ہمم
عالی مکاں صاحب حشم
اے سوامیٔ معجز رقم

اے ہادیٔ باعزّ و شاں
اے سوامی والا نشاں
اے باعثِ آرامِ جاں
اے دافعِ رنج و الم

اے وعظِ تو ایمانِ من
اے الفتِ تو جانِ من
اے پندِ تو درمانِ من
اکنوں بمطلب آمدم

تو ہے ہمارا پیشوا
تو ہے ہمارا رہنما
تو ہے ہمارا نا خدا
اک چاکرِ کمتر ہیں ہم

گو رنج و غم سہتے ہیں ہم
افسردہ دل رہتے ہیں ہم
لیکن یہ ہی کہتے ہیں ہم
تجھ پر فدا ہو جائیں ہم

گو ہم پہ ہوں جور و جفا
لیکن ہمیں پرواہ ہے کیا
جب تیرے آگے کر دیا
ہم نے سرِ تسلیم خم

ہم سب کو تھی اے نیک خو
تیرے سخن کی آرزو
کرتے ہیں تیری گفتگو
لحظہ بلحظہ دم بدم

وہ برہمچاری باصفا
وہ حامیٔ حکمِ خدا
تم سب کو تھا للکارتا
آجاؤ سب مل کر بہم

باز آؤ ظلم و جور سے
کیا فائدہ اس طور سے
دیکھو نگاہِ غور سے
کیفیتِ ویدک دھرم

میدان میں وہ شیر نر
تنہا کھڑا تھا بے خطر
آجائے جو خم ٹھونک کر
تھا کون ایسا تازہ دم

ہوں پیروانِ مصطفیٰ
یا نیچری یا دہریا
عیسائی یا انکے سوا
بودھ ہوں یا ہندو دھرم

المختصر اہلِ ریا
اسکے مقابل آئیں کیا
معقول سب کو کر دیا
حجت نے اس کی یک قلم

وہ حامیٔ الہام تھا
اس کا یہی اک کام تھا
مصروف صبح و شام تھا
اس کام میں وہ ذی حشم

وہ بادشاہِ قوم تھا
وہ خیر خواہ قوم تھا
وہ عزّ و جاہِ قوم تھا
قوم اس پہ کرتی تھی ستم

اے قوم! اب بہرِ خدا
تو اپنی ضد سے باز آ
کر اپنی حالت پہ ذرا
تو آپ ہی لطف و کرم

عالم میں اسکی خوبیاں
ہیں جلوہ گر خورشید ساں
معروف تھی اس کی زباں
مشہور تھا اس کا قلم

وہ معدنِ علم و ہنر
آمادہ ہو کر بحث پر
بھاگے عدو تو بدگہر
ٹھیریں نہ ہرگز ایک دم

جو عزّتِ وید اس نے کی
جو شہرتِ وید اس نے کی
جو خدمتِ وید اس نے کی
عاجز ہے لکھنے سے قلم

یہ آسمانِ پیر اگر
لے مشعلِ شمس و قمر
چکّر لگائے دربدر
گاہے عرب گاہے عجم

آفاق میں کوئی بشر
آئے نظیر اس کا نظر
ہے غیر ممکن سربسر
ایمان سے کہتے ہیں ہم

پھر اسکی توصیف و ثنا
کیا کر سکے کوئی ادا
حیدر تو کر اب یہ دعا
بس شانتی کو پائیں ہم

اے خالقِ ارض و سما
اے مالکِ ہر دو سرا
دے تو انہیں فہم و ذکا
تا ان لیں اہلِ ستم

آپس کی جھگڑے دور ہوں
مل جل کے سب مسرور ہوں
بغض و حسد کافور ہوں
مفقود ہوں رنج و الم

کر ختم حیدر داستاں
تو کیا ہے اور تیرا بیاں
بس بند کر اپنی زباں
روک اے شریف اپنا قلم

چرچ کے استحکام کے سادھن

بقیہ مضمون (صفحہ ۳۰)

ہے۔ مگر بطور سوسائٹی اپنی ملکی ترقی میں حصہ لینا ملک کی ہر ایک موومنٹ میں ہستا ہی کرنا اس کا فرض ہے۔ اگر یہ اس فرض سے غافل ہوگا۔ اور اپنی آنکھیں بند کریگا۔ تو یہ پولیٹیکل میدان دسیاسیات میں بہت پیچھے رہ جاویگا۔ اور جو چرچ لوگوں کو محض پرماتما کی بھگتی دسندھیا کرنا ہی سکھاتا ہے۔ اور ان کے دنیاوی دکھ درد کو دور کرنے کا یتن نہیں کرتا۔ لوگوں کو غلامی سے رہائی دلانے کے واسطے جدوجہد نہیں کرتا وہ اپنے اُدیش کو پورا نہیں کرتا۔ ویشیشک درشن میں کناد منی نے دھرم کی تعریف یہ کی ہے۔ کہ

"دھرم وہ وستو ہے۔ جس سے
دینی و دُنیاوی دونوں قسم کی
ترقی ہم کو نصیب ہو"

اگر آریہ سماج ہماری روحانی ودینی حالت کو تو بہتر بنا سکتا ہے۔ مگر دُنیوی حالت کو اونچا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس سے اُسے کوئی سروکار نہیں اسلئے کہ پالیٹکس میں اُس نے حصہ نہیں لینا۔ تو یاد رکھو یہ دھرم محض فلاسفروں کا دھرم رہ جائیگا۔ اور عام جنتا اسے چھوڑ دیگی۔ ایسی سماج کو لوگ دُور سے ہی سلام کہیں گے۔

رشی کا مدعا یہ نہ تھا۔ ستیارتھ پرکاش کے پاٹھک جانتے ہیں۔ کہ رشی جہاں یوگی تھا۔ وہاں وہ اعلیٰ پایہ کا محب الوطن بھی تھا۔ دیش کو آزاد کرنے کے لئے اس کے دل میں آگ پرجلت تھی۔ سوراجیہ کا وہ زبردست حامی تھا۔ آریہ سماج کو چاہئے۔ کہ وہ اس غلطی کو محسوس کرے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے۔ اپنی ملکی معاملات کی طرف سے لاپرواہی کو دور کرے۔ تبھی ہمارا چرچ مستحکم ومضبوط ہو سکیگا۔

جو مصیبت آپڑے تو اس کو سہنا ہے۔ وہ پھر بھارت دیش اور بھارت دیش والا تمام جہان کو اٹھا سکتا ہے۔ سُر وہ بھی نہ ہو۔ تب بھی نہ ہو۔ ادارہ بھی نہ ہو۔ ونات آپس ہی کلہہ (کلہ) بھی کرتے رہیں۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ایسے آریوں اور ایسے آریوں سے ستیا ستیہ بھرے ہوئے آریہ سماجوں کی بھرمار سے ہی کیا ہوگا۔ برہمو سماج کی طرح یہ بھی نام کے ہی رہ جائیں گے۔

پیارے آریہ بھائیو! کیا تم زندہ رہنا چاہتے ہو؟ تو تمہارے جیون کا ایک ماتر اُدیش یہ ہے۔ (ادم شرما)

ستیارتھ پرکاش اور جنم کے آریہ

(از پنڈت نردیو شاستری وید تیرتھ)

اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے۔ کہ ستیارتھ پرکاش انقلاب کرنے والی ایک عجیب و غریب کتاب ہے۔ یہ کتاب جس کے بھی ہاتھ پڑ جاتی ہے۔ اور ایک دفعہ اس کا مطالعہ کر لیتا ہے۔ اس کا دماغ چکر کھانے لگتا ہے اس لئے اس کتاب نے دھارمک دُنیا میں بڑی زبردست ہلچل پیدا کر دی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے۔ کہ ستیارتھ پرکاش کے کھنڈنا تمک سمولاسوں کو پڑھکر جس قدر تعداد آریہ سماجی بنتی ہے۔ اتنی تعداد منڈنا تمک بھاگوں کو پڑھکر نہیں بنتی۔ آریہ سماجی بھی دو طرح کے ہیں۔ اول وہ جو کہ ستیارتھ پرکاش پڑھکر آریہ سماجی بنے تھے اور دوسرے وہ جنہوں نے ایسے لوگوں کے گھر جنم لیا۔ جس سے وہ جنم سے ہی آریہ سماجی ہو گئے۔ ہمارے پوجیہ پتا راؤ صاحب پنڈت سری نواس راؤ جی ستیارتھ پرکاش کے کھنڈنا تمک بھاگ کو پڑھکر ہی آریہ خیالات کے ہو گئے تھے۔ جب وہ آریہ خیالات کے ہوئے تھے۔ تب سارے دکھن میں صرف تین ہی شخص آریہ تھے:- (۱) ٹھاکر گوبند سنگھ منصب دار پاتور ضلع آکولہ برار۔ (۲) ہمارے پوجیہ پتا جی۔ (۳) شاید پنڈت کیشو راؤ وکیل حیدر آباد دکن۔

دکھن جیسے کٹر ہندوؤں کے پکے قلعہ میں ان تین شخصوں کو جس قدر مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اُس کا اندازہ شمالی ہند کے آریہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے پوجیہ پتا جی کا جاتی سے بائیکاٹ کرنے کے لئے لوگوں نے بہت زور لگایا۔ یہاں تک کہ ایک برس تو سوامی شنکر آچاریہ کو بھی بلا لائے تھے۔ ہمارے پتا جی کا آریہ بننا ایک زبردست مصیبت کو خرید کرنا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنے استقلال سے سب کچھ برداشت کیا۔

میں اوپر کہہ چکا ہوں۔ کہ آریہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو جنم کے یعنی آریوں کے یہاں جنم لینے سے ہی آریہ ہو گئے۔ دوسرے وہ جو آریہ گرنتھوں کو پڑھکر آریہ ہو گئے۔ ان سطروں کا لیکھک اپنے کو جنم کا ہی آریہ سمجھتا ہے۔ پڑھکر آریہ تو وہ پیچھے سے ہوا۔ ہمارے پوجیہ پتا جی کس طرح آریہ بنے یہ ایک سُننے کی بات ہے:۔

(۲)

ہمارے پتا جی مادھو سمپردائے کے دویت وادی کٹر براہمن تھے۔ اتنے کٹر تھے۔ کہ اپنے سمپردائے کے رو برو دیگر فرقہ والوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔ برار والے ٹھاکر گوبند سنگھ جی منصبدار ہمارے پتا جی سے پیشتر ہی آریہ خیالات کے ہو چکے تھے۔ انہوں نے ہمارے پتا جی کے خیالات تبدیل کرنے کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن ناکامیاب رہے۔ ہمارے پتا جی کو آریہ بنانے کے لئے انہوں نے ایک نئی تدبیر کی۔ اور وہ یہ کہ پتا جی کی لاعلمی میں ستیارتھ پرکاش انکی پستکوں میں رکھ دیتے ہمارے پتا جی نے نفرت کے ساتھ بغیر دیکھے ہی واپس کر دیا۔ اتفاق سے ایک بار پتا جی سخت بیمار ہوئے۔ ٹھاکر گوبند سنگھ جی نے اُن کی بڑی سیوا کی۔ لیکن اُن کو یہی دھن رہی۔ کہ کسی طرح اُن کے خیالات تبدیل کریں۔ اس لئے پتا جی کے سرہانے پھر چُپ چاپ ستیارتھ پرکاش رکھ دیا۔ ایک دن پاس کوئی نہیں تھا۔ طبیعت بہلانے کے لئے پتا جی نے اس پستک کو اُٹھا لیا۔ اور جب انہوں نے پستک کھولی۔ تو خوش قسمتی یا بد قسمتی سے گیارہواں سمولاس ہی کھلا۔ وہ اُن کو اتنا دلچسپ محسوس ہوا۔ کہ اس کمزوری کی حالت میں بھی ایک دن میں ختم کیا۔ اس میں دویت مت کا بھی کھنڈن منڈن تھا۔ پتا جی دویت وادی ویشنو تھے۔ ادویت وادیوں کا کھنڈن انہیں بہت پسند آیا۔ بس یہیں سے اُن کے آریہ سماجی بننے کا شروع ہوا۔ جس ستیارتھ پرکاش کو پتا جی نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس کو انہوں نے بارہ تیرہ دفعہ پڑھا۔ تب سے آریہ سماج کی دھن اس قدر سوار ہوئی۔ کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اسی کا پرچار رہتا تھا۔ اس طرح ٹھاکر گوبند سنگھ جی کی کوشش بارآور ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ ستیارتھ پرکاش کے کھنڈنا تمک سمولاسوں کو دیکھکر ہی لاکھوں لوگ آریہ خیالات کے ہوئے ہیں یہ بھی میرا اعتقاد ہے۔ کہ اگر ستیارتھ پرکاش میں گیارہویں سے لے کر چودہویں سمولاس تک کے چار سمولاس نہ ہوتے۔ اور صرف دس ہی سمولاس کا ستیارتھ پرکاش ہوتا۔ تو پھر اس قدر کھلبلی کبھی نہ ہوتی۔

(۳)

ہم تو جنم کے آریہ تھے ہی۔ پھر جب سمجھ آئی۔ تو پڑھ لکھکر آریہ ہوئے۔ پھر آریہ کھیتر میں برسوں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آریہ کھیتر کے باہر بھی ہم نے کام کر کے دیکھا [illegible] نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ [illegible] بولتے ہیں۔ اس کا سولہ حصہ بھی اُن میں شردھا کا بھاؤ ہو تو آریہ سماج کا کام بڑی تیزی سے بڑھ سکتا ہے۔ ایسا ستیہ وادی آچاریہ ایسے سرو سریشٹھ سدھانت۔ ایسے اچھے آدرش۔ پھر کیا بات ہے۔ کہ پوجیہ آریہ سماج کے پرورتک سوامی کے پیچھے ۵۰ برس میں ہی آریہ سماج اپنی آنکھوں میں اپنی ترقی اور تنزلی کے چکر دیکھ لئے۔ سوامی جی کا اُدیش کوئی نیا مذہب چلانے کا نہیں تھا۔ پھر بھی دکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ آریہ سماج ایک مذہب کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ چاہے لوگ اس بات کو محسوس کریں۔ یا نہ کریں۔ لیکن بات بالکل سچ ہے۔ آریہ سماج کو سب سے زیادہ اُدار ہونے کی ضرورت ہے بر خلاف اسکے موجودہ حالت میں جہاں اس کا دائرہ ایک طرف کشادہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہاں دوسری جانب تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

یہ بات ہمالیہ کی اونچی سے اونچی چوٹی پر کھڑے ہو کر کہی جا سکتی ہے۔ کہ سوامی دیانند کا تپ پھلا۔ اور اُن کے اُدیشوں کو دُنیا نے مان لیا۔ لیکن یہ بات بھی ڈنکے کی چوٹ سے کہی جانے کے قابل ہے۔ کہ سوامی جی کے پیچھے ان کا پرتی ندھی آریہ سماج سوامی جی کے اُدیشوں کے خلاف شردھا شونیہ ترک وترک کے گڑھے میں پڑ کر خود ہی ایک نیا مذہب بننے کو جا رہا ہے۔ آگے جس قدر بھی کام ہوگا۔ اس کا یش آریہ سماج کو نہیں ملیگا۔ سوامی جی کی اچھا انوسار ہندو سماج اب ہڑبڑا کر جاگ گیا ہے۔ اور اپنی حالت کو سمجھ کر اپنے سدھار کا اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اور اب وہ آریہ سماج کی مدد کی ضرورت نہیں سمجھتا ہے۔ سوامی دیانند اب صرف آریہ سماج کے نہیں رہے۔ اُن کا شمار دُنیا کے مہا پُرشوں میں ہے۔ اس طرح ایک عجیب حالت پیدا ہو گئی ہے۔ آریہ سماج کے روبرو ایک ہی کام ہے۔ اور وہ ہے تپ۔ اگر آریہ سماج کا دھیان تپ کی جانب گیا۔ اور اس میں تپسویوں کی تعداد زیادہ ہوتی گئی۔ تو آریہ تہذیب پر [illegible]

مہرشی دیانند اور ہندو

(از ماسٹر رونق رام جی شاد بھدوڑ ریاست پٹیالہ)

دیانند جی کی دیا سے ہوا خواب غفلت سے بیدار ہندو
ہوئی دوست و دشمن کی پہچان اس کو۔ ہوا نیک و بد سے خبردار ہندو
...شیریں کہ کرنے لگا قوم سے پیار ہندو
پلایا اخوت کا وہ جام رنگین کہ حب وطن میں ہے سرشار ہندو
...ل کا وہ پیغام حسن حقیقی کہ "وید مقدس" عبارت ہے جس سے
سنایا رشی ور نے گھر گھر پہنچ کر بغیر اس کے تھا در بدر خوار ہندو
...و دمساز دم دم دیدم دے رہے تھے کیا انکشاف انکی دمسازیوں کا
جو غفلت میں گانٹھ اپنی کٹوا رہا تھا وہ اب ہو گیا خوب ہشیار ہندو
...بارے تھے وہ پاؤں خود غرضیوں نے کہ حد سے سوا تنگدل ہو گیا تھا
رشی ور کی تعلیم و تلقین سے پھر ہوا مائل خلق و ایثار ہندو
...یا اس کو گمراہ جن بدعتوں نے کیا اس کو بیکار جن علتوں نے
مٹا کر ترقی کے ان دشمنوں کو ہوا آگے بڑھنے کو تیار ہندو
...حالت سے پر یہ مروت تھی جس کی کہ سانپوں کو بھی دودھ دے پالتا تھا
وہ اب سب سے برتاؤ کرنے لگا ہے بچا یوگیہ اور دھرم الاساؤ ہندو
...بدیک زمانے کی قومی حمیت نفاق اور تفریق نے تھی دبا دی
دبا کر انہیں اب دکھانے لگا ہے۔ جو ان بختیوں کے کچھ آثار ہندو
وطن کی محبت میں کڑیاں اٹھائیں فدا کر دیا مال دھن جسم و جاں کو
مگر یہ وطن سے ہوا ہے نہ ہوگا کبھی بے وفا اور غدار ہندو
سب چھوت کا بھوت اسکو لگا تھا کہ آتی تھی بو اپنے ہی دوستوں سے
مگر وید کے حکم ناطق کو سن کر اچھوتوں سے کرتا ہے اب پیار ہندو
بلایا خدا نے کہ کیوں کہ آریہ بنا جا رہا تھا कृण्वन्तो विश्वमार्यम्
(کرنونتو وشو ماریم)
یہ ارشاد اب شاد ہے اس کا ماٹو کرے کیوں نہ شدھی کا پرچار ہندو

خانہ برباد

(از مشہور فسانہ نگار منشی پریم چند صاحب بی اے)

(۱)

آج دس سال سے ضبط کر رہا ہوں - اپنے اس تنگ سینہ کے اندر ایک کرۂ نار چھپائے ہوئے بیٹھا ہوں - دنیا میں کہیں خوشی ہوگی - کہیں سیر و تماشے ہونگے - کہیں دلچسپیاں ہونگی - میرے لئے تو یہ اب آتش کدہ ہے - اور کچھ نہیں - اس میں زندگی کی ساری آرزوئیں جل کر خاک ہو گئیں - دل کی جگہ اب ایک شعلہ ہے - جگر کی جگہ ایک مشت خاک! کس سے اپنی داستان درد کہوں - کہنے سے حاصل ہی کیا - اس کی دوا اب موت کے سوائے اور کچھ نہیں کسی شاعر نے یہ مصرعہ کہکر میرے ہی جذبات دل کی ترجمانی کی ہے - "مجھے تو موت ہی آتی شباب کے بدلے" - آہ کاش! موت آجاتی - جس کی قسمت میں رونا ہی لکھا ہو - اس کا مر جانا ہی اچھا ہے ؛

میں نے پہلی بار تارا کو اس وقت دیکھا - جبکہ میری عمر ۱۰ سال کی تھی - میرے والد آگرہ کے ایک کامیاب ڈاکٹر تھے - لکھنو میں میرے ایک چچا رہتے تھے - جنہوں نے وکالت میں کافی دولت پیدا کی تھی - میں ان دنوں اپنے چچا ہی کے ساتھ رہتا تھا - چچا کے کوئی اولاد نہ تھی - اس لئے میں ہی ان کا وارث تھا - چچا اور چچی دونو مجھے اپنا لڑکا سمجھتے تھے - ہمارے چچا صاحب کے پڑوس میں ہماری برادری کے ایک بابو صاحب رہتے تھے - جو ریوے کے محکمہ میں کسی اچھے عہدہ پر مامور تھے - وہ ڈیڑھ سو روپیہ مشاہرہ پاتے تھے - نام تھا بابو مہل چندر - تارا انہیں کی لڑکی تھی - تارا اس وقت پانچ سال کی ہوگی - ایام طفلی کا وہ دن آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے - جب تارا ایک فراق پہنے بالوں میں ایک گلاب کا پھول گوندھے ہوئے میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی - کہہ نہیں سکتا کیوں؟ میں اسے دیکھکر کچھ جھیپ سا گیا - مجھے وہ دیو کنیا سی معلوم ہوئی تارا اکثر میرے گھر آتی - اس کے گھر میں کھیلنے کی جگہ نہ تھی - چچا صاحب کے مکان کے سامنے وسیع میدان تھا - وہیں وہ کھیلا کرتی - رفتہ رفتہ میں بھی اس سے مانوس ہو گیا - میں جب سکول سے لوٹتا - تو تارا دوڑ کر میرے ہاتھوں سے کتابوں کا بستہ لے لیتی - جب میں سکول جانے کے لئے گاڑی پر بیٹھتا - تو وہ بھی آکر میرے ساتھ بیٹھ جاتی - ایک دن اس کے سامنے چچی نے چچا صاحب سے کہا - تارا کو میں اپنی بہو بناؤں گی - کیوں کرشنا تو تارا سے بیاہ کریگا - میں مارے شرم کے باہر بھاگ گیا - لیکن اس دن سے اکثر چچا اور چچی دونوں ہمارے بیاہ کا مذاق کیا کرتے - ان موقعوں پر میں تو شرما کر باہر بھاگ جاتا تھا - مگر تارا خوش ہو جاتی تھی - دونو خاندانوں میں اتنا ربط ضبط تھا - کہ اس کا ہو جانا کوئی غیر ممکن امر نہ تھا تارا کے ماں باپ کو شاید یقین تھا - کہ تارا سے میری شادی ہوگی - میں جب کبھی ان کے گھر جاتا - تو میری بڑی آؤ بھگت ہوتی - تارا کی ماں اسے میرے ساتھ چھوڑ کر کسی بہانہ سے چلی جاتی تھیں - کسی کو اب اس میں شک نہ تھا - کہ تارا ہی میرے گھر کی رانی ہوگی ؛

ایک دن اس معصوم لڑکی نے ایک مٹی کا گھروندا بنایا میرے مکان کے سامنے ایک نیم کا درخت تھا - اسی کے نیچے اس کا گھروندا تیار ہوا تھا - اس میں کئی ننھے ننھے مٹی کے برتن تھے - ایک ذرا سی چارپائی تھی - میں نے جا کر دیکھا - تو وہ دل و جان سے گھروندا بنانے میں مصروف تھی - مجھے دیکھتے ہی وہ دوڑ کر میرے پاس آئی اور بولی - چلو تم اپنا گھر دکھائیں - میں نے ابھی بنایا ہے - میں نے گھر دیکھا ... [illegible] تارا ؟

تارا نے خجالت آمیز متانت سے کہا - کیوں ہم اس میں رہیں گے - جب ہمارا اور تمہارا بیاہ ہو جائے گا - تو ہم اسی گھر میں آکر رہیں گے - یہ دیکھو تمہاری بیٹھک ہے - تم اس میں بیٹھکر پڑھو گے - دوسرا کمرہ میرا ہے - اس میں بیٹھکر گڑیا کھیلوں گی ؛

میں نے مذاق کر کے کہا - تو کیا میں ساری عمر پڑھتا رہونگا - اور تم ہمیشہ گڑیاں کھیلتی رہو گی ؟

تارا نے میری طرف اس انداز سے دیکھا - گویا وہ بات نہیں سمجھی - غریب جانتی تھی - کہ زندگی کھیلنے کے لئے ہے - یہ نہ جانتی تھی - کہ ایک دن ہوا کا ایک جھونکا آئے گا - اور اس گھروندے کو اڑا لے جائے گا - اسی ...

ساتھ ہم دونوں بھی کہیں سے کہیں جا اڑینگے ؛

(۲)

اس کے بعد میں اپنے والد کے پاس چلا آیا۔ اور کئی سال پڑھتا رہا۔ لکھنؤ کی آب و ہوا مجھے موافق نہ تھی۔ یا میرے والد صاحب نے مجھے اپنی نظروں کے سامنے رکھنے کے لئے یہ بہانہ کیا تھا۔ میں تحقیق نہیں کہہ سکتا۔ آگرہ میں میں نے انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ لیکن چچا کے یہاں آمد و رفت جاری رہی۔ ہر ایک تعطیل میں لکھنؤ ضرور جاتا۔ اور گرمیوں کی تعطیل تو پوری لکھنؤ ہی میں کٹتی تھی۔ میں بڑی بے صبری سے تعطیلوں کا انتظار کرتا تھا۔ اگر مجھے ایک دن کی بھی دیر ہو جاتی۔ تو تارا کا خط آ پہنچتا [illegible] اب شباب کی سرگرمیاں اور [illegible] خیالیاں تھیں۔ وہ دن کیا کبھی بھول سکتے ہیں؟ وہی شیریں یادگاریں اب اس زندگی کا سرمایہ ہیں۔ ہم دونوں راتوں کو نظر بچا کر ملتے۔ اور خیالی قلعے بناتے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ خدانخواستہ ہماری نیتیں بد تھیں۔ ہرگز نہیں۔ ہمارے درمیان ایک بھی ایسا لفظ۔ ایسا اشارہ نہ آتا۔ جس پر ہمیں شرمندہ ہونا پڑے۔ یہ صرف وہ لحاظ تھا جو اس عمر میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ شادی ہو جانے پر بھی تو دولہا اور دلہن کچھ دنوں تک بزرگوں کے سامنے ایک دوسرے سے باتیں کرتے شرماتے ہیں۔ ہاں جن کے مزاج میں انگریزی خو بو پوری طرح سرایت کر گئی ہے۔ اُن کی بات نہیں چلاتا۔ وہ تو بزرگوں کے سامنے بوس و کنار تک کر سکتے ہیں۔ ہماری ملاقاتیں صرف لطفِ صحبت کے لئے ہوتی تھیں۔ ایک دوسرے سے باتیں کرنے میں۔ ایک دوسرے کے قریب میں؛

نہیں جو لطف بے انداز حاصل ہوتا تھا۔ اس کا اظہار ممکن نہیں۔ بعض عشق بازی کی گھاتوں کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اپنی وفا اور خلوص اور محبت کا یقین دلانا ہوتا ہے۔ ہمارے درمیان رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ صرف رسم کی پابندی باقی تھی۔ وہ مجھے اپنا شوہر سمجھتی تھی۔ میں اُسے اپنی بیوی سمجھتا تھا ہم دونوں کبھی کبھی روٹھ بھی جاتے تھے۔ اور کئی کئی دنوں تک بات چیت کرنے کی نوبت نہ آتی۔ ایسے موقع پر مصالحت کی تحریک ہمیشہ اسی کی طرف سے ہوتی تھی میں روٹھ کر رہ جاتا تھا۔ ذرا سی بات بھی مزاج کے خلاف ہوئی۔ تو چیں بہ جبیں ہو جاتا۔ وہ خندہ پیشانی تھی۔ نہایت درجہ متحمل۔ لیکن اُس کے ساتھ خودداری بھی انتہا درجہ کی تھی:

انٹرمیڈیٹ پاس ہوتے ہی مجھے فوج میں ملازمت مل گئی۔ والد صاحب کا فوجی حلقوں میں بہت رسوخ تھا۔ میں سارجنٹ ہو گیا۔ اور حسنِ اتفاق سے لکھنؤ میں میری تعیناتی ہو گئی۔ منہ مانگی مراد بر آئی

مگر یہ چرخ میری تباہی کے سامان کر رہا تھا۔ میں تو اس خیال میں خوش تھا۔ کہ اب کچھ دنوں میں تارا میری ہو گی۔ ادھر ایک دوسرا ہی گل کھلا۔ شہر کے ایک معزز رئیس نے میری شادی کی تجویز کی۔ اور آٹھ ہزار روپیہ نقد جہیز پیش کیا۔ چچا صاحب [illegible] رقم سن کر باغ باغ ہو گئے۔ ان کے نزدیک آٹھ ہزار کی رقم کوئی چیز نہ تھی۔ مگر اسی رقم کے لئے انہوں نے مدت دراز کے ارتباط اور یارانہ کو قربان کر دیا۔ انہیں سوچ کر جواب دینے کا وعدہ کر کے ٹالا

اور تارا کے والد کو بلا کر ان سے کہا۔

"آپ میرے پرانے دوست ہیں۔ اس لئے میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ ایک صاحب کرشنا کی شادی کے لئے مجھے آٹھ ہزار روپیہ دے رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ میں کچھ رعایت کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کم سے کم پانچ ہزار روپے دے دیں۔ تو میں اس کی شادی تارا ہی سے کر دوں گا۔ ورنہ مجبوراً مجھے وہ تجویز قبول کرنی پڑے گی"

تارا کے والد سکتے میں آ گئے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ اتنے دوستانہ۔ خلوص اور یگانگت کے بعد جہیز کا سوال پیدا ہی نہ ہو گا۔ بولے آپ مذاق کر رہے ہیں۔ یا سچ مچ مجھ سے جہیز کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا۔

چچا صاحب نے متانت سے کہا۔ اس میں مذاق کی تو کوئی بات نہیں۔ ابھی ابھی ایک صاحب آٹھ ہزار روپیہ پیش کر رہے تھے۔

بمل بابو نے فرمایا۔ یہ تو بابو صاحب آپ نے میرے سامنے ایک نیا مسئلہ پیش کر دیا۔ مجھے خواب میں بھی گمان نہ تھا۔ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ سوال آئے گا۔ ایشور نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ پانچ ہزار روپیہ میں آپ صاحب دولت نہ ہو جائیں گے۔ ہاں یہ رقم میرے امکان سے باہر ہے۔ سوچئے آپ ایک طے شدہ بات کو الٹ کر کتنی بڑی بے انصافی کر رہے ہیں۔ آج دس سال سے ہم کرشنا کو اپنا داماد سمجھتے آئے ہیں۔ آپ کی باتوں سے بھی بارہا اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔ کرشنا اور تارا میں جو محبت ہے

نہ آپ سے پوشیدہ نہیں - ایشور کے لئے چند ہزار روپوں کے لئے اتنی جانوں کا خون نہ کیجئے"۔

چچا صاحب نے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔ "بمل بابو! مجھے سخت افسوس ہے۔ کہ میں اس معاملہ میں اور زیادہ نہیں دب سکتا"۔

بمل بابو نے ذرا تیز ہو کر کہا - آپ نے اب تک کبھی جہیز کا ذکر نہیں کیا؟

چچا صاحب "مجھے یاد نہیں آتا - میں نے کبھی آپ سے اس معاملہ میں کسی قسم کا وعدہ کیا ہے"۔

بمل - باقاعدہ طور پر ضرور کوئی بات ہمارے درمیان نہیں ہوئی - لیکن اشارتاً کتنی ہی بار یہ ذکر آ چکا ہے"۔

چچا صاحب - آپ میرا احسان نہیں مانتے - کہ میں آپ کے ساتھ کتنی رعایت کر رہا ہوں۔

بمل - آپ میرا گلا گھونٹتے ہیں اور میں آپ کا احسان مانوں اتنی فیاضی مجھ میں نہیں ہے - اگر مجھے معلوم ہوتا - کہ آپ اتنے بڑے بندۂ زر ہیں - تو میں آپ سے کنارہ کش رہتا۔ میں آپ کو ایک شریف اور بامروت آدمی سمجھتا تھا - لیکن معلوم ہو گیا - کہ آپ بھی کوڑیوں کے غلام ہیں - جن کی نگاہوں میں انسان کی کوئی وقعت نہیں - رحم اور ہمدردی کی کوئی وقعت نہیں - اسے میں شریف نہیں کہہ سکتا - آپ کو اختیار ہے - آپ رشتا کی شادی جہاں چاہیں کریں - لیکن آپ کو کف افسوس نہ ملنا پڑے تو کہئیگا - تارا کی شادی تو کہیں نہ کہیں ہو ہی جائے گی - اور ایشور نے چاہا - تو کسی اچھے گھر ہوگی - اس کے لئے وروں کی کمی نہیں - ہاں آپ سے قلق ضرور ہوگا - لیکن خیر! آپ کو آٹھ ہزار مبارک ہوں"

چچا صاحب نے برانگیختہ ہو کر کہا - اگر آپ میرے گھر میں نہ ہوتے - تو ان بدزبانیوں کا جواب آپ کو دیتا۔

بمل نے چھڑی اٹھا لی - اور کمرہ سے باہر جاتے ہوئے کہا - آپ مجھے کیا جواب دیں گے - آپ جواب دینے کے قابل ہی نہیں ہیں"۔

اسی دن جب میں شام کو پارک سے آیا - اور چل پان کر کے بمل بابو کے گھر جانے لگا تو چچی نے کہا - "کہاں جاتے ہو - بمل بابو سے اور تمہارے چچا جی سے آج ایک جھڑپ ہو گئی"۔

میں نے ٹھٹک کر حیرت کے ساتھ کہا - جھڑپ ہو گئی - کس بات پر؟

چچی - یہی شادی بیاہ کی بات تھی - ایک رئیس تمہاری شادی کی بات چیت کر رہے ہیں - آٹھ ہزار روپیہ جہیز دیتے ہیں - تمہارے چچا جی نے بمل بابو سے کہا - آپ ہمارے پرانے ملاقاتی ہیں - آپ پانچ ہزار بھی دے دیں گے - تو میں آپ ہی کے ہاں شادی کروں گا - اسی بات پر بگڑ گئے جو کچھ منہ میں آیا - بکتے رہے۔

میں نے ایک منٹ تک سکوت کے عالم میں رہنے کے بعد کہا - اچھی بات ہے - وہاں نہ جاؤنگا - پارک جا رہا ہوں۔ چچی نے ہر چند روکا - پر میں ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا - کوئی میرے دل میں دبائے جھنجھا رہا تھا شائد گھر سے پارک تک جانے میں مجھے ایک منٹ سے زیادہ لگا تھا - بار بار جی جھنجھلاتا تھا - چچا صاحب پر نہیں، بمل بابو پر بھی نہیں - والدہ صاحب پر بھی نہیں - صرف اپنے اوپر کیوں مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے - کہ جا کر چچا صاحب سے کہہ دوں - کوئی مجھے لاکھ روپیہ بھی دے - تو شادی نہیں کروں گا - میں کیوں اتنا کوتاہ سخن، اتنا بزدل، اتنا دبو ہوں؟

اسی غصہ کے عالم میں میں نے والدہ صاحب کو ایک خط لکھا - اور وہ ساری داستان مفصل بیان کر دی - یہ بھی لکھ دیا - کہ میں اور کہیں شادی نہ کرونگا - خواہ مجھ پر عتاب کیوں نہ سہنا پڑے - اب ... گیا - اب یاد بھی نہیں - اتنا یاد ہے - کہ وہ دس بارہ ورق کا دس منٹ میں لکھ ڈالے تھے - کاش ممکن ہوتا - تو میں یہ داستان تار سے بھیجتا۔

تین دن میں نے جتنی بے صبری سے کاٹے - اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - جی ایسا اچاٹ ہو گیا تھا - کہ کسی کام میں جی نہ لگتا تھا - کبھی سوچتا - کہ تارا مجھے اپنے دل میں کتنا کمینہ سمجھ رہی ہوگی - کئی بار جی میں آیا - چل کر اس کے پیروں پر سر رکھ دوں - اور کہوں - دیوی! میرا قصور معاف کرو - مجھے اپنی غلامی میں قبول کرو - چچا صاحب کی سخت گیری پر متعجب نہ ہوتا - محض آٹھ ہزار روپیہ کے لئے انہوں نے ہماری ساری زندگی کے منصوبے خاک میں ملا دیئے - افسوس!

تیسرے دن خط کا جواب آیا - رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی

جواب آیا۔ جس کا مجھے خدشہ تھا۔ لکھا تھا۔ بھائی صاحب بزرگ ہیں۔ اُنہوں نے جو فیصلہ کیا ہے۔ اُس کے خلاف ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکال سکتا۔ اور تمہیں بھی یہی مناسب ہے۔ کہ انہیں ناراض مت کرو۔

میں نے خط کو چاک کر کے پیروں سے کچل دیا۔ اور سیدھا بابو کے گھر کی طرف چلا۔ کاش! اس وقت کوئی ستہ روک لیتا۔ تو میں اُن کے دروازے تک پہنچ جاتا۔ وہاں مزاحمت کرنے والا کون بیٹھا تھا۔ کچھ دور چل کر نے پھر جواب دے دیا۔ لوٹ آیا۔ کہہ نہیں سکتا۔ ہیچ کر لوٹا۔ چچا صاحب کی خفگی کا مجھے شمہ بھر خوف کہ ساری دولت کو ٹھکرا دینے کو تیار تھا۔ والد [illegible] خیال صرف یہ تھا۔ کہ [illegible] کے کر جاؤں۔ آخر میں اُنہیں چچا کا بھتیجا ہی تو ہوں بار مجھ سے مخاطب نہ ہوتے۔ یا جاتے ہی جاتے مجھے نکال دیا۔ تو میرے لئے ڈوب مرنے کے سوائے اور کیا رہ جائے گا۔ سب سے بڑا خوف یہ تھا۔ کہ کہیں تارا مجھ سے ملنے سے انکار کر دے۔ تو میری کیا حالت ہوگی۔ ہائے بیرحم تارا! تغافل شعار تارا، نا موقع شناس تارا، اگر تو نے اس وقت مجھے تسکین کے دو کلمے لکھ بھیجے ہوتے۔ تو آج میری زندگی میرے لئے باغ و بہار ہوتی۔ تیری خموشی نے مجھے ہمیشہ کے لئے خانماں خراب کر دیا:

(۳)

تین دن بھر میں نے انگاروں پر رات لوٹ کر کاٹے۔ مصمم

ارادہ کر لیا۔ کہ اب کسی سے نہ ملونگا۔ سمجھ لونگا۔ میں دُنیا میں یتیم پیدا ہوا۔ میرا کوئی نہیں۔ چچا صاحب کی تو صورت سے نفرت ہو گئی تھی۔ مگر تیسرے دن شام کو چچا صاحب کا ایک رقعہ پہنچا۔ مجھے بلایا تھا۔ جی میں تو آیا۔ کہ لکھ دوں۔ کہ میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ سمجھ لیجئے۔ کہ میں مر گیا مگر پھر اُن کے احسانات اور انکی محبت یاد آگئی۔ شام کو دل میں اعلان جنگ کا جوش و خروش لئے ہوئے میں چچا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا:

چچا صاحب نے مجھے سر سے پیر تک دیکھکر کہا۔ کیا آج کل تمہاری طبیعت اچھی نہیں تھی کیا؟ آج بابو سیتارام تشریف لائے تھے۔ تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ کل صبح کو موقعہ ملے۔ تو چلے آنا۔ یا تمہیں لوٹنے کی جلدی نہ ہو تو اسی وقت اُنہیں بلا بھیجوں۔

میں سمجھ تو گیا۔ کہ یہ بابو سیتارام کون ہیں۔ لیکن تجاہل جتا کر بولا:۔ بابو سیتارام صاحب کون ہیں۔ مجھے تو ان سے کبھی نیاز حاصل نہیں ہوا۔ چچا صاحب نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔ اجی یہ وہی صاحب ہیں۔ جو تمہاری شادی کے لئے گھیرے ہوئے ہیں۔ شہر کے رئیس اور خاندانی آدمی ہیں۔ انکی لڑکی بھی بہت اچھی ہے۔ میں نے ہاں کر لیا ہے:

میں غصے کے ایک اُمڈتے ہوئے سیلاب کو روک کر کہا۔ آپ نے ناحق ہاں کیا۔ میں اپنی شادی نہیں کرنی چاہتا۔"

چچا صاحب نے میری طرف تہر کی نظروں سے دیکھکر کہا "وہ کیوں؟"

میں نے اسی بے خوف لہجہ میں جواب دیا "اس لئے کہ میں اس معاملہ میں آزاد رہنا چاہتا ہوں۔"

چچا صاحب نے میری طرف سے آنکھیں ہٹا لیں اور بولے "اس آزادی کی قیمت دینی پڑے گی۔ یہ بھی جانتے ہو؟"

میں نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ بولا "جی ہاں خوب جانتا ہوں۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"جی ہاں آخری"

"بہتر ہے"

یہ کہکر وہ اُٹھے اور گھر میں چلے گئے۔ میں کمرہ کے باہر نکل آیا۔ اور پارک کی طرف چلا۔ ساری زمین گردش کر رہی تھی۔ آسمان چکر کھا رہا تھا۔ اور میرا جسم ہوا میں اُڑا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ پیروں کے نیچے زمین ہے ہی نہیں پارک میں پہنچ کر میں پلنگ پر لیٹ گیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا:

(۴)

سویرے ہماری رجمنٹ کو ڈیرہ دون جانے کا حکم ہوا مجھے آنکھیں سی مل گئیں۔ اب لکھنؤ کاٹے کھاتا تھا۔ اُس کی در و دیوار سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ ایک بار جی میں آیا۔ کہ چل کر تارا سے مل لوں۔ مگر پھر یہی خیال مانع ہوا۔ کہیں وہ مخاطب نہ ہوئی تو؟

میں اب اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا۔ مجھے والد یا چچا کی امداد کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ ایک طرح سے انہوں نے مجھے خانہ بدر کر دیا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود تارا کو اپنا کیوں نہ کر سکا؟ کچھ نہیں سکتا۔ شاید میری اس بے سرو سامانی میں بھلا یا برا ہی مجھ سے مخاطب نہ ہوں ممکن تھا کچھ دنوں کے بعد میرے سفلوج حواس توازن پر آ جاتے۔ اور میں اپنے طریق کار کا تصفیہ کر لیتا۔ لیکن ڈیڑھ دو دن پہنچے ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا۔ کہ مجھے ایک خط ملا پتہ دیکھا۔ تو میرے ہاتھ کانپنے لگے۔ اور سارے جسم پر رعشہ سا آ گیا۔ شاید شیر کو سامنے کھڑا دیکھ کر بھی اتنا خائف نہ ہوتا۔ ہمت نہ پڑتی تھی۔ کہ خط کھولوں۔ وہی تحریر تھی۔ جسے دیکھ کر میری آنکھوں میں سرور سا چھا جاتا تھا۔ جسے بوسے دیتا تھا۔ اور سینہ سے لگاتا تھا۔ مگر آج وہ کالے حروف کالی ناگنوں سے بھی زیادہ خوفناک تھے۔ قیاس دوڑا رہا تھا۔ کہ اس نے کیا لکھا ہوگا۔ مگر قیاس کی انتہائی پرواز بھی خط کے مضمون تک نہ پہنچ سکی۔ بڑی مشکلوں سے خط کھولا۔ تو آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ معلوم ہوا کسی نے رہے کی سلاح جگر میں چبھو دی۔ تارا کی شادی طے ہو گئی تھی۔ شادی ہونے میں بہ صرف چوبیس گھنٹے باقی تھے اس نے مجھ سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگی تھی۔ اور التجا کی تھی۔ کہ مجھے بھلا مت دینا۔ خط کا آخری جملہ پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ لکھا تھا۔ یہ آخری پیار لو۔ اب آج سے میرے اور تمہارے درمیان صرف انسانیت اور ہمدردی کا رشتہ ہے۔ اگر تمہیں کچھ اور سمجھوں۔ تو اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی ہوگی۔ جسے شاید تم سب سے زیادہ ناپسند کرو گے۔ بس اس سے زیادہ اب نہ لکھوں گی۔ بہت اچھا ہوا۔ کہ تم یہاں سے چلے گئے۔ تم رہتے تو تمہیں بھی صدمہ ہوتا۔ اور مجھے بھی۔ مگر پیارے اپنی اس ابھاگنی تارا کو بھول نہ جانا۔ تم سے یہی التجا ہے۔

میں خط ہاتھ میں لئے ہوئے لیٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ سینہ پھٹ جائے گا۔ بھگوان! اب کیا کروں۔ جب تک میں لکھنؤ پہنچوں گا۔ اس وقت تک بارات دروازہ پر آ چکی ہوگی۔ لیکن تارا کو آخری بار دیکھنے کی خواہش کو میں کسی طرح نہ روک سکتا تھا۔ یہی اب زندگی کی آخری آرزو تھی۔ اس کے بعد پھر یہ دل انہی آرزوؤں کا مزار ہوگا۔ اور اس مزار پر آنسوؤں کے پھول چڑھائے جائیں گے میں نے جا کر کمانڈنگ افسر سے کہا "مجھے ایک ضرورت لکھنؤ جانے کے لئے مجبور کر رہی ہے۔ تین دن کی رخصت چاہتا ہوں"۔

افسر نے کہا "چھٹی نہیں مل سکتی"۔

"میرا جانا ضروری ہے"

"تم نہیں جا سکتے"

"میں کسی طرح نہیں رک سکتا"

"تم کسی طرح نہیں جا سکتے"

میں نے اور زیادہ اصرار فضول سمجھا۔ وہاں سے چلا آیا اور شام کو سب کی نگاہ بچا کر اسٹیشن پر آ پہنچا۔ کورٹ مارشل کا اب مجھے مطلق خوف نہ تھا۔

(۵)

جب میں لکھنؤ پہنچا۔ تو شام ہو گئی تھی۔ جب خوب ہو گیا۔ تو میں اپنی قسمت کے ناٹک کا آخری منظر دیکھنے بارات دروازہ پر آ گئی تھی۔ گیس کی روشنی ہو رہی تھی۔ لوگ جمع تھے۔ ہمارے مکان کی چھت تارا کی چھت سے ملی تھی۔ راستہ مردانہ کمرہ کی بغل سے تھا۔ چچا صاحب تماشا دیکھنے کو گئے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر سب بارات کی دیکھ رہے تھے۔ میں چپکے سے زینہ پر چڑھا۔ اور چھت پر جا پہنچا۔ وہاں اس وقت بالکل سناٹا تھا۔ آ ... میرا دل بھر آیا۔ ہائے! یہی ... مے الفت کے دور چ... بیٹھ کر زندگی کے منصوبے باندھتا تھا۔ اور محبت کی ... لیتا تھا۔ اس زمین کا ایک ایک ذرہ میرے لئے تبرک تھا۔ افسوس! آج میرے دل کی طرح وہ بھی ویران تھا ... تھا۔ میں اسی زمین سے لپٹ کر خوب رویا۔ یہاں تک میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ کاش! اس وقت تارا وہاں ... تو میں اس کے قدموں پہ سر رکھ کر ہمیشہ کے لئے سو جاتا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ تارا کی پاکیزہ روح میری حالت پر افسوس کر رہی ہے۔ آج بھی وہ یہاں ضرور آئی ہوگی۔ اسی زمین سے لپٹ کر وہ بھی روئی ہوگی۔ اس کے عنبریں زلفوں کی خوشبو زمین سے آ رہی تھی۔ میں نے جیب سے رومال نکالا۔ اور اس زمین کی خاک جمع کرنے لگا۔ دم کے ...

میں میں نے ساری چھت صاف کر ڈالی۔ اور اس خاک کو رومال میں باندھ گھنٹوں رویا۔ یہی مشتِ خاک میری محبت کا انعام ہے۔ یہی میری محبت کا حاصل ہے۔ یہی میری کشتِ الفت کی پیداوار ہے۔ ہائے رے ناکامی!

نیچے شادی کے رسوم ہو رہے تھے۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت دولھن منڈپ کے تلے آئی۔ اب جا نو رہیں ہوگئی میں چھت کے کنارے سے چلا آیا۔ اندوہ جگر خراش منظر دیکھنے لگا۔ بس یہی معلوم ہو رہا تھا۔ کہ کوئی جگر کے ٹکڑے کئے ڈالتا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ میرا سینہ کیوں نہ پھٹ گیا۔ کسی عزیز کو چتا پر جلتے دیکھکر بھی شائد اس سے زیادہ صدمہ ...

... کجا نو رہیں ختم ہوئیں۔ تو میں کوٹھے سے اترا۔ اب کیا باقی تھا۔ چتا کی راکھ بھی پانی میں بہہ چکی تھی۔ دل کو تھامے نیم جان، زینہ کے دروازے تک آیا۔ مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔ اب کیا ہو۔ اُلٹے قدم لوٹا۔ اب تارا کے آنگن سے ہوکر جانے کے سوا دوسرا راستہ نہ تھا۔ میں نے سوچا۔ اس جمگھٹ میں مجھے کون پہچانتا ہے۔ نکل جاؤنگا۔ لیکن جونہی آنگن میں پہنچا۔ کہ تارا کی ماں نے دیکھ لیا۔ چونک کر بولیں۔ کون؟ کرشن بابو۔ تم کب آئے؟ آؤ میرے کمرہ میں آؤ۔ تمہارے چچا صاحب کے خوف سے ہم نے تمہیں نیوتہ نہ بھیجا۔ تارا صبح کو بداع ہو جائے گی۔ آؤ اس سے مل لو۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اور مجھے کشاں کشاں اپنے کمرہ میں لے گئیں۔ پھر پوچھا۔ اپنے گھر سے ہوتے آئے ہو نہ؟"

میں نے کہا۔ "میرا گھر یہاں کہاں ہے"؟

"کیوں تمہارے چچا کا گھر نہیں ہے"

"ہاں چچا جی کا گھر ہے۔ میرا گھر اب کہیں نہیں ہے"

"تو کیا تم سیدھے اسٹیشن سے چلے آ رہے ہو۔ تب تو کچھ کھایا بھی نہ ہوگا"؟

"مجھے تھوڑا سا زہر دے دیجئے۔ یہی میرے لئے سب سے اچھی غذا ہے"!

بڑھی عورت حیرت سے میرا منہ تاکنے لگی۔ تارا اور میرے درمیان کتنی محبت تھی۔ یہ وہ بیچاری کیا جانتی تھی

میں نے پھر اسی مایوسانہ انداز سے کہا۔ "میں اب زندہ رہکر کیا کرونگا۔ آپ لوگ میرے ساتھ یہ دغا کرینگی۔ اس کی مجھے خبر نہ تھی۔ خیر جو ہوا اچھا ہی ہوا۔ چچا اور والد کی نظروں سے گر کر میں تارا کو شائد خوش نہ رکھ سکتا"!

بوڑھی عورت نے شکوہ کی نظروں سے دیکھکر کہا "تم ہم لوگوں کو اتنا خود غرض کہتے ہو بیٹا"!

میں نے ملامت کی "اب تک تو نہ سمجھتا تھا۔ لیکن واقعات نے ایسا کہنے پر مجبور کیا۔ میرے خون کا پیاسا دشمن بھی میرے اوپر اس سے زیادہ قاتل وار نہ کر سکتا تھا۔ میرا خون آپ ہی کی گردن پر ہوگا"!

"تمہارے چچا صاحب ہی نے تو ہمیں انکار کر دیا"!

"آپ لوگوں نے مجھ سے بھی کچھ پوچھا۔ مجھ سے بھی کچھ کہا۔ مجھے کچھ کہنے کا موقعہ بھی دیا۔ آپ نے تو ایسا رویہ اختیار کیا گویا آپ یہی چاہتی تھیں مگر آپ سے شکایت کرنا فضول ہے۔ تارا خوش رہے۔ میرے لئے غنیمت ہے"!

"تو بیٹا! تم نے بھی تو کچھ نہیں لکھا۔ اگر تم ایک پرزہ بھی لکھ دیتے۔ تو ہمیں تسکین ہو جاتی۔ ہمیں کیا معلوم تھا۔ کہ تم تارا کو اتنا پیار کرتے ہو۔ ہم سے بھول ہوئی۔ لیکن اس سے بڑی بھول تم سے ہوئی۔ اب مجھے معلوم ہوا۔ کہ تارا کیوں روز ڈاکیہ کی راہ دیکھا کرتی تھی۔ ابھی تین دن پہلے تک وہ برابر ڈاکیہ کو پوچھتی رہی۔ جب تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔ تب وہ نراس ہو گئی۔ بلاؤں۔ اسے ملنا چاہتے ہو"؟

میں نے چارپائی سے اُٹھکر کہا۔ "نہیں نہیں۔ اسے مت بلائیے۔ میں اب اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اسے دیکھ کر میں نہ جانے کیا کر بیٹھوں"!

یہ کہکر میں چل پڑا۔ تارا کی ماں نے کئی بار پکارا مگر میں نے پیچھے پھر کر نہ دیکھا۔

یہ ہے میری محبت مایوس کی داستان۔ آج دس سال گزر گئے۔ ان دس سالوں میں میرے اوپر جو کچھ گزری وہ میں ہی جانتا ہوں۔ کئی کئی دن مجھے بے آب و دانہ رہنا پڑا ہے۔ فوجی ملازمت سے تو کورٹ مارشل نے برخاست کر ہی دیا۔ اب آوارہ گردی کے سوا مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ اول تو کوئی کام ملتا ہی نہیں۔ اور اگر مل گیا۔ تو میں ٹک سکتا نہیں زندگی وبال ہو گئی ہے۔ کسی بات سے دلچسپی نہیں رہی۔ آدمی کی صورت سے دور بھاگتا ہوں۔

تارا خوش ہے۔ تین چار سال ہوئے۔ ایک بار میں اس کے گھر گیا تھا۔ اس کے شوہر نے بہت اصرار کر کے بلایا تھا۔ بہت قسمیں دلائی تھیں۔ مجبوراً گیا۔ وہ کلی اب کھل کر پھول ہو گئی ہے۔ تارا میرے سامنے آئی۔ اس کا شوہر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کی طرف تاک نہ سکا۔ اس نے میرے پیر چھوئے۔ میں نے پیر کھینچ لئے۔ میری زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ اگر تارا غمگین ہوتی۔ دل شکستہ ہوتی۔ تکلیف میں ہوتی۔ تو میں اس پر نثار ہو جاتا۔ مگر خوش حال۔ بے فکر۔ شگفتہ رو۔ بے نیاز تارا میری ہمدردی کی مستحق نہ تھی۔ میں اس خیال کو روک نہ سکا۔ کتنی بے وفائی۔ کتنی سرد مہری!

شام کو میں مغموم بیٹھا تھا۔ وہاں جانے پر افسوس کر رہا تھا۔ کہ تارا کے شوہر میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ اور مسکرا کر بولے۔

"بابو جی! میں نے بہت افسوس کے ساتھ سنا ہے۔ کہ تارا سے میری شادی ہو جانے کا آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ تارا جیسی عورت شاید دیوتاؤں کو بھی خود غرض بنا دیتی۔ لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ اگر میں جانتا کہ آپ کو اس سے اس درجہ عشق ہے۔ تو میں ہرگز آپ کی راہ کا کانٹا نہ بنتا۔ افسوس یہی ہے کہ مجھے بہت پیچھے معلوم ہوا۔ آپ کی محبت کی داستان تارا مجھ سے کہہ چکی ہے"

میں نے مسکرا کر کہا:۔ "تب تو آپ مجھ سے بدگمان ہو گئے"!

اس نے جوش سے کہا۔ "اس کے برعکس میں آپ کا احسان مند ہوں۔ محبت کا اتنا پاکیزہ۔ بے لوث اور اعلیٰ معیار اس کے روبرو رکھا۔ وہ آپ کو اب بھی اسی محبت سے یاد رکھتی ہے۔ شاید کوئی دن نہیں جاتا۔ کہ آپ کا ذکر نہ کرتی ہو۔ یہ آپ ہی کی صحبت کا فیض ہے۔ کہ وہ اس درجہ بے لوث، بے غرض اور شاکر ہے۔ اس کا دل محبت کا سرچشمہ ہے آپ کی محبت کو وہ اپنی زندگی کی سب سے پیاری چیز سمجھتی ہے۔ آپ شاید سمجھتے ہوں۔ کہ ان دنوں کی یاد کر کے اسے افسوس ہوتا ہوگا۔ مطلق نہیں۔ وہ دن اس کی زندگی کی سب سے شیریں یادگاریں ہیں۔ وہ کہتی ہے۔ میں نے کرشن کو تم میں پایا ہے۔ اور میرے لئے اتنا ہی کافی ہے"

ہفتہ وار پرکاش میں ہر ہفتہ ایک سبق آموز کہانی ہوتی ہے۔ آپ اس کے خریدار بن کر کہانیوں کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

آریہ سماج کا کام

(از قلم مسٹر بی۔ ایل رلیا رام۔ بی ایس سی۔ بی ٹی۔ جنرل سکریٹری وائی۔ ایم۔ سی۔ اے)

عام طور پر غیر آریہ سماجی حلقوں میں سماج کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور مسیحیوں اور اہل اسلام کی کثیر التعداد جماعت آریہ سماجیوں کو ہٹ دھرمی اور متعصب سمجھتی ہے۔ ان کی یہ رائے غلط فہمی اور نادا تفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ انہوں نے آریہ سماج کی اہمیت اور اس کی قومی خدمت کا پورے طور پر موازنہ نہیں کیا۔ جہاں آریہ سماج کے نکتہ چین بے انصافی سے سماج کے ہر فعل کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہاں بعض آریہ سماجی دوسرے مذاہب کے ساتھ بھی اسی سلوک کو روا رکھتے ہیں۔ مجھے اہل اسلام کے متعلق تو بہت علم نہیں۔ لیکن میں نے بعض دفعہ دیکھا ہے۔ کہ آریہ سماج کے اراکین نے مسیحی تحریکوں یا ان تجویزوں سے جو مسیحی اشخاص کی طرف سے شروع کی گئی ہوں۔ تھوڑی بہت مخالفت کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ آریہ سماجی اخباروں اور تحریروں میں خداوند مسیح کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے۔ کہ بعض مسیحی مبلغوں کا دامن بھی اس پہلو میں [illegible] اور وہ کسی طرح [illegible] طرفہ اور باہمی عناد کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک کے نوجوان مذہب کو بالائے طاق رکھنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ دیکھ چکے ہیں۔ کہ عملی طور پر مذہب غلط فہمی اور جھگڑے پیدا کر کے قومی زندگی بڑھنے نہیں دیتا۔ اس لئے اگر مذاہب اپنے وطیرے کو بدل کر ان بنیادی اصولوں پر زور دیں۔ جن پر ان کی اصلی طاقت کا انحصار ہے۔ تو وہ نوجوانوں کی زندگیوں میں ایک ایسا مدعا پیدا کر سکتے ہیں۔ جس سے ملک کے لئے ان کی خدمت زیادہ وزن دار بن جائے گی۔ کیا ہندوستان کی آئندہ باگ ڈور ایسے ہاتھوں میں ہوگی۔ جو مادہ پرستی کے دلدادہ

اور مذہب سے بے پرواہ ہیں۔ کیا لامذہبی اور دہریہ پن ملک کے نوجوانوں میں ایسے چال چلن پیدا کر سکتا ہے۔ جس پر کہ سچے اور حقیقی سوراج کی بنیاد مستحکم طور پر رکھی جا سکتی ہے۔ مغرب کی جمہوریت لامذہبی اور جھوٹی تہذیب کے ہاتھوں آج نالاں ہے - اور ہندوستان کی ایک جماعت اپنی اور وطن کو اُس راستے سے چلانا چاہتی ہے۔ آج ہندوستان [illegible] تہذیب بنانے نساد و بے اتفاقی بن رہا ہے [illegible] کے دلدادہ نوجوان اگر مذہب سے [illegible] کے نام لیوا ہو جائیں [illegible] ایک نہایت اعلیٰ جذبہ ہے۔ اور خدا کرے کہ وہ ہمارے ملک کے نوجوانوں کے دل میں گھر کرلے۔ لیکن تنگ قومیت جس کی بنیاد مادہ پرستی پر ہو ایک زہریلی اور فاسد شے ہے۔ اسی جھوٹی قومیت نے یورپ کو تہ و بالا کیا۔ اور جنگ عظیم کا باعث بنی۔ اس لئے ہر مذہب والے کا فرض ہے۔ کہ فیشن پرستی اور مغربی تہذیب کے غلط پہلو پر عمل کرنے کی روک تھام کرے اور قومیت کے ساتھ دھرم اور سچائی کا ایسا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جس سے ہندوستان کی قومیت پر اتما پر وشواس رکھنے والی اور دھارمک قومیت ہو۔ آریہ سماج اِس نیک کام میں ایک نمایاں حصہ لے سکتی ہے مذہب کی اشاعت ایک ضروری فرض ہے اور ہر ایک آریہ سماج کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اپنے دھرم کا پرچار کرے۔ لیکن پرچار کے یہ معنی نہیں۔ کہ دوسرے مذاہب پر دل آزار حملے کئے جائیں۔ میں اپنے مسیحی اور اسلامی مبلغوں سے بھی عرض کرونگا۔ کہ تمہارا فرض اپنے دین کی خوبیاں دوسروں پر ظاہر کرنا ہے۔ مذہب کا تعلق نہ صرف دماغ سے بلکہ دل سے ہے۔ مذہب انسانی کا خدا کے ساتھ اپنے رشتے کا ذاتی تجربہ ہے۔ ہم تجربہ کو ہر جگہ اور ہر شخص کو بتلانے کے حقدار ہیں۔ اور ساتھ ہی ہمیں دوسروں کے تجربے کو ٹھنڈے دل سے سننا چاہئے۔ اس لئے مذہب کی اشاعت میں تعصب اور بے صبری اور تنگدلی مذہبی روح سے کوسوں دور ہیں ؛

اس کے علاوہ بہت سے صیغے ایسے ہیں۔ جس میں سب مذاہب کو ماننے والے شخص ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ ملک کی بہتری اور ملک کے محتاج حصہ کی مدد کے لئے مشترکہ طور پر بہت کام ہو سکتا ہے۔ اس وقت کئی انجمنیں ایسی ہیں۔ جو روحانی طبیعت میں مختلف ضروری کاموں میں لگی ہوئی ہیں چاہئے۔ کہ ان انجمنوں کے کام میں ہر شخص ہاتھ بٹائے۔ خاص کر مذہبی کام کرنے والے ضرور دیگر مذاہب کے کام کرنے والوں کے ساتھ مل کر رفاہ عام اور ملکی ترقی کے مشترکہ کاموں کو سمجھائیں۔ اس طرح سے برادرانہ روح زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور غیر ضروری مخاصمت کم ہو جائے گی۔ آریہ سماج کے اصحاب اس وقت پنجاب کی پبلک زندگی میں نمایاں اور قابل قدر حصہ لے رہے ہیں۔ اور مادیت کی بڑھتی ہوئی رو کو روکنے میں وہ ایک گراں قدر کام کر سکتے ہیں۔ اور اس ضروری کام میں آریہ سماج اور دیگر مذہبی جماعتوں کو ایک دوسرے کا ہمدردانہ اور عملی طور پر ہاتھ بٹانا چاہئے۔ کیونکہ نوجوان اب یہ سوال نہیں پوچھ رہے کہ کیا مسیحیت سچا مذہب ہے؟ یا آریہ سماج یا اسلام۔ بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا مذہب ہی کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ وہ مذہب کو قومیت کے منافی، رہنمائے نساد، منبع نفاق سمجھنے لگے ہیں۔ اور ان کے خیالات بالکل بے وجہ نہیں۔ اور اگر مذاہب نے اپنا وطیرہ نہ بدلا۔ اور نوجوانوں کے سامنے ایک نیا معیار پیش نہ کیا۔ تو اُن کی مذہب سے بغاوت بڑھ جائے گی۔ اور ہندوستان ممالک مغربیہ کی طرح مادیت کے چنگل میں جا پھنسے گا +

آریہ سماج اس اہم کام میں ایک بہت ضروری حصہ لے سکتی ہے۔ آریہ سماج نے مجلسی اور تعلیمی ترقی اور دیگر مذہبی اور اخلاقی شعبوں میں ایک قابل قدر خدمت کی ہے ان الفاظ کا لکھنے والا ایک مسیحی ہے۔ اُسے خداوند یسوع مسیح کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہونے کا فخر ہے۔ اس لئے مذہبی امور میں اُسے آریہ سماج سے اصولی اختلاف ہیں۔ لیکن یہ اختلاف اُسے آریہ سماج کی خوبیوں کا اعتراف کرنے میں اُس کے مانع نہیں ہیں۔ آریہ سماج میں جان ہے۔ اور وہ جان ہندوستان کی ترقی میں بڑی ممد رہی ہے۔ اور آئندہ مددگار رہے گی۔ سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج قائم کر کے اخلاقی ترقی کے لئے ایک خود دار مجلس قائم کر دی۔ سوامی جی ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کے ریفارمروں میں شمار ہونگے۔ اور اُن کا کام سنہرے لفظوں میں لکھا جائے گا۔ اُن کی بنائی ہوئی آریہ سماج سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ وہ تعمیری کام میں آگے سے بڑھکر اکیلے اور دوسروں کے ساتھ مل کر برابر اپنا فرض ادا کرتی رہے گی۔ اور وہ اس طرز عمل کو جس سے دوسرے مذاہب کے

ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اس طرح سے بدل دیگی۔ جس سے مذاہب میں مخالفت کم اور تعاون زیادہ ہو جائے۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں کہتا۔ کہ آریہ مذہب کے اشاعتی کام کو بند یا کم کر دیا جائے۔ اس لئے کہ میں سیتی ہو کر سیتی مذہب کی اشاعت کو کم کرنا کبھی منظور نہیں کر سکتا۔ لیکن اس اشاعت کے طرز اور طور میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور سب مذہبی سوسائٹیوں کا فرض ہے کہ فی زمانہ اپنے طرز کام کو بدل ڈالیں۔ اور ایک نئے زمانے کا آغاز کریں۔ جس میں محبت اور ہمدردی اور اشتراک زیادہ ہو۔ اور مخاصمت اور فساد اور نا اتفاقی کم۔ تاکہ ہمارے نوجوان مذہب کی شرن سے علیحدہ ہو کر بدیشی مادیت کو ہندوستان کا خدا نہ بنا لیں ؛

بال و دھواؤں کے لئے وروں کی ضرورت ہے

آریہ سماج کے ودھوا آشرم بیرون پنجاب کی چھوٹی عمر کی بدھواد اور نوجوان بیواؤں کی شادی کیلئے ذات پات کے بندھن سے آزاد وروں کی ضرورت ہے۔ آجتک آریہ سماج کے ودھوا آشرم کی معرفت سینکڑوں دیواہ بیواؤں کے پنجاب میں ہو چکے ہیں۔ ور کو شادی کا سارٹیفکیٹ بھی ملتا ہے خواہشمند ان شادی معہ حالات تحریر ہاری لال شرما مالک دفتر ہندو شادی خانہ آبادی نزد رام گلی لاہور سے خط و کتابت کریں ؛

پردہ کی رسم

(از شریمان لالہ دیوراج جی پریزیڈنٹ کنیا مہا ودیالیہ جالندھر شہر)

راجہ رام چندر جی نے لنکا فتح کر لی۔ راون مارا گیا۔ تو بھبیشن نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ مہاراج جس مقصد اعلیٰ کے لئے آپ نے یہ ساری سعی بلیغ فرمائی ہے۔ اب اُسے صورت تکمیل دیجئے۔ یعنی مہارانی سیتا سے آپ ملئے۔ چنانچہ راجہ رام چندر جی نے حکم صادر فرمایا۔ کہ مہارانی صاحبہ کو اشوک باٹکا سے لانے کا انتظام کیا جاوے۔ یہ سنکر بھبیشن وغیرہ عوام کو ادھر اُدھر سے ہٹانے میں مصروف ہو گئے۔ یعنی پردہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس پر جو راجہ رام چندر جی نے فرمایا۔ وہ بالمیکی رامائن میں درج ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ "نہ تو گھر کی چاردیواری میں بند رہنا۔ نہ برقعہ پہننا۔ نہ قناتیں اور نہ ہی کوئی قانون عورت کا پردہ ہے بلکہ استری کا پردہ اُس کا اپنا نیک شعار ہے" اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ زمانہ سلف میں پردہ کی موجودہ صورت کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

اور اگر ہوگا۔ تو لنکا وغیرہ راکشسوں کے دیش میں ہوگا۔

جس طرح سے شنکر سوامی نے اپنی پرشنوتری میں اس سوال کے جواب میں سب سے بڑا تیرتھ کون ہے؟ یہی جواب دیا ہے۔ کہ "صفائی قلب" اسی طرح سے عورت کا اصلی اور پکا پردہ اس کا اپنا نیک دل ہی ہے۔ چنانچہ ویدک اور اپنشدوں کے زمانہ میں کسی قسم کا پردہ ہمارے دیش میں نہ تھا۔ یہ ایک نئی بدعت ہمارے ملک میں باہر سے آئی ہے۔ اور ہم نے غیروں سے نقل کی ہے۔ آج بھی بمبئی۔ مدراس۔ دکن میں پردہ کی رسم بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حصہ جات ملک اس بدعت کے اثرات سے محفوظ رہے ہیں ؛

اب یہ ایک نیک فال ہے۔ کہ ہندو سوسائٹی میں سے بہت سرعت سے یہ بدعت معدوم ہو رہی ہے۔ اور نہایت خوشی کی بات ہے۔ کہ صدیوں کی نیند کے بعد اسلامی سوسائٹی نے اس کے برخلاف جہاد شروع کر دیا ہے ؛

یہاں پنجاب میں بھی جو کہ اس بیرونی اثرات سے کسی حد تک اثر پذیر ہو چکا ہے اس کے خلاف عرصہ سے جنگ جاری ہے۔ [illegible] اس جنگ میں کنیا مہا ودیالیہ جالندھر [illegible] چالیس سال کے عرصہ میں بہت نمایاں [illegible] ہے۔ اور بہت حد تک اُس کو خاصی کا[میابی] حاصل ہوئی ہے۔ اور کنیا مہا ودیالہ کی [illegible] آج ہر جگہ ملک کی مجلسی زندگی میں بھی حصہ [لے] رہی ہیں ؛

آج ہم اپنے ملک کی [illegible]

ہرکس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

بیشتر اس کے کہ ہم غیروں کے برخلاف احتجاج بلند کریں۔ ہمیں اس مذموم اور [illegible] رسم کے برخلاف آواز اٹھانی چاہئے۔ جس [illegible] سے ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں نیز [illegible] گمنامی کی زندگیاں بسر کرنے پر مجبور ہو[ئیں] زندگی کے ہر شعبہ میں فرقہ نسواں کی تر[قی] سے اولوالعزمی اور حوصلہ اور استقلال میں اضافہ ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر عو[رتوں] کو جسمانی اخلاقی اور ذہنی و مجلسی پہلوؤں [سے] آزاد کر دیا جائے۔ تو ملک کی جملہ مصائب [illegible]

آریہ جاتی کا ہر سو بول بالا کر دیا

(از لالہ رام رکھا مل جی برق سبا لکوٹی)

قابل صد رحم حالت ہو رہی تھی قوم کی　　ہر طرف چھائی ہوئی تھی ہر طرف افسردگی
آریہ جاتی نظر آتی تھی گھبرائی ہوئی　　ڈھونڈھنے پر بھی نہ ملتا تھا نشانِ زندگی

...واقف نہ تھے اپنے جوان و پیر حیف!
مائلِ اتحاد تھے سب صاحب تدبیر حیف!

تنگ تھے جینے سے ہندو بے بس و ناچار تھے　　ہو گئے دشمن بظاہر جو کبھی غم خوار تھے
آریہ جاتی کے مٹ جانے کے سب آثار تھے　　درپئے آزار ہر دم دشمن و اغیار تھے

زندگی سے ہو چکے مایوس تھے پیر و جواں
اٹھ رہی تھیں ہر طرف لامذہبی کی آندھیاں

معبدوں میں کوئی کہتا تھا وہ ہے جلوہ نما　　پتھروں کو سمجھے بیٹھے تھا کوئی پرماتما
طور پر تھا جلوہ گستر کوئی اسکو مانتا　　کوئی کعبہ میں تو کوئی دیر میں تھا ڈھونڈھتا

کوئی کہتا تھا کہ وہ ہے ساکن عرش بریں
کوئی کہتا تھا کہیں اور کوئی کہتا تھا کہیں

افتراق باہمی میں انکو حاصل تھا سرور　　وقت یہ تھا ہو رہا تھا بھائی سے بھائی نفور
ہو چکے تھے ہندوالے مائلِ فسق و فجور　　آ گیا تھا انکی عقل و فہم میں بالکل فتور

کوئی شیدائے بتاں اور کوئی بادہ نوش تھا
اپنی اپنی دھن میں ہر اک مست تھا مدہوش تھا

جوش میں آتی نہ کیوں پھر رحمتِ پروردگار　　رو رہی تھی آہ اک خلق خدا زار و نزار
آ گئے سوامی دیانند مٹ گیا سب اضطرار　　آ گیا کفر و ضلالت کی گھٹائیں انتشار

مشعلِ وید مقدس سے اجالا کر دیا!
آریہ جاتی کا ہر سو بول بالا کر دیا!

تن من کی بھینٹ

(از پروفیسر رام سروپ جی کوشل بی اے۔ ایم آر۔ اے۔ ایس)

سوامی دیانند گورو ورجانند کی خدمت میں قریباً اڑھائی برس رہے۔ گورو جی جو کچھ خود جانتے تھے سب اپنے ہونہار چیلے کو سکھا بتا دیا۔ کوئی بات اُن سے چھپا نہ رکھی۔ آخر زمانہ طالب علمی ختم ہوا اور گورو دکشنا دینے کا وقت آن پہنچا۔ پچھلے زمانہ میں یہ ایک دستور تھا۔ کہ جب طالب علم تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد گوروکل سے نکلتا۔ وہ اپنے اُستاد سے کہتا کہ مجھے کوئی خدمت بتلائیے۔ جو کام یا خدمت گورو بتاتا۔ اُس کے پورا کرنے میں شاگرد کو اپنی جان تک بھی قربان کرنی پڑتی تو اس سے بھی اس کو ہرگز دریغ نہ ہوتا تھا۔ اس کو "گورو دکشنا" یا "حق شاگردی" کہتے ہیں*

اُن دنوں آج کل کی طرح کے سکول یا کالج نہ تھے۔ جن میں فیس دینی پڑتی ہو۔ جو طالب علم اور کچھ نہ دے سکتا۔ اختتام تعلیم کے وقت وہ بڑے ادب اور عقیدت سے لونگوں کی ایک مٹھی گورو کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ چنانچہ سوامی دیانند بھی کہیں سے ایک مٹھی لونگ مانگ لائے۔ اور کمال ادب سے یہ ناچیز تحفہ گورو کی خدمت میں پیش کیا

اُستاد کا دل ہونہار۔ سعادت مند۔ فرماں بردار اور پیارے شاگرد کی جُدائی سے بھر آیا۔ فرمایا "بیٹا پر ماتما سے میری پرارتھنا ہے۔ کہ وہ تمہارا بھلا کریں۔ تمہاری عمر۔ علم۔ اور عقل میں برکت دیں۔ تمہارا نام امر ہو تمہارا یش دیش بدیش میں پھیلے۔ مگر دیانند! میں تم سے لونگوں کی گورو دکشنا نہیں قبول کر سکتا"۔

سوامی دیانند نے کہا "مہاراج! میں بسر و چشم آپ کی ہر ممکن خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ لیکن میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ جو میں آپ کی نذر کر سکوں"۔

گورو جی بولے "میں وہی چیز چاہتا ہوں جو تمہارے پاس ہے۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں چاہتا"۔

سوامی دیانند "گورو دیو! میرے پاس تو آپ کے سوا کچھ نہیں ہے"

گورو جی۔ "تو پھر اپنا آپ ہی گورو دکشنا میں پیش کر دو۔ میں نے جو علم تمہیں پڑھایا ہے۔ اس کو سپھل کرو۔ دُنیا ویدوں کی تعلیم کو بھول بیٹھی ہے۔ تم پھر ان میں ویدوں کا۔ جو تمام ایشوریہ گیان کا بھنڈار ہیں۔ از سر نو پرچار کرو۔ آریہ قوم ایشور کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتی ہے۔ اس کو سچا راستہ دکھاؤ۔ سارے ہندوستان میں جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی ہے اُس کو دور کر کے گیان کا نور پھیلاؤ۔ بُرے رسم و رواج ہٹاؤ برہم چریہ کو پھر سے فروغ دو۔ آج کل نت نئے مت نکل رہے ہیں۔ تم ویدک دھرم کا ڈنکا بجاؤ۔ آریہ قوم کی حالت اس وقت بگڑی ہوئی ہے۔ اس کی ڈوبتی نیا کو پار لگاؤ۔ بیٹا خود دکھ اُٹھاؤ۔ مگر دُنیا کو سکھ دو۔ اپنوں۔ بیگانوں کی محبت دل سے نکال دو۔ ساری قوم کی محبت کو دل میں جگہ دو*

گھر کو خیرباد کہو۔ کھلے میدان۔ جنگل اور پہاڑوں کی چوٹیاں تمہارے گھر ہیں۔ اور نیلا آسمان تمہارا شامیانہ۔ زمین کو پلنگ بناؤ۔ اور پتھروں کو تکیہ سمجھو*

پیارے دیانند! مجھے یہی گورو دکشنا چاہئے نہ مجھے زر و مال درکار ہے۔ اور نہ دُنیاوی مال و دولت کی ضرورت ہے۔ میں تم سے انکشاف ہوں ویدک دھرم کا اُدھار اور آریہ جاتی کا سُدھار*

ایک تو کریلا کڑوا۔ دوسرے نیم چڑھا۔ سوامی دیانند جی میں قربانی کا مادہ پہلے ہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ گورو ورجانند جی کی صحبت اور تعلیم و تلقین نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا جس کام کے لئے سوامی جی بچپن ہی سے تیاری کر رہے تھے۔ وہی کام آپ سے کہا گیا۔ ایشور بڑا بے نیاز ہے۔ وہ جس سے جیسا کام لینا چاہتا ہے۔ اس کے گرد و پیش ویسے ہی حالات پیدا کر دیتا ہے۔ سوامی جی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی "میرے قابل احترام اُستاد! آپ کا ناچیز شاگرد اپنے تن من کی دکشنا کمال ادب اور عقیدت کے ساتھ آپ کے چرنوں میں پیش کرتا ہے*

مہربانی فرما کر اسے قبول کیجئے۔ اور دُعا دیجئے۔ کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں آپ نے جو علم مجھے پڑھایا ہے۔ اُسے سپھل کر سکوں"*

گورو کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ دونوں ہاتھ اُٹھا کر صدق دلی سے دعائے خیر دی:-

"بیٹا! پرماتما تمہاری مدد کریں گے۔ تم ضرور کامیاب ہو گے"

سوامی دیانند کے سچے گورو۔ آریہ جاتی کے بے غرض محسن سوامی ورجانند جی کی دعا خالی نہیں گئی +

بھارت کے نوجوانوں سے پُر درد اپیل

(از مہاشہ انوپ چند جی آفتاب۔ پانی پت)

سُنو مادرِ ہند کے نونہالو ۔ صداقت پہ گردن کٹا لینے والو!
خوابِ غفلت مٹالو مٹالو ۔ کمربستہ ہو جاؤ ہمت بڑھالو
تمہیں اب رِشی رن چکانا پڑیگا
[illegible] کا مقدر جگانا پڑے گا

ترقی کا بھارت کی نغمہ سنا دو ۔ محبت کی گنگا دلوں میں بہا دو
جو خفتہ ہیں مدت سے اُن کو جگا دو ۔ صداقت کا ویدوں کی ڈنکا بجا دو
کرو جلد سیراب اُجڑے چمن کو
لگیں چار چاند اس تمہارے وطن کو

اگر شرم ہے انڈیا کے دُلارو ۔ فنا کر دو ظلمت تجلّی سے پیارو
کرو جان قربان ہمت نہ ہارو ۔ نہ دل سے جاں پیارے بھارت پہ وارو
صداقت کا ہاتھوں میں خنجر اُٹھا کر
ذرا ہاتھ دکھلاؤ میداں میں آ کر

پڑے ہیں کہیں دین کی جلاح لالے ۔ کہیں دل ہلاتے ہیں بیوہ کے نالے
ہوئے ہیں کہیں یتیماں بھولے بھالے ۔ کہ دُنیا سے مٹنے کو ہیں ہندوالے
چلا ہے کسی کے کلیجہ پہ نشتر
دھواں آہ! کا ہے کسی کے لبوں پر

بھروسہ زمیں کا نہ چرخِ کہن کا ۔ توکل ہے پرماتما پر وطن کا
نظارہ ہے گلزارِ کشور میں بن کا ۔ ہوا خار ہر پھول اپنے چمن کا
نہ چھوڑو مگر حوصلہ شیر مردو
اٹھو بیڑا منجدھار سے پار کر دو

شکایت کا کرنا نہیں یاد تم کو ۔ نہیں عادتِ شور و فریاد تم کو
ستم گر کرے لاکھ برباد تم کو ۔ کرے شوق سے چرخ ناشاد تم کو
ذرا کان پر جوں نہ رینگے تمہارے
چلیں گردنوں پہ جو خنجر دو دھارے

صدا ظلم کی آ رہی ہے جہاں سے ۔ کہ ظاہر ہیں بیداد پیر و جواں سے
ٹپکتی ہیں گر حسرتیں اب یہاں سے ۔ لپکتے ہیں شعلے ستم کے دہاں سے
مگر تم ہو اس پہ بھی محوِ قناعت
قناعت نہیں یہ ہے ضعف و کسالت

ضروری اطلاع

مشہورِ عالم "بھوت ناتھ تیل" بھینی بھینی اور پائیدار خوشبو اور بیشمار خوبیوں کی وجہ سے اسقدر مقبول ہوا ہے کہ بہت سے نقالوں نے ملتے جلتے نام اور شکل بنا کر بھولے بھالے خریداروں کو لوٹنا شروع کر دیا ہے۔

اسلئے

ہم اپنے معزز خریداروں کو مطلع کرتے ہیں۔ کہ تیل بھوت ناتھ خریدتے وقت

ہمارا نام۔ پتہ۔ ٹریڈ مارک اور ہماری تصویر

دیکھ لیا کریں۔ کیونکہ چالاک دکان دار زیادہ نفع کے لالچ سے اصلی کی جگہ نقلی مال دیکر بھولے بھالے گراہکوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اُن سے خبردار رہ کر اصلی "بھوت ناتھ" خریدنے کے لئے ضد کیجئے۔ اگر آپ کا قریبی دکاندار آپکو اصلی "بھوت ناتھ" مہیا نہ کر سکے

تو براہِ راست کارخانہ سے منگوائیں!

دام ایک شیشی ۱۲؍ محصولڈاک ۷؍ ۔ تین شیشی عہ؍ محصول ڈاک ۱۱؍

کشوری لعل چودھری 151 مچھوا بازار سٹریٹ۔ کلکتہ

سول ایجنٹس:۔ سیکری اینڈ کو پوسٹ 2287 کلکتہ

آریہ راجیہ شاہ پور سٹیٹ کا اتہاس

(از پنڈت بھگوان سوروپ جی نیائے بھوشن کاویہ تیرتھ)

شاہ پور ریاست کے سنستھاپک مہاراج [illegible] راناسری امر سنگھ جی اول کے [illegible] جی سورج مل جی کے بڑے پتر [illegible] شکل [illegible] [illegible] سلطنت سے لیا۔ اور مغل خاندان [illegible] غضب میواڑ پر ہمیشہ رہتی تھی۔ تاہم اس [illegible]ت کے حکمرانوں نے ہمیشہ اپنی پالیسی [illegible] رکھی کہ میواڑ پر کوئی مصیبت نہ آنے پائے کے مطابق مہاراجہ سجان سنگھ جی کے پوتے دولت سنگھ جی اور [illegible] راجہ دولت سنگھ جی جب حکمران ہوئے۔ تو [illegible] زیب نے میواڑ پر چڑھائی کی۔ جس کا سخت خطرہ نظر آتا تھا۔ لیکن مہاراجہ دولت سنگھ نے بیچ بچاؤ کر کے مہارانا کے وقار کو محفوظ رکھ کر صلح کرا دی۔

ان کے بعد راجہ بھارت سنگھ نے تخت و تاج سنبھالا ان کے عہد میں ہی شاہ پور کے حکمران کو شہنشاہ کی طرف سے اپنی ریاست میں تمام شاہی اختیارات ملے۔ چنانچہ ریاست میں اپنی ٹکسال بھی قائم ہوئی۔ ایک لڑائی میں فتح دلا دی جس سے مہارانا کی سہاستا کرنے سے مہارانا سنگرام سنگھ نے پرسن ہو کر انہیں اودے پور بلایا۔ ایک خود مختار راجہ کی طرح ان سے مل کر پچاس ہزار سالانہ آپ کا بھوگ بھاگ [illegible] سہاستا کے عوض دیا۔

راجہ بھارت سنگھ جی کے سورگ باش ہونے پر ان کے بڑے پتر سری امید سنگھ جی راجہ ہوئے یہ بڑے دلاور تھے۔ کئی لڑائیاں لڑیں اور فتح یاب ہوتے رہے۔ مصیبت زدوں کی مدد کرنا اپنا فرض اول سمجھتے۔ ان کے عہد میں اودے پور پر کئی بار مرہٹوں کے حملے ہوئے اور مہارانا کے سہائتا مانگنے پر یہ لڑائی میں شامل ہوتے رہے۔ آج بھی میواڑ میں ان کی ویرتا کے گیت گائے جاتے ہیں۔ جنہیں وہاں کے لوگ بڑی خواہش سے سنتے ہیں۔

ان کے بعد راجا رن سنگھ جی و بھیم سنگھ جی کا بھی زیادہ تر وقت مرہٹوں سے جنگ و جدل میں ہی گزرا۔ ان کے ہی عہد میں اس ریاست کا تعلق برٹش گورنمنٹ سے ہوا۔ ان کے بعد سری امر سنگھ جی یہاں کے راجہ ہوئے جن سے مہارانا بھیم سنگھ جی نے پہلے کی دی ہوئی جاگیر پہلے تو واپس لے لی۔ لیکن بعد ازاں دوسری ایک پرگنہ کا چھولا کے ساتھ انہیں راجہ ادھیراج کا خطاب دیا۔ بعد کے دو راجاؤں مادھو سنگھ جی و جگت سنگھ جی کے عہد میں راج پربندھ سادھارن ہی رہا۔ مالی حالت بھی بگڑ گئی۔ لیکن راج ادھیراج لکشمن سنگھ جی نے جو ان کے جانشین تھے۔ اسے سنبھالنے میں بہت کوشش کی لیکن اپنے عہد میں غدر ہو جانے اور سخت قحط پڑ جانے کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہوئے۔ چونکہ ان کے بعد انکی کوئی سنتان نہ تھی۔ اس لئے راج گدی کے لئے جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور ایک دوسرے ٹھاکر کے چھ ماہ تک راج کر لینے کے بعد برٹش گورنمنٹ کے فیصلہ کے مطابق

سری راجادھیراج سر ناہر سنگھ جی

کے۔سی۔آئی۔ای کو راج ملا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ ریاست کی مالی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی آپ نے مالی حالت کا سدھار کیا۔ آب پاشی کے لئے ریاست میں سوا لاکھ روپیہ کے خرچ سے دو بڑے بڑے تالاب بنوا کر نہریں جاری کیں جس سے آمدن میں امید سے بڑھ کر ترقی ہوئی انتظام سلطنت اور انصاف کے لئے پولیس سول اور فوجداری عدالتیں قائم کیں۔ ریاست کے نابالغ جاگیرداروں کی جاگیروں کے پربندھ کے لئے کورٹ آف وارڈس COURT OF WARDS قائم کئے۔ اس وقت مندرجہ بالا محکموں کے علاوہ تعلیم۔ صحت۔ انجینئرنگ وغیرہ کے محکمے بھی ہیں۔ جو بڑی قابلیت سے کام کر رہے ہیں۔

سری راجادھیراج کی تعلیم مغربی ڈھنگ پر نہ ہوئی تھی۔ لیکن انتظام سلطنت میں انگریزی گورنمنٹ کے پربندھ سے کوئی نمونہ نہیں بلکہ انصاف کے لئے عوام کو زیادہ آسانیاں حاصل ہیں۔ تعلیم مفت ہے اور ریاست کے ہر ایک شخص کو تعلیم حاصل کرنے کا پورا ادھیکار حاصل ہے۔

سب کا مول رشی دیانند کا پرساد ہے

اس ریاست کے حکمران پہلے ولبھ سمپردائے کے انویائی تھے۔ لیکن سر ناہر سنگھ جی کے منطقی دماغ کی تسلی اس سمپردائے کی تعلیمات کبھی بھی نہ کر سکیں۔ اور مہاراج پوراؤں سے منہ موڑ

ستیہ کے تلاشی ہو رہے تھے۔ جبکہ اچانک چتوڑ گڑھ پر رشی دیانند کے اُنہیں درشن ہوئے پس وہی دن ان کے جیون نہار کو پلٹنے والا ثابت ہوا۔ جب رشی دیانند کا آنا یہاں شاہ پورہ میں ہوا۔ اور دو ماہ تک آپ یہاں رہے۔ تب تو مہاراج کے وہ چیلے بڑے اور ستھر ہو گئے۔ اسی وقت سوامی جی مہاراج نے یہاں ایک یگیہ شالہ ستھاپت کرائی۔ جو اب تک موجود ہے۔ اور جس میں اُس سمے سے اکھنڈ اگنی موجود ہے۔ راجادھیراج کی دنیا چریہ پروگرام بھی جو اُس سمے سوامی جی نے بتائی تھی وہی اب تک زیر عمل ہے۔ جن لوگوں نے شتابدی کے موقع پر متھرا میں آپ کے درشن کئے وہ جانتے ہیں کہ سادگی کی آپ مجسم مورتی ہیں۔

راجادھیراج کے سماجک کام

راجادھیراج کے تمام سماجک کاموں کا ایک مختصر مضمون میں درشن کرنا مشکل ہے۔ اِس کے لئے تو ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ یہاں صرف موٹی موٹی باتوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جس وقت اُن سے پورمیں پراپکارنی سبھا ستھاپت ہوئی۔ اُس کے تھوڑے سے ہی عرصہ بعد سبھا کا ایک ادھیویشن ہوا۔ جس میں کام چلانے کے لئے کچھ چندہ ہوا۔ مہارانا سجن سنگھ جی نے دس ہزار روپیہ اس میں دیا۔ اور راجادھیراج نے اپنا ایک باغ جو اجمیر میں پرسدھ تالاب اننت ساگر کے کنارے ہے اب سوامی جی کے باغ کے نام سے مشہور ہے آشرم کے لئے بھینٹ کیا۔ جس کی قیمت اُس وقت پندرہ ہزار روپیہ خیال کی گئی تھی۔ اتفاق سے اُسی باغ میں سوامی جی کی انتیشٹی کریا ہوئی۔ اور اس سمے اُس میں سادھو آشرم ہے جب ستیارتھ پرکاش تیار ہوا اور راجہ جے کشن داس نے سوامی جی کے آدیش انوسار کچھ کاپیاں اس کی مہارانا سجن سنگھ کے بھینٹ کیں۔ مہارانا نے اُن میں سے ایک کاپی راجادھیراج کے پاس بھیجی۔ جو ابھی تک راج پستکالیہ میں سورکھشت ہے۔ جس پر مہارانا کے دستخط پاتر کویراج ساول داس جی کی یہ کویتا لکھی ہوئی ہے:

شری ستیارتھ پرکاش کی پُستک پرم پوتر
دیانند پرکاش کری نرپ سجن ہت اتر
نرپ سجن ہت اتر دیا آشے دستارک
اتی مدت اودوکی یہ گیہ دھنکی دھارک
شاہ پورا دھپ سمست نام ناہر اسی شا
تاکو سجن دیو گرنتھ ستیارتھ پرکاشا

راجادھیراج کو اپنے راج کماروں کو اعلیٰ اور ویدک تعلیم دینے والا بنانے کی جتنا ہوئی تو آپ نے برہمچاری نتیانند جی اور سوامی وشویشورانند جی کو منتری کر ان کے ہاتھوں کماروں کا اُپنین اور ویدارمبھ سنسکار کرایا۔ اور اُن کی شکشا کے لئے اُن سے پرنارتھ پرکاش نام کی پستک بنوا کر شائع کرائی۔ جس میں سنکھیپ سے قریباً تمام جاننے کے قابل باتوں کا سماویش ہے۔ ایشور کی کرپا سے راجادھیراج اپنے اس پریتن میں سپھل ہوئے اور دونوں ہی راج کمار شری اُمید سنگھ جی اور سردار سنگھ جی وید اور ایشور بھگت اور دھرم سیوک سدھ ہوئے ہیں۔ بڑے راج کمار شری اُمید سنگھ جی اس سمے آریہ پرتی ندھی سبھا راجستھان و مالوہ کے پردھان پد پر سشوبھت ہیں۔ اور آپ شانت سروپ سے کام کر رہے ہیں۔ آپ کی سورگ باشی پتنی شریمتی سوریہ کماری جی ہندی کی ودوشی تھیں۔ انہوں نے بستر مرگ پر ہندی کے لئے کچھ دان کی اچھا پرگٹ کی تھی۔ جس کے مطابق کاشی ناگری پرچارنی سبھا کے پربندھ سے سوریہ کماری پستک مالا نکلوائی جاتی ہے۔ اور گورو کل وشو ودیالیہ کانگڑی میں انہی کے نام پر سوریہ کماری ہندی چیئر (گدی) ستھاپت ہے۔ آپ کی ورتمان دھرم پتنی شریمتی لاڈ کماری جی کے نام پر کنیا گورو کل ڈیرہ دون میں لاڈ کماری گرہ پربندھ بھاگ کھلا ہوا ہے۔ اس ورش گورو کل کانگڑی کے نئے بھون کی آدھار شلا رکھنے کے لئے پنجاب آریہ پرتی ندھی سبھا نے راجادھیراج کو آگرہ پوروک نمنترن دیا۔ آپ نے وہاں پدھار کر آدھار شلا رکھی اور پندرہ ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک یگیہ شالہ وہاں بننے کی سویکرتی پردان کی۔ راجیہ میں کوئی آشرم یا پرستاؤ کا سمے آتا ہے۔ تو آریہ سماج کا ہمیشہ دھیان رہتا ہے۔ اور سمے سمے پر سہائتا دی جاتی ہے۔

آل انڈیا راجپوت مہاسبھا میں بچھڑے ہوئے راجپوت بھائیوں کو ملانے کا پرستاؤ برسوں سے لٹک رہا تھا۔ آخر آپ نے اپنے سبھاپتی تو ہی متھرا میں ہونے والے ادھیویشن میں اس پرستاؤ کو نہ صرف پاس کرا کے شدھی کا مارگ کھول دیا۔ بلکہ راجپوت بھارتی سمیلن کی آیوجنا کر اس میں پریتی بھوج کا پربندھ کرایا اور دوسرے کئی زمینوں کو لے کر خود بھی بچھڑے ہوئے بھائیوں اور سادھارن جنتا کے ساتھ بیٹھ کر بھوجن کر کے کریاتمک اداہرن سب کے سامنے رکھ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ شدھی آندولن کو زبردست ہاتھوں آپ نے آگے کی طرف دھکیل دیا۔ برخلاف گورو کل کے مہوتسو پر ہونے والے شدھی سمیلن پر ایک سے اوھک بار آپ کی طرف سے پریتی بھوج کا پربندھ ہوا۔ جس میں بڑے بڑے لوگ شامل ہوئے۔

دونوں راج کماروں کے یگیہ ہو جانے

پرآپ کی پرنتوں کو دیکھ کر بنانے کی اچھا ہوئی - انکی شکتی کے سمبندھ میں وچار ہونے لگا یہ آپ کا درڑھ سنکلپ تھا کہ کسی یوگیہ دھارمک وِدوان کے ہاتھ کام دیا جائے - تدانوسار آریہ جگت کے پرمدھ وِدوان دارشنک پرنسر سدھاکر جی ایم اے کو اس کاریہ کے یوگیہ سمجھ کر نیکت کیا - اور اب ان کی شکشا رہن سہن آدی کو دیکھتے ہوئے نشچے ہے کہ یہ بھی درڑھ دھارمک ہوں گے - اور وقت پر ویدک دھرم کے ستمبھ ہو سکیں گے ... چھوٹی ... [illegible] ... ریاست ... [illegible] ... اسی طرح سمست راج ونش درڑھ ویدک دھرمی ہے اور راجادھیراج ... پتر پوتر اور پربھو کے درمیان راج رشی کے سمان دکھائی دیتے ہیں - ایشور کرپا ہے - کہ جہاں انیک ریاستوں کے ادھیپتی ہمیشہ پتر سکھ سے محروم رہتے ہیں - مہاراج راجادھیراج کی راج پریوار روپی پھلواڑی اپنے پھولوں اور پھلوں سے سشوبھا یمان ہو رہی ہے

یہ دھرم سیوکا پرنام धर्मो रक्षति रक्षितः ایشور راج رشی راجادھیراج کی چرآیو کرے اور راج ونش ایسا ہی بردھی گت ہوتا رہے

راج شکتی اور دھرم پرچار

(از ٹھاکر سنجیت سنگھ راٹھور بی اے ایم ایل فلسفی)

میرا وچار ہے - کہ اس مضمون میں جو رشی انک کے لیے مجھے لکھنے کے لیے کہا گیا ہے اس درشٹی پر کچھ وچار پرگٹ کیے جائیں کہ دھرم پرچار میں کن کن سادھنوں کی سہائتا آدشیک ہے - اور اگر ہم چاہیں کہ آریہ سماج اپنے کام میں پوری کامیابی حاصل کرے - تو ہمیں کس طرح اس آندولن کی جڑوں کو مضبوط کرنا چاہیے - اگر ہم سنسار کے مشہور دھرموں اور وچار پرواہوں کی پیدائش اور ترقی کے اتہاس کا دھیان سے مطالعہ کریں - تو ہم کو یہ پتہ چلیگا کہ دھارمک وچار پرواہ کی کامیابی کے لیے اور اس لیے کہ یہ دھارمک وچار پرواہ دلوں میں سمان روپ دھارن کرکے دھارمک رنگ دے - تین باتوں کی بڑی بھاری آدشیکتا ہے -

(۱) یہ کہ جن سدھانتوں کا پرچار کیا جائے - وہ سرل - سوبھاوک اور اچھے کوٹی کے ہوں - ان کی بھیتا اور سانتا میں تک وادی وچارک سندیہ نہ کر سکیں - ان کے ابیوگ میں سکتا ہو - اور ان کے کریاتمک روپ میں لانے میں اسادھارن مشکلات نہ ہوں -

(۲) جو ویکتی اس دھرم یا وچار کے پرچارک ہوں - ان کا ذاتی عمل اور دھارمک جیون اس قسم کا ہو کہ ان کی بات بات سے اور ان کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام سے یہ ظاہر ہو کہ وہ ان سدھانتوں پر اٹل اور اچل شردھا - پریم اور وشواس رکھتے ہیں - انہیں کے لیے جیتے ہیں - اور انہیں کے لیے پران نیوچھاور کرنے کو تیار ہیں - ایسے سمرتھک اور پرچارک جس دھرم یا وچار پرواہ کو مل جاتے ہیں - اس کے پرچار میں نہایت آسانی ہوتی ہے - کیونکہ سرو سادھارن کے لیے ان پرچارکوں کا جیون مثال ہو جاتا ہے -

(۳) تیسری آدشیکتا راج شکتی سہائتا اور بل اور ایشور کی اپیتھی ہے - اتہاس جس دھرم یا وچار پرواہ کی سمرتھک راج شکتی ہو اور وہ لوگ ہوں - جو غیر معمولی طور پر معقول اور بارسوخ ہوں - اس دھرم کی جڑیں اسی سنسار میں مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہیں -

میرا یہ خیال ہے - کہ جہاں تک پہلی دو باتوں کا تعلق ہے ارتھات دھارمک سدھانتوں کا آدرش ہونا اور دھارمک کاریہ کرتاؤں کا کریاتمک جیون - ان سے کسی کا اختلاف نہیں ہو سکتا - البتہ یہ ممکن ہے - کہ کئی وچارک تیسری بات سے متفق نہ ہوں - جیسے میں نے آدشیک لکھا ہے - راج شکتی کی سہائتا دھرم پرچار اور وستار کے لیے اُپیوگی اور آدشیک ہی نہیں - بلکہ انواریہ ہے - سنسار کے مختلف متوں اور دھرموں کے اتہاس پڑھنے اور جاننے والے لوگ مجھے وشواس ہے میرے ساتھ متفق ہوں گے - کہ کسی دھرم کے سنسار میں فتح یاب ہونے کے لیے تیسری شرط نہایت ضروری ہے - میرا تو وچار ہے - کہ سنسار میں ایسی گھٹناؤں کو بھی دیکھنے کا موقعہ ملا ہے جس سے یہ صریح ثبوت ملتا ہے - کہ راج شکتی کے سہارے کئی ایسے مت اور سمودائے

انہی کو پراپت ہوئے ہیں، جن میں پہلے یا دوسرے سادھنوں کی عدم موجودگی تھی مثال کے طور پر اگر تاریخ کی اوراق گردانی کی جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ گذشتہ تین صدیوں کے اندر جتنے عیسائی بھارت ورش میں ہوئے۔ ان میں سے ۹۰ فیصدی جبر سے عیسائی کئے گئے۔ یہی حال اسلام کے پرچار کا ہے یہ مثالیں سیاسی طاقت کے ناواجب استعمال کی ہیں۔ اگر راج بل کے واجب استعمال کی مثال درکار ہو تو بدھ دھرم کے پرچار کا منور تخیل اور سبق آموز بیان دیکھئے۔ اگر بدھ دھرم کی اُنتی اور وکاش کے شاندار بیان کا ادلوکن کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ مہاتما بدھ کے بعد اس دھرم کے وستار کا دھارمک سمراٹ اشوک اور سمراٹ ہرش ہوئے۔ اور انہوں نے اور ان کے نزدیکی سمبندھیوں نے ستری بن کر بدھ دھرم کے پرکاش کو کیول بھارت ورش ہی میں نہیں بلکہ لنکا۔ سیام۔ برہما چین۔ جاوا اور جاپان آدی میں پھیلایا۔ راج ونش کے بادشاہ خود پرچارک اور بھکشو بنے۔ اور ان کے پرچار کار یہ میں شاہی خزانہ نے مدد کی۔ سکھ سمپردائے کے گوروؤں نے راج شکتی کی اپیوگیتا کا پورا پورا انوبھو کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دھرم کو راج نیتی کے رنگ میں بہت اچھی طرح رنگ دیا۔ موجودہ صورت میں آریہ سماج کی سبھا تیجی ہوئے

پچاس سال سے اوپر ہو گئے۔ اس کا ساہتیہ پراچین اور ارواچین اپنے ڈھنگ کا نرالا ہے۔ اس میں وہ پربل ودیت موجود ہے۔ جو بد دولت اور مردہ لوگوں اور اقوام میں سنجیون شکتی پردان کرتی ہے۔ اور انہیں بام اوج کی طرف لے جاتی ہے۔ اس اندولن نے دو چار نہیں ایک بڑی تعداد ایسے یوگیہ رتنوں کی پیدا کی ہے جنہوں نے سدھانتوں کے پرچار اور رکشا کی ویدی پر اپنے آپ کو نوچھاور کر دیا ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ویدک ساہتیہ اچھیہ کوٹی کا ہے۔ اس کے سدھانت سو بھاوک سرل اور سار ووبھومک ہیں۔

ان لکھشنوں کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس اندولن میں اُنتی اور دیاپکتا کے چیزیں دلکش کامل طور پر موجود ہیں۔ پرنتو تیسرے لکشن راج بل کا ابھاو ہے عیسائی دھرم۔ اسلام اور بدھ دھرم سنسار کی شکتی اور راج بل میں پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن ویدک دھرم میں یہ شکتی بمنزلہ صفر ہے۔ اگر یہ اس اندولن میں بھی ہوتی۔ ہے۔ تو اس کا کارن پہلے دو لکشنوں کی افراط ہی ہے۔ اگر تیسری شکتی کا سمادیش بھی اس میں ہو جائے۔ تو نشچے یہ سارو بھومک دیاپکتا اور کامیابی پراپت کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ آوشیک ہے۔ کہ ویدک دھرم اولمبی راج بل ابھیات راج نیتک سوتنترتا کی پراپتی کے لئے

پورن پریتن کریں۔ اور سنسار کی تکلی جس پر کار چل رہی ہے۔ اس سے ودت ہوتا ہے۔ کہ ہمارا مہان سدھانت اور اچیہ ساہتیہ لگ بھگ دو تین صدیوں کے بعد اس پرکار لندن نیو یارک اور برلن کے پستکالیوں میں شو بھا بڑھانے لگ جائیں گے۔ آج کل یونان۔ مصر اور روم کے سدھانتوں اور ساہتیہ کی حالت ہے۔ اس لئے ویدک سدھانت۔ ساہتیہ اور سبھیتا کے پریمیوں کا یہ دھارمک کرتویہ ہے۔ کہ بھارت ماتا کی سوتنترتا کے اندولن میں پوری سہایتا کریں اور سہانو بھوتی کے ساتھ یوگ دیں۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ تو ہماری حالت وہی ہو جائے گی۔ جو آج کل یہودیوں کی ہے۔ وہ دھنی ہیں۔ دھارمک ہیں۔ لیکن روئے زمین پر ان کا کوئی گھر نہیں۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۵۱)

رہی ہیں۔ خاموش طور پر سرونٹس آف انڈیا نے بھی اچھوتوں کی دُردشا کو دور کرنے کا کام اپنے کندھوں پر لیا ہوا ہے۔ ہیں سَے سوسائٹیوں کا جو کام آرمبھ کیا ہوا ہے۔ اچھوتوں کی ایک بڑی تعداد کو لابھ پہنچ رہا ہے طرح بمبئی کی سوشیل سروس لیگ اچھوتوں کے لئے بہت اچھا کام کر رہی ہے۔ وہ ان جاتیوں اور سر رہی ہے۔ کہ وہ دولت کما ہو کر سب اونچی اور نیچی جاتیوں کے پر کھڑے ہو سکیں۔ یتھا دیش کی پونجی میں [illegible] [illegible] میں پونجی [illegible] کو جو استریوں میں بہت اُتم کاریہ کر رہی [illegible] دیوی شکشا بڑھ رہی ہے۔ اچھوت پن اور [illegible] سمبندھ رکھنے والی دوسری باتیں اپنی موت مر رہی ہے۔ جب استریاں اس بات کا نشچے کر لیں گی۔ کہ وہ سماجک نیائے کو لائیں۔ تو پرشوں میں خود بخود ہی پرورتی آنا آرمبھ ہو جائے گا۔ اور گھر کا دائرہ ہونے سے دھرم ہی سویم ہی سدھار ہو جائے گا

گھر کا سُدھار ہی دھرم کا سدھار ہے

از مسٹر جی کے دیودھر ایم اے سی آئی ای پردھان سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی پونہ

جاتیوں کی سمسیا اب کیول اسی حد تک جس حد تک کہ اسے دھارمک سنگٹھن جاتی کی طرف سے باندھے ہوئے اپنے اچھوتوں نے رکھی ہوئی ہے ... کا دھنیہ واد ... بھارت کی نوین ... سوسی میں سماج کی کٹھنائیوں کو چیر کر بیچ پر شک ... اور ... سدھارکوں نے ایک نیا یگ پیدا کر دیا ہے ... کوئی اچھوت دکھائی دیتا ہے۔ تو اس لئے ... کہ سماج اسے ایسا سمجھتی ہے۔ بلکہ اس لئے ... اس میں اپنی چھپی ہوئی شکتیوں کو پرگٹ کرنے ... نہیں ہے۔ اور اس کی آتمک اپ گیتا ... دائرہ میں محدود کر دی گئی ہے۔ ورنہ سماج میں ... نہیں ہے۔ کہ وہ اسے اچھوت سمجھے ... بھی تھا جب کیول اس گناہ کی خاطر کہ وہ ایک ... کل میں پیدا ہوا ہے۔ کہ جو اچھوت کہلاتا ہے ... جیون پر منت مجبوراً سا مانک طور پر تا شدہ ... پڑتا تھا۔ اب وہ سمیہ ہے۔ کہ جب سب جاتی ...

اُن کے انوکول ہیں۔ بشرطیکہ وہ اب ان سب سہولیتوں سے لابھ اٹھاتے ہوئے آتمک اُونتی کی سیڑھی پر دن بدن اوپر اٹھتی جائے جس حکومت کے آدھین ہم رہتے ہیں۔ اس نے بھی خواہ ہمیں اور کتنی ہی ترٹیاں کیوں نہ ہوں اس بات کا وچن دیا ہوا ہے۔ کہ وہ ان اونچی جاتیوں کو اپنے سے نیچی اچھوت اچھوت جاتیوں کو پاؤں تلے روندنے کی اجازت نہیں دے گی کہ جو سمجھتی ہیں۔ کہ انہیں پرماتما نے بڑا بنا کر اپنے ان بھائیوں کے ساتھ اس پرکار کا ووہار کرنے کا ادھیکار دیا ہوا ہے۔ ایشور یا فرشتہ کا بنایا ہوا ایسا کوئی بھی نیم نہیں۔ کہ جو منش کی عظمت کو کچلنے اور نظر انداز کرنے کی کھلی اجازت دیتا ہو۔

اچھوت کون ہیں؟

اچھوت جاتیاں ہندو آبادی کا پانچواں حصہ ہیں۔ اور ان میں سب پرکار کے لوگ شامل ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ ناپسندیدہ کام کرنے کی وجہ سے چھو جانا ہی منش کو اپوتر بنا دیتا ہے۔ اور دوسرے جو مردار خوری کی وجہ سے اچھوت سمجھے جاتے ہیں یہ اچھوت کی تعریف ایک ایسی تعریف ہے۔ کہ جو جنگلی جاتیوں جرائم پیشہ جاتیوں اور تعلیمی طور پر پسماندہ جاتیوں پر بھی صادق آتی ہے۔ اچھوت پن کی اس سمسیا کا جو اوستھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس کا اثر منش مات کے ایک بڑے حصہ پر ہے۔ اور اس کا چکر عجیب ہی طریقے سے چل رہا ہے۔ وید و چ کہلانے والے جو لوگ دھرم کی چابی اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں۔ وہ نیچے ہی بنائے ہوئے اونچے مینار پر اپنی بڑائی کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ وہ کیول ان ودیشی جاتیوں کو ہی اپنے ساتھ رہنے دیتی ہیں۔ کہ جو دھارمک وچار سے ان کے لئے کتنی ہی جاتی اعتقاد رکھتی ہیں۔ سامانک اسمانتا کے اس ایورسٹ پربت کے نیچے بھن بھن درجوں اور رواجوں کے اچھوت بستے ہیں۔ اور یہاں اوستھا یہ ہے کہ ان اچھوتوں میں اور اچھوت پیدا ہو جاتے ہیں جہاں تمام بدھ کے اچاریہ جیم سوامی اچھوت تو اس بھن بھید کو شایا ہی تھا لیکن رشی دیانند نے تو اپنے سمیہ میں اس کی جڑوں کو ہی ہلا دیا۔ رشی دیانند کے بیڑا اٹھانے کے بعد گو بھاری پیمانہ پر نہیں۔ تا ہم باقاعدہ طور پر کوشش کی گئی ہے۔ کہ اچھوتوں کو اونچی جاتیوں کے ساتھ ایک ہی سطح پر لایا جائے۔ کئی نیک دل سدھارکوں نے ان کے بہت آشرم کہیں کہیں سکول اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کھولیں یتیم خانے اور ہالیشی مکانات تعمیر کئے ہیں۔ ان حالات میں کئی اچھوتوں نے اچھوتوں میں ستھان پراپت کر لیا ہے۔

دو طریقے

تا حال ہندو دھرم نے اپنے مندروں اور گھروں کے دروازے ان لوگوں کے لئے بند کئے ہوئے ہیں کہلانے والی اونچی جاتیوں کو نیچا دکھانے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ سماج کی ذہنی کیفیت اس بات کا پرن کر لیں۔ کہ وہ اپنے ان اچھوت بھائیوں کی خاطر ان مراعات سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے کہ جو انہیں وجہ جاتی ہیں ہو سکے کا رن حاصل ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایسی کرانتی پیدا کی جائے کہ جو ہندو دھرم کے چیتے کو مجبور کر دے۔ کہ وہ اپنے کالے داغ تبدیل کر لے بیشتر اس کے کہ ہندوستان اپنا پیدائشی حق سوراجیہ حاصل کرے۔ یہ ضروری ہے کہ یہ تکلیف دہ علاج جلد عمل میں لائے جائیں۔ خوشی کی بات ہے۔ کہ شمالی ہند میں آریہ سماج برہم سماج اور رام کرشن مشن اس پہلو میں قابل قدر کام کر رہے ہیں۔ اور جنوبی ہند میں بھی اچھوتوں کی حالت کو سدھارنے کی سر توڑ کوششیں ہو ...

باقی صفحہ ۵۰ کالم ۳ میں ملاحظہ فرمائیے

آریہ سماجیوں کی آزمائش

از پنڈت سنت رام بی اے

رشی دیانند اور آریہ سماج کے کام کی تعریف میں سینکڑوں مضمون لکھے اور ہزاروں لیکچر دئے جا چکے ہیں۔ ان کا بار بار دہرانا اب بالکل تحصیل ہے۔ وہ اب بدرم سلطان بود کی سی بات ہے۔ جس چیز کے لئے ابتدا میں آریہ سماج کی دھاک تھی وہ پہنچیا اب اس سے کہیں آگے بڑھ گئی ہے۔ وہ تقاضا کرتی ہے کہ اب آریہ سماج اپنے پچھلے کارناموں کی ستائش نہ سنا کر اپنے عملی جیون سے ملک اور قوم کو آگے لے جانے کا یتن کرے۔ مگر حالات بتا رہے ہیں، کہ آریہ سماج اب زمین جنبد نہ جنبد گل محمد کی مثال ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ کرنا تھا سو کر دیا۔ اب آگے قدم بڑھانا کفر ہے کسی زمانہ میں سناتن دھرمی کہا کرتے تھے۔ کہ کیا تم رشیوں سے بھی زیادہ لائق ہو۔ کیا تمہارے ماں باپ نالائق تھے جو تم نئے آریہ بن کر سدھار کر رہے ہو؟ اسی طرح آج کے آریہ سماجی کہتے ہیں، کیا تم رشی دیانند سے بھی زیادہ لائق اور آریہ ہو جو جات پات توڑنے اور چھوت چھات دور کرنے پر زور دیتے ہو۔ سوامی دیانند نے کیوں نہ کسی بھنگی یا چمار کو شدھ کرکے اپنا رسوئیا بنایا۔ وہ کیوں ہمیشہ براہمن ہی سوئیا رکھتے تھے؟ وہ نیچ لوگوں سے چھوت مانتے ہی تھے جبھی تو انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک فلاں داس۔ فلاں راج فلاں دت جو تیس برس سے سماج کے لیڈر ہیں تم سے کم آریہ ہیں؟ کیا انہوں نے اپنی لڑکی اپنی برادری سے باہر بیاہی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کسی سماج میں ایسے گرے ہوئے بھاودں کا پیدا ہو جانا اس بات کی نشانی ہے کہ زمانہ کو اب اس کی ضرورت نہیں۔ یہی وہ اب کوئی دن کی مہمان ہے۔ رشی دیانند سنسار کے لئے ایک سندیش لے کر آئے تھے۔ ان کا سندیش تھا کہ سب منشیہ بھگوان کے امرت پتر ہیں، سب بھائی ہیں، سب برابر ہیں۔ ان میں جنم کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اچھے یا برے کاموں کے لحاظ سے ہی بڑائی چھوٹائی ہونی چاہئے۔ مگر آج ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جب تک کوئی آریہ سماجی غریب یا درمیانہ حیثیت کا رہتا ہے۔ تب تک وہ اس سدھانت کو مانتا ہے مگر جونہی اس کے پاس چار پیسے ہو جاتے ہیں۔ وہ اس پر لات مار کر گن کرم سوبھاؤ میں سے سوبھاؤ کا ارتھ جنم کرنے لگتا ہے۔ اور اپنی خودغرضی کے لئے رشی کے وا کیوں کو توڑ مروڑ کر اپنی پشٹی میں پیش کرتا ہے۔ سوامی جی کے پاس اتنا سمے نہیں تھا۔ کہ وہ ہر ایک بات پر پورا پورا زور دے سکتے۔ وقت کی کمی کے باعث ان کے کام میں جو خامیاں رہ گئی ہیں، ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا نیچتا ہے۔ رشی نے صاف کہہ دیا۔ "آج کل آریوں کے لیے ورن ویوستھا نہیں بلکہ مرن اوستھا ہے۔" دیکھیں اس ڈھنگ سے ان کا کب چھٹکارا ہوتا ہے۔ مجھے وشواس ہے۔ کہ اگر مہاراج کو اس بات کا ذرا بھی سندیہہ ہو جاتا۔ کہ میرے براہمن رسوئیا رکھنے سے آنے والی نسلیں الٹے معنی نکالیں گی تو ضرور ایک بھنگی کو صاف کرکے اپنا باورچی بناتے۔ اگلی مردم شماری کا کام اگلے برس آرمبھ ہو جائیگا۔ وہ آریہ سماج کے لئے آزمائش کا موقعہ ہوگا۔ آریہ سماج جنم سے جات نہیں مانتا۔ مگر مردم شماری میں سب لوگ اپنے کو جنم سے براہمن کھتری۔ ویش وغیرہ لکھائیں گے۔ اور یہی لکھاتے رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیا یہی آریہ دھرم کی صداقت کا ثبوت ہے سماج مندر کی چار دیواری میں تو آپ گن کرم اور سوبھاؤ کو (زبانی) ماننے والے ہیں۔ اور اس کے باہر عملی جیون میں صرف جنم کے۔ آپ کا یہ کپٹ کب تک چلیگا۔ اگر آریہ سماج نے پہلے سے اس طرف دھیان دیا ہوتا۔ اور ذات پات کو اڑا دیا ہوتا۔ تو آج ایک بھی اچھوت نظر نہ آتا۔ براہمن اور غیر براہمن۔ بنیا اور جاٹ اور کائستھ اور بھومی آہار کے جھگڑے پیدا نہ ہوتے۔ مگر یہاں تو ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں۔ جب کسی بوڑھے آریہ سماجی سے کہا جاتا ہے۔ کہ آپ کو جات پات توڑنی چاہئے تھی تو وہ جواب دیتا ہے۔ ارے ان جھگڑوں کو چھوڑو یہ فضول باتیں ہیں۔ تمہیں آریہ سماج کا پرچار کرنا چاہئے۔ ان سے پوچھنا چاہئے۔ کہ اگر ذات پات کا اڑانا فضول جھگڑا ہے۔ تو آریہ سماج کا پرچار اور کیا چیز ہے؟ ویدک دھرم کا پرچار اور کس چڑیا کا نام ہے؟

میرا بوڑھے آریہ سماجیوں سے نہیں۔ نوجوان آریہ بھائی بہنوں سے نویدن ہے کہ یہ کرانتی (انقلاب) کا یگ ہے۔ اگر آپ لوگ اس میں حصہ نہ لیں گے۔ تو آریہ سماج کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور سب سے بڑی سماجک کرانتی جات پات کا توڑنا ہے۔ آپ پرتگیا کیجئے کہ اگلی مردم شماری میں ہم اپنی ذات نہیں لکھائیں گے۔ پوچھنے پر صاف کہیں گے۔ کہ جب ہم ذات کو مانتے ہی نہیں۔ تو لکھنے کے کیا معنی۔ یاد رہے۔ گورنمنٹ کسی کو ذات بتانے پر مجبور نہیں کرتی۔ اگر آپ اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ تو یقین ہے۔ دیانند سے مہان اور عظیم الشان جلیلے آریہ سماج کی آتما شانتی نہیں کر سکیں گے۔

ویدپرچار کے کریاتمک سادھن

از پروفیسر رلیارام کشیپ ایم۔ اے ایس سی

رشی دیانند کے سورگ آروہن سے پچاسیویں (؟) ... والی ہے۔ ہمیں وچار نا چاہیے۔ کہ ہم رشیوں ... نے رشی کی سب سے پیاری پستک وید ... کتنا پرچار کیا ہے۔ چار ویدوں اور ان کے دوسرے ... کہ صرف ہندی بھاشا میں کچھ معمولی ... وید پر اس عرصہ میں لکھی گئی ہیں۔ مگر ... اس زبان میں اور نہ ہی انگریزی

Zend ... Mythology of the ...

... پنڈت لیکھرام کی تصنیفات کے بعد کوئی آج تک ... لکھی گئی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا ایسا ہی حال رہنے ... کوئی ایسا علاج بھی ہے۔ جس سے یہ حالت سدھر جاوے۔ جواب اس کا جو مجھے سوجھتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ اگر ہم ویدوں سے یہ ثابت کر سکیں کہ وید واقعی ایک ایسی مفید کتاب ہے جس پر تحقیقات کرنے سے ایسے مفید نتائج نکل سکتے ہیں جن کا ... فائدہ اس طرح ... سے کہیں زیادہ ہو گا۔ جو کہ اس تحقیقات پر آئیگا۔ جس کے ذریعے وید سے وہ مفید نتائج نکالے جائیں گے۔ تو پھر قدرتی طور پر گورنمنٹ بھی اور امیر آدمی بھی اس طرف راغب ہو جائیں گے۔ کہ وہ سکالروں کو وظیفہ جات وغیرہ دے کر ان کو ویدک ریسرچ کے کام میں لگا دیں۔ اور قدرتی طور پر پھر سوسائیٹیوں کے لئے ویدک ریسرچ کروانے کا انتظام بہت کم خرچ اور آسان ہو جائیگا۔ اور جب گذارہ کا سوال حل ہو جاویگا۔ تو پھر ضرور سنسکرت کے بڑے عالم نوجوان ... وظیفہ کا سہارا پاکر اپنا شوق پورا کرنے کی سہولیت دیکھ کر اپنی زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اور جو انمول رتن وہ وید سے نکالیں ان کو جب دنیا کے عالم دیکھیں گے۔ تو قدرتاً وید کی طرف کھینچے جاویں گے۔ اور وید کا پرچار عالموں میں ہونا شروع ہو جاویگا۔ عالموں میں پرچار ہونے کے بعد پبلک میں پرچار اپنے آپ ہو جائیگا۔ نچوڑ اس سارے کا یہ ہے۔ کہ وید سے کوئی ایسی بات نکال کر دکھانی چاہیئے جو نہایت مفید ہو۔ اور جس کو لوگ پہلے نہ جانتے ہوں۔ موجودہ زمانہ میں یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ تپ دق کا صحیح علاج شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ اور واقعی اگر اس کا علاج بھی اور بیماریوں کی طرح معلوم ہو گیا ہوتا۔ تو ان کی طرح یہ بھی دن بدن کم ہو جاتا۔ برعکس اس کے سبھی جانتے ہیں۔ کہ یہ بہت ترقی کر رہی ہے اس کے متعلق اتھروید کہتا ہے:۔

گوگل دوائی کی خوشبو جس کا سیون کرتی ہے وہ تپ دق سے کبھی رک نہیں جاتا۔ اور نہ ہی اس کو دق کے متعلق دی ہوئی کسی کی شاپ ہی لگ سکتی ہے۔ یعنی جب تک کوئی تپ دق کا روگی گوگل کی خوشبو کا سیون کرتا رہتا ہے اس وقت تک اس کی بیماری بڑھ نہیں سکتی

اور جو تندرست آدمی اس دوائی کا استعمال کرتا ہے اس کو کبھی یہ بیماری ہو نہیں سکتی۔"

اسی سوکت کے اگلے منتر میں پھر وید کہتا ہے "جس طرح ہرن بھاگ جاتے ہیں۔ یا گھوڑے بھاگ جاتے ہیں۔ یا شیر کو دیکھ کر سب جانور بھاگ جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی پرکار تپ دق اس بیمار سے دور بھاگ جاتی ہے۔ جو کہ گوگل اور سندھا نون یا سمندری نون کا استعمال کرتا ہے۔ گوگل کے ساتھ سندھیا یا سمندری نون ملا کر استعمال کرنے سے تپ دق کے جتنے بھی درشٹ لکشن یعنی بھیانک علامات ہوتی ہیں۔ وہ سب دور ہو جاتی ہیں۔ اور دق اس روگی کو چھوڑ کر اس طرح بھاگ جاتی ہے۔ جس طرح کہ شیر کو دیکھ کر سب جانور بھاگ جاتے ہیں۔"

اس لئے وید کہتا ہے۔ کہ اسی سبب سے گوگل کا ہی نام تپ دق کے ارشٹ دور کرنے کے لئے لینا کافی سمجھا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو پرانا طریق گھر میں گوگل کی دھونی دینے کا تھا۔ اور ہون سامگری میں گوگل داخل کرنے کا تھا۔ وہ کتنا صحیح اور مفید تھا۔

اسی طرح پر آج کل اور پچھلے زمانہ کے لوگوں میں

تو خصوصاً بہت سی کوششیں اس بارے میں کی جاتی رہی ہیں۔ کہ سر کے بال سیاہ رہیں اور سفید ہونے نہ پائیں۔ بہت سے لوگ اس بات کی فکر میں ہیں۔ کہ جوانی کی حالت جیسے کالے گھنگرالے گھنے سیاہ بال ہمیشہ بنے رہیں۔ لوگوں کے اس شوق کا فائدہ بہت لوگ اٹھاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی دوائیوں کا اشتہار دیکر ان سے بیشمار روپیہ کماتے ہیں۔ مگر وامعی ایسا طریقہ ہے۔ جس سے بال گرنے بند ہو جائیں۔ مضبوط ہو جائیں۔ لمبے باریک اور سیاہ ہو جاویں۔ اور وہ اتھروید میں مرقوم ہے۔

میرا کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر ایسی ایسی باتوں کو وید سے نکال کر ان پر حکیم لوگوں کا یا عالموں کا وقت لگوا کر ان کو مکمل بنا کر ان کو بطور بیوپار کے چلانے کے لیے اشتہار بازی کی جاوے اور کتب ان مضامین پر شایع کی جائیں۔ تو بہت قلیل عرصہ میں اس پبلک کا جو آج فضول ناولوں پر روپیہ ضایع کرتی ہیں۔ ان کتب میں ان سے زیادہ شوق پیدا ہو جائے گا۔ اور اس سے بھی دھن وید پرچار کے لئے آ جائیگا اور جو دھنی امیر لوگ ان تکالیف میں پھنسے ہوتے ہیں۔ ان کو جب اس سے آرام ملیگا۔ تو خود

ہی وہ وید کے دلدادہ ہو کر روپیہ وید پرچار میں کھلے ہاتھوں دینے لگے۔ نیز جب وید کے بتلائے وہ طریقے سائینس دانوں کے سامنے آئینگے جن کے ذریعے شرطیہ لڑکا پیدا کیا جا سکتا ہے تو ان کو معلوم ہو گا۔ کہ [illegible] قائم کرنا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ ایسی اعلیٰ پایہ کی [illegible] کو حاصل کر کے وید کی طرف راغب ہو جاویں گے۔

[illegible] میں تو ابھی مغرب مشرق کے مقابلہ میں بالکل بچہ ہے۔ اور اگر کوئی اس مضمون پر جتنی واقفیت وید اور آریہ شاستر

دیا کرتے ہیں۔ اس کے [illegible]

[illegible]

مغرب کے سامنے رکھے۔ تو مغرب کی کیا مجال کہ وہ اس کو فوراً ہضم کرنے کی فوری کوشش نہ کرے۔ اور وید کا دلدادہ نہ بن جائے میرا خیال ہے۔ کہ مندرجہ بالا طریقہ اگر سماج اختیار کرے۔ تو وید پرچار بہت زیادہ آسانی سے اور زیادہ وسیع پیمانہ پر ہو سکتا ہے۔ بہ نسبت اس کے جو ہوتا ہے۔

۲۹۰

ساڑھے نو روپے میں حیرت انگیز غضب کا ٹھاٹھ

استریوں کا سچا سنگار مفت!

سارے زیور کیمیکل سونے کے بنے خوبصورت ہیں ڈوبے ہوئے جن کی سچی گارنٹی ۱۲ برس ہے!

لیڈی رسٹ واچ اور مہارانی رسٹ واچ کی گارنٹی دس سال۔ کیس اصلی کیمیکل سونے کا بنا ہوا۔ ان کی مشین بہت ہی مضبوط کانٹے چھانٹے میں ڈالی گئی ہیں۔ سجاوٹ میں لاثانی نفیس ڈائل۔ ایک خوب صورت ڈیزائین کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کے ساتھ میں ایک تسمہ (بینڈ) اور ایک خوبصورت بکس۔ ہاتھ میں پہننے کے ایک جوڑی منسد کڑے۔ ایک جوڑی کان میں پہننے کے مستنطر نگینہ۔ ایک جوڑی کرن پھول ایک ناک کا پھول ایک جوڑی سندر [illegible]۔ چار عدد یعنی دو جوڑی نہایت نفیس رولڈ گولڈ سونے کی نگینہ دار انگوٹھیاں اور استری کے سچے سنگار میں جان ڈال دینے والا جس پر نرسند کٹنگ چمکتا ہوا۔ ہزاروں میں ایک بنا دینے والا بہو مولیہ بیش قیمت نو لکھا ہار مفت ہے۔ لیڈی رسٹ واچ یا مہارانی رسٹ واچ دونوں میں

رسے کوئی ایک گھڑی نو روپے آٹھ آنے میں منگانے سے یہ سارا سنگار مفت! اگر سارے سنگار سہیت دونوں گھڑیاں منگا [illegible] اس سنگار کو استری پہ پہن [illegible] دونوں ہی سچا مزا [illegible] تو ان کو صرف ساڑھے [illegible] میں بھیجا جائے گا۔ اگر اس موقعہ پر چوک گیا [illegible] رمنی کو سٹنٹ نہ کرے [illegible] یا دیکھا۔ کر ایسا سنگار تو دور کبھی خواب میں بھی نہ سکے گے۔ کیونکہ ہماری اصلی اور سچی چیز پر ہم کو فخر ہے۔ اور ناز ہے [illegible] بات کا دعوے کرتے ہیں جو ایک بار منگالیں [illegible] دوست ستروں سے [illegible] دیکھیں۔ تو ہر ایک اپنی زبان [illegible] دو سو چار سو سے [illegible] اگر کوئی ہوشیار سے [illegible] پرکھے ڈالا اس کو ڈیڑھ سو [illegible] کم کا بتادے۔ تو مال واپس کر دو گنے دام بنا کسی عذر کے دیں گے

مال منگانے کا پورا پتہ:

دی نرولی ٹریڈنگ کمپنی۔ ہاٹ کھولا۔ کلکتہ

نہیں رہتی ہے تاریکی جہاں نورِ صداقت ہو

(از قلم کوی بھوشن منشی رام سہاے صاحب تمنا ایڈیٹر دربار لکھنؤ)

...پنے شر سے بری اور نیک سیرت ہو — نفاق و بغض و خود بینی سے اسکے دلکو نفرت ہو
...اپنے ساتھ تک آنے دو — جو سچے رہنما ہیں انکی دنیا بھر میں عزت ہو
...کا و نیک و بد پہ انسان — ہوں ایسے واقعے بھی پیش حاصل جن سے عبرت ہو
نفاق کی بدولت آفتیں آئیں — کہیں نقصان جان و مال سے پیدا مصیبت ہو
خود سری خود ستائی سے پریشانی — کہیں شوقِ بد افعالی سے سر پر بار ذلت ہو
...نے عطا کی ہم کو عقل و فہم و دانائی — تو واجب ہے کہ ان سے اپنے ہمجنسوں کی خدمت ہو
...نے کا ہادیٔ عالم وہی مشعل گر ہوگا — تو پھر اسکی بزرگی کی نہ کیوں دنیا میں شہرت ہو
...عام سے ہے کام جسکو ایسے انسانکو — لقب فضل کبریا حاصل نکونامی کی دولت ہو
...یا وار ہیں وہ بھی ... نہ دار کی — جہاں سے کام کرنا ہیں خدا کی بھی عبادت ہو
...شر کیا نہ اسکی جانچ کی صورت میں جھگڑا ہو — وہی سب سے بڑا ہے اسکی چاہیے جلیسی صورت ہو
...بے نظیر و بے عدیل و پاک دیکھتا ہے — دوئی سے دور ہو کر کیوں نہ مہر چرخ وحدت ہو
...مذہب ہے سچائی راستی سے کام ہے جسکو — نہیں رہتی ہے تاریکی جہاں نورِ صداقت ہو
...ہے عشق صادق تمکو معشوق حقیقی کا — تو تمکو اس سے ملنے میں نہ مشکل ہو نہ دقت ہو
...یں غم اس کا ہمکو ہیں اگر کچھ مختلف فرقے — ضرورت ہے مگر اس کی کہ آپسمیں محبت ہو
...ہند و سنگٹھن بھی ہو رہا ہے بات اچھی — مناسب ہے کہ اس میدان کو حاصل او روسعت ہو
...ہے یہ آزادی کا پھر پابند غم کیوں ہو — وہ اچھے کام ہیں جن سے بنی آدم کی خدمت ہو
...ی جبر سے اپنی طرف کھینچو نہ تم مسلم — نہ پھر کچھ پیش رنجش ہو نہ آپسمیں عداوت ہو
...رشیوں کا یہ بھارت ورش ہردم قائم رہے — رہے یارب سلامت ہر زماں اسکی عزت ہو

پے نذرِ نگاہِ ناظرین یہ نظم لکھدی ہے
تمنائے تمنا یہ نہیں کچھ اسکی شہرت ہو

آواگون کا کریاتمک روپ

(از شری پورن چند جی بی اے، ایل ایل بی)

پرنتو ویدک سدھانت میں یہ وشیشتا ہے۔ کہ وہ نیتی یکت اور سانسارک نیموں کے انوکول ہیں۔ ایک وشیشتا اور بھی ہے۔ اگر کوئی جاتی یا دیکتی ان کے انوسار کاریہ کریں۔ تو اس جیون میں نہایت سکھی رہ سکتے اور سپھلتا پراپت کر سکتے ہیں۔ اگر رشی دیانند کے انویائیوں کو سنسار کے سنمکھ یہ سدھ کرنا ہے کہ کیول ایک ویدک دھرم ہی ان کے لئے گرہن کرنے یوگیہ ہے۔ تو اس کے ہر ایک سدھانت میں اپنے دو نو وشیشتائیں سدھ کرنے کا پریتن کرنا چاہئے آواگون ویدک دھرم کا ایک نہایت ضروری دھرم ہے۔ بھارت ورش کے سب آچاریہ کسی نہ کسی روپ میں اس سدھانت کا پرتی پادن کرتے آئے ہیں۔ در تمان سمے میں سنسار میں انیک متوں کے انویائی اپنے اپنے استھان ہیں۔ جو اس پراچین سدھانت کو ستیہ سویکار نہیں کرتے۔ ان کو سنتشٹ کرنے کے لئے یہ آوشیک ہے۔ کہ یہ سدھ کیا جائے۔ کہ سنسار میں سکھ کی ورِدھی نہیں ہو سکتی۔ جب تک سنسار اس سدھانت کی طرف نہیں جھکیگا۔ موجودہ حالت میں دکھ اور اشانتی کا وشیش کارن یہ ہے۔ کہ ایک جاتی اپنے آپ کو دوسرے سے مختلف سمجھتی ہے۔ اور ایک دیکتی دوسرے دیکتی سے دلوں کا سمبندھ ہونا نہیں مانتا۔ منش اپنے سے اتیرکت دوسرے پرانیوں پر سخت اتیاچار کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا کارن ہے؟ اس کی تہ میں یہی بات ہے۔ کہ منش دوسری مخلوق سے اپنے کو بالکل علیحدہ مانتا ہے۔ اگر اسے یہ وشواس ہو جائے۔ کہ جس پرکار کی آتما اس کے اندر ہے اسی پرکار کی آتما دوسرے پشو پکشی پرانیوں کے اندر بھی ہے۔ کیول اوستھا کا بھید ہے۔ کوئی منش کسی پشو یا پکشی پر اتیاچار کرنے کا ساہس نہ کرے گا۔ اور یہ جان کر کہ سنبھو ہے۔ وہ آتما جو آج اس شریر میں ہے کل کریا انوسار پشو یا پکشی کی جونوں میں چلا جاوے۔ وہ پرتیک پشو پکشی کے ساتھ پریم اور سہانو بھوتی کا ویوہار کریگا۔

منش بھکشن کا پرشن کتنا بھینکر روپ دھارن کئے ہوئے ہے۔ سنسار کے ایک بہت بڑے حصے نے پشو پکشی کے مانس کو بھکشن یوگیہ مان رکھا ہے اگر کریاتمک روپ سے منش اس آواگون کے سدھانت کے انویائی ہو جائیں۔ تو جیسے سبھیہ سنسار میں ایک منش دوسرے منش کا مانس بھکشن کرنا سویکار نہیں کرتے۔ ویسے ہی وہ دوسرے پرانیوں کے مانس کو تیاگ کر دیں گے۔ آواگون کے سدھانت کا مانس بھکشن پر کیا پربھاو ہے۔ یہ فرانس کے پرسدھ فلاسفر کی من بھکتیوں سے گیات ہو سکتا ہے۔ اس فلاسفر نے اس وشے پر وچار کرتے ہوئے کہ ہندو اور آریوں میں آواگون کا سدھانت کیوں پرچلت ہے، من بھکتی دی ہے۔ بھارت ورش گرم ملک ہے۔ اور اس کارن مانس دال ہانی کارک ہے۔

اس لئے اس کا کھنڈن ہوا۔ اور اس پرکار منش اور پشوؤں میں یکسانیت ہونے کا وچار پھیل گیا۔ اور اس سے یہ دھارنا نشچت کی گئی۔ کہ جیسا جیو آتما منش کے جسم میں ہے۔ ویسا ہی پشوؤں کے جسم میں بھی ہے۔ وچار نے سے یہ نتیجہ بالکل الٹا ہے۔ ارتھات یہ ماننا چاہئے تھا۔ کہ بھارت ورش میں آواگون کا سدھانت پرچلت تھا۔ اور اس کے کارن منش اور پشوؤں میں یکسانیت ہونے کا بھاو پرچلت ہوا۔ اور مانس بھکشن کا کھنڈن ہوا۔

بطور مثال بھارت ورش میں چارواک اور وام مارگیوں کے سمپردائے ایسے ہوئے ہیں جو صرف ایک پرکرتی کو انادی مانتے ہیں۔ وہ جیو کی پرتھک ہستی کے قائل نہیں۔ اسی کارن وہ آواگون کے سدھانت میں بھی وشواس نہیں رکھتے۔ اس کا پربھاو یہ ہوا کہ اس کے انویائی پربل مانس بھکشک ہوئے۔ نہ کیول ایک بھکشن آچکشن کے وشے پر

بلکہ انیہ آچرنوں پر بھی اس سدھانت کے ماننے اور نہ ماننے کا بڑا پربھاو پڑتا ہے۔ جو یہ مانتے ہیں کہ اس جنم میں جو کرم وہ کر رہے ہیں۔ وہ اسی جیون میں سماپت ہو جاویں گے۔ تو ان کو بڑے سے بڑا پاپ کرنے سے سنکوچ نہیں ہوتا۔ جنہیں یہ وشواش ہے۔ کہ وہ جو کرم کریں گے۔ وہ ان کو اوشیہ بھوگن پڑیگا۔ اس جیون میں نہیں تو دوسرے جیون میں تو وہ کرم کرنے میں بڑے سچیت رہتے ہیں۔ اور بغیر پھل کے وچارے کرم نہیں کر سکتے۔ آواگون کے ماننے والے اپنے کرتویہ پالن کرنے میں بہت تیز اور دیدہ آدمی میں نربھے رہتے ہیں۔ جن کو یہ وشواس ہے کہ جیو امر ہے۔ اور شریر کیول اوستھا اور شریر پریورتن کا نام ہے۔ وہ موت سے اوشیہ نربھے رہتے ہیں۔ گیتا کے اپدیش کو وہی ارجن گرہن کر سکتا ہے جو جیو کو امر اور اکھنڈ مانتا ہو۔ انہاس کے پرسدھ لیکھک گبن [illegible] نے ایک جاتی کے وشے میں لکھا ہے۔ کہ وہ جاتی بڑی بلوان اور

نربھے تھی۔ اور مرنے سے نہیں ڈرتی تھی۔ اس کا کارن یہ تھا۔ کہ وہ جیو کے امر ہونے اور آواگون سدھانت کو مانتی تھی۔

بادشاہ سیزر نے ایک اور جاتی کے وشے میں لکھا ہے۔ کہ وہ اس کارن بہادر تھی۔ کہ آواگون سدھانت میں وشواس رکھتی تھی۔

آواگون کے ماننے والوں میں نراشا نہیں ہو سکتی منش آتم گھات یا خودکشی اسی حالت میں کر سکتا ہے جب وہ اس شریر تیاگ میں دکھوں کا انت سمجھے مغربی ممالک میں آج خودکشیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ذرا سی نراشا پر گولی کھا کر مر جانا معمولی سی بات ہے۔ اس کا کارن یہی ہے کہ یہ شریر ہی دکھ کا کارن ہے۔ اسے چھوڑ کر سکھ مل جائے گا۔ نہیں اگر یہ وشواس ہو جائے کہ اس شریر میں نہیں تو کسی دوسرے شریر میں دکھ اور بھوگنا پڑے گا۔ تو آتم گھات کا وہ لوگ دھیان نہ کریں۔

ایک اور دکھ سے گھنا درشٹی گوچر ہوتی ہے۔ اگر کسی لاعلاج روگ آدی کے کارن دکھت اوستھا میں پڑا ہو تو اسے وہ بلا تامل گولی سے مار دیتے ہیں۔ اور پاپ اس میں نہیں مانتے۔ یہ کیسے انیائے کی بات ہے۔

اسی پرتھا کا پربھاو مہاتما گاندھی ایسے اہنسا پرتی پادک کے وچار پر پڑ گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ایک دکھت بچھڑے کو اس کا دکھ دور کرنے کے لئے سابرمتی آشرم میں زہر کی پچکاری سے مروا دیا۔ ایسا کرنے میں مہاتما گاندھی اور ان کے ہم خیال لوگ بھول جاتے ہیں۔ کہ اس کے دکھ کی تہ میں پرماتما کی طرف سے کوئی بڑا سدھار ہے۔ منشوں کا یہ کام نہیں۔ کہ وہ پرماتما کے نیموں میں دست اندازی کریں۔ ان کا کرتویہ کیول یہ ہونا چاہئے کہ اپنی سہائتا سے اسے زیادہ سے زیادہ سکھ پہنچانے کا ادیوگ کریں۔ اس کے پرتیکول جو اس سدھانت کے ماننے والے ہیں وہ اپنے اوپر بھی بڑے سے بڑا دکھ آنے پر دھیریہ ہین نہیں ہوتے۔ رشی دیانند بھینکر روگ میں بھی پرسن رہے کیوں؟ وہ جانتے تھے۔ کہ شریر سدھار کے لئے ہے۔ اس سدھانت کے ماننے والوں میں کسی اسپھلتا کے ہونے پر نراشا نہیں آتی وہ جانتے ہیں۔ کہ ان کو انیک بار اوسر ملے گا۔ کہ اس کی پورتی کر سکیں۔ ایرشا اور دویش اس سدھانت کے ماننے والوں میں نام مات کو بھی نہیں رہ سکتا۔ دنیا میں گورو رتیادی میں پرسپر کی منش میں اتینت بھید ہے۔ نردھن دھنی سے دھنی کو دیکھ کر دکھ انوبھو کرتا ہے۔ کارن یہ ہے کہ وہ یہ جانتا ہے۔ کہ وہ دنیا کا دھن پرلوا ریں اتپن کیا گیا ہے اور ایک دھنی منش ہے جسے کسی ابھوگ کے بنیر یہ سمپتی مل گئی ہے۔ اگر وہ اس کی تہ میں دیوک شکتی کو مان لیا جائے۔ تو ایرشا اور دویش کا ایک کھشن میں ہی ناش ہو جائیں اور سب بانی

ڈاکٹر! حکیم!! وید!!! سب کی ایک رائے

موسم سرما ہی خزانہ صحت جمع کرنیکا مناسب موسم ہے

اکثر لوگ اپنی صحت کے لیے سینکڑوں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے کچھ تو اس کو ٹھیک طور سے خرچ کر اس سے فایدہ اٹھاتے ہیں۔ اور کچھ اُسے بے فائدہ ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر آپ اس موسم سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ تو ذیل کی اوشدھیوں میں سے کوئی بھی اوشدھی چن لیں۔ تو یہ آپ کی دانشمندی ہی نہیں۔ بلکہ دور اندیشی بھی ہوگی۔ یہ تمام دوا بیمار موسم میں بالکل بیچ سکتی ہیں۔ اور پوری طاقت دیتی ہیں۔ ایسی ادویات کا استعمال صرف بیماری دور کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ جسمانی طاقت اور حصول صحت کا یہی ساودھن ہے۔ اس موسم میں ہر ایک قسم کی بیماری بھی جلدی اچھی ہوتی ہے۔

مدنانند موودک

یہ مودک دیسی کھانڈ کی مصری گھی میوا وغیرہ اور بڑی طاقت بخش ادویات تازے تیار ہوتے ہیں دیکھنے میں بڑے خوب صورت کھانے میں خوشبودار لذیذ اور امیرانہ دوائی ہے۔ اس کے تیس دن کے استعمال سے ہر قسم کا پرمیہہ اور ناطاقتی دور ہوتی ہے جسم میں تازہ خون اور دھاتو پیدا کرتا ہے اور دماغی طاقت بخشتا ہے۔ اگر آپ جسم کو ہشاش بشاش اور طاقتور بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس کی تیس خوراک ضرور کھائیں۔ قیمت تیس خوراک کی چار روپے تین آنہ ۴ روپے ۸

کستوری پاک

یہ پاک کستوری کیسر۔ جاوتری میوا وغیرہ کے مرکب سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کو اگر موسم سرما میں روزانہ کھایا جائے۔ تو سست آدمی چالاک ہو جائے۔ اور آم وات۔ شواس۔ کھانسی شول بادی کے تمام عوارض دور ہوں۔ یہ جاڑے کے دنوں میں صبح کے وقت کھانا چاہیے۔ قیمت فی سیر ۵ اروپے

سورن بھسم

انسان کو طاقتور بنانے والی یہ لاثانی دوائی ہے۔ دق۔ تپ۔ کھانسی۔ دمہ پرمیہہ۔ نامردی مدھو میہہ رکت پت آدی روگ شرطیہ دور ہو جاتے ہیں۔ سمرن شکتی دھاتو بڑھاتی ہے۔ سورن جیسا جسم بنا دیتی ہے اور کانتی دن دوگنی رات چوگنی بڑھاتی ہے۔ قیمت ۸ روپیہ فی تولہ

سندر سرنگار اوشدھالیہ کا بنایا ہوا

۴۰ سالہ مشہور

پشٹ راج ٹیکا

رجسٹرڈ

پشٹ راج ٹیکا کھانے سے ستری پرش دونوں کی کمزوری دور ہو کر ہیٹ کٹے اور طاقت ور اولاد پیدا کرنے کی عظیم قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر آپ کو آدرش سنتان پیدا کر اپنا اور دیش کا کلیان کرنا ہے۔ تو ستری پرش دونوں پشٹ راج ٹیکا استعمال کریں۔ یہ دوائی ہر پرکار کے پرمیہہ دھاتو کشین سوپن دوش کی اعلےٰ اکسیر ہے۔ ویریہ کی کمزوری کو دور کر کے طاقت دیتی ہے۔ قوت ہاضمہ اور قوت حافظہ کو بڑھاتی ہے۔ قبض دور کرتی ہے۔ انیندرا۔ دل کی گھبراہٹ سستی نامردی اور جوانی میں بڑھاپا وغیرہ عوارض کو دور کرتی ہے۔ بجلی۔ تیزی۔ اتساہ۔ امنگ اور نیا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔ شریر ایکدم نروگ خوب صحت ہو جاتا ہے۔ پرشوں اور استریوں دونوں کے لئے لاجواب اکسیر ہے۔ استریوں کے پردر میں بھی بہت مفید ہے۔ قیمت ۲۰ خوراک کا ڈبہ ۲ روپے ۸ ر۔ ساٹھ خوراک کا ڈبہ ۳ روپے ۸ ر۔ اسی خوراک کا ڈبہ ۴ روپے ۸ ر۔ ڈاک خرچ ایک سے تین تک سات آنے

سندر سرنگار کاریالیہ متھرا کے سات وبھاگ

کاریالیہ وبھاگ نمبر ۱ — یہ وبھاگ سب سے پرانا ہے۔ اس میں شری ٹھاکر جی کے سامان لیلا راس لیلا کے سرنگار بھوشن آدی بنتے اور بکتے ہیں۔

کاریالیہ وبھاگ نمبر ۲ — اس میں ناٹک کے پردے۔ بال۔ سامان۔ ڈریس۔ ہارمونیم طبلہ۔ چہرہ آدی ہر ایک چیز ملتی ہے۔ فہرست مفت منگوا کر دیکھو

اوشدھالیہ وبھاگ نمبر ۳ — یہ وبھاگ انیک روگوں کی پیٹنٹ دوائیوں اور آیورویدک اوشدھیوں کو شدھی پورو ک بناتا اور بیچتا ہے۔

سوداگری وبھاگ نمبر ۴ — میں گھڑی ٹائم پیس اور ہر طرح کا سوداگری کا سامان۔ بجلی کے لیمپ وغیرہ چیزیں ملتی ہیں۔

پستک وبھاگ نمبر ۵ — یہ وبھاگ ہر طرح کی پستکیں سپلائی کرتا ہے۔

آرڈر وبھاگ نمبر ۶ — یہ وبھاگ ریشمی۔ بنارسی۔ ساڑھی چھپے ہوئے دوپٹے دھوتی آدی بہت کفایت کے ساتھ بھیجتا ہے۔

ربر سٹیمپ وبھاگ نمبر ۷ — یہ نیا وبھاگ ربڑ کی مہریں چپراس بیسل مہر بہت سستے داموں پر بناتا ہے۔ وبھاگ کی بڑی فہرست منگانے سے مفت ملیگی

پیاری پاک لڈو

یہ لڈو استریوں کے لیے بڑی فائدہ مند چیز ہے دیکھنے میں خوبصورت اور کھانے میں لذیذ ہیں۔ ان کے استعمال سے پردر روگ درماہواری ایام کی شکایت اور ناطاقتی دور ہو کر جسم مضبوط بلوان اور کانتی وان بن جاتا ہے بعد شریر شدھ اور تندرست اولاد کو دیتا ہے۔ قیمت ۳۰ خوراک چار روپے۔

سدھ مکردھوج (چندرودے)

اس سدھ کردہ میں سونے کے ورق ہیں۔ لونگ کستوری اور بھیم سینی کپور آدی چیزیں بھی شامل ہیں اس لئے اس کی ایک ایک خوراک پان میں چالیس دن سیون کرنے سے گئی ہوئی جوانی پھر حاصل ہو کر آدمی پانچ سے ایک لشٹوں سے بچکر باقی زندگی آنند پورو ک بھوگتا ہے وید ک شاستر میں اس سے اچھی اور دوسری دوائی نہیں۔ قیمت چالیس خوراک ۵۰ روپیہ نمونہ کی پانچ خوراک کی قیمت صرف پانچ روپے۔

شدھ سلاجیت: یہ پرمیہہ کی مشہور اور اعلےٰ دوائی ہے۔ قیمت پانچ تولہ کی دو روپے دس تولہ کی ۳ روپے ۱۲ ر

سدھ مہوشدی چیون پراش آولیہ

یہ بنگ۔ فولاد۔ مونگا۔ رجت بھسم اور سونے کے ورق اور شہد میں شدھ کیا ہوا ہے۔ پرمیہہ جوڑ اور کھانسی کو دور کرتا ہے۔ خوبصورتی بڑھاتا ہے اور جوانی آتی ہے۔ قوت حافظہ کافی بڑھتی ہے بڑھاپا دور ہوتا ہے۔ بکثرت شواس اور سور بھنگ کے لئے خاص طور پر مفید ہے۔ بچوں کے لئے از حد مفید ہے۔ قیمت فی سیر ۱۲ روپے نمونہ کا ڈبہ دو روپے

بال پشٹ سیرپ

خوشبودار شربت ہے میٹھے اور کو بچے بڑی خوشی سے پی لیتے ہیں۔ اور اس کے سیون سے جسم میں خالص خون بڑھتا ہے اور جسم کے تمام اعضا مضبوطی کے ساتھ بڑھتے ہیں۔ بالک موٹے تازے اور ہمیشہ پرسن رہتے ہیں۔ بچوں کے ہر ایک روگ کی واحد لذیذ اور خوشبودار میٹھی دوا ہے

قیمت ۱۲ ر

دوائیاں ملنے کا پتہ

سندر سرنگار مہوشدھالیہ متھرا نمبر ۳

بڈھے جوان بن گئے

خوردنی خضاب جس کا اوّلاً نام کارخانہ نے اکسیر شباب رکھا تھا۔ لیکن اس کے معجزہ نما خواص کو آزما کر ایک معزز خریدار نے خوردنی خضاب نام تبدیل کردینے پر ہمیں مجبور کیا۔ یہ وہی اکسیر صفت دوا ہے۔ کہ جس کی صرف ایک گولی بیس یوم تک دودھ یا پانی کے ہمراہ کھا لینے سے نہ صرف سفید بال ہی ہمیشہ کے لئے مثل قدرتی بالوں کے سیاہ و ملائم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ چہرے کا رنگ در روغن بھی کندن کی طرح دمکنے لگتا ہے۔ بواسیر اور نزلہ کو ہمیشہ کے لئے کھوتا۔ قوت حافظہ کو بڑھاتا اور معدہ کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ جو کھائے وہی ہضم۔ قوت مردانگی اس قدر بڑھاتا ہے۔ کہ بعد استعمال ۱۶ برس کی نوجوانی کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ بینائی اس قدر تیز ہو جاتی ہے۔ کہ چالیس سال کے اندر اندر عینک کی عادت جاتی رہتی ہے۔ اب

آپ اڈر کھڈر خضابوں کی شیشیاں توڑ کر پھینک دیجئے

اور اسے استعمال کرکے حقیقی معنوں میں جوان بن جائیے۔ بڑے بڑے سند یافتہ۔ حکیم ڈاکٹر وید طبیب وغیرہ کثیر تعداد میں منگا منگا کر شہرت حاصل کرتے اور امراء سے فی بکس صدہا روپیہ پیدا کر رہے ہیں جس قصبہ یا گاؤں میں اس کا ایک پارسل پہنچ جاتا ہے۔ اس کے معجز نما فوائد کو دیکھ کر معمولی معمولی گاؤں سے درجنوں آرڈر آتے ہیں۔ بیضرر ہونے کے علاوہ ہر عمر ہر مزاج والا۔ ہر موسم میں ہر جگہ استعمال کرسکتا ہے۔

قیمت :- باوجود اتنی خوبیوں کے صرف سات روپے آٹھ آنہ مکمل بکس مع محصولڈاک دو بکس چودہ روپے۔ تین بکس بیس روپے چھ بکس ۳۳ روپیہ

نوٹ

دس روپے سے زاید کے خریدار کو ۲ فی روپیہ کمیشن بھی ملے گا۔

منگانے کا پتہ:- **منیجر کارخانہ خوردنی خضاب حکمی شفا لکھنؤ**

سارٹیفکیٹ ملاحظہ ہوں

عالیجناب رفیع احمد صاحب سیکرٹری کانگرس و خلافت کمیٹی ہوتو تحریر فرماتے ہیں۔ کہ آپ کے مرسلہ خضاب خورنی کا استعمال کیا گیا ہے۔ میرے کچھ بال جو بوجہ نزلہ عالم شباب میں ہی سفید ہو گئے تھے۔ بفضلہ اس کے استعمال سے بالکل سیاہ ہو گئے۔ براہ مہربانی دوستوں کے لئے دو بکس اور بھیج دیجئے۔

اخبار شیعہ کانج نیوز نے ریویو کیا ہے۔ کہ ہم نے خضاب خوردنی کا تجربہ کرایا۔ تو واقعی سفید بالوں کو سیاہ کرنے میں بہتر مجرب ثابت ہوا۔ علاوہ اس کے دافع نزلہ۔ مقوی معدہ مقوی البصر اور ہاضمہ وغیرہ کے حق میں تو اکسیر ہے۔

عالی جناب سردار حبیب الرحمٰن خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم مقام موضع سارا ان ضلع لکھیری تحریر فرماتے ہیں کہ اب تک پانچویں حصہ کے قریب سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہو چکے ہیں۔ چار بکس اور بھیج دیجئے۔

سید جالب صاحب دہلوی ایڈیٹر روزنامہ ہمدم لکھنؤ نے اخبار ہمدم میں خضاب ہذا کے اجزا کے متعلق ریویو فرمایا ہے کہ اس کے اجزا نظام انسانی خصوصاً عصباتی پہ نہایت اثر کرتے ہیں۔ معدہ کو تقویت دیتے ہیں۔ غذا جزو بدن بن جاتی ہے اعصاب قوی ہو جاتے ہیں۔ امراض باہیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے اچھی چیز ہے۔

علاوہ اس کے آپ کے اطمینان کے لئے صدہا میں سے چند حکما متقدمین کی رائیں درج کرتا ہوں۔ جن کی نکالی ہوئی شاہراہوں پر تمام وید حکیم چل رہے ہیں۔ ہماری ادویہ کے حوالہ کے متعلق مصنف۔ مقالات احسانی۔ مصنف مخزن المفردات۔ مصنف فایدہ الادویہ نیز کوکا پنڈت وغیرہ اس کے اعلیٰ خواص پورے پورے فائدہ کے مدعی ہیں۔ مصنف مجربات بو علی سینا کا بھی دعویٰ ہے۔ کہ بال سیاہ ہو جاویں گے۔ تمام عمر سفید نہ ہوں گے۔ بینائی تیز اور جسم کی دن بدن طاقت بڑھے۔ ضعیفی نزدیک نہ آوے۔ غرض اس قدر مفید اور مستند ہونے پر بھی آپ قدر نہ فرماویں تو تعجب ہے۔

ملک کے نامور لیڈران و معزز اصحاب کی رائے میں

آریہ اناتھ آلیہ دہلی

بھارت کی راجدھانی کا عالیشان انسٹیٹیوشن ہے!

مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے دہلی میں چاروں طرف سے یتیم بچے اور لڑکیاں آتی رہتی ہیں۔ جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ انہیں آسرا دینے کے لئے یہ **اناتھ آلیہ** عرصہ سے جاری ہے۔ جس میں ہر جاتی کے بچے پرورش پا رہے ہیں۔ جن کی تعداد آج کل لگ بھگ ڈہائی سو ہے۔ بالکوں کے لئے انٹرنس۔ پراگیہ دشارد شاستری شکشا کا پربندھ ہے۔ چنانچہ کئی بالک مختلف امتحانات پاس کر چکے ہیں۔ اور دستکاری میں موٹر۔ موٹر سائیکل۔ سائیکل و ہر قسم کی مشینوں کی مرمت تو کھاتی۔ درزی و بیت کا کام اور برتنوں پر قلعی کرنے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ جس کے لئے ایک ورکشاپ بھی تعمیر ہو گیا ہے۔ اس پرکار لڑکیوں کے لئے مڈل تک شکشا کا پربندھ ہے۔ جنہیں گھر کا کام کاج کرنا ایک پرانی تجربہ کار استانی سکھاتی ہیں۔ سولہ سال کی عمر ہو جانے پر لڑکیاں گن کرم دان دیوروں کے ساتھ شادی کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک اناتھ آلیہ بہت سی اناتھ لڑکیوں کے بواہ کر کے گرہستیوں میں کر چکا ہے۔ جو آنند کے ساتھ اپنا جیون بسر کر رہی ہیں۔ ایک سو آٹھ (۱۰۸) گمشدہ بچے اب تک ان کے وارثان کے سپرد کئے گئے ہیں ؛

اس سنستھا کو مختلف معزز اصحاب

مہاراجہ دھیراج شاہ پور آدھیش۔ ویوتا سروپ بھائی پرمانند جی۔ پرنسپل رام دیو جی آچاریہ گورکل کانگڑی۔ دان ویر شری سیٹھ جگل کشور جی برلا۔ بابو مہندر پرشاد جی ممبر کونسل آف سٹیٹ۔ نرائن پرشاد سنگھ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔ شری یت جیرام داس دولت رام ممبر کونسل بمبئی۔ رائے بہادر بدری داس جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب لالہ دیش بندھو جی ڈائریکٹر تیج۔ شردھا رام چند جی دہلوی مہو پدیشک۔ رائے صاحب لالہ گنگا رام جی گورنمنٹ آف انڈیا۔ پروفیسر چھیلا بی ایم اے سکرٹری ایجوکیشن بورڈ دہلی۔ لالہ شری رام جی سکرٹری جنرل سلاقل پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی دہلی۔ مسٹر جے این جی جونسن سابق چیف کمشنر دہلی۔ کرنل فرنکلن صاحب سابق سول سرجن دہلی۔ لالہ مہتہ نارائن جی گوڑ والے۔ لالہ لچھمن داس جی۔ لالہ لال جی بھارگو۔ لالہ رام پرشاد جی۔ میر محمد حسن صاحب میونسپل کمشنران دہلی۔ پادری صاحب مشن چرچ دہلی اسے سوئم دیکھ کر اس کی اپیوگتا اور حسن انتظام بالخصوص حساب و کتاب کے متعلق نہایت اعلیٰ رائے کا اظہار کر چکے ہیں ؛

سندو دھرم شاستروں میں دان اور پرا پکار کے لئے بہت زور دیا گیا ہے۔ اور دان کے سچے مستحق اناتھ ہی ہیں۔ اس وجہ سے دانی پرشوں کا دھیان اس طرف دلایا جاتا ہے۔ کہ ہر ایک گھر بار پرزان کے سمے اس مفید اور ضروری انسٹی ٹیوشن کا خاص طور پر دھیان رکھیں۔ مکان کی کمی اناتھ آلیہ کی ایک بڑی آوشیکتا ہے۔ اس کی وجہ سے بالکوں کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے اناتھ آلیہ کمیٹی نے پچاس ہزار کی لاگت سے اناتھ آلیہ کی بلڈنگ بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس سے ۳۲ کمرے و برآمدے تعمیر کئے جاویں گے۔ لیکن یہ کام اسی وقت پورا ہو سکتا ہے۔ جب دانی مہاشہ اس فراخدلی سے سہایتا کریں۔ ایک کمرہ برآمدہ پر ڈیڑھ ہزار روپیہ خرچ کا تخمینہ ہے۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ جو دانی اپنے روپیہ سے کمرہ بنوا لیں گے۔ یا ایک ہزار روپیہ صرف کمرہ کے لئے دان دیں گے۔ ان سے کہنے کے مطابق کمرے پر ان کے نام کا پتھر لگوا دیا جاویگا۔ **اناتھ آلیہ** کی دوسری ضرورت ۲۵۰ بچوں کے لئے گرم کپڑوں اور لحافوں وغیرہ کا مہیا کرنا ہے۔ تاکہ موسم سرما میں انہیں تکلیف نہ ہو۔ آشا ہے کہ دانی مہاشہ اس میں بھی سہایتا دے کر پنیہ اور یش کے بھاگی بنیں گے ؛

شری یان مہاشہ کرشن جی ایڈیٹر پرکاش لاہور کے پرکاش میں اناتھ آلیہ کے سمبندھ میں اپنی سمتی لکھتے ہیں :-

دہلی آریہ سماج کے ماتحت آریہ اناتھ آلیہ ایک ایسا کام ہے۔ جو پرانتک ہی نہیں۔ بلکہ آل انڈیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ۲۵۰ کے قریب یتیم لڑکے و لڑکیاں ہیں۔ ان کو جس طرح رکھا جاتا ہے شاید ہی کسی اور یتیم خانہ میں رکھا جاتا ہو۔ ان کو ہائی سکول میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ان کے لئے دستکاری کا انتظام ہے۔ کپڑے صاف ستھرے دیئے جاتے ہیں۔ بھوجن کا پربندھ معقول ہے۔ بالکوں کی ہاؤس جہاں یہ آشرم ہے۔ نہایت ہوادار اور فراخ ہے۔ اس یتیم خانہ کے لڑکے اور لڑکیوں کو دیکھ کر آپ کو گمان نہ ہو گا۔ کہ یتیم ہیں۔ یہ یتیم خانہ اس قابل ہے کہ آب لوگ آریہ پرش اسے اپنائیں۔ اور جب کسی شبھ اوسر پر انہیں دان کرنا ہو۔ تو اسے بھی یاد رکھا کریں" ؛

نیازمند

(رائے) **گیان چند ٹھیکیدار** — پردھان اناتھ آلیہ

(لالہ) **نارائن دت ٹھیکیدار** — گورنر اناتھ آلیہ

شوچند داس گپتا منیجر آریہ اناتھ آلیہ — سکرٹری آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی

سودیشی اور سستا

ہندوستان کا مشہور اور پرانا

نہایت مضبوط کپڑا بنانے والا کپڑے کا کارخانہ

دی دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ دہلی

ہم نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ اپنے معزز بیوپاریوں، دوکان داروں اور عام پبلک کو اطلاع دیتے ہیں۔ کہ ہمارے کارخانہ میں کل سرمایہ ہندوستان کا لگا ہوا۔ کام کرنے والے کل ہندوستانی ہیں۔ اور کل کپڑا صرف ہندوستان کی روئی سے بنایا جاتا ہے۔ سب سے بڑی خوبی کی بات ہمارے کارخانہ میں یہ ہے کہ کسی قسم کی چربی ہرگز استعمال میں نہیں لائی جاتی۔ علاوہ ازیں کپڑا نہایت مضبوط خوب صورت اور پائیدار ہوتا ہے۔ ہمارے کارخانہ میں تیار ہونے والے کپڑے کی چند قسمیں نیچے درج کی جاتی ہیں۔ مثلاً گبرون۔ سیٹن۔ زین ٹویل وغیرہ مختلف قسم کے دھلے ہوئے اور رنگے ہوئے کپڑے۔ دو جوڑے۔ سوتی چادریں۔ ڈبرے کا کپڑا۔ تولیہ۔ جھاڑن۔ کھادی۔ نوار کے۔

ہم نے پنجاب کے بیوپاریوں کی سہولیت کے لئے میسرز دیا چند ہردیال کٹڑہ آہلووالیہ امرتسر۔ وننک منڈی جموں اور چندو لال سورج کاہو کی کوٹھی کان پور کی دو کانوں پر اس کارخانہ کا تیار کردہ کپڑا فروخت کرنے کا انتظام کر رکھا ہے۔

نوٹ

ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ اکثر دوکان دار اپنے لالچ کی وجہ سے دیگر ملوں کے بنائے ہوئے ٹی وغیرہ سے موٹے کٹے ہوئے کپڑوں کو ہماری مل کے نام پر سیدھے دوکان داروں کے ہاتھ فروخت کر کے پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے خریداروں کو آگاہ کرتے ہیں۔ کہ وہ دھوکہ سے بچیں۔ اور جگہ ہمارے کپڑا خریدیں۔ تو اول اس پر "بلا چربی کا مال" کی مہر دیکھ لیں۔ اور اس کے علاوہ نیچے بنے ہوئے چھاپوں میں سے کسی کو ملاحظہ فرمالیں۔ یا سرورق کی چھاپ کی تصویر لگی ہوئی ہوتی ہے۔

D C M

مزید تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں:-

سیکرٹری دی دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ۔ دہلی

سانچ کو آنچ نہیں

اسکو دیکھئے ۔ اسکو پڑھئے

یہ مہاتما جی لا ما یوگی ہے
تبت کی غاروں اور ہمالیہ کی گپھاؤں
میں ۲ سال تپسیا کرکے جڑی بوٹی
نا تھیرک کو بیچ لائے ہیں جس سے
نیچے لکھے سب کام ضرور بضرور
سدھ ہونگے ۔ ورنہ پوری قیمت واپس

پریہ مہاشہ تپت دوش نا دسیچ پیٹھ ۔
آپ سے ہم نے جو جڑی تانتریک کی وجہ
منگوایا تھا ۔ اس کے عجیب گنوں
کی تعریف لکھنے کی طاقت ہم میں نہیں
تیوار تھا سادھو کی سدھی سدھ
دوائی سے ۔ کرپا کرکے تین جڑی دو بوچ بھیجکر انوگرہیت
کریں ۔ آپ کا داس پنڈت سکھو پرشاد مقام وڈاپور
پوسٹ مورگنج ضلع میں پوری

۱ ۔ **وشی کرن** کے لئے اس سے زیادہ آزمائی ہوئی کوئی چیز سنسار میں نہیں ۔ ستری پرش
دونوں کے لئے قیمت ۳ روپے ۸
۲ ۔ روگ سے چھٹکارا ۔ پرانے سے پرانا خراب سے خراب لاعلاج کوئی بھی روگ کیوں نہ ہو ۔ شرطیہ آرام قیمت ۳ روپے ۸
۳ ۔ مقدمہ چاہے جیسا پیچیدہ سے پیچیدہ ہو ۔ ہار ہو رہی ہو ۔ مگر اس سے شرطیہ جیت ہوگی قیمت ۳ روپے ۸
۴ ۔ روزگار ۔ تجارت میں اگر فائدہ نہ ہوتا ہو ۔ ہمیشہ گھاٹا ہی ہوتا ہو ۔ ان کا روزگار چل نکلے گا ۔
فائدہ ہوگا ۔ قیمت ۳ روپے ۸
۵ ۔ ملازمت جنکو ملازمت نہ ملتی ہو بیکار بیٹھا ہو ۔ باحیثیت کی نوکری ملتی ہو ضرور ملے گی قیمت ۳ روپے ۸
۶ ۔ امتحان ۔ پروموشن میں اس سے ضرور کامیابی ملے گی ودیارتھی اور ملازمت پیشہ ضرور آزمائش کریں قیمت ۳ روپے ۸
۷ ۔ دشمن ۔ دشمن سخت سے سخت کیوں نہ ہو ۔ سر نگوں ہوگا اور ایک بار دبے ضرور ملے گی ۔ قیمت ۳ روپے ۸
نوٹ ۔ ایک جڑی ایک ہی کام میں چلے گی ۔ ڈاکخرچ ۔ چند سے خریدار ہوگا ۔ ۲ جڑی کی قیمت ۶ روپے ۔ محصول ۔ منگانے والے
منگاتے وقت اپنا نام اور کام ضرور لکھیں جڑی ملنے کا پتہ ۔ وجے لاج (ڈی ایل) سلکیہ ہوڑا

بڑھیا اور قابل اعتبار گھڑیاں سچ مچ کم قیمت میں
بے دھڑک منگائیے

ریڈیم پاکٹ واچ

گارنٹی پانچ سال
سخت اندھیرے میں
صاف صاف وقت
بتاتی ہے ۔ چھوٹا سائز
خوبصورت شکل مضبوط
مشین ۔ قیمت صرف
۵ روپے ۸ ۔ بغیر ریڈیم

الارم ٹائم پیس

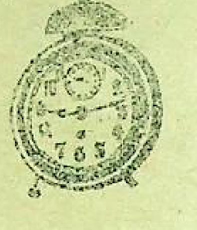

گارنٹی پانچ سال
نہایت خوبصورت
اور نہایت مضبوط
مشین والی یہ
گھڑی سالوں تک
ٹھیک ٹھیک وقت
بتانے کے ساتھ
ساتھ آپ کی جب
نشا سونے سے بھی جگاوے گی قیمت ۳ روپے ۸

اصلی رولڈ گولڈ کی ہاتھ گھڑی

قیمت صرف ۹ روپے ۸ ۔ گارنٹی دس سال

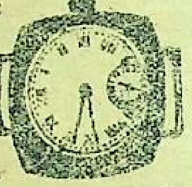

نہایت خوبصورت چھوٹا سائز
منور ڈائل اور اصلی
پکے رولڈ گولڈ کا
کیس جس کا رنگ
ہمیشہ ویسا ہی بنا رہتا ہے
مشہور کارخانہ کی بنی ہوئی یہ گھڑی بناوٹ اور چلنے
کی مضبوطی میں قیمتی سے قیمتی گھڑیوں کو بھی مات
کرتی ہے ۔ پیکنگ اور محصول ڈاک کے لئے ۱ روپیہ زائد

ریڈیم رسٹ واچ (گارنٹی سات سال)

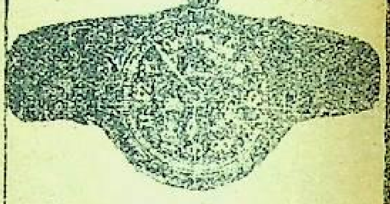

ریڈیم کی وجہ سے اندھیرے میں بھی صاف صاف وقت
بتاتی ہے ۔ نہایت خوبصورت چمکدار عمدہ
نکل سلور کا کیس ۔ مضبوط مشین جو کبھی بند نہیں ہوتی
قیمت صرف چھ روپے

دی یونین ٹریڈنگ کمپنی ۱۶۶ ہیرسن روڈ (S) کلکتہ

دی سینٹرل بینک آف انڈیا لمیٹڈ لاہور

ہیڈ آفس بمبئی

مینیجنگ ڈائرکٹر
ایس ۔ این پوچکھانوالا اسکوائر
چیئرمین لوکل ایڈوائزری کمیٹی ۔
آنریبل رائے بہادر لالہ رام سرنداس
(سی ۔ آئی ۔ ای)

سرمایہ فروخت شدہ
۳۳۶۰۰۰۰۰ روپے
سرمایہ ادا شدہ
۱۶۸۰۰۰۰۰ روپے
ریزرو فنڈ
۱۰۰۰۰۰۰۰ روپے

اگر آپ کو شادی کیلئے خالص سونے کی ضرورت ہو ۔ تو
سنٹرل بنک آف انڈیا سے خریدیں جو دس اور پانچ
تولے کے ٹکڑے فروخت کرتا ہے ۔

ہماری ہوم سیونگ سیف سکیم
سے فائدہ اٹھائیں

مفصل حالات کیواسطے درخواست کرو ۔

کشن چند پوری ایجنٹ ۔ رنگ محل برانچ لاہور

ایس آر جار یوالہ ایجنٹ
نیلہ گنبد لاہور

ESTB 1895

قائم شدہ سنہ ۱۸۹۵ء

ہارمونیم کی خوبیاں کیا ہیں

پائیداری — سُریلاپن — مُناسب قیمت

یہ سب خوبیاں کس کے باجوں میں ہوتی ہیں؟

وہی

دہلی کی سب سے مشہور اور پرانی فرم ہیں جسے اس کام میں ۳۳ سالہ تجربہ کا فخر حاصل ہے

فیکٹری قائم شدہ سنہ ۱۸۹۵ء

مُفت ! ہارمونیم گائیڈ ہندی - اُردو ۲ر کے ٹکٹ بھیجنے پر مفت طلب کریں +

رتی رام اینڈ سن ہارمونیم فیکٹری نئی سڑک دہلی

RATI RAM AND SON
HARMONIUM FACTORY
EGERTON ROAD DELHI.

ہمارا خضاب

جو تمام عیبوں سے پاک اور صاف ہے۔

بالوں کو لگاتے ہی قدرتی رنگ کی طرح سیاہ کر دیتا ہے

اپنے شہر کے دکانداروں سے طلب کیجئے

ہر جگہ مل سکتا ہے۔

سول ایجنٹ شیخ محمد اسحاق اللہ والا ۱۵۰ صدر بازار۔ دہلی

کپور ہاؤس

رعایتی اعلان

فارسٹ کالج دربازی محکموں وغیرہ وغیرہ کا اعلیٰ اسٹینڈرڈ سائز یعنی پختہ ناپ - سوٹ - بلیزر - کوٹ پتلون وغیرہ آرڈر دینے پر جلد تیار ہو سکتے ہیں تقریباً نصف رقم پیشگی آنی ضروری ہے - بلیزر - بلیو رنگ کلر ایش بلیک سُرخ سکارلٹ کلرز وغیرہ وغیرہ اعلیٰ درجہ مکمل ۱۲-۱۵-۱۶ روپے - پتلون ڈارک گرے سیور گرے وغیرہ ۷-۸-۹-۱۰ روپے - سوٹ کوٹ پتلون گرم ٹویڈز وغیرہ مختلف نمونہ ۱۹-۲۲-۲۵-۲۸-۳۲ روپے - بلیس فورکوٹ یا کر ۲۰-۲۵-۳۰ روپے - پتلون خاکی رنگ سفید وغیرہ مکمل ۱۰-۱۱ روپے - کوٹ گرم مختلف نمونہ کے ۱۱-۱۲-۱۴-۱۵ روپے - چسٹر فیلڈ اوورکوٹ ۲۴-۲۸-۳۲ روپے - پتلون سفید فلالین ۷ روپے اور ساڑھے چار روپے اور ساڑھے چار روپے - ہاکی نکر دو - سوا دو روپے اور ڈھائی روپے علاوہ ازیں مختلف نمونے قیمتی کپڑے اور کچی آلفاکٹ مل سکتے ہیں انگریزی ٹیلروں کے طریقہ پر سلائی و کٹائی کا اعلیٰ انتظام ہے - کیپٹن سمپیر ایچ ایس سمپیر کوکل کی تجربہ کار ہسپتال روڈ انارکلی

بلاک برائے فروخت

موجود ہیں !

مندرجہ ذیل تین رنگے بلاک جن کی تصاویر اخبار پرتاپ دیپ کاش لاہور کے خاص نمبروں میں شائع ہوتی رہی ہیں اور جنہیں نہایت پسندیدگی حاصل ہے برائے فروخت موجود ہیں - ہماری اصلی لاگت ہر ایک بلاک کے سامنے درج ہے - جو اصحاب خریدنا چاہیں - وہ جو رقم دینا چاہتے ہوں لکھیں زیادہ رقم دینے والے کو بلاک دیئے جاویں گے

۱- گوپال کرشن سائز ۷×۱۰ لاگت ۱۳۰ روپے ۱۰ر
۲- کنس بدھ ۷ × ۱۰½ ۱۳۳ روپے ۱۲ر
۳- من موہن ۸×۱۰ ۱۴۵
۴- بندھن موچکیم رشی دیانند ۶ × ۹½ ۱۱۷ روپے ۱۲ر
۵- سوامی دیانند تیسرے چہرے والا ۸ × ۹½ ۱۴۲ روپے

الپ شہر کا تنفیذ

المشتہر
مینیجر
ہربنس لال جنرل منیجر
اخبار پرتاپ - لاہور

پرتاپ کیوں مفید ہے

(۱) اس کی اشاعت لاہور کے کوئی دو روزناموں کی مجموعی اشاعت سے بھی زیادہ ہے +
(۲) اس کے پاس ترجمہ کرنے اور اشتہارات کو سجانے اور موزوں شکل و شباہت میں چھاپنے کیلئے قابل عملہ موجود ہے جو کہ اشتہارات کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے - جو دلوں پر لازمی طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔
(۳) اسے کم و بیش ایک لاکھ اشخاص روزانہ پڑھتے ہیں۔
(۴) اس کی اشاعت ملک بھر کے روزانہ اُردو اخبارات میں سب سے زیادہ ہے +
(۵) یہ اُردو میں شائع ہوتا ہے - جسے ہندوستان کی زبان کہا جا سکتا ہے +
(۶) یہ ایک سو و بیس بک سٹالوں پر (۲) ۱۶۰ شہروں میں ایجنٹوں کے ذریعے - (۳) اور سو مقامی اخبار فروشوں کے ذریعے فروخت ہوتا ہے - مستقل گراہک اس کے علاوہ ہیں +
(۷) پرتاپ لاہور کا ایک ایسا اخبار ہے جس کا زیادہ اشاعت کی وجہ سے اپنا چھاپہ خانہ ہے
(۸) پرتاپ ہی لاہور کا واحد اخبار ہے جو زیادہ اشاعت کی وجہ سے گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتا ہے +
(۹) زیادتی اشاعت کی وجہ سے ...

مینیجر "پرتاپ" لاہور

راجوںؒ۔ نوابوںؒ۔ رؤساء وامرائے کے تجربے

اور روگ امراض پیٹ کے مشہور معالج

کویراج پنڈت امرناتھ ناگر وَیدکو یرتن راج وَیدکا تیار کردہ

امراضِ معدہ وسینہ اور دُودھ گھی ہضم کرنیکی لاثانی دوا

آہار بھکشن یا جوہر ہاضم رجسٹرڈ

تمام بیماریونکی جڑ امراض معدہ وسینہ۔ بدہضمی۔ ہیضہ۔ پیٹ درد۔ کمی اشتہا۔ جلودھر۔ کرم شکم۔ قبض۔ اسہال۔ باؤگولہ۔ ریاح۔ کھانسی۔ دمہ اور تلی وغیرہ کے لئے تیر بہدف ہے۔ دُودھ۔ گھی۔ بالائی۔ مکھن۔ ماس۔ انڈے وغیرہ مرغن اشیاء کے ہضم کرنیکی لاثانی دوا ہے۔ ایک ہی ہفتہ کے استعمال کے بعد بیشمار دُودھ گھی وزن ہضم ہوجاتا ہے۔ خون صالح پیدا کرکے چار پانچ پونڈ وزن بڑھتا ہے۔ دماغ حافظہ ذہن کو تقویت۔ قوت مردمی اور طاقت صدرجہ بڑھادیتا ہے۔ کمزور اور دماغی کام کرنیوالوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے

قیمت فی شیشی ۳۲ گولیاں ایک روپیہ (عہ)۔ تین شیشی عہ/ علاوہ محصولڈاک وپیکنگ

خبردار اس کی شہرت دیکھکر بہت سے نقال پیدا ہوچکے ہیں۔ اس لئے اصلی چیز کے لئے لیبل پر میرا نام دیکھ لیا کریں۔

مغالطہ سے بچنے کے لئے ہمارے شفاگھر میں تشریف لانے اور علاج کرانے والے اصحاب بورڈ پر ہمارا نام کویراج پنڈت امرناتھ ناگر وَیدآیورویدک شفاگھر ضرور پڑھ لیا کریں۔

بہت مفید ثابت ہوا

سری راجہ صاحب بہادر پدم سنگھ صاحب والئے ریاست بشہر ضلع شملہ

مہربان من پنڈت جی!۔ آپ نے جو آہار بھکشن یا جوہر ہاضم بھیجا تھا بہت مفید ثابت ہوا۔ برائے مہربانی چار عدد شیشیاں آہار بھکشن یا جوہر ہاضم بذریعہ وی پی روانہ فرمادیں۔

چھ شیشیاں اور روانہ کریں

پرائیویٹ سیکرٹری نواب صاحب جاوڑہ سنٹرل انڈیا

جناب عالی ایک درجن شیشیاں آہار بھکشن جیسے کہ آپنے پہلے بذریعہ وی پی روانہ کی تھیں پھر چھ شیشیاں اور روانہ کریں۔

ہمیشہ فائدہ ہوا

شریمان دیوان رام سروپ صاحب رئیس گلمرگ کشمیر سٹیٹ

ست کی جے۔ کئی مرتبہ آہار بھکشن استعمال کرچکا ہوں۔ ہمیشہ فائدہ ہوا ہے۔ تین عدد شیشیاں اور بذریعہ وی پی روانہ فرمادیں۔

ملنے کا پتہ

مینیجر آیورویدک شفاگھر لاہور

(بالمقابل ٹانگہ شیڈ لوہاری انارکلی)

تار کا پتہ "ہاضمہ لاہور"

ٹیلیفون نمبر ۹۵۲

ٹیلیفون نمبر ۲۱۳۳
رجسٹرڈ نمبر ایل ۴۳۵

ओ३म्

कृण्वन्तो विश्वमार्यम्

प्रकाश लाहौर का ऋषि अंक

PRAKASH

پرکاش ہفتہ وار لاہور کا رشی نمبر

LAHORE INDIA

ایڈیٹر کرشن بی اے

قیمت فی پرچہ رشی نمبر چار آنے

27 Oct. 29

نمبر ۴۲ جلد ۲۵

ایتوار ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۱ کارتک سمت ۱۹۸۶

آریہ سماج کے شہید

سودیشی اور سستا

ہندوستان کا مشہور اور پرانا

نہائت مضبوط کپڑا بنانیوالا کپڑے کا کارخانہ

دی دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ دہلی۔

ہم نہائت خوشی اور مسرت کے ساتھ اپنے معزز بیوپاریوں۔ دوکانداروں۔ اور عام پبلک کو اطلاع دیتے ہیں۔ کہ ہمارے کارخانہ میں کل سرمایہ ہندوستان کا لگا ہوا ہے۔ کام کرنے والے کل ہندوستانی ہیں۔ اور کل کپڑا صرف ہندوستان کی روئی سے بنایا جاتا ہے۔ سب سے بڑی خوبی کی بات ہمارے کارخانہ میں ہے۔ کہ کسی قسم کی حیوانی یا نباتی چربی ہرگز استعمال میں نہیں لائی جاتی۔ علاوہ ازیں کپڑا نہائت مضبوط خوب صورت اور پائیدار ہوتا ہے۔ ہمارے کارخانہ میں تیار ہونے والے کپڑے کی چند قسمیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں مثلاً

گبرون۔ سیٹن۔ زین۔ ٹوبل و دیگر مختلف قسم کے دُھلے ہوئے اور رنگے ہوئے کپڑے۔ دہوتی جوڑے۔ سوتی چادریں۔ ڈیرے کا کپڑا۔ تولیہ۔ جھاڑن۔ کھادی۔ نواڑ ؛

ہم نے پنجاب کے بیوپاریوں کی سہولیت کے لئے **میسرز دیا چند ہردیال۔ کٹڑہ آہلوو الیہ امرتسر۔ و نمک منڈی جموں۔ اور چندو لال سورج مل کا ہو کی کوٹھی کانپور** کی دوکانوں پر اس کارخانہ کا تیار کردہ کپڑا فروخت کرنے کا انتظام کر رکھا ہے ؛

نوٹ

ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ اکثر دوکاندار بے لالچ کی وجہ سے دیگر ملوں کے بنائے ہوئے مٹی وغیرہ سے موٹے کئے ہوئے کپڑوں کو ہماری مل کے نام پر سیدھے سادے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کرکے پبلک کو دہوکہ دیتے ہیں۔ اس لئے ہم اپنے خریداروں کو آگاہ کرتے ہیں۔ کہ وہ دھوکہ سے بچیں اور جبکہ ہمارے کارخانہ کا کپڑا خریدیں تو مال اُس پر "بلا چربی کا مال" کی مہر دیکھ لیں۔ اور اس کے علاوہ نیچے بنے ہوئے چھاپوں میں سے کسی کو ملاحظہ فرمالیں۔ یا سردی کمار یا گوپال چھاپ کی تصویر لگی ہوئی ہوتی ہے ؛

(۱) (۲) (۳)

مزید تفصیلات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں

سکرٹری دی دہلی کلاتھ اینڈ جنرل ملز کمپنی لمیٹڈ۔ دہلی۔

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کی ۲۰ سال کی آزمودہ گورنمنٹ ہند و جرمن سے

رجسٹری شدہ

چیف ایجنٹ برائے پنجاب - بال بہار آفس چاندنی چوک دہلی

سدھا سندھو

... محصول چار روپے چار آنے

بال سدھا

بڑھاپا

دور کرنے کی تدابیر

موت کو تو کوئی نہیں روک سکتا - لیکن امریکہ کے سائنس دانوں نے ضعیفی دور کرنے کی تدابیر نکال ہی ڈالی - صبح چارپائی پر پڑے پڑے اعضا کو حرکت دیتے رہیے - پھر کبھی قبض کی شکایت ہو گی - نہ بدہضمی کی نہ پھر دیگر قسم کی بیماری کا اندیشہ رہے گا - اعضا کو کس طرح حرکت دینی چاہیے - اس کے لئے اس کتاب میں ۳۲ تصویریں دی گئی ہیں - کسی استاد سے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

یہ کتاب زیادہ تر دکان دار اور دیگر تجارت پیشہ لوگوں کے لئے جن کو ٹہلنے اور ورزش کرنے کا موقع نہیں ملتا بے حد مفید ہے کیونکہ ان لوگوں کو ہر وقت قبض - بدہضمی - بواسیر کی شکایت رہتی ہے - ہم نے خود اس پر عمل کر کے بہت بڑا فائدہ حاصل کیا ہے - واقعی اس کتاب کے بموجب عمل کرنے سے بڑھاپا دور ہو جاتا ہے

اس کتاب کی ضخامت کو نہ دیکھتے ہوئے عام پبلک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہم نے اس کی قیمت صرف ایک روپیہ رکھی ہے - ڈاک محصول ۵ ر ...

دردو کھجلی کیسری

داد کی دوا

دار کشا سب

ملاحظہ فرمائیے بال سدھا کے سرٹیفکیٹ کیا کہتے ہیں؟

مہاشہ جی! آپ کا بال سدھا اچھی بجلی کا اثر رکھتا ہے - میں اپنے بچے کے ... علاج کر کے مایوس ہو چکا تھا - لیکن میرے مرجھائے ہوئے بچے کو آپ کے امرت کے موافق بال سدھا نے کنول کی مانند شگفتہ کر دیا - اس لئے میں صدق دل سے آپ کا مشکور ہوں ... مہربانی اور بھی تین شیشی بذریعہ وی پی روانہ کر دیجئے گا - تاکہ ہماری ضرورت پوری ... کھنیا لال ... (۵ اپریل ۱۹۲۳ء)

... بال سدھا چار شیشی منگوایا - بے حد فائدہ اٹھایا - تعریف نہیں ہو سکتی - ... مہربانی کر کے چار شیشی بذریعہ وی پی روانہ کر دیجئے - پنڈت ... رام بھروسے شرما - چترکوٹ - ۲۶ جون ۱۹۲۳ء

شریمان مہاشہ جی پرنام! آپ کی فہرست دیکھ کر دو شیشی بال سدھا کی منگوانا چاہتا ہوں - برائے مہربانی روانہ کر دیجئے - پارسل وی پی آنے پر قیمت بھیج دوں گا - اس سے بچوں کو بہت آرام ہوتا ہے - میں پہلے بھی منگوا کر امتحان کر چکا ہوں - ... ڈاک خانہ رام نگر ضلع نینی تال ... فروری ۱۹۲۳ء

حال یہ ہے کہ ایک شیشی بال سدھا روانہ کر دیجئے - آپ کی دوا بال سدھا بچوں کی جان بخشنے کے واسطے امرت کی دھارا ہے - آپ کے دواخانہ کی پرمیشور ہمیشہ ترقی اور شہرت دے - آپ کا خیر خواہ پنڈت گوبر داس شرما جوتشی - گاؤں تیلی پہاڑی ڈاک خانہ مہادیو کنٹھ ضلع ہمیرپور ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء

ملنے کا پتہ: سکھ سنچارک کمپنی متھرا - یو - پی -

ملک کے نامور لیڈران و معزز صاحب کی رائے میں

آریہ اناتھ آلیہ دہلی

بھارت کی راجدھانی کا عالیشان انسٹی ٹیوشن

مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے دہلی میں چاروں طرف سے یتیم بچے اور لڑکیاں آ رہی ہیں۔ جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ انہیں آشرے دینے کے لئے یہ اناتھ آلیہ عرصہ سے جاری ہے۔ جس میں ہر جاتی کے بچے پرورش پا رہے ہیں۔ جن کی تعداد آج کل ۲۵۰ ہے۔ بالکوں کے لئے انٹرنس۔ پراگیہ۔ وشارد و شاستری تک تعلیم کا پربندھ ہے۔ چنانچہ کئی بالک مختلف امتحانات پاس کر چکے ہیں۔ اور دستکاری میں موٹر۔ موٹر سائیکل۔ سائیکل ہر قسم کی مشینوں کی مرمت۔ بڑھئی کا کام۔ سینز و دنیی کا سکھلایا جاتا ہے۔ جس کے لئے اب ایک بڑا درکشاپ بھی تعمیر ہو گیا ہے۔ اسی پرکار لڑکیوں کے لئے مڈل تک شکشا کا پربندھ ہے۔ جنہیں گھر کا کام کاج کرنا۔ ایک پرانی گرہستی کار ادھ منظمی تری سکھاتی ہیں۔ ۱۶ سال کی عمر ہو جانے پر لڑکیوں کی آتم گن وان وروں کے ساتھ شادی کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک اناتھ آلیہ بہت سی اناتھ لڑکیوں کے زواد سنبندھ کر کے سکھ میں کر چکا ہے۔ جو آنند کے ساتھ اپنا جیون بسر کر رہی ہیں۔ سیمنٹ دستکاری کا کام خاص طور پر کیا جاتا ہے۔

اس سنستھا کو مختلف معزز صاحب

شریمان مہاراجہ شاہ پور آدھیش۔ دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی۔ پرنسپل رامدیو جی آچاریہ گورو کل کانگڑی۔ دان ویر سیٹھ جگل کشور جی برلا۔ بابو مہیندر پرشاد جی ممبر کونسل آف سٹیٹ۔ بابو نارائن پرشاد سنگھ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔ شری یُت جے رام داس دولت رام ممبر کونسل بمبئی۔ رائے بہادر بدری داس جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب۔ لالہ دیش بندھو جی ڈائرکٹر تیج۔ پنڈت رام چندر جی دہلوی مہوپدیشک۔ رائے صاحب لالہ گنگا رام جی گورنمنٹ اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز۔ دیوان بہادر ... بی اے سکریٹری ایجوکیشن بورڈ۔ لالہ سری رام جی سکرٹری جنرل کلاتھ مل ووائس پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی دہلی۔ مسٹر ... ایم جی جونس صاحب چیف کمشنر دہلی۔ مسٹر ای ای دی کمشنر دہلی۔ سیٹھ پرمانند ایم اے انکم ٹیکس آفیسر۔ لیڈی برڈ وڈ کمانڈر انچیف ہند۔ پنڈت دیودھر جی پریزیڈنٹ سرونٹس سوسائٹی آف انڈیا۔ کرنل فرنکلن صاحب سابق سول سرجن دہلی۔ لالہ ستیہ ناراین جی ٹوڈا والے۔ لالہ لچھمن داس جی۔ لالہ منوہر لال جی بھارگو۔ لالہ رام پرشاد جی و میر محمد حسین صاحب پرنسپل کمشنر انکم ٹیکس دہلی۔ اے سوئیم دیکھ اس کی اُپیوگتا اور حسن انتظام بالخصوص حساب و کتاب کے متعلق نہایت اعلیٰ رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔

سناتن دھرم شاستروں میں دان اور پر اپکار پر بہت زور دیا گیا ہے اور دان کے سچے مستحق اناتھ ہی ہیں۔ اس وجہ سے دانی پرشوں کا دھیان اس طرف دلایا جاتا ہے کہ ہر ایک شبھ اوسر پر دان کے سمے اس مفید اور ضروری سنستھا کا خاص طور سے دھیان رکھیں۔ مکان کی کمی جس کی وجہ سے بالکوں کو بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اناتھ آلیہ کی ایک بڑی آوشیکتا ہے۔ اناتھ آلیہ کی دوسری ضرورت ۲۵۰ اناتھوں کے لئے گرم کپڑے اور لحاف وغیرہ کا مہیا کرنا ہے۔ تاکہ موسم سرما میں انہیں تکلیف نہ ہو۔ آشا ہے کہ دانی مہاشے اس میں بھی سہائتا دے کر پُنیہ اور یش کے بھاگی بنیں گے۔

نوٹ :- یہ سنستھا آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی کے آدھین ہے۔ جس کے پردھان لالہ نارائن دت جی ٹھیکیدار۔ منیجر آریہ پردھان لالہ بلاقی داس جی ٹین والے۔ لالہ جگن ناتھ پرشاد جی منیجر الہ آباد بنک و رائے صاحب گنگا رام جی آئی ایس او ہیں۔

نویدک

(لالہ) نارائن دت ٹھیکیدار گورنر اناتھ آلیہ پردھان آریہ سماج دہلی چاوڑی بازار

(لالہ) گیان چند ٹھیکیدار پردھان آریہ اناتھ آلیہ

شوچرن داس منیجر آریہ اناتھ آلیہ سکرٹری آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی

پرکاش لاہور کا رشی نمبر

۲۷ اکتوبر ۱۹۲۹ء

سوراجیہ وادی دیانند

بھارت کے راج نیتک سمندر میں پھر جوار بھاٹا آیا ہے۔ پھر سوراجیہ کا چرچا ہو رہا ہے اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں۔ انڈین نیشنل کانگرس نے گورنمنٹ برطانیہ کو الٹی میٹم دیا ہے کہ اگر اس نے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء تک ہندوستان کو درجہ نو آبادیات دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ تو وہ مکمل آزادی کا مطالبہ پیش کریگی۔ اور تمام ملک میں سول نافرمانی اور عدم ادائیگی ٹیکس کی مہم شروع کر دیگی۔ یہ دھمکی کوری نہیں بلکہ ملک کے خیالات میں حیرت انگیز تغیر آ رہا ہے۔ کہ یہ پتہ مشکل ہو رہا ہے۔ کہ پولیٹکل تحریک کل کیا صورت اختیار کریگی۔ مسٹر جتیندر ناتھ داس کے بلیدان نے بھارت کے راج نیتک اتہاس میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ دنیا نے پرتیکش دیکھ لیا۔ کہ ہندوستانی نوجوان صرف کہتے ہی نہیں۔ بلکہ کر کے دکھا دیتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی نوجوانوں نے اپنے دیش کی آزادی کے لئے بھاری ایثار دکھلایا ہے۔ اس سے پہلے بھی بھارت کے پتروں نے اپنی ماتری بھومی کی آن کی رکشا کے لئے سولی پر چڑھنا قبول کیا ہے۔ لیکن اگر ان شہیدوں سے بھی کسیطرح پوچھا جا سکے۔ تو وہ بھی یک زبان ہو کر کہدیں گے :-

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

جتیندر کی شہادت نرالی ہے۔ سنسار کے اتہاس میں اس سے پہلے صرف آئرلینڈ ہی ایک مثال پیش کرتا ہے۔ جس نے قید ہو کر بھی غیر حکومت کی غلامی منظور نہ کی۔ اور ۷۲ دن بھوکے رہکر اپنے دیش کے لئے اپنے پران دے دیئے۔ دوسری مثال جتیندر کی ہے۔ ۶۳ دن بھوکا اور پیاسا رہ کر اپنی جنم بھومی پر اپنی جان وار دی۔ میکسوینی کی شہادت نے آئرلینڈ کو سوراجیہ دلا دیا۔ کیا جتیندر کا بلیدان بھارت کی غلامی کی بیڑیاں کاٹ دیگا۔ اس پرشن کا اتر سمے دیگا۔

اس سمے دیش میں جو راج نیتک آندولن نظر آ رہا ہے۔ کیا اس میں رشی دیانند کا بھی کوئی بھاگ ہے؟ کیا آریہ سماج کوئی سہائتا دیگا؟ کیوں نہیں۔ رشی دیانند نے تو اپنی تحریروں اور تقریروں میں وہ پولیٹکل اصول بیان کر دیئے ہیں۔ جنہیں بھارت سوتنترتا کے بھون نرمان کی آدھار شلا کہہ سکتے ہیں۔ انہوں نے وہ نیم بتلائے ہیں۔ جنہیں آج تمام پولیٹکل فلاسفر تسلیم کرتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کام کی کونسی بات ہے۔ جو رشی دیانند نے ہمیں نہیں سکھلائی لیکن میں وستار میں نہیں جانا چاہتا۔ کیول اتنا کہنا پریاپت ہے۔ کہ رشی نے ہمیں سوتنترتا کا مول منتر بتا دیا ہے۔ وہ کیا؟ یہ کہ دیش پریم کو ہرت میں دھارن کرو۔ جب تک دیش پریم کا جذبہ تمہارے سامنے آ کھڑا نہ ہوگا۔ لیکن دیش پریم کیسے پیدا ہو جب تک اس کے لئے ہمارے دل میں گورو اور بھکتی پیدا نہ ہو۔ رشی دیانند پہلے مہاپرش ہیں جنہوں نے ہمیں بتایا کہ ہمارے بزرگ نہ صرف یہ کہ گنوار اور نیم وحشی نہ تھے۔ جیسا کہ تمہارے یورپین ماسٹر کہتے پڑھاتے ہیں۔ بلکہ سبھیتا کے شکھر تک پہنچ چکے تھے۔ اور ہیچ بھی چکے تھے۔ ان دنوں میں جب کہ تمہارے شاسکوں کے بزرگ کھال پہنکر گذارہ کرتے تھے۔ نہ صرف یہ کہ پراچین آریہ دوسروں کے غلام ہی نہ تھے۔ بلکہ وہ سنسار پر راجیہ کرتے تھے۔ ان کے راجیہ کے نشان اس وقت تک ملتے ہیں۔ منو مہاراج کی شہادت ہے۔ کہ دنیا بھر کے لوگ ہمارے بزرگوں کے پاس چرتر شکشا کی شکشا لینے آیا کرتے تھے۔ رشی دیانند نے آریہ بھیتے کے نام سے پرار تھنا کی ایک پستک لکھی۔ اس میں ایسے منتر اکٹھے کئے۔ جن میں سوراجیہ نہیں۔ بلکہ چکرورتی راجیہ کے لئے پرارتھنا کی گئی ہے۔ پھر وید کے ماننے والے داس کیسے ہو سکتے ہیں؟

دیانند کی پولیٹکل فلاسفی غیروں سے نفرت پر نہیں بلکہ اپنوں سے پریم پر منحصر ہے۔ نفرت کا جذبہ عارضی ہے۔ محبت کا جذبہ مستقل ہے۔ نفرت کا جذبہ سنسار میں ودویش پھیلاتا ہے۔ محبت کا جذبہ شانتی کا پرسار کرتا ہے۔ دیانند امن کا شہزادہ تھا۔ شانتی کا اوتار تھا۔ اس لئے اس نے ایسا مارگ درشایا۔ جس پر چلنے سے سنسار میں اشانتی بھی نہ ہو۔ اور بھارت سوراجیہ بھی پراپت کرے۔ ضرورت ہے۔ کہ بھارت دیانند کا سندیش کان کھول کر سنے۔ اسی میں اس کا کلیان ہے۔ جو لوگ بھارت کو سوراجیہ دلانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ تو بتائیں کہ بھارت ہے کہاں۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ بھارت ہم پانا لیکن وہ آزاد ضرور ہو جائے۔ دیانند چاہتا تھا

آریہ سماج اور نگر کیرتن

(از شری یت اما شنکر وکیل ایم۔ ایل سی)

ویدوں کا پڑھنا پڑھانا اور وید کی آگیا ماننا ہر آریہ کا دھرم ہے۔ ویدوں کی آگیا ہے۔ کہ

कृण्वन्तो विश्वमार्यम्

یعنی سارے سنسار کو آریہ بنا ڈالو۔ اانوسار نگر کیرتن وید پرچار کا ضروری انگ ہیں۔ پہلے کبھی نگر کیرتن میں کوئی بادھا نہیں ڈالی گئی۔ یو۔پی میں لارڈ میسٹن نے جو اس وقت لفٹنٹ گورنر تھے۔ ۱۹۱۷ء میں اس مطلب کی گشتی چٹھی جاری کی تھی۔ کہ آریہ سماج کے نگر کیرتنوں میں بلاوجہ رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں۔ ۱۹۲۱ء میں اسہیوگ آندولن کے ساتھ مسلمانوں نے خلافت آندولن بھی اٹھایا۔ اسہیوگ استھگت کر دیا گیا۔ مگر مسلمانوں نے خلافت کے نام پر اٹھائے ہوئے آندولن کو جاری رکھا۔ اس طرح پر مسلمانوں نے نئی نئی مانگیں شروع کر دیں۔

جس کا انہیں سب سے زیادہ موقع یو۔پی میں ملا۔ جہاں ان کے مقابلہ میں سر ولیم میرس گورنر سر لوڈائل ممبر مال و سر احمد سعید خان صاحب چھتاری ہوم ممبر تھے۔

ان گورنروں نے کتنے ہی فیصلوں میں دھارمک جلوس کے راستہ بدلنے یا نکالنے کے حق کو ہر شخص و ہر جماعت کے لئے مان لیا ہے۔ مگر گورنمنٹ عمل اس کی پرواہ نہیں کرتی۔ یہی وجوہات ہیں کہ ہندوؤں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی طرف داری کرتی ہے۔

لارڈ اولیور سابق مزدور گورنمنٹ کے سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا نے اخبار ٹائمز میں ۱۹۲۶ء میں اس کے بارہ میں یوں لکھا تھا۔ کہ کوئی شخص جو ہندوستان کے حالات اچھی طرح جانتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ موجودہ انگریزی حکومت میں مسلمانوں کی زیادہ طرفداری ہوتی ہے۔

جب کوٹ کرنے میں آریوں کے جلوس رکنے لگے۔ تب ۱۹۲۷ء میں دہلی میں پہلی آرین کانگرس ہوئی۔ جس میں یہ طے ہوا کہ آریہ سماج کے دھارمک پرچار و جلوسوں کی رکاوٹ دور کرنے کے لئے پچاس ہزار روپیہ اکٹھا کیا جاوے۔ اور دس ہزار سویم سیوک بھرتی کئے جاویں۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تمام شانتی کے طریقے جن میں ستیاگرہ بھی شامل ہے اختیار کئے جاویں۔ سارودیشک آریہ سبھا نے سویم سیوک ودھن [illegible] کر کے پنجاب و یو۔پی کی پرتی ندھی سبھاؤں کو اکٹھا کر دو استھان نیت کریں۔ جہاں ستیاگرہ کیا جاوے۔ آریہ پرتی ندھی سبھا یو۔پی کی انترنگ سبھا نے مراد آباد کی سماجوں کو پوچھ کے پشچات مراد آباد کو جہاں ۱۹۲۶ء سے گورنمنٹ کی طرف سے ان اوچت رکاوٹوں کی وجہ سے نگر کیرتن رکے ہوئے ہیں۔ نشچے کیا۔

انترنگ سبھا کی آگیا انوسار شری پردھان یو۔پی آریہ پرتی ندھی سبھا گورنر مہودے سے جولائی ۱۹۲۹ء میں نگر کیرتن کے وشے میں مل چکے ہیں۔ اور گورنر مہودے کی آگیا انوسار مراد آباد کی سماجوں کے نگر کیرتن کے مفصل حالات بھی یکم ستمبر ۲۹ء کو بھیج دئے ہیں۔ آشا ہے کہ موجودہ گورنر مہودے لارڈ میسٹن کی طرح آریوں کے جلوسوں میں رکاوٹ نہ ڈالنے کی نیتی اختیار کریں گے۔

نگر کیرتن کے رک جانے سے آریوں کے دلوں میں چوٹ ہے۔ ان کے دھارمک جذبات کو اس سے ٹھیس لگی ہے۔ ان میں بے چینی پھیل رہی ہے۔ دوسری آرین کانگرس بلانے و ستیاگرہ کرنے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اگر یہ بے چینی کروڑوں ہندوؤں و آریوں کے دلوں میں پھیل گئی۔ تو اچھا نہ ہوگا۔ اس لئے گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ وہ بڑھتی ہوئی اشانتی کی جوالا کو دھارمک نرپکشتا کی نیتی سے بجھا وے۔ کیونکہ آریہ و ہندو دھرم میں رکاوٹ سہن نہیں کر سکتے۔

شردھانند چیئر فنڈ

پرسدھ گوروکل پریمی لدھیانہ کے لالہ بھورام نیر نے سوامی شردھانند جی سے جو عقیدت ہے۔ اس سے پریرت ہو کر انہوں نے گوروکل میں شردھانند چیئر کے لئے تیس ہزار روپیہ اکٹھا کرنے کا پرن کیا۔ اس میں سے پچیس ہزار جمع کر کے گوروکل پہنچا دینے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ پانچ ہزار جمع ہونا ابھی باقی ہے۔ وہ اپنے متر منڈل اور سوامی شردھانند جی کے عقیدت مندوں سے پرارتھنا کرتے ہیں۔ کہ اس پانچ ہزار کے اس سال پورا جمع کرنے میں ان کی سہایتا کریں۔ تاکہ وہ اگلے سال سے سوامی جی کی یادگار میں گوروکل میں چیئر ستھاپت [illegible]

سوامی دیانند کے دل کی رفعت

شریمتی جے دیوی جیا کی انگریزی نظم کا ترجمہ

(از شری یت نند کشور جی آخگر۔ بی۔ اے)

عیش و طرب سے بے نیاز (۱) اس کا وہ پاک باز دل
رنج و غضب سے بے نیاز   اس کا وہ سرفراز دل
روح کو لے کر اڑ گیا
ایسی جگہ پہ بر ملا
راحتِ دائمی جہاں   مل سکے اس کو بیگماں

قیدِ جسد کو توڑ کر (۲) طائرِ قلب جب اڑا
فرشِ زمیں کو چھوڑ کر   عرشِ بریں پہ جا بسا
طاقتِ آدمی جہاں
رکھتی نہیں ہے کچھ نشاں
بلکہ جہاں پر ایشور   اور بھی ہے قریب تر

کون و مکاں کی طاقتیں (۳) دے نہ سکیں اسے ہراس
لاکھ ملیں اذیتیں   وہ نہ ہوا کبھی اداس
بربطِ حق پہ صبح و شام
نغمہ طراز تھا مدام
شغل یہ اس کا تھا ہر آن   اس میں نہ تھی اسے تکان

سود و زیان و بیش و کم (۴) لطف، ستم، خوشی، غمی
اس کی نظر میں یک قلم   حالتیں تھیں سب ایک سی
اس کے دلِ بلند پر
ان کا نہیں تھا کچھ اثر
تھا نہ اسے کسی سے کام   دل تھا غرض برائے نام

الغرض اس نے پا لیا (۵) ایسا مقام لایزال
کوئی جہاں الم نہ تھا   کوئی نہ تھا جہاں ملال
جس جگہ زہد سے تہی
کوئی نہ جا سکے کبھی
کوئی نہ کر سکے جفا   کوئی نہ دے سکے دغا

رشی دیانند کے کام کا پھل

(از شری سوامی ستیانند جی مہاراج)

مہاپرش اپنے کال میں کیا کرتے ہیں۔ ان کا جیون کرتا ہے۔ ایسے مہاپرش ہیں۔ رشی دیانند اسی رشی دیانند جس سمے تھے۔ اور نگر نگر میں اپدیش بھر میں بھاری اندھیرا تھا سنش جاتی کو اُنت کرنے کا مین لوگوں کی بھلائی کے لئے ہوا پرویش اور جاتی میں ہوتے ستریوں کے مہاپرش تھے بھارت ورش میں وہ جتے دیتے تھے۔ اس سمے بھارت اپنے سماجک سدھاروں میں جاتیہ جیون میں۔ دیش اُنتی میں۔ راج نیتی میں۔ اپنے ادھیکاروں کی پراپتی میں اور سب سے بڑھکر اپنے دھرم کی رکشا میں لوگ کچھ بھی رچی نہیں رکھتے تھے۔

سارے دیش میں بس اکیلا ہی نرسنگھ گرجتا پھرتا تھا۔

دیانند کے سمے کے پادری لوگ من مانی ریتی سے ہندوؤں کو ورغلاتے تھے۔ راج پردہت پادری پر لوبھن کا سنہری جال جہاں تہاں لئے پھرتے تھے۔ اُن کی چالوں سے ہندو جنتا کو سادہ دان کرنا اور پادریوں کے ست داد کے مقابلے پر عیسائیوں کے دان برسانا دیانند کا سادھارن کام تھا۔ اس کال میں راج دھرم کے دروہ رچن بولنا ایک سنگین جرم تھی۔ پرنتو دیانند کو تو مانو ہندو رکشا کا کام سونپا ہی گیا تھا۔ اس نے ایشور بھرو سے راج پر مترتوں کا دن مقابلہ کیا۔ راج دھرم پردہ بکی یکت نکتہ چینی کی۔ کہ راج دھرم کو اپنے نل بل کے پورن بگ میں گنگا جمنا کے کنارے سے جھکنا پڑا۔ پادری لوگ جگہ جگہ لاجواب ہوتے چلے گئے۔ ایسی ہار اور بار پادری منت نے اپنے جنم کال سے تب تک اور کہیں بھی نہیں کھائی تھی۔ غیر ہندوستانی جتنے بھی مت تھے۔ ان کے پروہت رات دن راج پرشوں کے آگے یہی دہائی دیتے پھرتے تھے۔ کہ دیانند بڑا نقطہ چین ہے۔ ہندوستھان کا اور ہندوؤں کا حمائتی ہے۔ اور بڑا خطرناک ہے۔ پر دیانند کے کام کا یہ پھل نکلا۔ کہ ہندوؤں کو اپنے سناتن ویدک دھرم میں اُتم اُتم سچائیاں دیکھنے لگ گئیں اور پرودھن پُون مت ملمع معلوم ہونے لگ گئے۔

دیانند کے سمے راج شاسن کا پھر بڑا بیڈول۔ نکیلا اور کٹر ڈرا تھا۔ ضرورت تھی کہ کوئی فقیر بادشاہ میدان میں آئے۔ جو سچا ہو۔ نڈر ہو۔ ایک ایشور کا پجاری ہو۔ سواستھ (بے غرض) ہو۔ پورا گیانی ہو۔ اور سچا ہندوستانی ہو۔ وہ جگہ جگہ جاکر جنتا کو جگائے اور ایسے زور سے جگائے کہ لوگوں کے وچاروں میں ایک قسم کی بڑی بھاری کرانتی پیدا ہو جائے۔

دیانند اس کام کو بڑی خوبی کے ساتھ کرتا رہا۔ اس نے بھارت کے کونے کونے میں وچر کر لوگوں کو جگایا۔ راج پرش شاسن کو بدلنے کے لئے لوک مت پیدا کیا۔ بھارتیوں کے اتہاس کو روشن کیا۔ لوگوں میں نربھیتا۔ وصد اور ویرتا کا بھاؤ بھرا۔ اور سب سے بڑھکر لوگوں کے کانوں میں سوراجیہ کا سرد سکھداتی منتر پھونکا۔ راج پرش شاسن کے کٹھور کال میں۔ دس بیتی کے پورن یگ میں اور ودیشی حکومت کے رعب کے زمانہ میں کیول ایک دیانند کا نما تھا۔ جس نے سب سے پہلے سوراجیہ کا سندر سریلا اور سچا گیت گا کر دوش بھگت سوودیشی شاسن کے سنکھ پورن ودیشی شاسن کو بھی دکھدائی بتایا۔ ستیارتھ پرکاش کا یہ پاٹھ بڑی اونچی سبھاؤں میں ستھان رکھتا ہے۔ دیانند کا یہ سوراجیہ پرچار سارے بھارت کو گانے میں سمرتھ ہوا۔ رشی دیانند نے ویر نفاد سے جو پرچار کیا تھا۔ جو خیال دیا تھا۔ جو آدرش ۴۲

رشی دیانند کی تعلیم کا مغرب میں اثر

(از شری نارائن سوامی جی مہاراج)

رشی دیانند نے اس وقت سندیش دیا تھا۔ کہ آتما کیونکہ پرکرتی (مادہ) مغرب میں وگیانک ISM نا سنک واد تمام یورپ مادہ اور مادی انیسویں صدی جو میٹریل ازم کی صدی تھی ختم ہوئی اور اب بیسویں صدی نے شروع ہی سے بتلا شروع کر دیا۔ ویدک شکشا کا ماد بجا کر دنیا کو کا پرکرتی پر ادھکار ہے۔ بجرتے ہے۔ اور آتما چیتن جو METERIHL عالم شباب میں تھا۔ اور دنیا کا پجاری بنا ہوا تھا۔ کہ اس پر دیانند کا جادو چڑھ گیا ہے۔ اگست گذشتہ میں ڈنمارک میں ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی۔ جس میں ۵۰ ملکوں کے دس ہزار قائم مقام شریک ہوئے تھے جو کے مشہور مشہور تعلیمی سکولوں (SYSTEMS) کے موجد لگ بھگ سبھی اس میں شریک ہوئے تھے۔ کانفرنس کی پریزیڈنٹ ایک دیوی منتخب ہوئیں۔ کانفرنس نے شکشا کا ادرش اب وہی رکھا ہے۔ جو رشی دیانند نے بتلایا تھا۔ یعنی آتما کا مادہ پر پورا پورا ادھکار ہونا۔ اسی کانفرنس کے سلسلہ میں ہندوستان کے ڈیلیگیٹوں نے پریذیڈنٹ اور دوسرے ملکوں کے منتخب ڈیلی گیٹوں کو ایک دعوت دی تھی۔ دعوت کے موقع پر جیسا کہ قاعدہ ہے کچھ مختصر سی تقریریں بھی ہوئیں۔ لیڈی پریسیڈنٹ نے دعوت کے معاملہ پر مہانوں کی طرف سے میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "مغربی ممالک میں روحانی تعلیم کی نہایت کمی ہے۔ یہ تعلیم اُمید ہے ہندوستان دے گا۔ ہندوستان کو پریزیڈنٹ نے مادر مہربان کا خطاب دیتے ہوئے وجہ ظاہر کی۔ کہ مغرب بھی اُتنا ہی آریہ ہے۔ جتنا وے لوگ آریہ ہیں۔ جو یورپ میں رہتے ہیں" اُن کے الفاظ یہ تھے:۔

"THE WEST WAS SADLY LACKING IN SPIRITUAL TRAINING AND THIS TRAINING, SHE HOPED, WOLD BE IMPARTED BY INDIA, SHE LOOKED UPON INDIA AS MOTHER AS THOSE WHO LIVED IN THE WEST WERE AS MUCH ARYANS AS THOSE WHO LIVED IN THE EAST."

اس کانفرنس کی کارروائی اور اُس کی ذی علم لیڈی پریسیڈنٹ کی آخری تقریر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مغرب اپنا زاویہ نگاہ بدل رہا ہے۔ اور تبادلہ کا رُخ انہیں تعلیمات کی طرف ہے۔ جن کو رشی دیانند نے ویدوں کے نام سے دنیا کے سامنے رکھا تھا۔ اور جن کا پرچار آج آریہ سماج کر رہا ہے۔ غیر ممالک میں ویدک دھرم کے پرچار کی کتنی ضرورت ہے۔ وہ اس کانفرنس کی کارروائی سے ظاہر ہے۔ زمین تیار ہو رہی ہے۔ بیج ڈالنے کی کمی ہے۔ سارودیشک سبھا اسی لئے کوشش کر رہی ہے کہ ودیش پرچار کیا جاوے۔ لیکن وہ کامیاب جبھی ہو سکتی ہے۔ جب آریہ سماجیں پوری طرح سے اس کی مدد کریں۔

سوامی دیانند

(از افتخار الشعرا منشی تلوک چند صاحب محروم۔ بی۔ اے)

پرے حدودِ فنا سے مقام ہے تیرا
جہاں میں زندۂ جاوید نام ہے تیرا

سرورِ ہوش پہ ہے ناز تیری محفل کو
مئے شعور سے لبریز ہے جام تیرا

ترا پیام نہ کیوں جذبۂ جانِ طالب ہو
کہ عکسِ رازِ حقیقت پیام ہے تیرا

اسی سے جان نئی مُردہ قوم میں آئی
دمِ مسیح سے بڑھکر کلام ہے تیرا

رسومِ شکر و شکایت سے بے نیاز ہے تو
بلند و پست سے بالا مقام ہے تیرا

امر دیانند!

(از سادھو ٹی۔ ایل واسوانی۔ جی ایم اے)

وہ بہت مہان تھے۔ میرے زبل شبد اُن کی مہما کس طرح ورنن کر سکیں۔

جذبات میں مہان۔ کیریکٹر میں مہان۔ برہمچریہ اور تپسیا میں مہان۔ سرگرمی اور حصول مقصد میں مہان۔ ان کا تصور بھی مہان اور سوپن بھی مہان

اس پراچین بھومی میں آج اُن جیسا منش کہاں ہے؟

ہندوستان کے جیون میں وہ ایک ساخت کن طاقت ہے۔ اُن کا کاریہ تباہ نہیں ہوگا وہ زیادہ سے زیادہ بڑھتا ہی جائے گا۔

وہ امر ہو گئے ہیں۔

موت لافانیت کی قیمت ہے

رشی دیانند ایک شہید کی موت مرے انہوں نے لوگوں کیلئے قربانی کرتے ہوئے اپنی زندگی کو فنا کر دیا۔

وہ شہید تو تھے ہی۔ انہوں نے نئے تتووں کا پرکاش بھی کیا۔ وہ بھارت جو پراچین رشیوں کی تعلیم کو بھول چکا تھا۔ اس کے سامنے انہوں نے رشیوں کی دانائی اور اُن کے تصور کا دوبارہ اعلان کیا۔

ان اعلانات میں ہی نئی قوم کا وعدہ ہے۔ اور انہیں میں بھوشیہ کا وچن دیا ہے۔

مغرب کی نقل کرنا آسان ہے۔ یہ نقل دلفریب بھی بہت ہے۔ مگر اس سے کام نہیں بن سکتا۔ نقل پرادھینتا کا چنہہ ہے۔ ہندوستان کو اپنی مالک مہانتا کے تئیں صادق رہنا چاہئے کیا رشیوں کے دھرم اور اُن کی دانائی کی رہنمائی کے بغیر سماجک سدھار اور راج نیتک پرستھان غلط راستہ پر چلا جائیگا۔ انہوں نے بڑے زور سے کہا تھا کہ انسان کا احترام ہونا چاہیئے۔ فطرت اور زندگی میں پرمیشور کے متعلق ایک نئی حس پیدا ہونی چاہیئے۔

دیانند نے اس راز کا انکشاف کیا کہ رشیوں کا دھرم دھارمک دولت سے مالا مال ہے۔

میں محبت اور انکساری سے انہیں پرنام کرتا ہوں۔

میں انہیں ہندوستان کی قسمت بدلنے کا ادویتہ سادھن سمجھتا ہوں۔

ہندوستان کو رشیوں اور سنتوں کی پراچین وراثت سے محروم کرنا اسے بھوکوں مارنا ہوگا۔

بھارت کے رشیوں کی سنتان۔ اے سپوتو اور سپتریو! اپنی عظیم وراثت کی حفاظت کرو۔ اس کی رکھشا تو کرو ہی۔ ساتھ ہی اس میں اضافہ بھی کرو۔ تاکہ وہ اس زمانہ کی سیوا کے لئے کارآمد ہو سکے۔

پاٹھک نوٹ کر لیں

کہ بوجہ تیاری کاروبار رشی نمبر پرکاش کا اگلا پرچہ شائع نہ ہوگا اور اس کے ١٠ نومبر ١٩٢٩ء کا پرچہ بدستور حسب معمول شائع ہوگا۔

راجپوتوں کی گراوٹ

(از قلم چودھری رام سنگھ ممبر لیجسلیٹو کونسل پنجاب)

بھارت ورش کے اتہاس میں راجپوت جاتی ایک اونچی جاتی سمجھی جاتی رہی ہے مگر اس جاتی کو زوال آیا۔ تو ایسے زور سے آیا۔ کہ آج تک راجپوتوں کو ہوش نہیں آئی ان کی اس زبوں حالت کو دیکھ کر دل سے ایک سرد آہ نکلتی ہے۔ محض اس لئے نہیں کہ میرا جنم اس جاتی میں ہوا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ میرے گورو سوامی دیانند کو راجپوت جاتی سے اگادھ پریم تھا۔ وہ ویر سنیاسی جو سنسار کے بڑے سے بڑے سنکٹوں سے نہیں گھبراتا تھا۔ قلعہ چتوڑ میں راجپوت جاتی کے ادھ پتن کا وچار کرتے ہوئے خون کے آنسوؤں سے زار زار رو دیا تھا۔ اس نے اپنے پرچار کا سب سے زیادہ عرصہ راجپوتانہ میں صرف کیا۔ کئی راجاؤں کو بذات خود پڑھایا۔ اور آخرکار اپنی بیش قیمت زندگی بھی ایک راجپوت والئے ریاست کا سدھار کرتے ہوئے ارپن کر دی۔ حضرت مسیح نے خلق خدا کے گناہوں کے عوض سولی پر چڑھنا منظور کیا تھا۔ یہ بات درست ہو یا غلط۔ اگر یہ بات مبالغہ سے مبرا اور بالکل درست ہے۔ کہ سوامی دیانند نے راجپوتوں کے ادھار کیلئے اپنی زندگی قربان کر دی۔ واجب تھا کہ راجپوت لوگ سوامی دیانند کے مشن کے علمبردار بنکر رشی رن سے سبکدوش ہوتے۔ مگر انہوں نے الٹا وطیرہ اختیار کیا ہے۔ چند خود غرض اور گمراہ لوگوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنکر اچھوت ادھار کے رستہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ کہیں پر مہاشہ رام چندر کو قتل کیا جاتا ہے۔ تو کہیں بھائیوں کے یگیوپویت اتارنے کا الزام ان پر عائد ہوتا ہے۔ راجپوت سمجھو! ہوش کی دوا لو اور اس غیر موزوں طریقہ کو تیاگ دو۔ ادار بنو۔ آج زمانہ تنگدلی کا نہیں ہے۔ تنگدلی زمانہ کی زبردست چکی میں پسی جا رہی ہے۔ جو دوسرے کو حقیر خیال کرتا ہے۔ وہ خود ذلیل ہوتا ہے۔ دوراندیش سجنوں سے میری التماس ہے۔ کہ ایسے نازک موقعہ پر راجپوتوں کی رہنمائی کریں۔ اور اُن کو غیر دانشمندانہ روش ترک کرنے کی صلاح دیکر راجپوتی عزت کو برقرار رکھنے کا موجب بنیں۔ پرماتما راجپوتوں کو عقل سلیم عطا فرما دیں۔

جیو کا پرمان

(از سوامی سوتنترانند جی آچاریہ دیانند اپدیشک ودیالیہ)

جیو کا پرمان کیا ہے۔ اس وشے میں مت بھید ہے۔ اس میں سب پکش تین ہو سکتے ہیں۔ جیو۔ وبھو یعنی ویاپک ہے پرچھن یعنی انو ہے۔ مدھم پرمان یعنی جتنا جسم ہے۔ اتنا ہی جیو ہے۔ ان پکشوں کو بدھی سے کھولتا ہوں۔

اگر زیادہ پرمان وید کے دیکھنے ہوں تو ویدامرت ایڈیشن دوسرا دیکھ لیں۔ میں اس لیکھ میں شاستر کے پرمان نہ لکھ کر دلیل سے وچار کرنا چاہتا ہوں

آریہ درشنوں میں مدھم پرمان جیو نہیں مانا گیا۔ جہاں کہیں لکھا ہے۔ یہ جینوں کے نام سے لکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے جتنا جیو کا شریر ہوتا ہے۔ اتنا ہی جیو بن جاتا ہے یعنی ہاتھی کے جسم میں جیو کے جانے سے جیو ہاتھی جتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب جیو چیونٹی کے جسم میں آتا ہے۔ تو وہی جیو گھٹ کر چیونٹی جتنا ہو جاتا ہے۔ اس میں دوش یہ ہے۔ جو چیز گھٹتی اور بڑھتی ہے۔ وہ نتیہ نہیں ہوتی۔ اس لئے مدھم پرمان ماننے سے جیو انتیہ ہو جاویگا۔ اور جیو کو انتیہ کوئی بھی نہیں مانتا ہے۔ ویدانتی بھی وششٹ کو انتیہ لکھتے ہیں۔ وشیش کو نہیں۔ اس لئے یہ پکش آریہ درشنوں سے سروتھا ورُدھ ہے۔

دوسرا پکش ہے۔ وبھو کا۔ اس کا مطلب ہے۔ ہر ایک جیو ویاپک ہے۔ اتفاقاً ہر ایک جیو سب جسموں میں ہے۔ کوئی جسم ایسا نہیں ہے جسکے ساتھ سب جیو آتماؤں کا سمبندھ نہ ہو۔ جب سب جسموں کا سب آتماؤں کا تعلق ہے۔ تو اس آتما کا یہ شریر ہے۔ اس کا پتہ کیسے لگیگا۔

وبھو ماننے والے اس کا اتر دیتے ہیں جس آتما کے کرموں سے وہ جسم پیدا ہوا ہے۔ اسی کا وہ جسم ہے۔ اس میں بھی وہی دقت ہے۔ جب سب آتما اس میں ہیں۔ تو کرم ایک ہی آتما کے ہیں۔ اس میں کیا دلیل ہے۔ اس میں اُن کا کہنا ہے۔ من سب الگ الگ ہیں۔ آتما جس کے من کے ساتھ ان کرموں کو کرتا ہے۔ وہ کرم بھی اس کے ہیں۔ اس سے بھی وہ سوال حل نہیں ہوتا۔ کیونکہ سب آتماؤں کا سمبندھ سب منوں سے ہے۔ اس لئے اس ہی آتما کے یہ کرم ہیں۔ اس کا کوئی بھیدک ضرور ہونا چاہیئے۔ جسم۔ کرم۔ من اس کے بھیدک نہیں ہوتے۔ اور جیو آتما میں جو آنا جانا مانا جاتا ہے۔ وہ بھی نہ ہو سکیگا کیونکہ ویاپک پدارتھ میں آنا جانا ناممکن ہے

(بقیہ کیلئے دیکھو صفحہ ٥٩)

سامنے رکھ کر ستیارتھ پرکاش میں سوال ہے

سوال:- جیو شریر میں بھن (الگ) وبھو ہے و پرچھن۔

جواب:- پرچھن ستیارتھ پرکاش ٧ سمولاس صفحہ ٢٠٣) رشی دیانند جی نے جیو کو پرچھن مانا ہے وید میں بھی جیو کو پرچھن ہی لکھا ہے۔

अव्यय[illegible] सम्भवा-

ले विज्ञायामि [illegible]

ارتھ:- ادبھو اور ودبھو کے بھید کو میں

روزانہ بیوپاری جو اوائل تجارت پیشہ اصحاب کے لئے ایک نادر تحفہ ہے ہر ایک بیوپاری بھائی کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ نمونہ مفت!

CCO; Gurukul Kangri Collection

چھترپتی سیواجی مہاراج کی تلوار

از پنڈت نظر صاحب سوہانوی

جب وقفِ خزاں ہند کا گلریز چمن تھا
ہر محفل پہ جب شعلہ فشاں چرخِ کہن تھا
ہر صاحبِ دل درد سے جب صرفِ محن تھا
جب چھاؤں میں تلواروں کی ہر اہلِ وطن تھا
کفار تھے جب مسلمِ غازی کے سوا سب
بے دین تھے جب دینِ حجازی کے سوا سب

اسلام تھا جب تیغ سے ایماں کا طلبگار
محبوب تھا ہر قاتلِ ہندو سے خداوند
جب ہند کے ہندو تھے مصائب میں گرفتار
جب لٹتا تھا ناموس ہمارا سرِ بازار
اس عہدِ حیا سوز میں اک مردِ مجاہد
پیدا ہوا محبوبِ وطن قوم کا شاہد

وہ کون وہ سیوا جی مہاراج ہمارے
سردار مرہٹوں کے وہ سرتاج ہمارے
جس نام سے پورے ہوئے منشا کاج ہمارے
ہاں جھکتے ہیں دل جن کے لئے آج ہمارے
وہ کفر کی ظلمت میں تھا تقدیرِ الٰہی
انوارِ نظر مشعلِ تنویرِ الٰہی

بیکس کا مددگار تھا مظلوم کا حامی
رخسارۂ تقدیس کا اک حسنِ گرامی
یہ چال کہ پامال تھے سب حشر خرامی
وہ رعب کہ لرزے میں تھے سب رومی و شامی
ظالم کو اماں دیتا نہ تھا تیر کی زد سے
جاں باز دلاور تھا وہ خالق کی مدد سے

بے ساختہ تھا دیدِ مقدس کا پرستار
آزادیِ ملت کی محبت کا گرفتار
للکار کے کہتا تھا عدو سے سرِ بازار
میں ہند کی تہذیبِ کہن کا ہوں نگہدار
سفاک یہاں رہ نہیں سکتے مرے ہوتے
مظلوم ستم سہہ نہیں سکتے مرے ہوتے

میں ہند کے ناشاد کا دل شاد کروں گا
اجڑے ہوئے گلشن کو پھر آباد کروں گا
بھارت کو غمِ قید سے آزاد کروں گا
سفاک و ستمگار کو برباد کروں گا
بیدار کروں خواب سے ہر اہلِ وطن کو
شیروں سے لڑا دوں وہیں بن میں ہرن کو

اورنگ پہ اورنگ تھا زینت وہ اورنگ
ظالم کے مظالم سے تھی مخلوقِ خدا تنگ
کرتا تھا رعیت سے وہ مذہب کے لئے جنگ
مظلوموں پہ برساتا تھا بے خوف وہ سنگ
آمادۂ پرخاش ہوا شیرِ دکن سے
امداد طلب کرنے لگا چرخِ کہن سے

یہ حکم تھا ہندو نہ رہے کوئی دکن میں
ڈھونڈے سے بھی پائیں نہ کوئی پھول چمن میں
تہ تیغ رہے کچھ نہ سمن زار میں بن میں
یوں لوٹ لے کفار کو شمشان کے رن میں
جنگاہ میں یوں ٹوٹ پڑی فوجِ عدو پر
سر تیرتے پھرتے نظر آنے لگے لہو پر

غافل نہ تھا اس وقت سے وہ پاک گہر بھی
پہلو میں جو دل رکھتا تھا تو دل میں جگر بھی
دینے کو تھا تیار وطن کے لئے سر بھی
املاک بھی دنیا کی تن تنہا بھی پسر بھی
یوں تیغ بکیف جوش سے میدان میں آیا
اک زلزلہ افلاک کے ایوان میں آیا

وہ تیغ چمکتی ہوئی جب میان سے نکلی
بجلی تھی کہ سر پر گری آسمان سے نکلی
یہ کاٹ کوئی جان نہ انسان سے نکلی
نکلی ہے جدھر سے بھی غضب آن سے نکلی
اس طرح غضبناک بھری فوجِ عدو میں
ڈوبے ہوئے سر تا بقدم سب ہی لہو میں

موقع کوئی ملتا نہ تھا دشمن کو مفر کا
ہوتا تھا وہیں ڈھیر جو میداں سے سرکا
وہ تیغ چھلاوہ تھی کہ دھوکا تھا نظر کا
جاں کرنہ بچا جسم کا دل کو نہ جگر کا
میدان میں اس تیغ کا سایہ تھا سروں پر
اک خون کا بادل تھا کہ چھایا تھا سروں پر

ہر چار طرف غل تھا کہ محشر کا سماں ہے
اک برقِ شرر بار ہے اور خرمنِ جاں ہے
یہ تیغ نہیں قہرِ الٰہی کا نشاں ہے
فریاد و فغاں ہے کہ نہیں جائے اماں ہے
بے موت مرے جاتے ہیں اس تیغ کے ڈر سے
اک پل بھی تو اوجھل نہیں ہوتی ہے نظر سے

چلنے میں صبا رو ہے تو اڑنے میں پری ہے
اب یہ ہے کہ اب وہ ہے عجب جلوہ گری ہے
قاتل ہے مگر قتل کی تہمت سے بری ہے
بے لوث ہے گو خون میں دشمن کے بھری ہے
یہ کہتی ہوئی پھرتی ہے میدانِ وغا میں
کچھ فرق نہیں ہے بخدا مجھ میں قضا میں

میں چال اگر اپنی سرِ حشر دکھا دوں
اٹھے ہیں جو پھر سے انہیں زیرِ لحد میں سلا دوں
خورشیدِ قیامت کو بھی تاریک بنا دوں
دم پھونک دوں اک آگ سی ہر دل میں لگا دوں
کہسار شرر کی طرح اڑتے نظر آئیں
افلاک پہ سکانِ فلک ٹھوکریں کھائیں

تلوار ہوں بجلی کی تڑپتی ہوئی رو ہوں
اندھیر میں چھاتی ہوئی بظاہر مہِ نو ہوں
پرسوز ہوں شعلوں کی بھڑکتی ہوئی لو ہوں
رکتی نہیں اک بار جو تحتِ تگ و دو ہوں
کانٹوں کو جلا دیتی ہوں ہر بن میں ستم کے
اک تار نہیں چھوڑتی دامن میں ستم کے

کیا تاب مقابل ہو مرے کوئی جفاکار
مشکل ہے اسے چرخِ ستمگر بھی مرا وار
ممکن نہیں حائل ہو مری راہ میں کہسار
آخر کو ہوں سیوا جی مہاراج کی تلوار
کافر کو تپِ لرزہ چڑھی جاتی ہے مجھ سے
رونق رخِ ایماں کی بڑھی جاتی ہے مجھ سے

ہر زخم تھا اس تیغِ دو پیکر کا یہ کاری
میدان میں اک خون کی ندی ہوئی جاری
جیتے ہی جی اغیار کو جینا ہوا بھاری
یہ آگ برستی تھی جلے جاتے تھے ناری
میدانِ وغا تنگ تھا افواجِ شہی پر
مختار تھی وہ تیغ دو سر امرِ دہی پر

بھاگا کوئی میدان سے جان اپنی بچا کر
لیٹا کوئی مٹی کے تلے جسم چھپا کر
کہتے تھے بہت منہ میں پرِ کاہ دبا کر
اے تیغ خدا کے لئے ہم کو نہ فنا کر
اب کے جو بچیں بندۂ بے دام رہیں ہم
کٹ جائے زباں کچھ بھی اگر منہ سے کہیں ہم

اے تیغ ہمیں پھر سے وہ دل دے وہ ادا دے
جو آنکھ ملاتے ہی دلِ غیر ہلا دے
سوئے ہوئے بھارت کو نئے سر سے جگا دے
ویران چمن زار میں پھولوں کو ہنسا دے
بلبل کے ترانوں سے فضا راگ کا گھر ہو
گلچیں کوئی آ سکے تو چمن آگ کا گھر ہو

پھر ہند میں سیوا سے جگر دار ہوں پیدا
فرزندوں میں نظر صاحبِ تلوار ہوں پیدا
پھر مہاراج سے جانباز کماندار ہوں پیدا
پیدا ہوں تو سرداروں کے سردار ہوں پیدا
ہر لب پہ ہو افسانۂ پرجوش ہمارا
حساد کو بیہوش کرے جوش ہمارا

رِشی جیون کے دو روشن پہلو

از ڈاکٹر اننت رام دھرم دیو ڈی پی ایچ - ایف - آر - سی - ایس

شری سوامی دیانند جی ایک الپ کال کے لئے ہمارے درمیان رہے۔ مگر انہوں نے اس کال میں بہت کام کیا۔ کتنے ہی دیکھیان، دھارمک اور فلسفیانہ شاستر ارتھ کئے۔ بھین وچار کے دھارمک سدھارکوں اور دوانوں کے چیلنج سویکار کئے۔ ستیہ کے ابھیلاشیوں اور جگیاسوؤں کے سوالات کا جواب دینے میں وہ مشغول رہے۔ آریہ سماجوں اناتھ آلیوں اور دیگر سنستھاؤں کو استھاپت کرنے میں انہوں نے سہائتا کی۔ کئی ودوتا سے بھرے ہوئے دھارمک گرنتھ لکھے۔ اور ویدوں کا سنسکرت اور ہندی میں انوواد کیا۔ ان کے کاریہ کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ جھیل کے پانی پر لہروں کی طرح ان کے کاریہ کا پربھاؤ شنکر ہی ہندوستان کے تمام کونوں میں پھیل گیا۔ دنیا کے دماغی مجلسی اور مذہبی مراکز میں وہ اب بھی بتدریج سرایت کر رہا ہے۔

رشی کا برہمچریہ

اس لیکھ میں رشی کی زندگی کے صرف دو پہلوؤں پر ہی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے اُن لوگوں کے لئے جو اُن کے جیون کی چھاپ کو دیکھنے کی آنکھیں رکھتے ہیں شمع ہدایت کا کام دیا ہے۔ پہلا نکتہ جو میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ برہمچریہ کے متعلق ہے۔ سوامی دیانند نے اپنا تمام جیون برہمچریہ میں ویتیت کیا۔ یوگ کے کٹھن اور پرخار راستہ میں کون سے گڑھے تھے یا خطرے ہو سکتے ہیں۔ اُن کا انہیں اچھی طرح سے گیان تھا۔ اس کٹھن مارگ پر چلنے کے لئے جو جو تپسیائیں کرنی آوشیک ہیں۔ وہ اُنہوں نے کی تھیں۔ دنیا میں وہی ایک مہاپرش ہیں۔ جنہوں نے گرہستیوں سمیت منشیہ ماتر کو برہمچریہ کا اپدیش دیا۔ اُس زمانہ میں یا اس سے پہلے کوئی بھی مہاپرش برہمچاری کو پورے طور پر دیش میں سنگٹھن کا ایسا سندیش لے کر نہیں آیا۔ انہوں نے دنیا کو اس کا فلسفہ سمجھایا۔ اور بتایا کہ کس طرح برہمچریہ کی رکشا سے منش کے اندر شکتی اور انسانی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی سلیس اور سادہ عبارت میں کسی نے بھی منش ماتر کو ایسی حیرت انگیز شکشا اس سے پہلے کبھی نہیں دی۔ برہمچریہ پالن میں کون سے گن پوشیدہ ہیں۔ یہ کسی نے نہ سمجھا تھا۔ اب آہستہ آہستہ محققان فزیالوجی برہمچریہ کی خوبیاں سمجھتے جا رہے ہیں۔ وہ حد سے زیادہ استری سمبندھ اور سنتان ترودھ کے ہیبت ناک طریقوں کے خوفناک نتائج کو بھی اب سمجھ گئے ہیں۔ ویریہ کے حیرت انگیز اور صحت بخش اوصاف بھی معلوم ہو گئے۔ جب اس کی قلت نے دردناک امراض پیدا کر کے جسمانی ترقی کو روک دیا۔ اسی طرح پر دماغی اور جسمانی امراض اب معلوم ہو رہے ہیں۔

اب یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ اعضائے جنسی اہم ENDOCRINE GLANDS ہیں۔ اور حد سے زیادہ گرہست بھوگ سے انہیں نقصان پہنچتا ہے۔ بوڑھوں اور ذہنی طور پر رہے ہوئے لوگوں کو پھر سے جوان بنانے کے متعلق تمام اقسام کے تجربات کئے جا رہے ہیں۔ مگر کوئی زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ قوائے جسمانی کے متعلق تحقیقات ابھی زمانہ طفولیت میں ہے۔ وہ وقت دور نہیں۔ جب ڈاکٹر برہمچریہ کو ہی مجلسی اور جسمانی امراض کے علاج کا ایک ضروری حصہ سمجھا کریں گے۔

رشی کے جیون کا دوسرا پہلو

سوامی جی کے جیون کا دوسرا پہلو جو اُن کی زندگی اور اُن کی شکشا میں نہایت نمایاں رہا۔ وہ اُن کا دیش سے انتہا پریم تھا۔ آریہ ورت میں رہنے والے لوگوں کی (بالخصوص پراچین منشوں کی) مہانتا درشی کو جو کرانا انہیں بے حد پسند تھا۔ وہ اپنی بات کو سدھ کرنے کے لئے ویدوں شاستروں۔ منوسمرتی۔ چرک اور سشرت آدی کے پرمان پیش کرتے تھے۔ اُن کی یادگاری تصنیف "ستیارتھ پرکاش" میں عام فہم عبارت میں سمجھایا گیا ہے۔ کہ چاروں آشرموں میں منش کو کیسا جیون ویتیت کرنا چاہئے۔ گرہست جیون کی پوترتا کو کس طرح قائم رکھا جاسکے؟ اور استریوں کا سماج میں کتنا اونچا درجہ ہے؟ ایسی پستک میں اُنہوں نے دیش کی راج نیتک گھٹنا۔ مہاجاتی کرتو۔ استری پرشوں کا شکشا۔ گرہست جیون کے سندر اور جیون کو اچھا بنانے والے آدرشوں کا ورنن کیا ہے۔ ان اور دوسرے کئی وشیوں کی جنہیں آپ نے اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ ہر ایک پنکتی سے دیش کی مہانتا پرگٹ ہوتی ہے۔ اور تمام سنسار کو منترن دیا گیا ہے کہ آؤ ہم اور ہمارے بزرگوں کے نقش قدم پر چلیں۔ رشی دیانند نے ہندوستان پر پھوٹ اور گراوٹ اور محکومیت کے خوفناک نتیجے بتائے ہیں۔ ایک جگہ ستیارتھ پرکاش میں وہ لکھتے ہیں یہ کون جانتا ہے۔ کہ آیا یہ بھیانک پشاچ (نااتفاقی اور باہمی جھگڑا فساد وغیرہ) کبھی ہمیں چھوڑے گا بھی یا ہماری تمام خوشی ہم سے چھین کر ہمیں مصیبت کے گڑھے میں گرا کر رہے گا!! ایک رشی کی بے بسی سے اُنہوں نے بار بار ہماری یاس انگیز حالت کی وجہ بیان کی ہے۔

سچائی کا متوالا دیانند

بٹھا دے کوئی توپ کے سامنے بھی
نظر آئے صورت مفر کی نہ کوئی
ہو پیش نظر جاں کنی کا نظارہ
ہو دل ناوک پیم سے پارہ پارہ
دیانند سچ ہی کہے گا ہمیشہ
صداقت پہ قائم رہے گا ہمیشہ

(پریتم ضیائی)

انگلستان کے طالب علم

قریباً نصف صدی کا عرصہ ہوا ہے جب میں انگلستان میں تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ طلباء اپنی یونین کے اجلاس میں تمام اقسام کے سیاسی اور ملوکیت کے سوال پر آزادانہ بحث کرتے ہیں۔ اور پارٹی کے اصولوں کی بنا پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے فرضی پارلیمنٹوں کے اجلاس منعقد کرتے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں سیاسی مسائل پر بحث مختلف سخت اور ذلت آمیز قوانین کے ذریعہ بند کر دی جاتی ہے۔ اور ممنوع قرار دیا جاتی ہے۔ ہندوستانی طلباء سے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ سیاسیات میں کوئی دلچسپی نہ لیں اور اگر مجھے صحیح اطلاع ملی ہے تو کچھ کالجوں کے طلباء سے عہد کرایا جاتا ہے کہ وہ کسی سیاسی جلسہ۔ لیکچر یا جلوس میں کوئی حصہ نہ لیں گے۔ انگلستان اور دیگر آزاد ممالک میں قوم کے فائدہ کے لئے پبلک اپنے ملک کے مسائل پر آزادانہ بحث و مباحثہ کرتی ہے۔ ہر ایک بالغ (چند ایک مستثنیات کو چھوڑ کر) صرف اپنی مرد یا عورت کو ووٹ دیتا ہے۔ جسے وہ ہاؤس آف کامنز کا ممبر بننے کے لئے موزوں خیال کرتا ہے۔ تمام ہندوستان میں گورنمنٹ خفیہ طور پر یا علانیہ اپنے تمام افسران کے نام (جن میں وزیر سے لے کر چھوٹے سے چھوٹا کلرک شامل ہے) احکام جاری کرتی ہے کہ وہ ملک کے سیاسی معاملات میں کوئی حصہ نہ لیں۔ ورنہ انہیں سزا دی جائیگی۔ یا برخاست کر دیا جائے گا۔

ولایتی اخبارات برطانوی پبلک سے یہ کہتے نہیں تھکتے۔ کہ ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد صرف وکلاء اور چند ایک تعلیم یافتہ ایجی ٹیٹروں تک ہی محدود ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں بتاتے کہ یہاں جاسوسی حد کمال کو پہنچی ہوئی ہے اور گورنمنٹ نے طلباء اور ملک کے روزی کمانے والوں پر جابرانہ ہاتھ رکھا ہوا ہے جس سے انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ملک کے سیاسی معاملات میں حصہ لینے سے احتراز کریں۔ اخبار نویسی کے عظیم الشان اور آزاد پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد ان ہی ناجائز طریقوں سے برطانوی پبلک کو گمراہ کرتے ہیں۔

ہماری غلامانہ ذہنیت

یہی غلامانہ ذہنیت ہے۔ جو اس قدر بے دردی سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں پر اُن کی مرضی اور جمہوریت کے تمام اصولوں کے خلاف ٹھونسی جا رہی ہے۔ کئی طرح کی ترغیب دے کر اور خفیہ طور پر انہیں ملک کی خدمت کرنے سے باز رکھا جاتا ہے وہ اپنے ملک کو چند روپوں کے لئے فروخت کر دیں۔ مگر وہ اپنے طریق پر اس کی سیوا نہیں کر سکتے۔ رشی کی مرتیو کے نصف صدی بعد ملک میں یہ صورت حالات پیدا ہو گئی ہے۔ رشی نے اپنی پاکیزہ اور بے غرضانہ حب الوطنی سے متاثر ہو کر کس قدر زوردار الفاظ میں کہا ہے "اے بچوں کے بچو! تمہیں بدیشی بادی تلے روندے ہیں" جن لوگوں کے سننے کے لئے کان اور پڑھنے کے لئے آنکھیں ہیں۔ وہ ابتک ان الفاظ کی گونج محسوس کر رہے ہیں۔

رشی ور کا سمّیم بدّھ جیون!

(از پنڈت گنیش پرشاد شرما فرخ آباد)

پنڈت گنیش پرشاد شرما ان بھاگیہ وان آریوں میں سے ہیں جنہیں رشی ور کے درشنوں اور ان کے اپدیشوں کو شرون کرنے کا سوبھاگیہ پراپت ہوا ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے پرسدھ آریہ سماجی پتر "بھارت سدشا پرورتک" کے سمپادک تھے۔ اور اس بردھ اوستھا میں بھی پدا دھیکاری کے روپ میں آریہ سماج فرخ آباد کی سیوا کر رہے ہیں!

سنسار میں جتنے مہاپرش ہوئے ہیں۔ ان کے جیونوں میں نیم ودھتا پائی جاتی ہے۔ وہ دیش کال اور پرماد کو پچھاڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ رشی دیانند کا جیون بھی اسی پرکار کا تھا۔ رشی ور رات کو ۱۱ بجے تک جاگتے تھے بارھویں گھنٹے میں سونا اچت بلکہ اوشیک سمجھتے تھے۔ پرنتہ تین بجے اٹھ کر ہاتھ منہ دھو کر وید منتر پڑھتے۔ پشچات کچھ دیر نتیہ کرتویہ پر وچار کرتے ایرانت تونبا اور ڈنڈا اٹھا کر باغ کے باہر نکل جاتے۔ اور کوئی دو۔ ڈھائی میل تک پھیری کرتے ہوئے گنگا تٹ پر پہنچ جاتے۔ شوچ کریا اور سنان کر کے ایکانت میں پرانایام پوروک آسن لگا کر یوگ ریتی سے پرماتم دھیان میں مگن ہو جاتے تھے۔ گرمی کے موسم میں ان کا پراتہ کا یہی کرتیہ تھا۔ سردی کے موسم میں ایک گھنٹہ کا سونے میں ہیر پھیر تھا پرنتو اٹھنے کا نیم تین بجے کا ہی تھا۔

اس پرکار نتیہ کرکے ۷ بجے تک اپنے ستھان پر لوٹ آتے تھے لیکھک موجود ہوتے تھے۔ تھوڑا سا دودھ پی کر سوامی جی پتروں کے اتر لکھواتے اس کے بعد وید بھاشیہ آرنبھ کرتے۔ ساین اور مہی دھر آدی بھاشیوں پر درشٹی دیکر کبھی ہنس پڑتے کبھی انکے چہرے پر بل نظر آتے۔ کبھی کبھی شری مکھ سے کہہ بھی دیتے۔ کہ یہ کیسا گڑبڑ گھوٹالا ہے۔ اس پرکار ۱۱½ بجے تک کاریہ کر کے لیکھکوں کو بھوجن اور وشرام کا سمے دیتے۔ آپ کبھی دن میں ۱۲ بجے بھوجن کرتے تھے۔ سوامی جی کا بھوجن دال۔ چاول۔ روٹی۔ کوئی ایک یا تین شیل شاک۔ اور تھوڑا گھرت ہوتا تھا

ایک سونٹھ کا پتیلا برس سوامی جی بنواتے تھے۔ جو رچی کر اور پاچک ہوتا تھا۔ جس میں سونٹھ۔ کالی مرچ۔ زیرہ۔ بڑی الائچی۔ نمک اور کچھ شکر پڑتی تھی جس کسی اشتعی کی رسوئی بنتی تھی۔ سوامی جی اپنے ہاتھ سے گھی اور سونٹھ کا اپرکت رس دیتے تھے۔ گھرت رہت بھوجن کو پشو بھوجن بتاتے تھے۔ اور مٹھے (دہی) کی بہت پرشنسا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں گو جاتی کی بہت پرشنسا کرتے تھے اور گو بدھ سے گھی دودھ کی کمی پر ناردک شوک پرگٹ کرتے تھے۔

جب کبھی رسوئیے کے آلس اور پرماد سے دیر ہو جاتی۔ تو شانتی سے سمجھا دیتے۔ کہ پھر ایسا نہ کرنا۔ فرماتے سمے کا بھوجن ہی سکھکر ہوتا ہے۔ بھوجن کے تھوڑی دیر بعد وشرام کرتے۔ پرنتو سوتے نہ تھے۔ کبھی لیٹے ہوئے کبھی بیٹھ کر کوئی پستک دیکھنے لگ جاتے اتھوا جو ویاکھیان دینا ہوگا۔ اس پر وچار کر لیتے۔ کبھی کبھی پستک سے کوئی نوٹ لیکر رکھ چھوڑتے۔ اور ضرورت کے وقت کام میں لاتے

تیسرے پہر سوامی جی کچھ پھل اگر موجود ہوتے۔ تو کھاتے تھے۔ تین بجے پھر کام شروع کر دیتے تھے۔ دو تین گھنٹے کام کے بعد شوچ آدی سے نورت ہو کر ویاکھیان دینے کے لئے جانے کی تیاری میں لگ جاتے۔ گھڑی سوامی جی کے دفتر میں رہتی تھی۔ سمہ کے بڑے پابند تھے۔ ایک دن سواری آنے میں دیر ہو گئی۔ سوامی جی نے کہا۔ ابھی تک گاڑی نہیں آئی۔ ابھی۔ میں نے کہہ دیا تھا۔ کہ دور جانا ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے سواری پہنچ جانی چاہیئے

شدھی

(از شری یت گیا پرشاد سنگھ بی۔ اے۔ بی ایل۔ ایم ایل اے۔ بہار)

غیر ہندوؤں کو وید آگیا کے انوسار شدھ کرکے اپنے سماج میں ملا لینے کی رسم جو آج کل پرچلت ہے۔ اس کے ورودھ میں کچھ لوگ وشیش کر کے مسلمان اب بھی موجود ہیں۔ ان کی درشٹی میں یہ ایک نئی بات ہے۔ جو ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے پیدا کی ہے۔ اس لئے وہ شدھی کو دیش بھاو کے مخالف مانتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کو سمجھنا چاہیئے۔ کہ ہندوؤں کے لئے شدھی کوئی نئی بات نہیں۔ اس شدھی سنسکار سے ہندو ہزاروں ورشوں سے واقف ہیں۔ ہمارے شاستر۔ پران۔ ساہتیہ اور اتہاس اس پر گواہ ہیں۔ اتہاس کے انوسار آریوں کے بہت پہلے سے کول اور دراوڑ جاتی کے نام سے اس بھارت ورش میں نواس کرتے تھے۔ آریوں نے

یہاں سے چار۔ پانچ میل فتح گڑھ ہے میں ابھی جاؤں۔ تو ٹھیک سمہ پر پیدل پہنچ سکتا ہوں۔ ورنہ وعدہ شکن ہونا پڑے گا۔ لوگ میری انتظار میں ہونگے میں نے وشواس دلایا۔ تب فرمایا۔ ۱۵ منٹ اور انتظار کروں گا۔ زیادہ نہیں۔ آخر سواری آ گئی۔ اور سوامی جی سمہ سے پہلے فتح گڑھ پہنچ گئے

ان دنوں وید بھاشیہ آدی کاریوں کے لئے ادھک بیٹھنے کے کارن بدہضمی ہو جانے پر آپ کو زبلتا تھی۔ اس لئے آپ صرف تھوڑا سا دودھ پیتے یا پھل کھاتے تھے۔ دن میں مٹھے کا سیون زیادہ کرتے تھے۔

سوامی جی کو کسی کے گھر بھوجن کرنے جانا اور استریوں کو پاس آنے دینا پسند نہ تھا۔ پنڈت گوپال راؤ ہری جی نے اپنی ۷۰ سال کی بردھ ماتا کو درشن دینے کے لئے آگرہ کیا۔ تو کہہ دیا۔ کہ کیول درشن سے کوئی لابھ نہیں اٹھا سکتا۔ میرے پستک دیکھیں سنیں۔ یہی درشن کا پھل ہے۔ پھر استریوں کو شکشا کی آوشیکتا ہے۔ پرنتو گیان وان گرہستھ کو اپنی ماتا بھگنی آدی کو شکشا دلانی چاہیئے

اگر اس دیش میں ان آدی نواسیوں کا پراجت کر اپنے نگر اور گراموں کا نرمان کیا۔ اور ان کی سمشرن سے ہی ہندوؤں کی سمی وشال جاتی کی سرشٹی کی گئی۔ دکشن کے ہندو وشیش کر دراوڑوں کی ہی اولاد ہیں۔ لیکن بات یہیں تک ہی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ جوں۔ جوں سمہ گزرتا گیا۔ غیر آریہ جاتیاں آ آ کر ہندوؤں کے ساتھ ملتی جلتی گئیں۔ شمال مشرقی بھارت جیسے شمالی بنگال۔ آسام۔ نیپال۔ بھوٹان اتیادی میں بسنے والی ہندوؤں کی ایک بہت بڑی سنکھیا منگول اور آریوں کے مشرن سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس کا پرتیکش پرمان ان کی آکرتی دے رہی ہے۔ پھر شک اور ہون آدی جاتیوں کے اس دیش میں آنے کا جہاں بیان ہے۔ وہاں آپ ان کے لوٹ جانے کی کوئی بات نہیں پائیں گے۔ وہ جاتیاں آج کہاں ہیں۔ اتہاس آپ کو بتلائے گا کہ ان لوگوں نے یہاں آ کر اپنے راج ستھاپت کئے۔ اور سمہ کے پربھاو سے رفتہ رفتہ ہندو سنسکرتی کو مانتے ہوئے ہندو جاتی میں لین ہو گئے۔ ان کے اترکت ڈھونڈھنے پر ہمارے گرنتھوں میں ایسے بہت سے اداہرن ملیں گے۔ جو ہندو دھرم میں شدھی کی پرچینتا کو پرکٹ کرتے ہیں۔

پرانوں کے انوسار پراچین سمہ میں ہمارے آریہ راجہ سرو تر راجیہ کرتے تھے۔ افغانستان میں شکنی۔ چین میں بھگدت اور امریکہ میں سہسرباہو کا راجیہ تھا۔ ارجن نے امریکہ کی راجکماری الوپی سے وواہ کیا تھا۔ آج۔ آج رزنے نگر برہمنوں کو سکندر کے ساتھ آئے ہوئے یونانی لوگوں کی اولاد مانتے ہیں۔ جاوا اور کمبوڈیا میں جو پرانے پرانے کھنڈر۔ مندر اور شلا لیکھ ملتے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہاں پر ہندو دھرم کا پرچار تھا۔ اور وہاں کے لوگ ہندو تھے۔ بھوشیہ پران میں وشنو گوروؤں کے دوارا مسلمانوں کو شدھ کرکے ششی بنا لینے کا ورنن ہے۔ بابا آچاریہ دیو رس خان اتیادی بہت مسلمانوں کو شدھ کر کے بیچ کل سمپردائے میں ملا لیا تھا۔

محمود غزنوی جب ہندوستان آیا تب انہلواڑے کے راجہ بھیم دیو نے اس کی فوج کے کئی مسلمانوں کو گرفتار کر کے ہندو بنا لیا۔ تاؤ راجستھان کے انوسار چتوڑ راج ونش کے نرماتا بابا راول کا ایک دواہ فارس کی ایک راجکماری سے ہوا تھا۔ چھترپتی مہاراج سیواجی نے سمرتھ گورو رامداس کی آگیا انوسار بیجاپور کی فوج کے بہت سے مسلمانوں کو شدھ کر کے مرہٹہ جاتی میں ملا لیا تھا۔ ان کا ایک سیناپتی جو کسی کارن مسلمان بنا لیا گیا تھا۔ ماتا جیجی بائی کی آگیا انوسار شدھ کر کے پھر ہندو دھرم میں ملا لیا گیا۔ اور اس لئے کہ کوئی اس شدھی میں شنکا نہ کرے چھترپتی سیواجی نے نمبالکر سے (جو لوگوں کے خیال کے مطابق اس کے پتر سے) اپنی پتری سکھی بائی کا بواہ سنبندھ کر دیا۔

ان باتوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ پہلے ہی نہیں۔ بعد میں بھی جب ہندوؤں میں ورنآشرم دھرم درڑھ ہو چکا تھا۔ شدھی کا سلسلہ جاری تھا۔ یدپی یہ سچ ہے۔ کہ ہندو دھرم کے اُدار ہونے کے کارن کبھی بھی شدھی کا زور یا ظلم سے پرچار نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ اسلام کا کیا جاتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہم لوگ شدھی کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو گئے۔ اور دوسرے لوگوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ ایک بار ہندو دھرم تیاگ دینے پر کوئی ہندو سماج میں پھر پرویش نہیں کر سکتا۔ اس سے قدرتاً ہندوؤں کا ہراس ہونا شروع ہو گیا۔ اور ان کی تعداد اس طرح گھٹنے لگ گئی۔ کہ اگر وہی کرم چلتا رہتا۔ تو کچھ ہی صدیوں کے بعد سنسار میں ہندو دھرم کی ہستی ہی غائب ہو جاتی۔ اس گتی کو روکنے کے لئے پراچین کال کی ریتی کے انوسار شدھی اندولن کے جاری کرنے کی آوشیکتا ہوئی۔ اور اس طرح شدھی اندولن کو پھر جیوت کیا گیا۔ یہ ایک قدرتی بات ہے۔ کہ یکایک شدھی کرم کو دیکھ کر غیر ہندو جاتیوں کی سنکیرن دھارنا پر ایک بھیانک آگھات پہنچا۔ اور انہوں نے اس کے خلاف ایک اندولن کھڑا کر دیا۔ پرنتو اس کا ایک اثر یہ بھی ہے۔ کہ شدھی جتنے زوروں سے ہو سکے۔ کی جائے۔ ایسا بار اس کا عادی ہو جانے پر وہ لوگ اس سے لاپرواہ ہو جائیں گے۔ اور شدھی تھوڑے دنوں میں ایک سادھارن بات سمجھی جانے لگے گی۔ پرنتو

ویدک جیون

(کاٹھیاواڑ کے ایک والیٔ ریاست کے قلم سے)

دھرم کی اتپتی وید سے ہوتی ہے۔ وید کا گیان ایشور نے منش کو دیا ہے۔ یہ گیان پورن ہے۔ چونکہ اس گیان کا سروت سچائی ہے۔ اس لئے ویدک گیان سچا ہے جب تک تمام دیشوں کے لوگ ویدک دھرم کو مانتے رہے۔ ہر جگہ شانتی اور اتپتی رہی۔ صدیاں گزر گئیں۔ جب ویدک دھرم کے کیندر آریہ ورت میں لوگوں نے اپنا کرتویہ پالن چھوڑ دیا۔ ودیا ارجن اور سمت ستناراچرن کی جگہ سالنار کھ

جین مت بودھ مت کی شاکھا ہے

(از سوامی ویدانند تیرتھ جی مہاراج)

ستیارتھ پرکاش ۱۲ ویں سملاس میں رشی دیانند نے جین مت کو بودھ مت کی شاکھا مانا ہے۔ جین لوگوں نے اس پر بہت روش پرگٹ کیا۔ اور رشی کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ آج آپ کے سامنے پرسدھ چینی یاتری ہیون سانگ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔

سنگھ پور کا ورنن کرتے ہوئے یہ چینی یاتری لکھتا ہے۔ "ستوپ کی بغل میں تھوڑی دور پر ایک ستھان ہے۔ جہاں شویتامبر سادھو کو سدھانتوں کا گیان ہوا تھا اور اس نے سب سے پہلے دھرم کا اپدیش کیا تھا۔ اس بات کا سوچک ایک لیکھ بھی بہاں کندہ ہے۔ اس ستھان کے نکٹ ایک مندر دیوتاؤں کا ہے۔ اس مندر سے سمبندھ رکھنے والوں کو بڑی کٹھنائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پرنتو وہ لوگ رات دن پرشرم کیا کرتے ہیں۔ ذرا بھی ڈھیل نہیں ہونے دیتے۔ ان لوگوں نے زیادہ تر بودھ پستکوں میں سے سدھانتوں کو اڑا کر اپنے دھرم میں سملت کر لیا ہے یہ لوگ انیک شرینیوں کے ہیں۔ اور اپنی اپنی شرینی کے انوسار نیم اور دھرم کو الگ الگ بنائے ہوئے ہیں۔ جو بڑے ہیں۔ وہ بھکشو کہلاتے ہیں۔ اور جو چھوٹے ہیں۔ وہ شرمنیر کہلاتے ہیں۔ ان کا چرتر اور دیوہار زیادہ تر بودھ سنیاسیوں کے سمان ہے۔"

ہیون سانگ کا بھارت چرمن صفحہ ۱۴۲ ۱۴۳ "شویتامبر جینیوں کا ایک فرقہ ہے"

اس سے یہ صاف ہے۔ کہ کم از کم ہیون سانگ کا بھی وہی مت تھا۔ جو سوامی جی کا تھا۔ اس لئے یہ سوامی جی کی کپول کلپنا نہیں کہی جا سکتی۔

ایک بات پر دھیان دلانا میں آوشیک سمجھتا ہوں۔ گو دوسرے دھرموں کی طرح ہم لوگوں کو بھی انیہ دھرموں کو ہندو دھرم میں اپنانے کا پورن ادھیکار ہے تاہم اس ادھیکار کا دراپیوگ کرنی بھی انصاف پسند ہندو کو منظور نہ ہوگا۔ اس لئے ہم لوگ انہی لوگوں کی شدھی کریں۔ جو ہندو دھرم کو سرشیٹھ مان کر ہمارے سماج میں آنے کی کامنا رکھتے ہوں۔ اگر کسی لالچ یا دباؤ سے کام لیا جائے گا۔ تو آپس میں ویمنسیہ کے سوائے اور کوئی لابھ نہیں کیونکہ اس طرح پر جن کو شدھ کیا جائے گا۔ وہ ہندو دھرم میں مستقل طور پر نہیں رہ سکیں گے

اور سوارتھ میں بردھی ہو گئی۔ ویدک دھرم ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ:۔

[illegible]

[illegible]

مگر ہم اس کے بالکل الٹ عمل کرتے ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ ہم آرتھک۔ مانسک آتمک اور راجنیتک وچار سے منقسم ہو گئے ہم نے دھرم کو چھوڑا۔ تو دھرم نے ہمیں مار دیا۔ اکٹھے تھے۔ تو کھڑے تھے۔ آپس میں ہٹ کر ہم گر گئے۔ یہی کارن تھا۔ کہ آریہ

ہندو کہلائے جانے لگے۔ اور آریہ ورت ہندوستان بن گیا۔ اس کے بعد آپس میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔

ویدوں کے غلط معنی

پراچین گرنتھوں کو بھی ہم غلط سمجھے ہیں ہندو پنڈت ان کے معنی سمجھے بغیر انہیں زبانی رٹ لیتے۔ اور پھر انہیں سمپردائک رسوم اور رسمیوں کے موقعہ پر استعمال کرتے ہیں۔ ویدک شکشا کے ورودھ شودر دروں یونوں یا بدیشیوں کو وید کا گیان ممنوع قرار دیا گیا۔ چنانچہ ہم نے یوگیہ بزرگوں کی اولاد بن کر پہلے تو ویدک دھرم کا دروازہ دوسروں پر بند کیا۔ اور بعد ازاں وہ ہم پر بھی بند ہو گیا۔ ہم ویدک دھرم کے سوندریہ کو گنوا بیٹھے۔ اس وقت جو جاتیاں آپس میں لڑائی جھگڑا کر رہی ہیں۔ ان کے لئے سچی پرسنتا اور سچی اونتی کا راستہ ایک ہی ہے۔ کہ بھوشیہ میں ویدک دھرم کی شرن لیں۔

یورپین عالم ویدوں کو بیوقوفوں کی بڑ بتاتے ہیں۔ مگر گذشتہ صدی کے زبردست ترین مہارشی رشی دیانند نے ان پراچین پوتر گرنتھوں کو بالکل ایک نئی اور حقیقی صورت میں دیکھا ہے۔

ہندو حلقۂ اسلام میں

جہالت اور کمزوری سے کروڑوں ہندو تلوار کے زور کے بغیر ہی حلقہ اسلام میں چلے گئے۔ سینکڑوں نئے مت پیدا ہو گئے۔ جن میں سے ہر ایک دوسرے کو حقارت اور رقابت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اسی اثنا میں صلیب کے پیامبر آہستہ آہستہ ہماری سرزمین میں قدم جمانے لگے۔ انہوں نے سکول قائم کئے۔ اور گرجے بنائے جنہوں نے بہت لوگوں بالخصوص اُن لوگوں کو جنہیں ہم نے جاتی ابھیمان میں اپنے سے دور بھگا دیا تھا۔ اپنی طرف کشش کیا۔ ویدک سبھیتا کے نام نہاد سرکھشکوں کا رویہ کیا تھا؟ انہوں نے اُن لوگوں کو جو بد قسمتی سے شودر یا اچھوت تھے۔ رشیوں کے پوتر گرنتھ پڑھنے سے محروم کر دیا۔ اس بیچاروں طرف اندھکار اور مایوسی چھا گئی۔ پورانک کتھاؤں اور ویدک دیوی دیوتاؤں پر جو نکتہ چینی ہوئی۔ ہندو دھرم اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔ ایسے وقت پر رشی دیانند آریہ سبھیتا کو پھر جیوت کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ وہ بال برہمچاری تھے۔ وہ تپسوی تھے۔ انہوں نے ویدک دھرم کا سوندریہ لوگوں پر پرگٹ کیا۔

مہرشی دیانند اور سوشلزم

لیکھک آچاریہ رام دیوجی مکھیہ ادھشٹھاتا گورو کل کانگڑی

آج کل بھارت ورش میں سوشلزم سماد چاروں طرف پر ہے۔ لاہور کانگریس کے منتخب صدر اپنے آپ کو سوشلسٹ کہتے ہیں۔ نوجوان لیڈران ذہبت سے ایسے ہیں۔ جو سوشلزم کا پرچار کرنا اپنا بہترین فرض سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سوشل پڑتال کی جاوے۔ سوشلزم کے دو پہلو ہیں۔ ایک کھنڈن آتمک اور دوسرا منڈن آتمک۔ کھنڈن آتمک پہلو کے لحاظ سے تو سوشلزم کے ساتھ سے سمپردائے ایک مت رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ سنسار میں سے منفرد سرمایہ داروں کی شکتی کو کمزور کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کھنڈن آتمک سوشلزم کے کھشتر میں ایک مت ہونا قدرتی بات ہے۔ کیونکہ سوشلزم ایک بیماری کی تشخیص کا نام ہے۔ اور وہ بیماری ہے۔ امیروں کا غریبوں پر اتیاچار۔ کئی صدیوں سے دنیا میں امیر غریبوں کو ستاتے رہے ہیں۔ طاقتور لوگ بے بسوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ پرانے یورپ میں غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ اس وقت طاقتور لوگ ہی آزاد لوگ تھے۔ اور کمزور غلام۔ اس کے بعد زمینداروں نے مزدوروں پر ظلم ڈھانے شروع کئے۔ اب سائنس کا یگ ہے۔ اور امیروں نے اپنی طاقت کو قائم رکھنے کے لئے تعلیم کو اتنا مہنگا بنا دیا ہے۔ کہ اب بھی غریب لوگ اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اب طاقت گورے لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے رنگ دار قوموں کو کچلنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ سوشلزم نے زور بھی انہیں ملکوں میں پکڑا۔ جن میں یہ ظلم حد سے بڑھ گیا تھا۔ فرانس کے پرانے نوابوں کے مظالم ضرب المثل ہیں۔ اس لئے فرانس میں نہ صرف انقلاب ہی پیدا ہوا۔ بلکہ یورپ کے سوشلسٹوں کے بہت سے گروہ بھی وہیں پیدا ہوئے۔ آج کل سوشلزم کا گھر روس ہے۔ اسکی وجہ صاف یہ ہے۔ کہ روس کے امیروں۔ زمینداروں اور سرداروں نے جن کا کھیا زار تھا۔ انیسویں صدی میں غریبوں پر وہ آفتیں برپا کیں۔ کہ قدرت کو بدلہ نکالنا ہی پڑا۔ مغربی قوموں کو اگر لیں۔ تو ہم سوشلزم کا زیادہ اثر امریکہ میں نہیں دیکھتے جس کی وجہ صاف ہے۔ وہاں پر امیر لوگ غریبوں پر ظلم نہیں کر سکتے ہیں۔ لاکھوں ایکڑ زمین خالی پڑی ہے اس لئے بہت غریب کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ جس میں بھی ہاتھ پاؤں اور طاقت ہے۔ وہ مزے اور چین سے اپنی روٹی کما سکتا ہے۔ وہاں کے سرمایہ دار کوئی خاص خطاب نہیں رکھتے اور نہ ہی اُن کو محض سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی خاص حقوق ہی ہوتے ہیں۔ کوئی بھی گھاس چھیلنے والا انسان۔ اگر اس میں خداداد قابلیت ہے۔ تو وہ سرمایہ دار بن سکتا ہے۔ الغرض سب کے لئے ایک جیسا موقع ہے۔ امریکہ میں دولت کی پوجا ہوتی ہے۔ لیکن سوشلزم زوروں پر نہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوائے اور کچھ نہیں۔ کہ کسی کے دولتمند ہونے کے راستے میں کوئی بھی سوشل یا پولیٹیکل رکاوٹ نہیں۔ امریکہ کی سرکاری یونیورسٹیوں میں ہر ایک آدمی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ وہاں یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے کوئی فیس دینی نہیں پڑتی۔ اور مزدوری کر کے پیٹ بھرنے والے انسان کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا انگلینڈ میں اگرچہ زمینداروں کو بے جا حقوق حاصل ہیں۔ لیکن پرجا کی طاقت اتنی ہے۔ کہ وہ زیادہ خرابی نہیں مچا سکتے۔ اس لئے وہاں سوشلزم کا زور امریکہ سے زیادہ لیکن روس آدی سے بہت کم ہے۔ ایشیا کے مہذب ملکوں میں جاپان ایسا ہے۔ جس پر سوشلزم کا اثر بہت کم ہے۔ وجہ وہی ہے۔ جو انگلینڈ کی حالت ہے۔

جنڈال اور بکی بھی لاکھوں بتا ہو چکے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دولت کو یہاں عزت کا معیار نہیں بنایا گیا ہے۔ یہاں دولت مندوں کے سر پر کشتریوں کی تلوار اور برہمنوں کی شکتی کا لٹھ ہمیشہ سوار رہا ہے۔ اس لئے اگر یہاں اتیاچار ہوئے بھی تو مذہب کی بنا پر۔ اگر لوگوں کے حقوق کھونے کی کوشش کی گئی ہے تو مذہبی حقوق کے لئے۔ دُنیوی حقوق کو دبانے کا کبھی یتن نہیں کیا گیا۔ دُنیاوی طور پر یہاں سب لوگوں کو ایک جیسا موقع ہمیشہ دیا گیا۔ اتہاس بتلاتا ہے کہ سرمایہ داروں کو کام کیا جاتا جو کہ سوشلزم کی علت غائی ہے۔ کا علاج ایک جیسا موقع ہے۔ نہ کہ زبردستی بلالحاظ قدرتی طاقتوں کے ہر ایک کو ایک جیسا بنا دینا ہے۔ روس میں یہ کوشش کی گئی کہ ڈنڈے کے زور سے سب کی اقتصادی حالت ایک سی کر دی جائے۔ لیکن اس میں سخت ناکامیابی ہوئی۔ زیادہ ہوشیار آدمی زیادہ امیر بن گئے اور کم ہوشیار آدمی کم امیر۔ اس لئے روس کی حکومت کو ہار ماننی پڑی۔ اور اب روس میں بھی چھوٹے چھوٹے کارخانے سرکاری نہیں ہے اور اُن کے مالک کم و بیش امیر ہیں۔ وہاں یہ سرمایہ دار پہنچ تو نہیں سکتے۔ لیکن ان کو پولیٹیکل حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ شائد ایک اور انقلاب ہو۔ اور ممکن ہے کہ روس میں سرمایہ دار ایک بار پھر غریبوں پر ظلم کرنے کی حالت میں ہو جائیں +

رشی دیانند پراچین رشیوں کی طرح اس بیماری کو سمجھے۔ جس کی تشخیص میں سوشلزم اور جس کے علاج کے روپ میں کمیونزم اور بیسیوں سوشلزم ناکامیاب ہو رہے ہیں۔ اور انہوں نے اس کا علاج ورن بیوستھا بتلایا ہے +

برہمچاری کا وِش پان

(از پنڈت ہری شنکر شرما)

ڈھم ڈھم ڈھونگیوں کا ڈھانچہ ڈھیلا کر
پٹ پٹ پاپیوں کو پچھاڑ روند روند کر
آٹ سٹ کا نشاں گپوڑوں کا گرا یا گڑھ

کٹوتا کا کنٹک کٹایا اُپکاری نے
اور ڈھیوں کا رودھر بہایا بل دھاری نے
چھوت بھوت جکڑ جلایا اُدھکاری نے

جاتی کو جِلایا وید امرت پلایا کنتو
آپ وِش کھایا اُس بال برہمچاری نے

ورن بیوستھا کا مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا میں اقتدار کی تقسیم کر دی گئی ہے۔ سب لوگ ایک ہی قسم کے اقتدار کے خواہاں نہیں ہیں۔ اگر یہ ہوتا۔ تو دنیا کے نہایت اونچے انسان جن کی پوجا ہوتی ہے راج پاٹ اور لاکھوں روپیوں کو لات مار کر جان پر کھیل کر غریب نہ ہو جاتے۔ کئی لوگ اپنے چرتر اور اپنی ودیا کے بل سے لوگوں کے ہردے کے سمراٹ بننا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو برہمن بننے کا موقعہ ملنا چاہیئے۔ دوسرے لوگ اپنے باہو بل سے اسٹیٹ لینا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کشتری بننے کا موقعہ ہونا چاہیئے۔ کئی لوگ سرمایہ دار بننے کے تیار نہیں۔ بلکہ وہ لوگ کا جیون دیتت کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھی موقع ہونا چاہئے لیکن چونکہ بھوگ انسان کو خود غرض بنا دیتے ہیں۔ اس لئے اُن

میں ہے۔ ایران پر بھی سوشلزم کی گرفت بہت زبردست نہیں ہے۔ مگر ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت میں سوشلزم زوروں پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پولیٹیکل حقوق برابر نہیں ہیں۔ یہاں کی ودیشی گورنمنٹ خود سب سے بڑی سرمایہ دار ہے۔ اور سرمایہ داری کے ساتھ اس کو پولیٹیکل طاقت بھی حاصل ہے۔ بھارت ورش کے لمبے اتہاس میں سوشلزم نے کبھی زور نہیں پکڑا۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یہاں کسی جماعت کو حقیر کی وجہ سے غریب بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ چمار

کریاکرم کے بھوگ کرنے کے لئے مجبور کرنا چاہئے ایسے لوگ ویش کہلاتے ہیں۔ جو لوگ ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتے۔ وہ شودر کہلاتے ہیں۔ لیکن ایسا انتظام ہونا چاہئے کہ ان کو بھی پیٹ بھر کھانا مل جاوے۔ اور ان پر کوئی اتیاچار نہ کر سکے۔ اس کا پربندھ ہمارے سوشل سسٹم میں ہمیشہ رہا ہے۔

ورن ویوستھا سے بہتر سوشل پرابلم کا کوئی حل دنیا میں نہیں ہے۔ صرف اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر ایک انسان اپنا ورن آپ بناتا ہے۔ باپ کے ورن کی وجہ سے کسی انسان کو حقوق نہیں مل سکتے۔ جو اس کے کرم نے نہیں ہیں۔ رشی دیانند نے اس خطرے کو پہچانا ہے۔ اور ایک ایسا انقلاب انگیز بات کہی ہے۔ جو روس کے بولشوازم سے ملتی جلتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(پرشن) جو کسی کا ایک ہی پتر یا پتری ہو وہ دوسرے ورن میں پرویشٹ ہو جاوے تو اس کے ماں باپ کی سیوا کون کرے گا۔ اور ونش چھید بھی ہو جاوے گا۔ اس کی کیا ویوستھا ہونی چاہئے؟

(اُتر) نہ کسی کی سیوا کا بھنگ اور نہ ونش چھید ہوگا۔ کیونکہ ان کو اپنے لڑکے کے بدلے سو ورن کے یوگیہ دوسرے سنتان ودیا سبھا اور راج سبھا کی ویوستھا سے ملیں گے اس لئے کچھ بھی اویوستھا نہ ہوگی۔ یہ گن کرموں سے ورنوں کی ویوستھا کنیاؤں کی سولہویں ورش اور پرشوں کی پچیسویں ورش کی پریکشا میں نیت کرنی چاہئے۔

اوپر سے تو یہ بولشوازم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن واستو میں یہ اس سے اونچی چیز ہے۔ کیونکہ بولشوازم کو کیول یہ ہے کہ شودروں کو ویش بنایا جاوے لیکن رشی دیانند کو یہ بھی چنتا ہے۔ کہ جو ویش برہمن بننا چاہیں۔ ان کی سمپتی ان سے لے کر ویش بننے کے یوگیہ براہمن پتروں، کھشتری پتروں اور شودر پتروں کو دے دی جاوے۔ اور ایسا کرنے سے دیش کے بیچ کوئی خرابی پیدا نہ ہو بلکہ سدا بچے آپ کو کرتیہ کرتیہ سمجھیں۔

جاوے گی۔ سینکڑوں پرچارک بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ جو سنستھا چالیس سال تک سو سے زیادہ سنیاسی ویدک دھرم کے پرچار کریں۔ آریہ سماج کے سنیاسی نکل جاویں۔ یورپ امریکہ آدی میں جاکر رہیں۔ وہیں اپدیش کیا کریں۔ ہمارے دایرہ منڈل کو سدھاریں اور ہمیں ایسی پریرنا کریں کہ ہمارے اندر آریہ سنسکرتی کی شکتی بڑھتی جاوے۔

سوامی دیانند کے شِشّ

(از پنڈت نردیو جی شاستری ودیا تیرتھ)

آریہ سماج کے پرورتک سوامی دیانند سرسوتی جی نے اپنے جیون کال میں پچاسوں شِشّ بنائے۔ پرنتو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان شِشّوں میں سے انت تک شردھا کسی نے ساتھ دیا ہو۔ سوامی جی میں ایک بڑی وشیشتا یہ تھی۔ کہ وہ اپنے سدھانتوں کے پرچارارتھ پاٹھ شالہ آدی ستھاپن کرتے تھے۔ کنتو یدی اس پاٹھ شالہ سے ان کی اچھا انوسار کام نہ چلا۔ یا سدھانت ہانی ہوتی دکھائی دی۔ تو وہ فوراً اس پاٹھ شالہ کو بند کروا دیتے تھے۔ اور باتوں میں وہ ایننت اُدار تھے۔ پرنتو سدھانتوں کے معاملے میں وہ کسی سے بھی سمجھوتہ کرنے کو راضی نہ ہوتے تھے۔ ان کے جیون میں یہ بات سپشٹ ہے۔ یہ بھی بات سپشٹ ہے کہ سنسکرت شکشا پراپت شِشّوں کی نسبت انگریزی پڑھے شِشّوں نے سوامی جی کا ادھک ساتھ دیا۔ بھگوان بدھ کو جس پرکار کے تیاگی ودوان بھگت شکشت شِشّ ملے تھے بھگوان شنکر آچاریہ کو جس پرکار کے سوگیہ شِشّ پراپت ہوئے تھے۔ یا انیہ پرورتک آچاریوں کو جیسے کہ شِشّ ملے تھے۔ یا نیپولین کو جیسے سومیہ، سہن شیل، شانت پرنتو لگن کے شِشّ ملے تھے۔ سوامی جی کو ایسے شِشّ نہیں ملے۔ اس کا کارن یہ پرتیت ہوتا ہے کہ پرارمبھ کال میں سوامی جی کے پاس جتنے بھی شِشّ بن کر آئے۔ وہ کیول ان کی شخصیت (PERSONALITY) پر مگدھ ہو کر آئے تھے۔ انہوں نے سوامی جی کے سدھانتوں کی نسبت ان کی شخصیت کو ادھک آدر دیا۔ جس کا پھل یہ ہوا کہ آگے جاکر انہیں سوامی جی کا ساتھ چھوڑنا پڑا اور انہیں سوامی جی کے پاس ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔

انگریزی تعلیم یافتہ شِشّ سنسکرت والوں سے ادھک دور اندیش پرتیت ہوتے ہیں۔ انہیں سوامی جی کی بہت سی باتیں پسند تھیں۔ انیک باتوں میں سہمت نہ تھے۔ تو بھی وہ سوامی جی کے جیون کال میں ان کا ساتھ برابر دیتے گئے۔ پیچھے بھی برابر نبھاتے گئے۔ جہاں نبھ نہ سکی۔ وہیں سوامی جی کے انویائیوں میں سپشٹ دو دل ہو گئے۔

(۲) سوامی جی میں ایک بات اور وشیش تھی۔ وہ یہ کہ اگر بالک بھی ٹھیک ٹھیک بھول دکھاوے۔ تو نس سنکوچ سویکار کر لیتے تھے۔ میرا اپنا خیال ہے۔ کہ اگر سوامی جی اب تک موجود رہتے۔ تو آریہ سماج کی پدھتی اور نیم آپ نیموں میں آوشیہ انیک متھو کے پریورتن کر ڈالتے۔ اب تو انویائیوں کی یہ بات ہے۔ کہ وہ اپنی اچھاؤں کو سوامی جی کے گلے مڑھنا چاہتے ہیں۔ کوئی ان کے العبیر اقبل کو انیہ پرکار پرگٹ کرتے ہیں کوئی سا ماپک بن کر ان کے سدھانتوں کا آشرا لے رہے ہیں۔ سوامی جی کے انویائیوں میں بھگت جن بہت ملیں گے۔ جو شکشت ہیں۔ وہ اتنے بھگت نہیں ہیں۔ سوامی جی کے انویائیوں میں جن کے ہاتھ میں اس سمے آریہ سماج کی باگ ڈور ہے زیادہ تر ایسے لوگ ہیں۔ جو آریہ سماج کو خاص مت بنا رہے ہیں۔ وہ اس بات کو انوبھو نہیں کرتے۔ کنتو ہو رہا ہے۔ وہی جو ہونا نہیں چاہئے۔

ان سب باتوں پر جب آریہ سماج کے ودوان گمبھیر تا پوروک وچار کریں گے تب پتہ لگ سکتا ہے۔ آریہ لوگ جس رفتار سے چل رہے ہیں۔ اور جس پر وہ ادھیں چل پڑے ہیں۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور شنکا ہے کہ آریہ سماج ویدوں کا آدھار نہیں رکھ سکیگا۔ آریہ سماج آجکل کیول کوریتی نوارن سبھا بن رہی ہے۔ دُربھاگیہ کی بات ہے۔ کہ جو لوگ آگے بڑھتے جاتے ہیں۔ وہ ادھ ناستک اشردھالو بن رہے ہیں۔ ان کی سنتان بھی اشردھالو بن رہی ہے۔ گورو کلوں سے شکشا پراپت نوجوانوں سے بھی وہ آشا نہیں رہی جیسی کہ کی گئی تھی۔ گورو کل نام کی سنستھائیں آریہ سماج کو سچے کرم بھگت شکشت پرچارک اتما اپدیشک دے دیتیں۔ تو بھی آریہ سماج کے لئے بڑا کام ہو جاتا۔ ابھی پرچار کے بنا بھارت ورش کے ہی انیک بھاگ خالی پڑے ہیں۔ دیش دیشانتروں میں پرچار کی بات تو دور رہی۔ ایسی ستھتی ہونے پر بھی ہم نراشاوادی نہیں ہیں۔ کیونکہ جس کام کو آریہ سماج پرتیکش روپ میں نہیں کر سکیگی اس کو وہ اپرتیکش روپ میں (INDI-RECTLY) ہندوؤں کو جگا کر کرائے

دوارا کرا رہا ہے یا کرائے گا۔

(۳) میں سوامی جی کے شِشّوں کی بات لکھ رہا ہوں۔ پرانے شِشّوں میں سے میں انیک سے پریچے رکھتا تھا۔ وہ آج اس لوک میں نہیں ہیں۔ شری پنڈت بھیمسین جی، پنڈت جوالا دت جی، پنڈت بھیم سین اٹاوہ نواسی ادیادی سب اچھے ودوان تھے۔ پنڈت بھیمسین جی سنسکرت کے اچھے لیکھک تھے پنڈت جوالا دت جی بڑے اچھے کوی تھے۔ پنڈت بھیم سین جی ویوستھا لکھنے میں پارنگ تھے۔ پنڈت دیو دت جی فرخ آباد نواسی ویاکرن شاستر کے قابل پنڈت تھے۔ رشی جی کے پریہ شِشّ پنڈت شیام جی کرشن ورما نہ جانے کہاں ہیں۔ یہ لوگ ایسے تھے۔ جن کا سوامی جی سے ساکشات سمبندھ رہا۔ سوامی نتیانند جی سرسوتی اور سوامی وشیشورانند جی نے بھی بڑا کام کیا۔ سوامی جی کے سدھانتوں کے پرچار کی درشٹی سے سوامی درشنانند جی نے بھی بہت کام کیا۔ سوامی شردھانند جی نے آریہ سماج کے سنگٹھن کا ادھک دھیان رکھا۔ جیوت سمودائے میں اب بھی بہت سے پرش ہیں۔ جو اپنے آپ کو سوامی جی کا شِشّ کہتے ہیں ان لوگوں کے تین وبھاگ ہو سکتے ہیں۔

(۱) شِشّ کہلاتے ہیں۔ کنتو ان کی بہت سی باتیں نہیں مانتے۔ یہ لوگ پہلے پہل سوامی جی کے ویاکھیان کو سن کر ان کے شِشّ بنے تھے۔

(۲) جنہوں نے درشن کئے۔ کنتو ویاکھیان سنے اور پیچھے انویائی بنے۔

(۳) جو پکے انویائی بنے۔ کنتو ورشوں تک رہ کر پھر کچھ ڈھیلے ہو گئے۔ کنتو سوامی جی کے بھگت بنے ہوئے ہیں۔ پر آریہ سماج کی باتوں کو نہیں مانتے ہیں۔

اس پرکار آریہ سماج چند دنوں میں کرانتی کرتا جاتا ہے۔ اور آریہ سماج میں بھی اندر ہی اندر وچار کرانتی ہو رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

(۴) اس سمے آریہ سماج سدھانتوں کی رکشا سے بڑھکر سنستھاؤں کی رکشا میں لپٹا ہوا ہے۔ اس لئے اچھے پرچار کا خاتمہ ہی سمجھئے! پرچار بھی جو کچھ ہو رہا ہے سنستھاؤں کی رکشا کے لئے۔ اب ہر میں سدھانتوں پر مرنے کی عادت کم ہوتی جاتی ہے۔ ہاں سنستھاؤں پر مرنے کو تیار ہیں۔ پکے سول اکھاڑے بنے ہوئے ہیں۔ لوگ ان سے بندھے ہوئے ہیں۔ انہی کے اردگرد گھوما کرتے ہیں۔ سنستھاؤں کے موہ جنجال نے بھی ویدک اچھی آتماؤں کی شکتی کو دوسری طرف لگا دیا ہے آریہ سماج کو سچے اچھی لگن ۴۷

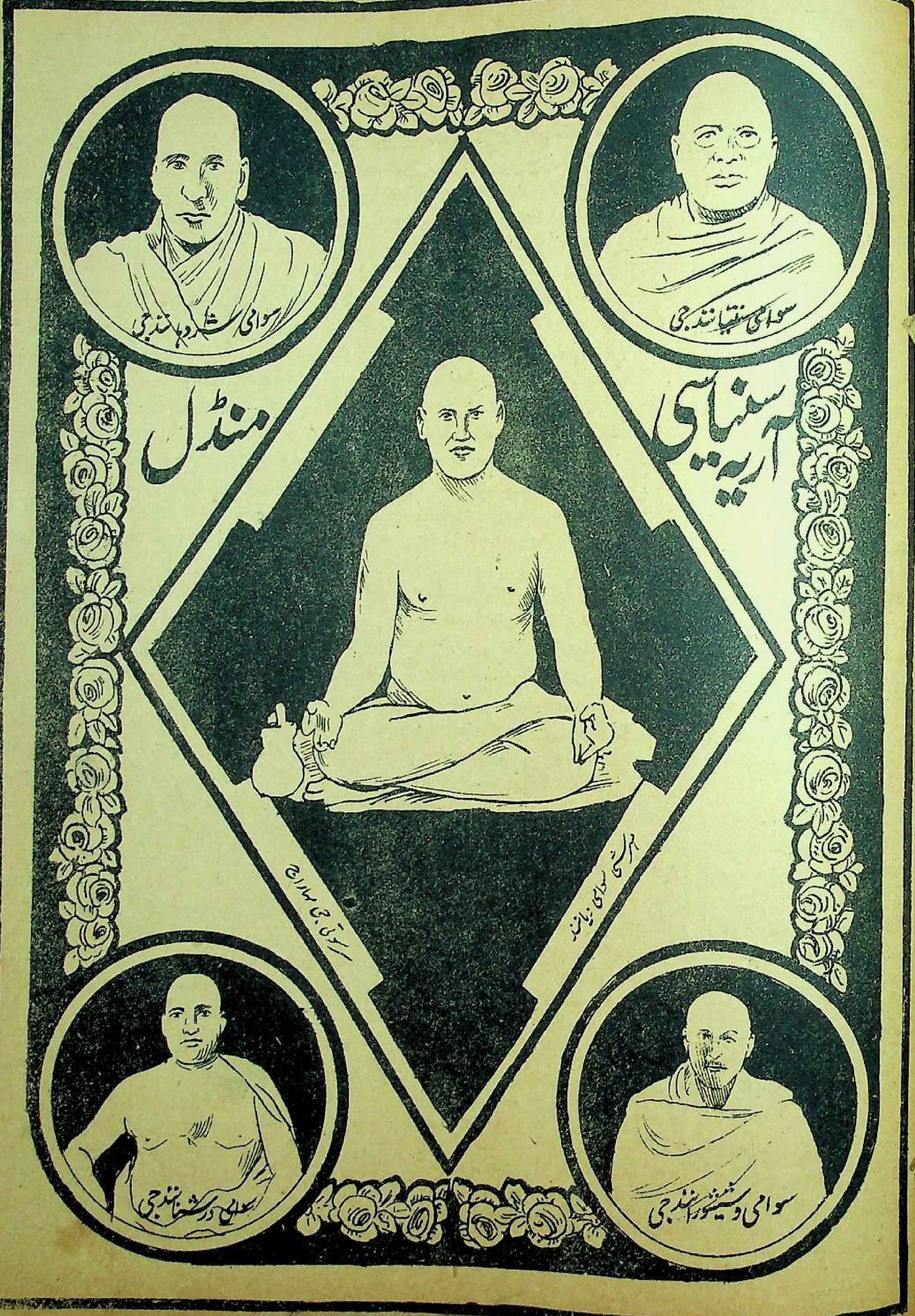
سوامی شردھانند جی
سوامی ستیانند جی
آریہ سنیاسی منڈل
مہرشی سوامی دیانند
سوامی درشنانند جی
سوامی وشیشورانند جی

ہندی اور ہندو

از شری پادری دامودر ساتولیکر سوادھیائے منڈل اوندھ

'ہندی' اور ہندوستانی اور 'ہندو' کے ارتھ میں بہت سے لوگ ... یہی کہتے ہیں۔ کہ بھارت کو جب اپنی طاقت سے مسلمانوں نے فتح کیا۔ تو مفتوح ہندوستان کو ہندو کہنے لگے۔ ان کی بھاشا میں اس شبد کا ارتھ ہے 'کافر' ہیں۔ کالے۔ چور۔ غلام۔ فاتح لوگوں نے اس شبد کا پریوگ اپنا بتلانے کے لئے کیا۔ اسی اپنا بتلانے والے ہندو شبد کا پریوگ بھارت واسیوں نے اپنے آپ کے لئے اور اپنے دھرم کو بھی درشانے کے لئے کیا۔

سارے سنسار میں ہندوستان اپنے دھرم کے ابھیمان کے کارن پرسدھ ہے۔ ہندو لوگ بھی یدی اور کسی بات پر جان دینے کو تیار نہ ہوں تو اپنے دھرم کے لئے جان دینے کو تیار ہیں۔ سنسار کے سب دھرموں کا مول کھوج کر نکالنے کا اگر یرتن کیا جائے۔ تو وہ ہندو دھرم کے مول پستک ویدوں ... میں ملتا ہے۔ اس لئے اگر لمحہ بھر کے لئے مان بھی لیا جائے۔ کہ پردیسی لوگ جس شبد کو ہماری ہینتا بتلانے کے لئے کہتے ہیں۔ اس نام سے ہم اپنے کو شاید پکاریں۔ لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں۔ کہ اس ہینتا درشک شبد سے ہم اپنے دھرم کا بھی نام رکھیں۔ اس واسطے بہت باریک بینی سے وچار کر کے دیکھنا ہوگا۔ کہ یہ شبد آیا کہاں سے ہے۔ اور اس کا بھاؤ کیا ہے؟ یہ بات پہلے ہی کہہ دینا اچت ہوگی۔ کہ ہمارے شرتی سمرتی۔ پوران آدی گرنتھوں میں 'ہندی' یا 'ہندو' شبد نہیں ہے۔ ان گرنتھوں میں ہمارے دھرم کے لئے جو نام آئے ہیں۔ وہ اس پرکار ہیں۔ دھرم۔ سناتن دھرم۔ آریہ دھرم۔ مانو دھرم' اتیادی۔ تب یہ ثابت ہے۔ کہ ہمارے دھرم گرنتھوں میں نہ آیا ہوا۔ ہندو نام ہمارے دھرم کو پراپت ہوا ہے۔ ورتمان سمے میں یہ نام اتنا دڑھ ہو گیا ہے۔ کہ کسی کو بھی اور کسی بھی سمے پوچھا جائے۔ وہ اپنے کو "ہندو دھرمی" بتلاوے گا۔ ویدک دھرمی۔ آریہ دھرمی۔ سناتن دھرمی کبھی نہ بتلاوے گا ہی جنہیں۔ اگر کوئی پراچین سمے کا ابھیمانی اپنے دھرم کے سچے نام کہے گا۔ تو ورتمان ہندو اس کا مذاق اڑائیں گے کیا چمتکار ہے؟

اب پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ نام مسلمانوں کا دیا ہوا ہے۔ اتہاس میں اس وشے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے خلاف اتہاس کا ثبوت ہے۔ کہ اسلام کی پیدائش سے پہلے ہی 'ہندی' اور 'ہندو' شبد پرچلت تھے۔ حضرت محمد کا جنم ۵۷۰ء میں ۲۹ اگست سوموار کے دن ہوا۔ اور انہوں نے اپنے نام جوانی میں اسلام کا آغاز کیا۔ اس گھٹنا کے کئی صدیوں بعد مسلمان لوگوں نے بھارت پر حملہ کیا۔ اور ہندوستان کا شمالی حصہ فتح کر کے اس میں بطور فاتح رہنے لگے۔ اس پرکار یہ گھٹنا بہت نزدیک کی نہیں۔ پرنتو ہندوستان کے پرانت کا ذکر ... کے نام سے مسلمانوں کے حملے ... کیا ... ہے ... پارسیوں کی دھرم پستک میں اس شبد کا پریوگ اس پرکار ہے۔ 'ہپت ہندو'

हप्त हिन्दु

اتفاق ورسات سندھو ندیوں کا پردیش۔ پارسی دھرم کے بانی زردشت کے زمانہ میں بھارت اور ایران کا بہت نزدیکی تعلق تھا۔ لوگ مانتے ہیں۔ کہ مہاتما زردشت نیلی کے قریب تین ہزار ورش پہلے ہوئے تھے۔ اس زمانہ کے متعلق بھی اختلاف رائے ہے۔ بعض لوگ اس سے بھی زیادہ عرصہ بتلاتے ہیں۔ لیکن تین ہزار سے کم کوئی نہیں بتلاتا۔ اس سے ثابت ہے۔ کہ اتنے پراچین کال میں یعنی آج سے قریب پانچ ہزار ورش پہلے بھی ہندوستان کو ہندو کہتے تھے۔ اور اس سمے تو مسلمانوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس سے یہ سپشٹ ہے۔ کہ 'ہندی' یا 'ہندو' نام مسلمانوں کا دیا ہوا نہیں۔ وہ ان سے پہلے ہی استعمال میں تھا۔ ژند بھاشا میں سنسکرت کے 'س' کے ستھان میں 'ह' ہوتا ہے۔ स

اس سے سنسکرت شبد کے روپ اس پرکار ہوتے ہیں۔

"हप्त सप्त" "अहुर असुर"
"हेना सेना" - "माह मास"
"होमे - सोमे" "हन्ति - सन्ति"

آدی۔ اس پرکار سندھ کا ہند۔ سندھو کا ہندو۔ اور سندی کا ہندی شبد بنتے ہیں۔

ژند بھاشا کا یہ بھید سمجھ لینے پر معلوم ہوگا۔ کہ ژند اوستا میں ہندو شبد آیا ہے۔ وہ ہندوستان کے پرانت کے نام کا ہی مظہر ہے۔ سندھ سندھو آدی شبد پارسیوں کو ہندوستان کے بیوپار آدی ادورفت کے کارن معلوم تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ جس دیش میں سندھو ندی بہتی ہے۔ وہ سندھ یا ہند دیش ہے۔ سندھ پرانت کا نام بھی اسی کارن سے پڑا ہے۔ اس پرکار 'ہندی' دیش کا سمبندھ ایران سے پانچ ہزار ورش سے ہے۔ اور اسی سمے سے وہاں کے لوگ ہند واسیوں کو ہندی کے نام سے جانتے ہیں۔

دوسری بات اگر مسلمان دیشوں میں ہندی شبد 'غلام' آدی ہینتا درشک ارتھ میں مستعمل رہا ہوتا۔ تو وہ لوگ اسی شبد کا پریوگ مسلمانوں کے لئے کبھی نہ کرتے۔ پرنتو پہلے اور اب بھی عرب۔ ترکی۔ ایران۔ کابل آدی کئی مسلمان دیشوں میں بھارت ورش کے مسلمانوں کو ہندی ہی کہا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ یہ کیول کلپنا ماتر ہے۔ کہ مسلمانی بھاشا میں اس شبد کا ارتھ نستلہ ندرشک ہے۔ اور اس کا پریوگ مفتوح ہند ملک کو چڑانے کے لئے ہی کیا جاتا ہے۔

'پرتھوی راج راسا' نامی پرسدھ گرنتھ کے کرتا کوی چند برنی کی خودداری اپنے دھرم اور دیش کے لئے غیرت مشہور ہے۔ اس سمے کی راج نیتک پرستھیتوں کے کارن وہ سودیشی واسیوں کے بھگت اور ودیشیوں کے شترو تھے۔ ان کی کویتا میں بھی 'ہندو' شبد آیا ہے۔ دیکھئے:۔

हिन्दु वान रान मम मानं मुख
गहियु तेज चुहुं ग्राम जब

اگر مسلمانوں کے حملے کے پہلے ہی 'ہندو' شبد کا پریوگ ہینتا درشانے کے لئے ہوتا تو یہ خوددار کوی اس کا پریوگ کبھی نہ کرتا۔ اس سے سدھ ہے۔ کہ اس شبد کا پورو اتہاس بالکل مختلف ہے:

سارا انش یہ کہ ہند۔ ہندی اور ہندو شبد مسلمانوں نے شروع نہیں کئے۔ وہ مسلمانوں کے ظہور سے پہلے کتنی ہی صدیوں سے پرچار میں تھے۔ سوابھیمانی کوی بھی ان کا پریوگ اپنی دیش بھگتی پردھان کویتا میں کرتے رہے ہیں۔

کنتو اس سے یہ سدھ نہ ہوا۔ کہ 'ہندو' شبد ہمارے ہی دیش کا شبد ہے۔ اسے مسلمانوں نے ہماری نندا کے لئے نہ کہا ہوگا۔ تو ایران کے پارسیوں کے بزرگوں نے ہماری پرشنسا کرنے کے لئے کہا ہوگا۔ کنتو اس سے یہی سدھ ہوتا ہے۔ کہ باہر والوں نے ہی اس شبد کا پریوگ ہمارے لئے کیا۔

ودیشیوں نے جس شبد کا پریوگ ہماری نندا یا پرشنسا کے لئے کیا ہے۔ کیا یہ سمبھو نہیں۔ کہ اس شبد سے ہمارے سرشریشٹھ دھرم کو پراچین آریہ لوگ پکاریں۔ راشٹر کا جو سوبھاؤ ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کام آسانی سے نہیں ہوتا۔ جس سمے مسلمانوں نے اس دیش کے راجاؤں کو جیتا۔ اس سمے 'ہندو' کا پریوگ ہینتا جتلانے کے لئے کیا جاتا تھا۔ تو بھی اس کی اتپتی اور بھی ہے:۔

हीनञ्च दूषयत्येव हिन्दुरि
त्युच्यते प्रिये (मेरुतन्त्र) हिन्दु
धर्म प्रलोप्तारो भविष्यन्ति
कलौ युगे। (शिवरहस्य)

ان گرنتھوں میں ہندو شبد کا اپدک سنسکرت بھاشا میں کیا گیا ہے۔ کنتو سبھی لوگ مانتے ہیں۔ کہ یہ گرنتھ بالکل اروہنک (تازہ تصنیف) ہیں۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں جس پرکار اپنشدوں میں 'اوپنشد' گھس پڑا۔ اسی طرح بھوشیہ پوران میں اکبر اور بابر جا بیٹھے۔ اسی پرکار ہندو شبد اپرو کت تنتر گرنتھ میں آیا۔

"جو نندش ہیں یا ندشت ہے۔ وہی 'ہندو' ہے" 'ہندو' شبد کی یہ پری بھاشا سنسکرت کی کسی حالت کو درشاتی ہے۔ اس شبد کی دوسری پری بھاشا بھی ہو سکتی ہے جیسے 'ہنسا سے دور رہتا ہے۔ وہ ہندو ہے' کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ پری بھاشا بالکل غلط ہے؟ کنتو بھاشا شاستر کے انوسار دونو پری بھاشائیں فضول ہیں۔ اب آؤ ہندو شبد کے مول کی طرف باریک بینی سے دیکھیں:۔

بھارت ورش کے پرمانوں میں وشیش کر پراچین وشنو پوران میں — 'اندر دویپ'۔ شبد کا پریوگ اس دیش کے کسی خاص حصہ کے لئے آیا ہے۔ پراکرت بھاشا میں اس کے تدبھو اس پرکار ہیں:۔

इन्द्र द्वीप — इंदूीआ
इंद — दीआ — इंदीआ
इंदीआ ' شبد کا سنکشپت روپ इंदु-दाआ
ہے۔ اسی شبد کے آگے چل کر 'اندی' 'ہندی' 'ہندو' 'اندیا' (INDIA) آدی روپ بنے۔ سنسکرت شبد میں 'ह' کا لوپ ہے۔ کنتو انڈیا (INDIA) میں ...

(بقیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۵۴ کالم ۱)

ایک یا تین!

آچاریہ ؟ فلسفی ؟ سائنسدان

تینوں ایک ہیں

(مسئلہ تسلسل قدیم (مادی پرواہ) مذہب فلسفہ اور سائنس کی رو سے ناقدانہ نظر)

(از پنڈت چموپتی جی - ایم - اے)

فلاسفروں کے سامنے ہمیشہ ہست اور نیست کا معمہ رہا ہے - کس چیز کو ہست مانا جائے کس کو نیست - کس کو ہمیشہ سے رہنے والی - کس کو پیدا شدہ - اس قسم کے سوال فلاسفر کے سامنے آتے رہتے ہیں ؛

انسان کی آنکھوں کے آگے فقط زمانہ حال ہے - کچھ کچھ زمانہ ماضی کی یاد بھی اس کے ذہن میں ہے - اس سے پیشتر کے زمانہ ماضی اور سارے زمانہ مستقبل کے متعلق اسے قیاس کرنا ہوتا ہے - لیکن اگر قیاس نہ کرے - تو اس کا جینا ناممکن ہو جائے - مجھے پیاس لگی میں نے پانی پیا - پیاس بجھ گئی - مجھے پھر پیاس لگی - میں نے پھر پانی پیا - میری پیاس پھر بجھ گئی - ایسا ایک دفعہ نہیں - دو دفعہ نہیں - دس دفعہ نہیں سینکڑوں دفعہ ہوا - یہی میرا تجربہ ہے - اور یہی میرے تمام ساتھیوں کا - میرے بزرگوں کا بھی یہی تجربہ تھا - اور میرے بچے بھی یہی تجربہ کرتے چلے جا رہے ہیں - اب یہ تجربہ تو چاہے ایک دفعہ کیا جائے - چاہے سینکڑوں دفعہ - چاہے آج کیا ہو - اور چاہے سینکڑوں سال کا - فقط اس وقت کے احساس کی خبر دے سکتا ہے - اب پھر کیا جاتا ہے پانی پینے سے میری پیاس بجھ گئی - زمانہ ماضی میں بھی ایسا ہوتا اور اب بھی ایسا ہو رہا ہے لیکن کیا خبر ہے - کل ایسا نہ ہو - کل تو کیا موجودہ لمحہ کے بعد کسی بھی لمحہ کے متعلق میں فقط قیاس ہی کرتا ہوں - کہ پانی سے پیاس بجھ جائے گی - اس کا مجھے تجربہ نہیں ہو سکتا - لیکن اگر میں قیاس نہ کروں - تو جیوں کیسے ؟ اس قیاس کے سہارے فقط انسانی زندگی کے ہی نہیں - نظام عالم کے تمام قانون کھڑے ہیں - میری امیدیں میرے زمانہ حال اور زمانہ ماضی کے تجربے کی بنا پر استادہ ہیں - میری زندگی کا ایک قدم میری گذشتہ زندگی کی تمام رفتار سے سبق لیتا ہے - اسی قیاس کے سہارے میں اپنی موجودہ زندگی سے پہلے کے زمانہ کی تاریخ تیار کرتا ہوں - اور اسی قیاس کی بنا پر آئندہ [illegible] آنکھوں کے سامنے لاتا ہوں ؛

پانی پینے سے ہمیشہ پیاس بجھتی دیکھکر - اور ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایک مقررہ نسبت کے مطابق ملنے سے ہمیشہ پانی بنتا دیکھکر میں یہ اخذ کرتا ہوں - کہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے ؛ اور ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملنے سے پانی بنتا ہے - میں کہتا ہوں یہ دونوں قانون قدرت ہیں - نظام عالم میں قانون کی ہستی کا تسلیم کر لینا ہی فلسفے کی الف ب ہے - معمولی آدمیوں کی زندگی اسقدر فلسفے سے اتنی ہی وابستہ ہے - جتنی کسی بڑے سے بڑے فلاسفر کی - ایک کسان کی کاشت کے قانونوں پر یقین نہ رکھے - تو کبھی کھیتی باڑی نہ کر سکے ؛

اسی قانون کا نام وید میں رت آتا ہے -

علت ان تمام قانونوں کا بنیادی قانون علت و معلول کا قانون ہے - کوئی چیز محض معدوم میں سے پیدا ہو جائے - یہ خیال کسی فلاسفر کے تو کیا کسی معمولی انسان کے دماغ میں بھی نہیں آ سکتا - ایک کسان بھی نہیں سوچتا کہ اس کی کھیتی بغیر بیج کے ہو جائے گی - کوئی مذہب کوئی فلسفہ اس اصول کا قائل نہیں - ہر فلسفے نے کسی نہ کسی موجود کو ازلی مانا ہی ہے - شری شنکر آچاریہ موجودہ عالم کو فقط طلسم کی صورت سمجھتے ہیں - مانڈوکیا اپنشد کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے سامنے سوال آیا ہے - تو کیا پھر سب کچھ نیست ہے ؟ فرماتے ہیں - نہیں محض عدم کی بنیاد پر موہوم ہستی کی بھی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی اس طلسم کی جڑ میں کوئی حقیقی موجود ضرور ہے اہل اسلام اور عیسائی قدیم وجود فقط پرمیشور کا مانتے ہیں - اگرچہ ان کے آسمانی صحیفوں میں کوئی بات ایسی نہیں جو انہیں یہ عقیدہ تسلیم کرنے پر مجبور کرے - ان کے پاس پرمیشور کے قدیم ہونے کا فلسفیانہ ثبوت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ موجودات کی ابتدا عدم سے نہیں ہو سکتی - محض عدم سے ہستی کا ظاہر ہونا انسانی قیاس سے باہر ہے یہ آئندہ نوائینِ فطرت کے خلاف ہے - جو عالم موجودات [illegible] کے سہارے [illegible] کر رہے ہیں - اور جن [illegible] ہی دیکھ [illegible] گذرتی [illegible] فقط [illegible]

پرمیشور کو ازلی موجود ماننے پر اسی کو جملہ موجودات کی واحد علت ماننا ہوگا - اس سے یہ تو ہو جائیگا کہ عالم محض عدم سے پیدا نہ ہوگا ؛

فقط تجربہ کی بنا پر چلنا ہو تو ازلیت یا قدامت کا تجربہ ہونا ناممکن ہے - لیکن ہاں ازلیت یا قدامت کا قیاس کیا جا سکتا ہے - ہم مطلق وجود کی ابتدا کا قیاس نہیں کر سکتے - ہمارے ذہن میں وہ وقت نہیں آ سکتا - جب کچھ نہ تھا محض عدم تھا جتنے قانون ہم اپنے تجربے کی بنا پر بناتے ہیں - ان سب کی بنیاد وہی جسے ہم اوپر کہہ آئے ہیں علت و معلول کا قانون ہے - معلول بغیر علت کے پیدا نہیں ہوتا - سائنس کے - اخلاق کے - تمدن کے تمام قانون - علت و معلول کے قانون کے تابع ہیں - کوئی عمل - کوئی فعل کوئی چیز محض عدم کا نتیجہ نہیں ہوتا - اس لئے کوئی نہ کوئی موجود قدیم تسلیم کرنا ہوتا ہے - وجود عدم سے پیدا نہیں ہوا - اس لئے قدیم ہے - اور وجود بغیر موجود کے نہیں ہو سکتا - اس لئے کوئی موجود قدیم ہے - موجودہ سامی مذاہب کا عقیدہ ہے - کہ وہ قدیم وجود فقط پرمیشور کا ہے - یہی عقیدہ شری شنکر آچاریہ کا تھا ؛

عیسائی عقیدے کو پروفیسر فلنٹ نہایت عمدگی سے بیان کرتے ہیں - عام طور پر علت و معلول کے قانون کے اطلاق سے پرمیشور کو باہر کیا جاتا ہے - فلنٹ نے کئی جگہ ایسا ہی کیا ہے - وہ لکھتے ہیں :-

سائنس اسبات کی شہادت دیتی ہے - کہ مادہ طبعی عملوں اور انسان کی کوشش سے نابود نہیں کیا جا سکتا - اور اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچتی ہے - کہ جو چیز اس سے پیشتر نابود نہیں ہوئی - وہ مابعد بھی نابود نہ ہوگی - لیکن سائنس اس نتیجے کو قبول نہیں کرتی - کہ مادہ ہست سے نیست یا نیست سے ہست ایک لامحدود طاقت کے ہاتھوں بھی نہیں کیا جا سکتا (اینٹی تھی ازمک تھیوریز صفحہ ۱۵۵) ؛

پروفیسر فلنٹ سے غلطی یہاں یہ ہوئی ہے - کہ وہ علت و معلول کے قانون کو فقط علم طبعی کا قانون سمجھ بیٹھے ہیں - فی الواقعہ یہ قانون زیادہ بسیط ہے - یہ اصول منطق کا ہے سارے عالم خیال کا ہے - چنانچہ انہوں نے ایک جگہ لکھا بھی ہے :-

علت و معلول کا قانون نہ ہو تو خیال کا عمل ہی نہ ہو سکے - (تھی ازم صفحہ ۹۹)

واقعی ہمارا تمام خیال اسی قانون کے سہارے چلتا ہے - جب یہ بات ہے - تو لامحدود طاقت کے ہاتھوں بھی کسی چیز کا بغیر علت کے بن جانا ہمارے خیال سے باہر کی کوئی بات ہو سکے گی ہم اس کا قیاس نہ کر سکیں گے - پروفیسر فلنٹ کے دماغ میں یہ مشکل اپنا کام کر رہی ہے وہ اپنے مذکورہ بالا بیانوں کے تضاد کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں - کہ قدیم موجود چاہے فقط پرمیشور ہو - وہ محض عدم سے کسی موجود کو پیدا نہ کر سکے گا - تو وہ کس سے پیدا کرتا ہے ؟ لکھتے ہیں :-

"بہت سے سنجیدہ اہل الرائے کا یہ خیال ہو گیا ہے - کہ مادہ بلحاظ ماہیت ایک طاقت ہے - فقط طاقت ہے مادی دنیا کا تجربہ بالآخر طاقتوں میں کیا جا سکتا ہے اور یہ تمام طاقتیں قوت ارادی کا ظہور ہی ہیں" (صفحہ ۱۱۲)

پروفیسر فلنٹ کے اس قول کا مدعا یہ ہے کہ کوئی چیز محض عدم سے تو وجود میں پرمیشور کے ہاتھوں بھی نہیں لائی گئی - دنیا میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے - پرمیشور کے ارادے سے پیدا ہوتا ہے - پرمیشور کا ارادہ علت ہے - اور عالم معلول - کوئی پوچھے ارادہ جو محض ایک ذہنی کیفیت ہے - وہ کیونکر ایک ٹھوس دنیا کی صورت اختیار کر لیتا ہے ؟ کہتے ہیں - یہ دنیا محض قوتوں کا ظہور ہے - اس میں قوتیں ہیں - مثلاً قوت برق - قوت حرارت - قوت ثقل وغیرہ - ان قوتوں کا حامل کوئی ذی قوت جوہر نہیں - جسے مادہ کہا جائے ؛

ہم یہاں اس بحث میں نہ پڑیں گے - کہ ذاتی قوتیں بغیر کسی ذی قوت جوہر کے رہ سکتی ہیں ؟ خود پروفیسر فلنٹ اسی پیراگراف کے خاتمے پر فرماتے ہیں - کہ چونکہ ان قوتوں کا متحمل مادہ نہیں ہو سکتا - اس لئے پرمیشور ان کا حامل ہے ؛

سوال ہوگا - کہ کیا حرکت حرارت - جذب اتصال وغیرہ کوائف کا متحمل پرمیشور ہے - ایسے پرمیشور کو تو نہ پروفیسر فلنٹ مانتے ہیں - اور نہ کوئی اور ان کا ہم مذہب ہی پرمیشور سامی فلسفے میں بھی حرکت اور حرارت سے بعید ہے ؛

ایک جگہ ایک دہریے کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے - کہ انسان کی ذہنی کوائف مثلاً سکھ دکھ ارادہ وغیرہ کی علت دماغ کے اعضا کی طبعی (مادی) حرکات ہیں - یعنی انسان کے دماغ میں اعصاب کا کھنچاؤ وغیرہ ہوتا ہے - اسی سے سکھ دکھ وغیرہ ذہنی کوائف پیدا ہوتے ہیں - اس پر فلنٹ نے پروفیسر ٹنڈال کا قول جواباً پیش کیا ہے :-

"یہ مانا کہ خیال اور دماغ کے ذروں کی حرکت ایک ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ کیونکر؟ ...."

ان دو اقسام کے کوائف (ذہنی اور دماغی) کے درمیان کی خلیج کو ہمارا ذہن عبور نہیں کرسکتا؛ (صفحہ ۱۷۲)

دوسرے لفظوں میں طبعی حرکات یا توے کا عالم جدا ہے - اور ذہنی حرکات یا توے کا عالم جدا - نقطہ طبعی حرکت خیال کی علت نہیں ہوسکتی نہ ہی خیال طبعی حرکت کی صورت اختیار کرسکتا ہے - خیال یا اہل خیال؟ علت فاعلی ہوسکتا ہے - لیکن علت مادی یا علت وجودی نہیں ہوسکتا۔

ارادہ چاہے پرمیشور کا ہو وہ طبعی حرکت کی صورت کیسے اختیار کرسکتا ہے؟ شری دیو آچاریہ نے سنسار کا آم باعث ایشور کی اچھیا کو مانا ہے - کئی لوگ کہتے ہیں - ایشور کی قدرت سے دنیا پیدا ہو گئی - اس پر جان سٹوارٹ مل لکھتے ہیں - دنیا میں تو ہزار نقص ہیں - کیا ان نقصوں کا مادہ پرمیشور کی قدرت کاملہ ہے؟ عالم موجودات میں لاکھ خرابیاں ہیں - انسان گنہگار ہے - اس سے زیادہ اچھی مخلوق کا قیاس کیا جاسکتا ہے - کیا قدرت کاملہ اس سے بہتر موجود دنیا میں نہ لاسکتی تھی؟ اگر اس سے بہتر موجود نہ ہو سکے - تو یہ عالم کامل ہے. اور اگر ہوسکے تو ناقص - موجود کی واحد علت قدرت کاملہ کیوں کر ہوسکتی ہے؟ اسی بنا پر جان سٹوارٹ مل پرمیشور کو قادر مطلق تسلیم نہیں کرتے - ان کا خیال ہے - کہ عالم کی علت موجود تھی - اس کی محدود طاقت اور فضیلت محدود تھی - پرمیشور نے اسی سے عالم کو پیدا کیا - اور ایسا پیدا کیا - جیسا اس علت سے پیدا کرنا ممکن تھا۔

امریکہ کے مشہور فلاسفر ولیم جیمس لکھتے ہیں :-

"یہ عقیدہ دنیا کے عقلی معمے کو پیش کرتا ہے - اور ہمیں اس حیرت میں چھوڑ دیتا ہے کہ موجود مطلق کے کمال کو کیا ضرورت پڑی تھی - کہ وہ زندگی کی ان مکروہ افرادی کو کوائف کی صورت اختیار کرے جنہوں نے ہمارے انسانی خیال کے لئے دن کو رات بنا رکھا ہے"

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں :-

"وہ (پرمیشور) ایک باہر کے راستے سے وجود میں مختلف ماحول میں کام کرتا ہے اس پر بندشیں ہیں - اس کے دشمن ہیں - جان مل نے سچ مچ حق کہا ہے کہ اگر ایشور کو مذہبی موجود کی شکل پر رکھنا ہو تو اس کے قادر مطلق ہونے کا خیال چھوڑ دینا چاہئے"

ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے کہ بغیر علت کے معلول کا پیدا ہونا انسانی قیاس سے باہر ہے - پرمیشور کو قدیم ماننے کی فلسفی ضرورت یہی ہے - لیکن ایک پرمیشور کو قدیم ماننے سے کام نہیں چلتا - جناب بہاء اللہ کا یہ خیال درست ہے کہ پرمیشور کچھ صفات سے موصوف ہے - اور اگر وہ قدیم ہے - تو بحساب صفات کے قدیم ہے مگر ہر ایک صفت کسی دوسرے موجود کا وجود چاہتی ہے - مثلاً پرمیشور مالک ہے - اگر وہ ازلی مالک ہے - تو ملک بھی ازلی ہونا چاہئے - اگر وہ عادل ہے - عدل کس میں کرے گا - اگر کوئی اور ہے ہی نہیں - اس کے علاوہ اس کے واحد علت ہونے سے نہ عالم طبعی کا معمہ حل ہوتا ہے نہ مدرک روحوں کا - پرماتما ایک مدرک جوہر (موجود) ہے اور اس کا ارادہ یا قوت عالم ذہن سے تعلق رکھتی ہے - وہ طبعی قوتوں یا کوائف کی علت فاعلی ہوں تو ہوں - علت وجودی نہیں ہوسکتیں - روحیں بھی مدرک ہیں - لیکن ان میں نقص ہیں ان کی واحد علت پرمیشور کو مان لیں - تو ان کے نقائص کی علت بھی پرمیشور بن جاتا ہے - اس لئے فلسفیانہ طور پر ان سب کو ازلی تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

ہم نے اب تک فلاسفروں کے خیالات پیش کئے ہیں - اب ایک دو ماہران سائنس کی رائے پیش کئے دیتے ہیں۔

۳۰- اکتوبر ۱۹۲۶ء کو برسٹل میں ہنری ہربرٹ ولسن چیر سے پہلا لیکچر دیتے ہوئے جیمس جین نے چارلس جانسٹن کا یہ قول پیش کیا :-

"ریڈیو ایکٹوٹی کے ماہر فریڈرک سوڈی نے جولی کے خیال کی تقلید کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کرنے کی ہمت کی ہے - کہ زمین میں جمع شدہ ریڈیو ایکٹو توے ایک دن سارے جرم (زمین) کو حل کر دیں گی - اور اسے جلتی ہوئی گیس بنا دیں گی - جولی کے خیال میں کوئی دلیل اس قیاس کی مانع نہیں - کہ یہ عمل متعدد بار اس سے پہلے ہو چکا ہو نہ اس خیال کی مانع کوئی بات ہے کہ آئندہ بھی یہ واقعہ ہوگا - کئی ایسے جسم ہیں جن میں ایسے عناصر ہیں - جو ذروں کی صورت میں زائل ہو جاتے ہیں - ایک ایسی کیفیت کا جس میں قوت حرارت مجتمع ہو - اور ایک ایسی حالت کا جسے آتشی زمانہ کہنا چاہئے - ایک دوسرے کے بعد ہوتے رہنا ضروری ہے.

اسی طرح سوڈی کا قول ہے کہ لاانتہا زمانے میں پیدائشی جگ اور تلفی جگ باری باری سے آئیں گے اور یہ قول بھی سیدھا - قدیم آریوں کے شاستروں میں بیان کئے گئے برہما کے دن رات کی یاد دلاتا ہے":

مئی ۱۹۲۶ء کے رسالہ سینچری میں یہ عبارت طبع ہوئی تھی :-

"شروع میں عدم سے وجود میں آنے کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی - نہ آخر میں نابود ہو جانے کی کوئی کیفیت ہوتی ہے . . . . . . پیدائش کے معنی ہیں ظہور - یعنی کسی موجودہ جوہر کا دوسری صورت میں ظاہر ہونا اور فنا کے معنی ہیں لطیف علت میں حل ہو جانا - اس طرح زندگی اور موت کی تمام تفاصیل ہمیشہ ہوتی ہیں - تسلسل کی صورت میں ہمیشہ ہوتی ہیں"

ہم حیران ہوتے ہیں - جب ہم یہ دیکھتے ہیں - کہ جن حقائق کی دریافت سائنس اور موجودہ فلسفہ آج کر رہے ہیں - ان حقائق کا علم اہل مذاہب کو نہایت قدیم زمانے سے ہے - وید نے اس حقیقت کا بیان ایک لطیف پیرائے میں کیا ہے - لکھا ہے

"ایک چھ کیلوں کے تانے کو دو باہم مخالف اتصال اور انفصال وغیرہ نام کی قوتیں بالترتیب بنتی بگاڑتی ہیں - ایک تانا پھیلاتی ہے - دوسری اکٹھا کرتی ہے - نہ اس میں گانٹھ آنے دیتی ہے - نہ اسے ختم کرتی ہے - ان سب طرف سے رقص کرتی ہوئی قوتوں میں سے یہ نہیں جانا جاسکتا - کہ کون سی پیچھے آتی ہے - پرمیشور اس کو تنتا اور پھیلتا ہے - پرمیشور اسے سر زمین میں قائم رکھتا ہے" (اتھرو وید کانڈ ۱۰- سوکت ۷ منتر ۴۲ و ۴۳):

چھ کیلوں سے مراد موجودات کی وہ چھ کوائف ہیں - جن کا ذکر نرکت میں چھ تغیرات کے نام سے کیا گیا ہے - یعنی ہونا بننا، بڑھنا، پورا ہونا، گھٹنا اور زائل ہونا انجیل کے شروع ہی میں جہاں زمین اور آسمان بنانے کا ذکر ہے - اس سے پہلے کہا ہے۔

"پرمیشور کی روح پانیوں پر تیرتی تھی"

یہاں پرمیشور اور پانی دونوں موجود ہیں - ان سے زمین اور آسمان بنتا ہے +

قرآن کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں :-

"متکلمین کی رائے میں عالم کی قدامت مذہب کے خلاف ہے - لیکن قرآن اور حدیث میں عالم کے قدم یا حدوث کا کوئی اشارہ نہیں - متکلمین کہتے ہیں کہ اگر عالم قدیم ہوگا - تو خدا اس کا خالق نہ ہوسکیگا - مگر حکما کی نظر میں قدامت اور خالقیت باہم متضاد نہیں"

(علم الکلام)

ہمارے خیال میں قرآن وید کا ہمزبان ہے لکھا ہے :-

"جب لپیٹ لیں گے آسمانوں کو جیسے لپیٹتا ہے گٹھا کاغذوں کا جیسے کی تھی پہلے پیدائش ایسے پھر کریں گے وعدہ ہے ہم پر واقعی ہم فاعل ہیں"

(سورہ انبیاء ع ۷)

یہاں فاعل کے معنی ہیں علت فاعلی - وید میں تانا ہے - اور یہاں کاغذوں کا گٹھا دونوں استعاروں کا مدعا ایک ہے +

آگے چل کر پھر کہا ہے -

"کیا تم بنائے گئے ہو عدم سے؟ یا ہو تم خود بنانے والے؟"

(سورہ طور ع ۱)

یعنی نہ تو تم عدم سے مخلوق ہوئے ہو - نہ تم خود خالق ہو - اس آیت میں بے علت خلق کا صاف رد ہے - اور جب یہ مان لیا جائے کہ خلق کی علت وجودی قدیم ہے - اور اس مسئلے کی روشنی میں دوبارہ خلق کا اول خلق جیسا ہونا لیا جائے - تو سوائے قدیم تسلسل کے ان آیات کی اور مراد ہی سمجھ میں نہیں آتی - ایک آریہ سماجی کو موخرالذکر آیت کے پڑھتے ہوئے فوراً "یتھا پوروم اکلپیت" (پہلے کی طرح پیدا کرتا ہے) وید کا یہ سوقت یاد آجائے گا - اس موضوع پر مصنف کا لیکچر جو گوروکل یونیورسٹی میں ہوا تھا ہندی کے رسالہ جات بھوتی (آریہ) میں طبع ہو چکا ہے وہاں زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے ناظر محسوس کرے گا - کہ وید کے منتر میں جس حقیقت کا ذکر ہے - اس کے متعلق شک کی کوئی گنجائش نہیں - اس کی بنا پر کوئی اور عقیدہ کھڑا نہیں کیا جاسکتا - یہاں تک کہ خود ماہران سائنس نے اپنی بیان کردہ حقیقت کو "برہما کا دن اور رات" تسلیم کیا ہے - جو آریوں کے پرانے شاستروں میں مذکور ہے - دوسرے صحیفوں میں بھی اسی نور کی تجلیاں معلوم ہوتی ہیں :

پھر بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مذہب اور سائنس میں تضاد ہے - سچے مذہب کی سائنس موتا ہے - اس میں شک نہیں - کہ مذاہب کے اس قدیم مسئلے کو جس طرح رشی دیانند نے وہ زمانے میں اہل عالم کے سامنے

(بقیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۱۹۳ کالم اول)

سنسکاروں کا مہتو

(از شری پت کپتی دیو گیانی مہاسس)

وہ سمبندھ سبھیتا اور ساہتیہ کا ہے بیٹا اور وہی سمبندھ سنسکاروں کا سمجھنا چاہیے۔ سبھیتا اُنتی کیساتھ ساہتیہ دھرم اور سنسکاروں کا سمجھنا چاہیے۔ سبھیتا اُنتی کیساتھ سنسکار قائم ہونے چاہئیں بڑھتا ہے اور دھرم اُنتی کیساتھ سنسکار قائم ہونے چاہئیں ہیں۔ سنسکار کسے کہتے ہیں مہاگیہ اچاریہ نے لکھا ہے:۔

सम्यक् करणम् इति संस्कारः

کسی کاریہ کا ودھی پوروک سا کرنا ہی سنسکار ہے۔ مثال کے طور پر "نام کرن" کو لے لیجئے۔ نام تو ہر ایک بالک کا رکھا ہی جاتا ہے پرنتو اسے ایک شبھ سمے میں تھوڑے آدمیوں کے ساتھ وید منتروں کا اُچارن ہو کر کے سارتھک نام دینے سے وہی سادھارن کرم سنسکار بن جاتا ہے۔ سنسکاروں کی ساما جک اُپیوگتا بھی ہے۔ سمرد صادھنا مان کو ملا کر سبھا منڈپ میں کاریہ کرنے کا ایک ایسا لابھ یہ بھی ہے کہ وکتی اور سماج کا پرسپر رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔

وکتی اور سماج کا یہ اٹوٹ سمبندھ بھی ہماچین آریہ سبھیتا کی اُنتی کا ایک بھید ہے۔

× × ×

مہا بھارت میں پرشن اُٹھایا گیا ہے کہ "دوج" کون ہے۔ اُتر دیا ہے جنم سے ہر ایک انسان شودر ہوتا ہے کرم سے آدمی سنسکار کرنے سے دوج ہوتا ہے۔ سوامی جی نے ۱۶ سنسکار مانے ہیں جو ان میں پہلا گربھادھان ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے آریہ سماجی اب جو سنسکار کرتے ہیں تو جواب "نہ ماتر" ہو گا کیونکہ ہم صرف مُنڈن اور مرن سنسکار ہی کرتے ہیں۔ سبھی سنسکار ٹھیک ٹھیک نہیں ہوتے۔ ہم ان کو کرتے ہیں پر بہت سے نہیں بولتے۔ اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ ہمارے گھروں میں "وشیشی" بچے پیدا ہو کر آتے ہیں اور یہی کا پرنام ہے کہ دُراچار اور اس کے پرنام سو روپ بیماریاں ترقی پر ہیں۔ جنھوں نے "سنتان شاستر" کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس پرکار پِتا ماتا کی اچھی یا بُری عادتیں سنتان پر اپنا پربھاؤ رکھتی ہیں۔ اس سمبندھ میں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ہمارے پِتا جی سے حقہ پیتے تھے کیونکہ بچپن ہی میں مجھے حقہ دیا گیا تھا۔ اس سے حقہ پینے کی عادت نہ آئی۔ اُن کے بہت اچھے وچار اور اچھی سنگت کے کارن یہ ترقی بالکل نہ لگی۔ میں نے کبھی سگریٹ بیڑی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ سنسکاروں کی بدولت پر تجربہ ہوتا ہے کہ اتنا ہونے کے باوجود جب کسی کو حقہ پیتے دیکھتا ہوں تو کم از کم ایک بار ...

پانی اور شیر آ جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ نئی نے کر میں بھی ہونٹوں کے ساتھ لگا دوں ....

× × ×

شاستر میں کہا ہے:۔

आत्मा वै जायते पुत्रः

سنتان میں پِتا کی آتما ہوتی ہے۔ ایک امریکن مصنف نے لکھا ہے "آج کل کی پھیلی ہوئی کا لکتا (نفسانیت) کے دو کارن ہیں (۱) سنتان کی خواہش کے بغیر سنتان ہونا (۲) گربھ اوستھا میں کلی سنتین کا دیہ" سوامی دیانند جی نے پُنسون سنسکار دیتے ہوئے ان نہایت ضروری شبد کہے ہیں:۔

پُنسون سنسکار کا سمے گربھ استتی گیان ہونے سمے سے دوسرے یا تیسرے مہینے میں ہے۔ اس سمے پُنسون سنسکار کرنا چاہیے جس سے پُشٹو اور انفعالات ویریہ کا لابھ ہو دے۔ یادت بالک کے جنم ہونے تک ویریہ وغیرہ نہ بیت جائیں۔ تب تک اُپرش برہمچاری رہ کر سوپن میں بھی ویریہ کو نشٹ نہ ہونے دے۔ بھوجن چھادن شین جاگرن آدی دیوہار ویسی ہی کارے کرے جس سے ویریہ ستھر رہے ......

اسی طرح سیمنتونین بھی چھٹے یا آٹھویں مہینے میں ... جبکہ گربھ پرپکھ ہو جاتا ہے اور ہر ایک حرکت کرنے لگتا ہے کیا جاتا ہے اس کا ادیش گربھنی استری کے من کو پرسن کرنا اور گربھ سنتت بالک کے ہردے پر اچھے سنسکار ڈالنا ہے۔ ایک انگریز سائنس دان کا بیان ہے "گربھ کا سمے ایک ایسا سمے ہے کہ اسے جس شکل میں چاہیں موڑا جا سکتا ہے"۔

ہمارے پراچین رشیوں نے اس ادیش کو ٹھیک طور پر سمجھا تھا اور اسی لئے یہ سنسکار رکھے گئے ہیں۔ شرتیوں کی بھی پچھلے دنوں "انڈین ریویو" میں ایک مغربی مضمون نگار نے لکھا تھا۔

"ویدک رشیوں نے منش اپنے محل کا آپ ہی بنانے والا ہے اس بات کو خوب سمجھا تھا۔ اور یہی کارن ہے کہ وہ گربھادھان آدی سنسکاروں سے اپنے سماج کے بھاوی بچوں کی بنیاد پر اینٹ چُنا کرتے تھے سنسار کی کوئی بھی سبھیتا۔ نوین یا پراچین۔ اس وشے میں آریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی"!

× × ×

ہمارے بزرگ بڑے سیانے تھے۔ بڑے ویر تھے۔ بڑے ودوان تھے۔ ہم اُن کی سنتان ہیں ...... سے آو ان کے گن ہمارے اندر نہیں آ جائیں گے

ہر جگہ شان تجلی کی یہاں پیدا ہے

(از نادر الشعرا جناب منشی چندی پرشاد صاحب شیدا دہلوی)

شب تاریک گئی ایک جہاں ہے روشن اُفق چرخ سے وہ مہر ہوا نورافگن
شرک کی گرد سے اب پاک نہ ہو کیوں دامن مُلک توحید میں ہے سکۂ وحدت کا چلن
کفر کا نور ہوا چاک گریباں ہو کر
ایک معبود رہا مرکزِ ایماں ہو کر

حق کی جب شکل نظر آئی تو باطل نہ رہا قول جھوٹا تھا جو۔ اُس کا کوئی قایل نہ رہا
دامِ تزویر میں جُہّال کے اب دل نہ رہا کوئی بھی عقدہ چالاک پہ حائل نہ رہا
خود غرض دہر کے ہیں سرنگریباں سارے
کھُل گئے خلق میں اب عقدۂ پنہاں سارے

ایک مدت سے جو رنگ اپنا جما رکھا تھا جال میں مکر کے لوگوں کو پھنسا رکھا تھا
چاہ میں زر کے کہیں آرہ لگا رکھا تھا مورتوں سے کہیں بت خانہ سجا رکھا تھا
کھُل گیا راز کہ یہ طرزِ طریقت ہی نہیں
جستجو جس کی تھی دل کو وہ حقیقت ہی نہیں

ہر طرف جلوۂ انوارِ جہاں میں پھیلا شب کے آغوش سے خورشیدِ حقیقت ...
رمز کی سوامی دیانند کے دل میں پیدا رات نے شبہ کی وہ بہتیں ہیں گیان دیا
ویدِ اقدس کے معانی کا وہ اظہار کیا
رازِ پنہاں سے زمانہ کو خبردار کیا

گیان کا تیج جب آ پہنچا تو اگیان گیا آریہ ورت میں وہ علم کا سورج چمکا
مٹ گیا جس کے اُجالے سے اندھیرا سارا عقدۂ دشوار جو پہلے تھا اک معمّہ بنا
مئے عرفاں کے لگے دور میں ساغر چلنے
شدھ من سے لگا اگیان کا سنکا ڈھلنے

اسے اگیاں سے گھر بیٹھے تھے عظمت ساری وِدّیا ہیں نہ بیٹھے تھے زادر ناری
کس کی۔ پھر کون کرے علم سے خاطر داری جو کہ آچار یہ تھے کرتے تھے خدمتگاری
اک جہالت کا اثر بارِ گراں تھا سب پر
یہ نتیجہ تھا بدیہی جو عیاں تھا سب پر

کوششیں ہونے لگیں فہم دل آتما کے لئے پاٹ شالائیں کھلیں دیش میں ودّیا کے لئے
بولی اُٹھی جسم کی شکتی گئو رکھشا کے لئے درد خود منھ سے پکارا شدھ سبھا کے لئے
تیر تدبیر کا بیٹھا تھا نشانے کے لئے
روشنی علم کی پھیلائی زمانے کے لئے

باعثِ عظمتِ نو۔ وجہہ ادبار ہوئی صبح کے بھیس میں یہ شام نمودار ہوئی
عقل اور جہل میں جس روز سے پیکار ہوئی فہم غفلت میں جو تھی اب وہ خبردار ہوئی
گیان کے آتے ہی اگیان کا اب ناش ہوا
آریہ ورت میں پھر علم کا پرکاش ہوا

واہ اے سوامی دیانند دکھایا یہ اثر ہر طرف بجنے لگا وید کا ڈنکا گھر گھر
گیان کے تیج کا پرکاش ہے۔ مہرِ انور روشنی پھیلی ہے معمور ہے دُنیا یکسر
ہر بشر وید کی توحید کا اب شیدا ہے
ہر جگہ شان تجلّی کی یہاں پیدا ہے

آدرشکتا ہے کہ ہم بھی انہیں کے بتائے مارگ پر چل کر اپنے جیون کو اُچیہ بنائیں۔ آریہ سماج پراچین سبھیتا کو پُنرجیوت کرنا چاہتا ہے۔ اُسے چاہیے کہ وہ اپنے بالکوں کے جیونوں کو ان ویدک سنسکاروں دوارا اُنّت بنائیں۔ ہم شری رام کا چھوڑ کر جیون بنانا سیکھیں۔ اس میں زمانہ ... سندیہ نہیں۔ ایک حچھتا تمک

کرپاتمک جیون ایک من اُپدیش سے ادھک بھاری ہے۔ اسکے پربھاؤ اُتپن کرتا ہے

جو شخص ہمیشہ غور و فکر کرکے جھوٹ کو چھوڑ کر سچ کو قبول کرے۔ بے انصافی کرنیوالوں کو دفع کرے اور انصاف کرنے والوں کو بڑھانے میں اپنے سیکھے راحت چاہے وہ نیائے کاری اتم اور عادل ہے
رشی منتیم

رشی کی ترک اور ستھاپنائیں

(از پروفیسر وشوناتھ گوروکل کانگڑی)

ہر ایک سماج کسی خاص سدھانتوں کے لئے بصورت ہوتا ہے۔ آریہ سماج کے پرورتک نے بھی آریہ سماج کی بنیاد میں کئیں وشیش سدھانتوں کو ستھاپت کیا ہے۔ اچھا مالی جانتا ہے کہ کھیت میں نیا بیج بونے سے پہلے ہل چلا کر کھیت کو صاف کر لینا چاہیئے۔ اور بیج بونے کے بعد بھی بیچ بیچ میں نلائی کا کام جاری رکھنا چاہیئے۔ جو بنا ہل چلائے اور سمے پر نلائی کئے اپنے کھیت کو ہرا بھرا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ بیوقوف ہوگا۔ رشی دیانند نے بھارت میں جنم لے کر بھارت کے جیون کے کھیت کو ہرا بھرا کرنا چاہا۔ اس نے دیکھا کہ بھارت کے جیون کے کھیت کو ہرا بھرا کرنے کے لیے مجھے جو بیج ڈالنا ہوگا۔ اس سے پہلے مجھے ہل چلانے کی بہ بابت ضرورت ہے۔ اور کئی بار ہل چلانے کی ضرورت ہے۔ تب کہیں یہ جیون کھیت اس قابل ہوگا۔ کہ اس میں اُتم بیج بویا جا سکے۔ نانا پرکار کے مت متانتر اور ان سے پرچلت عجیب اور نرجیو روڑھیاں بھارت کے جیون کھیت کو گھنے اور کانٹے دار جنگل بنائے ہوئے تھیں۔ ہل چلانے کی بجائے اس سمے اوشیک تھا کہ رشی ترک کے تیز کلہاڑے سے ایک بار سارے جنگل کو صاف کر دیتے۔ خواہ اس پریتن میں نکمے جھاڑوں کے ساتھ ان میں لگی ہوئی اچھی جڑی بوٹیاں بھی کیوں ہی نہ کاٹنی پڑیں۔ کئی لوگ انوبھو کرتے ہیں کہ کہیں کہیں رشی نے مت متانتروں کے کئی ایسے منتویوں پر بھی ترک کلہاڑا چلا دیا ہے جہاں اس کا چلانا بہت اوشیک پرتیت نہیں ہوتا۔ اس اعتراض کا دوسٹو حل ایسوکت درشٹانت سے مل جاتا ہے۔ وہ یہ کہ جس سمے خرابی بہت ادھک پھیلی ہوئی ہو۔ اس سمے آسان اپائے یہی ہوتا ہے۔ کہ تھوڑا بہت اچھا دکھنے والا منتویہ بھی بہت ادھک گندے منتویوں میں بری طرح الجھا پڑا ہو۔ تو اسے بھی ان کے ساتھ ہی کچل دیا جائے۔ رشی کے پرچار و لیکھوں میں یہی ترک بکثرت ملتا ہے۔ کیونکہ اس سمے کے لوگ اندھ وشواسوں میں ادھک پھنسے ہوئے تھے۔ ان وشواسوں کے اندھے پن کو جتلانے کے لئے وستو میں اس سمے پربل ترک کی ضرورت تھی۔

— ۲ —

رشی نے اس ترک کلہاڑے کو ایک ہاتھ میں لیا اور ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ میں سدھانتوں اور ستھاپناؤں کے پرکاش کی اُجول روشنی بھی لی۔ دھارمک، سماجک، راج نیتک، آدی جیون کے سبھی انگوں کی گندی اور نکمی روڑھیوں کے برخلاف بھی رشی نے اپنی آواز اٹھائی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس نے ان کے سمبندھ میں جیون کو انت اور سکھی بنانے کے لئے نئے نئے سدھانتوں کی ستھاپنائیں کیں۔ رشی کے ترک اور اس کی ستھاپناؤں نے ایک نئے سماج کو جنم دیا۔ جس کا نام آریہ سماج ہوا۔ آریہ سماج نے رشی کی ترک اور ستھاپناؤں کو اپنایا۔

— ۳ —

آریہ سماج کا سنگھٹت ترک اس کے سنگھٹت پرچار وبھاگ میں درشٹی گوچر ہو رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ آریہ سماج کے سنگھٹت پرچار کا یہ پرنام ہوا ہے کہ آریہ سماج جہاں جہاں بھی پہنچا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے پراچین روڑھ وچار اور وشواس ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ پرنتو آریہ سماج نے رشی کی ستھاپناؤں کی طرف چونکہ ابھی تک کوئی وشیش دھیان نہیں دیا۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں۔ کہ آریہ سماج میں نئے جیون کے سنچار کے ستھول پرمان شریشٹ روپ میں نہیں مل رہے۔ لوگ عام طور پر شکایت کرتے ہیں۔ کہ آریہ سماج کہتا بہت کچھ ہے۔ پر کرتا اتنا نہیں۔ یہ تو جھگڑالو سوسائٹی ہے۔ اس کتھن میں سچائی ضرور ہے۔ آریہ سماج کا دھیان شروع سے ہی اگر آریہ سماج کی ستھاپناؤں کو ستھاپت کرنے اور تدانوکول چلنے میں بھی وشیش روپ سے لگتا۔ تو سمبھو تھا کہ بھارت میں آریہ سماج کا نام کسی اور ہی شکل میں یاد کیا جاتا۔

— ۴ —

اس اعتراض کے ہوتے ہوئے بھی ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ آریہ سماج نے رشی کی کچھ ستھاپناؤں کی طرف وشیش دھیان اوشیہ دیا ہے۔ بمثال کے طور پر شکشا کے سمبندھ میں رشی کی ستھاپناؤں کا زندہ عملی ثبوت گوروکل شکشا پرنالی کا چلانا آریہ سماج کے لئے وشیش گورو کی بات ہے۔ بھارت میں جاتیہ (قومی) وچاروں کی لہر کے ساتھ ساتھ کئی جاتیہ (قومی) ودیالیہ ستھاپت ہوئے۔ کچھ دیر تک چلے۔ پرنتو جلد ہی اس بھاگتی ہوئی لہر کے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ اور جو باقی ہیں۔ وہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ خواہ ان قومی ودیالیوں کے جنم داتا بھارت کے اعلیٰ درجے کے لیڈر تھے۔ پرنتو گوروکل رشی کی دی ہوئی دھارمک بھاؤناؤں میں جڑ پکڑ بیٹھیں میں پھولا پھلا۔ اور اب تک انہی بھاؤناؤں میں اُنتی کی طرف شیگھر قدم بڑھائے جا رہا ہے۔ یہ آریہ سماج کے لئے ابھیمان کی بات ہے۔ اسی طرح استری شکشا۔ پردے کا ہٹانا۔ دلت اُدھار، بڑی عمر میں وواہ، پنجاب میں ہندی کا پرچار۔ ان سماجک اُنتیوں کے سمبندھ میں بھی آریہ سماج نے رشی کے وچاروں کو پریاپت کریاتمک روپ دیا ہے۔ اس سمبندھ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ آریہ سماج نے اتنے تھوڑے عرصے میں ان سماجک پرشنوں کا کریاتمک حل آشا سے بڑھ کر کیا ہے۔ جات پات کی کریتی بھی بھارت کا ستیاناس کر رہی ہے۔ جات پات توڑک منڈل کا اس استھان میں ہونا جہاں کہ آریہ سماج کا ادھک پرچار ہے۔ اور منڈل کے کاریہ کرتاؤں کا خود آریہ سماجی ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ سماجک اُنتی کے مارگ میں آریہ سماج کافی آگے بڑھا ہے اور بڑھ رہا ہے اور کئی لوگ جو ادھک نراشا وادی ہیں آریہ سماج کو اس لئے کوستے ہیں کہ یہ اپنے کئی سدھانتوں کے انوسار سو فیصدی درجے کسوٹی پر کھرا کیوں نہیں اُترا۔ ایسے نراشاوادیوں کے لئے نش سماج میں آشا کی اُجول ریکھا کا دیکھنا اسمبھو نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔ وہ سرو سادھارن کے منو وگیان کو بہت کم سمجھتے ہیں۔

— ۵ —

تو بھی اپنے دارشنک، دھارمک اور ساہتک سدھانتوں کی رکشا پرتی، ور ستھتی میں آریہ سماج نے لگ بھگ صفر کے برابر کام کیا ہے۔ یہ کہنے میں میں سنکوچ نہیں کر سکتا۔

ایک ودھرمی یا آریہ سماج کے منتویوں کو جاننے کی اچھیا والا کوئی سجن جب آریہ سماج کا ساہتیہ مانگتا ہے۔ تو سوائے ان گرنتھوں کے جنہیں رشی اپنے جیون میں لکھ گئے ہیں ہمارے پاس اور کوئی ساہتیہ نہیں۔ جسے کہ اس کے ہاتھ میں ہم دے سکیں۔

بچوں اور استریوں کے پڑھنے کے لئے ہم نے آریہ سماج کا کوئی سلسلہ وار ان کی پرورتی کے انوکول ساہتیہ تیار نہیں کیا۔

کسی آریہ سماجک پُرش کی سوادھیائے کی اور اگر رُچی ہوئی۔ تو اس کی رُچی کو بڑھانے اور تربیت کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ساہتیہ نہیں۔

آریہ سماج کے دارشنک اور دھارمک سدھانتوں پر کئی طرف سے آکشیپ ہوتے رہتے ہیں۔ سوائے اخباری اُتروں کے ہم نے اُن کے وچار پورن پستکوں کی شکل میں کوئی جواب نہیں دیئے۔ ہم نے ایسی ہی پستکیں کم بنوائی ہیں جو آریہ سماج کے ایک ایک دارشنک اور دھارمک سدھانت کو لے کر ان پر ویگیانک درشٹی سے پرکاش ڈال سکیں۔ ویسے سدھانتوں کے سمبندھ میں کئی کئی پستکیں ہونی چاہئیں۔ پر ہمارے پاس ایک ایک سدھانت پر ایک ایک بھی پرامانک پستک نہیں۔

وید کے سمبندھ میں مغربی ودوانوں میں جو بھیانک کلپنائیں ہو رہی ہیں۔ اور جن کلپناؤں کو ویگیانک درشٹی سے پیش کرنے والے ودوان یورپ اور امریکہ پرتیک دیش میں کئی کئی موجود ہیں۔ ان کا کوئی اُتر ہم نہیں دے سکے … ویدک ریسرچ وبھاگ آریہ سماج میں ابھی نہیں۔ ہاتھ کی لکھی پرانی کتابوں کو چھاپتے جانے میں آریہ سماج کا کتنا اپکار ہو سکتا ہے۔ یہ ابھی دیکھنے کو رہ گیا ہے۔ یہ ڈھنگ آجکل کے سکالروں میں اپنا نام روشن کرنے کا سادھن اوشیہ ہے۔ پرنتو اس سے آریہ سماج کو کتنا لابھ ہوگا۔ یہ ابھی کہا نہیں جا سکتا۔ آریہ سماج کے ایک حصے نے گوروکل کھولا اور اس کے ذریعہ سنسکرت کے کئی اچھے پنڈت بھی نکالے۔ پرنتو پھر بھی ویدک انویشن کا کام ابھی تک وہیں کا وہیں کھڑا ہے۔ جب تک کوئی مستقل انویشن کے کام کو اپنا پردھان ادیشیہ نہیں بنا لیتی تب تک انویشن کا کام سپھل ہونا اسمبھو نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

رشی کے وید بھاشیہ خواہ ہندی میں بھی چھپ، پرنتو تمام سوادھیائے کرنے والے آریہ سماجی یہ انوبھو کرتے ہیں۔ کہ وہ سمجھ میں نہیں آتے۔ پرنتو انہیں سپشٹ کرنے یا کرانے کے لئے آریہ سماج نے ابھی تک کوئی یتن نہیں کیا۔ ہر ودیش اور ستھانوں میں ہم اپنے پرچارک نہیں بھیج سکتے۔ پرنتو ہمارے پاس اگر ساہتیہ ہو تو اسے تھوڑے خرچ پر ہی ہم ہر ایک دیش میں بھیج سکتے ہیں۔ جو سدا ستھر اپدیشک کا کام کرتا رہے گا۔

مجھے یہ نشچے ہے کہ رشی کے سدھانت ستیہ ہیں اور ستیہ سدھ کئے جا سکتے ہیں۔ پرنتو … آریہ سماج کے لیڈروں کے ملنے کی کمی ہے۔ کیا رشی کے آتم تیاگ کی جنیہ سمرتی کے دن ہم آریہ سماج کے ان کمزور پہلوؤں پر درشٹی پات کریں گے۔ اور ان پہلوؤں کو مضبوط بنانے کا پریتن کریں گے؟

آجکل بہت سے فاضل ہر ایک مذہب میں موجود ہیں اگر وہ تعصب کو چھوڑ عالمگیر اصولوں کو جو سب کے لئے مفید اور سب میں سچ ہوں۔ اختیار کریں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف باتوں کو چھوڑ کر آپس میں محبت کے ساتھ برتاؤ رکھیں۔ تو دنیا کو پورا فائدہ پہنچے عالموں کی مخالفت سے بے علم لوگوں میں دشمنی بڑھ کر طرح طرح کی تکلیفوں کی زیادتی اور سکھ کی کمی ہوتی ہے اس نقصان نے جو خود غرضوں کو پسند ہے سب کو دکھوں کے سمندر میں ڈبو دیا ہے۔ (رشی دیانند)

ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے …

ستری جاتی پر رشی دیانند کا رن

(دیوی شانتا پتری لالہ ایشور داس کی قلم سے)

رشی دیانند کی دیالتا سے آج ستری جاتی میں پھرتی ہے۔ پریتن شیلتا ہے - اور سو آتم ابھیمن کے بھاو جاگرت ہو رہے ہیں - اسی سے ستری جاتی سوامی دیانند کی رنی (مقروض) ہے۔ رشی کے وچار انوکول جب تک ستری جاتی میں سد بھاونائیں پیدا نہ ہونگی - تب تک ستری جاتی رن مکت نہیں ہو سکتی - رشی دیانند کے پرچار کھیتر میں اُترنے سے پہلے پرشوں کی جو نفرت ستری جاتی کے پرتی تھی - اس سے کون ادانف ہے - ستریوں کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا - کہا جاتا تھا - کہ استریاں پرشوں کی گرہ داسیاں ہیں - ان کا کام گھر کو صاف ستھرا رکھنا - بھوجن آدی بنانا - اور پرشوں کو سنتشٹ رکھنا ماتر ہے - بعض اتیاچاری لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے ستری جاتی کو وید شاستر کے گیان پراپت کرنے کا ترکہاں - اکثر بودھ تک کا ادھیکار نہ تھا - پتی کے مرنے پر پتنیوں کو زبردستی ستی ہونے کے لئے مجبور کرنے کی بھی پاپ یکت رسم جاری تھی - غرضیکہ کوئی بھی اتیاچار نہ تھا۔ جو استریوں پر روا نہ رکھا جاتا ہو ٭

ستری جاتی کو رشی دیانند کا دھنیہ واد کرنا چاہئے - کہ ان پر سے سب اتیاچاروں کو ہٹانے کا ہر دیش کیا - ان کو گرہ داسیاں نہیں گرہ دیویاں بنانے کا اپدیش دیا - آج رشی دیانند کی دیا سے استری جاتی کی پہلے کی سی اوستھا نہیں - وہ شاستری - کاویہ تیرتھ بی اے اور ایم اے کی پریکشائیں پاس کر کے اپنی یوگیتا کا پریچے دے رہی ہیں - بھارت درش میں سب سے بڑی راشٹریہ سبھا کانگریس کا پردھان پد بھی ایک سے ادھک بار انہیں دیا جا چکا ہے ٭

غرضیکہ جو ادھیکار پرشوں کو پراپت ہیں - وہ سب استریوں کو بھی مل رہے ہیں - یہ سب رشی دیانند کی اپار دیا کا ہی پرینام ہے - ان تمام سمانوں کی پراپتی کے کارن جو ستری جاتی کو مہرشی کی کرپا سے ملے - ستری جاتی مہرشی کی بھاری رنی ہے جب تک استریاں پورن روپ سے گرہ دیویاں نہ بن جائیں - رشی دیانند کے رن سے مکت نہیں ہو سکتیں - ستریوں کا کرتویہ ہے - کہ جو سمان ان کے لئے رشی کے دل میں تھا - اس سے اپنے آپ کو آدرت کریں اور رشی کی بھاوناؤں کو پورا کرنے کا یتن کریں جب تک استریاں رشی کے آدیش انوسار اپنے ادھیکاروں کو پراپت کر کے

यत्र नार्यस्तु पूज्यन्ते ॥

اتیادی منو واکیہ کو پورا نہیں کر لیتیں - رشی رن سے مکت نہیں ہو سکتیں ٭

ستریاں یدی اسی پرکار کا ورتن نہ کرینگی - تو کوئی بھی نر چار شیل ان کی سہائتا کرنے کو تیار نہ ہوگا ٭

آریہ سنسکرتی کا پہلا پایہ

(از راج رتن ماسٹر آتما رام جی امرتسری)

آریہ جاتی کی سنسکرتی کا پہلا پایہ کیا ہے ؟ اس اہم سوال کا جواب دینے کی ہم اس لیکھ میں کوشش کریں گے - جب سے یورپ کے ودوانوں نے سنسکرت کا مطالعہ کیا - تب سے اُن کو نسل انسان کی اصلی ابتدائی سکونت اور اولین ترین تہذیب کے معاملہ کو حل کرنے کے لئے ویدوں کے ترجموں نے بھاری مدد دی ہے - میکس مولر - گولڈ سٹکر - اور شوپن ہار - کے نام خاص طور پر لئے جا سکتے ہیں - جنہوں نے مغربی دنیا میں سنسکرت زبان اور ویدک تھا اُپنشدوں کے معانی جاننے کے لئے سچا شوق پیدا کر دیا ہے - کونٹ ٹالسٹائی - روس کے نامی تیاگی ویر نے جو ہماری تعریف پر آتی آریہ امن جو تہذیب کی کی ہے وہ انکے گرنتھ پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں ٭

شوپن ہار جس نے عمر بھر کبھی شراب اور گوشت کا استعمال نہیں کیا - وہ جرمن مہاتما بھارت کی اُپنشدوں پر عاشق تھا - شوپن ہار نے عیسائی اور مسلمانی مذاہب کی نمازوں کے کلمات کو غیر تسلی بخش قرار دیا ہے - اور لکھا ہے کہ "رُوئے زمین پر کچھ کو شانتی لفظ سے بڑھ کر کوئی لفظ یا نماز کا کلمہ نہیں ملا - یہ وہ اعلیٰ اور پُر معنی امن جو شبد ہے - جو پُرانے آریہ اپنے جلسوں - سبھاؤں یا سماجوں کے اختتام پر تین بار پڑھا کرتے تھے - پہلی بار شانتی کا ارتھ اپنی ذات کے لئے خدا سے امن کی دعا کرنا ہے دوسری دفعہ اس کا مطلب ہے کہ قدرت کی تمام مادی طاقتیں مثلاً بارش - آگ آندھی وغیرہ - امن اور راحت کی دینے والی ہوں - اور تیسری دفعہ اُچارن اس لئے کیا جاتا ہے کہ رُوئے زمین پر کے تمام جاندار امن اور راحت کی برکت کو پائیں"

چند روز ہوئے - کہ پنڈت رشی رام جی سابق مشنری ڈی اے وی کالج کا ایک لیکھ ہم نے پڑھا - اس میں ہم پنڈت صاحب موصوف کے مدلل خیالات کو پڑھ کر دنگ رہ گئے کارن کہ انہوں نے اس سچائی کے اظہار کرنے میں پانچ پارٹی والے انیک لوگوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کی - جو عموماً اس قسم کے خیالات کے لئے مہاتما پنڈت گرو دت جی اور ان کے ہم خیال بھگتوں کو کبھی کبھی کوسا کرتے تھے - پنڈت رشی رام جی کی اس نربھیتا کے لئے ہم ان کو مبارکباد دیتے ہیں ٭

جو پُرانے سیوک گورو کل دل کے کبھی اپنے پرانے لیکچروں میں کہا کرتے تھے کہ ہماری آرین تہذیب کا بنیادی پتھر یا پہلا پایہ آستک واد ہے - اس پر ہمارے کالج پارٹی انیک سجن مذاق اڑایا کرتے تھے - اب وہی بات پنڈت رشی رام جی نے کہی ہے وہ جتلاتے ہیں - کہ اس فانی جسم کے اندر غیر فانی اور ہمیشہ رہنے والی شے رُوح ہے اس لئے آرین رشی لوگ جو روح کو غیر فانی جانتے تھے - انہوں نے اپنی تہذیب اس آستک واد پر رچی اور لوک میں ترقی اور پرلوک میں امن کا دھیان اس میں موجود ہے - اور سوح وغیرہ لطیف اشیا کا ان ہمارے بزرگ رشیوں کو پورا گیان تھا - اس لئے ویدک پراچین آریہ

آریہ کون ہے؟

(از لالہ بھان چند جی بی اے ایل ایل بی)

موکش کا سادھن گیان جو جانے
ایش جو سکل جگت کا کرتا
اجر - امر سچ نام اونکار
ست - چت آنند سوامی
ستیہ ودیاؤں کے پُستک وید
ایسے وید جو پڑھے پڑھاوے
ستیہ استیہ کا کرے وچار
آیو ساری رہے سدا چاری
شاریرک شکتی کو بڑھاوے
یدی سماج میں آئے کو ریتی
سب سے پریم اور پریتی رکھے -
ستیہ ودیا کا کرے پرچار
سوارتھ تیاگ کرے پرمارتھ
اندری جت اور سنیمی ہووے
یجیہ شیل تپسوی اور دانی
ورش پچیس رہے برہمچاری
استن سمتہ ہی رہے گرہستی
پھر سنیاسی کرے اپدیش
وپر ہے - تو ہو ویدیا کا نیتا
دھن دھان کا نیش ہو ویوا
بدھ مانس کے نکٹ نہ جاوے
آریوں کا پھر ہووے مان!
گیان کا مول جو ایش کو مانے
سردا دھار دکھوں کے ہرتا
اگم اگوچر الکھ اپار
لیکھے پربھو کا انترگامی
جن ادھین سے مُکتا کھید
ست سنگت میں سُنے سُناوے
من بچ کرم میں دھرم کو دھارے
سر وہتیشی پر اُپکاری
آتم اُنتی میں چت لاوے
دور کرے اس کو کر ریتی بھ
دھرم انوسار سدا برتے
ناش کرے جگ سے اندھیکار
جیون کا جانے ستیارتھ
سنتھیا کری ستیہ دھری ہووے
وید کا گیانی برہم کا دھیانی
نودیا دھاری اور بل کاری
مت پنچات ہو بان پرستھی
مٹیں جگت کے سکل کلیش!
کھشتری! تو ہو شسترو گھاتا
شودر کرے پریتی سنگ سیوا!
تب اسے کو آریہ کہا دے
کوئی بھی اناڑی رہے نہ بھیان

تہذیب غیر فانی اصولوں پر قائم ہے - اور موجودہ اشانت اور مادہ پرست یورپ کو ضرور آخرکار شانتی دینے والی سنسکرتی ہوگی - یہ اُن کے اعلیٰ لیکھ کا خلاصہ ہے ؛

کھچھ شریمان رام پرشاد جی بی اے کا ایک مضمون چھپا ہے - جو اُن کے لیکھ کی تائید کرتا ہے - شریمان رام پرشاد جی نے ایک جگہ لکھا ہے - کہ ویدک ورن آشرم کی خوبی یہ تھی - کہ سچا براہمن ویدک کال میں ننگے پاؤں اور ننگے سر رہ کر تیاگی جیون بسر کرنے میں بڑی راحت محسوس کرتا تھا - اور کوئی لالچ عزت یا پیسے کا اس ویدک براہمن کو اپنے ادا ئگی فرض سے ہٹا نہیں سکتا تھا ؛

آج کل کئی سجن سوال کیا کرتے ہیں - کہ اس آستک واد تہذیب کا بیل بائے کیا تھا - اس کا جواب سنئے !-

واضح ہو کہ آرین سنسکرتی بغیر ویدوں کے کچھ چیز نہیں - رشی بھگت سوامی ستیہ دیو جی اپنی تازہ تحریرات میں اعلان کر رہے ہیں کہ کسی بھی کتاب کو الہامی نہیں ماننا چاہیے ؛"

اس کے متعلق ہماری عرض یہ ہے کہ وید کو کتاب کی صورت میں کوئی بھی سناتنی یا آریہ سماجی کبھی الہامی نہیں مانتا - ہاں علم کا الہام خدا کی طرف سے ہوتا ہے - نہ کہ کتاب کا - اگر وہ دوبارہ رگ وید بھاشیہ بھومکا - یوگیراج مہرشی دیانند کرت پڑھ جاویں - تو ان کو معلوم ہو سکے گا - کہ خود رشی دیانند نے مانا ہے - کہ کوئی گرنتھ یا پستک ایشورکرت نہیں ہو سکتی - کنتو ودیا (علم) کا ہی پرکاشک ایشور ہے - رشی دیانند نے وید کے معنی علم کے لئے ہیں - اگر ستیہ دیو جی اس کو اُن کی کھینچ تان کہیں - تو کسی سناتنی ودوان یا جرمن سنسکرت کوش سے اپنے وہم کو دور کر سکتے ہیں ؛ ان کو معلوم ہے - کہ پروفیسر میکس مولر جو آریہ سماجی نہیں - وہ اپنے سنسکرت ریلیجن نامی گرنتھ میں وید کے معنی ناؤلیج یعنی علم کے کرتا ہے - شاستر شبد وید کے لئے آتا ہے - پر شاستر شبد کے معنی جیسا سر بھگونت سنگھ صاحب ایم ڈی راجہ صاحب گونڈل راجیہ اپنے گرنتھ "ہسٹری آف آرین میڈیسن" میں لکھتے ہیں - دگیان اور وگیان کے ہیں ؛

جو لوگ ویدوں کو رشیوں کا دشٹ ودیا کوش مانتے ہیں - اُن کی سیوا میں ہم نویدن کریں گے کہ یہ ودیا کوش وہ ولائتی انسائیکلوپیڈیا نہیں جس کے انیک سدھانت یا اصول ہر دس سال کے بعد ترمیم تنسیخ میں آ کر بدل جاویں مان لو کہ وید منتروں کے کرتا ویدک رشی ہیں پر رشی شبد کے معنی ایسے اعلیٰ درجہ کے عالم اور یوگی دروشٹا (منتقی ضمیر) انبہ الخلق کے ہیں - جن کے بتلائے ہوئے اصول یا سدھانت تین کال میں ستیہ رہتے ہیں - نہ کہ ہر سال کے بعد بدل جاویں ؛

اس لئے آریہ سنسکرتی جو آستک واد یا ویدک واد پر دارومدار رکھتی ہے - اس سے تعلق رکھنے والے وہ یوگی ودوان (رشی) ہیں - جنہوں نے یوگ بل سے آتما کے امر ہونے اور اس کے پرلوک گمن آدی مسائل کو اس عمدگی سے سمجھا تھا - کہ اس میں کبھی غلطی نہ ہو سکے - جو دو برس سے شری آربند مہاتما پانڈیچری میں یوگ سادھن کر رہے ہیں - اُن کو ہم یوگی کہہ سکتے ہیں - لیکن ابھی تک وہ سدھ یوگی یا رشی پدوی کے لائق نہیں ہوئے - اس لئے آرین سنسکرتی کے جنم داتا یوگی رشی تھے - اُن کی بتلائی ہوئی سنسکرتی کی طرف موجودہ مادہ پرست یورپ آئے گا اور جب آئیگا - تب ہی اس روئے زمین پر کرانتی کی جگہ پر شانتی یا کلہ ہو سکے گا ؛

بھانا چھوڑدے

(از مہاشہ ہنس راج کبک - کالاتی زگون)

چھوڑ دے بھائی کسی کا مل دکھانا چھوڑ دے
اِک بلائے ناگہانی میں ہے دکھیا مبتلا
گھر میں تیرے جبکہ ہے اک گنج راحت کی شریک
ہے بجائے نام کی خواہش تو کرے کام کچھ
جو رشی کا مشن ہے - اس کو مقدس جان کر

بیکس و لاچار بدھوا کو ستانا چھوڑ دے
رانڈ اندوائش کے ناموں سے بلانا چھوڑ دے
بیسواؤں رنڈیوں سے دل لگانا چھوڑ دے
اپنے پاؤں پر کلہاڑا خود چلانا چھوڑ دے
بابہ تکمیل کو پہنچا - بہانا چھوڑ دے

کبک جو کچھ ہے میسر اس پہ رہ قانع سدا
حرص کے مارے کسی کا حق دبانا چھوڑ دے

یوگابھیاسی سوامی دیانند

سوامی دیانند جی کے سمکالین پنڈت شوورام جی پانڈے کے قلم سے

اس لیکھ کے لیکھک پریاگ نواسی ویدراج پنڈت شوورام پانڈے آریہ سماجی نہیں سناتن دھرمی ہیں۔ پرنتو سناتن دھرمی ہوتے ہوئے جو شردھا آپ کے ہردے میں رشی دیانند کے لئے ہے وہ اُن کے لیکھ کی ایک ایک پنکتی سے ظاہر ہے۔ پرنتو لیکھک مہودے نے اس پر بس نہ کر کے رشی کے سمبندھ میں اپنے ہردے کے اُدگاروں کو اپنے پرائیویٹ پتر میں ان شبدوں میں پرکاشت کرنا آوشیک سمجھا ہے:-

"میں آریہ سماجی نہیں ہوں۔ پرلوک وشیوں کو بہت وشواس پوروک مانتا ہوں لیکن سوامی جی کا میں پورا بھگت ہوں۔ کہتے اچھا نہیں معلوم پڑتا۔ پرنتو یہ بھی کہہ دیتا ہوں۔ کہ پتروں کا ترپن کرتے سمے میں سوامی جی کے گورو اور پریوار کے سوامی جی کا ترپن کرتا ہوں میرا پورا وشواس ہے کہ جو کچھ میری ودیا۔ بدھی۔ چار پی سکھ اور سمپتی ہے۔ وہ سب نیہان سوامی جی کی کرپا اور آشیرواد کا پھل ہے۔ یہ تو سبھی کو ایک مت سے ماننا ہی پڑے گا۔ کہ سوامی جی نے رساتل میں جاتی ہوئی ہندو جاتی اور دھرم کو بچا لیا۔ بدلی اس سمے سوامی جی کی باتیں لوگوں کو کڑوی معلوم ہوتی تھیں۔ سوامی جی سب سے پہلے تیاگی اور ودوان پُرش ہیں۔ جنہوں نے بھارت کی سوتنترتا کا بیج بو دیا۔ جن کے لئے سمست بھارت واسیوں کو انکا کرتگیہ ہونا چاہیئے"۔

ویدشوورام کے اندر سوامی جی کے لئے یہ شردھا دیکھی نہیں۔ بلکہ اسی سوبھاگیہ کے کارن ہے۔ جو انہیں سوامی جی کے چرنوں میں برسوں رہنے کا پراپت تھا۔ اُن گمراہ ہوئے پنتھی سناتنیوں کو جو کیول پیٹ پوجا کے لئے سوامی جی کے درشن میں استیہ باتوں کا پریوگ کر کے اپنے جیون کو تباہ کر رہے ہیں۔ پنڈت شوورام جی کے بھگتی بھاو سے شکشا لینی چاہیئے۔

سوامی جی کا پرتھم درشن

سمت ۱۹۲۶ بکرم میں مجھے سوامی جی کے پرتھم بار درشن کرنے کا سوبھاگیہ شری رام رتن لڑدھا کے باغ مرزاپور میں پراپت ہوا۔ سوامی جی کے انگ پرتی انگ بڑے ہی مضبوط اور سڈول تھے۔ جو میں نے آج تک کسی کے نہیں دیکھے۔ سوامی جی بڑے بلشٹھ اور مضبوط جسم کے تھے۔ اُن کے شریر اور چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ جو دیکھ کر لوگ تو ششدر رہ جاتے تھے اُن کے شریر کی گٹھن۔ چہرے کی اپوروکانتی اور آنکھوں کی لالی اور چمک کو تو ٹھیک ٹھیک بیان کرنے میں میرا قلم عاجز ہے۔ اسے تو وہی ٹھیک سمجھ سکیں گے۔ جنہیں سوامی جی کے درشنوں کا سوبھاگیہ پراپت ہوا ہے۔ پرشن ہوگا۔ آخر اُس کا کارن کیا تھا؟ اس کا کارن تھا۔ سوامی جی کا تپسیا کے ساتھ ہٹھ انوسار یوگ ابھیاس۔ پراتہ کال تو وہ ہمیشہ کسی نرجن ستھان میں جا کر یوگ ابھیاس کیا کرتے تھے۔ کچھ سمے تک مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ سوامی جی راتری کے سمے بھی یوگ ابھیاس کیا کرتے ہیں۔ ایک دن سوامی جی نے اپنے نوکر سکھ دیو سے جو رات کو سوامی جی کی خواب گاہ کے دروازے پر سویا کرتا تھا کہا۔ کہ سکھ دیو تو رات کو نہ سویا کر کیونکہ تو رات کو کھانستا بہت ہے۔ جس سے ہمارے ابھیاس میں خلل پڑتا ہے۔

سمت ۱۹۲۶ بکرمی کے قریب کا واقعہ ہے کہ مرزاپور میں سوامی جی کے پاس ایک اچھی ودوان منڈلی برہمنوں اور گجرال دیشوں وغیرہ کی اکٹھی ہوتی تھی۔ جس سمے سوامی جی شری بیت لڑدھا جی کے سامنے والے باغ کے گھاٹ پر گنگا جی میں سنان کر کے کنارے کی مٹی میں خوب لیٹتے تھے۔ تو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کو ایسا کرنے سے بڑا آنند آ رہا ہے کبھی کبھی وہ کہا کرتے تھے۔ کہ گنگا کنارے رہنے کا مجھے بہت اوسر ملا ہے اور میں نے اس سے بہت آنند اٹھایا ہے گنگا جی کے جو ادبھت گن ہیں۔ جانتا ہوں۔ اسے شاید ہی گنگا کے بڑے بڑے بھگت سمجھتے ہوں۔ پھر گنگا جی کی مٹی سے شریر بھر اور گنگا جی کے بہت اونچے کنارے زور کے ساتھ دوڑتے ہوئے شری بیت لڑدھا جی کے باغ میں آتے دکھائی دیتے تھے۔ اس سمے کے درشن کے لئے میں کوئی درشٹانت ہی نہیں دے سکتا۔

سماج سیوا ابھار مبھ

اب میں تھوڑے میں یہ بتاؤں گا۔ کہ سوامی جی نے سماج سیوا کا کاریہ کس پرکار آرمبھ کیا۔ اور کہاں تک پہنچے۔ جس سمے کی بات میں لکھ رہا ہوں۔ اسی سمے مرزاپور میں کیول بھارت بھر کے لوگ اکبر کے زمانہ سے شعر پڑھ کر پنڈت پروہتوں کی آنکھ یا دھرم

روپ جان کر بناٹک کئے ہوئے پالن کرتے چلے جا رہے تھے۔ اُس سمے مورتی پوجن۔ پرمیشور کا اوتار اور کاشی ادی تیرتھ اور انیک پرکار کے کھنڈن سٹن کے درشن سوامی جی کی اور سے آرمبھ کئے گئے تھے۔ ادھر سوامی جی کو پراست کرنے کے لئے مرزاپور کے ودوان بڑے بڑے پنڈتوں کی منڈلی اکٹھی ہوتی تھی۔ پر ساتھ ہی اس کے چھوڑ گری بابا بڑے ناتھ مہادیو کے پجاری وغیرہ تھے پیچھے لگ کر لوگ ماریٹ کرنے تک کی تیاری کر کے سبھاؤں میں جاتے تھے۔ جس سمے کا درشیہ ایسا عجب ہوتا تھا گویا بڑے بڑے دیا گھر اور سنگھوں کے جھنڈ میں کوئی ایک ایود پرتاپ شالی شیر ببر پہنچ جاتے۔ جس کے رعب سے سارے دیا گھر اور سنگھ دُم دبا کر کھسکنے کی تیاریوں میں لگ جائیں۔

انہیں دنوں سوامی جی نے پنڈت گورچرن اپادھیائے کے دوارا ایک سنسکرت پاٹھشالہ بھی مرزاپور میں کھولی تھی۔ جس میں بہت سے ودیارتھی پڑھتے تھے۔ جنہیں اشٹادھیائی مہابھاشیہ اتیادی کے علاوہ سندھیا ایک استاد رشیہ پڑھانے جاتے تھے۔ سادھنگ۔ پراتہ

سوامی جی نے سندھیا کو بڑی بہت بڑی اہمیت دے کر رکھی تھی۔ اگر کوئی لڑکا سندھیا آپ سندھیا میں کسی دن سستی کر جاتے تو اس دن اسے بھوجن آدی نہیں دیا جاتا تھا۔

ان دنوں سوامی جی کا یہ خیال تھا۔ کہ بھارت کے اگوا برہمن لوگ ہی ہیں۔ اگر ان کو سدھار دیا جائے۔ تو سارے بھارت کا سدھار ہو جانا کوئی کٹھن بات نہ ہوگی۔ لیکن جو بہت بڑے خود غرض سادھو مہاتما سنت مہنت ان پڑھ لوگ تھے۔ وہ سوامی جی کا مقابلہ کرنے کے یوگیہ تو تھے ہی نہیں۔ پرنتو وہ سب اپنے دھن سمپتی کی سہائتا سے برہمنوں کو سوامی جی کے خلاف ابھارنے لگے۔ جس وجہ سے سوامی جی کو سماج سدھار میں بڑی بڑی کٹھنائیاں جھیلنی پڑیں۔

جہاں جہاں سوامی جی گئے برہمنوں کے پیشتر آستھان کے اوپدیش سے سنسکرت پاٹھشالائیں کھلوائیں۔ اور انیک پرکار سے کوشش کی۔ لیکن ہر جگہ سنت مہنتوں نے ودوان برہمنوں دوارا انیک پرکار سے سوامی جی کے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔

اس پر سوامی جی نے یہ سدھانت نکالا کہ برہمن اور سادھو لوگوں نے تیاگ چھوڑ کر یہ ہی طرح لوگوں کو گمراہ کرنے میں اپنا دھرم سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے سوامی جی نے برہمنوں اور پاٹھشالاؤں کی طرف سے دھیان ہٹا کر پرچار کیا۔ کہ ویاکرن اور شاستروں کو اس پرکار پرکاشت کیا جائے۔ کہ گھر بیٹھے لوگ سنسکرت ودیا اور ویدوں کے سمجھنے میں ودوان ہو سکیں اور ساں پولن کی آوشیکتا نہ رہے جیسے سوامی جی نے اپنے اس منتویہ کا پرچار کرنا تک روپ میں لانا شروع کر دیا۔ تو سادھو براہمن اور بھی ناراض ہو گئے جو سمجھتے تھے کہ سوامی جی عیسائیوں کی طرف سے دیش کو عیسائی بنانے کے لئے مقرر ہیں۔ کئی تو یہ بھی کہتے تھے کہ یہ براہمن نہیں براہمن ہیں۔ تو سادھو اور برہمنوں کی جیو کا میں بادھا ڈالتے ہیں۔

کام میں کٹھن دادھائیں اور سوامی جی کا آتم بل

سوامی جی کا آتم بل بہت بڑھا ہوا تھا۔ جس کے کارن وہ کسی کٹھن سے کٹھن کاریہ سے بھی گھبراتے نہ تھے۔ گھنٹوں لگاتار لٹھ بند دھیوں کی لٹھ بازی کے درمیان کھڑے ہو کر سپشٹ تھا ستیہ وکتا کوئی تھا تو یہی ایک سوامی دیانند جی سرسوتی تھے۔

ذرا خیال کیجئے سوامی جی کی دیہک کا جو کہ جس سمے سندھیا منتر میں بولتے تھے اس سمے کتنے ہی لوگ کہتے تھے کہ

سبھا میں ہر ایک پرکار کی نگھس اور بلدھائیں ابھت کرتے تھے یہاں تک کہ بنارس میں ایک بار مجھے خوب یاد ہے سوامی جی جس سمے دیاکھیان دے رہے تھے۔ ان کے اوپر اینٹوں اور پتھروں کی ورشا ہو رہی تھی۔ بالکل یہ نہ سمجھیں کہ ایسے قابل نفرت کام میں صرف چند ایک گنڈے ہی شامل ہوتے تھے۔ بلکہ ان کے پیچھے کاشی کے نامی پنڈتوں سنتوں مہنتوں اور رئیسوں کا بھی ہاتھ ہوتا تھا۔ لیکن سوامی جی کو میں نے ان باتوں کے کارن کبھی دکھت نہیں پایا۔ جب کبھی لوگ مور کہتا سے کوئی شرارت کرتے تھے۔ تو غصہ ہونے کی بجائے سوامی جی مسکرا دیتے۔ اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ کہ سوامی جی کا آتم بل کتنا بڑھا چڑھا ہوا تھا۔ اور اس کا کارن تھا یوگ کا ابھیاس ❊

سوامی جی بڑے نستا گر بدھی بھی تھے۔ ایک بار کاشی میں سوامی جی کی طرف سے نوٹس دیا گیا۔ کہ فلاں دن ٹاؤن ہال میں سوامی جی اور کرنل الکاٹ کا دیاکھیان ہوگا لیکن کاشی کے کلکٹر نے سوامی جی کی زبان بندی کا احکام نکال دیئے سوامی جی کو جب اس کا علم ہوا۔ تو وہ فوراً کلکٹر صاحب کے پاس گئے جہاں سے انہیں علم ہوا کہ آپکا دیاکھیان وہ ایک ریمسو کی اس رپورٹ پر روکا گیا ہے۔ کہ اس سے بلوہ ہو جائیگا۔ اس پر سوامی جی نے کہا:-

"آپ کیسے حاکم ہیں۔ کہ آپ نے نہ تو یہ دیکھا کہ میرے پاس کتنے لٹھ بند آدمی ہیں۔ کتنے ہتیار بند ہیں۔ اور کتنی بڑی جماعت میری ہے؟" اس پر کلکٹر نے بہت اظہار افسوس کیا اور سوامی جی سے نمرتا پورک کہا۔ کہ آپ جہاں چاہیں۔ دیاکھیان دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد سوامی جی نے فقط گنٹہ بھر چودہ دیاکھیان دیئے اور کاشی ایسے دھرم کے استھان میں ویدک دھرم کو خوب ورشایا۔ سوامی جی ستیہ استھیہ کے نرنے کے لئے سوامی وشدھانند جی سرسوتی اور پنڈت بال شاستری کو للکارتے رہتے تھے کہ ان کو آگر لوگوں کو اندھیکار سے نکالنا چاہیئے ❊

سوامی جی نے نہ تو اپنے آپ کو کبھی پرماتما کا اوتار کہا۔ نہ کسی نئے مت یا پنتھ کی ستھاپنا کی۔ وہ اپنے آپ کو کیول ایک سناتن ویدک دھرم کا سادھارن پرچارک کہتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ میں لوگوں کو متوالا نہیں بنانا چاہتا۔ لوگ ویدک دھرم انوپائی بنیں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے۔ کہ لوگ بنا سمجھے بوجھے سوامی جی کے منتویوں کو ماننے پر مجبور ہوں۔ آنند باغ میں جب میں سوامی جی کے پاس رہا کرتا تھا۔ جہاں تک ہو سکتا تھا میں آنکھ بچا کر ہر روز سندھیا کے سمے باہر چلا جایا کرتا تھا۔ بعض ودیارتھیوں نے میرے وشے میں سوامی جی کے کان بھر دیئے۔ ایک دن سوامی جی نے مجھے بلوایا اور جیسی کہ ان کی عادت تھی۔ ڈپٹ کر مجھ سے پوچھا۔ کہ تو سندھیا کے سمے روز کہاں جایا کرتا ہے؟ میں خاموش رہا۔ ذرا ٹھیر کر سوامی جی نے کچھ مسکرا کر جیسے کہ مہرشی انتریامی ہوں پریشن کرتے ہوں اور میرے من کی بات پکڑ لی ہو۔ مجھے نڈر ہو کر سب لوگوں کے سامنے اپنے سوال کا جواب دینے کی آگیا دی۔ میرا ڈر دور ہوا۔ اور میں نے صاف کہہ دیا۔ کہ سوامی جی! میں سندھیا کے سمے روز وشوناتھ کے درشن کرنے جایا کرتا ہوں۔ یہ بات سنکر

اتنے ودیارتھیوں کے چہرے فق ہو گئے۔ اور انہوں نے سمجھا کہ سوامی جی مجھے فوراً نکل جانے کا حکم دیں گے۔ لیکن سوامی جی نے ان کے خیال کے بالکل خلاف میری سچائی اور وشواس کی پرشنسا کی۔ البتہ اتنا ضرور کہا۔ کہ کیا کیا جائے پاشان پوجتے پوجتے شورام کی بدھی بھی پتھر کی ہو گئی ہے اس اوسر پر وہاں کے لوگ بہت حیرت زدہ ہو گئے دیکھتے ہی رہ گئے۔ سچائی اور ویچار شکتی کے وشے میں سوامی جی کا کیا اور کہاں تک خیال تھا۔ یہ آپ کو ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو جائے گا ❊

ایک بار ایسا ہوا کہ میرے چھوٹے بھائی چرنجیو جے رام پانڈے ایک بیر کے پیڑ سے پھل توڑ رہے تھے سوامی جی نے مجھے بلا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ شورام دیکھ تیرا بھائی بنا مالک کی آگیا کے پھل توڑ رہا ہے۔ میں نے کوئی اُتر نہ دیا۔ اس پر سوامی جی نے میرے بھائی کو بلایا۔ اُس سے پوچھا کہ تو مالک کی آگیا کے بغیر بیر کیوں توڑ رہا تھا؟ میرے بھائی نے اُتر دیا۔ کہ مہاراج ہم نے توڑا تو کون قصور کیا۔ سبھی توڑتے ہیں۔ اس پر سوامی جی نے مسکرا کر کہا کہ سب چوری کریں گے۔ تو تو بھی کرے گا؟ ❊

بقیہ مضمون کالم ۳- صفحہ ہذا

زنّاری سے دھجیاں اڑائی شروع کر دیتا تھا۔ اور واپس آتا تھا۔ وہ جے کو ہاتھ میں لے کر اس کی ایک ایک پُرزور گرجنا سے سمگر سنسار کا پاکھنڈ ہل اٹھتا تھا۔ گرجنیں کانپ اٹھتی تھیں۔ اکیلا پرتھوی بھر سے بھڑ جانے کی شکتی رکھنے والا کوئی اور ویر کبھی پرتھوی نے پیدا کیا ہے؟

میں آج اُس کے نروان کے دن اُسے ایک ادبھت ویر کے روپ میں دیکھتا۔ اور اس کی پوجا کرتا ہوں کاش! اس مہان ویر کے نیرس پرواد کا ایک چھینٹا بھی ہمیں مل سکتا ❊

"منش" اس کو کہنا چاہیئے۔ جو منن شیل ہو کر اپنی ذات کی طرح دوسروں کے سکھ دکھ اور نفع نقصان کو سمجھے۔ ناانصافی کرنے والے سے اس کے طاقتور ہونے پر بھی نہ ڈرے۔ اور دھرماتما خواہ کمزور ہو۔ تو بھی اس سے ڈرتا رہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ دھرماتما لوگ خواہ کتنے ہی بے کس۔ کمزور اور بے ہتھیار کیوں نہ ہوں۔ اپنی ساری طاقت ان کی حفاظت ترقی اور انکے خوش کُن برتاؤ کے لئے کوشش کرے۔ اور ادھرمی خواہ سب سے بڑھکر چکرورتی۔ نہایت طاقتور اور صاحب لیاقت بھی ہو۔ تو بھی اس کی بربادی۔ تنزل اور تخریب ہمیشہ کیا کرے۔ اس کام میں اس کو چاہے کیسی ہی سخت تکلیف پہنچے۔ خواہ جان بھی چلی جاوے۔ تو بھی انسانیت کے دھرم کو ہرگز نہ چھوڑے"

(مہرشی دیانند)

ادبھت ویر

(از سناتک پربھودت جی ودیا واچسپتی)

وہ ایک ادبھت پنڈت تھا۔ پرتی پکشیوں (مخالفوں) کی زبان میں تالا لگا دینے والا تیر تارک تھا۔ الوکک تیجہ کا دھنی ایک بھاری سکالر تھا۔ تمام پرورتک مہان دیانند کو ہم اب تک انہی روپوں میں دیکھنے کے ابھیاسی رہے ہیں۔ آج وہ میری آنکھوں کے سامنے اتل شکتی ایک ادبھت ویر کے روپ میں کھڑا ہے۔ کتنی مہان ہے وہ مورتی! سنسار کے کس ویر میں ویرتا اس طرح پھوٹ پھوٹ پڑتا ہوگا۔

چندر گپت ویر تھا۔ ستلج کے تٹ پر اُس نے یونان کے فاتح اعظم سکندر کے سینا پتی سلیوکس کے دانت کھٹے کئے تھے۔ اور فتح کے عوض میں ایت کے نیچے کابل قندھار کے صوبے۔ اور سلیوکس کی بیٹی ہیلن پر چندر گپت کی ویرتا ناز کرتی تھی۔ راشٹر نرماتا آچاریہ چانکیہ کی پرتی بھا کی آنچ اس کی چھ لاکھ مگدھ کی ویر سینا کے چمچماتے ہتھیاروں میں ❊

بھارت کے اتہاس کے سمگر شستر دھاری ویروں کا شرومنی پارتھ ارجن ویر تھا۔ کروکشیتر کے سنگرام میں پرتی دن اس کی شستر دھارا میں ہزاروں یودھا سنان کرتے تھے اُس نے ودیودھن سے

सूच्यग्रं नैव दास्यामि
विना युद्धेन केशव ॥

کہلوا دینے والے کو دو کر مٹی میں ملا دیا تھا۔ پر اس کی ویرتا کا رہسیہ تھا کرشن کی نیتی اور یدھشٹر کی سات اکشوہنی مرنے مارنے پر تیار سینا میں ❊

نپولین ویر تھا۔ اس کے نام کی گونج سے سارا یورپ دہل اور آدھا ایلپس کانپ اٹھتا تھا۔ پرتھوی کے سمراٹوں کی نیند اس نے حرام کر دی تھی۔ پر اس کی ویرتا کا آدھار تھے۔ اس کے لئے مر مٹنے والے فرانس کے لاکھوں متوالے سپاہی ❊

دیانند ویر تھا ادبھت ویر تھا۔ رن کشیتر میں اترتا ہے۔ اکیلا بنا کسی سہائک کے۔ کوپین دھاری بنا کسی شستر کے۔ بھیری بجاتا ہے۔ دنیا بھر سے سنگرام کی شنکھ پھونک دیتا ہے پرتھوی کے ڈیڑھ ارب لوگوں سے لوہا لینے کا۔ وہ ایک ساتھ ہی یوروپ کے نام دھاری سکالروں سے جُٹ رہا۔ اور بھارت کے پنڈت ورگ کے چھکے چھڑا رہا ہے وہ ناستکتا کے گڑھوں کو ڈھیر کر رہا ہے۔ اور اس کے نام سے دھرم دھوجا کے۔ پاکھنڈ کے پران سوکھ رہے ہیں۔ اس کے سمے میں سنسار کا کوئی ایسا وچار نہیں تھا۔ کوئی ایسا مت نہیں تھا۔ کوئی ایسی سنستھا نہیں تھی۔ جس پر اس نے مرگ کے گولے نہ برسائے ہوں۔ لوگ اُسے زہر دینا چاہتے تھے زہر کے پیالوں۔ چمچماتی تلوار کی دھاروں اور تیل کے بھیگے کپڑوں کو انگلیوں پر لپیٹ کر اُن میں آگ لگا دینے کی دھمکیوں نے وہ ویر اور دھمکیوں کو سُن کر دمبھ کے ورگ کی وادیستیں

(بقایا مضمون دیکھو اسی صفحہ کے درمیانی کالم کے نیچے)

دیانند کے نقش قدم

(از پروفیسر رویش بینرجی جسوڑ۔ بنگال)

مجھے ہر طرف رشی دیانند کے نقش قدم نظر آتے ہیں۔ ہندوستان جدید آگے بڑھو کی صدا سے گونج رہا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کی تحریکیں تمام صوبوں میں زوروں پر ہیں۔ دلتوں کا ادھار۔ چھوت چھات کا اُڑانا۔ جاتیوں اور صوبوں میں پریم۔ بدھوا بواہ۔ اناتھوں اور اپاہجوں کا پالن پوشن۔ اور رکشا۔ منشیات سے پرہیز ستھانوں سے برائیوں کا دور کرنا۔ ترقی کی یہ تمام تحریکیں کس کی طرف اشارہ کرتی ہیں؟ اس کا جواب ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے رشی دیانند کے نقش قدم کی طرف

چند ماہ ہوئے۔ ایک ممتاز سناتنی برہمن نے ہزارہا شودروں کو ادھم کے پوتر شبد کی دیکشا دی۔ اس پوتر کاریہ میں اس کے مخالف بھی تھے لیکن اس کے مداحوں کی تعداد غالب تھی۔ اُسے اس شبھ کاریہ کے لئے ہندو جاتی کا بڑا محسن اور خیر خواہ سمجھا گیا۔ دیانند نے بھی ساٹھ سال پہلے یہی کیا تھا۔ آج اگر ہم یہ کرتے ہیں۔ تو کیا دیانند کے نقش قدم پر چلنا نہیں؟

برہمن ویدوں کو بالکل بھول چکے تھے۔ کیونکہ ان میں نہ ویدوں کا نام تھا نہ ویدوں کا زبانی۔ لیکن عمل میں آریہ سبھیتا کی اس پاک امانت کے ایک شبد سے بھی وہ بے بہرہ تھے۔ جب رشی دیانند کا ایک ودوان پنڈت سے شاستر ارتھ ہوا۔ اور رشی ودوان نے ویدوں کا پرمان دیا۔ تو پنڈت نے مسکرا کر رشی وَر سے کہا۔ کہ وید تو دوا کشش تری چرا کر لے گیا۔ لیکن آج پنڈت کیا کہتے ہیں؟ بنارس میں جو گذشتہ برہمن کانفرنس ہوئی تو بنگالی پنڈتوں کو بھی جو دھارمک اور سماجک معاملات میں پنڈت رگھو نندن کو پرم پرمان مانتے ہیں۔ اپنی مان رکشا کے لئے شرتی کا پرمان دینا پڑا۔ آج یہ حالت ہے کہ معمولی سے معمولی نیکر مارک پتروں میں بھی ویدوں کے پرمان پائے جاتے ہیں۔ آریوں کی سنتان اگر ویدوں کی طرف واپس آتی ہے۔ تو ویدوں والے رشی دیانند کے نقش قدم پر چلنے سے

∴

آج سوراجیہ کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ستیارتھ پرکاش کو جو آج سے قریباً نصف صدی پہلے رچا گیا پڑھیں تو آپکو معلوم ہوگا۔ کہ دیانند کے وشال ہردے نے آستک سوراجیہ کی کیسی اچھی سکیم اس کے اندر بند کر دی ہے۔ ہاں آستک سوراجیہ! جس میں آریہ ودرت کی پراچین سبھیتا برابر بنی رہے گی خوف خدا رکھنے والے تمام لوگوں کو مکمل آزادی میسر ہوگی۔ ٹیکس واجب اور ہلکے ہوں گے۔ اور ہر کیش نیائے سب کے لئے باعث خوشنودی ہوگا۔ یہ ہوگا۔ تو ورتمان بھارت کے راج نیتکوں کے ادھی پتی دیانند کے چرن چنہوں پر چلنے سے ہوگا +

∴

آج بھارت میں راشٹریہ بھاشا اور قومی تعلیم کا چرچا ہے۔ پر تو نصف صدی پہلے دیانند نے ان دونوں کی بنیاد رکھ دی تھی۔ قومی صنعت اور تجارت بھی رشی کی توجہ سے محروم نہیں رہے اور سیوا بھلا! کیا رشی دیانند پہلا شخص نہیں جس نے دیش واسیوں میں اس کا پرچار کیا۔ اس لئے بھارت کے راج نیتک جیون میں مجھے ہر جگہ دیانند کے چرن چنہ ہی نظر آتے ہیں

∴

ہندو سماج میں (میں مسلم سماج کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا) تازہ کولاہل مسٹر ساردا کے بال وواہ کے انسدادی بل کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ خوش قسمتی کی دلیل ہے کہ پڑھے لکھے اور پرسدھ ہندو دتوں نے اس بل کی حمایت کی ہے۔ اور تعلیم یافتہ ہندو طبقہ کی سمتی اس بل کے حق میں ہے۔ بل کی حمایت میں ہندو لیڈروں نے جو سرگرمی دکھائی ہے بعض لوگوں کی رائے میں وہ انگریزی تعلیم کی وجہ سے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بال وواہ کو دور کرنیکا خیال آج سے نصف صدی پہلے ملک کے سامنے کون لایا؟ وہ دیانند تھا۔ جو انگریزی کا ایک لفظ نہ جانتا تھا۔ اس نے ستیارتھ پرکاش میں لڑکیوں کے لئے ۱۶ سال اور لڑکوں کے لئے ۲۴ سال بواہ کی آیو لکھی ہے اس لئے بال بواہ کا انسداد رشی دیانند کے نقش قدم کی برکت ہے۔ چھ ماہ گذشتہ میں بنگال کی تین مختلف کانفرنسوں نے اس مطلب کے ریزولیوشن پاس کئے ہیں۔ کہ ذات پات کے بندھنوں کو اڑا دیا جائے۔ کیا اس سے پہلے یہ بات کسی کو خواب میں بھی سوجھ سکتی تھی؟ اور اس خیال کے بیج زمین کس نے تیار کی؟ جواب صاف ہے۔ دیانند اور اس کے

ویدک دھرم

(از ماسٹر رونق رام جی شاد کھبدوڑ)

یہ ویدک دھرم کیا ہے؟ منزل عرفان کا زینہ ہے
یہی دھرم ارتھ۔ کام اور موکش رتنوں کا خزینہ ہے
نہ اس کا بیر مسلم سے نہ عیسائی سے کینہ ہے
بنی نوع بشر کے درد سے پُر اس کا سینہ ہے

سمجھتے ہیں اسے جو آریوں کی چیز ناداں ہیں!
یہ وہ ورثہ ہے وارث جس کے دُنیا بھر کے انساں ہیں

ذریعہ ہے یہی انسان کی بہبودیٔ دنیا کا۔
حقیقی رہنما ہے بس یہی اک راہ عقبیٰ کا
نہ جھوٹا پکش اسکو رام کا ہے اور عیسےٰ کا
یہ رد کرتا ہے ہر جزو کلاں کے فعل بیجا کا

بدی سے اس کو نفرت اور نیکی سے محبت ہے
مگر ہر نیک و بد کی خیر خواہی اسکی عادت ہے

یہی تعلیم دیکے ہم کو بدیوں کو مٹاتا ہے
تمیز نیک و بد کی شکشا نیکیاں ہم کو سکھاتا ہے
بشر کے ظاہر و باطن کو پاکیزہ بناتا ہے
ضلالت سے بچاتا جہل سے دامن چھڑاتا ہے

اسے ہمدرد دیکھا بے کسوں اور درد مندوں کا
اسے غمخوار پایا غمزدہ غمگین مستمندوں کا

جہاں میں تیاگ اس سے خلق اور ایثار اس سے ہے
ترحم اس سے ہے دکھے دلوں سے پیار اس سے ہے
رواداری کا آپس میں جو ہے بیوپار اس سے ہے
غرض انسان کا ہر دو لوک میں اُدھار اس سے ہے

نہ سمجھو مذہبوں کو دھرم انکو اس سے نسبت کیا؟
کہ یہ ہے نور سرتاپا تو وہ ہیں نار سرتاپا

جہاں والوں پہ وہ ظلم و ستم مذہب نے ڈھائے ہیں
اور علم و عقل کو وہ بیر کے جوہر دکھائے ہیں
کہ اکثر اہل علم و فضل سولی پر چڑھائے ہیں
بہت سے موجدانِ نغز کے سر قلم کرائے ہیں

کیا وہ جبر خلقت پر اثر اپنا جمانے کو!
کہ اب تک ہے سوا اُنکے نہیں اس کا ڈر زمانے کو

ہیں تفرقے مذاہب نے تو ایسے تفرقے ڈالے
کہیں چلتی ہیں تیغیں بھائیوں میں اور کہیں بھالے
تعصب کی سیاہی نے دل اتنے کر دیئے کالے
نگل جاتے ہیں جیتی مکھیاں یہ مذہبوں والے

نظر میں پاسداری کی ہنر ہیں عیب اپنوں کے
بشکل عیب ہے دیکھتی ہنروں کو غیروں کے

ہماری دھرم بھوُمی پاپ کی دیکھو ہوا کیا ہے؟
نظر آتا ہر اک اک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے
ہمارے مال کو مال غنیمت جان رکھا ہے
غضب ہے ان کا اک ناسک مرے گا مذہبی تعصب ہے

یہی مذہب ہے تو بس دور ہی سے ہے سلام اپنا
مٹا دو اس کو دنیا سے نہیں کچھ اس سے کام اپنا

اگر تجھ کو تمنا ہے مفادِ زندگانی ہے
اگر مقصود دل پانا حیاتِ جاودانی ہے
اگر مطلوب دُنیا میں سرور و شادمانی ہے
اگر خوب دنیا سے مسرت کی روانی ہے

تو ویدک دھرم کی سیدھی سڑک پر گامزن ہو جا
الگ مذہب کی سب پگڈنڈیوں سے جان من ہو جا

تو اپنی زندگی سے دھرم کی عظمت دکھاتا جا
سبق دُنیا کو عالمگیر اُلفت کا پڑھاتا جا
فدائے ملک ہو کر اپنے آپے کو مٹاتا جا
محبت قوم بن کر اپنا تن من دھن لٹاتا جا

رہ دُنیا پہ چل ستدھرم ہی کی رہنمائی میں
کہ تو ارجن ہے اور یہ کرشن اس جگ کی لڑائی میں

یہی دُنیا میں سچی شانتی پھیلائیگا بیشک
یہی سُرستی کے مارگ پہ تجھے لیجائیگا بیشک
یہی بندھ ہراس و بیم سے چھڑوائیگا بیشک
یہی آنند پد آخر تجھے دلوائیگا بیشک

جو ویدک دھرم کی خدمت میں جیتے اور مرتے ہیں
وہ اپنی زندگانی کو سپھل اسے شاد کرتے ہیں

مہرشی دیانند کی سپھلتا

(از کماری چندروتی شاستری)

مہرشی دیانند کی عظیم ترین کامیابی کا خیال کرتے ہوئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے سادھن ہیں۔ جن سے انہیں یہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اگر کامیابی کا کارن دیانند کی علمیت کو قرار دیں۔ تو سنسار میں ودوانوں کی کمی نہیں۔ چاروں طرف سے ودیا اور علم کی آوازیں آن کر ہمارے کانوں کے پردوں سے ٹکراتی ہیں۔ سارا سنسار گیان پراپتی کے یتن میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہا ہے۔ کئی ودوانوں کے روشن دماغ تو ہماری لائبریری سے بھی بڑھکر اپنی علمی شکتی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ لیکن تپ اور اشوری بھاؤنا کے ابھاو سے جہاں تک سپھلتا کا تعلق ہے۔ وہ بے بہرہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔

دیانند کی ودوتا (علمیت) تپ اور آپاسنا سے صیقل ہونے کی وجہ سے نرالی تھی۔ انہوں نے صرف لمبا ورش گورو چرنوں میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کی۔ اس سے پہلے اور پیچھے کا جیون ان کا گھور تپ ہی کا جیون ہے۔ وہ کرم شدھی اور سپھلتا کا کارن تپ کو ہی سمجھتے تھے۔ پرنتو اس میں کٹھنائی کے اوسر پر جب انہیں بھارت کا گھور پتن نظر آیا۔ تو اس وکٹ اوستھا کے مقابلہ کے لئے انہوں نے تپ کی ہی شرن لی۔ ان کا اس منتر میں پورا وشواس تھا۔

विद्या तपोभ्यां भूतात्मा
बुद्धिर्ज्ञानेन शुध्यति

اسی لئے ودیا اور تپ کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپاسنا میں کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔ جن دنوں رشی دیانند گورو دکھشنا کے انوسار پرچار کاریہ میں ورت دھارے لگے ہوئے تھے۔ شاستر ارتھوں اور ویکھیانوں کا بازار ہر گھڑی گرم رہتا تھا۔ ان دنوں بھی رات کو نیند کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گھنٹوں سمادھی میں مگن رہتے تھے۔ غرضیکہ جب سے دیانند گھر سے نکلے۔ نگیا سا کال کو دیکھیں یا ودیارتھی کال اور پرچار کال کو۔ ہر جگہ ان کی جیونی تپ اور اپاسنا کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہی کارن تھا۔ کہ رشی دیانند لوبھ لالچ اور دکھ سب پر وجے پراپت کر سنسار کے سامنے خالص ستیہ کو پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

دیانند کی مکمل براہمچریہ کی شکتی بھی ان کی سپھلتا میں بڑی سہائک تھی۔ آپ استریوں کے سمپرک کو کالے سانپ اور ببر شیر سے بھی کہیں زیادہ خوفناک سمجھتے تھے۔ یہی کارن تھا کہ کیول ودیانند سے دن رات گرجنے والی کاشی کی پنڈت منڈلی بھاری تیاریوں کے باوجود بھی اس شیر مرد کے سامنے خاموش ہو جاتی تھی۔ پرنتو اس برہم تیج سمپن آدتیہ برہمچاری کی آتما میں ہی یہ کہنے کا بل تھا۔ کہ

”چاہے چکرورتی راجا بھی کیوں نہ پرسن ہو جائے۔ تو بھی ستیہ ہی کہیں گے“

ایک مہاراجہ کے مہمان ہو کر ان سے یہ شبد کہنے کا انہیں ہی حوصلہ ہو سکتا تھا۔ کہ

”سنگھوں کو کتیا کا سنگ شوبھا نہیں دیتا“

رشی میں سپھلتا دینے والی نرلوبھتا بھی نرالی تھی۔ جس سمے کاشی کے سرکاری پنڈت سنگھ میں دیانند کو اچانک دیش بھگت بلدیو نے کہا۔ کہ آپ کے پاس بھی بیس پچیس بھگتوں کو بیٹھ جانا چاہئے۔ تو جواب میں دیر بے جا برک کہتے ہیں:-

”بلدیو ذرا بھی چنتا نہ کیجئے۔ یوگی جنوں کا یہ درڑھ وشواس ہے۔ کہ اودیا کے اندھیکار کو ستیہ کا سوریہ اکیلا ہی ترنت جیت لیتا ہے“

بھیشم کی طرح رشی نے لوبھ پر بھی پورن وجے پراپت کر رکھی تھی۔ جب اوکھی مٹھ کے مہنت نے دیانند کے سدگنوں پر مگدھ ہو کر لاکھوں کی گدی ان کے حوالے کر دینے کا خیال ان کے سامنے ظاہر کیا۔ تو سکل بھوگوں سے پورن ورکت برہمچاری نے کہا :-

”تیرا یہ سب دھن دیر تھ ہے۔ جس آدیش کے لئے میں نے متمول والدین کا گھر چھوڑا۔ اس آدیش پر نہ تم چلتے ہو نہ اس کا تمہیں گیان ہی ہے۔ تیرا چیلہ بننا تو درکنار میرا تیرے پاس رہنا بھی اسمبھو ہے“

موجودہ جگت جس جھوٹی مان مریادا کی ویدی پر اپنی ساری شکتی اور آتم پرتنترتا کی بھینٹ چڑھانے کو تیار ہے۔ اس جھوٹی شان کو بھی دیانند نے پاؤں تلے روند دیا۔ لاہور آریہ سماج کے ایک ادھیویشن کے سمے جب سبھا سدوں نے آپ کا ابھوادن کیا۔ تو تیاگ مورتی دیانند نے کہا :-

”ایسے سمے میں کسی ویکتی کے لئے اس پرکار کا آدر کرنا اپاسنا دھرم کا نرادر کرنا ہے“

اسی پرکار جب لاہور سماج میں شری شاردا پرشاد جی نے پرستاو کیا۔ کہ آریہ سماج کے سنستھاپک دیانند کو ویدی سے وبھوشت کیا جائے۔ تو تاریخ بتاتی ہے کہ رشی نے نہیں اور کہا :-

”میں نے کوئی نیا پنتھ چلا کر گرو ڈم کا مٹھ نہیں بنانا۔ میں تو لوگوں کو مت واریوں کے مٹھوں سے سوتنتر کرانا چاہتا ہوں۔ ایسی پدویوں سے انت میں ہانیاں ہی ہوا کرتی ہیں“

جس پرکار سوکشم سے سوکشم اور مہان سے مہان ویدک تتووں کو سمجھنے کے لئے دیانند کا دماغ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اسی پرکار ہردے بھی آکاش کی طرح وشال تھا۔ اور جاتی اور دھرم گت دویشوں اور پکشپاتوں سے پرے تھا۔ مت واریوں کی طرح دیانند کا ہردیہ سنکیرن نہ تھا۔ اس کے پرمان آریہ سماج کے وہ نیم ہیں۔ جس میں رشی کہتے ہیں :-

”سنسار کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ ادیش ہے“

وہ اپنے اندر بھاؤں کا پریچے دیتے ہوئے ستیارتھ پرکاش کی بھومکا میں لکھتے ہیں :-

”یدیپی میں آریہ ورت دیش میں اتپن ہوا۔ بستا ہوں۔ تتھاپی جیسے اس دیش کے مت متانتروں کی جھوٹی باتوں کا پکشپات نہ کر یتھارتھ باتوں پرکاش کرتا ہوں۔ ویسے ہی دوسرے دیشوں یا مت والوں کے ساتھ بھی برتتا ہوں۔ کیونکہ میں بھی اگر کسی ایک کا پکشپاتی ہوتا۔ تو جیسے آج کل کے مت اپنے مت کی ستتی۔ منڈن اور پرچار کرتے اور دوسرے مت کی نندا ہانی اور بند کرنے میں تتپر ہوتے ہیں۔ ویسے میں بھی ہوتا۔ لیکن ایسی باتیں انسانیت سے باہر ہیں“

دیانند نے پرمارتھ کے مقابلہ میں سوارتھ کو سرو تھا تیاگ رکھا تھا۔ وہ جن ہت اور دھرم پرچار کے نمت جیون بھی نچھاور کر کے دیا کرتے تھے :-

”ویدک دھرم پرچار کا کاریہ بہت بڑا ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ ہمارا اس ساری جیون میں پورن نہ ہو سکے گا۔ پرنتو خواہ مجھے دوسرا جنم دھارن کرنا پڑے۔ میں اس مہان کاریہ کو اوشیہ پورن کرونگا“

یہی وشیشتائیں تھیں۔ جنہوں نے دیانند کو رشی نہیں مہرشی۔ ایک دیش گورو نہیں سرو دیشی گورو کی اپادھی سے وبھوشت کر دیا۔

رشی جیون

(از ابو الانشاء مولانا بھوپیش چندر مسافر کانوری)

راستی و صدق کا ہو دہر میں میرا عمل
کذب و بطلان سے رہے ہر دم مری جنگ و جدل

مثل مہر و ماہ یکساں ہو نظر سب پر مری
ہو برہمن، شیخ، جینی، پارسی ہو یا مغل

ہر در و دیوار ہو راحت نما تسکین زا
ہیں کسی کی بھی نہ دیکھوں خندہ پیشانی پہ بل

ہوں حواس و عقل میرے بندگان فرمانبردار
دم برابر جل کے نہ آئے میرا ارماں میں خلل

چشم قہر انداز اعدا سے نہ ہو مجھکو خطر
زہر قاتل کو میں سمجھوں اپنا درمان علل

خوف آفات و بلائے دہر سے میرا قدم
راہ تحقیق و ہدیٰ سے نہ کہیں جائے پھسل

جب جنوں۔ وحشت کا غلبہ مجھ پہ ہو میرے لئے
گود پھیلائے ہوئے طیار ہوں دشت و جبل

آریوں کا راج پربندھ

(از سری یت ھردیال ناگ - چاندپور)

آرین زمانہ کی اس لیکھ میں ہماری وششٹتا یہ بتائی گئی ہے۔ کہ انصاف بکتا نہ تھا۔ پوری غیر جانب داری سے انصاف کیا جاتا تھا۔ غریب سے غریب آدمی نہایت آسانی سے کامل انصاف حاصل کرتا تھا۔ راجہ لوگوں کو انصاف پر اپنے آرام کو قربان کرنے میں تامل نہ تھا۔ پھر اس عہد میں کوئی بھوکا نہ رہتا تھا۔ فاقہ کشی کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ راجا پرجا کے لئے ہک جاتا تھا۔ راجا اور پرجا میں پورا سہیوگ تھا۔ راجہ پرجا کے لئے جیتا تھا۔ اور پرجا راجہ کے لئے۔ غرضیکہ پریم اور سیوا کا کامل راج تھا۔

آریوں کا راج پربندھ دھارمک اور سماجک ملی ہوئی سنستھا تھی۔ راج نیتی کے جوار بھاٹا آتے جاتے ہیں۔ منش نیتی کے اس کیگیر یا نہیں سوئی جاتی تا تھا۔ آرین یگ میں آج کی طرح راج نیتک سنگٹھن اسوبھاوک روپ میں سنگٹھن نہ تھا۔ وہ ایک سوبھاوک سنگٹھن تھا۔ اس کی بناوٹ مصنوعی نہ تھی قدرتی تھی۔ آرین راج پربندھ دستوک روپ میں بھارت سے یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ جو بھارت سے وشال کشیتر سے سرعت ہے۔ جو بھارت سے یورپ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جسے انگلستان کے لوگ انڈو یوروپین فیملی کے نام سے پکارا جاتا ہے مہاشاؤں کے جھنڈے سے جن کا سروت ڈاریہ بھاشا ہے۔ یہ بھی معلوم دیتا ہے۔ کہ بھارت سے یورپ تک ایک آرین راج نہ تھا۔ کئی راج تھے۔ اس لیکھ میں میرے لئے یہ کٹھن ہے۔ کہ میں وشال آرین راج پربندھ پر بحث کروں۔ میں اپنے لیکھ کو آریہ ورت کے راج پربندھ تک محدود رکھونگا۔ آرنبھ میں آریہ کا شبد قومی نام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے پشچات منوسمرتی کے زمانہ میں بھی اس دیش کو آریہ ورت یعنی آریوں کا وطن کے نام سے ہی سمبودت کیا گیا ہے۔ ویدوں میں آریہ وہ نام ہے۔ جس سے ویدوں کے دیوتاؤں میں وشواس رکھنے والے لوگ (ان کے مقابلہ پر جو دسیو کہلاتے ہیں۔ اپنے آپ کو بلاتے ہیں۔ برہمن کھشتری اور ویش آریہ کہلاتے تھے۔ اور دسیو اور شودر اناریہ۔

(دسیو اور شودر کو مترادف سمجھنا غلطی ہے۔ شودروں کو برہمن کھشتری اور ویشوں کی طرح ورن بیوستھا میں آریہ تسلیم کیا گیا ہے (ا۔پ)

آریوں میں سے صرف براہمن اور کھشتری کو ہی دیش کے راج پربندھ کا ادھیکار تھا۔ ویشوں کا کام بیوپار اور کھیتی باڑی تھا برہمنوں کے مشورہ سے دیش پر کھشتری حکومت کرتے تھے۔ منو پہلا ریشی تھا۔ جس نے قانون بنایا اس سے پہلے دھارمک اور سماجک معاملات کے سر انجام دینے میں کول شاستروں پر ہی نربھر ہوتا تھا۔ اور شاستر کا ارتھ لگانا برہمنوں کا ہی ادھیکار تھا۔

یہ پہلے برہمن کھشتری اور ویش ورن تھے۔ لیکن آریہ سوسائٹی نے اچھے مستقاں کیول براہمنوں کو

ہی پراپت تھا۔ تمام دھارمک اور سماجک معاملات میں براہمن کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ راجہ بھی ان کے شاستروں کی حکم عدولی نہ کر سکتا تھا۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ براہمنوں میں جو برہم رشی تھے۔ وہی سناتن دھرم کے بانی

تھے۔

یہ میں کہہ چکا ہوں۔ کہ آرین راج پربندھ دھارمک اور سماجک سنستھا تھی۔ اس کا نہایت ہی شاندار پہلو اس کا نیائے ودبھاگ تھا آرین کال میں انصاف کبھی خریدا یا بیچا نہ جاتا تھا۔ اس زمانہ میں انصاف کا خریدنا کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ انصاف کامل اور بے لاگ کیا جاتا تھا۔ آریہ راجوں کے راج میں غریب سے غریب پرجا کو بھی وہ جنس سوچھ روپ میں مل سکتی تھی جسے انصاف کہتے ہیں۔ انصاف اس زمانہ میں منش جیون کی آدھار بنیاد سمجھا جاتا تھا۔ راج کا کام کاروبار نیائے کی درشٹی کون سے کیا جاتا تھا۔ انصاف چاہتا تو راج کو بھی آدرتا سے چھوڑ دیئے جاتے۔ کسی آریہ راجا کو انصاف کی ویدی پر اپنے ذاتی آرام کو قربان کرنے میں تامل نہ ہوتا تقسیم خوراک کا ایسا منصفانہ پربندھ تھا۔ کہ درد پہ درد پر پرجا کو بھی فاقہ کشی کی نوبت نہ آتی تھی آریہ کے راجیہ میں فاقہ کشی کوئی جانتا ہی نہ تھا جب تک راجہ کو یہ نشچے نہ ہو جاتا کہ اس کی پرجا کا کوئی آدمی بھوکا نہیں نہ کھاتا تھا

آریہ راجہ بسد بہ خود مختار تھے۔ لیکن ان کی خود مختاری ہمدردانہ تھی۔ پرجا کی رکشا راجہ کا دھارمک کرتویہ تھا۔ پرجا کو راجہ لڑائی لوٹتے نہ تھے۔ راج کیول پرجا کے لابھ کے لئے کیا جاتا تھا۔ سہیوگ ان دنوں ایک معمول تھا۔ نہ صرف راجا اور پرجا کے درمیان۔ بلکہ پرجا کے اپنے درمیان بھی۔ راج واستوک روپ میں لوگوں کی کامن ویلتھ تھا یہ وہ زمانہ تھا۔ جب پرجا تا کے بہت اور پرجا کے آپس میں بھائی بھائی ہونے کا سدھانت کریاتمک روپ میں سمجھا جاتا تھا۔ روحانیت اخوت انسانی کی جان تھی۔ آج کا مایا واد ان دنوں نامعلوم تھا۔ زمانہ حال کی ذاتی خود غرضی کا ان دنوں خواب و خیال تک نہ تھا۔ راجہ جیتا تھا تو پرجا کے لئے۔ پرجا جیتی تھی۔ تو راجہ کے لئے ہمسایہ کے لئے جیتا تھا۔ اور بھائی بھائی کے لئے غرضیکہ آرین راج پربندھ پریم اور سیوا کے عقائد پر مبنی تھا۔ اور اس میں منش جیون کے انتم آدیش کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔

--- ۰ ---

پرکاش کے لئے نئے خریدار بڑھانا گویا ویدک دھرم پرچار میں سہائتا دینا ہے۔

دیوالی سے خطاب

ابوالنظم جناب پنڈت چندر جوڑ صاحب سہایک سوہانوی کے قلم سے

اے دیوالی! کیوں تری یہ انجمن ماتم میں ہے
تو سراپا نور تھی۔ لیکن یہ تو نے کیا کیا
سب چراغوں میں دیا تھا۔ ہاں وہی جلوۂ فگن
بزم عشرت تھی مگر پیغام ماتم بن گئی
آئی تھی دامن میں لیکر سینکڑوں روشن چراغ
توڑ ڈالی آہ! بیدردی سے مینائے رشی
آسمان ہند کے خورشید تاباں تھے رشی
وہ رشی کیف مئے توحید سے مخمور تھا۔
تھا مجرد۔ بے نوا۔ روشن دماغ معرفت!
اس کی ہستی نے ہی پایا تھا سراغ معرفت!
مطلع انوار تیرہ خاکداں اس نے کیا
بت پرستی کا مٹایا اس قدر نام و نشان
سنگٹھن شدھی کے حامی ہندو انکے رہبر
بال بدھواؤں۔ یتیموں بیکسوں کے غمگسار
ذات اس کی بیکسوں کے حق میں رحمت ہوگئی

شمع اختر بجھ گئی چرخ کہن ماتم میں ہے!
اپنے ہی آنچل سے شعلہ نور کا گل کر دیا!
جس کے بجھنے سے ہوئی ظلمت کدہ یہ انجمن
رات دیوالی کی جو تھی شام ماتم بن گئی!
دے گئی لیکن ہمیں ہائے غم فرقت کا داغ!
چشم محفل میں ہے اب تک کیف صہبائے رشی
ننگ ملک و قوم کے پردے کو داماں تھے رشی
دھرم کی خاطر اسے سر بیچنا منظور تھا
جس کے دم سے جھلکا پڑتا تھا ایاغ معرفت
اہل عالم کے لئے تھا وہ چراغ معرفت
راز پوشیدہ حقیقت کا عیاں اس نے کیا
نور ایماں سے مٹیں سب کفر کی تاریکیاں
قوم کے غمخوار۔ آزادی کے تھے پیغامبر
بادۂ حقانیت کے مست۔ لیکن ہوشیار!
ہاں یہ اہل نظر راز حقیقت ہوگئی!

ہند کے چھوٹے بڑے سب اس کے گن گانے لگے
زہر کا پیالہ پلا کر اس کو پچھتانے لگے

کرانتی واد اور آریہ سماج

(از شری بھیت آنند پربھو بی اے ایل ایل بی بڑودہ)

اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ یگیوپویت اور چوٹی کیوں دھارن کرنی چاہیے؟ تو ہم کہیں گے۔ کہ اور نہیں تو صرف اسی بات پر ہی اسے دھارن کرنا چاہیے۔ کہ قومی نشان مان کر ہزاروں ہندو ویروں نے اپنے خون سے انہیں پوتر بنایا ہے ؛

ایک جگہ تقریر کرتے ہوئے دیش نیتا پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا تھا۔

" نوجوانو! اگر تمہیں اپنے قومی جھنڈے کے لئے قربانی کرنی پڑے۔ تو خوشی خوشی تم اس جھنڈے کی رکشا کے لئے جان پر کھیلنا منظور کرو۔ کیونکہ اس جھنڈے کے مقابلہ میں ہزاروں جانوں کی کچھ بھی قیمت نہیں"۔

کرانتی (انقلابی) دل کے لیڈر کی اس تقریر پر ہمارے پڑھے لکھے بھائی خوشی کے مارے بانسوں اچھلیں گے۔ اور جواہر لال نہرو کے شبدوں پر مر مٹیں گے۔ آج دیش میں روجا اروہن (جھنڈا گاڑنے کی رسم) اور اس کی بندنا کی ایک نئی پرتھا چلی ہے۔ چونکہ کل اقوام عالم جھنڈا پرستی کو اپنا پولیٹیکل ایمان قرار دے چکی ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے دیش بھگت بھلا کیسے پیچھے رہنے لگے تھے۔ آج دیش بھگتی کے نام پر جو لہر چل رہی ہے۔ اس کا لباس تو سودیشی ہے۔ پرنتو جو سنسکرتی دکھلاتی ہے۔ وہ سودیشی نہیں ودیشی ہے۔ آج کرانتی وادی ہیں جو یگیوپویت اور چوٹی کی سزا لٹکتا بتلاتے ہیں۔ پھر ایک طرف سے جہاں بواد کے منتروں پر کٹھارا گھات ہوتا ہے وہاں دوسری طرف ویدوں کو طاق پر رکھنے کی بات ہوتی ہے آج جو سماچار پتر پرانی سنسکرتی کی رکشا کی بات کرتے ہیں۔ ان کو کوئی خریدتا نہیں۔ کرانتی کا یگ ہے۔ اس لئے کرانتی کاری پتروں کی ہی قدر ہے ؛

آریہ سماج بھی موجودہ نوجوان نسل کو خشک جان پڑتی ہے۔ آواز آتی ہے۔ ارے بھائی! اس کرانتی یگ میں آریہ سماج میں ہون۔ سندھیا۔ یگیوپویت آدی کریاؤں کا کرنا گویا پرانی لکیر کا فقیر بننا ہے۔ انہیں اڑا دو۔ آریہ سماجی خاندان بھی اب کرانتی کی لہر میں بہے جا رہے ہیں ؛ پرانے رشی پرانے سمرتی کار پرانے مصنف سب تھوتھے جان پڑتے ہیں۔ اس کرانتی یگ کے رشی ہونگے لینن ٹراٹسکی یا ان کی سُر میں سُر ملانے والے لوگ۔ پرنتو لوگ کتنا ہی خود کو سوتنتر سمجھے تاہم اسے کسی نہ کسی سدھانت کا پیرو ہونا ہی پڑے گا ؛

جس طرح جھنڈے کی عظمت کو قومی نشان تسلیم کر کے اس پر قربانی کرنے کی اپیل کی جاتی ہے۔ اسی طرح پہلے زمانوں میں بھارت میں جو ہندو بستی تھی۔ ہندوؤں کا قومی نشان یگیوپویت اور چوٹی تھا۔ موجودہ زمانہ میں انگریزوں نے بھارت ورش کو ان نشان سے غلام بنا رکھا ہے۔ مسلمان زمانہ میں مسلم حملہ آوروں کا منشا بھی سیاسی نہ تھا۔ مذہبی تھا۔ وہ دین اسلام پھیلانے کے لئے ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا حملہ ہندوؤں کے قومی نشانوں پر تھا۔ جس طرح آج سینکڑوں نوجوانوں نے ناگپور کے جھنڈا ستیاگرہ میں بھاگ لیا تھا۔ اسی طرح سینکڑوں ہندو ویر یگیوپویت اور چوٹی کی رکشا کے لئے پرانوں پر کھیل جاتے تھے۔ ہمارے موجودہ قومی جھنڈے کا اتہاس ناگپور سے شروع ہوتا ہے لیکن جنیو اور چوٹی کے پیچھے بڑا بھاری اتہاس ہے۔ اگر کوئی ہم سے پوچھے۔ کہ یگیوپویت اور چوٹی کیوں دھارن کرنی چاہیے۔ تو ہم کہیں گے کہ اور نہیں تو صرف اس بات پر ہی اسے دھارن کرنا چاہیے۔ کہ اسے قومی نشان مان کر ہزاروں ہندو ویروں نے اپنے خون سے اسے پوتر بنایا ہے۔ جو انسان اور فخر ایک وقت یگیوپویت کی رکشا کے لئے پیدا ہوتا تھا۔ وہ آج بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم یہ سمجھ جائیں کہ وہ نشان ہیں۔ جنہیں ملیامیٹ کرنے کے لئے اسلامی طاقتیں ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہیں۔ لیکن جس کی حفاظت رانا پرتاپ اور سیواجی سے آریہ ویروں نے کی۔ اگر راشٹریہ جھنڈے کی قیمت ہزاروں انسانی جانوں سے بڑھ کر ہے تو یگیوپویت اور چوٹی کی قیمت بھی ہزاروں جانوں سے زیادہ ہے۔ اگر آج جواہر لال کرانتی وادی ہوتے ہوئے جھنڈے کی مہتو کا ورنن کرتے ہیں۔ تو ہم یگیوپویت اور چوٹی کا ذکر کرتے ہوئے کرانتی وادی رد کرتے ہیں۔ اعتراض کے نکتہ نگاہ سے جھنڈے کی سلامی یا اس پر مر مٹنا ہمیں فضول دکھائی دے گا لیکن اسے مہیما مانتے پر ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ ویسے ہی یگیوپویت اور چوٹی ہمیں فضول معلوم ہو۔ پرنتو رہسیہ سمجھنے پر ہم اس کے قائل ہو جائیں گے۔ آج ہارڈکر اپنے والنٹیئر بین مہاراشٹر سیوکوں (والنٹیئروں) کو لال ٹوپیاں لگا کر بننے کی تلقین کر رہے ہیں ہم نے پرانے نشانوں کو چھوڑ کر نئے نشان ڈال لیے۔ لیکن منش سوبھاؤ کو ہم تبدیل نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں نئی باتوں کی جگہ پرانی باتیں گو بری لگیں۔ لیکن منش سوبھاؤ کے تقاضے سے کوئی نہ کوئی رسم تو ہمیں اختیار کرنی ہی پڑے گی ؛

کرانتی کاریوں سے میری پرارتھنا ہے۔ کہ وہ پرانی اتہاسک بدھی پورن پرتھاؤں اور کریاؤں کے سمان پر نئی پرتھائیں ڈالنے کا پریتن نہ کریں۔ کیونکہ جو اتہاس پرانی پرتھاؤں میں ہے۔ وہ ہمیں نئی میں بنانا پڑے گا۔ دیش کا سچا سدھار تب ہوگا۔ جب ہم سنسکرتی کر آدھار پر ہی اپنی کرانتی کی عمارت کھڑی کریں گے ؛

آریہ سماج سے خطاب

(از خامہ لالہ رام رکھا مل برق - کراچی)

ترے پیغام خوش کن کو اگر کہئے تو کیا کہئے
شمیم روح پرور یا نسیم جانفزا کہئے

غریبوں اور یتیموں کا تو ہے ہمدرد دنیا میں
اچھوتوں اور بیواؤں کا تجھ کو آسرا کہئے

پرستش ایک ایشور کی تو دنیا کو سکھاتا ہے
تری تعلیم کو سرچشمۂ آب بقا کہئے

تری سرگرمیاں باطل کے حق میں زہر قاتل ہیں
تری موجودگی باطل کو پیغام قضا کہئے!

خیالات کہن تو نے بدل ڈالے زمانے کے
تری ان کوششوں پر کیوں نہ تجھ کو مرحبا کہئے

سُناتا صاف ستھری ہے تو بیگانوں یگانوں کو
سراپا راست بازی پیکر صدق و صفا کہئے

ڈٹا رہتا ہے مثل کوہ مشکل کے مقابل تو!
نڈر بے خوف کہئے یا تجھے شیر خدا کہئے

پسینے کی جگہ ان کے تو خوں اپنا بہاتا ہے
محافظ ہندوؤں کا گر تجھے کہئے بجا کہئے

سنا لا برق دنیا سے ترا طرز تکلم ہے!
تجھے پھر کس لئے نہ شاعر رنگین نوا کہئے!

فارسی (اور اردو) طرز تحریر اور ایرانی کے اعتراضات

(از قلم پروفیسر مہیش پرشاد مولوی عالم فاضل انچارج صیغہ عربی فارسی اردو ہندو یونیورسٹی)

(۱)

فی الحقیقت یہ میرا علمی مذاق ہے۔ جو مجھے ایران لے گیا۔ میں نے وہاں بہت اسی نقید کتابیں دیکھیں۔ ان میں سے ہی ایک کلیات ملکم جلد اول ہے۔ یہ مطبع مبارکہ طہران (ایران) ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۲۵ھ یعنی سنہ ۱۹۰۷ء کی چھپی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مصنف کا نام پرنس میرزا ملکم خان ناظم الدولہ لکھا ہوا ہے۔ مصنف کے بارہ میں مجھے اب جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پرنس موصوف لنڈن میں ایران گورنمنٹ کی جانب سے وزیر مختار تھے۔ مگر تمام کتاب کو سرسری نظر سے ہی دیکھنے پر میں ضرور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پرنس ممدوح بلاشبہ ایک عالی دماغ شخص تھے۔ ان کو ایران کی بہبودی کا زبردست خیال تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف میں جن امور کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ رسم الخط و طرز تحریر ہے۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۸۸ لغایت ۱۸۴ میں اس امر کی بحث وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے۔ فارسی رسم الخط میں ۲۴ عیوب بتلائے گئے ہیں۔ بہت سے عیوب کا اظہار کیا ہے۔ اور چند (تین یا چار) کی بابت کہا ہے کہ اگر میں ان کا اظہار کروں گا۔ تو کافر مستحق سزا کے ہو جاؤں گا۔ ہیں ان کا انکشاف ابھی نہیں کیا۔

(۲)

اردو زبان کا ایک خاص حصہ فارسی سے ماخوذ ہے۔ اور رسم الخط بھی فارسی سے لیا گیا ہے۔ پس فارسی رسم الخط وغیرہ کے متعلق جو عیوب کلیات ملکم میں منضبط ہیں ان میں اکثر اردو پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ (۱) ہمارے الفاظ میں اعراب نہیں ہوا کرتے۔

(۲) حروف کی شکلوں کے تبدیل ہونے کی کیفیت بہت عجیب ہے۔ مثلاً "ت" کی صورت ابتدا میں کچھ اور وسط میں دوسری ہو گی۔ اور آخیر میں کچھ اور ہوگی۔

(۳) محض ایک نقطہ کے تفاوت سے لفظ کے معنی میں زبردست تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اشتباہ واقع ہو جاتا ہے۔ مثلاً حرم جرم خرم۔ ان تینوں الفاظ میں محض ایک نقطہ کا تفاوت ہے۔ مگر معنی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۴) کسی لفظ کے لکھے جانے کے لئے کوئی خاص مقام مقرر نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی طبیعت کے موافق اوپر نیچے لکھا کرتا ہے۔ اور خط شکست میں خصوصیت کے ساتھ الفاظ کی نشست غیر معمولی طور سے عجیب ہو جاتی ہے۔

(۵) ہمارے حروف کا شکل برسم تحریر حد سے زیادہ مشکل ہے۔ قلم کو کبھی اوپر کبھی نیچے اور کبھی آگے لے جا کر پھر پیچھے لے جانا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں لڑکوں کا بہت زیادہ وقت طرز تحریر کے سیکھنے میں صرف ہو جاتا ہے۔

(۶) ہمارے الفاظ پر اعراب نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں بعض الفاظ کا تلفظ کسی حصہ میں کچھ اور کسی حصہ میں کچھ اور ہے۔

(۷) بعض حروف کو بعض دیگر حروف کے مانند پڑھتے ہیں۔ مثلاً "ط" کو مثل "ت" اور "ض" کو مثل "ز"۔

(۸) بعض الفاظ میں ہم بعض حرف کو نہیں پڑھا کرتے۔ مثلاً خواہر۔ خواجہ۔

(۹) حرف واؤ کی کبھی آواز ہوا کرتی ہے۔ اور کبھی وہ اعراب کا جز ہو جاتا ہے۔ مثلاً دردو۔ دولت۔ دور۔

(۱۰) حرف ی کبھی الف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً حتیٰ۔ اعلیٰ۔ اعلیٰ۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔

(۱۱) غیر زبانوں میں کچھ آوازیں ایسی ہیں۔ جو ہماری زبان میں نہیں ہم ان کے بولنے لکھنے میں قاصر ہیں۔

(۱۲) چھاپے کے لئے حروف واعداد کا باہم ملانا بہت مشکل کام ہے۔ اس میں وقت بہت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ پہلے یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ایک ہی حرف کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایک ہی حرف کے لئے کئی صورتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کا ترکیب دینا ایک وقت طلب امر ہوتا ہے۔ اور اس میں وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے۔

اسی قسم کے اور اعتراضات ہیں۔ جن میں سے کچھ ترکی زبان سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں کہ ان کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

(۳)

اب غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ترکی نے دجس پر ہمارے مسلمان بھائیوں کو فخر و ناز ہے) اپنا رسم الخط بدل دیا۔ وہ عربی فارسی سے ماخوذ تھا۔ ایران میں سنہ ۱۹۰۷ء میں آواز اٹھی۔ ممکن ہے کہ یہی آواز ترکی میں گونجی ہو۔ مگر ایران میں تو ابھی تک قدیم رسم الخط رائج ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ ترقی کی لہریں جو ایران میں موجزن ہیں۔ اپنا کچھ اثر ایران کے رسم الخط پر بھی دکھلا دیں۔ پس جبکہ اس قسم کے حالات درپیش ہیں۔ تو کیا ہمارے حامیان اردو رسم الخط ذرا مذکورہ بالا عیوب و دیگر امور پر غور و فکر کر کے بتلا دیں کہ اردو رسم الخط کو کیوں نہ خیرباد کہا جائے اور دیوناگری رسم الخط جو بدرجہا آسان اور کامل ہے۔ کیوں نہ اختیار کیا جاوے۔

پرکاش کی اشاعت بڑھانا ہر ایک پریمی کا کرتویہ ہے۔

فیض تعلیم

(از منشی لعل چند بسمل پشاوری)

جو نہ پہنچے ہوں کبھی گنج زر و سیم سے فیض
حسن مہر مادۂ زجبید مبارک ہم کو
تانچی برگ صداقت پہ نہ جانے کوئی
سنگ بستہ تو کیا عدم لقا دن ہم نے
بہر دے منزل مقصود سنبھل کر چلتے
خرمن بلبش میں دانہ بھی تو باقی نہ رہا
سر چڑھا کر انہیں ہم سر پہ بٹھا لے بیٹھے
ہفت کشور میں سرافرازی ہو کیوں بھائی

ہم نے پائے وہ دیا ہم نے تعلیم سے فیض
اہل فردوس اٹھایا کریں تسنیم سے فیض
حکما لیتے ہیں اکثر شجر نیم سے فیض
دوسرے لوگ اٹھاتے رہے تنظیم سے فیض
اس میں تاخیر سے کچھ ہوگا نہ تقدیم سے فیض
خاک حاصل ہوا دہقان کو تقسیم سے فیض
خوب اٹھایا سر خم کردہ تسلیم سے فیض
کہ اقالیم کو پہنچا اسی اقلیم سے فیض

یاد رکھ حضرت شاطر کا سخن اے بسمل
"عین" کیساتھ اٹھا "لام" سے اور "میم" سے فیض

ویدک سوسائٹی میں

استریوں کا درجہ

از پنڈت گنگا پرشاد جی ایم اے

تہذیب کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ کمزور سے کمزور افراد بھی باعزت رہ سکیں۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس جنگلی پن کی علامت ہے۔ استریاں جسمانی طاقت میں پرشوں سے کمزور ہوتی ہیں غیر مہذب سوسائٹیوں میں اسی وجہ سے اُن کی عزت نہیں ہوتی۔ جس وقت سے ہندو سوسائٹی گر گئی اس وقت سے اس کی استریاں پیر کی جوتی سمجھی جانے لگیں۔ ویدوں کے زمانہ میں استریوں کی یہ حالت نہ تھی۔ ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں رگوید کے دسویں منڈل کا ایک سوکت دیتے ہیں:

उदसौ सूर्यो अगादुदयं मामको भगः। अहं तद विद्वला पतिमभ्यसाक्षि विषासहिः॥१॥
अहं केतुरहं मूर्धा हमुग्रा विवाचनी। ममेदनु क्रतुं पतिः सेहानाया उपाचरेत॥२॥
मम पुत्राः शत्रुहणोऽथो मे दुहिता विराट्। उताहमस्मि संजया पत्यौ मे श्लोक उत्तमः॥३॥

(سوکت ۱۵۹)

ایک استری اپنے بیاہ کے بعد خوش ہو کر کہتی ہے۔ کہ جس طرح سورج آسمان پر چڑھتا ہے۔ اسی طرح میری قسمت بھی بلند ہو گئی ہے۔ کیونکہ مجھ کو اچھا ور ملا ہے۔ میں یہ جانتی ہوں۔ میں بلا یعنی طاقتور ہوں (عام طور پر استریاں کو ابلا کہا جاتا ہے۔ مگر اس کے برخلاف اس وید منتر میں استری کو بلا یعنی طاقت ور کہا گیا ہے۔ دراصل استری ایک طاقت ہے۔ وہ سوسائٹی کو الٹ پلٹ کر سکتی ہے۔ کمزور جسم ہونے پر بھی اُس کا آتما کمزور نہیں ہوتا)۔

میں علم ہوں۔ میں سر ہوں۔ میں تیز ہوں۔ جو کچھ میں کہونگی میرا پتی وہی کرے گا۔ میرے لڑکے دشمن کش ہونگے۔ میری لڑکی دنیا میں چمکنے والی ہوگی۔ میں فتح کرنے والی ہونگی۔ میرے پتی کی زندگی خوشی سے گذریگی۔

جس سوسائٹی میں استریوں کی ایسی عزت ہو۔ جس میں اُن کو اپنی طاقت پر اتنا فخر ہو اس کے سرفراز ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ سکتا۔

رشی سے پُردرد فریاد

(از مہاشہ انوپ چند آفتاب۔ پانی پت)

صداقت کا ڈنکا بجا دینے والے جہالت کی ظلمت مٹا دینے والے
یتیموں کی بگڑی بنا دینے والے وطن کی محبت سکھا دینے والے

رشی! آج پھر پیارے بھارت میں آ جا
مٹی جاتی ہے تیری جاتی بچا جا

کہیں خوں کے پیاسے ہیں بھائی کے بھائی کہیں ظالموں نے ہے خلقت ستائی
کہیں قحط سالی نے آفت مچائی کہیں حیف گھر گھر مچی ہے دوہائی

غرض آج دُنیا مصیبت میں ہے سب
وطن کی خبر اے رشی! لیگا تو کب؟

کہیں خود پرستوں نے ڈالی مصیبت کہیں حاکموں کی ہے نظر عنایت
کہیں اپنے ہاتھوں ہوئی اپنی درگت کہیں اپنی دشمن بنی ہے شرافت

فسانہ نہیں یہ سُنانے کے قابل!
نہیں زخم دل ہے دکھانے کے قابل

کوئی طائفوں میں ہے دولت لٹاتا کوئی بن کے قلاش ہے صبح شام
کوئی روز و شب مے کے پیالے اڑاتا کوئی بھوک خون جگر سے مٹاتا

رشی! آج بھارت کی حالت بُری ہے!
نہایت بُری ہے۔ نہایت بُری ہے

ابھی تک ہے جاتی میں باقی جہالت ابھی تک ہے بد رسوا بواہ سے عداوت
ابھی تک ہے لوگوں کو شدھی سے نفرت ابھی تک ہے قبروں پہ جا کی عبادت

ابھی تک پر یتوں کا جھگڑا ہے برپا
ابھی تک جہالت میں ہے ساری دُنیا

مٹاتے ہیں ہم پاپ گنگا نہا کر ہوئے شاد دیوی پہ بکرے چڑھا کر
جو بھگتوں کو دکھیا شوالوں میں جا کر بلاتے ہیں بھگوت کو گھنٹی بجا کر

یہ پتھر پڑے حیف اُنکی سمجھ پر
کہ منطق کا شہرہ تھا جن کی سراسر

شرادھوں کے جھگڑے مٹانے کی خاطر اچھوتوں سے نفرت ہٹانے کی خاطر
محبت کے نغمے سُنانے کی خاطر غریبوں کی قسمت جگانے کی خاطر

ذرا اپنی صورت دکھا دے وطن میں
بہار چمن بن کے آ اس چمن میں

راجستھان میں

ویدک دھرم کا پرچار کیسے ہو

ہز ہائی نس راجادھیراج سر ناہر سنگھ جی بہادر کے سی آئی ای شاہ پورہ

آج سے کوئی آدھی شتابدی پہلے مجھے شری سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج کے پہلی بار درشن کا سواد سر چتوڑ گڑھ میں اچانک ہوا تھا اس وقت مجھے سادھو سنیاسیوں سے اتنی گھرنا تھی۔ کہ میں ان کے دستر دیکھتے ہی کرودھ آ جاتا تھا پرنتو پوجیہ سوامی جی مہاراج کی اسادھارن شخصیت نے مجھے اپنی طرف اچانک کھینچ لیا اور اُن کے سامنے تھوڑی ہی دیر کا سہواس من کو شانتی اور ہر دے کو پرسنتا دینے والا ہوا نہیں پرنتو اُسی سمے سورگیہ مہارانا سجن سنگھ جی کی بھی ملاقات سوامی جی مہاراج سے ہوئی۔ اور سوامی جی مہاراج کا اُدے پور پھر وہاں سے شاہ پورہ۔ یہ پدھارنا ہی سورگیہ مہارانا جی کو اور مجھے ویدک دھرم انویائی بننے کا کارن تھا۔

اسی پرکار ان کے اُلوکک دیکھتی تو کے پربھاؤ سے ہی پربھاوت ہو۔ سورگیہ مہاراجا پرتاپ سنگھ جی اور راجا جے سنگھ جی بھی ویدک دھرم کے انگامی ہوئے۔

میرے خیال میں اب بھی سنیہ سوی تیاگی اور سچی لگن والے سنیاسی مہاتما اگر ریاستوں میں بھرمن کریں۔ اور تپسیا سمیت پربھاؤ شالی بانی سے دھرم امرت اپدیش کریں۔ تو بہت کچھ کاریہ ہوسکتا ہے۔ پرنتو دو چار دن کے دیا کھیان سے کاریہ نہیں ہو سکیگا۔ سوامی جی مہاراج اُدے پور میں دو ماس اور لگ بھگ دو ماس ہی یہاں شاہ پورہ میں براجے تھے۔ اور منوسمرتی کا کچھ بھاگ اور یوگ درشن پڑھایا تھا۔ اسی پرکار درڑھتا ہے

कार्यं वा साधयामि
शरीरं वा पातयामि

کے برت والے ستیہ نشٹھ سنیاسیوں کے درڑھ سنکلپ سے سارا راجستھان ویدک دھرم کا سچا سیوک بن سکتا ہے۔ ایشور ایسا ہی کریں۔

پرکاش کے خریدار بڑھا کر رشی کے بھاگی بنیں۔

آریہ سماج اور کانگرس!

(شری ست پرکاش چندر ایم۔ اے۔ سی ریسرچ سکالر ہندو یونیورسٹی)

آریہ سماج کے جنم داتا بھگوان دیانند نے جگت پر بڑا اپکار کیا۔ کہ انہوں نے آریہ جاتی کو اس کا آدرش تبلایا۔ لوگ ویدوں کو بھول چکے تھے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں نے ہندو دھرم کو برے پیرائے میں پیش کر کے کئی ہندوؤں کو پتت کیا۔ اس گراوٹ کو دور کرنے والے رشی دیانند تھے۔

بھگوان دیانند کے سورگ گمن کے پشچات اس دیش میں ایک سنستھا قائم ہوئی۔ جس کا نام کانگرس ہے اس کانگرس کو بنانے کا خیال حاکموں کے دل میں اس لئے پیدا ہوا۔ کہ لوگ خفیہ انجمنوں کی بجائے اپنی آواز آئینی طریق پر گورنمنٹ کے سامنے رکھیں۔ مدت تک اس کے پریذیڈنٹ گورنمنٹ کے اعلیٰ محکموں کے حاکم ہوتے رہے لیکن عرصہ تک یہ کانگرس آریہ سماج کو نہ دبا سکی۔ آریہ سماج ریفارمز میں اور باقی اندولنوں میں سب سے آگے رہا۔ برہمو سماج کو اسی لئے پنجاب میں جگہ نہ مل سکی۔ لیکن آج وہی برہمو سماج بھارت ورش میں پولٹیکل بیماری کی حالت میں آ چھٹا ہے۔ اس سمے آریہ سماج کا کل کھشیتر سونا دکھائی دیتا ہے۔

۱۹۱۹ء میں نامل ورتن کی لہر میں (جس کا نتیجہ کیول ماتر مخالفوں کی بہتری میں نکلا اور وید وردھ مت کی جے ہو گئی۔ خلافت کا سوال حل ہو گیا) آریہ سماج کی آواز کم ہونی شروع ہوئی تھی۔ مالا بار کے ہتیا کانڈ نے ہندوؤں کے دلوں کو ہلا دیا۔ اور شری پوجیہ سوامی شردھانند نے ہندو دھرم کی نوکا کو منجدھار میں دیکھ کر پولٹیکل میدان کو چھوڑ کر اپنے دھرم کے بچانے کے لئے بیڑا اٹھایا۔ مہاتما ہنسراج۔ لالہ لاجپت رائے جی و پنڈت مدن موہن مالویہ جی نے بھی اس ضرورت کو اہم سمجھا ۱۹۲۶ء سے مسلمانوں کی طرف سے آریہ سماجیوں پر بالخصوص قاتلانہ وار شروع ہوئے۔ اور ۱۹۲۹ء میں وہی آریہ سماجی جو کہ ہندو سنگٹھن و آریہ ویر دل کی تنظیم کی زیادہ ضرورت سمجھتے تھے۔ جھوٹے پولٹیکل شوق میں آ پھنسے۔ آج کیا کوئی دیر شردھانند با ہر آ کر آریہ سماج کو

آج پنجاب کونسل میں مہرشی دیانند کی عزت کی رکشا نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا راج سوراج ہوتا۔ تو مہارانا پرتاپ اکبر کے خلاف جد و جہد کیوں کرتے

سوا کسی لیڈنگ کو ایشور رت لیڈنگ نہیں مانتے تھے۔ اور وہ یہی سمجھتے تھے۔ کہ جب ہماری سوشل برائیاں ہٹ جائیں گی تبھی سوراجیہ خود بخود آ جائے گا۔ رشی دیانند انویائیوں کو یہ دیکھنا ہے۔ کہ انہوں نے کس قدر فرائض ادا کئے ہیں۔ کانگرس میں آریہ سماجی بہ گئے ہیں۔ اسی لئے آج آریہ سماج کی آواز دب گئی ہے۔ بنارس میں۔ ہردوار میں پوپ لیلا جاری ہے۔ گورکشک اچھوت کنوؤں پر نہیں آ سکتے۔ اگرچہ گو بھکشک مسلمان کنوؤں سے پانی لے سکتے ہیں۔ آریہ سماجیوں کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں پر زیادہ زور دیں۔ پولٹیکل ایجی ٹیشن کرنے والوں کی نیتی ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ اپنے بھائیوں کو وہ پورے حقوق دینے کو تیار نہیں ہیں لیکن اگر سرکار انگریزوں سے یا گوروں سے اچھا سلوک کرتی ہے تو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ ایشور نیائے کاری ہے۔ ایسے آڈمبر کرنے والوں کی جے نہیں ہو سکتی۔ بنگال کے اندر ہندو بڑی تعداد میں گھٹ رہے ہیں۔ کیا آریہ سماج کو اس کی فکر کرنی لازمی نہیں ہے۔ وہاں دن دیہاڑے بیسیوں دیویاں مسلمان غنڈے اٹھا کر لے جاتے ہیں کیا ہم نے اس کا اپائے سوچا ہے ہمیں تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ کانگرس کی مسلم نواز پالیسی نے بھارت کا نقشہ بدل دیا ہے۔ ہر ایک کانگرسی ہندو اپنے آپ کو لامذہب سمجھتا ہے۔ پنجاب کے اندر جہاں مسلمان میجارٹی ہے۔ ہندوؤں کے لئے زندہ رہنا محال ہو گیا ہے۔ آریہ سماج کو سوچنا ہے کہ کیا وہ آزادی چاہتا ہے۔ کیا نہرو رپورٹ کے منظور ہو جانے سے پنجاب میں جہاں آریہ سماج کا قبضہ ہے آریہ سماج پرچار کر سکیگا۔ پچھلی ریفارم سکیم پر عملدرآمد ہونے کے بعد جس میں کہ لکھنؤ پیکٹ کے بموجب مسلمانوں کو کونسلوں میں اکثریت حاصل ہے ہمارے پوجیہ رشی کے برخلاف کتابیں شائع ہوئیں۔ قتل ہوئے۔ لیکن آریہ سماج نے کبھی سوچا ہے۔ کہ اس فساد کی جڑ کیا ہے۔ آج برہمو سماج نے ہندوؤں کے دماغوں پر قبضہ کر لیا ہے

کانگرسی آڈمبر سے باہر لائے گا۔ آج آریہ سماج کے لیڈروں کو شدھی اور اچھوت ادھار کی اتنی فکر نہیں۔ جتنی اس سوراج کی ہے۔ جس کی چھوٹی قسط آریہ سماج کے لئے وبال جان ثابت ہو رہی ہے۔ اس پہلی قسط کے دوران پنجاب میں آریہ سماج کا اتنا جوش نہیں جتنا پہلے تھا۔ آج اگرچہ گورنمنٹ کی طرف سے تقریر کی آزادی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی چھیڑ زیادہ تیز ہو گئی ہے

سیواجی کو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ اورنگ زیب کے خلاف رہتا۔ آج ہم سر فضل حسین کی پالیسی کے خلاف کیا ایجی ٹیشن کر رہے ہیں۔

ہم نے سوچنا یہ ہے۔ کہ آیا آریہ سماج کو اس کانگرس سے سخت نقصان نہیں پہنچا۔ وہی سوسائٹی زندہ رہتی ہے جو اپنے لکش سے نہیں گرتی۔ ہمارے گورو سوامی دیانند جی کا یہی وصف تھا۔ وہ اپنے اصول کے پکے تھے۔ ویدوں کے

آفتاب صداقت کا پرکاش

(از قلم قادر الشعرا۔ کوی بھوشن منشی رام سہائے تمنا ایڈیٹر دربار لکھنؤ)

صاف دل جس کا ہے روشن ہے وہ مثل آفتاب
گندہ ہوتا ہی نہیں بہتے ہوئے دریا کا آب
آدمی وہ ہے جو دیکھے اپنے فعلوں کا حساب
جو رشی سنیاسی رکھے من گزرے بھارت ورش میں
تھے تعصب سے بری حرص و ہوس سے دور تھے
آج کل کی طرح ہے جن کو بنا وٹ سے پریم
وضع کو تبدیل کر لینا تو معمولی سے کام
وید خوانی سے نہ مطلب ہے عبادت سے نہ کام
بھکتی مت کے ہی سادھو ہیں پہچانے رہو
باخبر وہ ہے جو اوروں کو دکھائے راہ نیک
جو نمائش سے بری ہے بس وہی ہے حق پسند
رتبۂ انساں ہوا ہے راستبازی سے بلند
علم ہی ایسی ہے دولت جس سے حاصل ہو کمال
جتنے ہیں انسان ہیں گویا سوار اسپ موت
موت سے غافل نہ رہنا چاہیے انسان کو
آج کا جو کام ہے اس کو کرو تم آج ہی
زندگی کا جب نہیں کچھ اعتبار اے صاحبو
بعض ناداں سب سے کرتے ہیں سوالات فضول
اُن کو سمجھانے کا موقع ہی نہ لے ناصح کو کیا
جن میں ہمدردی ہے باہم اور سچا میل جول
حسب فرمائش تمنا نے لکھے یہ چند شعر

نور سے اس کے مٹے تاریکی جہل و عذاب
راستبازی کی ہوا سے دشمن جور و عتاب
امتحاں کر کے کہ ہے کیا چیز اچھی کیا خراب
حق شناسی کی بدولت ہو گئے ہیں کامیاب
خواب میں بھی دیکھتے تھے وہ نہ خود بینی کا خواب
اُن کی سنگت سے مناسب ہے بشر کو اجتناب
رنگ گیروا کا ہو کپڑوں پر کہ ہو رنگ شہاب
ہے کمنڈل ہاتھ میں۔ داب کے بغل میں ہیں کتاب
تشنہ لب کو ہیں بجائے آب یہ مثل سراب
کیا جگائے گا وہ لوگوں کو جو ہے خود محو خواب
ورنہ یہ تو بعض لوگوں کا ہے قائم رعب داب
مدح کے قابل ہے ہر ذات فضیلت انتساب
جہل کا دورہ جہاں ہے۔ ہے وہاں حالت خراب
دیر کیا چلنے میں ہے ہیں پاؤں میں ڈالے رکاب
دور پیری ہو کہ بچپن ہو کہ ہو عہد شباب
ورنہ کیا معلوم کل ہو پیش مشکل پیچ و تاب
اپنا اپنا فرض ادا کرتے ہیں ہے ناحق حجاب
باخرد دیتے نہیں بیہودہ باتوں کا جواب
مست رہتے ہیں جو شام و صبح پی پی کر شراب
منزل مقصد پہ پہنچیں گی وہیں تو میں شتاب
ان کا کبھی پرکاش ہو پرکاش میں چھپکر جناب

ایک آریہ سماج سے امید ہو سکتی تھی کہ وہ ہندوؤں کو بچائے گا لیکن افسوس کہ آریہ سماجی اس جھوٹی آزادی کے لئے جدو جہد کر رہے ہیں۔ جس کے ہو جانے سے آریہ سنسکرتی کا ناش ہو جاوے گا مہاتما گاندھی جو کہ ناجائز آریہ سماج پر حملہ کرتے ہیں۔ ان کے اور مسلمانوں کو سر پر اٹھانیوالے کانگریسیوں کے ساتھ کام کرنیوالے آریہ سماجی ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ ہم آریہ سماج کے اصل پروگرام کو بالکل بھول گئے ہیں۔ آریہ سماجیوں کو مل کر وچار کرنا چاہیئے۔ کہ کیا پوزیشن اختیار کرنی چاہیئے۔ جس سے کہ آریہ سنسکرتی کی رکشا ہو سکے۔ نہیں تو بات یہ ہوگی سہ

دعا قبول ہوئی پر اثر ہوا اُلٹا
نشاں مرا ہی مٹا میری آہ و زاری سے

آریہ سماجی بھائیو۔ ایک طرف ہو جاؤ پرتھوی راج والی ذہنیت کو چھوڑ دو۔ کب تک دشمن کے مظالم بھولتے جاؤ گے Idealist ہی نہ بنو کچھ Practical wisdom بھی سیکھو۔ لارڈ Balfour لکھتے ہیں۔

Religion based on reason alone will be religion no longer

ہوائی قلعے بنانے سے کچھ لابھ نہیں اپنی آزادی اور دیش کے لئے بیشک قربان ہو جاؤ۔ لیکن مسلمانوں کو حقوق دلانے کے لئے جانیں دینا پنجاب کے ہندوؤں اور آریہ سماجیوں کی سخت بھول ہوگی۔ اصلی واقعات دیکھو۔ آپ آزادی چاہتے ہیں۔ آزادی کا یہ مطلب نہیں۔ کہ برٹش راج کی بجائے مسلم راج ہو جائے۔ جہاں کہ نہ ہم اپنے دھرم کا پرچار کر سکیں۔ نہ شدھی کر سکیں بلکہ غلامانہ زندگی نصیب ہو۔ پربھو ہمیں سمتی پردان کریں۔ کہ ہم دوست دشمن کی پہچان کر سکیں۔ اور رشی دیانند کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی زندگیوں کو آدرش بنا دیں۔

ہندو مندروں کے زبانیں لگادو!

(از شری یت ایس۔ ایس ہولکر بی۔اے، ایل ایل۔بی ایڈووکیٹ رنگون)

عیسائی گرجا اپنے پادری کی وساطت سے عیسائی دھرم کے انویایوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ پادری صاحب نماز کے بعد گرجا کے پلیٹ فارم سے اپنا اپدیش کرتے ہیں جو اپدیش دیا جاتا ہے۔ وہ شروتاؤں کے دل اور دماغ کو اونچا بنانے والا ہوتا ہے۔ وہ اُن کے سامنے یسوع مسیح کی زندگی کی قربانیاں۔ خوبیاں اور اخلاق پیش کرتا ہے۔

مسلمانوں کی مسجد اپنے مولویوں کی زبان سے بولتی ہے۔ وہ محمد صاحب کی "واحدہٗ لا شریک خدا" "سچائی" اور "مساوات" کی تعلیم دیتی ہے۔

سکھ گوردوارہ گرنتھی کے دوارہ بولتا ہے۔ "ایک اونکار" کا شبد اور واہگورو کی تمام صفات سنگت تک پہنچا کر انہیں پریرنا کی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو مہاراج گورو گوبند سنگھ جی کی طرح دھرماتما اور پاکیزہ بنائیں۔

آریہ سماج مندر بھی جہاں ہے، وہ اپنے پروہت کے سوامی دیانند سرسوتی کی شکھشا کو لوگوں تک پہنچاتا اور بتاتا ہے۔ کہ سوامی جی کا ادیش آریہ جاتی کا اُتھان کر کے اسے اس کی گذشتہ عظمت دلانا تھا۔

مگر ہندو مندر ہے۔ کہ اسکی زبان ہی نہیں۔ وہ اپنے شردھالوؤں اور پجاریوں کے لئے گونگا ہے۔ کوئی ہندو کسی مندر میں داخل ہوتا ہے۔ تو اسے دروازہ پر ہی ایک پجاری ملتا ہے۔ جو کہ ٹھوڑے کے بھاؤ سے پھول۔ چندن یا کوئی دھولی جسے وہ پوتر سمجھتا ہے۔ پیش کرتا ہے۔

پانی اپنی سطح تلاش کر لیتا ہے

طبعیات کا اصول ہے۔ کہ پانی اپنی سطح تلاش کر لیتا ہے۔ خیالات، دماغ اور اخلاق کی بھی یہی حالت ہے۔ کہ وہ بھی اپنی سطح کی طرف جاتے ہیں۔ منش بُری سنگت میں بُرا۔ اور اچھی سنگت میں اچھا ہو جاتا ہے۔ ویر پوجا بھی اسی اصول پر مبنی ہے۔ کسی ویر یا اونچے پرش کے دماغ اور اخلاق کی پرشنسا کر کے منش اپنے آپ کو دماغی اور اخلاقی طور پر بلند کرتا ہے۔ رام، سیتا۔ یا کرشن کے مندروں میں پجاری رام سیتا اور کرشن کی جیون کتھائیں سنائیں تو اس سے مندر میں آنیوالوں کو لابھ ہوگا۔ ان کی دماغی اور اخلاقی حالت بلند ہوگی۔ ورنہ جب مندر میں لکڑی اور پتھر کی مورتیاں ہی پڑی ہیں، اس کی پرستش کرنے والوں کے عقل و دماغ بھی پتھر ہو جائیں گے۔ اسمبلی میں پرانے خیال کے ہندوؤں نے شاردا بل کی مخالفت اسی لئے کی۔ کہ انہوں نے مندروں میں جا کر مندروں کی "وانی" سے کوئی لابھ نہیں اٹھایا۔ نصف صدی کا عرصہ گزرا۔ شری سوامی دیانند جی نے شدھی اور سنگٹھن کا جو اپدیش دیا تھا۔ اسے گرہن کرنے میں بھی ہندوؤں کو نصف صدی لگ گئی۔

ہفتہ میں ایکدفعہ بولا کریں

میں نے تمام مرض کی نہایت احتیاط سے تشخیص کی ہے۔ میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ اس کا علاج ایک ہی ہے کہ ہندو مندر ہفتہ میں کم از کم ایک بار بولا کریں۔ میں مانتا ہوں۔ ان میں کبھی کبھی سنکیرتن کتھائیں ہوا کرتی ہیں۔ مگر یہ کافی نہیں۔ برہمچریہ اور انیہ آشرموں تتھا پتی برت دھرم۔ جات پات۔ اتتھی سیوا۔ پریم اور بڑوں کے سنمان کے وشے میں سا پتاہک کتھائیں ہونی چاہئیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ حفظان صحت اور دیگر علوم نیز ادویات اور صحت کے متعلق بھی کتھائیں کی جائیں رام، کرشن، بدھ اور دیگر مہاپرشوں کے جیون چرتر سنانے بھی ضروری ہیں ہندوستان بھر میں ایسی کتھاؤں کا سرگرمی سے پربندھ ہونا چاہیئے۔ کوئی مشکل کام نہیں۔

ہندو مہاسبھا پرستاو پاس کرے

اگر ہندو مہاسبھا اس مطلب کا ایک پرستاو پاس کر دے۔ کہ ہندو مندروں کو مذکورہ بالا طریق پر بولنا چاہیئے۔ تو تمام ہندوستان اس پرستاو کی سپرٹ کو گرہن کر لیگا۔ ایکدفعہ ایسا ہو جائے۔ تو نوجوان نسل بہتر ہوتی چلی جائے گی۔ مندروں کی مورتیاں اتہاسک ویکتیوں کی یادگار رہیں گی اور کیرتن اور کتھاؤں سے ہماری آنے والی نسلوں کو ان کے وشے میں شکھشا پراپت ہوگی۔ جس طرح پر سکولوں کے معلمین کو تربیت دینے کے لئے جماعتیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح مندروں کے پجاریوں کو بھی مذکورہ بالا وشیوں پر بولنے کی شکھشا دی جانی چاہیئے۔ ہر گاؤں میں ہندو مندر موجود ہے، اور اس پر کارکا کاریہ کرنے کے لئے کوئی ودوان بھی مل سکتا ہے۔ اس طرح پر ہندو مندروں کو زبان لگا دینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

کھدر کی مہما

ایسے اپایوں سے مندر جانیوالوں کی بدھی اجول ہوگی۔ اور انہیں آرتھک اور ساماجک دشا کو سدھارنے کا بھی خیال آئے گا۔ مندروں میں جانیوالے لوگ کھدر کی مہما نہیں سمجھتے۔ وہ مہاتما گاندھی کو کم و بیش سادھارن منش سے ادھک تتھا ان کے کھدر کو سوراجیہ پراپتی کا ایک سادھن سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اُن کی شکھشا کو آرتھک تانی لابھ کی درشٹی سے دیکھ لیتے۔ تو کھدر پرچار کب کا کامیاب ہو گیا ہوتا۔ ایک بات اور ہے۔ وہ یہ کہ اضلاع اور دیہات میں ہر ایک ہندو مندر کے ساتھ پرائمری سکول اور ویایام شالا ہونی چاہیئے

کیا ہم رشی کا قرضہ ادا کر رہے ہیں؟

(شری شونارائن ستوکل بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ)

آریہ سماج کے لئے دیوالی خوشی کا دن بھی ہے۔ اور ماتم کا بھی۔ اگر بیوپاری کو سال بھر میں نقصان ہوا تو اس سے بڑھکر دکھی کون ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کو فائدہ ہوا۔ ....

....

.... تو اس سے بڑھکر خوشی کس کو ہو سکتی ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہر ایک آریہ کو دیوالی افسوس کا دن ہونا چاہیئے۔

رشی اپنا کام پورا کر کے شریر چھوڑنے کے لئے تیار ہی کر رہے ہیں۔ اگر انھیں یہ خواہش ہوتی کہ کوئی مٹھ قائم ہو جائے۔ تو ان میں کون دقت تھی۔ اگر پوجا کرانے کی خواہش ہوتی۔ تو ایک نہیں سینکڑوں طریقے تھے۔ جن کے ذریعہ رشی چاہتے تو بہت آسانی سے اوتار بن سکتے تھے۔ مگر یہ سب کچھ کیوں نہیں ہوا۔ اس کا جواب صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ

رشی ویدوں کے بھگت تھے

رشی صرف اس قدر وصیت کر گئے۔ کہ ویدوں کا پرچار کرو۔ آج رشی کو شریر چھوڑے آدھی صدی سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ میں آریوں سے پوچھتا ہوں۔ کہ کیا رشی کا قرضہ اُتار رہے ہو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ غالباً ہم رشی کے قرضہ کو اب تمادی عارض سمجھنے لگے ہیں۔ آریہ سماجی اسکول کھول رہے ہیں کالج کھول رہے ہیں گرو کل بڑھ رہے ہیں پاٹھ شالائیں دھڑا دھڑ بڑھ رہی ہیں۔ گو گھر میں ابھی بہت کچھ اندھیرا ہے۔ مگر جوشیلا آریہ غیر ملکوں کو آریہ بنانے میں لگا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مگر رشی کے قرضہ کی ادائگی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ویدک پریس میں اس سال کتنے وید پستک فروخت ہوئے۔ اس کا حال تو مجھے معلوم نہیں ہے۔ مگر اتنا میں ضرور کہہ سکتا ہوں۔ کہ وید پڑھنے والے اگر گزشتہ سال میں تھے۔ تو اب اس میں سے گھٹ ہی گئے ہیں۔ بڑھے نہیں۔ ایسی صورت میں ہم رشی اُتسو کس طرح منائیں۔

دیوالی آگئی۔ رشی کی آتما ہر ایک آریہ سے دریافت کرے گی۔ کہ میرے قرضہ کا کوئی جز ادا کر دیا یا نہیں۔ ہمارے پاس سوائے گردن نیچی کرنے کے اور کیا طریقہ ہو۔ کہ ہم اس سے آنکھیں چار کر سکیں۔ تو کیا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کا ارادہ ہے ہرگز نہیں۔ رشی کے قرضہ پر سود نہیں چلتا ہے۔ رشی کے قرضہ پر تمادی کا قانون لاگو نہیں ہے اصل اصل چکانا ہے۔ افسوس تو وہ کریں جن کو مر کر پھر زندہ ہونے کی اُمید نہیں ہے۔

آؤ! دیوالی کے دن بیٹھ کر اپنا بہی کھاتہ ٹھیک کریں۔ جو کچھ ہم میں کمی ہے۔ اُسے نوٹ کریں۔ پھر ہر ایک آریہ کو دیوالی کے دن پریگیا کرنی چاہیئے۔ کہ وہ کم از کم دس منتر وید کے ایک سال میں ضرور پڑھ لے گا۔ ہر ایک آریہ رشی

کے قرضے کے ادا کرنے کا ذمہ وار ہے۔ اس لئے اس پوتر رشی کے چرنوں میں میری یہی پرارتھنا ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا سو کیا۔ پر اب آپ کی وصیت کو ضرور ضرور پورا کریں گے۔ جتنا بھی ہو سکے گا۔ کریں گے۔ اس زندگی میں ممکن نہ ہوگا۔ تو دوسری زندگی میں کریں گے۔ اور جو کچھ کمی رہے گی۔ وہ ہمارے لڑکے اور پوتے پورا کریں گے۔

آریہ سماج کا جادو

(از پنڈت پرمانند بی۔اے۔ آریہ اُپدیشک)

پرکاش کے رشی نمبر کی اشاعت کے بالکل قریب ملک میں ایک ایسی گھٹنا ہوئی ہے جسے آریہ سماج کے جادو کے سوائے اور کوئی نام نہیں دے سکتے۔ میرا اشارہ شاردا بل کی طرف ہے۔ آج جدھر دیکھو اسی بل کی چرچا ہے۔ آریہ سماج کے انتہائی نکتۂ خیال سے اس بل کی کوئی بہت زیادہ قیمت نہیں لیکن اس بل کے متعلق ایک بات ضرور قابل دید ہے اور وہ یہ کہ جہاں ایک طرف اسمبلی میں آریہ سماجی اور آریہ سماج سے ہمدردی رکھنے والے تمام ممبران نے بل کی حمایت کی۔ وہاں دوسری طرف جب یہ معاملہ کونسل آف سٹیٹ میں پیش ہوا تو آنریبل مائے رام سرند اس نے جو لاہور کے مشہور سناتن دھرمی نیتا ہیں۔ بل کا سرگھن کرتے ہوئے صاف طور پر فرمایا کہ میرے حلقہ کے رائے دہندگان نے بل کے خلاف مجھے کوئی حکمنامہ نہیں دیا۔ اور پنجاب اس بل کے مخالف ہے۔ ایک سناتن دھرمی نیتا کے منہ سے شیگھر بودھ والے شلوک کا اتنا زبردست کھنڈن! اور وہ بھی ایسی سرزمین کے باشندہ کی طرف سے جہاں سناتن دھرمی تحریک دوسرے پرانتوں سے زیادہ زوروں پر ہے۔ آخر اس کی وجہ؟ اس کی وجہ آریہ سماج کے جادو کے سوائے دوسری ہو نہیں سکتی۔ پنجاب کے ہندوؤں کے دلوں اور دماغوں پر آریہ سماج سوار ہو چکا ہے۔ آج مسلم مُلّانے اور دقیانوسی باہمن چلاتے ہیں۔ کہ آریوں نے سرکار سے مل کر یہ قانون پاس کرا لیا لیکن ایسے سب لوگوں کو سر فضل حسین کے الفاظ بغور پڑھنے چاہئیں۔ جو انھوں نے کونسل آف سٹیٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہے تھے۔ انھوں نے کہا یہ غلط ہے کہ سرکار یہ قانون ہندوؤں اور مسلمانوں پر ٹھونس رہی ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ مانے ہر بلاس جی شاردا اس قانون کو کسی پر لاد رہے ہیں۔ بلکہ اصلیت یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے مسلمانوں کے لئے اور ہندو اپنے ہندو بھائیوں کے لئے ایسا مفید قانون بنا رہے ہیں۔ جو بھارت ورش کا سر دنیا کے سامنے اونچا کرنے والا ہے۔ ....

... اور جس کے لئے آنے والی نسلیں ہمارا شکریہ ادا کریں گی۔“

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ انتہائی آریہ سماجی نکتۂ خیال سے اس قانون کی بہت زیادہ قیمت نہیں لیکن اس بل سے ایک صحیح فائدہ ہوا ہے

وہ یہ کہ اب وہ مذہبی قید اُٹھ گئی ہے جو زیادہ سے زیادہ دس سال کی عمر میں لڑکی کی شادی کو لازمی قرار دیتی تھی۔ اب اس قانون کی وجہ سے لوگ ۱۴ سال کی عمر تک تو لڑکیوں کو کنواری بٹھایا ہی کریں گے۔ اس کے لئے اس بدنام شلوک کے مطابق ماں باپ اور بھائی پرلوک میں نرک گامی ہونے کا خطرہ تو قبول کر ہی لیں گے۔ لیکن اس میں یہی ان کی آنکھوں کے سامنے لڑکیوں اور لڑکوں کو جو نرک بھوگنا پڑتا تھا اس سے ان کی سنتانیں لازمی طور پر بچ جائیں گی۔ اور جو لوگ ۱۴ سال تک پہنچ جائیں گے۔ ان کے لئے ۱۶ سال تک ٹھہرنا کچھ مشکل نہیں رہے گا کیونکہ ان کے راستہ سے مذہبی رکاوٹ اب دور ہو گئی ہے۔ اب آئندہ بال پتنیوں۔ بال رنڈوؤں بچوں کے باپ سکولوں کے ودیارتھیوں کے لقا رے دیکھنے میں نہ آئیں گے۔

ہندوستان کی مشہور بدنام کنندہ مس میو کی کتاب مدر انڈیا کے متعلق کے لئے ایک کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "مدر انڈیا کے بعد" اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے سوشل سدھاجات میں جو اصلاحات کی گئی ہیں۔ وہ مس میو کی کتاب شائع ہونے کے بعد کی گئی ہیں۔ اور ان کا فخر مس میو کو ہے۔ موجودہ التماس کا کوئی بھی نیشنلسٹ ودیارتھی اس کتھن کو کبھی سویکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جملہ سوشل خرابیوں کی جڑ پر آریہ سماج اپنے جنم کال سے برابر کلہاڑا رکھتا آیا ہے۔ اور اس کے نیتاؤں نے اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں بھی کی ہیں مس میو کی سب سے بڑی چالاکی یہ ہے کہ اس نے اپنی دونو کتابوں میں کہیں بھی آریہ سماج کا ذکر تک نہیں کیا۔ بھارت ورش کا بیان اور اس میں آریہ سماج کا ذکر تک نہ کیا جائے۔ یہ اتنی بھاری فرد گذاشت ہے جس کے لئے کتاب اور اس کے مصنف کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا خیر اس ناانصافی کی تلافی گورنمنٹ ہند کے ہوم ممبر کے ان الفاظ سے ہو گئی۔ کہ اس بل کے اس کثرت رائے سے پاس ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دیش میں بال بواہ کے خلاف زبردست لوک مت پیدا ہو گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس مت کس نے پیدا کیا؟ یہ قانون پیش کس نے کیا؟ یہ بل مدر انڈیا شائع ہونے سے بہت پہلے تیار ہو چکا تھا۔ اور اس کا نوٹس بھی رائے صاحب ہربلاس جی پہلے ہی دے چکے تھے یہ بھی بھولنا نہ چاہیئے کہ رائے صاحب اجمیر کے ایک مشہور آریہ سماجی خاندان میں سے ہیں اور سوامی دیانند کی قائم مقام سبھا شریمتی پرپکارنی سبھا کے منتری ہیں۔ اس لئے سماج

سدھار کی اس پہلی اور بہت بڑی قسط دلانے کا بہت کچھ فخر بجا طور پر آریہ سماج کو ہے۔ اور اس بل کے پاس ہونے میں صریحاً آریہ سماج کا جادو کام کر رہا ہے۔ پنجابی مسلمانوں نے بھی اس بل کی بہت کم مخالفت کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ سب آریہ سماج کے زبردست پرچار کا پھل ہے نہ کہ کسی غیر ملکی ایجیٹیشن کا۔

آج یہ گھنٹا اتنی تازہ اور اتنی زبردست ہے کہ آریہ سماج کا جادو اسی ایک بات سے ثابت ہو جاتا ہے۔ ورنہ آج جس میو کی دکھلائی ہوئی سب خرابیوں کے متعلق آریہ سماج کیا کر رہا ہے۔ اور اس کا ملک پر کتنا بھاری اثر ہو

استری جاتی کا سچا ہتیشی رشی دیانند

(ایس۔ آر آنندی دیو آریہ ویدک دھرم وشارد)

دیانند سے وپاکان دیانند نے استری جاتی کی شوچنیہ دشا کو دیکھا۔ اور اپنا دیا سے ہاتھ اس کے ہت کے لئے بڑھایا کیا نہیں جانتے ہو؟ کہ رشی کے آنے سے پہلے استری جاتی کی کتنی دینا ہین۔ اور اکھنیہ دشا تھی۔ رشی سے پہلے استری جاتی ادھوگتی کی چرم سیما تک پہنچی ہوئی تھی۔ نہ مان۔ نہ عزت۔ نہ ودیا۔ نہ یگیہ۔ نہ ویدک کرم۔ نہ سندھیا۔ نہ گایتری۔ غرضیکہ استری جاتی کے پاس کچھ بھی نہیں تھا ہاں اگر کچھ تھا۔ تو وہ شودر کا درجہ۔ اپمان کی پراکاشٹھا اور جہالت کی انتہا تھی۔ کون کہے کہ یہ جیون بھی کچھ جیون تھا۔ یہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی۔ رشی نے استری جاتی کی اس ادھوگتی کو دیکھ کر شرتی کے بل سے استری جاتی کو اس کی اپنی اصلی جگہ دی۔ ودیا کا جو ادھیکار اس سے چھینا گیا تھا۔ وہ پھر دلایا اور اودیا ہی سب برائیوں کی جڑ ہے رشی نے جڑ کو پکڑا۔ اور سب خرابیاں دور کیں۔ اودیا کے دنوں میں ایک ہندو استری کی دشا اس ہرنی کے سمان تھی جس کے پیچھے شکاری دوڑ رہے ہیں۔ دونوں طرف جنگل میں بھیانک آگ لگ رہی ہے۔ آگے ایک بھینکر ندی ہے ہندو رمنی کو ایک طرف سماج دن دوگرہ ستاتے تھے۔ دوسری طرف بھوت پریت اس کے سر پر سوار تھے۔ ایک طرف کُریتیاں اُسے مارے ڈالتی تھیں۔ دوسری طرف توہمات۔ ٹونے اور بابا لوگوں کے مایا جال نے اسے پھنسا رکھا تھا۔ اب بیچاری جائے تو کہاں جائے۔ لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔ جن بہنوں نے ستیارتھ پرکاش کا ایک بار درشن کر لیا۔ اس کے گیان نیتر پورن روپ سے کھل گئے جس نے آریہ سماج مندر میں جا کر دو چار دھرم اُپدیش سُنے۔ اس کے متھیا بھرم دور ہو جاتے ہیں۔ استری جاتی کا ناش کرنے والی بال وواہ کی رسم تھی۔ ننھی بچیوں پر وواہت جیون کا بوجھ ڈالا جاتا تھا وہ اپنے کرتویہ کو کچھ بھی نہیں جانتی ہیں شوک تو یہ ہے۔ کہ ایسی بچیاں ودھوا ہوتی تھیں اور اب بھی کتنی ہزار ودھوائیں ہیں۔ جن کے ابھی دودھ کے دانت بھی نہیں ٹوٹے۔ ایسی کومل ننھی ننھی بچیوں کا ودھوا ہو جانا ہمارے دیش اور استری جاتی کی اوستھا کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے کیا اس حالت میں استری جاتی جیتی تھی؟ کیا وہ کومل بچیاں زندہ تھیں۔ میں تو کہوں گی وہ جینا نہیں تھا مرتیو تھی۔ وہ زندگی نہیں تھی۔ سسکنا اور تڑپنا تھا۔ آج بھی آریہ ہندو جاتی کے اندر ایک کروڑ سے زیادہ ودھوائیں بیرنت دوگتی ہو رہی ہیں۔ اس کا کارن یہی ہے۔ کہ پرتھا بہت بگڑ چکی ہے۔ رشی دیانند نے اس کو سدھارنے کی زبردست کوشش کی۔ لیکن ابھی بھاری ہمت کی ضرورت

آپ کی تصویر!

(از قلم جادو رقم مشہور و معروف فسانہ نویس منشی پریم چند جی)

(۱)

لوگ مجھ سے کہتے ہیں۔ تم بھی مورتی پوجک ہو۔ تم نے بھی تو سوامی دیانند کی تصویر اپنے کمرہ میں لٹکا رکھی ہے۔ مانا تم اسے جل نہیں چڑھاتے اس کو بھوگ نہیں لگاتے۔ گھنٹہ نہیں بجاتے۔ اُسے اسنان نہیں کراتے۔ اس کا شرنگار نہیں کرتے۔ اس کا سوانگ نہیں بناتے۔ لیکن اُسے نمسکار تو کرتے ہی ہو۔ اس کے سامنے سر تسلیم تو جھکاتے ہی ہو۔ کبھی کبھی مالے پھولوں سے بھی اس کی تعظیم کرتے ہو۔ یہ پرستش نہیں تو اور کیا ہے؟ جواب دیتا ہوں کہ صاحب اس تعظیم اور پرستش میں فرق ہے۔ بہت بڑا فرق ہے۔ میں اسے اپنے کمرہ میں اس لئے نہیں لٹکائے ہوئے ہوں کہ اس کے درشن سے میری نجات ہو گی۔ میں تناسخ کی قیدوں سے آزاد ہو جاؤنگا۔ محض اس کی صورت دیکھنے سے میرے سارے پاپ دُھل جائیں گے۔ یا میں انہیں خوش کر کے اپنا مقدمہ جیت جاؤں گا۔ یا دشمن پر فتح پا جاؤنگا۔ یا اور کسی طریقے سے میرا دینی یا دنیاوی مقصد حل ہو جائے گا۔ میں اسے صرف اس وجہ سے اپنے کمرہ میں لٹکائے ہوئے ہوں۔ کہ سوامی جی کی زندگی کا اعلیٰ معیار پاکیزہ معیار، ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ جس وقت اہل دنیا کے برتاؤ سے دل بیزار ہو۔ جس وقت ترغیبات سے قدم میں لغزش ہو یا انتظام کی خواہش سینہ میں موجزن ہو۔ یا زندگی کی کٹھن منزلیں ہمت کو پست کرنے لگیں۔ اس وقت اس مقدس صورت کے درشنوں سے دل بیقرار کو سکون ہو۔ پائے ثبات قائم رہے۔ اور عفو و تحمل کے راستہ پر چل سکیں۔ اور میں تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ اس تصویر سے مجھے فیض پہنچا ہے۔ اور ایک بار نہیں کئی بار۔

(۲)

بہت دنوں کی بات ہے۔ میں ایک بڑی ریاست کا معتمد ملازم تھا۔ حسب عادت مرنجان مرنج اصلح کل، ریاست کی فرقہ بندیوں سے محترز۔ نہ ادھر نہ اُدھر اپنے کام سے کام۔ محل میں آئے دن نئے نئے شگوفے کھلتے رہتے تھے۔ نئے نئے تماشے ہوتے رہتے تھے۔ نئی نئی سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ مجھے کسی فریق سے سروکار نہ تھا۔ شاید اس لئے راجہ صاحب کی مجھ پر عنایت رہتی تھی۔ راجہ صاحب بنور، باحمیت، آزادانہ رو اور کسی قدر خود پرور فرمانروا تھے۔ رزیڈنٹ کی خوشامدیں کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔ جن اخباروں سے دوسری ریاستیں بدظن تھیں۔ اور اپنے حلقہ میں ان کے داخلہ کی ممانعت کر دی تھی۔ وہ سب ہماری ریاست میں بے تکلف آتے تھے۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ ایک دوبار رزیڈنٹ کی جانب سے اس کی تحریک ضرور ہوئی تھی۔ پر راجہ صاحب نے مطلق پرواہ نہ کی۔ اپنے اندرونی انتظامات میں وہ کسی غیر کی مداخلت پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے رزیڈنٹ بھی ان سے بدظن تھا۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ راجہ صاحب دور اندیش، کفایت شعار، خوش انتظام، بیدار مغز آدمی تھے۔ یہ بات نہ تھی۔ وہ نہایت عیش پسند، رنگین مزاج بلکہ شہوت پرور تھے۔ رنواس میں درجنوں ہی رانیاں تھیں۔ پھر بھی آئے دن نئی چڑیاں آتی رہتی تھیں۔ اس مد میں مطلق کفایت یا کنجوسی نہ کی جاتی تھی۔ حسن پرستی اُن کی طبیعت ثانی ہو گئی تھی۔ اس کے لئے وہ دین، ایمان تک قربان کر دینے کو تیار رہتے تھے۔ وہ مطلق العنان رہنا چاہتے تھے۔ اور چونکہ یوروپین حکام انہیں قیود کا پابند رکھنا چاہتے تھے۔ وہ انہیں چڑانے کے لئے ایسے معاملوں میں غیر معمولی خیرات کر بیٹھتے تھے۔ جن میں انہیں رعایا کی رفاہیت و حمایت کا پورا اعتماد تھا۔

ادھر کچھ دنوں سے ایک پنجابی عورت رنواس میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں مشہور تھیں۔ کوئی کہتا تھا۔ بازاری طوائف ہے۔ کوئی ایکٹرس بتلاتا تھا۔ کوئی بھلے گھر کی لڑکی۔ حسن کے اعتبار سے اُسے لاثانی کہا جا سکتا تھا۔ مگر راجہ صاحب اُس پہ دل و جان سے نثار تھے۔ انتظامی معاملات میں یوں بھی انہیں دلچسپی نہ تھی مگر اب تو وہ فنا فی العشق ہو گئے تھے۔ اس کے لئے علیحدہ محل تعمیر ہو رہا تھا۔ روزانہ نئے نئے تحائف آتے رہتے تھے۔ اس کی آرائش کے لئے یورپ سے تصویریں اور ظروف

منگوائے گئے تھے۔ وہ گانا اور ناچنا سکھانے کے لئے اٹلی اور فرانس اور جرمنی کے استاد بلائے گئے تھے۔ ساری ریاست میں اسی کا نام زور دہ تھا۔ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ کہ آخر اس حسینہ میں ایسی ہی صفت ہے۔ جس نے راجہ صاحب کو اس قدر از خود رفتہ بنا رکھا ہے؛

ایک دن رات کو میں کھانا کھا کر لیٹا ہی تھا کہ راجہ صاحب نے یاد فرمایا۔ تعجب ہوا۔ کہ اس وقت خلاف معمول کیوں طلبی ہوئی؟ میں راجہ صاحب کے خاص معتمدوں میں نہ تھا۔ اس وجہ سے دہشت بھی ہوئی۔ کہ کہیں کوئی آفت تو نہیں آنے والی ہے۔ ریاستوں میں ایسے اتفاقات کم نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کسی بد اندیش نے میری شکایت کر دی ہو۔ فوراً تیار ہوا۔ اور با دل ناخواستہ اور لرزاں راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن پہلی نگاہ ہی میں میرے اندیشے مٹ گئے۔ راجہ صاحب کے چہرہ پر غصہ کی حسرت اور غم چھایا ہوا تھا۔ آنکھوں میں ایک التجا تھی۔ مجھے دیکھتے ہی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولے۔ کیوں جی سردار صاحب! تم نے کبھی محبت کی ہے؟ کسی کی محبت میں اپنے آپ کو فراموش کیا ہے؟

میں نے بے تکلفانہ گفتگو سنی۔ تو سمجھ گیا۔ کہ اس وقت ادب و لحاظ کی ضرورت نہیں راجہ صاحب کسی ذاتی معاملہ میں مجھ سے بے تکلف مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ بولا حضور ایسا تو کبھی اتفاق نہیں ہوا؛

راجہ صاحب نے میری طرف خاص لطف سے بڑھ کر کہا۔ سچ! تم بڑے خوش نصیب ہو۔ اچھا ہوا کہ تم اس جال میں نہیں پھنسے۔ یہ خوش رنگ سنہرا جال ہے۔ یہ میٹھا مگر قاتل زہر ہے۔ یہ دلفریب مگر نگاہ سوز نظارہ ہے۔ یہ وہ نغمہ شیریں ہے جو انسان کو ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے؛

انہوں نے گلاس شراب سے بھرا اور ایک چسکی لے کر بولے:۔

جانتے ہو۔ میں نے اس سرفرازی کے لئے کتنی ذلتیں اٹھائی تھیں۔ میں اس کے ابرو کے اشارہ پر اپنا سر تک قربان کر کے اس کے پیروں پر رکھ سکتا تھا۔ یہ ساری اس کے ناموں پر نثار کر سکتا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے میں نے اس کا پلنگ بچھایا ہے۔ اسے حقہ بھر بھر کر پلایا ہے۔ اس کے کمرہ کی خاکروبی کی ہے۔ وہ پلنگ سے اترتی تھی۔ تو میں اس کی زیر پائی سیدھی کرتا تھا۔ ان خدمتوں میں مجھے کتنا لطف حاصل ہوتا تھا۔ کتنی خوشی ہوتی تھی۔ تم سے بیان نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس کے سامنے جاکر اس کی رضا کا غلام ہو جاتا تھا۔ امارت اور ریاست کا غرور میرے دل سے کافور ہو جاتا تھا۔ اس انکساری میں مجھے کائنات کی دولت مل جاتی تھی۔ مگر اس ظالم نے مجھ سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ شاید وہ مجھے اپنے قابل ہی نہیں سمجھتی تھی۔ مجھے یہ تمنا ہی رہ گئی۔ کہ وہ ایک بار اپنی ان مستانہ اور رسیلی آنکھوں سے میری طرف دیکھتی۔ ایک بار ان شگفتہ ہونٹوں سے میری طرف مسکراتی۔ میں نے سمجھا تھا۔ شاید وہ پرستش ہی کی چیز ہے۔ شاید اسکی فطرت ہی اس طرح بے نیاز واقع ہوئی ہے۔ شاید اس میں درد محبت کا احساس ہی نہیں۔ شاید وہ ان رموز سے ناآشنا ہے۔ اب تک میں نے سمجھا تھا۔ شاید ابھی الہڑ پن اسے اظہار میں مانع ہے۔ میں اس امید سے اپنے دل محزون کو تسکین دیتا تھا۔ کہ کبھی تو میری جان نثاریاں منظور ہونگی۔ کبھی تو اس کے جذبات خفتہ بیدار ہوں گے؛

راجہ صاحب یکایک خاموش ہو گئے۔ پھر قد آدم شیشے کی طرف دیکھکر مطمئن انداز سے بولے۔ میں اتنا بدصورت تو نہیں ہوں کہ کوئی حسینہ مجھ سے اس قدر احتراز کرے۔

راجہ صاحب نہایت وجیہ آدمی تھے۔ اونچا قد۔ فراخ سینہ۔ سیب کا سا رنگ۔ مردانہ حسن کی تصویر۔

میں نے دلیرانہ لہجہ میں کہا۔ اس معاملہ میں تو فطرت نے حضور کے ساتھ غیر معمولی فیاضی سے کام لیا ہے؛

راجہ صاحب کے چہرہ پر ایک ہلکا سا مایوسانہ تبسم نظر آیا۔ مگر پھر ان کی حسرت طاری ہو گئی۔ بولے سردار صاحب! میں نے اس بازار حسن کی خوب سیر کی ہے۔ تسخیر اور دلکشی کرن کے جتنے نسخے ہیں۔ ایک ایک سے واقف ہوں۔ مگر جن نسخوں سے میں نے اب تک ہمیشہ فتح پائی ہے۔ وہ سب اس موقع پر بے اثر ثابت ہو گئے۔ آخر میں نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ اس پیکر حسن میں حس ہی نہیں مگر افسوس! کل مجھ پر اس بے نیازی اور بے التفاتی کا راز کھل گیا۔ آہ! کاش یہ راز ابھی کچھ دنوں اور مجھ سے پوشیدہ رہتا۔ کچھ دنوں اور میں اسی عالم بے خودی میں اسی بے خبری میں پڑا رہتا؛

راجہ صاحب کے چہرہ پر حسرت کی جگہ برافروختگی و تندی کا شعلہ نمودار ہوا؛ دیکھئے یہ وہ خطوط ہیں۔ جو کل مجھے خفیہ

طور پر ہاتھ لگے ہیں۔ میں اس وقت اس امر کی تفتیش کرنا بے کار سمجھتا ہوں۔ کہ یہ خطوط میرے پاس کس نے بھیجے اُسے کہاں ملے۔ یہ سرفراز کے کسی بد اندیش کی کارروائی ہوگی مجھے تو صرف یہ تحقیق کرنا ہے کہ یہ خطوط اصلی ہیں یا مصنوعی مجھے ان کے اصلی ہونے پہ ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے۔ میں نے سرفراز کی تحریر دیکھی ہے۔ اس کی گفتگو کا اندازہ کیا ہے۔ اُس کی زبان پر جو الفاظ چڑھے ہوتے ہیں میں اُن سے خوب مانوس ہوں۔ ان خطوط میں وہی تحریر ہے۔ سر مو فرق نہیں، وہی انداز وہی بیان ہے۔ وہی الفاظ ہیں۔ ادھر میں اک ایک نگاہ تبسم ۔ ایک ادا کے لئے ترستا ہوں۔ ادھر یار دل کے نام عاشقانہ خطوط لکھے جاتے ہیں۔ جن سے دشکایات رنگین کے دفتر کھولے جاتے ہیں۔ ان خطوط کو میں نے پڑھا ہے۔ پتھر کا دل کر کے پڑھا ہے۔ خون کا گھونٹ پی پی کر پڑھا ہے۔

راجہ صاحب کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

خون کا گھونٹ پی پی کر پڑھا ہے۔ اور اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کر پڑھا ہے۔ آنکھوں سے خون کے قطرے نکل نکل آتے ہیں۔ اُف! اے خدا۔ یہ ثریا چاتر میرے محل میں رہکر میری نازبرداریوں کے سایہ میں زندگی کی بہترین نعمتوں کا لطف اٹھا کر میری خاکروبیوں اور جاں نثاریوں کو پیروں سے کچل کر یہ رازونیاز لکھے جاتے ہیں۔ مجھے کھارے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ دوسرے پر آب مقطر کی بارش کی جا رہی تھی۔ میرے لئے ایک پھیکی پھسا نہیں دوسرے کے لئے خوان نعمت حاضر کیا جا رہا تھا۔ اُف! تم قیاس نہیں کر سکتے۔ ان خطوط کو پڑھکر میری کیا حالت ہوئی۔

پہلا ولولہ جو میرے دل میں آیا۔ وہ یہ تھا کہ اسی وقت تلوار لے کر جاؤں۔ اور اس بیدرد کے سامنے۔ اسی کے پیروں پر یہ خنجر اپنے سینے میں چبھا لوں۔ اسی کی آنکھوں کے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر تڑپ تڑپ کر مر جاؤں شائد میرے بعد وہ میری محبت کی قدر کرے میرے خون کے گرم فوارے اس کے پتھر دل کو پگھلا دیں۔ اس بیرحم کو معلوم ہو کہ محبت کیا شے ہے۔ لیکن دل کے نامعلوم کس گوشہ سے آواز آئی۔ یہ سراسر حماقت ہے! تم مر جاؤگے اور ساحرہ تمہارے زر و جواہر سے دامن بھرے۔ تمہارے عطیات سے گرانبار، دل میں تمہاری حماقت پر ہنستی ہوئی دوسرے دل اپنے گلشن میں چلی جائے گی۔ اور دونوں تمہاری دولت کے مزے اڑائیں گے۔ اور تمہاری لوح مضطرب پر ٹھوکریں ماریں گے۔

سردار صاحب! یقین مانئے یہ آواز مجھے اپنے ہی دل کے کسی گوشہ سے آئی۔ میں نے اُسی وقت تلوار کمر سے نکال کر رکھدی۔ یہ خیال ترک کر دیا ایک ہی لمحہ میں انتقام کا دورہ پیدا ہوا۔ دل میں ایک شعلہ سا اٹھا۔ اُف! کتنی جانسوز تھی۔ وہ بیٹے نہ کتنا بے تاب کئے تھا وہ اشتعال۔ ایک ایک رونگٹے سے آگ نکل رہی تھی۔ اٹھا کہ اسی وقت جا کر اس کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دیا جن آنکھوں کی ایک نگاہ کے لئے اپنی جان نثار کرتا تھا۔ انہیں ہمیشہ کے لئے بند کر دوں۔ ان قاتل زہریلے ہونٹوں کو ہمیشہ کے لئے سیاہ کر دوں۔ جس سینہ میں اتنا تنافل۔ اتنی بے مہری۔ اتنی بے وفائی بھری ہوئی ہو۔ اُسے پیروں سے کچل ڈالوں خون سا سر پر سوار ہو گیا۔ سرفراز کی ساری دلبر سائیاں۔ ساری رعنائیاں۔ ساری خوش اندازیاں مکروہ معلوم ہونے لگیں۔ اس وقت اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ سرفراز کو کسی نے قتل کر ڈالا ہے۔ تو شائد میں قاتل کے پیروں کو بوسہ دیتا۔ اگر دیکھتا کہ وہ نزع کی حالت میں ہے۔ تو اس کے دم توڑنے کا تماشہ دیکھتا۔ میں خون کا مصمم ارادہ کر کے دوسری تلوار میں کمر سے لگائے اس حریم ناز میں داخل ہوا۔ جس دروازہ پر جاتے ہی دل میں اُمید و بیم کی کشمکش ہونے لگتی تھی۔ وہاں پہنچکر اس وقت مجھے سفاکانہ مسرت ہوئی۔

سردار صاحب! اُن کیفیات اور جذبات کا ذکر نہ کروں گا۔ جو اس وقت میرے دل پر طاری ہوئیں زبان میں اتنی طاقت ہوتی۔ تو دل کو اس کے بیان میں لانا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں نے کمرہ میں قدم رکھا۔ سرفراز خواب ناز میں مست تھی۔ اُسے دیکھکر میرے دل میں ایک عجیب رقت طاری ہوئی۔ جی ہاں وہ غیظ و غضب نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ اُس کی بجائے رقت کا غلبہ ہوا اس کی کیا خطا ہے؟ یہ سوال ایک ناگہانی طور پہ میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس کی کیا خطا ہے۔ اگر اس کی بھی خطا ہے؟ جو میری ہے۔ تو مجھے اس کے انتقام لینے کا کیا حق ہے؟ اگر وہ اپنے محبوب کے لئے اتنی ہی مضطرب۔ اتنی ہی بیتاب اتنی ہی از خود رفتہ ہے۔ جتنا میں ہوں۔ تو اس کی کیا خطا ہے۔ جس طرح میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ کیا وہ بھی اپنے دل سے مجبور نہیں ہو سکتی اگر مجھے کوئی عورت گرفتار کرے اور زر و جواہر سے میری محبت خریدنا چاہے۔ تو کیا میں اس کا دم بھرنے لگونگا؟ شائد نہیں۔ میں موقع پاتے ہی راہ فرار اختیار کرونگا۔ یہ میری بے انصافی ہے ستم ناروا۔ اگر مجھ میں وہ اوصاف ہوتے جو اس کے نامعلوم آشنا میں ہیں۔ تو کیوں ...

اس کی طبیعت میری جانب مائل نہ ہوتی۔ مجھ میں وہ اوصاف نہیں ہیں۔ جو وہ اپنے محبوب میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اگر مجھے کڑوی چیز اچھی نہیں لگتی۔ تو میں قدرتاً حلوائی کی دکان کی طرف جاؤں گا۔ جو مٹھائیاں بیچتا ہے۔ ممکن ہے رفتہ رفتہ میرا مذاق بدل جائے۔ اور میں کڑوی چیزیں پسند کرنے لگوں۔ لیکن جبراً تلوار کی نوک پر کوئی مجھے کڑوی چیز کی طرف رغبت نہیں دلا سکتا؛

ان خیالات نے مجھے نرم کر دیا۔ وہ عورت جو مجھے ایک لمحہ پہلے مکروہ معلوم ہوتی تھی۔ پھر صد گنا دلربا نظر آئی۔ اب تک میں نے اس کو محو خواب نہ دیکھا تھا۔ عالم خواب میں اس کا حسن زیادہ پاکیزہ اور لطیف نظر آیا۔ جیسے بارش کے بعد پھول۔ علاوہ بیداری میں وہ اجتماعی کشش نہ تھی۔ نگاہ کبھی آنکھوں کے بوسے لیتی۔ کبھی لبوں کے۔ کبھی رخساروں کے۔ اس عالم خواب میں اس کا جلوہ حسن مسلم تھا۔ حسن کی ایک شمع روشن تھی۔ جس کا مرکز نگاہ کے لئے کوئی خاص نقطہ نہ تھا؛

راجہ صاحب نے ایک معذرت آمیز تبسم کے ساتھ پھر ساغر منہ سے لگایا۔ اور بولے سردار صاحب! میرا جوش انتقام فرو ہو گیا۔ جس سے محبت ہو گئی۔ اس سے نفرت نہیں ہو سکتی۔ خواہ ہمارے ساتھ کتنی ہی بے وفائیاں کرے۔ جہاں معشوق عاشق کے ہاتھوں قتل ہو۔ وہاں سمجھ لیجئے۔ کہ محبت نہ تھی صرف نفس پروری تھی۔ میں وہاں سے چلا آیا۔ لیکن دل کو کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔ جب سے اس وقت تک میں نے غصہ کو ضبط کرنے کی بحد امکان کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ جب تک وہ شیطان زندہ ہے۔ میرے پہلو میں ایک کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ میری چھاتی پر سانپ لوٹتا رہے گا۔ میرے لئے خواب و خور حرام ہے۔ نہ ہی مار سیاہ میرے خزانہ تک پہنچنے میں مانع ہو رہا ہے۔ نہ ہی میرے اور سرفراز کے بیچ میں دیوار حائل ہے۔ نہ ہی اس دودھ کی مکھی ہے۔ اس سانپ کا سر کچلنا ہوگا۔ اس دیوار کو منہدم کرنا ہوگا۔ اس مکھی کو نکال کر پھینکنا ہوگا۔ جب تک میں اپنی آنکھوں سے اس کی دھجیاں بکھرتے نہ دیکھوں گا۔ میری روح کو تسکین نہ ہوگی۔ مال کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو۔ مگر اس کو واصل جہنم کر کے دم لونگا؛

یہ کہکر راجہ صاحب نے میری طرف سائلانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ بتلائیے۔ آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟

میری زبان سے کلمہ حیرت نکلا "میں"!

راجہ صاحب نے پیالہ جو صد بڑھاتے ہوئے کہا۔ ہاں آپ۔ آپ جانتے ہیں میں نے اتنے آدمیوں کو چھوڑ کر آپ کو کیوں اپنا محرم راز بنایا۔ اور کیوں آپ سے استدعا کی؟ یہاں ایسے آدمیوں کی کمی نہیں ہے جو میرا اشارہ پاتے ہی اس مردود کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔ سرفراز سے خاک و خون میں ملا دیں گے۔ جی ہاں! ایک اشارے سے اس کو بوٹیوں کا برادہ بنوا سکتا ہوں۔ اس کے ناخنوں میں کیلیں ٹھکوا سکتا ہوں۔ مگر میں نے سب کو چھوڑ کر آپ کا انتخاب کیا۔ جانتے ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ مجھے تمہارے اوپر اعتبار ہے۔ وہ اعتبار جو مجھے اپنے قریب ترین آدمیوں پر بھی نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ تمہارے سینہ میں یہ راز اتنا ہی محفوظ رہے گا۔ جتنا میرے۔ مجھے اعتبار ہے۔ کہ تحریص اپنا انتہائی زور صرف کر کے بھی تمہیں نہیں ہلا سکتی۔ حیوانی تشدد اور ظالمانہ ایذا تمہارے ہونٹ کو نہیں کھول سکتے۔ تم بے وفائی نہ کرو گے۔ نہ غدار بنو گے۔ اس موقعہ سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ گے۔ جانتے ہو۔ اس کا صلہ کیا ہوگا؟ اس کے متعلق تم کوئی اندیشہ کرو۔ مجھ میں اور کتنے ہی عیوب ہوں۔ احسان فراموشی کا عیب نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا صلہ جو میرے امکان میں ہے۔ وہ تمہارے قدموں پر رکھ دیا جائیگا منصب۔ جاگیر۔ دولت۔ اعزاز تمہارے حسب خواہش عطا ہوں گے۔ تم خود اس کے مختار کامل ہو گے۔ کوئی مداخلت نہ کرے گا حرص اور ارمان کو انتہائی پرواز کی آزادی ہوگی۔ قدر دانی کے قدیم افسانے پھر زندہ ہو جائیں گے۔ تم خود فرمان لکھو گے۔ اور میں اس پر آنکھیں بند کر کے دستخط کروں گا۔ بولو کب چلنا چاہتے ہو۔ اس کا نام اور پتہ اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ اسے ذہن میں نقش کر لو۔ اور کاغذ پھاڑ ڈالو۔ یہ کتنی بڑی ذمہ داری تمہارے اوپر رکھی ہے۔ میری تمہاری مٹھی میں ہے۔ تم اسے بنا اور بگاڑ سکتے ہو۔ مجھے یقین ہے۔ کہ تم اس کام کو بوجوہ احسن انجام دو گے۔ جنہیں اپنا شریک کار بناؤ گے۔ وہ بھروسے کے آدمی ہوں گے۔ انتہائی فراست۔ انتہائی دور اندیشی اور انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ ایک غیر محتاط لفظ۔ ذرہ برابر لاپرواہی۔ ایک لمحہ کی تاخیر۔ میرے اور تمہارے دونوں کے حق میں سم قاتل ہوگی۔ دشمن گھات میں بیٹھا ہوا ہے۔ تاکہ وہ گناہ گدی سے معزول کرنے کی تجویزیں سوچ رہا

جا رہی ہیں۔ گناہ کرنے پر کیا سزا ہوگی۔ اس کا اندازہ تم کر سکتے ہو۔ میں کسی دور دراز کوہستانی علاقہ میں بند کر دیا جاؤنگا۔ ریاست غیروں کے تصرف میں چلی جائے گی۔ اور میری زندگی غارت ہو جائے گی۔ تو کب جاؤ گے۔ یہ امپیریل بنک کا چیک بک ہے۔ میں نے چیکوں پر دستخط کر دیئے ہیں۔ جب اور جتنے روپیوں کی ضرورت ہو لے لینا +

میرا دماغ عرش معلّی پر جا پہنچا۔ اب مجھے معلوم ہوا۔ کہ شرنت میں تالیف کی کتنی قوت ہوتی ہے۔ کیوں لوگ اس کے آگے اپنے پر سجدے کرتے ہیں۔ مجھ جیسے کو ئی نشہ ہو گیا۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ اپنی تقدیر کی تعمیر کا موقعہ زندگی میں ہر ایک انسان کو ملتا ہے۔ اور ایک ہی بار۔ جو اس موقعہ کو دونو ہاتھوں سے پکڑ لیتا ہے۔ وہ کامیاب ہے جو شش و پنج میں پڑ کر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ وہ ناکام ہے۔ ایک کو دولت عزت اور شہرت نصیب ہوتی ہے۔ دوسرا عُسرت اور افلاس اور نکبت میں زندگی کے دن کاٹتا ہے۔ فیصلہ کرنے کے لئے صرف ایک منٹ۔ بلکہ صرف ایک لمحہ کا وقت ملتا ہے۔ کتنا بیش قیمت ہے۔ وہ لمحہ۔

میری زندگی میں یہ وہی لمحہ تھا۔ میں نے اُسے دونوں ہاتھوں سے پکڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ تقدیر اپنی بہترین نعمتوں کا طشت لئے میرے سامنے حاضر ہے۔ وہ ساری برکتیں جن کے لئے انسان مرتا اور جیتا ہے میرا خیر مقدم کرنے کے لئے کھڑی ہیں۔ مانا خطرناک کام ہے۔ لیکن صدف تو دیکھو۔ دریا میں غوطہ لگانے سے ہی دُرِ یتیم ملتا ہے۔ کنارے پر بیٹھنے والے سبکساران ساحل کے لئے خرمہروں کے سوا اور کیا ہے۔ اور بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگنا پڑیگا۔ کیا مضائقہ ہے۔ خون ہی عروج کا زینہ ہے یہ دُنیا کا راز حیات ہے۔ یہاں لاشوں کے زینے بنا کر بام رفعت پر چڑھنا پڑتا ہے۔ خون کے نالوں میں تیر کر ہی نجح کا ساحل ملتا ہے۔ گزرے دیش کے واقعات کو دیکھو۔ تاریخ دیکھو۔ کامیاب زندگیوں کی داستان خونی حرفوں ہی میں لکھی ہوتی ہے۔ دلیر دل نے ہمیشہ خون کے دریا سے شادی کی ہے۔ خون کی ہولیاں کھیلی ہیں۔ خون کا خوف پست ہمتی اور ضعف کی دلیل ہے۔ شورما کی نگاہ منزل پر رہتی ہے۔ راستہ پر نہیں۔ چوٹی پر رہتی ہے۔ دامن کوہ پر نہیں۔ اب

یہ دلیش کا موقعہ نہیں۔ نیک و بد کی فکر اہل عمل کو نہیں ہوتی +

میں نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ غلام اس خدمت کے لئے حاضر ہے +

راجہ صاحب نے نگاہ تحسین سے دیکھ کر کہا۔ مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔ تمہارا دل کہتا ہے۔ کہ یہ کام پورا کر آؤ گے؟

"مجھے یقین ہے"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔ دیکھو مجھے پل پل کی خبریں بھیجتے رہنا۔ اخفائے کامل شرط ہے +"

"ایشور نے چاہا۔ تو حضور کو شکایت کا کوئی موقعہ نہ ہوگا +"

"ایشور کا نام نہ لو۔ ایشور ایسے موقعوں کے لئے نہیں ہے۔ ایشور کی مدد اُس وقت مانگو جب اپنا دل کمزور ہو۔ جس کے بازوؤں میں قوت۔ دل میں ارادہ اور عزم۔ دماغ میں دانائی اور ہمت ہے۔ وہ ایشور کا دست نگر کیوں بنے۔ اچھا جاؤ۔ اور جلد سرخرو ہو کر آؤ۔ آنکھیں تمہارے انتظار میں دروازہ پر کھڑی رہیں گی +"

(۳)

میں نے ضمیر کی تحریکات کو سر تک نہ اٹھانے دیا۔ میرا نفس اس بدنصیب کو گردن زدنی دلیلیں پیش کرنے لگا۔ اُسے کیا حق تھا۔ کہ وہ سرفراز سے ایسے تعلقات رکھے۔ جب اُسے معلوم تھا۔ کہ راجہ صاحب نے اُسے اپنے حرم میں داخل کر لیا ہے یہ قریب قریب اتنا ہی سنگین جرم ہے جتنا

کسی بیاہتا کو اغوا کرنا۔ سرفراز ہر ایک اعتبار سے منکوحہ ہے۔ بلکہ منکوحہ سے بھی بڑھکر ہے۔ ایسی حسینہ سے نامہ و پیام جاری کرنا اور اس پر ڈورے ڈالنا ہرگز قابل معافی نہیں ایسے سنگین جرم کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہو۔ تو کوئی افسوس کی بات نہیں۔ اگر میرے دل میں اس وقت تک کچھ ضعف۔ کچھ دبدھا۔ کچھ وسواس تھا۔ تو اس دلیل نے اُسے دور کر دیا حق کا انصاف جرأت کا ستر ہے۔ اب وہ خون میری نظروں میں خون ناحق نہیں۔ خون ناروا نہیں۔ بلکہ خون جائز تھا۔ اور اس سے منہ موڑنا شرمناک بزدلی +

ٹرین جانے میں ابھی دو گھنٹہ کی دیر تھی۔ رات بھر کا سفر تھا۔ لیکن مجھے کھانے کی اشتہا مطلق نہ تھی۔ میں نے سفر کی تیاریاں شروع کیں۔ بازار سے ایک نقلی داڑھی لایا۔ شاید اس کی ضرورت پڑے۔ ٹرنک میں دو ریوالور رکھ لئے۔ پھر سوچنے لگا کہ کسے اپنے ساتھ لے چلوں۔ آغاز کیسے ہو۔ یہاں سے کسی کو لے جانا تو مصلحت کے خلاف ہے۔ پھر کیا اپنے بھائی صاحب کو تار دوں؟ ہاں یہی مناسب ہے۔ اُنہیں لکھ دوں۔ مجھ سے بمبئی میں ملیں وہ چلتے ہوئے آدمی ہیں۔ لیکن نہیں۔ مفت میں بھائی صاحب کو کیوں پھنسا دوں۔ کون جانے کیا ہو۔ بمبئی میں ایسے آدمیوں کی کیا کمی۔ ایک لاکھ روپیہ کا لالچ دونگا۔ چٹکیوں میں کام ہو جائے گا۔ وہاں ایک سے ایک شاطر پڑے ہوئے ہیں چاہیں۔ تو فرشتوں کا بھی خون کر آئیں۔ بس۔ اِن حضرت کو کسی حکمت سے کسی طوائف کے

کمرہ میں بند کردیں یا زندان کردیا جاتے۔ یا سمندر کے کنارے جب وقت ہو ہوا خوری کے لئے نکلیں۔

ابھی چونکہ دیر تھی اس لئے سوچا۔ لاؤ سندھیا کرلوں۔ جونہی سندھیا کے کمرہ میں قدم رکھا۔ وہاں حسب دستور جس چیز پر نگاہ پڑی وہ سوامی جی کی قدآدم تصویر تھی۔ میں یکایک چونک پڑا۔ جیسے کوئی آدمی اس وقت چور کے کندھے پر ہاتھ رکھدے۔ جب وہ بیدم اور ہو۔ میرا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ روز یہی تصویر دیکھا کرتا تھا۔ دن میں صدہا بار اس پر نگاہ پڑتی تھی۔ آج میرے دل کی جو کیفیت ہوئی وہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ معلوم ہوا وہ آنکھیں نگاہ سرزنش سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ اُن میں کتنی تنبیہ تھی۔ کتنی شرم کتنا افسوس۔ کتنی مایوسی۔ اُف! میں اُس طرف تک نہ سکا۔ فوراً آنکھیں جھکا لیں۔ ان آنکھوں کے سامنے کھڑے ہونے کی مجھے جرأت نہ ہوئی۔ وہ تصویر کی آنکھیں نہ تھیں۔ زندہ روشن۔ متحرک آنکھیں تھیں۔ دل میں نفوذ کرنے والی۔ نوک دار سلاخ کی طرح سینہ میں چبھنے والی۔ مجھے ایسا خوف ہوا کہ گر پڑوں گا۔ میں وہیں۔ فرش پر بیٹھ گیا۔ میرا سر آپ ہی آپ جھک گیا۔ بالکل نادانستہ بالکل غیر محسوس طریقہ پر میرے ارادوں میں۔ خیالات میں۔ خواہشات میں ایک انقلاب ہو گیا۔ اس صداقت کے پتلے اس نور کے مجسمے نے میری ضمیر کو منور کر دیا۔ لیکن کیا کیا جذبات پیدا ہوئے۔ اس کی مجھے خبر نہیں۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ کہ میں ایک غیبی طاقت کے زیر اثر وہاں سے نکلا۔ موٹر تیار کروائی۔ اور مجھے راجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میرے لئے انہوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی۔ جس وقت چاہوں۔ آؤں۔ ان سے ملوں میں جاکر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ اور بولا حضور کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

راجہ صاحب اس عقدہ کو اپنی دانست میں حل کر چکنے کے بعد اس وقت اطمینان کے سانس لے رہے تھے۔ بوجھ سر سے اتار کر ہلکے ہو رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں فراست سے کسی نئی الجھن کا گمان ہوا چیں بجبیں ہو گئے۔ مگر ایک ہی لمحہ میں مصلحت غالب آگئی۔ شگفتہ رو ہو کر بولے "ہاں ہاں کہئے۔ کوئی خاص بات؟"

میں نے بیوقوف بے جھجک کہا۔ "مجھے اس کام سے معذور رکھئے"

راجہ صاحب کا چہرہ سفید ہو گیا۔ میری طرف وحشت سے دیکھکر پوچھا۔ "اس کا مطلب؟"

"مجھ سے وہ کام نہ ہو سکیگا"

"کیوں؟"

"مجھ میں وہ صلاحیت نہیں ہے"

مہاراجہ صاحب نے طعن آمیز نظروں سے دیکھکر فرمایا:۔ "شاید ضمیر بیدار ہو گیا۔ کیوں؟ یہ بھی بیماری جو پست ہمتوں اور نامردوں کو ہوا کرتی ہے۔ اچھی بات ہے جاؤ"

"حضور! میں اپنے میں وہ قابلیت نہیں پاتا"

راجہ صاحب نے شیر کی طرح آتشیں آنکھوں سے دیکھتے ہوئے گرج کر کہا "مت بکو۔ نمک ......"

پھر کچھ نرم ہو کر بولے۔ "تمہاری تقدیر میں عروج اور ثروت نہیں۔ میں نے تمہیں وہ موقع دیا تھا۔ جسے کوئی دوسرا آدمی امداد غیب سمجھتا۔ مگر تم نے اُس کی قدر نہ کی۔ تمہاری تقدیر تم سے بگڑی ہوئی ہے۔ ہمیشہ غلامی کرو گے اور ٹھوکریں کھاؤ گے۔ تم جیسے آدمی کے لئے گیروے بانے ہیں۔ اور کاسہ گدائی اور ایک گوشہ عافیت۔ نیک و بد کا مسئلہ حل کرنے کے لئے انسی کی ضرورت ہے۔ یہ دنیا مردوں کے لئے ہے"

میں خاموش تھا۔ پچھتا رہا تھا۔ پہلے ہی کیوں نہ یہ عذر کیا تھا۔

راجہ صاحب نے ایک لمحے کے بعد پھر کہا "اب بھی موقعہ ہے پھر سوچ"

میں نے اسی بے باکانہ انداز سے کہا "میں نے خوب سوچ لیا۔ مجھ سے..."

راجہ صاحب ہونٹ دانتوں سے کاٹ کر بولے "بہتر ہے جاؤ۔ اور آج ہی شب کو میرے حدود کے باہر نکل جاؤ ممکن ہے۔ کل تمہیں پھر یہ موقع نہ ملے"

اسی رو میں انہوں نے مجھے نمک حرام کج فہم۔ کمینہ اور جانے کیا کیا کہا۔ میں نے سلام کیا اور چلا آیا اور اسی رات کو یکہ تنہا۔ چند کپڑے اور قدر روپیہ کا صندوق لئے ہوئے گھر سے نکل پڑا۔ ہاں وہ تصویر میرے سینہ سے لگی ہوئی تھی۔

ادھر آفتاب حلقہ مشرق میں آیا۔ ادھر میں ریاست کے حدود سے نکل کر انگریزی علاقہ میں آ پہنچا۔

پرکاش میں اشتہار دینے والے یقیناً فائدہ میں رہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں شائع شدہ اشتہار عام طور پر وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

آریہ سماج و دلت اُدھار

(از لالہ دیوی چند جی ایم اے ویدک مشنری)

دلت اُدھار کا سوال بڑا مشکل و پیچیدہ ہے۔ عام لوگ اس سوال کو آسان سمجھتے ہیں۔ مگر جو لوگ اس کے حل کرنے میں مشغول ہیں۔ اُن کا تجربہ بتاتا ہے۔ کہ یہ سوال نہایت الجھن والا ہے۔ ایک طرف تو عیسائی اپنی زبردست طاقت سے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور پانی کی طرح روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مسلمان اپنی مستحکم تنظیم و تبلیغ کے شیدائی دن رات منٹ منٹ پر ہمارے کام میں روڑا اٹکاتے ہیں۔ تیسری طرف گورنمنٹ کی گرم و سرد پالیسی۔ بعض اوقات۔ اداسینتا دلا رہی ہے۔ و بعض اوقات دلتوں کو اپنے ساتھ ملا نے۔ اُن کو حقوق دینے اور اُن کو ہندوؤں سے علیحدہ کرنے کی شطرنجی چالیں۔ ہمارے کام کو بگاڑ رہی ہیں۔ چوتھی طرف ہمارے دقیانوسی پرانے خیالات کے ہندو سناتن دھرمی بھائیوں کی مخالفت جو کہ بعض اوقات گھریلو جنگ کی مصداق بن جاتی ہے۔ اور جو سب سے زیادہ خطرناک ہے ہماری تمام کوششوں پر پانی پھیر رہی ہے۔

پانچویں طرف دو منت نئی لہریں۔ جو کہ دلتوں کے اندر سے پیدا ہوتی ہیں۔ یا جنہیں مخالف طاقتیں پیدا کرتی ہیں۔ جو لہریں کہ عجیب و غریب مطالبات آریہ سماج و ہندو سماج کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ جن کا خاطر خواہ مہیا کرنا انسانی سوسائٹی کی طاقت سے باہر ہے۔ آدھرم منڈل ان لہروں میں سے ایک نمونہ از خروارے ہے:

عیسائیت کا اتہاس بتاتا ہے۔ کہ MASS MOVEMENT تحریک عامہ نے اس کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اور وہ لوگ جن کو عیسائیت میں بنیادی لالچ و مادی فوائد کے زیر اثر عیسائی دھرم میں شامل کیا گیا تھا۔ آج عیسائیت کے لئے وبال جان ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ جو عیسائیت سے سخت بیزار ہیں۔ اور عیسائی مشنریوں کو کوس رہے ہیں۔ اُن کے اندر عیسائیت کے برخلاف اس لئے زبردست جذبہ پیدا ہو رہا ہے۔ کہ عیسائیت اُن کی دنیاوی پوزیشن کو بہتر نہیں بنا سکی۔ ان کو نوکریاں نہیں دلا سکی۔ زمین سب کے لئے مہیا نہیں کر سکی۔ ان کے بچوں کو گریجوایٹ نہیں بنا سکی ان کی غربت و افلاس دور نہیں کر سکی۔ و دیگر شہری حقوق اُن کو نہیں دلا سکی۔ یہ لوگ عیسائی دھرم کی شرن میں عیسیٰ کی زندگی کی پاکیزگی یا عیسائی دھرم کے سدھانتوں کی عظمت سے پریرت ہو کر نہیں گئے تھے۔ اُنہوں نے محض سودا کیا تھا اور اب یہ اسے گھاٹے کا سودا سمجھتے ہیں۔ جہاں دھرم میں سودا ہوتا ہے۔ وہاں نتائج ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں:

اسی قسم کا خطرہ مجھے آریہ سماج کے سامنے نظر آ رہا ہے۔ آریہ سماج کے وہ اُپدیشک و مشنری جو دلت بھائیوں کو دھرم کے نام پر۔ ویدک دھرم کی عظمت۔ مہرشی دیانند کے مشن کی پوترتا کے نام پر اپیل نہیں کرتے اور اُن کو آریہ سماج میں محض دنیاوی سکھوں۔ بھوگوں و چیزوں کا لالچ دے کر شامل کرتے ہیں۔ وہ آریہ سماج کے دوست نہیں دشمن ہیں۔ وہ آریہ سماج کی سیوا نہیں بلکہ ہانی کرتے ہیں۔ آریہ سماج غریب و دنیاوی طاقت کے لحاظ سے کمزور ہے۔ جہاں عیسائیت جس کی پشت پر زور دلہ پیتی اُمرا و گورنمنٹ موجود ہے۔ اس پہلو میں ناکامیاب رہی ہے۔ وہاں آریہ سماج سے یہ توقع کرنا کہ دلتوں کی تمام دنیاوی ضروریات یا اغراض حل کر سکیگا۔ امر محال ہے۔ ہمارے پاس سچائی ہے ہم اس سچائی کا امرت سب کو پلا سکتے ہیں۔ اس سچائی کے بل سے سب لوگ اپنی دنیاوی حالت بہتر بنا سکتے ہیں۔ مگر دلتوں کے واسطے یہ طریقہ اختیار کرنا کہ ویدک چرچ میں شامل ہو کر اُن کی دنیاوی ترقی کا سارا بار آریہ سماج کے کندھوں پر پڑ گیا ہے۔ نامناسب و غیر منصفانہ ہے۔ ہر ایک سوسائٹی کو اپنی سوشل و اقتصادی ترقی کے لئے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھنا چاہیے۔ اور کسی مذہبی جماعت پر اس ذمہ داری کو نہیں ڈالنا چاہیے:

آریہ سماج ایک چرچ ہے۔ اور ساتھ ہی یہ سوسائٹی بھی ہے۔ بطور چرچ لوگوں کی روحانی ترقی کا خیال رکھنا اس کا فرض ہے اور بطور سوسائٹی لوگوں کی دنیاوی ترقی اس کے پروگرام کا جزو ہے۔ مگر کسی سوسائٹی یا برادری کی دنیاوی ترقی کا سارا بوجھ آریہ سماج پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ جس کی طاقتوں کے حصہ دار دنیا کے سب لوگ ہیں۔ اور اس کی طاقتوں کا منقسم شدہ جزو ہی کسی ایک سوسائٹی کی دنیاوی ترقی پر خرچ ہو سکتا ہے۔ اس کام میں آریہ سماج کے سامنے دو کھیا ...

استری شکشا سمبندھی آپ کی پستکیں

بھارتیہ استریاں مجلد ایک روپیہ بارہ آنے

گرہستھ سدھار اردو چھ آنے

" ہندی بڑھیا ایڈیشن بارہ آنے

استری شکشا ہندی ۶؍ پنڈت لیکھرام جی آریہ پتھک کا استری شکشا پر لکھا ہوا انعامی مضمون ہے۔ اردو ۲؍ استری چرتر درشن ۶؍ اس میں استری جاتی کی پاتی کے متعلق اُپدیشن و درشٹانت ہیں:

سوشیلا جیون چرتر ۸؍ رادھا ایک روپیہ

نیتا پربودھ ۶؍ نتا پتی درپن ۴؍

سنتی سدھار ۸؍ سیلا اہستیا درشن ۴؍

و استری دُنیا ... بھارت ناریاں اور استری

ترم ۲؍ جیون رکشا ۲؍ ناری دھرم شکشا ۴؍

شکشو سدھار ۳؍ سیتا بن باس ۸؍ آرش

بالصفائی ۸؍ بھارت کی شجاع و بہادر استریوں کے کارنامے ۸؍ مذکورہ بالا ویدک دھرم کے متعلق دیگر پستکیں و چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ۔ سندر و ادرگوکی ستیارتھ ٹریکٹ ۔ سندر دید منتر و دیگر ... بھی مل سکتے ہیں۔ ... ملنے کا پتہ

سوامی درشنانند جی کی چند پستکیں

درشنانند گرنتھ سنگرہ جلد اول و دوم اردو ۱۰؍ سانکھیہ درشن مع اردو ترجمہ ۱؍۴ آنند پرکاش معہ اردو ترجمہ ۱۲؍ مباحثہ آگرہ اردو ۲؍ قرآن کی چھان بین ۳؍

نیائے درشن معہ اردو ترجمہ ویشیشک " " ۱؍ ویدانت " " ۱؍ درشنانند گرنتھ سنگرہ ہندی دو بھاگ ۸؍ نوین ویدانت اچھین ویدانت اردو ۲؍

مہاشے سری مدانند جی کی تصانیف
(بسوامی)

ایشور پوجا اردو ۸؍ سورگ کی سیڑھی اردو ۷؍ آریہ جیون اردو ۷؍ جگیاسو " ۳؍ گرہست سدھار " ۶؍ برہم وچار " ۵؍ شانتی سدھا ہندی ۳؍ ویدک پرارتھنا " ۱؍

ایشور طلب اردو ۳؍ ملکتی کا رستہ گیان ۴؍ یوگی اردو ۸؍ وچار درشن " ۳؍ پتری شکشا ہندی ۳؍ دھرم سادھن اردو ۲؍ ویدک پرارتھنا ۱؍ گرہ شکشا ہندی ۱؍

سوامی شردھانند جی کی چند پستکیں

ادیش مالا اردو ۳؍ صبح امید ۸؍ میری زندگی کے نشیب و فراز اردو ۸؍

سدھانتوں کی چھان بین اور مذہبی تحقیقات کے متعلق چند پستکیں

الہام اردو ۴؍ کلام الٰہی ۶؍ دی حج بجواب المنصف ۱؍ آریہ تیری گیہ ہندی ۳؍ ویدک دواد آدرش اردو ۳؍ دیوی درشن ۲؍ رد قیامت اردو ۲؍ سوورشن چکر تینوں حصے اردو ۸؍ یم ساوتری ہندی ۱؍ پوران اور رام ... ویانند برشند تر مالا ہندی ... آریہ دھرم پر ... سوامی دیانند سرسوتی ... مکمل جیون چرتر ہندی ۶؍ گیتا درشن ارتھ ہندی ۳؍ ستیارتھ درشن اردو ۴؍ عقائد اسلام پر عقلی نظر ستیہ کا نسخہ اردو ۴؍

میں مشتیں اردو ... گیان پرکاش ۸؍ گلیان مارگ ۵؍ تفتیش مول مہابھارت ۸؍ امورت سدھانت ۳؍ ویدک دھرم اور سائنس ۲؍ ہندی داخلہ ترجمہ ۴؍ ستیارتھ جولا ۳؍ اثبات تناسخ اردو ۳؍ تکذیب براہین احمدیہ ۸؍ بائیبل کلام الٰہی نہیں ۱؍ اجتماع ضدین یعنی بائیبل میں اختلافات ۶؍ توحید ہی اردو ۲؍ عالم تحقیق شدھ ۳؍ اشٹانگ یوگ ۳؍ پرکاش اردو ۳؍ لفافوں کا بھانڈا پھوڑ ۳؍ باوا نانک صاحب اور ۲؍ خدائے اسلام اردو ۴؍

میلا گنجینہ ہر دو حصہ اردو ۳؍ انجیل کلام الٰہی نہیں ۱؍ تنویر خدا احمدیت ۱۲؍ قانون کرم اردو ۱۴؍

نصرانیت اصولی ۵؍ تعمیر آریہ سماج اردو ۳؍ رد حقیقت اسلام ۲؍ ... ۳؍

متفرق پستکیں

چمن رامائن اردو ۲؍ بہادر سنگھلام ۳؍ بنگالی سدھو کا سفر نامہ ۳؍ مانو دھرم سار ... ہنسراج جی ہندی ۳؍ ویدک دھرم پرچار کے ... سادھن ہندی ۳؍ سوامی ورجانند جی ۴؍ نتیہ کرم ودھی اردو ۲؍ " " ہندی ۴؍ برہمچریہ اردو ۸؍ سندھیا رہسیہ ہندی ... اردو مہاتما ہنسراج ... مجھے ہو ترد یکھا ہندی ۳؍ دانند جی ہندی ۴؍ رشی سندیش اردو ۳؍ ویدوں کی عظمت ۳؍

آریہ اُپدیش اردو ۱؍۴ ارتھ سنگیت پورن بھگت ۴؍ امن کا شہزادہ اشتی ۱؍ زبان سندھ ۲؍ برہمچریہ شکشا ہندی ۴؍ بھگتی سماد ... ۳؍ ستیارتھ پرکاش نادر ۲؍ مہرشی درشن منظوم ۳؍ تاریخ دنیا اردو ۵؍ شریرک استری ہندی ... چانکیہ نیتی اردو ۳؍ استری شکشا اردو ۳؍ ...

ورپر چند شرما مالک ویدک پستکالیہ متصل آریہ گیان مندر - لاہور

خطرہ جو مجھے نظر آتا ہے۔ وہ اچھوتوں کی مختلف برادریوں کو جن کا پرویش آریہ سماج میں ہوتا ہے مختلف ناموں سے نامزد کرتا ہے۔ اس طرح سے تفریق و امتیاز کے بڑھ جانے کا ڈر ہے۔ اور آریہ سماج میں کئی ذاتیں اور علیحدہ علیحدہ فرقہ جات کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً ڈوم لوگ جو آریہ سماج میں شامل ہوئے انہیں مہاشہ کا نام دیا گیا۔ میگھ لوگ جو آئے انہیں بھگت کے نام سے پکارا گیا۔ چمار جو شامل ہوئے انہیں آریہ کہا گیا۔ خاکروب جو ویدک دھرم کی شرن میں آئے انہیں بالمیکی کا نام ملا۔ معلوم نہیں کہ بٹوال سریپرٹے۔ گھائی۔ ہاڈی وغیرہ ذلت قومیں جب آریہ سماج میں آئیں گی ان کو کیا نام دیا جاوے گا۔ یہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ اور آج اس غلطی کا نتیجہ ہے۔ کہ ان خطابوں سے یہ لوگ غیر مطمئن ہو رہے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ ہم مہاشہ کہلانا نہیں چاہتے۔ یہ کوئی جاتی واچک کلمہ نہیں ہے یہ محض تعریفی کلمہ ہے۔ ہمیں راجپوت کہا جاوے۔ ہمارے گوت راجپوتوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ اسی طرح سے گرا اچھوت قومیں جن کا پرویش آریہ سماج میں ہو چکا ہے۔ اپنے آپ کو براہمن کھشتری کہلوانا چاہتی ہیں۔ آریہ سماج اس قسم کی ذات پات کے برخلاف ہے۔ جس کا آدھار محض جنم یا گوتر پر ہے۔ اگر ہم دلتوں کے اس مطالبہ میں ان کی امداد کریں۔ تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ہم آریہ سماج کے سدھانت پر کلہاڑا چلائینگے اور ہمیشہ کے لئے اس ذات پات کے بھوت کو جس کا قلع قمع کرنے کے لئے رشی نے یرتن کیا اور جس کے برخلاف آریہ سماج آواز اٹھاتا رہا ہے۔ قائم کریں گے۔ جس چیز کا ہم کھنڈن کر رہے ہیں۔ اس مطالبہ میں امداد سے ہم اس کی ضرورت و عظمت کو تسلیم کریں گے۔ دلتوں کی گراوٹ کو پیشہ کی وجہ سے ہم گراوٹ تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارا یہ خیال ہے۔ کہ پیشہ کوئی بھی بذات خود برا نہیں۔ ایمانداری و نیک نیتی سے کیا ہوا ہر ایک کام انسان کو اونچا کر سکتا ہے۔ دلتوں کے لئے اونچا بننے کے لئے پیشوں کو چھوڑنا۔ اور اپنے آپ کو براہمن راجپوت اور کھشتری آدی سنبدھوں سے پکارنا ضروری نہیں ویدک دھرم کی بزرگی اس بات میں ہے کہ ہم دنیا کو ثابت کر دکھائیں۔ کہ ہمارے دھرم میں ایک جلاہا کپڑا بُنتا ہوا۔ ایک ڈوم گھاس کھودتا ہوا۔ اور ایک چمار جوتی بناتا ہوا سوسائٹی کا ایسا ہی مفید اور قابل تعظیم ممبر بن سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک بیوپاری بیوپار کرتا ہوا۔ یا ایک کھشتری تلوار چلاتا ہوا۔ یا ایک براہمن وید کی تبلیغ کرتا ہوا۔

مہاشہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہمیں راجپوت کہا جاوے۔ میرے خیال میں ان کے لئے اتنا لابھ دایک نہیں ہوگا۔ اگر ان کو یہ نام دیا جانا ضروری بھی ہو۔ تب بھی لازمی ہے۔ کہ یا تو راجپوت سبھا میں اس بات کو تسلیم کر لیں۔ اور مہاشیوں کو اپنی راجپوت برادری میں شامل کر لیں۔ اگر وہ رنگ روپ گوت خون و نسل کے خیال سے انہیں راجپوت سمجھیں۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکیں۔ تو دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ مہاشہ لوگوں کے راجپوت ہونے کا اعلان نکال دے۔ مہاشہ لوگ گورنمنٹ کے دربار میں لکھا پڑھی کریں اور اپنا کیس پیش کریں۔ میرے خیال میں مہاشیوں کو ان دونوں طریقوں میں کامیابی میسر نہیں ہوگی محض کسی جلسہ یا سبھا میں اس بات کا مشتہر کر دینا۔ کہ ہم راجپوت ہیں کافی نہیں ہے۔ اسی طرح سے سناروں نے اپنے راجپوت ہونے کا اعلان نکالا ہوا ہے۔ اور نائی برادری نے اپنے آپ کو براہمن ظاہر کیا ہوا ہے۔ مگر ان اعلانوں کی کوئی ہستی و قیمت نہیں ہے۔

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے۔ کہ جو لوگ دلتوں میں سے آریہ سماج میں پرویش کریں۔ ان سب کی سنگیا آریہ ہو۔ وہ سب اپنے آپ کو آریہ کہیں اور سچے آریہ بننے کا یتن کریں۔ جب تک گن۔ کرم سوبھاؤ سے ورنوں کی تقسیم کرنے کا بل آریہ سماج میں پیدا نہیں ہوتا۔ تب تک میرے خیال میں سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ سب دلت جاتیاں جو ویدک دھرم کی شرن میں آویں۔ وہ اپنے آپ کو آریہ کے نام سے پکاریں۔ جب گن کرم سوبھاؤ سے ہم ورن ویوستھا قائم کرنے کے لائق ہو جائیں گے۔ تب براہمن کھشتری ویش آدی ورن خود مل جاویں گے۔

میں نے آریہ سماج کے سامنے دو خطروں کا ذکر کیا ہے۔ امید ہے۔ کہ آریہ سماجیں و دیگر آریہ سنستھائیں مثلاً دیانند دلت ادھار منڈل پنجاب ہوشیارپور۔ جس کے ساتھ میرا خاص تعلق ہے۔ دیانند دلت ادھار منڈل پنجاب لاہور۔ آریہ کمار اچھوت سبھا لاہور دیگر تمام سبھائیں جو دلت ادھار کے لئے کام کر رہی ہیں اور جو ان کی حالت کو بہتر بنانا چاہتی ہیں ان دونوں باتوں کی طرف دھیان دیں گی۔ اور ان خطروں سے بچنے کے لئے کوشش کریں گی۔ اور ان کا کوئی بہترین حل تجویز کریں گی۔

پرکاش میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

شاردا بل اور رشی دیانند

(از چودھری مختار سنگھ جی ایم ایل اے۔)

مہرشی دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ کہ جب تک لڑکے کی عمر ۲۵ سال اور لڑکی کی عمر سولہ سال کم از کم نہ ہو جاوے۔ دونوں کی شادی نہ کرنی چاہیئے۔ رشی دیانند مغربی تعلیم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے بھارت ورش میں اپنے شاستروں اور پرانی تہذیب کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی۔ مگر لوگوں نے رشی دیانند کی بات کی بالکل پرواہ نہ کی۔ رشی دیانند کے بعد آریہ سماج نے بھی اس بات کی طرف زبردست کوشش کی۔ مگر بہت کم درجہ تک کامیابی ہوئی۔ اگر پچھلے اعداد کا مقابلہ کیا جاوے۔ تو پتہ لگتا ہے کہ جہاں ایک طرف اونچی ذاتوں میں بچپن کی شادیوں کی تعداد کم ہوئی ہے۔ وہاں نیچ ذاتوں میں اس قسم کی شادیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اعداد میں کوئی خاص کمی واقعہ نہیں ہوئی۔ سرکار کی جانب سے ایک کمیٹی اس بات کی تحقیقات کے لئے بنائی گئی۔ کہ وہ جگہ بجگہ دورہ کر کے شہادت لے کر عمر رضامندی کی تحقیقات کرے۔ اور اس بات کا پتہ لگا دے۔ کہ بچپن کی شادی سے کیا نقصانات پہنچے ہیں۔ یہ رپورٹ سرکار کی جانب سے شائع ہو گئی ہے۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں۔ کہ ہر انگریزی جاننے والے صاحب نے اس رپورٹ کا مطالعہ کیا ہوگا۔ جن لوگوں نے اس کا مطالعہ نہ کیا ہو۔ اُن سے میں زور دار الفاظ میں سفارش کرونگا۔ کہ وہ ضرور بالضرور اس رپورٹ کا مطالعہ کریں۔ اس کے دیکھنے سے اس بات سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ بچپن کی شادی سے قوم کو بہت زیادہ نقصان پہنچا ہے۔ ہمارے مسلمان بھائی جو یہ سمجھے بیٹھے تھے۔ کہ اُن کے اندر بچپن کی شادی کا رواج بالکل نہیں ہے۔ اُن کو بھی اب پتہ لگ گیا ہوگا۔ کہ یہ برائی اُن کے اندر بھی کافی تعداد میں پائی جاتی ہے اس رپورٹ کی وجہ سے ملک کے ہر بہی خواہ کی سمجھ میں آ گیا۔ کہ بچپن کی شادی نہایت نقصان دہ چیز ہے۔ اور اس کو بند کرنے کی سر توڑ کوشش کرنی واجب ہے۔ شاردا بل جو اسمبلی میں پیش تھا۔ اس رپورٹ کی بدولت بڑی کثرت رائے سے پاس کیا گیا۔ اور پبلک کے اندر اس بل کے پاس ہو جانے سے بڑی خوشی منائی گئی۔ اگرچہ رشی دیانند نے جس آدرش کی طرف ہندو دھرم کی توجہ دلائی ہے۔ اس سے یہ بل بہت پیچھے ہے۔ مگر اس میں ذرا شک نہیں۔ کہ یہ رشی دیانند کی آواز کی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ اور وہ زمانہ قریب آ رہا ہے۔ جبکہ رشی دیانند کے بتائے ہوئے آدرش کی طرف دنیا قدم بڑھائے گی۔ سب سے بڑی خوشی اس بات کی ہے۔ کہ رضامندی کمیٹی کے سامنے بہت سے ودوان پنڈتوں کی شہادتیں ہوئیں۔ اور اُن کو ایک زبان ہو کر یہ اقرار تسلیم کرنا پڑا۔ کہ ویدوں میں کوئی منتر ایسا نہیں ملتا جس سے اس بات کی تائید ہو سکے۔ کہ بچپن کی شادی کرنا دھرم ہے اگرچہ رشی دیانند نے بچپن کی شادی کے خلاف آواز اُٹھاتے ہوئے صاف طور پر فرمایا تھا۔ کہ ویدوں میں بچپن کی شادی کی تلقین نہیں پائی جاتی۔ گو اس وقت لوگوں نے اس بات کو صحیح نہیں سمجھا۔ مگر آج ہم کو اس بات کے اظہار کرتے میں نہایت خوشی ہے۔ کہ کل ملک کے ودوانوں کو اس بات کو متفق الرائے ہو کر تسلیم کرنا پڑا ہے کہ وید بھگوان چھوٹی عمر کی شادی کی اجازت نہیں دیتے۔ اس رپورٹ نے جس کے ممبران مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کے لوگ تھے۔ رشی دیانند کی رائے کی زبردست تائید ہوتی ہے۔ اور ویدوں کو بہت اونچا درجہ ملتا ہے۔ ہم کو قطعی یقین ہے کہ جُوں جُوں لوگ رشی دیانند کے بتائے ہوئے رستوں کی چھان بین کریں گے۔ تیوں تیوں اُن کو اسکے عقائد میں سچائیاں ملیں گی۔ اور اُن پر چلنے سے مُلک ماتر کا کلیان ہوگا +

اگر آپ اس بات کو محسوس کرتے ہیں۔ کہ پرکاش ویدک دھرم کے پرچار کے لئے ایک مفید اور واحد پرچہ ہے۔ تو کیا آپ کا یہ فرض نہیں کہ آپ اس کی اشاعت کو وسیع کرنے میں ہر وقت کوشاں رہیں؟

رشی دیانند اور شاریرک بل

(از لالہ گھاسی رام جی ایم - اے ایل ایل بی)

رشی دیانند کی اصلاحات یک طرفہ یا یک رُخی نہ تھیں - وہ ایک صیغہ یا ایک شعبہ تک محدود نہ تھیں - بلکہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی تھیں - اُنھوں نے اپنے قائم کردہ آریہ سماج کا مقصد خاص جسمانی - رُوحانی اور مجلسی ترقی کو قرار دیا تھا - آریہ سماج نے مجلسی ترقی کے لئے سب سے زیادہ کوشش کی ہے - اور اس سے اُتر کر رُوحانی ترقی کے لئے - مگر جسمانی ترقی کے لئے اُس نے کوئی نمایاں کوشش نہیں کی - اور یہی سبب ہے - کہ رُوحانی اور مجلسی ترقی کے میدان میں اُسے وہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی - جو اس کی کوششوں کے تناسب سے ہونی چاہئے تھی - پنجاب اور ممالک متحدہ کے بڑے بڑے شہروں کے آریہ سماجوں کو قائم ہوئے چالیس سال سے زیادہ ہو گئے - یعنی ہندوستانیوں کی اوسط زندگی کو خیال کرتے ہوئے دو پشتیں ختم ہو گئیں - مگر ہم نہیں دیکھتے کہ آریہ سماجیوں اور اُن کی اولادوں کے جسم خاص طور پر توانا اور تندرست ہیں - نہ اُن کی عمر کا اوسط بڑھا ہے - اور نہ اُن میں بہ نسبت غیر آریہ سماجیوں کے جسمانی ترقی کے خاص آثار نظر آتے ہیں - اگر میرٹھ کا ایک آریہ سماجی جس نے بچپن سے ہی آریہ سماج کے کُرّہ ہوائی میں سانس لیا ہے - سال بھر میں ڈاکٹر صاحب کو دو فیس دیتا ہے - تو اُس کا ہمسایہ غیر آریہ سماجی صرف ایک ہی دیتا ہے - اگر اس کا غیر آریہ سماجی بھائی یا رشتہ دار جسم سے لاغر اور کمزور ہے - تو یہ بھی کچھ جسیم و شحیم نہیں ہے - اس کی پسلی کی بھی ہڈیاں اتنی ہی دُور سے گنی جا سکتی ہیں جتنی دُور سے کہ اُس کی - اگر وہ ایک چیت میں دو لڑھکنیں کھاتا ہے - تو یہ مرد میدان تین کھانے کا ارادہ رکھتا ہے - اور وہ تو لڑھکنیں کھا کر اُٹھ بھی کھڑا ہوگا - مگر یہ حضرت تو ایسی وٹنی لیں گے - کہ اُٹھنے کا نام بھی بھول جائیں گے - اگر کسی غیر آریہ سماجی دکاندار کی نسبت جو ہر وقت اپنے تھلے پر دھرا رہتا ہے - اور چلنے پھرنے ہلنے جلنے کا نام تک نہیں لیتا - کسی ظریف کے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے ؎

بس وہ جن کے نچلے اوزان سے
گولے دغتے ہیں توپ کے دان سے

تو آریہ سماجی دکاندار کی ریڑھ کی ہڈی اور ناف کے درمیان تین فٹ سے کم فاصلہ نہیں نکلیگا - ممکن ہے ہماری پیمائش میں دو چار انچ کی کمی ہو - لیکن اس سے زیادہ نہیں ہوگی ؛

کیا یہی سبق تھا - جو رشی نے ہمیں اپنی مثال سے دیا تھا - رشی جہاں رُوحانی زینہ کی سب سے اونچی سیڑھی کے زینہ پر پہنچے تھے - جسمانی ترقی کی راہ میں بھی وہ سب سے آگے گامزن تھے - شری مہاراج کا جسم مبارک فولاد کا بنا معلوم ہوتا تھا - اُن کے جسم میں اُنگلی نہیں گڑتی تھی - وہ معمولاً اتنے تیز چلتے تھے - کہ اگر کوئی سیر میں اُن کے ہمراہ ہوتا تھا - تو اُن کے ساتھ رہنے کے لئے اُسے بھاگنا پڑتا تھا - ایک مرتبہ آپ ایک مجمع کے دو آدمیوں کو جو اُن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے تھے - اپنی بغلوں میں دبا کر گنگا میں غوطہ لگا گئے تھے - آپ تو تیر کر دور نکل گئے - اور اُنہیں وہیں ڈبکی کھاتا چھوڑ گئے - کنور اندر بکرم سنگھ کی دو اسپہ گاڑی پکڑ کر کھڑے ہو گئے - تو گھوڑے چابک پر چابک کھانے پر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے - اس رشی کے پیرو وُں کا جس نے اپنے قول و فعل سے جسمانی ترقی کی تعلیم دی - آج اس درجہ نحیف و کمزور ہونا باعث شرم ہے - میری رائے میں آریہ سماجوں اور آریہ پرتی ندھی سبھاؤں اور آریہ اخباروں کو اس طرف فی الفور توجہ دینے کی ضرورت ہے اگر ایسا نہیں کیا گیا - تو نتیجہ بد سے بدتر ہوگا ؛ اس کے لئے مؤثر ذرائع اختیار کئے جائیں - وہ کیا ہونے چاہئیں؟ اس کے سوچنے کا بار ناظرین کے دماغوں پر رکھا جاتا ہے ؛

اگر آپ پرکاش کو ایک مفید اخبار کا پرچہ سمجھتے ہیں - تو کیوں نہیں اس کی اشاعت بڑھانے کی طرف توجہ دیتے ؟

راشٹر ماتا دیانند!

(از شری پنڈت اوبیندر کمار ودیالنکار ایڈیٹر آریہ)

بھارت ایک راشٹر ہے۔ بھارت اپنے آپ میں ایک اکائی (UNIT) ہے یہ وچار سب سے پہلے رشی دیانند کے دماغ سے ہی نکلا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام کرانتی بھارتیہ کرانتی نہیں تھی۔ اس میں بھارتیہ جنتا کا ہاتھ نہیں تھا۔ اس سمے تک بھارت میں جن شکتی کا۔ جنتا کا۔ آدر بھاونہیں ہوا تھا۔ تو پھر نے جس پرکار یورپ میں جنتا کے شاسن کی نیو ڈالی۔ اور جن شکتی کا وکاس کیا۔ اسی پرکار رشی دیانند نے بھارت میں جنتا کے شاسن کی نیو ڈالی اور جن شکتی کا نرمان کیا۔ جن شکتی کے نرمان کے لئے رشی نے جنتا کی مانسک داستا کی منوبرتی کو دور کیا۔ اپنی بدھی سے سوچنے کے لئے پریرت کیا۔ پرتیک بات کو ترک کی ترازو پر تولنے کی بان ڈالی۔ اس کے ساتھ ساتھ بھارتیہ منوں پر سے چھائے یورپین پربھو کو دور کیا۔

بودھیک اور وچار کی آزادی آپین کرنے پر ہی رشی نے بس نہیں کی۔ بلکہ راشٹر کو ایک سوتر میں پرونے کے لئے راشٹر کے ہردے کو دوسرے ہردے سے ملانے کے لئے راشٹر بھاشا ہندی کو آگے کرنے کا یتن کیا اور اپنے سارے گرنتھ ہندی میں لکھے اس سے پہلے جیسے یورپ میں لوتھر سے پہلے پادری اور پنڈت اپنے وچار گریک یا لیٹن میں پرکاشت کرتے تھے۔ اور اپنی ماتری بھاشا میں لکھنا انوچت سمجھتے تھے۔ اسی پرکار بھارتیہ سدھارک اور دھرم پرچارک۔ تلسی۔ کبیر۔ تکارام آدی کو چھوڑ کر سنسکرت میں لکھنا قابل فخر سمجھتے تھے رشی کے سمے میں شکشت لوگ انگریزی میں لکھنے میں اپنا گورو سمجھتے تھے۔ پر رشی دیانند نے اپنے گرنتھ نہ سنسکرت میں لکھے نہ انگریزی میں۔ بلکہ بھارت کی راشٹر بھاشا ہندی میں لکھے۔ اگر آریہ سماج اردو بلی کا انچل نہ پکڑ کر ناگری کو اپناتا۔ تو بیس کروڑ کی جن شکتی کو اپنے ساتھ پاتا۔ اور ایک مہان کرانتی کرنے میں سمرتھ ہوتا اتنا ہی نہیں ہندو مسلمان ایکتا کی سمسیا کو حل کرنے کا سہائک ہوتا۔ آج جو چیز نظر آ رہی ہے۔ اس میں آریہ سماج کا اردو پریم بھی ایک مکھیہ کارن ہے۔ آریہ سماج

بھارتیہ ساہتیہ میں جو کرانتی کر سکتا تھا۔ نہ کر سکا۔

یورپ میں جو چیز کار شکشا اور دھرم پر پادریوں اور خاص جنی بولی جماعت کا ادھیکار تھا۔ اسی پرکار بھارت میں دھرم اور شکشا پر براہمنوں کا ایک ماتر ادھیکار تھا۔ گریٹ برٹن کے سدرش انت دیش بھی نہ شکا اور بادھت شکشا انیسویں صدی کے انت میں کر پایا ہے۔ ایک راج نیتک شکتی ہین سماج سدھارک جو کچھ کر سکتا تھا۔ رشی دیانند نے کیا۔ اور گھوشنا کی۔ کہ شکشا پانا راشٹر کے پرتیک بچے کا جنم سدھ ادھیکار ہے۔ سارو جنک شکشا کے ادھیکار نے راشٹر نرمان میں اچھوت پرورتن لا دی۔ براہمنوں کا ایک ادھیکار ابھی نشٹ نہیں ہوا۔ پر سروسادھارن جنتا نے اپنی شکتی کو انو بھو کیا۔ آج پرتیک

جاتی اور سمپردائے جو اپنے ادھیکاروں کی رکشا کے لئے کٹی بدھ ہے۔ وہ اسی گھوشنا کا پرینام ہے۔

آج جب ہم راشٹر مندر کے نرمان کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور مندر پر کلش چڑھانے کو اتسک ہو رہے ہیں اس سمے نوین بھارتیہ راشٹر کے بنانے والے کو بار بار پرنام ہے۔

درس عمل

(از شری پت جیمنی سرشار خیرپور سادات ضلع مظفر گڑھ)

دیانند بکمو سیرت کے پیرو! چھوڑ غفلت کو	عدوئے جانستان ظلمت کون دمکاں ہوجا
مٹانا ہے تجھے تاریکیٔ کذب و ضلالت کو	مثال شمع محفل سر بسر آتش بجاں ہوجا
اٹھانا ہے تجھے ویدوں کا پرچم ساری دنیا میں	مقید قید ساحل میں نہ رہ اب بیکراں ہوجا
بسوئے منزل مقصود لے چل بھولے بھٹکوں کو	جرس کی طرح محو نالۂ و آہ و فغاں ہوجا

کر ایسی قوت فریاد پیدا اپنے نالے میں
تڑپ سیماب کی پیدا کرے جو سننے والے میں

مسخر کر لیا تھا تو نے جن سے ایک عالم کو	کہاں ہیں آہ وہ اوصاف تجھ میں آج کل باقی
بلندی حوصلوں میں ہے نہ مضبوطی ارادوں میں	نہ وہ زور تکلم ہے نہ وہ جوش عمل باقی
گرا یا ہے تجھے اونچے مکانوں کی محبت نے	کہاں ہے تیرے دل میں خواہش دشت و جبل باقی
رہی چندے یہی حالت تو یہ بھی ٹوٹ جائے گا	ترے ہاتھوں میں ہے جو رشتۂ حسن امل باقی

یہ غفلت چھوڑ اٹھ ہمت دکھا کر زیر دشمن کو
تری خاموشیوں نے کر دیا ہے شیر دشمن کو

ہزیمت یافتہ دشمن ہیں پھر آمادۂ یورش	ہیں تجھ کو کر رہے بدنام ناہنجار بدباطن
ملک سیرت رشی کے پاک اور بے لوث جیون پر	لگاتے پھرتے ہیں الزام ناہنجار بدباطن
تری تذلیل بربادی دل آزاری کی کوشش میں	لگے رہتے ہیں صبح و شام ناہنجار بدباطن
چہیت عرب خسارہ انکو تو جتنک لگئے گا	نہ سمجھیں گے یہ نافرجام ناہنجار بدباطن

بڑا ہی شان سے پھر تجھ کو میدان میں اترنا ہے
دوبارہ ست کہن کو از سر نو تازہ کرنا ہے

ایک پاٹنن

بقیہ صفحہ (۲۰)

رکھا ہے۔ وہ رشی ہی کا حصہ ہے۔ رشی کی برکت سے مذہب سائنس کا گورو بن رہا ہے اسی فلسفے کی یہ ایک گتھی تھی جو سلجھائی ہے۔ ایک دار میں تین مخالف گروہ ہیں جو مشہور ہے ازلی بے کاری بے عمل کے سزا و جزا عالم میں نقائص و عصیان کی ذمہ داری وغیرہ الزام پٹا دیئے۔ روح کو عمل میں ضبعاً مختار بن کر حقیقی سوراج عطا کیا۔ مادے کو بھی درجہ دیا۔ جس کا علم طبعی اسے دعوے دار بناتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں رشی نے طبیعات کو بھی مذہب کے زیر سایہ جگہ دے دی ہے ان خوش آئند مناظر کو مدنظر رکھ کر کون رشی کی فلسفیانہ روشن خیالی اور روحانی کشف حقائق پر عش عش نہ کریگا۔ رشی کی بلند نظری اور وسیع حیطہ خیال پر سو جان سے نثار نہ ہو جائیگا۔ رشی نے مذہب فلسفہ اور سائنس تینوں کی تان ملا دی۔ رشی کی برکت سے آج ان تینوں کا راگ ایک ہے۔ تینوں کی ٹیک ہے۔ رشی دیانند کی ؛

پرکاش کی اشاعت بڑھانے کا یتن ہم ارادہ کر کرنا چاہئے ؛

ہندی اور ہندو

بقیہ صفحہ (۱۸)

" " کار نہیں ہے۔ اس سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ سندھ شبد سے ہند شبد نہیں بنا۔ آریہ میں سندھ شبد کے آدی میں " " کاری تھا دیشیوں نے اسی کی سندھو " ہندو " شبدوں کی سدرشتا سے " " بنا دیا۔ اور اسی پرکار " اندی " کا " ہندی " بن گیا ؛

' اندر دیپ ' (اندر - دیپ) کے ' اندی ' ہی ' ہندی ' اور ' ہندو ' ہیں۔ اندر دیپ شبد ہندوس کے آدر کا ہے۔ اسی سے اس شبد سے یہ اندی یا ہندی ان کے لیے پسند ہوئے۔ جس پرکار ' گرم ' شبد سے ' انڈولجی ' دانگ کا ' گرم ' شبد بنا ہے۔ اور ' سنڈوکار ' واچک دوسرا کام شبد ہے بھی بھاشا میں اس کا پریوگ ہوتا ہے۔ اسی پرکار مسلمانی اور ' شودھ ' بھاشاؤں میں ہندو شبد کے سمان آچار والے شبدوں کے رہتے بھی ہندی شبد کو (اس لئے کہ وہ سنسکرت باپ سے پیدا ہوا ہے)۔ دوشی بھاشاؤں کا پتر ماننا آدش نہیں ؛

کوئی کوئی کہتے ہیں۔ کہ ' ہندو ' اندو سے بنا ہے۔ جب تک یہ سدھ نہیں ہوتا۔ کہ پرتھوی کے کسی دیش کا نام " اندو " تھا۔ تب تک اس شبد سے ' ہندو ' شبد کی اتپتی نہیں مانی جا سکتی ؛

اس بحث سے یہ سدھ ہوا کہ ' ہندی ' شبد ودیشیوں کا دیا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ بھارت ورش دیش کے سنسکرت نام سے آپ بھرشٹ ہو کر پراکرت میں آیا ہے۔ اسی کارن ہند واسیوں نے اپنے اور اپنے دھرم کے لئے اس شبد کا پریوگ کیا ؛

کنتو شرتی - سمرتی اور پران اس شبد کو نہیں جانتے۔ سنسکرت بھاشا میں اس شبد کا کوئی آدر نہیں۔ اس سے ہم لوگوں کے لیے یہی اچت ہے۔ کہ ہم اپنے دھرم کے سنسکرت ناموں کا ہی پریوگ کریں۔

" عام مسلمہ اصول یعنی ساری دنیا پر حاوی ہر فرد بشر کے لئے مفید دھرم ہی ہے جس کو ہمیشہ سے سب مانتے آئے ہیں نیز مانیں گے۔ جس کو اسی وجہ سے ازلی اور ابدی دھرم کہتے ہیں۔ کہ کوئی بھی اس کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ گو بے علم یا کسی مت والے کے بہکائے ہوئے لوگ کسی امر کو الٹا جانیں۔ یا مانیں مگر اس کو کوئی بھی عقلمند تسلیم نہیں کرتا "

(رشی دیانند)

رشی دیانند اور ملک و قوم کی خدمت!

(پروفیسر رام سروپ کوشل ودیا بھوشن ایم اے)

سوامی دیانند کورے مذہبی پرچارک ہی نہ تھے بلکہ وہ سچے اور پکے دیش بھگت بھی تھے۔ جس قدر خدمت انہوں نے اپنے وطن اور پیاری قوم کی انجام دی۔ اتنی بہت کم لوگوں نے دی ہوگی۔ وطن کی گری گذری حالت اور ہم وطنوں کے دکھڑے دیکھ سن کر آپ کے نرم و نازک دل پر بڑی چوٹ لگتی تھی۔ اُن کا کلیجہ پاش پاش ہو جاتا تھا۔ اُن کا جی بھر آتا تھا۔ اور وہ دن رات اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ کہ میں کس طریقے سے اپنے بھائیوں کی مدد کروں۔ ان کی تکلیفوں کیونکر دور کروں ؛

ہندو قوم کی قابل رحم اور افسوسناک حالت دیکھ کر انہوں نے تہ دل سے یہ محسوس کیا۔ کہ تعلیم کے بغیر اس کی حالت کبھی نہ سُدھرے گی چنانچہ آپ نے پاٹھ شالائیں۔ سکول اور گورو کل کھولنے کا بندوبست کیا۔ ایک مرتبہ جب آپ کان پور تشریف لے گئے۔ تو آپ نے وہاں کے رئیس سیٹھ پریاگ نرائن اور گورو پرشاد شکل سے کہا۔ کہ آپ لوگ مندروں کی تعمیر میں لاکھوں روپے فضول برباد کر دیتے ہیں۔ اگر اس رقم سے پاٹھ شالائیں۔ یتیم خانے اور ودوا آشرم قائم کئے جائیں۔ تو ملک کو کس قدر فائدہ پہنچے۔ سوامی دیانند کو اپنے ہموطنوں کی تعلیم کا بے حد خیال تھا ؛

فرخ آباد میں لالہ ہنسی لال نے ہزاروں روپے کی لاگت سے ایک نہائت عالیشان مندر تعمیر کرایا تھا۔ اس میں شیوجی کی مورتی رکھی جانے والی تھی۔ سوامی دیانند نے لالہ ہنسی لعل کو ایک نہائت موثر اور پرمغز اپدیش میں سمجھایا۔ کہ مندر بنانا بے سود ہے اپدیش کارگر ہوگیا۔ اور لالہ صاحب نے مندر کو پاٹھ شالہ میں تبدیل کر دیا ؛

سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی تمام عمر تاریکی کے خلاف جدوجہد اور علم اور دھرم کا نور پھیلانے میں گذار دی۔ دیش اُپکار اُدّھار اور قوم کے سدھار کے لئے آپ اپدیش دیتے تھے۔ مباحثوں میں شریک ہوتے تھے ودیارتھیوں کو تعلیم دیتے تھے۔ اور کتابیں تصنیف کرتے تھے آپ کی زندگی آرام چین کی زندگی نہیں تھی۔ بلکہ کانٹوں کی سیج تھی۔ بارہا جان جانے کا خطرہ ہوا۔ زندگی کے لالے پڑ گئے۔ مگر اس مرد میدان نے اپنے فرض کی طرف سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ وہ دم آخر تک پیارے وطن کی خدمت میں مصروف رہے اور اسی کی خدمت انجام دیتے ہوئے مکتی دہام کو سدھار گئے ؛

مہرشی دیانند مجلسی اصلاح کے بھی زبردست حامی تھے۔ اُن کی ذات بابرکات سے آریہ قوم کو بے اندازہ فائدہ پہنچا ہے۔ آج دوست دشمن سب اس امر کے معترف اور اُن کے ثنا خواں ہیں۔ سوامی دیانند جی میں رحم کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بھلا جو شخص اپنے قاتلوں تک کو بھی صدق دلی سے معاف کر دیتا۔ اور عفو بھی نہیں۔ بلکہ انکے بچاؤ کی بھی تدبیر کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر رحم دل اس دنیا میں کون ہوگا۔ آپ سے بیوگان اور یتیموں کی حالت زار دیکھی اور سنی نہیں گئی۔ ان کا ناقابل برداشت دکھ دیکھ کر آپ کا دل دہل پڑا۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ آپ نے بیوگان کے لئے ودھوا آشرم اور یتیموں کے لئے یتیم خانے قائم کرائے۔ بال بیواؤں کی دوبارہ شادی کا انتظام کیا۔ آپ نے گورکشا کا بھی بیڑا اٹھایا۔ اس کے لئے اپنی طرف سے ہر ممکن و مناسب کوشش عمل میں لائے ایک زبردست عرضداشت تیار کر کے اس پر بے شمار ہندو مسلمانوں کے دستخط کرائے۔ تاکہ گؤکشی قانوناً بند کر دی جائے ؛

سوامی جی کی نگاہ میں کوئی بھی اچھوت نہ تھا ایک دفعہ ایک امیدا حجام آپ کے لئے کھانا لایا۔ آپ نے بھری سبھا میں اُسے قبول کر لیا۔ زرکی میں ایک مذہبی سکھ آپ کے لیکچر میں آ بیٹھا۔ یہ لوگ اپنے ہاتھ سے مویشی ذبح کرتے ہیں لوگوں

نے اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔ سوامی جی نے یہ دیکھا۔ تو فرمایا "بیٹھنے دو۔ رو کو مت۔ دھرم کی بات ہے۔ ہر شخص کو سننے کا حق حاصل ہے جیسے ہوا سب کی ہے۔ اسی طرح وید بھی سب کا ہے۔ جیسے سورج کی گرمی اور روشنی پر سب کو یکساں حق حاصل ہے۔ اسی طرح دھرم کا آپدیش سننے کے حق سے بھی کوئی محروم نہیں ہے۔ خواہ وہ راجہ ہو یا فقیر۔ بڑا ہو یا چھوٹا ؛

دیانند میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی۔ کہ وہ دوسرے بہت سے دیش بھگتوں کی طرح جو کہتے کچھ ہیں۔ اور کرتے کچھ ہیں۔ اپنے تئیں کورے زبانی جمع خرچ تک ہی محدود نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ جو کچھ زبان سے کہتے تھے۔ اُسے عملاً کر دکھلاتے تھے ؛

آج ملک میں ہزاروں سماج مندر قائم ہیں۔ جہاں عالموں اور سنتوں کے آپدیش ہوتے ہیں۔ رگ بھگوان کی بھگتی کے بھجن گاتے اس کی آپاسنا کرتے۔ اور اپنے دین دُکھی بھائیوں اور بہنوں کی حالت سُدھارنے کے لئے اچھی اچھی تجویزیں سوچتے ہیں۔ سینکڑوں ودھوا آشرم اور یتیم خانے کھلے ہوئے ہیں۔ جہاں بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری اور پرورش ہوتی ہے۔ اور انہیں ہر ممکن وسائل سے مدد دی جاتی ہے ؛

ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہزاروں پاٹھشالاؤں۔ گوروکلوں سکولوں اور کالجوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور سستی سے سستی بلکہ مفت تک تعلیم دینے کا انتظام ہے۔ ان میں سے ہزاروں لڑکے ہر سال فارغ التحصیل ہو کر نکلتے اور اپنی اور اپنے لواحقین کی زندگی بناتے اور رشی کے گن گاتے ہیں ؛

رشی دیانند ملک کے سچے اور بے غرض محسن تھے۔ اُن کے احسانات ہم پر بیشمار ہیں ؛

تعلیم گاہ کسی تنہا جگہ پر ہونی چاہئے۔ لڑکے و لڑکیوں کے مدرسے ایک دوسرے سے کم از کم دو کوس کے فاصلہ پر ہوں۔ جو اُستاد اور استانیاں اور جو نوکر چاکر ہوں اُن میں سے لڑکیوں کے مدرسہ میں عورتیں اور لڑکوں کے مدرسہ میں مرد ہونے چاہئیں زنانہ مدرسہ میں پانچ برس کا لڑکا اور مردانہ میں پانچ برس کی لڑکی بھی نہ جانے پائے ؛ (رشی دیانند)

اشانتی اور اُسکے دُور کرنیکے سادھن

(از پروفیسر راجیندر کرشن کمار ایم اے وائس پرنسپل ایم ڈی کالج موگا)

بیسویں شتابدی کو ترقی اور اُنتی کا یُگ بتلایا جاتا ہے اور انسانی ضروریات کی پورتی کے لئے زیادہ چیزیں مہیا ہو رہی ہیں ریل موٹر ہوائی جہاز کپڑا بننے کے کارخانے وغیرہ سے لوگوں کو مادی سُکھ کے سادھن بڑھائے جا رہے ہیں۔ لیکن ان سب ایجادوں کے باوجود شانتی نشٹ ہوتی چلی جا رہی ہے۔ سارے سنسار میں اشانتی کا دور چل رہا ہے بھارت ورش میں ہر ایک استری پرش بچہ بوڑھا نوجوان سبھی اشانت دکھائی دیتے ہیں سماجک اشانتی۔ پولیٹیکل اشانتی۔ مانسک اشانتی۔ ہر طرح سے لوگوں کے دل کو دُکھت کر رہی ہے اخبار سٹرائیکوں کے جھگڑوں سے بھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مغربی ممالک میں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے جھگڑے کنبہ اور پریوار کی اشانتی لوگوں کو پریشان کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس اشانتی کو دور کرنے کے لئے سماجک روگوں کے ڈاکٹر اپنی اپنی تشخیص پیش کرتے ہیں۔ آج ہم ان ڈاکٹروں کی تشخیص کو سنکر اصلی شانتی کے سادھنوں پر وچار کریں گے ؛

ارتھ شاستر کے ودوانوں کا آج کل دور دورہ ہے۔ ہر ایک بات کو اقتصادیات کی کسوٹی پر لگا کر جانچا جاتا ہے۔ یہ ارتھ شاستری ہمیں جتلاتے ہیں۔ کہ سنسار کی اشانتی کا کارن غریبی ہے۔ اور غریبی کا کارن دولت کی تقسیم میں تفریق (INEQUALITY) ہے۔ بھارت ورش میں تقریباً چھ کروڑ ایسے آدمی ہیں۔ جن کو کھانے کے لئے مشکل سے ایک وقت بھوجن ملتا ہے۔ اور ان ودوانوں کی تشخیص کے مطابق ہر ایک اشانتی کا کارن اقتصادی ہی ہے اس میں کوئی شک نہیں غریبی اور دولت کی تقسیم میں تفریق لوگوں کی اشانتی اور دکھ کا کسی حد تک ضرور کارن ہے۔ لیکن کیول اسی کو

ساری اشانتی کا کارن سمجھ لینا بھول ہوگا۔ ہم
امیروں کی زندگی کی جانچ کرنے پر پتہ لگاتے ہیں
کہ وہ روپیہ پیسہ کافی رکھتے ہوئے بھی اشانت
ہیں۔ بعض حالات میں تو روپیہ اُن کے لئے
وبال جان بن جاتا ہے۔ روپیہ اُن کو پاپوں میں
پھنسا کر شیطان مجسم کا روپ دے دیتا ہے۔ کون
تعلیم یافتہ ہندوستانی ایسا ہوگا۔ جس نے کلکتہ
کے اُس سیٹھ کا حال نہ پڑھا ہو۔ جس کو دیر تک
بہادر نے ایک کنیا کی رکشا کے لئے جہنم واصل
کیا تھا۔ یہ تو رہی مختلف انسانوں کی حالت۔
اگر ہم ملکوں کی حالت کا معائنہ کریں۔ تو ہمارے
نزدیک ہی ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں کی اقتصادی
حالت صاف ظاہر کرتی ہے کہ صرف اقتصادیات
کے دوارا دیش میں شانتی کا راج ستھاپت
نہیں کیا جا سکتا۔ سیام دیش میں آبادی کافی
عرصے سے بڑھتی نہیں ہے STATIONERY
بھی ہے۔ سارا ملک کھیتی
باڑی پر آسرت ہے۔ ہر ایک آدمی کے پاس ایک
اچھا خاصا کھیت ہے۔ جس سے وہ اپنی اور
اپنے کنبہ کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ غریبی
بہت کم ہے۔ سارے لوگ ایک جیسی حالت
میں دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن شیام دیش نے
سائنٹفک تہذیب کی بہتری میں آج تک کوئی حصہ
نہیں لیا۔ وہاں کے لوگ عام طور پر آتما درہت

اور کاہل او جڑی کے شکار ہیں۔ یورپ
اور امریکہ میں کافی دھن اور دولت کے
باوجود بھی آتمک اشانتی کی لہر بڑے زوروں
پر ہے۔ جس کے کارن فرینسس ہٹی د
(FRANCES HITTI) جیسے ودوان
یورپ کو یہ چیتاونی دیتے ہوئے دکھائی
پڑتے ہیں۔ کہ اگر یورپ نے اپنی حالت کو
جلدی نہ سدھارا۔ تو وہ نشٹ ہو جاوے گا
سر بیل بلیکٹ بھارت کے بھوت پورو
نائیٹس ممبر نے گزشتہ دنوں ایک لیکچر کے
دوران میں یہ کہا۔ کہ مغربی ممالک کو ہندوستان
سے آتمک گیان جلدی حاصل کرنا چاہئے۔
سماجک رہبروں کے دوسرے ڈاکٹر ماہر
اخلاق (MORALISTS) ہیں۔ یہ
ودوان کہتے ہیں۔ کہ اگر ایک منش اپنی ہر ایک
بات کو نیائے شاستر کی کسوٹی پر جانچ کر لیتا ہے
تو وہ ضرور شانتی کو پراپت کر لیتا ہے۔
اس وچار کو سامنے رکھ کر مختلف اقوام نے بڑی
تعداد میں دھرم شاستر کے گرنتھ رچے لیکن
سنسار کا اتہاس بتلاتا ہے۔ کہ صرف دھرم
شاستروں کے آدھار پر چلنے والی قومیں آج بہت
ہی گری ہوئی حالت میں ہیں۔ چین ملک میں
پراچین کال میں ہی سبھیتا کے وکاس کے
کارن انیک دھرم شاستر کے گرنتھ لکھے گئے

اور ساری جاتی کے جیون کے ہر ایک انگ
کو کڑے شکنجے میں باندھنے کی کوشش کی
گئی۔ لیکن اس کا نتیجہ آج چین دیش کی گری
ہوئی حالت ہے۔ لوگوں میں خود آزادی
پورنک وچار کرنے اور کام کرنے کا بھیا ہی
ہی جاتا رہا۔ جس سے مظالم کے برخلاف کبھی
آواز ہی نہیں کھڑی ہوئی۔ ہندوستان میں بھی
اٹھارہ سمرتی لکھی گئیں۔ کئی گرد سوتر لکھے گئے
لیکن ان سب گرنتھوں نے قوم کو مورکھتا کے
گڑھے میں گرنے سے نہ روکا۔ لوگ اصلیت
کو بھول کر صرف باہری ڈھونگ اور آڈمبر کے
ہی پیرو ہو گئے۔ ایک دفعہ ایک لیکچر کے
دوران میں۔ جب کہ بھارت ورش اور دوسرے
دیشوں کے متعلق کچھ تصویریں دکھلائی جا
رہی تھیں۔ بھارت ورش کی اوستھا کا چتر
دکھانے کا موقع آرہا تھا۔ کہ ایک نوجوان نے
کھڑے ہو کر ہاتھ پکڑ لیا۔ اور آنسو بھری آنکھوں
سے درخواست کی۔ کہ بھارت کی گری ہوئی
حالت کا چتر نہ دکھایا جاوے۔ یہ دیش جو کبھی
سارے سنسار کا گرو تھا۔ اپنی ہی مورکھتا
سے اندھکار کے گڑھے میں پڑا ہے۔ اسے
اور شرمندہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے
یہ اب سنبھل رہا ہے اور سنبھل کر ضرور ان
طریقوں پر چلے گا۔ جن سے نہ کیول خود

ترقی کرے گا۔ بلکہ سارے سنسار کے لئے
روشنی کا مینار بنے گا۔"
تیسرے ڈاکٹر ماہران تعلیم ہیں۔ ان کا
وچار ہے۔ کہ سانسارک اشانتی کو دور کرنے
کا سب سے بڑا سادھن تعلیم کا پرچار ہے
تعلیم کے پرچار سے لوگوں کی عقل کے پردے
کھل جاتے ہیں۔ اور لوگ اپنی اصلیت کو
سمجھ کر دکھوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس میں
کوئی شک نہیں۔ کہ تعلیم اشانتی کے دور کرنے
کا ایک ضروری سادھن ہے۔ لیکن صرف
تعلیم اور وہ بھی موجودہ زمانے کی تعلیم ہمارے
دکھوں کو دور نہیں کر سکتی۔ جاپان گزشتہ
۵۰ ورش میں تعلیم کے پیچھے اندھا دھند ہو کر
پڑا ہے۔ آج جاپان کے ستانوے فیصدی
بچے سکولوں میں پڑھتے ہیں۔ اس تعلیم کے
پربھاو سے جاپان نے اپنی اقتصادی حالات
میں بڑی زبردست تبدیلی پیدا کی ہے۔
لیکن شانتی پراپت نہیں کی۔ جاپان میں کتابوں
کا بازار بہت لمبا ہے۔ وہاں پر کتابوں کی
چوری کرنے والے نوجوان کافی دکھائی دیتے
ہیں۔ ٹوکیو نگر کے قریب ایک سندر پانی کا
جھرنا ہے۔ جہاں پر انسانی اور قدرت
کی رچنا بڑے ہی سندر روپ میں دکھائی دیتی
ہے۔ لیکن جاپان کی گورنمنٹ کو وہاں پر ایک سا

اونچا بنانا اس لئے بنانا پڑا۔ کیونکہ کئی ایک نوجوان وہاں پر ہر سال آتم ہتیا کرنے سے لئے جاتے تھے۔ ہندوستان بھی اس تقلید کے پیچھے اندھا دھند بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن اس وقت تعلیم نے کس حد تک شانتی کے ستھاپت کرنے میں مدد دی ہے۔ اس سے پاٹھک ناواقف نہیں ہیں۔ اس تعلیم کے کارن بدقسمتی سے دیش تعلیم یافتہ اور ناتعلیم یافتہ طبقہ میں تقسیم ہو گیا ہے۔ دونوں میں ایک بڑی خلیج حائل ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو نہیں سمجھتے ہیں۔ عام تعلیم یافتہ لوگ ناتعلیم یافتہ لوگوں کی سادگی اور بھولے پن سے اپنے لئے امید سے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں کی تہذیب صرف کوٹ پتلون پہننا ختم ہو جاتی ہے۔ اُن کی روزانہ زندگی پر تعلیم کا کوئی اثر نہیں دکھائی دیتا۔ تعلیم یافتہ جماعت کم عمر، کمزور اور زیادہ اشانت دکھائی دیتی ہے۔

اصلی شانتی کے پراپت کرنے کے لئے ہم کو ان ڈاکٹروں کی صلاح کو برتتے ہوئے ایک اور گیان کی طرف بھی جھکنا پڑے گا۔

اور وہ ویدوں کا گیان ہے۔ ویدوں کا گیان سب سے پرانا اور سب سے سرشٹھ ہے۔ وید ذکیول اشانتی کے کارنوں کو ہی بتلاتے ہیں۔

بلکہ اُن کے دور کرنے کے سادھن بھی بتلاتے ہیں۔ وید زندگی کے ہر ایک پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سوامی ستیہ دیو جی دور اجکا جیادت بدقسمتی سے جرمنی جاکر ویدوں کی اصلیت کو بھول گئے ہیں۔ جبکہ وہ سوامی دیانند کی بھاشیہ پرنالی کو چھوڑ کر میکس مولر وغیرہ کی سشران دینا چاہتے ہیں۔ ویدوں کے ارتھ نروکت کے انوکول کئے ہوئے سماسار کے بھارتری بھاؤں کی تعبیر دیتے ہوئے سیوا، پریم اور قربانی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ لوگوں تک ویدوں کا سندیش لے جایا جائے۔ آریہ سماج نے جہاں ویدوں کے نام کا ڈنکا سنسار میں بجایا ہے۔ وہاں ویدوں کو سخت مشکل بتلا کر لوگوں کو گمراہ بھی کیا ہے۔ عام لوگ ویدوں کو اس خیال سے نہیں پڑھتے کہ اُن کا پڑھنا اُن کے لئے ناممکن ہے۔ حالانکہ اگر وید سچ مچ ہر ایک منش کے لئے ہیں۔ اور ان کا پڑھنا پڑھانا سب آریوں کا پرم دھرم ہے۔ تو ان کا گیان اس پرکار سہج ہونا چاہئے۔ جسے بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ کہ جس کی گہرائی کو اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی پورے طور پر نہ پاسکیں۔ اس کیلئے ویدوں کے ایک ایسے مستند ترجمہ کی ضرورت ہے۔ جو کہ منتروں کے بھاؤ کو سرل ہندی

ص ۴۴

نوئیگ کا پروَرتک مہرشی دیانند

(از مہاشہ چاندکرن شاردا۔ بی اے۔ ایل ایل۔ بی)

اس سودا نحتیتا کے سنگام کے یگ میں مہرشی دیانند ہی ہمارا ایک ماتر پتھ پردرشک ہے۔ دھرم کے نام سے سماج میں سے اندھیکار کے سامراجیہ کو نشٹ کرنے والا اور دھی پرسپرا اور جاتی پاتی کے بندھن کے نام پر سامجک اتیاچاروں کے بھیانک اگنی کنڈ سے ہاتھ پکڑ کر دُکھی منش سماج کو باہر نکالنے والا بدھواؤں کے کرزن ماتر جاتی کو

ص ۴۴ میں پرگٹ کر سکے۔ انگریزی اور اُردو میں بھی ایسے دوند انوشی پریشد سے ہی ترجمہ کرانا چاہئے۔ سنسکرت کے منتروں پر جے زیادہ زور دینا آریہ سماج کی آتی لامعہ ویدوں کے گیان کے پرچار میں رکاوٹ ڈالنے والا ہے۔ اس وقت سارا سنسار شانتی کے بھنڈار وید کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہے۔ ضرورت ہے کہ آریہ سماج کیول ویدوں کا ڈھنڈورا ہی نہ بجائے بلکہ اُن کے پرچار کیلئے اپنے فرض کے پالن کیطرف بھی دھیان دے

داستا۔ بال بدھ سے جوڑ بلاہوں کے بھینکر اتیاچاروں سے بچانے والے مہرشی کے برتی کون سا کمزور سے کمزور ہردے کرتگیتا سے گدگد نہیں ہوتا سماج کا سپورن دکھوں کر دہار کنٹ اجک اور راج نیتک غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے والے مہرشی کی۔ جے کون اوشا نہیں چاہے گا؟ آریہ سماج کا رچے سنرلیش گھر گھر پہنچا کر سنسار میں سکھ شانتی کا سامراجیہ ستھاپت کرنے کی اچھیا کس آریہ کے ہردے میں نہیں ہے؟

انتت گیان کے بھنڈار۔ ویدوں کا نزین پرکارے آدیش سے کر سارے سنسار کو جگانے والے مہرشی کے آج نروان اُتسو پر ماتر بھومی کے کس لعل کا سر اونچا نہ ہوگا؟ دھرتی مہرشانتی سدھا ساگر میں مگن ہو کر ویدک منتروں کی اپدیش دیا کیا کر ہمیں دشوگیان پروانتی ویدک شکتی پردان کرنے والے مہرشی کے گن گان کے لئے ہمارے پاس پریاپت شبد نہیں ہیں۔ سارے سنسار کے دوتوان مہرشی کی کرپا سے ویدوں کے

گن گان کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ہرش کا پار نہیں رہتا جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ رشی دیانند کا ستیارتھ پرکاش آریہ سماج کا گورو اور لیش چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ رشی کی کرپا سے وید کے منتر جات برہمنوں کی ملکیت نہیں رہے بلکہ سارے سنسار کے منش ویدوں کے مدھر گان سننے کے لئے آریہ سماج کی شرن میں آ رہے ہیں۔ مگر بعض بھائی اگیان کے وش آریہ سماج کا ورودھ کر رہے ہیں۔ اور کچھ بھائی شردھا اور ساہس کی کمی کے کارن نشچنت بیٹھے ہیں۔ پرنتو بدھی اور ترک سے کام لینے والے سارے سنسار کے ودوان آریہ سماج کا لوہا مانتے ہیں دھرم پرائن آریہ پرشوں کے ہردیوں میں وہ جوش اُمڈ رہا ہے۔ کہ وہ رشی کے اپدیش انوسار برابر میدان جنگ میں کود کر اپنے پرانوں کی آہوتی دے رہے ہیں۔ ودیا شکتی گیان پر داشنی وشنے دمن کارنی آریہ سماج کا آندولن سُن کر ویدک دھرم کی چھتر چھایا میں کود رہے ہیں اور نہ صرف اپنے ہی پرنت سارے سنسار کو سکھی بنانے کے پریتنوں میں لگے ہیں۔ بھارت میں ہی نہیں سارے سنسار میں مچ جوش یودھوں کے بلیدان کی دھوم ہے۔ میاروں اور ویدک مسودے اور اسمرتی سماج کی زنجیروں کو

توڑ کر برہمچریہ کے آدھار پر سدا چاری بن کر سنسار کو سکھی بنانے کے پریتن میں لگ رہا ہے چاروں اور نوین بھاؤ۔ نوین مت اور نوین پروگرام کی دھوم ہے۔ سارا سنسار نوین وچاروں کا [illegible] ہو رہا ہے آریہ یودھ نے سب اور ہلچل اور سنسنی پیدا کر رکھی ہے۔ یہ سب اسی رشی کی کرپا کا پھل ہے۔ رشی کے نقطہ نظر میں تیج۔ اوج اور بجلی بھری ہوئی تھی۔ اس کارن ان کے پر چند اپدیشوں کو آج ۵۰ ورش بعد پڑھ کر بھی مُردے زندہ بن جاتے ہیں۔ نوین بھارت کے نوجوان ہردیوں میں آریہ سماج متوالا ہی کرانتی کاری بھاؤں کا پرچار ہوا ہے راشٹر ادھکار کے بھینٹ یگیہ میں آریہ سماج نے جو رچناتمک کاریہ سنگھٹت روپ سے کیا ہے۔ وہ بھارت میں کسی نے نہیں کیا جنتا کا آکرشن ہٹانے والا۔ بیاگ مہاماری کال سیلاب آدی بھینکر اوسروں پر منش سماج کو سہاتا پہنچانے والا۔ پر [illegible] پرتکار ہٹانے والا اور [illegible] کا سوال حل کرنے والا آریہ سماج ہی ہے۔ بھارت کی بھینکر دریدرتا کے نوارن کا اپائے آریہ سماج ہی ہے۔ جو سکھشا دیتا ہے کہ برہمچریہ [illegible] ڈھیلوں کی غلامی میں

جکڑے پرش کداپی ارتھک۔ راج نیتک کسی پرکار کی اُنتی نہیں کر سکتے۔ آریہ سماج بال ویواہ کا نشیدھ کر کے برہمچریہ کا پرچار کر لوگوں کو ادگ بلشٹ بناتا ہے۔ آریہ سماج کے پرانے سیوک رائے صاحب ہربلاس جی سارڈا نے رشی کے اپدیش انوسار بال ویواہ نشیدھک بل اسمبلی سے پاس کرا کر اسے قانون بنوایا ہے۔ جس سے کہ [illegible] جوان بن کر [illegible] حاصل کرتے ہوئے اپنی روزی کمانے پر کمال کر اپنا جیون سکھ سے بتا سکیں۔ آریہ ویر پرش مخالفت کی کبھی پرواہ نہیں کرتے سنسار تو رن بھومی ہے۔ اس میں یُدھ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ یہاں نراشا کو استھان نہیں۔ رشی دیانند نے جہاں بتایا کہ ودیشی شاسن سے مکت ہونا چاہیے۔ وہاں یہ بھی بتایا۔ کہ سماجک بندھنوں سے بھی آزادی حاصل کرنی چاہیے۔ رشی چھ طرف اُنتی چاہتے تھے۔ پرماتما کرے۔ آریہ سماج کی بتدریج ترقی ہو۔ ہم یوگیتا سے سوراجیہ پراپت کریں۔ ہمارا دھارمک جوش بڑھتا جائے۔ آریہ پرش کرتویہ [illegible] دھن ہینوں کی ہمیشہ سہایتا کرتے رہیں۔ اور سنسار کے سب مت متانتروں کا ناش ہو کر سب ایکتا کے سوتر میں بندھ کر ویدک دھرم کی شرن

میں آ دیں۔ اور نوجوانوں کے ہردے تک رشی دیانند کی آگیا کا پالن کریں۔ یوروپ اور امریکہ آج سرمایہ داری۔ مزدوروں اور بالشویزم سے دکھی ہے۔ جہاں ہم سمجھتے کہ بھارت کا روٹی کا سوال حل کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں ہم امریکہ یوروپ کی آدھیاتمک اُنتی چاہتے ہیں۔ ہمارے پرچارک دیشوں میں جا کر وہاں وید اور ویدوں کے منتر [illegible] گیتا کی نشکام [illegible] کی پوتر [illegible] بھگتی بھاؤ۔ سیوا شردھا [illegible] کے بھاؤں کا پرچار کریں۔ جن کے لئے یوروپ اور امریکہ للچاتے ہیں ؛

اس لئے آریہ پرشو! پرن کرو۔ کہ ہم آج کے پوتر دیپ مالکا کے دن سے رشی دیانند کے کاریہ کرم کو کاریہ روپ میں پرینت کرنے کا پریتن آرمبھ کر دیں گے اور جو یگیہ انہوں نے رچا تھا۔ اس میں اپنی آہوتی دے کر اس یگیہ کی سگندھی سے سارے سنسار کو سگندھت کر دیں گے ؛

بولو مہرشی دیانند کی جے!!

رشی کی تپسیا

(ایک درشیہ)

(لیکھک سری یت چندر گپت ودیا النکار)

— ۱ —

[استھان - گنگوتری کی برف سے ڈھکی ہوئی دیو آلیہ سا ہنگال چاروں طرف گھنی کہر چھائی ہوئی ہے رشی دیانند ڈنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے بڑے شانت بھاؤ سے برف کی ایک بڑی چٹان پر کھڑے ہیں - سوائے لنگوٹ کے ان کے جسم پر کوئی وستر نہیں - چاروں طرف سناٹے کا عالم ہے]

رشی دیانند:- (آپ ہی آپ) الگ - اپرشا دیش - ادرشیا اُلجھان سے بھری ہوئی دنیا سے بالکل الگ - یہاں شانت پہاڑی چوٹیوں پر قدرت کیسے کھلے ہاتھوں اپنا پرساد بانٹ رہی ہے - اس سامنے کی چمکتی ہوئی اونچی چوٹی کے نزدیک سے کسی جھرنے کی دھیمی آواز آ رہی ہے - شاید گنگوتری کا نکاس استھان یہ - دان چھپنے والا ہے ....

میں ابھی اپنے منزل مقصود تک پہنچ بھی نہیں پایا - دیکھیں وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہوں -

رشی خاموش ہو گئے - کچھ سوچنے لگتے ہیں اس کے بعد اچانک کہنے لگے -

منش نے اپنے آپ کو کیا بنا لیا ہے ؟ جس جیون کے سمبندھ میں انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں - کہ وہ کہاں سے آیا ہے - اور کہاں جائیگا اس میں نہ معلوم اتنا دنیھ اور اتنا الجھان کہاں سے بھر آیا - کوئی نہیں جانتا - کہ اس کے جیون کا کلش کیا ہے - اس پر بھی ایک دوسرے کے دبانے کچلنے کی چیشٹا کرتا ہے - یہی پرماتما کی اس اد بھت سرشٹی میں سب سے بڑی ذبر تا ہے - پرسپر اتنا اوشواس - دویش اور دیر یہ رکھتے ہوئے بھی یہ لوگ سوسائٹی کے روپ میں سنگٹھت ہو کر رہتے ہیں - شیر اور چیتوں کی طرح تتر بتر ہو کر نہیں ہو جاتے - یہ بھی ایک آشچریہ ہے - ہاں! سمجھ میں آتا ہے - انسان کا انتر آتما سوبھاؤ سے ستو کو پہچانتا ہے - ستو کی طرف بڑھنے کی چیشٹا کرتا ہے - پرنتو سماج کی درادستھا کی بدولت وہ منش پر حکومت کرنے نہیں پاتا - اس حالت میں منش اپنی اچھی پرورتیوں کو بھی کمارگ کی طرف پھیر دیتا ہے - وہ گمراہ ہو جاتا ہے - وہ خود کو دھوکا دینا سیکھ جاتا ہے - سو بھاگیہ سے میں اس بُرے دایو منڈل سے آیا ہوں - اس وقت

گھٹنے والی زہریلی - بُرے وچاروں کی ہوا سے نکل کر میں پرم پتا کی گود میں آ گیا ہوں - آہا - ماتا! تیری یہ وشال گود کتنی پوتر ہے! -

[سوامی دیانند انھیں خیالات میں بڑی تیز رفتاری سے سامنے کی اونچی برفانی چوٹی کی طرف بڑھنے لگتے ہیں -]

— ۲ —

[استھان - وہی گنگوتری کی برفانی چوٹیاں سمے - سایئنکال دو پہاڑی شکاریوں کا آنا - دونو کے ہاتھوں میں لمبے لمبے بھالے - بدن ریچھ کی کھال سے ڈھکے ہوئے -]

شکاری:- (دوسرے شکاری سے) یار تم بھی بڑے ضدی ہو - ناحق اتنی دور کھینچ لائے - معلوم ہوتا ہے - اس ذرا سی لومڑی کے پیچھے آج جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا - واہ کتنی شدت کی سردی ہے -

دوسرا شکاری:- واہ اتنی جلدی ہمت ہار بیٹھے! میں تو ایسی لومڑی کو مارے بنا گھر نہیں لوٹوں گا -

پہلا شکاری:- لومڑی کیا ہے - تریتا یگ کے ماریچ کی سگی بہن ہے! اُس ماریچ کے پیچھے رامچندر جی نے سیتا سے ہاتھ دھویا تھا - آج معلوم ہوتا ہے - اس کی اس بہن کے پیچھے ہمیشہ کے لیے تمھیں میرا چھوڑنا سہنا پڑے گا -

دوسرا شکاری:- ہاں - بھائی! ٹھیک! سُنتا ہے - کبھی کبھی ستیگ کے یوگی اور مہاتما گنگا سنان کے لیے سامنے کی برفانی چوٹی پر آیا کرتے ہیں - یار! مجھے تو یقین نہیں آتا -

پہلا شکاری:- یہ بھی کوئی شک کرنے کی بات ہے - یاد ہے سپرش کے بابا کی موت کیسے ہوئی تھی؟ -

دوسرا شکاری:- ہاں - وہ بڈھا تو اس پہاڑی کی سردی کھا کر مر گیا تھا -

پہلا شکاری:- یہ تمھیں کس بیوقوف نے سنایا ہے؟

دوسرا شکاری:- تمھیں نے -

پہلا شکاری:- خیر پھر کوئی پرواہ نہیں میں آج تمھیں سچی بات سنا کر اس بیوقوفی کا پرائشچت کر لیتا ہوں - وہ اصل بات یہ ہوئی تھی - کہ وہ ایک دن سانجھ کے سمے اپنے کئی ایک ساتھیوں کے ساتھ ریچھ کا شکار کرنے یہاں آیا تھا - بڑھاپے کے

کارن جب اُسے سردی زیادہ محسوس ہونے لگی تو وہ سیر بھر تاڑی ایک دم پی گیا۔

دوسرا شکاری:۔ آنکھیں پھاڑ کر، باپ رے باپ! سیر بھر!

پہلا شکاری:۔ لگا ہے کنبھ کرن کی طرح آنکھیں پھاڑنے۔ ارے بیوقوف! پہلے میری بات تو سُن لے۔ آنکھیں پھاڑنے کی بات ابھی آگے چل کر آئے گی۔

اچھا تو تاڑی کے نشے میں پہاڑ کی طرف کی ایک برفانی چٹان اُسے ایک بڑا سا پیڑا معلوم ہونے لگی۔ وہ بے تحاشا اس کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھی اُسے بلاتے ہی رہ گئے بقسمتی دور جا کر بیچارے کا پاؤں پھسل گیا۔ اور وہ برف پر ڈھلکتا ہوا نیچے جا رہا۔ بس ٹھیک یہی پہاڑی تو تھی۔ وہ دیکھو۔ وہ جو بالکل پیچھے کی طرف ایک کالی کالی پہاڑی دکھائی دیتی ہے۔ وہاں جا کر بڈھا اٹکا تھا۔ رات ہونے والی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس کے ساتھی اُس جگہ پہنچے۔ غریب بڈھا کوئی ایک گھنٹہ تک اُسی طرح برف میں پڑا رہا۔ جب اُس کے ساتھی اُسے وہاں سے اُٹھا کر گاؤں میں لے گئے۔ تب وہ بیہوش تھا۔

دوسرا شکاری:۔ اونہہ بھلا پتا اس ساری کہانی میں حیرانی کی کونسی بات آتی ہے۔ لگا تھا مجھے نواب زادہ بن کر ڈانٹنے۔

پہلا شکاری:۔ ارے حیرانی کی بات تو اب شروع ہی ہوتی تھی۔ ایسے بدنصیب ہو کہ عین موقع پر چھینک دیا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ رات کو اُس بڈھے نے بڑے غضب کی باتیں سُنائیں بعض لوگ تو اُسے بیماری کا بکواس ہی سمجھ رہے تھے۔ پر اصل میں وہ سچی باتیں ہی کہہ رہا تھا۔ اس نے سُنایا کہ جب میں لڑھک کر نیچے پہنچا۔ تو وہاں ست یُگ کے چار پانچ رشی سمادھی لگائے بیٹھے تھے مجھے گرتا دیکھ کر انھوں نے تھام لیا۔ شاید کئی ہزار سالوں کے بعد ان بیچارے رشیوں نے صرف میرے ہی کارن سمادھی کھولی۔ ان میں سے کوئی میرے پاؤں دبانے لگا۔ کوئی ہاتھ۔ اور کوئی سر۔ مگر حیرانی یہ کہ ان رشیوں کے ہاتھ بھی برف کی طرح ہی ٹھنڈے تھے۔

دوسرا شکاری:۔ آہ! اُس بڈھے نے بھی مرتے مرتے خوب چنڈو خانے کی گپ اُڑائی۔

(اس سمے برفانی ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ دونوں کے دانت کھٹکھٹانے لگے)

پہلا شکاری:۔ یار! واپس چلو۔ ورنہ جان کی خیر نہیں۔

دوسرا شکاری:۔ اچھا۔ جیسے تمھاری مرضی۔ سردی ہے تو بڑے غضب کی۔

[دونوں لوٹنے کو تیار ہوتے ہیں۔ لیکن اسی وقت کچھ دور ہی پر دو ہی لومڑی نظر آتی ہے۔ دیکھتے ہی دوسرا شکاری اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ پہلا پہلے تو اپنے ساتھی کو چلا چلا کر بلاتا ہے۔ لیکن آخر لاچار ہو کر اُسے بھی اُس کے پیچھے جانا پڑتا ہے۔]

—۳—

[ستھان — گنگا ندی کا برفانی منبع۔ سمے سورج غروب ہونے کا۔ رشی دیانند ندی کے بائیں کنارے کھڑے ہیں۔ برف کے بڑے بڑے ٹکڑے ندی کے پانی میں بہہ رہے ہیں رشی دیانند بڑے آشچریہ سے اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔]

رشی دیانند:۔ میں کتنا لبپ تکتی ہوں۔ برسوں کی سادھنا نے میرے جسم میں وہ سہن شیلتا تو پیدا کر دی تھی جس کی بدولت میں منشوں کے لئے بالکل ناقابل پہنچ اس ستھان پر بنا کسی بھونک دستو کی سہائتا کے پہنچ تو گیا۔ پر تو اب یہاں کی .... غیر معمولی سردی میرے شریر کو کشٹ دے رہی ہے۔ پر کرتی ماتا نے اپنے کونش کے لئے اس طرح دُرگم بنا رکھا ہے۔ مانو وہ ان سے نفرت کرتی ہے۔ یہ درشیہ اتنا اچھا ہوتے ہوئے بھی میرے لئے اسہیہ ہو رہا ہے۔

(گنگا ندی کو دیکھتے ہوئے اُن کے من میں ایک بھاؤ کا پیدا ہونا)

اوہ! یہ وہی ندی ہے۔ جسے میرے دیش کے اکثر واسیوں نے ماتا کا پوتر نام دے کر بھی اس کے سندر کناروں کو پاپ کنڈ بنا رکھا ہے ہائے! اس سندر دیش میں بسنے والی منشیہ کی سب سے پُرانی جاتی کو یہ کیا ہو گیا۔ وہ پرم پتا کی اُپدیش دیا سے بالکل وِمکھ کیوں رہ گئی۔ پتت پاون ماتا بھاگیرتھی! اپنی ان شیتل ہمہ دھاراؤں سے ابھی کھینچ جاتی کے دگدھ ہردیہ کو شیتلتا پردان کرو۔

(اس کے بعد وچار دھارا اس طرف بہنے لگی۔) میں دھوم کیتو کے سمان بنا کسی اُدیش کے اِدھر اُدھر کیوں بھٹکتا پھرتا ہوں۔ جیون کی اسارتا کو دیکھ کر ایک دن گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اُس مِتی شکتی نے جو ہم الپ شکتی آتماؤں کو چکر کی طرح اِدھر اُدھر گھما پھرا رہی ہے بچپن میں ہی میری بہن کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ اس کے بعد میں نے اپنی پیاری ماتا کی گود چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ گھٹنا چکر سے میرا ادویش مجھ سے بڑھ کر نش ماتر تک وسیع ہو گیا۔ میرے بھاگیہ ودھاتا نے مجھے جو جو درشیہ دکھائے۔ انھوں نے میرے ہردے میں ایک تیز آگ پیدا کر دی ہے۔ یہ آگنی میرے ہردے میں اس پوتر ندی کے "ہردوار" پر بھی سُلگتی تھی۔ میں اس طرح بن سے ندی ندی سے پربت۔ پربت سے اُن برفانی ہمالیہ کی چوٹیوں پر تڑپتا ہوا پھر رہا ہوں۔ گنگا کے کنارے نے میرے ہردے میں جو آنچ سُلگائی تھی۔ اس کا یہ پوتر اور شیتل نکاس ستھان بھی شانت نہیں کر سکا پتا! اچھا ہوتی جو کہ اس تیز آنچ میں ایک بار اس سارے دیش کو سُلگا دوں۔ اس پراچین جاتی نے صدیوں کے پرماد سے اپنے میں جو مل جمع کر لیا ہے۔ اُسے جلا کر راکھ کر دوں۔ پرم پتا! بل دو۔ اپنے دل کی اس بڑی جلن کو اس چاہ کو پورا کر سکوں۔

[اس سمے رشی کے ننگے شریر پر برفانی ہوا کا ایک تیز جھونکا لگتا ہے۔ وہ چونک پڑتا ہے۔]

سوامی دیانند:۔ اوہ! بڑی دیر ہو گئی۔ سوریہ لگ بھگ است ہو گیا۔ اس کی آخری کرنوں نے اس کھرا ندت ستھان کو لال رنگ میں رنگ دیا ہے۔ چاروں طرف برف ہی برف ہے۔ تھوڑی دیر میں رات کا گھنا اندھکار اس سندر پرانت کو اپنے کالے آنچل میں ڈھک لے گا۔ تب! میرا یہ مانس مجھ سے بنا شریر کیا ہو گا۔ چلوں جلدی سے کسی سورکشت ستھان کی طرف بڑھ جاؤں۔ ندی کی اس تیز دھارا کو پار کر کے سامنے والے پہاڑ سے نیچے اُتر جانا ٹھیک ہو گا

سوراجیہ مندر

کی عالیشان عمارت کی بنیادیں شہیدان ماں کے خون اور قومی ... کی ہڈیوں سے تیار ہو رہی ہیں نہ کہ محض زبانی جمع خرچ ...

ٹھاکر چھبیل چند شاہپوری کی تصنیف کردہ

پشپ کماری

اگر آپ سوراجیہ چاہتے ہیں - تو مجسم فرشتۂ آزادی مہارانی تاپ کی زندگی کا مطالعہ کریں - یہ آپ کو سوراجیہ کی طرف لے جانے والی کتاب ہے جس کا ترجمہ اردو زبان میں بنگالی کے مشہور و معروف مصنف بابو ستیش چند دت صاحب بہادر سی ایس آئی ای سابق کمشنر قسمت اڑیسہ صوبہ بنگال لیکچرار علم تاریخ لنڈن یونیورسٹی نے کیا ہے جس کا نام انہوں نے **پشپ کماری** رکھا ہے - اس کتاب کے مطالعہ سے مُردوں اور بچوں کی رگوں میں بھی خون جوش مارنے لگتا ہے اور قومی اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے ❊ قیمت عہ

راجہ نل دمینتی

راجہ نل کی مصیبتوں کا دل کو ہلا دینے والا دردناک نظارہ دمینتی کے دکھ کی دردبھری کہانی - زمانہ کی دورنگی اگر دیکھنی ہو تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں - پتی برتا دمینتی کو کن کن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا کس قدر راج نیتی کے اصولوں پر چل کر کامیابی ہوئی سننے اور پڑھنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے - لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت ۸؍

سیتا بن باس

راجہ رام چندر جی کے تعلقات بیوی اور پرجا ... پریم کا رقت خیز نظارہ - عصمت مآب سیتا کی دل کو رلا دینے والی قربانی - ہر ایک لفظ دل پر نشتر کا کام کرتا ہے - لکھائی چھپائی و کاغذ بہت اچھا سرورق رنگین قیمت ۱۲؍

کلجگ میں ست جگ کی دیوی

ایک پتی برتا استری کے دلیرانہ بہادری کے کارنامے استریوں کے لئے پتی برتا کا سبق ہے - لاجواب کتاب موتیوں کے برابر تول کر خریدنے سے بھی سستی ہے قیمت صرف ۸؍

پورن جتی

راج کنور پورن بھگت کی پاک اور پوتر زندگی کے پُردرد اور پُرسوز واقعات بطرز ناول قلمبند کئے گئے ہیں قیمت ۶؍

رانی پینا

راجہ آسید سنگھ اور فیروز شاہ کی خونریز لڑائیاں ایک تاریخی اور نہایت جوشیلی داستان ہے ۵؍

لیلاوتی

راج کنیا لیلاوتی کا اپنے باپ کے قاتل احمد شاہ سے بدلہ لینا - راجپوتنی کی سرفروشیاں نہایت نتیجہ خیز قصہ ہے رعایتی قیمت ۴؍

ساوتری دیوی

راجہ کیسری سنگھ کی راج کنیا کی دردناک داستان جس کا ایک ایک نقطہ دل میں ناسور ڈالتا ہے قیمت ۴؍

کرشن کماری

مہاراجہ بھیم سنگھ کی راج دلاری کی قربانی نہایت دردناک تاریخی فسانہ ہے قیمت رعایتی ۴؍

سکنتلا

ہندوستان کے مشہور مصنف کالیداس کی سب سے زیادہ مشہور اور دلکش ناول کا اردو ترجمہ قیمت ۴؍

درو پتی

ایک بیکس لڑکی کی پُردرد کہانی جو بطرز ناول لکھی گئی ہے اور حالت زندگی کی دردناک اور رقت انگیز ہے قیمت ۴؍

راما بائی

قلعہ چتوڑ کی تباہی اور بربادی کی حسرتناک داستان بادشاہ اکبر اور فخر قوم راجہ جے مل کی تاریخی لڑائیاں ۴؍

درگاوتی

دالی گڑھ منڈلا کی بیوہ رانی درگاوتی کا ملک اور قوم کی آزادی کے لئے آصف خان کے مقابلہ پر جان تک قربان کر دینا نہایت دردانگیز ناول ہے قیمت ۵؍

پرتاپ سنگھ کلاوتی

راجہ اجیت سنگھ کی راج کنیا کا عجیب تاریخی فسانہ راجپوتی شجاعت اور جوانمردی کا نمونہ ۳؍

تارا بائی

راجہ شیو رتن کی شجاع راج کنیا کا تاریخی فسانہ جس نے بزور شمشیر غنیم کو نیچا دکھا کر اپنے باپ کے ملک کو فتح کیا قیمت ۴؍

ہریش چندر

ست بادی راجہ ہریش چندر کا جیون چرتر پڑھنے کے قابل ہے رعایتی قیمت ۴؍

مندرجہ اشتہار مشہور و مقبول عام تاریخی کتب و سوانح عمریوں کے پڑھنے سے ملیگا

علم تاریخ کی دلچسپ اور قابل دید کتاب

وقائع راجستھان باتصویر

قومی آن پر مرمٹنے والے راجپوتوں کی جانبازیاں اور سرفروشیوں کے کارنامے - راجپوتانہ کی نامور ریاستوں یعنی اودے پور - جے پور - جودھپور - بیکانیر - اجمیر - بوندی کوٹہ - سروہی وغیرہ کے شجاع حکمران اور قومی شہیدوں کے ولولہ انگیز حالات - یہ مشہور تصنیف اور نہایت اعلیٰ دلچسپ تاریخی کتاب عرصہ سے ختم ہو چکی تھی - اب تیسری مرتبہ خاص اہتمام سے چھپوائی گئی ہے - ملکی اور قومی کاموں میں دلچسپی رکھنے والے ہر ایک محب وطن کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے قیمت ہر دو جلد مکمل باتصویر ۷؍ مجلد سنہری ۸؍

رامائن بطرز ناول

یعنی مہاراجہ رامچندر جی کی سوانحعمری جس میں آریہ ورت کی فضیلت اس کے زمانہ عروج کی بدولت پوری کیفیت آرین تہذیب اور شائستگی - اس کے علم و ہنر کی کمالیت اور اسکی بے نظیر بہادری کی زندہ تصویریں نظر آتی ہیں قیمت ہر دو حصہ مکمل (طبع ہشتم) (۲؍) ❊

راجکماری

راجہ ہمیر چند کی مصیبت اور اس کے خاندان کی تباہی راجکماری لاجونتی اور مانک کی سچی محبت کا فوٹو نہایت عجیب فسانہ ہے قیمت رعایتی ۶؍ (چھ آنہ) ❊

تلک بیتی

بھگوان تلک کا مکمل جیون چرتر باتصویر - کون بدقسمت ہوگا - جس نے اس پوتر زندگی کا مطالعہ نہ کیا ہو یہ ایک روزانہ مطالعہ کرنیکی کتاب ہے - جتنی دفعہ پڑھو - نیا لطف آئیگا - دلچسپی اور عبارت اتنی لطیف کہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا - بھگوان تلک کے ایک ایک شبدہ کرم کو لے کر گیتا اور نیتی شاستر کے شلوکوں کی اتنی تشریح کیگئی ہے کہ پڑھکر طبیعت خوش ہو جاتی ہے قیمت صرف ۸؍ ❊

قومی ناد

یہ اپنی قسم کی پہلی نادر بے نظیر کتاب دکھے ہوئے دلوں کیلئے مرہم عیسیٰ ہے - ملک کو آزاد کرانے اور سوراجیہ دلانیوالی نظموں کا شاندار مجموعہ ہے - اسکی ایک ایک نظم کا ایک ایک بند دراصل سوراجیہ کے لئے ایک ایک زینہ ہے - اس کے مطالعہ سے آزادی کی اُمنگ دلمیں پیدا ہو جاتی ہے - اور جلیانوالہ و دیگر قسم کی مصیبتوں کی دراصل شکل جو آج کل ظہور پذیر ہو رہی ہے یکدم دور ہو کر سوراجیہ کی سیدھی راہ آنکھوں کے سامنے دکھلائی دینے لگتی ہے قیمت ۱۰؍

نیشنل گلدستہ

ملک کو آزاد کرنے اور نئی روح پھونکنے والی نئی نئی غزلوں کا گلدستہ جو پنجاب اور ہندوستان کے نامی گرامی شاعروں کی عرقریزی کا نچوڑ ہے - قیمت ۸؍

فغان وطن

قومی ملکی پولیٹکل غزلیات کا شاندار مجموعہ قیمت ۳؍

فراق وطن

اسی قسم کا دوسرا دلفریب و شاندار مجموعہ ہے قیمت صرف ۳؍

اخلاق فاضلہ کے مشہور پرچارک شری سوامی ستنیہ دہاری جی مرحوم کی مقبول عام کتابیں معیار صداقت یا دھرم کسوٹی قیمت صرف دو روپے مجلد ۲؍۸

مرض تعصب کا مجرب علاج یا تاریخ کا روشن پہلو قیمت صرف ۱۰؍

ملنے کا پتہ :- رام داس کوہلی اینڈ سنز تاجران کتب پبلشرز - لوہاری دروازہ - لاہور

مقامی و ٹریولنگ ایجنٹوں کی ضرورت ہے! تنخواہ پچاس روپیہ سے دو صد روپیہ ماہوار تک حسب لیاقت دی جاویگی سفر خرچ کارخانہ اپنی گرہ سے دیگا - اصحاب متلاشی روزگار پتہ بالا سے دو آنے کے ٹکٹ بھیجکر شرائط ایجنسی طلب کریں ❊

مُنا تھا اُس پار نزدیک ہی کوئی آبادی ہے۔

[سوامی دیانند ندی کی دھارا میں اُترتے ہیں۔ پرنتو پانی کے اتی ادھک ٹھنڈا ہونے کے کارن اُف اکر کے پاؤں باہر نکال لیتے ہیں۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ من ہی من میں ایشور کا دھیان کر پھر ندی میں اُتر پڑتے ہیں۔ پانی بہت تیز ہے برف کے جو نوکیلے ٹکڑے بہ رہے ہیں۔ ان سے رشی کی ٹانگوں میں جگہ جگہ زخم ہو جاتے ہیں۔ دھار کے درمیان پہنچ کر ٹانگیں لڑکھڑانے لگتی ہیں۔ ہردے نراشا پورن ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتے ہیں۔]

چاروں طرف اندھکار کا راجیہ ہے۔ اندھکار سینکڑوں روپ دھارن کر کے اس شش جاتی کو ڈسنے کے لئے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ مَیں اکیلا ہوں الپ شکتی ہوں۔ مَیں کیا کر سکوں گا۔ پتا! دیانند کا نام اس دُنیا سے مٹا دو۔ وہ اب اور ساہس نہیں کر سکتا۔

[رشی اپنے کو گنگا کی دھارا میں وسرجت کرنے کے لئے جوں ہی ڈھیلا چھوڑنے لگتے ہیں۔ ان کی انترآتما انھیں چیتاونی دیتی ہے۔ وہ اچانک اونچی آواز میں چلا اُٹھتے ہیں۔ دیانند! ساودھان! کاٗر مت بنو۔ دیانند دو چار قدم اُٹھا کر ندی کے دوسرے پار جا پہنچے۔ باہر آکر انھوں نے ایشور کو من ہی من پرنام کیا]

— ۴ —

[ستھان۔ گنگا کے کنارے سے کچھ نیچے کا حصہ۔ سمے۔ سوریہ است۔ دونو شکاری نراش بھاؤ سے کھڑے ہیں]

دوسرا شکاری:- آج اس لومڑی نے بڑا دھوکا دیا۔ اتنی دور تک تو جیون بھر میں کبھی نہ آئے تھے۔

پہلا شکاری:- تمھیں تو اس لومڑی نے صرف تھوڑا سا دھوکا ہی دیا۔ پرنتو ہم بیچارے تو بے مول ہی مارے گئے۔

دوسرا شکاری:- چلو گھر لوٹ چلیں۔

پہلا شکاری:- اب وہ ساری شیخی کہاں گئی۔ مَیں نے پہلے ہی نہ کہا تھا۔ کہ یہ لومڑی نہیں۔ ابلیس کی بہن ہے؟

دوسرا شکاری:- وہ دیکھو سورج ڈوب رہا ہے یہ ڈوبتا سورج کتنا سہاؤنا معلوم ہوتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا۔

پہلا شکاری:- واہ میرے بھائی! یہ نظارہ تو پچھلے کی خوب کہی۔ ابھی دیکھو۔ تھوڑی دیر میں جب برف سے جسم جم جائے گا۔ تب وہ نظارہ بھی پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔

دوسرا شکاری:- بھائی مجھے تو اب جاڑے سے بھی زیادہ سردی معلوم ہونے لگی۔

[اسی سمے پہلا شکاری اپنے سے بہت اونچائی پر رشی دیانند کو اچانک دیکھ کر چلا اُٹھا]

پہلا شکاری:- ارے وہ دیکھو وہ کون ہے؟

دوسرا شکاری:- کہاں؟

پہلا شکاری:- وہ دیکھو اوپر کی طرف۔

دوسرا شکاری:- (اوپر دیکھ کر) وہ۔ تو کوئی ... تا معلوم ہوتا ہے۔

پہلا شکاری:- کبھی کسی نے تو کبھی چلتا پھرتا دیکھا ہے؟
(اس سمے تک رشی دیانند کافی اُتر آئے تھے)

دوسرا شکاری:- (گھبرا کر) بھاگو۔ بھاگو بھوت! سیھرش کے بابا کا بھوت ہو گا۔

پہلا شکاری:- او بیوقوف! یہ کوئی مہاتما معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا شکاری:- (حیرانی میں گھبراہٹ سے) ارے یہ تو بالکل ننگے ہیں۔ اس سردی میں بنا کپڑوں کے پہاڑ کی چوٹی پر سے اُترنا! باپ رے باپ۔

پہلا شکاری:- آج ہمارے بھاگ جاگ گئے ذرا ادب سے کھڑے ہو جاؤ۔

[دوسرا شکاری بہت ہی جھک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی سمے رشی اس ستھان پر پہنچتے ہیں۔ انھیں نزدیک آیا دیکھ کر دونو شکاریوں نے انھیں برف پر ماتھا ٹیک کر پرنام کیا دو آدمیوں کو دیکھ کر رشی دیانند کو بھی بڑی پرسنتا ہوئی۔]

رشی دیانند:- اُٹھو بھائیو اُٹھو۔
(دونو شکاری ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے)

رشی دیانند:- تمھارا گھر کہاں ہے؟

پہلا شکاری:- مہاراج! اسی پہاڑ کی ترائی میں شام پور نام کا ایک گاؤں ہے۔ مہاراج کے دونو غریب داس وہیں رہتے ہیں۔

رشی دیانند:- مجھے آج رات کے لئے اپنے ہاں آشرا دے سکو گے؟

پہلا شکاری:- (پرسن ہو کر) بھگون! اس سے بڑھ کر ہمارا اور کیا سوبھاگیہ ہو سکتا ہے۔

دوسرا شکاری:- (جواب تک رشی دیانند کی طرف بڑی حیرانی سے دیکھ رہا تھا) مہاراج! میرے کوئی سنتان نہیں ہوتی۔ کیا آپ مجھے اشیرباد دیا کر سکیں گے؟

سوامی دیانند:- (ہنس کر) بھائی بچوں تو سائیں لوگ رکھتے اور ایشور کی دیا سے ہی ملتی ہے۔ کسی سے مانگنے پر نہیں۔ چلو بھائیو! رات ہونے میں زیادہ دیر نہیں رہی۔ اب نیچے چلیں۔

[آگے آگے رشی دیانند اور اُن کے پیچھے وہ دونو شکاری بھگتی بھاؤ سے پہاڑی ڈھلوان اُترتے ہیں۔]

— ۵ —

پرکاش کے ہر خریدار پڑھا ہو۔

رشی دیانند سے فریاد

(شری یت سگن چند صاحب روشن بی اے ایل ایل بی)

اے دیانند اچھوتوں کے جگانے والے	ہندو جاتی کو تباہی سے بچانے والے
سختیاں غیر مذاہب کی اُٹھانے والے	یاد کرتے ہیں تجھے آج زمانے والے

متوالے ترے صبح و مسا کرتے ہیں
رنج و غم سہتے ہیں اور آہ و بکا کرتے ہیں

ہو رہے ہیں ترے بچوں پہ نئے ظلم و ستم	آ کے تو جلوہ نما ہو تجھے دیدوں کی قسم
بھائی ہے بھائی کی شمشیر دو دم سے بیدم	کیسے اجڑا ہے محبت ہوئے درہم برہم

تن لاغر پہ کوئی تارِ گریباں نہ رہا
اس مصیبت میں کوئی حال کا پرساں نہ رہا

مُرغِ جاں سوختہ کس طرح قفس سے سر کے	کر دیئے سینکڑوں صیاد نے ٹکڑے پر کے
لگتے ہیں شام و سحر تیغ ستم کے چرکے	خونِ دل پیتے ہیں ہم آنکھوں میں آنسو بھر کے

نام لیوا ترے با دیدۂ تر بیٹھے ہیں
ہم دبائے ہوئے ہاتھوں سے جگر بیٹھے ہیں

قوم کی کیوں نہ بڑھے بزم جہاں میں توقیر	چمکے گر قومی جوانوں کے سروں پر شمشیر
قوم کے واسطے مرنا ہے مبارک تدبیر	رل کے ہم خاک میں ہو جائیں گے اک دن اکسیر

نوجوانوں کے لئے خاک یہ چندن ہو گی
ان کی پیشانی اسی خاک سے روشن ہو گی

مہرشی کا آدرش جیون

(از پنڈت دھرم دیو ودیا واچسپتی ایڈیٹر ویر سندیش منگلور)

رشی راج جے تمھاری دل سے سدا منا دیں	تیرے مشن کو پورا کر کے سبھی دکھا دیں
جتنا ہتھیارتھ تم نے سرد سوبھا نسارا	سندیش شبھ تمھارا ہم سب ستین سنا دیں
آدرش ستیہ مئی تھا جیون بیتے تمھارا	نقش قدم پہ تیرے ہم بھی چلیں چلا دیں
کتنے دبا دکھائی ان پر بھی جو تھے گھاتک	کرونا مُبد تھے! تمھارے گن کیوں نہ دیکھا دیں
آدابرو کہاں ہے اُدار یہ دھیر یہ تم سا	تم سے پر ادھیکاری تیاگی کہاں سے پا دیں
نربھے کمال کے تھے جگدیش بھگت سچے	جیون ولی تمھارا آدرش نج بنا دیں
مرت جاتی میں پُنہ تم سنچار کر کے جیون	اُپکار کر گئے جو کیسے اُسے بھلا دیں
گرُ دیو ہم تمھارے چرنوں میں سر جھکا دیں	شبھ دھرم ویدی پر ہم اپنی بلی چڑھا دیں

ویدک دھرم کا جھنڈا

(مہاشہ رگھو نندن پرشاد)

(آریہ منزل۔ خسرو پور پٹنہ)

...یوں کا جھنڈا ہے مظہرِ حقیقت — سرکوب کفر و ظلمت غارت گر جہالت
...شعلِ ہدایت یہ رہنمائے خلقت — سن لے بگوشِ عبرت! اے دشمن صداقت

تو اے عدوئے ناداں شرمائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا! جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...ہلالی یا ہو صلیب احمر — سورج نما ہمارا جھنڈا ہے سب سے بڑھکر
...شعاعِ روشن پہنچیگی اس کی گھر گھر — عالم میں شرک و بدعت رو دیں گے ہوکے مضطر

پیغام فتح و نصرت یہ لائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...اس کی کرنیں چمکینگی باغ و بن میں — دریا و کوہ و صحرا بزم طرب و رن میں
...پر ملک پر غریب خلق میں — مغرب ہو یا کہ مشرق ہو دیس یا وطن میں

سکے عدو سے اپنے چھوائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...خلاصت بتولیں سے لن ترانی — افسانۂ جہادی تثلیث کی کہانی
...گے زیر سایہ بکیدل یہ ستا دہانی — دیکھیں گے مل کے باہم توحید کی نشانی

اس در پہ آب حیواں مل جائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...کی تجلی ہو دیکھنا ادھر آ! — ایمن کا تجھ کو جلوہ ہو دیکھنا ادھر آ
...معراج کا کرشمہ ہو دیکھنا ادھر آ — ویدِ دھرم کا نقشہ ہو دیکھنا ادھر آ

اوہام شرک و باطل مٹ جائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...غبار تیرہ باطن یا خاطرِ مکدّر! — دکھلائیں لاکھ آنکھیں بل کھاکے مثلِ اژدر
...دمبدم یہ ہمرنگ آب گوہر — سر بر فلک کشیدہ چوں مہر و ماہ و اختر

یہ نیر صداقت چمکائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...درِ حجیم و رتاب ضیا نہ لائیں — چلائیں لاکھ چیخیں یا شور و شر مچائیں
...پھیلائیں وہ غفونت یا سر پہ خاک اڑائیں — خورشید کی بلا سے یا جل بھن کے خاک ہو جائیں!

وہ نورِ روح پرور برسائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

...دھرم کے جھنڈے کی روشنی سے چڑکر — دلدادگان ظلمت! کیوں سیخ پا ہیں اکثر
...سنجیدگی سے آئیں وہ مہاکِ امتحاں پر — کھوٹے کھرے کا بیشک کھل جائے سب پہ جوہر

غرقاب بحر ظلمت گھبرائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

اے مہرشی دیانند! تو نے ہمیں بچایا — گم گشتگانِ عالم کو راستہ دکھایا
اوہام و کذب و بدعت کا ہو گیا صفایا — کھویا ہوا خزانہ ویدوں کا سب نے پایا

اعجاز مہرشی کا رہ جائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

اے سوز کی تمنا اے مالکِ دو عالم — گھومیں جہاں میں سر پہ باندھے ہوئے کفن ہم
زبانِ وید اقدس کرتو تو و شوم آریم — ہم سر مٹیں اسی پر آکر جہاں میں ہر دم

ایوان دینِ باطل گر جائیگا ہمیشہ
ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائیگا ہمیشہ

آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر نئے تحفے

मृत्यु और परलोक — مرتیو اور پرلوک

اردو ترجمہ

آریہ جنتا کی یہ بہت دیر سے خواہش تھی۔ کہ شری نارائن سوامی جی مہاراج کی مشہور و معروف کتاب مرتیو اور پرلوک کا اردو میں بھی ترجمہ ہو۔ جس سے کہ ہر ایک آریہ بھائی اس کے گن سے لابھ اٹھا سکے۔ ہمارے پاس سینکڑوں ہی چٹھیاں اس مضمون کی آئیں۔ اور ہم نے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس کا ترجمہ اردو میں بھی چھپوانا شروع کر دیا ہے۔ یہ پستک لاہور کے جلسہ سے پہلے ہو جائے گی۔ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲/ چھپائی لکھائی اعلیٰ اور بڑھیا ہوگی۔ ہندی میں نہایت شاندار اور بڑھیا کاغذ پر مجلد ۔ بلا جلد ۱۴/

نئے سنہ ۱۹۳۰ء کا خوبصورت رنگین کیلنڈر

یہ نہایت خوبصورت نئے سال کا کیلنڈر بھی جلد تیار ہونے والا ہے جس میں ضروری باتوں کے علاوہ شہید دھرم مہاشہ راجپال جی کا نہایت خوبصورت رنگین فوٹو دیا گیا ہے۔ اس نہایت خوبصورت کیلنڈر کو دیکھکر آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔ قیمت صرف

ستیہ اپدیش مالا

(ہندی) یہ کتاب بہت دیر سے ختم تھی۔ اب پھر سے آپ کے سامنے چھپ کر تیار ہے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ سچ پوچھو جس نے شری سوامی ستیا نند جی مہاراج کی امرت ورشا کا سواد نہیں چکھا۔ اس کا جیون ہی بیکار اگر آپ اب تک اس کے لطف سے محروم ہیں۔ تو آج ہی فوراً آرڈر بھیجکر یہ کتاب منگوائیے۔ اس میں شہید مہاشہ راجپال جی کی سوانح عمری معہ فوٹو لگا دینے سے پستک کی شوبھا دوگنی بڑھ گئی ہے۔ کاغذ بڑھیا چھپائی اعلیٰ قیمت صرف ... اردو ۱۲/

بھگتی درپن

یا آتم پرشاد ہندی ۔ اردو ۹/ خوبصورت سنہری جلد۔ یہ آریہ سماج کے مشہور و معروف پرچارکوں کی دماغی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ سلسلہ میں دھرم سمبندھی کوئی ایسی بات چھوڑی نہیں گئی۔ جس کا جاننا ہر ایک آریہ بھائی کے لئے ضروری ہے۔ خاص کر اتہاس اور سماج کی ترقی کے سب سادھن موجود ہیں ہر جیب میں رکھنے کا گٹکا ہے۔ نیا ایڈیشن دو رنگوں میں چھپا ہے۔ انعام جہیز بیاہ اور دھرم شکشا کے لئے استعمال ہو رہا ہے اس میں شہید دھرم مہاشہ راجپال جی کا جیون بھی ساتھ میں دیا گیا ہے۔

سنسکرت سویم شکشک

لوگ سنسکرت جاننا چاہتے ہیں۔ مگر وہ سیکھنے کے طریقے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مشہور ودوان پنڈت ساتولیکر جی نے یہ پستک بڑی ہی سرل بھاشا میں لکھکر تیار کی ہے یہ پستک بہت دیر سے ختم تھی۔ اور کسی بھی قیمت پر بازار سے نہیں مل سکتی تھی۔ اب یہ پھر نئے سرے سے چھپ کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ اس میں سنسکرت سیکھنے کا طریقہ ایسا سہل اور عمدہ رکھا گیا ہے۔ کہ بچے اور بوڑھے سب نہایت آسانی سے سیکھ سکتے ہیں اور تعجب یہ ہے۔ کہ آپ کو اس کے سیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ اور آپ تھوڑے ہی دنوں میں اس میں ماہر ہو جاویں گے۔ انہی باتوں کے سبب سے یہ پستک آریہ سکولوں میں بطور کورس کے رکھی گئی ہے۔ آپ کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ سنسکرت بھاشا کیسی آسان ہے۔ اور اس میں کیسے کیسے رتن بھرے پڑے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/

انگریزی میں دھارمک پستکیں

وزڈم آف دی رشیز یہ ان تمام کتب کا مکمل ترسیم مجموعہ ہے جو پنڈت گرو دت جی ایم اے نے ویدوں شاستروں اپنشدوں وغیرہ پر لکھی تھیں۔ اس میں بڑے بڑے یوروپین ودوانوں مثلاً میکس مولر۔ مونیر ولیم وغیرہ کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے جو انہوں نے ویدوں اور ویدک مذہب پر کئے تھے۔ بڑھیا کاغذ اعلیٰ چھپائی سنہری جلد قیمت ... روپے۔

ٹین کمانڈمنٹس آف دیانند از پنڈت چموپتی جی ایم اے اس میں آریہ سماج کے دس نیموں کی تفسیر کی گئی ہے سنہری جلد ... سینہار تھ پرکاش بک انڈیا از لالہ لاجپت رائے ... رگ ہسٹری آف دی آریہ سماج ... ۱۰/ ویدک چنتن اینڈ آریہ سماج ... جنرل سروے آف سوامی دیانند ۱۲/ کروسی فکشن ۶/ جیون چرتر گورو دت ... گرو گوبند سنگھ ... بھی بارعایت مل سکتے ہیں۔

دیگر ہر قسم کی دھارمک کتابیں ہم سے ملنے کا پتہ :-

شہید دھرم مہاشہ راجپال کا آریہ پستکالیہ انارکلی لاہور

آریہ سماج اور ہندو سنگٹھن

(از پنڈت لوکناتھ جی آریہ اپدیشک)

گورو ورجانند سے مکتی لینے کے پنچات مہرشی دیانند نے سنسار کا ادہار اپنا مکھیہ اُدیش بنا کر آریہ سماج کی ستھاپنا کی۔ اور اپنے سنسار ک ستھا پر مارتھک سکھوں کو پرانی ماتا کے کلیان کے لئے پرتیاگ کر دیا۔ اور سچے کرم یوگی کے روپ میں ویدک دھرم کے پرچار کے اپائے سوچنے اور سنسار بھر کو ایک سوتر میں باندھنے کا برت دھارن کیا۔ اور اس برت کا لیکھ بدھ اور سو کھک پرچار دوارا پالن کیا۔ اور اپنے پنچات آریہ سماج کو اپنا اترادھیکاری نیت کیا۔ آریہ سماج نے بھی اپنے آچاریہ کی آگیا پالن کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مسلمانوں عیسائیوں اور انیہ دھرم اولمبیوں کو ویدک دھرم کی دیکشا دیکر آریہ سماج نے سارے سنسار کے سنگٹھن کی بنیاد رکھدی۔ اور اس طرح آریہ جاتی کے نوجیون کا نیک پر رنبھ ہوا۔ آریہ سماج کی اس اُنتی کو دودھرمی سہہ نہ سکے۔ خاص کر شاستر ارتھ سے پراست ہوئے، تو مسلمانوں نے اپنی روایات کے مطابق تلوار سے کام نکالنا چاہا۔ لیکن آریہ سماجی تلوار سے کبھی پراست نہ کئے جا سکے۔ بلکہ آریہ سماج لاکھوں مسلمان اور عیسائی اپنے اندر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ آریہ سماج اب بھی اس میں تن من دھن سے لگا ہوا ہے۔ اور جب تک سارا سنسار ویدک دھرم کے جھنڈے تلے نہ آ جائے۔ آریہ سماجی جانتے ہیں۔ کہ وہ رشی رن سے مکت نہیں ہو سکتے۔ آثار اچھے ہیں۔ گیانی سنسار بڑی تیز رفتاری سے ویدک دھرم کی طرف بھاگتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن یہ تبدیلی سوارتھی لوگوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ متعصب مولوی آریہ سماج کے ناش کے پریتن کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آریہ سماج بڑھ پھول اور پھل رہا ہے اور اسنے آریہ جاتی کو سنجیت کر دیا ہے۔

اتیا چاریوں کا اپدرو

آریہ سماج کے کام سے ہندو دھرم کی جاگرتی اور آریہ سماج کی طرف ان کے جھکاؤ کو دیکھ کر اتیا چاری مسلمانوں نے ہندوؤں کو بھیڑ بکری بنانے کے لئے ستھان ستھان پر اپدرو کرنے شروع کر دیئے۔ اور پرتکیش روپ میں یہ اعلان کرنے لگے۔ کہ آریہ سماج کے شدھی کا کام شروع کر کے ساری آگ لگائی ہے۔ ان کی آنترک بھاونا تو یہ تھی۔ کہ ہندو سماج کو آریہ سماج کے خلاف کھڑا کر دیا جائے۔ لیکن برائی میں سے بھلائی نکل آئی۔ اس طرح کہ سوامی شردھانند جی نے دور اندیشی سے کام لے کر دوچار شیل ہندو نیتاؤں کو ساتھ ملا کر ہندو سنگٹھن کا کام آرنبھ کر دیا۔ جس سے ہندوؤں میں اپنی رکشا کے بھاؤ جاگرت ہو گئے۔ اور مخالف بلبلا اٹھے گو ہندو سنگٹھن مسلمانوں یا کسی کو دکھ دینے کے لئے نہیں۔ بلکہ ہندوؤں کی رکشا اور دیش انتی کے لئے تھا۔ تاہم متعصب مسلمانوں کو کھٹکتا رہا۔ جس کا ایک نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سوامی شردھانند جی پر گولی کا قاتلانہ وار کیا گیا یہ فعل اس لئے کیا گیا تھا۔ کہ سوامی جی کی شہادت کے ساتھ سنگٹھن اور شدھی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن ان کی آس یاس ثابت ہوئی۔ کیونکہ ہندو سنگٹھن پہلے سے بھی ادھک بل پکڑنے لگا۔ پرسدھ آریہ نیتاؤں کے بلیدان سے جنتا آریہ سماج کی طرف کھچ گئی۔

بھارت میں ہی نہیں ودیشوں میں بھی آریہ سماج کی پرشنسا ہونے لگی۔

پورانکوں کا واویلا

آریہ سماج کے سوارتھ تیاگ سے دن بھی کے ساتھ ساتھ اس کی جے پتاکا بھی اونچی سے اونچی ہوتی جا رہی ہے۔ اور آریہ سماج کے سدھانت دیکھا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کلجی راجا لوگ کے پورانک نشو یہ ہڑتال پھیر رہے ہیں۔ جدھر دیکھو۔ آریہ منتویوں پر شردھا کا پرکاش کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کی اس پرکار کی منورتیوں کو دیکھ کر سوارتھی پورانکوں کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ آریہ سماج کے خلاف جھوٹا واویلا مچا کر اس کے نشٹ کرنے کا پورا پریتن کیا۔ پرنتو ان کے منورتھ سدھ نہ ہو سکے۔ سوارتھی لوگ ہمیشہ ستیہ کے خلاف کولاہل کیا کرتے ہیں۔ پرنتو بھوشیہ کا گیان رکھنے والی ہندو جاتی آریہ سماج کی سرودا سہائتا کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ مہاراج بڑودہ کے شبدوں میں آریہ سماج ہندو جاتی روپی شریر میں آتما کا کام کرتا ہے۔ پھر کون ایسا نربدھی ہے جو پورانکو کے اس متھیا کتھن کو مان لیگا کہ آریہ سماج ہندو سنگٹھن کا شترو ہے جو آریہ سماج سنسار کے سنگٹھن کا پکشپاتی ہے۔ وہ ہندو سنگٹھن کا ورودھی کیسے ہو سکتا ہے۔ بدھیمان ہندو یہ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ آریہ سماج کے سدھانت ہندو جاتی کی رکشا کے مول کارن ہیں

گھر ہیں ڈر

یہ بات مسلمہ ہے۔ کہ ہندو سنگٹھن

کا جنم داتا اور اس کا پوشن کرنے والا آریہ سماج ہے۔ اور آریہ سماج کے منتوؤں کے پرچار سے ہی ہندو سنگٹھن بلکہ سنسار کا سنگٹھن ہو سکتا ہے۔ البتہ آریہ سماج کے منتویوں کا پرچار بند کرا کے کوئی ہندو سنگٹھن کرنا چاہے۔ تو آریہ سماجیوں کو ایسے ہندو سنگٹھن کو دور سے ہی ہاتھ جوڑ دینے چاہئیں۔ پرنتو دکھ کی بات ہے کہ بعض ہردے ہین آریہ سماجی سدھانت پرچار کی بلی چڑھا کر بھی ہندو سنگٹھن کا راگ الاپنے لگ جاتے ہیں۔ مجھے اس بات کا دکھ ہے۔ کہ کئی آریہ سماجوں کے اتسوؤں پر جاتے ہی اپدیشکوں کے کان بھرنے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ کہ کھنڈن نہ کرنا۔ ہمارے کام کو نقصان پہنچیگا۔ پرنتو یہ ڈر نرادہار ہے۔ اس سے آریہ سماج کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اور نہ ہی سدھانتوں کی بلی چڑھا کر سمجھوتہ کرنے کے لئے مہرشی دیانند نے آریہ سماج کو ستھاپت کیا تھا۔ یدی آریہ سماجی یہ مانتے ہیں۔ کہ ان کے سدھانت سچے اور جگت کا ادھار کرنے والے ہیں۔ تو انہیں اپنے سدھانتوں کا بیخوف ہو کر پرچار کرنا پڑے گا۔ اسی سے سچا سنگٹھن ہو سکے گا۔

آریہ ویرو! آپ کے آچاریہ نے لاکھوں روپیہ کی سالانہ آمدنی کی گدیوں کو ٹھکرا دیا۔ پرنتو اپنے ویدک سدھانتوں کے پرچار کو بند نہیں کیا۔ آپ لوگوں کو بھی اس کرتم سنگٹھن کی اپیکشا کرنی چاہیئے سدھانت پرچار کی بلی چڑھا کر ہندو سنگٹھن کرنے سے نہ سنگٹھن ہی ہوگا۔ نہ آپ اپنا ادیش پورا کر سکیں گے۔ یہ آپ کے سدھانت پرچار کا ہی پربھاؤ ہے۔ کہ سارے مت متانتروں والے اپنے چھ

جھوڑ منتویوں میں پریورتن کر کے انہیں ویدک منتویہ انوکول بنانے کا یتن کر رہے ہیں اگر آپ اپنے راستہ سے پھسل گئے۔ تو سب کیا کرایا مٹی میں مل جائیگا۔ یش پرتشٹھا کے پرلوبھنوں اور واہ واہ کرانے کے خیال کو چھوڑ کر دڑھتا سے مہرشی کے دکھلائے ہوئے مارگ پر چلے چلو۔ اسی سے سنگٹھن ہوگا۔ اور سارا سنسار ویدک دھرم کا بے ناد بلاتا ہوا سچے سکھ اور شانتی کو پراپت ہوگا۔

جیو کا پرمان

(بقیہ مضمون صفحہ ۸)

اسی وجہ سے ستیارتھ پرکاش میں رشی نے ہم پرمان اور وبھو کو نہ مان کر جیو آتما کو پریچھن لکھا ہے۔ اس تیسرے پکش میں جو دوش جانے جاتے ہیں۔ وہ اس طرح ہیں۔

اگر جیو آتما پریچھن ایک دیشی ہے۔ تو جس جگہ شریر میں وہ رہیگا۔ گیان اتنی ہی جگہ ہوگا دوسرے ستھان میں گیان نہیں ہو سکتا کیونکہ گیان آتما کا گن ہے۔ اور گن گنی کو چھوڑ کر نہیں جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جاوے۔ گھر میں چراغ ایک جگہ جلتا ہے۔ اور اس کا پرکاش سارے گھر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح آتما شریر میں ایک جگہ رہ کر سارے شریر کا گیان پراپت کر سکتا ہے تو یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ دیپک کی شکھا سے اگنی کے پرمانو نکل کر جہاں تک جاتے ہیں۔ وہاں ہی روشنی ہوتی ہے۔ دوسری جگہ نہیں ہوتی۔ اور آتما کے جز ادھر ادھر اس طرح دوسری جگہ نہیں جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جزوی ہی نہیں ہے۔ اور اگر جزوی ہوگا تو انتیہ ہوگا اس لئے یہ اداہرن یہ ثابت نہیں کرتا کہ آتما ایک جگہ رہ کر سارے شریر کا گیان حاصل کر لیگا۔ اس لئے اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا اداہرن ملنا چاہیئے۔ سو دوسرا اداہرن یہ ہے۔ مقناطیس میں کشش یعنی پربھا ہر مقناطیس میں کشش ہے۔ اس کے پرمانو الگ ہو کر نہیں جاتے ہیں۔ اور یعنی پربھا بھی دیپ پربھا کی طرح نہیں۔ جیسے اس کے پرمانو جاتے ہیں۔ ویسے اس کے پرمانو بھی نہیں جاتے ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے۔ اس پکش کو سدھ کرنے والا کوئی بھی درشٹانت نہیں ہے۔ اس لئے جیو آتما کے سمبندھ میں جو تین پکش ہیں۔ ان میں سے مدھم اور وبھو میں دوش زیادہ ہیں۔ اور ان میں شرتی بھی پرمان نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ وبھو واد کناد و گوتم دونو مانتے ہیں لیکن انہوں نے بھی کوئی منتر پرمان نہیں دیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مہرشی دیانند جی نے ان دونو کو چھوڑ کر تیسرا انو پرمان جیو آتما ہے۔ اسے سویکار کیا ہے اور یہی پکش شرتی اور یکتی انوکول ہے۔

انصاف اور رحم

انصاف اور رحم میں محض برائے نام فرق ہے کیونکہ جو مطلب انصاف سے پورا ہوتا ہے۔ وہی رحم سے۔ سزا دینے کا مدعا یہ ہے کہ لوگ خطا سے باز آ کر دکھ نہ پاویں۔ وہی مطلب رحم کا ہے۔ یعنی دوسروں کے دکھوں کو دور کرنا جس نے جیسا اور جتنا برا کام کیا ہو اس کو ویسی اور اتنی ہی کڑی سزا دینی چاہیئے۔ اسی کا نام انصاف ہے۔ اور اگر قصوروار کو سزا نہ دی جائے تو رحم صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ کیونکہ ایک مجرم ڈاکو کو چھوڑ دینا گویا ہزاروں دھرماتما لوگوں کو دکھ دینا ہے۔ جب ایک کے چھوڑنے سے ہزاروں آدمیوں کو دکھ پہنچتا ہے تو پھر وہ رحم کیسے رحم ٹھیرا؟

(رشی دیانند)

ہوا کا رُخ

آپ کسی پبلک جلسہ میں شریک ہوں۔ کوئی سیاسی اخبار اُٹھاکر دیکھیں۔ یا پرائیویٹ طور پر کسی سے گفتگو کریں۔ آپ کو ایک فقرہ ہر جگہ ملے گا۔ اور وہ فقرہ یہ ہے۔ کہ آپکو اُس کپڑے کا لباس پہننا چاہیئے، جو آپ کے اپنے وطن میں بنا ہو۔

اپنے وطن کا کپڑا پہنکر نہ صرف آپ اپنے اہالیان وطن کو فائدہ پہنچاتے ہیں بلکہ اپنی بھی امداد کرتے ہیں۔

لال اِملی کے خالص اُونی کپڑے ہندوستان کی سرزمین پر طیّار ہوتے ہیں۔ اور اُنھیں آپ کے ہم وطن بھائی بناتے ہیں۔ اور اتنا ہی نہیں۔ یہ کپڑے ایسے خوبصورت، اور اسقدر پائدار ہیں۔ کہ دُوسرے کپڑے ان کا مُقابلہ کرنے سے قاصر ہیں۔

لال اِملی کے تمام کپڑے شرطیہ طور پر سو فیصدی خالص اُون سے طیّار ہوتے ہیں۔

لال اِملی

کے سرج۔ ٹوئیڈ۔ فلالین کمبّل۔ لوئیاں۔ موزے۔ سویٹر۔ پُل اوور۔ ہلینر۔ مفلر۔ سب ہندوستان میں طیّار ہوتے ہیں

LALIMLI
PURE WOOL

ٹریڈ مارک

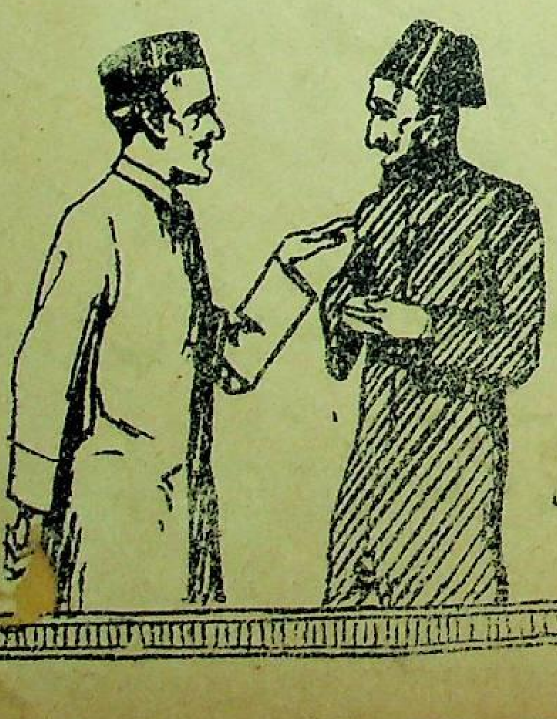

کانپور وولن ملز کمپنی (شاخ برٹش انڈیا کارپوریشن لمیٹیڈ) **پوسٹ بکس نمبر ۸ کانپور**

لال اِملی کی ایجنسیاں۔ لاہور۔ انارکلی۔ دہلی۔ نئی سڑک۔ شملہ۔ آکسفورڈ ہوس دہرہ دون۔ منصوری۔ لنڈور بازار۔

مبتلایانِ مردانگی

جانیں اور سمجھیں کہ

ہر کہ ومہ کی مشہور مقویات کا اندھا دھند استعمال

ان کی مصائب کو مضروب کرنے کا ذمہ دار ہے اور انہیں دن بدن بد سے بد تر حالت کی جانب دھکیلے جا رہا ہے ہر نئی دوا سے انکی مرض اور بھی جڑ پکڑتی جاتی ہے حتی کہ یہ لا علاج ہو کر ناقابل علاج ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ تو کوئی بازاری زہریلی دوا تمام جسم کو زہر آمیز بنا کر معاملہ کو ناممکن الاصلاح بنا دیتا ہے لہذا ایک لائق معالج کی ادویات کے سوائے دوسری برتو

یہ مقام کا ہے کہ جو ہر اس شخص کو جو کسی قسم اور کسی درجہ کی مردانہ کمزوری میں مبتلا ہو کر جانا چاہیے کہ اس سے وہ بہت سی پریشانی اور اصراف زر اور مصیبت سے بچ جائیں گے نیز قلیل عرصہ میں اس کی تکالیف کا خاتمہ ہو جاویگا ورنہ بصورت دیگر سالہا سال گذر جانے پر بھی انہیں کوئی افاقہ نہ ہوگا اور آخرش تباہ ہو جا دیگا - آدمی کو جانو

پہچانو پھر دوائی منگواؤ!

ماہر معالج

شویمان کی رئو ڈوئیڈ بکلرش پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دہارا ایڈیٹر اخبار دیش اوپکارک و مصنف ۲۴ درجن طبی کتب و ماہر امراض مخصوصہ مردان **تیس سالہ تجربہ** لہذا آپ نہایت مطمئن ہو کے ایک ایسے وید ہیں کہ جو آپ کو نہایت اعلیٰ اور مخلصانہ مشورہ دے سکتے ہیں آپ کی زیر نگرانی تیار کی گئی ادویات بھیجی جاتی ہیں

اکسیر ۱

یہ مردوں کی امراض کی عام دوائی ہے- جریان سرعت وغیرہ کو مفید ہے اور ضعف دور کرنیکے واسطے اکسیر ہے- قیمت ۲۴ گولیاں للعہ ۸ گولیاں ۸/

اکسیر ۱۶

مفرح- مقوی- مبہی دافع جریان احتلام- سرعت- ذیابیطس مقوی دل و دماغ- پرانے بخاروں اور بخار کے بعد کی کمزوری پر نافع ہے! قیمت ۳۲ گولی للعہ نمونہ عہ

اکسیر ۶۵

یہ سفوف زیادہ گرم مزاجوں کو دیا جاتا ہے- ٹھنڈا ہے- جریان- سرعت اور احتلام کو نافع ہے- قیمت آدھ پاؤ عہ

اکسیر ۵۰

مقوی ادویات کی سرتاج ہے دنیا میں اس کے برابر مقوی دوائی نہیں مل سکتی- چند دنوں کے اندر وہ طاقت دکھاتی ہے جو پہلے نہ دیکھی ہو- دلیر و تا در بناتی ہے- قیمت ۳۰ گولی للعہ ۸ گولی چار روپے للعہ

اکسیر ۳۲ شاہی نسخہ

مقوی- مبہی- مشتہی اعضاء رئیسہ و بصارت و مقوی معدہ و مثانہ- ہاضم طعام دافع سرعت- درد کمر- کمزوری باہ و احتلام ہے رنگ و روغن نکھرتا ہے خون پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ سردیوں میں استعمال کرنے والا جوان رہتا ہے قیمت ۵ تولہ للعہ نمونہ عہ

اکسیر ۵

کسی اسباب سے سرعت کی مرض ہوئی ہو- پندرہ دن کے اندر اندر پورا فائدہ ہوتا ہے- ۴۰ دن کے اندر اصلی قدرتی ..... ہو جاتا ہے- مقوی دافع جریان و احتلام بھی ہے ایک معجون ہے قیمت فی پاؤ للعہ آدھ پاؤ عہ

اکسیر ۲۰

شیوجی مہاراج کا تجویز کردہ بوڑھوں کو جوان اور جوانوں کو پہلوان بنانے والا نسخہ جو کھانسی- نزلہ زکام- بلغم وغیرہ کو بھی نافع ہے- قیمت ۲۴ گولی چار روپے للعہ

اکسیر ۲۰ درجہ اوّل

مندرجہ بالا تعریف سے زیادہ مفید ہے- قیمت چھ روپے- نمونہ ۸ گولی عہ

اکسیر ۴۰

کثرت احتلام کی خاص دوائی ہے- طالبعلموں کے واسطے نعمت ہے- قیمت ۳۲ گولیاں عہ نمونہ صرف ۴/

اکسیر ۳۴

جریان کی لاثانی دوائی ہے قیمت اکسیر ۳۴ الف ۳۲ گولی عہ نمونہ ۸/ قیمت اکسیر ۳۴ ب جو علاوہ اس کے مقوی اعضاء رئیسہ ہے- ۳۲ گولی صہ- نمونہ عہ

اکسیر ۴۴ فلک سیر

اسکے کھانے سے طبیعت میں نشاط اور خوشی آتی ہے مفرح ہے دل و دماغ کو نہایت ہی خوش کن و مقوی اثر ہوتا ہے- جریان- سرعت کا قلع قمع ہوتا ہے- کستوری- عنبر یاقوت- زمرد- موتی- سونا چاندی- زعفران- مغزیات وغیرہ اسکی بناوٹ میں شامل ہیں- قیمت ۲ تولہ عکہ نمونہ ۸/

اکسیر ۱۱

علاوہ جریان- سرعت احتلام ضعف باہ کو دور کرنے کے دل و دماغ- جگر و معدہ و مثانہ کو بھی طاقت دیتی ہے قیمت ۴۶ گولی [illegible] ۱۶ گولی عکہ

اکسیر ۳۱

جس قسم کا پرمیہ یا پیشاب کی بیماریاں- نیز اکسیر- دمہ بدہضمی- کو اکسیر کو نافع ہے اور ساتھ ہی جریان کو مفید ہے قیمت ۳۲ گولی عہ نمونہ ۸ گولی ۴/

کشتہ جات

کشتہ سونا- چاندی- قلعی- شنگرف- سنکھیا- فولاد- موتی- مرجان وغیرہ معمولی معمولی اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

طلاء

جو لوگ اپنے ہاتھوں اپنا ستیاناس کر چکے ہوئے ہیں انکے واسطے بیرونی استعمال کیواسطے طلا کی بھی ضرورت ہوتی ہے چند طلاء کا بیان نیچے دیجاتا ہے

طلاء ۱ بوڑھوں کے حلقے اور جو کمزور دبسے ہی طاقت بڑھانا چاہیں مفید ہے قیمت صہ- نمونہ عہ

طلاء ۳ علم طلا ہے بڑوں تکلیف کے سب کو فائدہ دیتا ہے قیمت عہ نمونہ ۳/

طلاء ۱۴ کھڑا ابھار لاتا ہے مگر طاقت بے لاثانی ہے قیمت [illegible]

طلاء ۲ ابھار دیتا ہے طلاء ۳ سے زیادہ جلدی فائدہ کرتا ہے قیمت [illegible] نمونہ ۱۲/

پنڈت ٹھاکر دت شرما وید موجد "امرت دھارا" کی مفید دلچسپ تصنیف

کام ورتی شاستر حصہ اوّل

اس میں ۲۴۵ دستی تصاویر اور ۵۰ فوٹو بلاک کی تصاویر ہیں

چھٹی بار چھپ کر تقریباً نصف بک چکی ہے جلدی منگوائیں ورنہ ساتویں ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا- قیمت اردو صہ ہندی [illegible] روپیہ طالب علم درخواست نہ کریں-

کام دیوک شاستروں کے نام لوٹ مچ رہی ہے- اس ضروری مضمون کو بالکل غلط پیش کیا جاتا ہے- پنڈت صاحب نے سینکڑوں کتب کے مطالعہ کے بعد صحیح طور پر اس علم سے پبلک کو واقف کرنے کے واسطے قلم اٹھائی ہے- حصہ اول نکلکر چھ بار چھپ چکا ہے- حصہ دوم لکھا جا رہا ہے- حصہ اول میں مرد و عورت کی جوانی و خوبصورتی کا مکمل بیان ہے ان کی اقسام پر مفصل بحث ہے- اور انسانی جسم کے ہر عضو پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے- کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے- زیادہ تعریف یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں- جبکہ

ناپسند ہونے پر واپسی کی شرط ہے

یعنی کتاب پہنچنے پر اگر ناپسند ہو تو دو دن کے اندر رجسٹری کر کے واپس کر دیں- تصاویر وغیرہ دیکھ کر ہم اس کی قیمت آپکو منی آرڈر کر دینگے اور کیا چاہیے!

پنڈت جی صاحب کی دیگر مفید و دلچسپ طبی کتب جنکے پڑھنے سے ہزاروں فائدہ اٹھا چکے ہزاروں اٹھائینگے

کیا ہم لڑکا یا لڑکی اپنی مرضی پر پیدا کر سکتے ہیں- چوتھا ایڈیشن ۲/ رسالہ گھر کا حکیم (۲/) کیا میں تندرست ہوں صحت و درازی عمر کا راز دوسرا ایڈیشن اردو (۸/) رسالہ وضع حمل تیسرا ایڈیشن اردو (۶/) رسالہ میٹھی نیند و فلسفہ خواب اردو (۱۲/) رسالہ صحت کے دس اصول اردو (۶/) پرورش اطفال اردو (۱۴/) رسالہ قبض اردو (۱/) رسالہ غذا و صحت اردو (۲/) نوے سال جوان و تندرست کیوں رہیں؟ اردو (۴/) رسالہ سرعت اردو (۵/) رسالہ آتشک باتصویر تیسرا ایڈیشن اردو (۱۲/) رسالہ سوزاک اردو (۸/) رسالہ مجربات حکمائے ہند- ہندوستان کے حکماء کے نسخے نمبر اول (۱/) نمبر دوم اردو (۱۲/) نمبر سوم اردو (۱۲/) نمبر چہارم اردو (۱۲/) نمبر پنجم (دو حصہ) ۲/ للّٰہ... ہدایت الموسم اردو (۱۲/) ہندی (۱۴/) رسالہ ہسٹیریا یا اختناق الرحم اردو (۸/) دوش گیان (علم الاخلاط اردو (۱۲/) دانت و ان کی امراض و علاج اردو (۱۲/) دودھ اور دودھ کی اشیاء اردو (۴/) نقشہ صحت اردو روغنی (۱۲/) دیرج کے متعلق علمی و طبی تحقیقات اردو (۶/) ہندی (۸/) سشرت کا ترجمہ حصہ اول اردو (۸/) فزیالوجی اردو (۱۰/) شباب جاودانی اردو (۱۴/) اہل ہند کی کمزوری کے اسباب اردو (۱۰/) ہندی (۱۲/) جیو جتسو و جاپانی کشتی کے طریق اردو (۴/) تصاویر صحت اردو (۳/) رسالہ دودھ نباتات اردو (۶/) علاج الاطفال اردو (۴/) سیر یورپ اردو (۵/) علاج المفردات اردو (۱۴/) رسالہ تمباکو اردو (۳/) یادگار جوبلی ایڈیشن ہندی- انگریزی (ہر زبان میں) ۴/ تحفہ سرما جس میں مقوی باہ نسخہ جات کا ذخیرہ حصہ ۱۹۲۶ء کتابی صورت میں ۵/ ۱۹۲۵ء ۱/ ۱۹۱۸ء ۱/ ۱۹۱۹ء ۱/ ۱۹۲۰ء ۱/ ۱۹۲۱ء (۲/) رسالہ حکیم و مریض اردو (۲/) رسالہ دس بڑو دے منتر ہندی (۱۲/)

نوٹ فہرست ادویات- رسالہ امراض مخصوصہ مردان- فہرست کتب مفصل رپورٹ سلور جوبلی- سو سالہ کیلنڈر- خلاصہ لیکچر سب دو آنہ کے ٹکٹ برائے محصول آنے پر **مفت** روانہ ہونگے!

خط و کتابت و تار کیلئے پتہ **امرت دہارا ۳ لاہور**

المشتہر **منیجر** امرت دہارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون امرت دھارا روڈ- امرت دھارا ڈاکخانہ **لاہور**

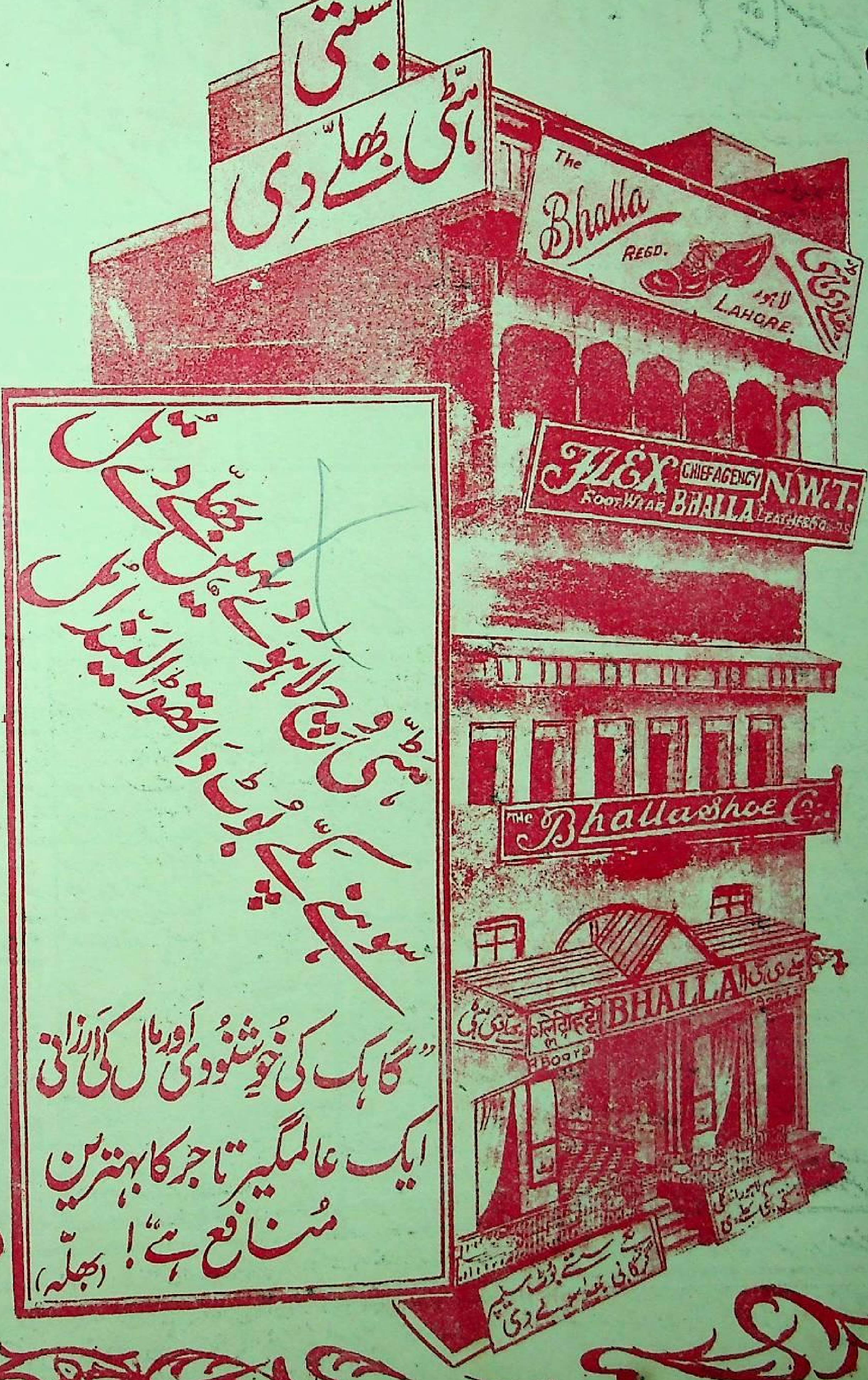
بسنتی
ہٹی بھلے دی
The Bhalla Regd.
لاہور
LAHORE.
FLEX CHIEF AGENCY N.W.T.
FOOTWEAR BHALLA LEATHER GOODS
The Bhallashoe Co.
BHALLA
"گاہک کی خوشنودی اور مال کی ارزانی
ایک عالمگیر تاجر کا بہترین
منافع ہے"!
(بھلہ)

ٹیلیفون نمبر ۲۱۳۳

آریہ سماج کے بانی مہرشی سوامی ओ३म दیانند سرسوتی کی یادگاریں

رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۳۵

ہفتہ وار پرکاش لاہور کا رشی نمبر

PRAKASH-RISHI No.

ایڈیٹر کرشن بی اے

قیمت سالانہ للعہ/ فی پرچہ ۱/

نمبر ۴۱

جلد ۲۶

اتوار - ۳ کارتک سمت ۱۹۸۷ مطابق ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء - دیانند آبد ۱۰۶ 19 OCT 1930

گایتری منتر کا ترجمہ

(از شری میت منشی تلوک چند صاحب محروم بی اے)

ओं भूर्भुवः स्वः। तत्सवितुर्वरेण्यमभर्गो देवस्य धीमहि।
धियोयो नः प्रचोदयात् ॥

جس نے ہمیں پیدا کیا
اور پرورش کرتا ہے جو

جس سے ہے قائم زندگی
درد اور دکھ ہرتا ہے جو

جس کا جلالِ برتریں
ہے سُو بہ سُو جلوہ فشاں

عالم کے ذرّے ذرّے میں
راحت رساں آرام جاں

کرتے ہیں اس کا دھیان ہم
اور مانگتے ہیں یہ دعا

یارب ہماری عقل کو
نیکی کے رستے پر چلا

سردی کے دنوں میں

۳۰ سال سے اوپر کے کمزور مرد - عورتوں کے لئے

ہیرے اور سونے والا

اصلی

سِدھ مکردھوج

(تیار کردہ آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمیٹڈ - لاہور)

نہایت کامیاب مقوی اعصاب ثابت ہو چکا ہے

یہ راجوں مہاراجوں اور امیر اُمرا کے استعمال کی چیز ہے

مقدار خوراک نہایت قلیل (صرف ۱/۴ رتی)، - استعمال نہایت آسان (صرف صبح کے وقت تھوڑے شہد یا تازہ مکھن میں ملا کر چاٹ لینا) فوائد بے انتہا اور یقینی - ان سردیوں میں صرف تین ماہ تک آپ بھی ضرور استعمال میں لائیں - آپ کی کایا پلٹ دیگا - اور سال بھر آپ کو ہر قسم کی کمزوریوں سے محفوظ رکھیگا ؛

قیمت (۳۲ خوراک) سات روپے - (۴۸ خوراک) دس روپے - (۹۶ خوراک) بیس روپے (۲۰ عـ)

ایک دم دس روپے یا زیادہ کا مال لینے کی صورت میں ایک آنہ فی روپیہ رعایت - خرچ ڈاک بذمہ خریدار ؛

استعمال کرنے والے کیا کہتے ہیں؟

ڈاکٹر موتی لال صاحب انچارج ڈسپنسری لکھنؤ فرماتے ہیں کہ :- (۱) آپ کے سدھ مکردھوج نے بہت فائدہ ظاہر کیا ہے - ڈیڑھ ماشہ اور بھیجیں - (۴۰)

(۲) آپ کے سدھ مکردھوج نے میرے مریضوں کو فائدہ دیا ہے -

(۳) آپ کا سدھ مکردھوج جریان و نامردی وغیرہ امراض کے مریضوں پر آزمایا گیا - بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے ؛

حکیم گنپت لال صاحب کراؤن فارمیسی راولپنڈی فرماتے ہیں :- آپ کا سدھ مکردھوج میں نے خود استعمال کیا - قوت باہ کیلئے یہ دوا ضرور مفید معلوم ہوتی ہے - (۴۰)

ڈاکٹر ایشر داس صاحب کراؤن فارمیسی راولپنڈی فرماتے ہیں :- کہ آپ کا سدھ مکردھوج میں نے خود استعمال کیا قوت باہ کے لئے یہ دوا ضرور مفید معلوم ہوتی ہے - (۵۴)

ڈاکٹر دولت رام صاحب میڈیکل آفیسر حیدر گنج فرماتے ہیں :- کہ آپ کے سدھ مکردھوج سے فائدہ ضرور رہے ؛

ڈاکٹر الٰہی چند صاحب انچارج ڈسپنسری فتح آباد فرماتے ہیں :- اب آپ کے سدھ مکردھوج کے فوائد کی تصدیق بیکار ہے کیونکہ اب اس کا نام زبان زد ہر خاص و عام ہو رہا ہے - براہ مہربانی ڈیڑھ ماشہ دوا اور بھیج دیں - (۹۶)

ڈاکٹر دولت رام صاحب میڈیکل آفیسر حیدر گنج فرماتے ہیں کہ آپ کے سدھ مکردھوج سے فائدہ ضرور رہے ؛

لالہ سیتا رام صاحب سیٹھی - موہن لال روڈ لاہور فرماتے ہیں :- کہ آپ کے سدھ مکردھوج کے صرف ایک پیکٹ کے استعمال سے نہ صرف میری دماغی کمزوری دور ہو گئی - بلکہ عرصہ دس سال سے مجھے بھگندر کی جو تکلیف تھی وہ بھی جاتی رہی -

بابو سری رام صاحب وکیل - سولن فرماتے ہیں :- کہ پچھلے سال آپ سے تین ماشہ سدھ مکردھوج منگایا تھا - اسکے استعمال سے مجھے واقعی فائدہ ہوا - براہ مہربانی اب کے چھ ماشہ دوا ارسال کریں - (۶۱)

اصل چیز پانے کے لئے یہ نام یاد رکھیں

شفاخانہ آیورویدک فارمیسیوٹیکل کمپنی لمیٹڈ گمٹی بازار - لاہور

لاہور میں عارضی اور مستقل رہائش کا انتظام

آپ کو لاہور میں آنے کا اتفاق ہو۔ اور
آپ آرام دہ رہائش و خوراک حاصل کرنا چاہیں تو سیدھے

شرما ہندو ہوٹل انارکلی

گپت روڈ میں چلے آئیں۔ یہاں آپ کو شدھ
پوتر ویشنو بھوجن ملے گا۔ جگہ صاف اور ستھری
بجلی اور نلکے کے پانی کا خاطر خواہ انتظام ہے۔ ہوٹل میں
عارضی اور مستقل ہر دو قسم کی رہائش کا پورا انتظام ہے۔ نرخ واجبی

واسدیو شرما مالک شرما ہندو ہوٹل گپت روڈ۔ لاہور

صرف شہرت کے لئے

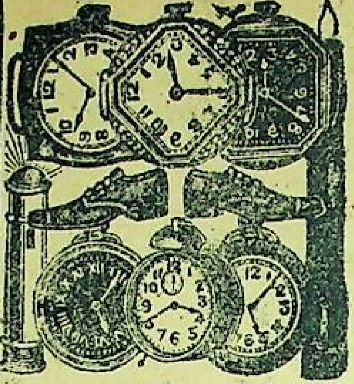

دولت لٹائی جا رہی ہے

آٹو سگندھ راج دنیا میں لاثانی ہے
اس کی تیز خوشبو ایک ہفتہ تک
تبدیل نہیں ہوتی۔ یہ دل و دماغ کو تازہ کرتی ہے۔ دل کو فرحت دیتی ہے۔ اور
ہر شخص کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ قیمت سات آنے فی شیشی ۱۲ شیشی
پانچ روپے چار آنے (دوسروں میں)

ہمیشہ خریدنے والے کو

۴۔ خوبصورت ٹائم رسٹ واچ۔ ۲ فیشن ایبل بے بی پاکٹ واچ اور
ایک برما ٹائم پیس مفت ملیگی۔ ۶ سال کی تحریری گارنٹی پارسل کے ہمراہ بھیجی
جاتی ہے۔ ان گھڑیوں کے علاوہ ایک بہترین فاؤنٹن قلم ایک بہترین ٹارچ
لیمپ اور ایک جوڑا بہترین پمپ شو بھی مفت دیا جاتا ہے۔
پاؤں کا ناپ آرڈر کے ہمراہ آنا چاہئے محصولڈاک و پیکنگ علاوہ

شرما برادرس اینڈ کمپنی پوسٹ بکس ۶۷۹۵ بی بی سکشن ۲ کلکتہ

کمزوری دماغ اور طاقت کی مشہور دوا

رائے بہادر مولراج ایم اے کی

دوج راج وٹی

قیمت فی پیکٹ چالیس گولی
دو روپے آٹھ آنے

قیمت چار پیکٹ نو روپیہ
علاوہ محصولڈاک و پیکنگ

یہ دوائی اعلیٰ درجہ کی مقوی دماغ اور مقوی اعضائے رئیسہ ہے۔ اسکے استعمال سے مردوں کی شکایات مانع اولاد رفع ہو جاتی ہیں۔ پیشاب میں چربی و شکر کا آنا
ذیابیطس۔ جریان۔ احتلام وغیرہ دور ہو جاتے ہیں نیز ضعف معدہ پرانا زکام اور دل کی دھڑکن کے لئے بہت مفید ہے۔ بصارت کو بڑھاتی ہے۔ اور
جسم میں خون صالح پیدا کرتی ہے۔ طالب علم و دیگر دماغی کام کرنیوالے حافظہ کو بڑھانے کے لئے لگاتار ہر موسم میں استعمال کر سکتے ہیں۔

ایشور نے خوبصورت اولاد بخشی

سردار ہرنت سنگھ صاحب دت پنشنر تحصیلدار ضلع گوجرانوالہ لکھتے ہیں۔ میں آپ کی
دوج راج وٹی کے مفید ہونے کی ایک دلچسپ کہانی سناتا ہوں۔ کئی دفعہ پہلے بھی خیال آتا
رہا۔ مگر امروز فردا میں ہی عرصہ گذر گیا۔ سنہ ۱۹۰۸ء جبکہ میں تحصیل ... میں تحصیلدار
تھا۔ میرے دوست پنڈت .... صاحب تحصیلدار ایک روز میرے
پاس آئے۔ ان کا چہرہ اداس تھا۔ دریافت کرنے پر ظاہر کیا کہ والد صاحب آئے ہوئے ہیں وہ سخت مجبور کر رہے ہیں۔ کہ دوسری شادی کرو۔ تاکہ اپنی آخری عمر میں ایک پوتے کو دیکھ لوں۔
آپ سے صلاح مشورہ کرنے آیا ہوں۔ کہ کیا کیا جاوے۔ میں نے اسی وقت ایک کارڈ آپ کے دفتر میں بھیج دیا۔ آپ نے دوج راج وٹی بھیج دی۔ وہ کھانے لگ گئے۔ لیکن ان کے والد صاحب نے
انتظار نہ کی۔ مجبور کر کے دوسرا بیاہ کرا ہی دیا۔ ابھی دوسرا بیاہ ہوا ہی تھا کہ پہلی بیوی کے حمل سے دوسری شادی کے چند روز بعد ایک خوب صورت لڑکا ایشور نے ان کو دے دیا۔
پھر دوسری بیوی کے ہاں لڑکی ہوئی۔ میرے دوست کو زندگی بخش دوائی مل گئی۔ اور انہوں نے دوج راج وٹی کا استعمال برابر جاری رکھا۔ اور اولاد پیدا ہوتی رہی۔ وہ ریاست کشمیر میں
گورنر ہو چکے تھے۔ میں سنہ ۱۹۲۱ء میں ان سے ملا۔ اور ان کے بچوں کو دیکھا۔ ہر عورت کے ہاں چار چار لڑکے اور ایک ایک لڑکی تھی۔ میں نے ان کو بہت بہت مبارک باد دی۔ ان دنوں
میں وہ آپ کی دوج راج وٹی کا استعمال کرتے تھے۔ آپ کی دوج راج وٹی میں نے اور بھی کئی دوستوں کو منگا کر دی ہے۔ وہ بھی با اولاد ہو گئے ہیں۔

المشتہر

منیجر (P.L) ہیش اوشدھالیہ رائے بہادر مولراج صاحب ایم اے پوسٹ بکس ۱۴ پاپڑ منڈی لاہور

پرکاش کے لئے نئے خریدار بنانا ہر ایک پرکاش کے پریمی کا فرض ہے۔ کیا آپ اپنا کرتویہ پورا کریں گے؟

پرکاش میں اشتہار دیکر فائدہ اٹھائیے

جاتی کے اناتھوں کو بھکاری مت بناؤ

کئی لوگ جگہ بجگہ تھوڑے تھوڑے اناتھ اکٹھے کر کے اُن سے سارا دن بھیک منگواتے رہتے ہیں۔ اور اُن کو سوکھا ٹکڑا دے کر آپ گلچھرے اُڑاتے ہیں۔ پر اناتھ ہوتے ہی یہ اُن کو کوچوں میں لے جاتے ہیں اور بھیک منگواتے ہیں۔ سب کا فرض ہے۔ کہ وہ اناتھوں کو ایسے لوگوں سے بچاویں۔ ایسا تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب وہ اُن کو اپنے کوچوں میں آنے پر دان دینے کی جگہ ڈانٹیں۔ کہ وہ ایسا کرنے سے باز آجاویں۔ اور جو اناتھ اُن کو کہیں ملیں۔ اُن کو سیدھا

پنجاب کیندری اناتھ آلیہ ویدمندر راوی روڈ لاہور

میں پہنچا دیں۔ جہاں اس وقت ۸۶ ۔ اناتھ بالک اور کنیائیں پالن اور پوشن کی جاتی ہیں۔ اور شکشا پا رہی ہیں

یہ اناتھ آلیہ پنجاب اناتھ سنرکشنی سبھا

لاہور کے جس کے پردھان شریمان مہاشہ کرشن جی مالک اخبارات پرتاپ و پرکاش ہیں کے ماتحت ہے۔ اس کے سبھاسد معزز اصحاب ہیں۔ لوگوں کو چاہئے۔ کہ اس کے ممبر بنیں۔ ممبری کے لئے ماہواری چندہ ایک روپیہ ہے اور اس کے انتظام میں موجودہ منتظموں کا ہاتھ بٹائیں۔ ہر ایک ممبر دائے کا ہندو اس کمیٹی کا ممبر بن سکتا ہے۔ اردو۔ ہندی اور انگریزی میں چھپے ہوئے قواعد دفتر اناتھ آلیہ سے مل سکتے ہیں۔

ہم اُن لوگوں کا دھنباد کرتے ہیں۔ جو بنا مانگے ایک سو کے قریب اناتھوں کے لئے اناتھ آلیہ میں دان بھیجا ہے ہیں۔ اور ہم آشا رکھتے ہیں۔ کہ دوسرے دانی بھی اپنے دان کا بھاگ یہاں پہنچاتے رہیں گے۔ تاکہ اِن اناتھوں کو بھی جو اس سمے اناتھ آلیہ میں روپیہ کے تھوڑا ہونے سے نہیں لئے جا سکتے۔ اناتھ آلیہ میں لیا جاوے۔ اور ان کو اچھی شکشا دیکر جاتی کا اچھا انگ بنایا جاوے۔

رپورٹ سال گذشتہ کی مفت طلب کریں

المشتہر

ہری چند شرما منیجر اناتھ آلیہ سکرٹری پنجاب کیندری اناتھ آلیہ ویدمندر راوی روڈ لاہور

پرکاش لاہور کا رشی انک

۳ کارتک سمت ۱۹۸۷

رشی دیانند کا لکش

سات اندھوں اور ہاتھی کی کہانی پرسدھ ہے۔ جس اندھے نے ہاتھی کی ٹانگوں کو چھوا اُس نے کہا ہاتھی ستمبھ کی مانند ہے۔ جس نے کان کو ہاتھ لگایا۔ اُس نے کہا۔ یہ تو چھاج کی طرح ہے۔ جس نے اس کی اونچائی کو بھانپا اُس نے کہہ دیا۔ کہ یہ تو ایک چھوٹی سی پہاڑی کے مشابہ ہے۔ غرضیکہ ہر ایک کی رائے مختلف تھی۔ ایک طرح سے وہ سب سچائی پر تھے۔ لیکن دراصل اُن میں سے ایک بھی یہ نہیں سمجھا کہ ہاتھی کیا ہے۔ یہی اوستھا رشی دیانند کے لکش کو سمجھنے کی ہے۔ رشی دیانند اور اس کے لکش کو سنسار بھر کا ودوت منڈل جانتا ہے۔ بھارت کی جنتا عموماً اور آریہ سماج کا بچہ بچہ خصوصاً اس کے جاننے کا دعوے رکھتا ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی دیانند اور اس کے لکش کے واستوک سوروپ کو نہیں جانتا جیسے دیانند کے جس کاریہ کا پتہ لگا۔ اُسے ہی اُس کا لکش سمجھ کر بیٹھ گیا۔ بہت تھوڑے ہیں آریہ سماج سے باہر ہی نہیں آریہ سماج کے اندر بھی۔ جنہوں نے دیانند اور اُس کے لکش کے اصل روپ کو جانا۔ اور آج جو یہ آواز سنائی دیتی ہے۔ کہ آریہ سماج شتھل ہو رہا ہے۔ اس کا بھی بھاری کارن یہ ہے کہ آریہ سماج رشی کے لکش کو بھول رہا ہے جس نے آریہ سماج میں ودھوا وواہ کو پرچلت ہوتے دیکھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ آریہ سماج اور اس کے پرورتک رشی دیانند کا لکش ودھواؤں کے کشٹوں کو دور کرنا ہے یہ ٹھیک ہے۔ کہ رشی دیانند ودھواؤں کے کشٹوں کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اور ان کے دور کرنے کے لئے آپ نے پربل یتن کیا لیکن یہ غلط ہے۔ کہ رشی دیانند کا لکش ودھواؤں کے کشٹوں کو دور کرنا ہی ہے۔ جس نے آریہ سماج کی طفیل اچھوت ادّھار ہوتے دیکھا وہ یہ خیال کرنے لگا۔ کہ رشی کا لکش اچھوت ادّھار تھا۔ یہ ستیہ ہے۔ کہ رشی اس بد سلوکی کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ جو اچھوتوں سے نام نہاد اُچیہ جاتی کے لوگوں کی طرف سے روا رکھی جاتی تھی۔ اور اُنہوں نے اچھوتوں کو ہین اوستھا سے اٹھانے کے لئے بھرپور کام کیا۔ لیکن یہ ستیہ نہیں کہ اُن کا منتہائے مقصود اچھوت اُدّھار ہی تھا۔ شدھی کے شیدائیوں نے دیکھا۔ کہ رشی دیانند نے ہندو جاتی کو جو مرنا ہی جانتی تھی۔ جینا نہ جانتی تھی۔ شدھی کے مارگ پر ڈال دیا۔ تو وہ مارے خوشی کے جامے سے باہر ہو کر کہہ اٹھے۔ کہ رشی دیانند کا پرادربھاؤ اگر ہوا ہے۔ تو مرتی ہوئی ہندو جاتی کو شدھی کے امرت سے جلانے کے لئے ہی ہوا ہے۔ اسی پرکار موجودہ غیر قدرتی طریقہ تعلیم کے خلاف قدرتی طریقہ تعلیم گوروکل شکشا پرنالی کو ہی اکثر لوگ رشی دیانند کے جیون کا لکش سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ان سب پر ان اندھوں کی مثال ہی صادق آتی ہے۔ جو اپنے اپنے درشٹی کون سے ہاتھی کے سوروپ کا تصور اپنے اپنے دماغوں میں جما لیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ رشی دیانند ودھواؤں کے اُدّھار کے پکش پاتی تھے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ وہ اچھوت اُدّھار اور شدھی کے سمرتھک تھے یہ ٹھیک ہے کہ وہ گوروکل شکشا پرنالی کا کاریہ روپ میں لایا جانا چاہتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ وہ ذات پات کے بندھن کو توڑ کر گن کرم انوسار ورن بیوستھا کا پرچار کرتے تھے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ بال وواہ کی پرتھا کو سمول نشٹ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ بھی مساوی طور پر ٹھیک ہے۔ کہ ان میں سے کوئی بھی اُن کا لکش نہ تھا۔ یہ سب اس لکش کے سادھن ضرور تھے۔ جو رشی دیانند کے سامنے تھا۔ لیکن اُن میں سے کسی ایک کو رشی کا لکش سمجھنا بھول ہے ؛

پھر رشی کا لکش کیا تھا؟ یہ سوال ہے جس پر ہر ایک آریہ سماجی کو وچار کرنا چاہئے اگر آریہ سماج اس سوال کا واستوک جواب اپنے سدسیوں کے سامنے رکھے اور وہ اُسے اپنے کریاتمک جیون میں دھارن کر لیں تو آریہ سماج کے شتھل ہونے کی جو آواز آریہ سماجیوں کے اندر اٹھ رہی ہے۔ وہ ایک دم بند ہو جائے گی ؛

اس منتت رشی دیانند کے کاریہ کے جو پہلو

جنتا کے سامنے ہیں۔ وہ زیادہ تر ساماجک شکشا سمبندھی اور کسی قدر آرتھک ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی رشی کا لکش نہیں تھا۔ اس کا لکش وہ تھا۔ جو پراچین کال سے تمام رشیوں منیوں کا رہا اور جس کا ایپش وید نے منش ماتر کو دیا ہے۔ مول شنکر کے دل میں جس گھٹنا نے مورتی پوجا کے خلاف جذبہ پیدا کیا وہ شیورا تری کو شیو کی پنڈی پر چوہے کا چڑھکر اس کا بھوگ کھانا تھا۔ لیکن جس گھٹنا نے اسے گھر سے نکلنے پر بادھت کیا۔ وہ اس کی بہن اور چچا کی مرتیو تھی بدھ بھگوان نے جب مردہ جاتے دیکھا اور دریافت کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ منش جسے اٹھائے لئے جاتے ہیں مر گیا ہے۔ اب وہ اس شریر میں اٹھکر کوئی کریا نہیں کر سکتا۔ تو اسے ویراگ پیدا ہو گیا۔ اور اس نے گھر بار تیاگ دیا۔ مول شنکر کو بہن اور چچا کی مرتیو سے وہ سادھن معلوم کرنے کی پربل اچھیا پیدا ہوئی۔ جس سے موت سے مخلصی حاصل کی جا سکے۔ اور آخر اس نے برسوں کے پریتن سے اسے پا لیا۔

مول شنکر دیانند بنا۔ رشی اور مہرشی پد کو پہنچا۔ تو اس لئے نہیں۔ کہ ہندوؤں کی ساماجک اصلاح کو اس نے اپنا لکش بنایا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اس کے وشال ہردے کے اندر منش ماتر یا پرانی ماتر کے لئے استھان تھا۔ کسی ایک جاتی یا دیش وشیش کی اصلاح راج نیتک نیتاؤں یا سنکچت ہردے کے ریفارمروں کا کام ہے۔ ایسے مصلح رشی نہیں کہلا سکتے۔ رشی وہی ہو سکتا ہے۔ جو ایک ایشور کا پجاری ہو اس کے وراٹ سوروپ کا جس طرح خود ایک انگ ہے۔ اسی طرح پرانی ماتر کو سمجھے اور جس طرح جسم کے ایک انگ کو کشٹ ہونے پر دوسرے آپ بھی بے چین ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پرانی ماتر میں سے کسی کے کشٹ کو بھی برداشت نہ کر سکے۔ رشی دیانند انہی معنوں میں رشی تھا۔ اسے اگر کسی جاتی کے اُدّھار کی چنتا تھی۔ تو وہ ہندو جاتی کی نہیں۔ بلکہ منش جاتی کی۔ اسے اگر کسی دیش کی چنتا تھی۔ تو بھارت کی نہیں۔ سنسار بھر کی۔ لیکن ہردے کی اس وشالتا کو بھی لکش نہیں کہا جا سکتا لکش کے اونچے مینار تک پہنچنے کی یہ کانی اونچی سیڑھی ہے۔ رشی کا لکش مرتیو سے آزاد ہونا اور تھات موکش پراپتی تھا۔ موکش پراپتی نہ ساماجک سدھار کے تحت میں آتی ہے۔ نہ شکشا سمبندھی یا آرتھک سدھار کے ضمن میں۔ یہ آتم چنتن کا پرنام ہے۔ اور رشی دیانند کا اُدیش یہ تھا۔ کہ منش جاتی پرا کرتک دنیا سے نکلکر آتمک سنسار میں بچرے آریہ سماج نے رشی دیانند کے لکش کو بھول دنیاوی معاملات کی اصلاح تک اپنے پریتن کو محدود کر کے اپنے اُدیش کو محبت کر دیا ہے۔ اور یہی کارن ہے۔ کہ آتمک جگت میں اس کا رسوخ اس حد تک نہیں بڑھا۔ جس حد تک اسے اس وقت تک بڑھنا چاہئے تھا۔ ساماجک اصلاح اور تعلیمی سدھار کے کام اچھے ہیں۔ لیکن مرتیو سے پار ہونے میں یہ اکیلے سہایک نہیں ہو سکتے۔ مرتیو سے پار کرنے کی شکتی کیول آتم سدھار میں ہے۔ اور وہی رشی دیانند کا لکش تھا۔ آتم سدھار کے لئے رشی نے پنچ مہا یگیہ، یم نیم آدی کا پالن بتایا۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ساماجک سدھار کے لئے آریہ سماجی پورا یتن کر رہے ہیں۔ لیکن آتمک سدھار کی انہیں کوئی چنتا نہیں سندھیا کے لئے سمے نہیں ملتا۔ ہون

ویدک دھرم اور سودیشی

(از سناتن دھرم دیو ودیا وا چسپتی ایڈیٹر وید سندیش منگلور)

آریوں کے وواہ سنسکار میں سنسکار ودھی کے انوسار ور بدھو کو وستر دیتے ہوئے جس میں وید منتر کا اچارن کرتا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے :-

ہے بدھو! دیویوں نے جس کے سوت کو کاتا اور بنا ہے ایسے کپڑے کو تو ہمیشہ پہنا کر۔ یہ اتھروید کانڈ ۱۴ کے دوسرے سوکت کا منتر ہے۔ اس سوکت میں دوسری جگہ

اگر ہستہ سجنوں سے منہ سے لکھوایا ہے۔ کہ جو ہماری پتنیوں کا بنا ہوا کپڑا ہے۔ وہ ہمارے لئے ہمیشہ سکھدائک رہے۔ اس پرکار ہماری پتنی دونوں کے لئے ہاتھ کے کتے اور بنے ارتھات شدھ سودیشی کھدر کے کپڑے پہننے کا ویدوں میں شپشٹ ودھان ہے۔ سر شریشٹھ پرشوں کے لئے رگ وید میں انیک جگہوں پر "اپنے دیش کے کپڑے پہننے والے" ایسا وشیشن آیا ہے۔ اتھرو وید کے پرتھوی سوکت (بارہواں کانڈ) میں ماتری بھومی کو سمبودھن کر کے کہا ہے۔ ہے ماتری بھومی! ہم نروگی و سوستھ ہو کر تیری سیوا میں اپستھت ہوں۔ اور تیرے میں اُتپن چیزوں کا اپیوگ کریں۔"

اس میں نہ صرف اپنی ماتری بھومی کے کپڑے بلکہ دوسری سب چیزوں کے اپیوگ کا پرتی پادن ہے۔ اتنا ہی نہیں اس سوکت کے ایک اور منتر میں کہا گیا ہے۔ کہ اٹھتے بیٹھتے کسی سمے بھی کوئی ایسا کام نہ کریں۔ جس سے ہماری ماتری بھومی کو ہانی ہو۔ رشی دیانند کے لیکھوں اور کاریوں سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سودیشی کے بڑے پکشپاتی تھے۔ ستیارتھ پرکاش میں برہم سماج کی سمالوچنا کرتے ہوئے رشی نے لکھا :-

"دیکھو کچھ سو برس سے اوپر اس دیش میں آئے یورپینوں کو ہوئے اور آج تک یہ لوگ موٹے کپڑے آدی پہنتے ہیں۔ جیسا اپنے

یجیہ منت کا خرچ سمجھا جاتا ہے۔ وید سوادھیائے میں جی نہیں لگتا۔ ویر تو بات چیت میں خواہ سارا دن لگ جائے پرنتو آتمک وچار کو خشک مضمون کہکر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ منش جیون کے اُدّھار کے لئے اگر کوئی کام کی چیز ہے۔ تو آتمک وچار ہی ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم رشی یا دوسرے الفاظ میں وید کے بتائے لکش کو بھول چکے ہیں۔

دیانند کے بھگتو! درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ دیانند روپی برکش کے آپ پھل ہیں۔ دنیا آپ سے دیانند کے متعلق رائے قائم کرتی ہے۔ پرنتو دیانند وہ نہ تھے۔ جو ہمارے جیونوں سے انہیں سمجھا جا رہا ہے۔ آؤ آج رشی کے نروان ودس کو رشی جیون کا اپنے جیون میں نرمان کرنے کا برت لو۔ اور سادھنوں کو لکش نہ مان کر رشی کے بتائے ہوئے لکش کو سامنے رکھتے ہوئے مادیت کو چھوڑ روحانیت کو اختیار کرو۔ اور بولو

رشی دیانند کی جے!

رشی نے اس سبھا کا یہ عجیب نام کیوں رکھا؟

(از راجیہ رتن ماسٹر آتما رام جی امرتسری)

مہرشی دیانند نے ناگری کھات میں ایک چھوٹی پستک دی ہے جس کا نام گوکرونا ندھی ہے۔ یہ اُتم کتاب اجمیر ویدک پریس سے ملسکتی ہے۔ اس کا مضمون گوشت خوری کی تردید اور گو آدی پشوؤں کی رکشا ہے۔ دلائل نہایت برجستہ اور قابل قدر ہیں۔ سب کا کٹھ جانے کے بعد خاتمہ پر ایک سبھا کے بنانے کی سکیم دی گئی ہے اس سبھا کا نام اور اس کے قاعدے بھی مندرج ہیں۔ عام لوگ جنہوں نے سرسری نظر سے اس مفید پستک کو پڑھا ہے۔ وہ اس کے خاتمہ کے مضمون کو خشک سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ چند آریہ اشخاص ہمیں ایسے ملے جنہوں نے ہم سے سوال کیا۔ کہ رشی نے اس سبھا کا یہ عجیب نام کیوں رکھا؟ سوال کنندہ مہاشے کہنے لگے۔ کہ اگر رشی اس سبھا کا نام گورکھشنی سبھا ہی صرف رکھتے۔ تو زیادہ اچھا ہوتا۔ ہم نے کہا کہ مہاشے جی رشی نے گورکھشنی کی جگہ جو

گوکرشی رکھشنی سبھا

نام اس کتاب میں تجویز کیا ہے۔ وہ نہایت ہی دور اندیشی پر مبنی ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ اس وقت بھارت میں ہندو ماتر گورکشا چاہتا ہے۔ پر کر نہیں سکتا۔ بمبئی پرانت میں انیک پنجرہ پول ہندو دانی سیٹھوں نے جا بجا قائم کئے ہیں۔ بیمار گائے آدی کی رکشا کے لئے وہ ایک حد تک تو مفید ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن پورے طور پر نہیں۔ وجہ یہ کہ ان گوشالاؤں۔ پنجرہ پولوں کے ساتھ ساتھ کھیت یعنی زراعت کے لائق زمین نہیں رکھتے۔ اس لئے بوڑھی گائے اور بوڑھے بیل کے مل مُوتر کو جو سب سے سستا اور مفید کھاد کھیت کے لئے ہے۔ وہ اس کا استعمال پورا نہیں کر سکتے۔ اس وقت جو تازہ تحقیقات ڈنمارک اور جرمنی میں کھاد کے سمبندھ میں ہوئی ہے۔ اس میں انہوں نے ڈنکے کی چوٹ سے کہدیا کہ

"بوڑھا بیل اور بوڑھی گائے کھاد دینے کی وجہ سے نہایت مفید جوان کھیتی کے لئے ہیں۔ اور جتنا بھی گھاس بوڑھا بیل یا بوڑھی گائے کھاتی ہے۔ اس سے اس کا اپنا گوشت اور پوست نہیں بنتا بلکہ سب ہی اور زیادہ بشکل فضلہ خارج کرتی ہے۔ اور یہ مل مُوتر جہاں بوڑھے بیل اور بوڑھی گائے کا مقدار بھی زیادہ ہوتا ہے۔ وہاں خاصیت اور گُن میں بھی بڑھیا ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے بوڑھی گائے یا بیل کو مرتے دم تک ہم اس کے کھاد کے لئے رکھیں گے۔"

اسلئے رشی دیانند نے جو گو کے ساتھ کرشی یعنی زراعت کا نام تجویز کیا۔ وہ بات بڑی گہری تھی۔ اس کا راز اب کھلا۔ جب جرمنی اور ڈنمارک کے گوپالوں اور سائنسدانوں نے کہدیا۔ کہ کھاد کے لئے بوڑھی گائے اور بوڑھے بیل کو ہم زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اگر مہرشی دیانند کی کتاب کو اس وقت ہم دوبارہ پڑھیں۔ تو عجیب لطف آئے گا۔ اور یہ بات بخوبی ذہن میں بیٹھ سکے گی۔ کہ

گورکھشا اور کھیتی رکھشا

کا ایک دوسرے سے ایسا تعلق ہے۔ جیسا کہ سورج کی روشنی اور گرمی کا!

ہندوؤں کی گراوٹ — جنم کی جاتی

(از پوجیہ شری نارائن سوامی جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا)

پراچین کال میں جنم سے ورن ماننے کی پرچلت پرتھا کا ایجاد ... آشرم میں اپنی اپنی بستی کے انوسار پیشے کا نام ... کہ کھشتری ویش آدمی سمجھا اور مانا جاتا تھا۔ ورن ... سمجھی جاتی تھی۔ کہ لکڑی کو بھی گن انوسار برہمن کھشتری آدمی کہا جاتا تھا۔ بنگال کے پرسدھ ودوان سورگ باسی ڈاکٹر راجیندر لال متر نے سنسکرت کے قلمی گرنتھوں کے سنگرہ سوچی ورن ایک جلد ملی میں NOTICES OF SANSKRIT MSS کے نام سے پرکاشت کئے تھے۔ اس پستک مالا کی پہلی جلد میں جہاز بنانے کی ودیا کے متعلق ایک گرنتھ کا اقتباس دیا گیا ہے۔ گرنتھ کا نام ہے برکش آیوروید SCIENCE OF PLANT LIFE۔ گرنتھ ایک ودوان بھوج نارائن کی تصنیف ہے۔ گرنتھ کرتا نے اس میں لکڑی کیا ورن برہمن کھشتری آدمی بتلاتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاز کے بنانے میں اس کے کس کس حصہ میں کس کس ورن کی لکڑی کا پریوگ ہونا چاہئے۔ سنسکرت کا اصل گرنتھ اس سمے میرے سامنے نہیں ہے اس لئے انوواد کے شبدوں ہی میں لکڑی کے ورنوں کا بھید پرگٹ کیا جاتا ہے:—

I, BRAHMAN CLASS WOOD — THAT IS LIGHT & SOFT & CAN BE EASILY JOINED TO OTHER KIND OF WOOD.

II, क्षत्रिय CLASS WOOD IS LIGHT & HARD BUT CAN NOT BE JOINED TO OTHER CLASSES. III वैश्य IS : SOFT & HEAVY

IV शूद्र CLASS WOOD IS CHARACTERIZED BY BOTH HARDNESS & HEAVYNESS

ارتھات اس لکڑی کو برہمن کہتے تھے۔ جو ہلکی اور ملائم ہو اور آسانی سے دوسری لکڑیوں میں جوڑی جا سکے۔ کھشتری لکڑی وہ کہی جاتی تھی۔ جو ہلکی اور سخت ہو۔ اور دوسری لکڑیوں میں نہ جوڑی جا سکے۔ ویش لکڑی ہلکی پرنتو بھاری ہوتی تھی۔ اور شودر لکڑی کٹھور اور بھاری ہونے کے لئے پرسدھ تھی۔ اس وبھاگ اور براہمن آدی لکڑیوں کے جو گن گرنتھ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے صاف ہے۔ کہ پراچین کال میں براہمن وغیرہ

انوذ سرشٹا وسمان کے مظہر تھے۔ منو سمرتی میں جو ورنوں کے گن بیان کئے گئے ہیں۔ وہ گن دو قسموں میں یوں منقسم ہیں:—

ورن	پرلوک سدھار سمبندھی کرم	لوک سدھار سمبندھی کرم جیو کا آجیویکا کے لئے
برہمن	وید پڑھنا یگیہ کرنا۔ دان دینا	وید پڑھانا یگیہ کرانا دان لینا
کھشتری	وید پڑھنا یگیہ کرنا۔ دان دینا	پرجا کی حفاظت وغیرہ
ویش	ایضاً	کاشتکاری بیوپار آدی
شودر	"	سیوا

اس تقسیم پر نگاہ غور ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ورن بھید جیوکا اپارجن کرنے سے سمبندھت کرموں میں پایا جاتا ہے۔ جیوکا اپارجن کرنے کے کام کا سمبندھ گرہستھ آشرم سے ہے دوسروں کے لئے خواہ وہ برہمچاری ہوں یا بان پرستھی اور سنیاسی دھن اپارجن کے لئے کوئی پیشہ اختیار کرنا منع ہے۔ گرہستھ آشرم ۲۵ ورش کی اوستھا سے آرمبھ ہو کر عام طور پر پچاسویں ورش میں ختم ہو جاتا ہے۔ آیو کے اس بھاگ میں اپنے اپنے پیشہ کے لحاظ سے وہ ہر ایک سنسار آدی کی طرح منش برہمن کھشتری آدی کہے جاتے تھے۔ پس صاف ہے۔ کہ ورن جنم سے کم از کم ۲۵ ورش بعد شروع ہوتا تھا۔ اور سرتیو سے پچاس ورش پہلے سو ورش آیو ہونے کی حالت میں سماپت ہو جاتا تھا۔ اس اوستھا میں اس کا جنم سے سمبندھ جوڑنا سروتھا انوچت ہے۔ اس جنم کی موروثی ورن ویوستھا کا سب سے نکرشٹ پہلو یہ ہے کہ لاکھوں پرش ہیں۔ جن کے وواہ استری نہ ملنے کے کارن نہیں ہوتے۔ اگروال ویش اور کھشتری آدی انیک جنم کی جاتیاں اس کی زندہ مثال ہیں۔ اسی طرح لاکھوں استریاں ہیں۔ جن کے وواہ ور نہ ملنے کے کارن نہیں ہوتے۔ اس کے اداہرن سمان تیج جاتی آدی انیک جاتیاں ہیں۔ اگر یہ جنم کی جاتی اور آپ جاتیوں کے تنگ اور سنکچت دائرے نہ بنتے۔ تو اس پرکار لاکھوں پرش اور استری ان وواہت رہ کر ہندو جاتی کی تعداد کی کمی اور انیک دشٹ آچاروں کے کارن اس کے پیش میں دھبہ لگانے کا کارن نہ بنتے۔ ایک ایسا ہی نکرشٹ دوسرا پہلو ہے۔ جس نے ہندوؤں میں آپس میں آکرمنیتا پیدا کر کے ان کے زیادہ تر حصہ کو مورکھ اور نکمّا بنا دیا۔ اور وہ یہ ہے کہ جب برہمن کھشتری آدی کا جنم جاتی ابھیمان بغیر قابلیت کوئی ڈاکٹر بیرسٹر آدی بن سکتا ہو۔ تو کیا ضرورت ہے کہ وہ چار چار پانچ پانچ سال محنت کرے۔ ایک کوی نے بہت اچھا کہا ہے کہ "بیٹھے ہوئے کا بھاگ بیٹھتا ہے۔ کھڑے ہوئے کا کھڑا ہے۔ سوتے ہوئے کا سوتا۔ اور چلتے ہوئے اور پرستار نمسکر کرتے ہوئے کا چلتا رہتا ہے۔" جنم کے جاتی ابھیمان سے آکرمنیتا آئی۔ آکرمنیتا سے ایشور کا پراس ہوا۔ اس سے پرچلت دھرم بھاگ گیا اور وردھتا نے ہندو جاتی کو گھیر رکھا ہے۔ اس کے دور کرنے کے لئے جنم کی جاتی اُپ جاتیوں کو نشٹ کرنا انوارے ہے۔

دیا تیری آخر دوائی ہوئی تھی

(از شری پنڈت منوہر لال طالب بی اے (آنرز) ایل ایل بی کیمبل پور)

جہالت گناہوں کے چھائی ہوئی تھی
بغاوت کی ہم پہ چڑھائی ہوئی تھی
عدو اپنی ساری خدائی ہوئی تھی
(۱) قضا جان لینے کو آئی ہوئی تھی

مصیبت نے مقصود ہم کو کیا تھا
جہالت نے مسحور ہم کو کیا تھا
طبیعت نے مجبور ہم کو کیا تھا
(۲) یگانوں سے اپنی جدائی ہوئی تھی

نہ ہم تھے کسی کے، نہ کوئی ہمارا
نظر کوئی بھی نہ تھا آسرا سہارا
غضب اس پہ ہر دم ہمارا تمہارا
(۳) کہ عادت سے بڑھکر لڑائی ہوئی تھی

فنا سامنے دائیں بائیں فنا تھی
فنا کی اسیری میں اپنی بقا تھی
کہ بیکار یکسر دوا اور دعا تھی
(۴) دیا تیری آخر دوائی ہوئی تھی

جہالت کا طوفاں تو نے اڑایا
جو سوئے ہوئے تھے انہیں پھر جگایا
جو بھولے ہوئے تھے پھر ان کو رستہ دکھایا
(۵) غضب کی تری رہنمائی ہوئی تھی

مریض فنا کو دوائے بقا دی
جہالت کو گولی فنا کی کھلا دی
رہ مستقیم صداقت دکھا دی
(۶) کہ رحمت تری جوش کھائی ہوئی تھی

دیا خدا جن پہ نہ کچھ رہا تھا
جیا جن کی، اور جن کی خاطر مرا تھا
عوض خوب خدمت کا ان سے ملا تھا
(۷) بھلائی کے بدلے برائی ہوئی تھی

دیئے ہیں دیوالی کے شاہد تمہارے
یہ جلتے تھے اس شام کو بھی بچارے
ابھی سر ہلا کر ہیں کہتے اشارے
(۸) کہ ان سے بڑی بے وفائی ہوئی تھی

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۰) پرچاریں وہ نہیں ملتی ساری قیمت سب کو بند کر دیا گیا ان میں یہ حوصلہ ہے؟

پراکرت نیموں میں گرمیشم کے بعد برسات آتی ہے۔ یہ گرمیشم ہی برسات کے لانے والی ہے۔ اگر گرمیشم میں گرمی نہ ہو تو برسات بھی بگڑ جاتی ہے۔ اگر تو اسی طرح یہ گرمیشم برسات لے آوے تب تو ٹھیک ورنہ تباہی میں تو کوئی کسر نہیں ہے اور معلوم ہو ہے آریہ سماجوں کی طاقت الٹے مارگ پر لگ کر نشٹ ہو رہی ہے اس وقت دیپاولی تیوہار پر آرزو کرتا ہے کہ آچاریہ کے وچاروں پر وچار کرنا اور وید پرچار پر من لگانا چاہئے۔

گریشم رتو

(شری سوامی سوتنترانند جی آچاریہ دیانند اپدیشک ودیالیہ)

جگت میں موسموں کی تبدیلی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ ایک موسم ختم ہوتا ہے۔ تو دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ خزاں میں درخت صاف ہو جاتے ہیں۔ ان سے پرانے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا سب درخت جھلس گئے ہیں۔ لیکن جونہی بسنت رتو راج کا آگمن ہوتا ہے۔ انہی جھلسی ہوئی ٹہنیوں سے نئے نئے پتے نکل پڑتے ہیں۔ اور نباتات پر آنند کی موج آ جاتی ہے۔ لیکن اس بسنت کے بعد جیٹھ اساڑھ کی لو چل پڑتی ہے۔ ایشور کی نیم سے اس موسم سے بھی ایک لابھ ہے۔ لیکن اگر بسنت کے بعد یہ گریشم رتو نہ ہوتی۔ تو آنند اور ہی ہوتا۔ گراموں میں یہ کہاوت پرسدھ ہے۔ کہ اگر کہیں بسنت کے بعد ورشا تو ہوتی۔ تو بالکل سوکھے درخت بھی ہرے ہرے دکھائی دیتے۔ مگر پراکرت نیم ایسا نہیں ہے۔ اس میں تو بسنت کے بعد گریشم ہی آئے گا۔ چاہے کوئی ہرا ہو چاہے سوکھ جائے۔

اگر اس درشٹانت کو ویدک دھرم (آریہ سماج) پر لگائیں۔ تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج کل آریہ سماج کی گریشم رتو ہے۔ مہرشی دیانند جی کے آگمن سے پہلے ویدک دھرم کی جو حالت تھی۔ وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ عیسائی اور مسلمان دھرم کے میدان میں ہندوؤں کو بار بار للکارتے تھے۔ مگر ان میں کوئی بہادر نہ تھا۔ جو ان کے ساتھ دھرم کے معاملوں پر بات چیت کرتا۔ برہمن لوگ مندروں کے پجاری بنے ہوئے تھے۔ سادھو آریہ کی نیند سو رہے تھے۔ دوسرے ان کے پیچھے چلنے والے تھے۔ جان بوجھ کر آریہ جاتی اپنے بھائیوں کو دھکیل رہی تھی۔ اندھ وشواس میں ایسی جکڑی ہوئی تھی۔ کہ اس کا ہلنا جلنا بند سا ہو گیا تھا۔ اور سب سادھن مرنے کے اسباب ہو رہے تھے۔ وہاں سب کے علاوہ دھرم پستک وید کا نام تو جانتی تھی۔ لیکن وید کیا ہے۔ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔ اسے بالکل معلوم نہ تھا۔

آریہ جاتی کی وہ حالت ایسی ہی تھی۔ جیسا کہ خزاں میں درختوں کی ہوتی ہے۔ نہ ان میں پتے ہیں۔ نہ پھول ہی اور نہ شاخیں ہی سرسبز ہیں۔ اسی طرح آریہ جاتی دھرم سے بے مکھ تھی۔ دھرم کریا سے شونیہ تھی۔ ترمی دھرم ہیر پھیر تھی۔ دھرم کے نام پر اندھیر ہوتا تھا۔ اس کے انگ کٹتے تھے۔ اس کو گیان نہ تھا۔ اس کا مال لٹ رہا تھا۔ اس کو پتہ نہ تھا۔ اس کی جڑ ہلتی تھی اُس کو گیان نہ تھا۔ اس جہاں تہاں اپمان ہوتا تھا۔ اس کے بزرگوں کو برا بھلا کہا جاتا تھا۔ بلکہ یہ پتن دھارن کئے مست تھی۔ خزاں کے بعد بسنت آتی ہے۔ یہی بسنت اس کی آئی۔ اس جاتی میں بسنت لانے والے رشی دیانند تھے۔ انہوں نے اس جاتی کی حالت کو دیکھ کر افسوس کیا۔ لیکن افسوس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ انہوں نے اپنے سمادھی سکھ کو چھوڑا۔ جس کے درشن میں آپ لگے ہوئے تھے۔ کہ کوئی چکرورتی راجہ ہو۔ ودوان ہو۔ جس کے جسم میں کوئی روگ نہ ہو۔ جس کو دنیا کا سب کچھ پراپت ہو۔ اس راجہ کا جو آنند ہے۔ وہ سمادھی کے سامنے ہیچ ہے۔ ایسے سکھ کو مہرشی نے اس جاتی میں بسنت لانے کے لئے چھوڑا۔ اور بھارت ورش میں نگروں میں گھوم گھوم کر اس کو اٹھانے کا یتن کیا۔ اس جاتی نے اس کے بدلے میں اس پر اینٹ پتھر پھینکے۔ گالیاں دیں۔ اپمان کیا۔ کئی بار زہر دیا۔ آخر اسی اپکار کے بدلے میں زہر سے جان لی گئی۔ لیکن اس ویر نے اف تک نہ کی۔ اور اپنی ہمت سے اس جاتی میں بسنت لا گیا۔ اس پر کسی سجن نے کہا ہے:۔

"یہ زمانہ ہے شانت کے دھنی دیانند کا"

ان کے پرچار سے بسنت آئی جاتی نے وید کو سنبھالا۔ اور عیسائی مسلمانوں کو للکارا۔ پہلے پہلی کچھ شاستر ارتھ ہوئے لیکن پکچھیوں کے پاؤں پہلے حملے میں ہی اکھڑ گئے جن دلیلوں کو وہ اکاٹیہ جانتے تھے۔ وہ بالکل بودی ثابت ہوئیں۔ جن باتوں کو گھمنڈ سے پیش کیا کرتے تھے۔ انہیں سے پہلو تہی ہونے لگی۔ کتابوں کی شرح دیانند کے آدھار پر لکھی گئی۔ پرانے کئی سدھانت چھوڑ دئیے گئے اور ویدک سدھانت کے نزدیک آنے لگے۔ جن کو مردہ سمجھتے تھے۔ ان میں جان آ گئی۔ جان آتے ہی جیسے روگ سے چھوٹے ہی بیمار کو کچھ بھوک لگ جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے جیسے وچار رکھنے والے بھائیوں کو اپنے وچار دینے شروع کئے اور بچھڑوں کو ملانا شروع کیا۔ جاتی کی دیواریں جہاں کہیں سوراخ تھا۔ اس کی مرمت شروع کی۔ اور خطرے کے مقاموں کو پہچان کر کچھ بندوبست کیا۔ وید پرچار ندھی کی ستھاپنا ہوئی۔ اور وید پرچارک ڈھنڈورہ بیٹھنے لگے اور ہمارے بزرگوں نے بیج لگائے۔

کرم ویدانند اپرچار جی تھیں آنند ہو

جب وید پرچار کا پربندھ ہو رہا تھا۔ اور جنتا میں سدھانت پرچار کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ لوگ اپنا کام کر کے جو وقت نکلتا تھا۔ اس میں پرچار کرتے تھے۔ جن کو کام نہیں تھا۔ وہ سب وقت پرچار میں لگاتے تھے۔ لوگوں کو کام کرنے کا شوق تھا۔ اسی وقت جیٹھ مہینہ آ گیا۔ یعنی گریشم رتو نے درشن دئیے۔ اُس وقت پاٹھشالہ کرم آرمبھ ہو گیا۔ اور یہ آواز سنائی دینے لگی۔ کہ وید پرچار کے لئے ودوان پیدا کئے جائیں۔ جو انگریزی وغیرہ بھی اچھی طرح جانتے ہوں۔ اس لئے شروع میں سکول اور کالج کھل گئے ادھر سے جی اکتایا تو گروکل کی دھن لگنے لگی۔ پاٹھشالائیں خوب زور سے کھلیں۔ لوگوں نے پوری مدد دی۔ تن۔ من۔ دھن سے پوری سہائتا کی گئی۔ جتنی مدد کی گئی۔ اتنی ہی گرمی بڑھتی گئی۔ جس طرح بسنت کے بعد گریشم رتو آ کر بسنت کی نئی کونپلوں کو جھلس دیتی ہے۔ اسی طرح ان سنستھاؤں نے وید پرچار روپی کونپلوں کو جھلس دیا۔ ان کو پرچار روپ سے چلانے کے لئے دھن کی ضرورت تھی۔ اس لئے دھنیوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑے۔ جس سے دھنی بھی بھاری ہو گئے۔ جب آچاریہ روپے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے پھریں۔ روپے والے مغرور نہ ہوں تو کون ہو۔ اس لئے ان سنستھاؤں نے وید پرچار کو تباہ کر دیا۔ اور آریہ سماجی اب تک ان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ پتہ نہیں ان کو کیا ہو گیا ہے نام لیتے ہیں وید پرچار کا۔ اور کام کرتے ہیں خوشامدی ٹوڈیوں کا۔ مہرشی نے اُپدیشک لائیں چلائیں۔ لیکن دیکھا۔ ان سے وید

(بقیہ صفحہ ۹ کالم ۲ و ۳ کے نیچے)

دیوالی یا ہماری پامالی

(از شری پنڈت نرمدا پرساد عاصی۔ گیاونی۔ پٹیالہ)

دوبارہ ہند میں آئی ہے پھر کیوں آج دیوالی
بجھائے ہیں کئی گھر کے چراغ نور افشاں کو
جسے رونق دہ عالم سمجھتے تھے۔ وہ کیا نکلی؟
ملی ہیں۔ اس کی ہوا افشانیاں بھی تو سیاہی سے
اسی نے پھونک ڈالا ہے نشیمن دھرم والوں کا
کیا ہے نور کے پردے میں اس نے اپنا منہ کالا
تری آمد ہے۔ اور سوامی دیانند آج جاتے ہیں
تجھے معلوم ہے سوامی نے کتنا کام کرنا تھا
اچھوت اُدھار۔ جاتی سنگٹھن کا کام باقی تھا
اٹھانا تھا اچھوتوں کو بچانا تھا غریبوں کو
مٹانا دکھ ودھواؤں کا تھا باقی دوا بن کر
دکھانا ناستک کے دل کو تھا۔ ایشور کی ہستی کو
سنا کر وید رس مردہ دلوں میں زور بھرنا تھا
چھڑانا تھا۔ ادھر بہنوں کو عیسائیوں کے پنجے سے
ادھر دینی تھی بھارت واسیوں کو گیان کی شکشا
کہ اتنے میں تو آئی اور پیغام قضا لائی
ڈسا تو نے ہی آخر ہم کو مار آستین بن کر
ستاتی ہے کسے؟ مٹی کا کس کو ڈھیر کرتی ہے؟
جلایا ہے ہمیں تو اب جلے دل کی دعا ہے لے
ترا چہرہ ہو گھر گھر اور ترا بول بالا ہو

کہ جس کی شکل روشن ہے۔ مگر ہے آتما کالی
ملایا ہے چراغاں بن کے اس موذی نے انسانوں کو
جسے راحت سمجھتے تھے۔ وہ آخر کو قضا نکلی
ہمارا گھر بھی اجڑا ہے۔ اسی کی کج نگاہی سے
نشان تک بھی نہیں چھوڑا ہے باقی پائمالوں کا
نکلتا ہے اسی کے دم سے دیوالہ دیوالی میں
ادھورا چھوڑ کر اس دیش شبھ کا کاج جاتے ہیں
دوبارہ ہندواں میں بھارت کا زندہ نام کرنا تھا
ابھی تو اس تنی کو سر انجام باقی تھا
لگانا تھا گلے سے بیکسوں اور بدنصیبوں کو
بچانا تھا انہیں گرداب غم سے ناخدا بن کر
مٹانا تھا ابھی سنسار سے مردم پرستی کو
ہوئے جاتے تھے جو نربل انہیں بلوان کرنا تھا
بچانے تھے ادھر ہندو مسلمانوں کے شکنجے سے
ادھر دینی تھی ہندو ناریوں کو آن کی شکشا
اور اپنی روشنی میں موت سوامی کی چھپا لائی
ہمیں کو زہر دیتی ہے انگوٹھی سانگیں بن کر
یہ کیسی روشنی ہے تو؟ غضب اندھیر کرتی ہے
کیا کرتے ہیں نالے کس طرح سے بے نوا اس نے
دیوالی کی صبح لیکن تیرا مکھڑا بھی کالا ہو

میری ماتاؤ! بہنو! بھائیو! اب التجا یہ ہے
کہو عاصی کے شامل ہو کے سب ویدک دھرم کی جے

رشی کی لاج

(از پنڈت چموپتی جی ایم اے آریہ سیوک)

رومین رولاں ایک مشہور فرانسیسی مصنف ہیں - رابندر ناتھ ٹیگور کی طرح وہ بھی نوبل پرائز حاصل کر چکے ہیں - وہ ہمارا تمام ہندستان کے مداحوں میں ہیں - اور سوامی دیوکانند کے گرو شری رام کرشن پرم ہنس پر فریفتہ ہیں - حال ہی میں انہوں نے شری رام کرشن کی جیونی لکھی ہے - اس میں ایک باب ہے - جس کا عنوان ہمارا ان افکار ہے - اس میں شری رام موہن رائے - شری دیویندر ناتھ ٹیگور، کیشب چندر سین، شری دیویندر ناتھ ٹیگور - اور رشی دیانند کے حالات زندگی پر تبصرہ کیا گیا ہے - باب کا خاتمہ ان الفاظ میں ہوا ہے :-

"میں نے اس گجراتی سنیاسی (رشی دیانند) کے متعلق کافی ذکر کر دیا ہے - اس کا کام ایک راہبر کا سا تھا - وہ قوم کا کتنا بڑا اُکسانے والا تھا - دراصل میں وہ قومی احساس کے پھر سے پیدا ہونے - پھر سے جاگ اٹھنے کی گھڑی میں ہندوستان کے فوری موجودہ عمل کی نہایت زبردست شکتی تھا - اس کے آریہ سماج نے چاہے یہ بات اس کی اپنی خواہش کے مطابق ہو یا نہ - بنگال کے ۱۹۰۵ء کے ودروہ کا راستہ صاف کر دیا - وہ نئی تعمیر اور قومی تنظیم کے نہایت پُر جوش پیغمبروں میں سے ایک تھا - مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زیادہ تر بنگال رشی نے دیکھا تھا - لیکن اس کی بھی طاقت اس کی کمزوری تھی - اس کی زندگی کا مقصد عمل تھا - اور اس کا نصب العین قوم تھا - ایک ایسی قوم کے لئے جس کے سامنے اس سے زیادہ وسیع نقطۂ نظر نہ ہو - عمل کی تکمیل اور قوم کا پیدا ہو جانا شاید کافی ہوں - لیکن ہندوستان کی یہ بات نہیں - اس کے سامنے ہمیشہ برہمانڈ رہے گا!"

ایک اور مقام پر کہا ہے :-

"دل کی جذبہ ریزیوں اور آتما کی اس پُر سکون دھوپ کی عدم موجودگی میں جو انسانی اقوام اور اُن کے خداؤں کو اپنی نور میں غسل کرا دے - اس گرم شاعری کی عدم موجودگی میں جو رام کرشن کے سارے وجود سے نکل رہی تھی - یا وویکانند کے عالیشان شاعرانہ انداز کی عدم موجودگی میں دیانند نے ہندوستان کے سُست جسم میں اپنی زبردست قوت - اپنا یقین اور اپنا شیر کا سا خون ڈال دیا!"

رشی دیانند کی روحانیت کی پُر سکون دھوپ میں سر سید نہاتے تھے - پادری سکاٹ نے سنان کیا تھا - ان کی بین الاقوامیت کو اینڈریو جیکسن نے سمجھا تھا - جس نے رشی کی بے لاگ سچائی کی آگ میں دُنیا بھر کی برائیوں کو بھسم ہوتے دیکھا - جس تپاک سے رشی نے امریکہ کی تھیوسافیکل سوسائٹی کے بانیوں کو اپنے آغوشِ محبت میں جگہ دی - وہ ان کے عالمگیر اخوّت انسانی کے جذبہ کی پائیدار شہادت ہے - اور میں نے رشی کے ان تپاک بھرے الفاظ کو پڑھا ہے - اور اپنی چشم تصوّر سے رشی کے بازوؤں کو قوس قزح کے بازوؤں کی طرح مشرق اور مغرب دونوں کو اپنے آغوش الفت میں جگہ دیتے دیکھا ہے - کہیں کہا بھی ہے ؎

!ہواہش میں دستو باد ہوں - یہ [illegible] ابھلاشا

آج رشی رومین رولاں کے سامنے نہیں - ان کی تمام تصانیف فرانسیسی ادیب کی نظروں سے نہیں گزریں - ان کے سامنے تو آریہ سماج کا اپنا عمل ہے - یا آریہ سماجیوں کی ترجمہ کی ہوئی رشی کی تحریریں - فارسی کا مقولہ ہے ؎

مہرشی دیانند کے حضور میں

(از قلم مسٹر ٹیک چند سخن - کوٹ ادو)

(۱)

فریب آرزو نہیں — طلسم رنگ و بو نہیں!
نگاہ سُو بسُو نہیں — تلاش و جستجو نہیں
بشر کی گفتگو نہیں — خیال ما و تو نہیں
حریف ناؤ نوش ہوں — خموش سا خموش ہوں!

(۲)

ادا یوں لمناز ہو — سر میرا انیاز ہو
اُن کا حریم ناز ہو — جلوۂ دل نواز ہو
پردہ کشائے راز ہو — گردیدۂ امتیاز ہو
ممتاز کر آباد کر — دل غمگین شاد کر

(۳)

خودی نہو گمان نہو — چُھپیں نہ ہو چُھپاں نہ ہو
زمین و آسماں نہو — نمود این و آں نہ ہو
زماں نہو مکاں نہو — حجاب درمیاں نہ ہو
سرور ہی سرور ہو — حضور ہی حضور ہو

(۴)

عرض پہ منظور ہو — رنج و کلفت دُور ہو
بزم میں سرور ہو — ذرہ ذرہ طور ہو
قائم عین النور ہو — عین السرور ضرور ہو
منظور ہو منظور ہو
منظور ہو منظور ہو

پیراں نمے پرند - مریداں مے پرانند

میرے خیال میں اس کہاوت کا الٹا بھی اتنا ہی صحیح ہے - رشی کی زندگی کا ترقی پہلو ان کے پیروؤں کی نظروں میں خوب جچا ہے - اسی کی مختلف تصاویر انہوں نے تصویر خانہ عالم میں آویزاں کی ہیں - وہی اہل عالم کی نگاہ میں آ رہی ہیں - رشی علم اور عمل کا مجموعہ تھا - رشی کے پیروؤں نے عمل کا کچھ حصہ تو اپنی زندگی میں نمایاں کر دکھایا ہے - لیکن علم اور معرفت پردہ درمیان نہیں رہا - جو رشی کی خصوصیت تھی رشی میں قومیت اور وشو پریم ایک ساتھ جلوہ گر تھے - وہ عبارت سے محبت کرتے تھے - سارے عالم کو ایک عضو سمجھ کر اُن کی نگاہ میں یگانہ و بیگانہ ایک تھے - رومین رولاں "بنگال کی بغاوت" کا سہرا آریہ سماج کے سر باندھکر نوٹ میں لکھتے ہیں :-

"اس نے (رشی نے) اس کی علی الاعلان مخالفت کی تھی - اس کا ہمیشہ غیر سیاسی اور انگریزوں کا غیر مخالف ہونے کا دعوےٰ رہا - لیکن برٹش سرکار کی رائے اور تھی - آریہ سماج نے اپنے آپ کو اپنے ممبروں کے اعمال کی طفیل اپنے بے لاگ نصب العین سے ہٹتا پایا"

اگر آریہ سماج ایک قومی تحریک تھی - تو اُسے قومیت کے راستے پر اس قسم کی دیگر تحاریک سے آگے نکل جانا چاہئے تھا - کسی دوسرے نظام کا دُم چھلا یا دو ایک قدم پیچھے چلنے والا پیرو ہونے میں اس اولوالعزم سوسائٹی کی صریح ہتک تھی - جو اس سوسائٹی نے قبول نہیں کی - آریہ سماج نے مجلسی اصلاح کا کام کیا ہے - اور اس میں اُسے وہ کامیابی نصیب ہوئی ہے - جو رومین رولاں کے اپنے لفظوں میں نہ برہمو سماج کے حصہ میں آئی - نہ رام کرشن مشن کے - اس مجلسی اصلاح سے جہاں قومیت کے انضباط میں فائدہ ہوا ہے - وہاں نسل انسان کی ترقی بھی کچھ کم نہیں ہوئی - اچھوت اچھوت پن سے آزاد ہو کر جہاں ایک پاک ہندوستانی بنتا ہے - وہاں بطور ایک انسان کے بھی اس کا درجہ پہلے کی نسبت اونچا ہو جاتا ہے - اس کے لئے انسانیت یا ہندوستانیت کے حقوق ایک ہیں - یتیم اور بیوہ کی امداد صغر سنی کی شادی کا انسداد وغیرہ اصلاحیں ہندوستان اور عالم دونوں کو ایک ساتھ اٹھاتی ہیں - در حقیقت تعمیری پروگرام تو ملت انسان یا کشور ہندوستان کا ایک ہے - وہ آریہ سماج کو پورے زور سے کرتے جانا چاہئے اس میں علمی کام کے اضافے کی ضرورت ہے - رشی دیانند کی روحانی جذبہ ریزیوں کا ترجمہ دنیا بھر کی زبانوں میں کرنے کی ضرورت ہے - رشی کے فلسفے کو فلسفے کی زبان میں حکمائے عالم کے سامنے پیش کرنا چاہئے - تحریر شاعرانہ رنگ کی بھی چاہئے - اور غیر مناظرانہ رنگ کی بھی - رشی نے مذاہب عالم کی تنقید بھی کی ہے - یہی ان کی کھنڈن تھی یا غیر ملائمت - لیکن ساتھ ہی ساتھ ان مذاہب کی خوبیوں کی طرف بھی اشارہ کر گئے ہیں - جاگرت کی تحریروں کی تردید کی ہے - لیکن سری کرشن کے متعلق فرماتے ہیں :-

"دیکھو سری کرشن کا اتہاس مہابھارت میں اتی اُتم ہے - ان کا گن کرم سبھاؤ آپت پرشوں کے سدرش ہے - جس میں کوئی ادھرم کا آچرن نہیں - شری کرشن جی نے جنم سے مرن پریَنت بُرا کچھ بھی کیا ہو - ایسا نہیں لکھا"

(ستیارتھ پرکاش ایڈیشن ۱۵ صفحہ ۳۶۲)

ستیارتھ پرکاش کے شروع ہی میں کہا ہے :-

"جیسا میں نے پُران - جینیوں کے گرنتھ بائبل اور قرآن کو برے ہی بُری درشٹی سے نہ دیکھ کر ان میں گُنوں کا گرہن اور دوشوں کا تیاگ تتھا انیہ منش جاتی کی اُنتی کے لئے یتن کرتا ہوں - ویسا سب کو کرنے یوگیہ ہے"

یہ ہے روحانیت کی وہ کسوٹی جس میں اقوام عالم اور اُن کے خدا یکساں سنان کرتے ہیں۔ رشی کے ان الفاظ کو کہ ان رشیوں کے کے گرفتہ۔ بائبل اور قرآن میں گن بھی ہیں۔ تفصیل کا جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔ ان کے وید اور کول جزوں کو خود اُن کے پیروؤں کے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ جس سے وہ اپنے ہی مذہب کے حقیقت سے پڑھنے کی قدر کو سمجھیں اور وید اور ویدانیائیوں کے مداح ہوں ؛

سچ ہے۔ رشی دیانند کی لاج آج آریہ سماج کے ہاتھ میں ہے۔ آج جو رنگ آریہ سماج کا ہوگا۔ اسی میں رشی عالم کی نظروں میں جلوہ گر ہوگا۔ اپنے پرزور عمل سے کام کو ذرا بھی ڈھیل نہ دیتے ہوئے رشی کے جوش سے اپنی اور روحانی کام کو طلوع دینے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ تاکہ رشی اپنی مکمل عظمت میں اہل عالم کے سامنے آسکے۔ جیسے تو رشی کے نام لیوا اُس کو رشی کی رفعت تک خود پہنچا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ ہم رشی کو آسمان علو کر اپنے ہی تنگے قدموں کی نیچ پر کھینچ لائیں۔ ہم شائد کرتو کچھ ایسا ہی رہے ہیں ؛

آریہ سماجی! عمل کر!

آریہ سماجی! سوچ سنجیدہ غور کی مشق کر۔ اپنی ارزی کی سندھیا کی روشنی میں تمام عالم کو سنان کرا؛ آریہ سماجی! اُٹھ۔ رشی کے پاک جذبے کو عالمگیر محبت کے روپ کو۔ سادہ سمجھتے ہوتے نفسے کو اہل عالم کی نظروں میں لا۔ تمام اقوام عالم کو سمجھا کہ تمام مذاہب وید سے ماخوذ ہیں ؛

اسی ہی ایک شعر کو دہراتا ہوں۔ جو آج رشی کی یاد کے ساتھ آگیا ع

[illegible]

رشی کا اُپدیش و نمونہ

فرخ آباد میں جو لالہ پرتاب سنگھ سمدھی بھاکر دائر ۲۰ - ۲۵ آدمی لے کر سوامی جی کو مارنے آیا۔ لیکن سوامی جی کی سفارشی سے وہ گرفتاری کے خوف سے بھاگ گیا۔ لالہ جگن ناتھ پرشاد نے یہ سارا ماجرا سوامی جی کو سنا کر کہا کہ آپ اندر کے مکان میں لیٹئے۔ سوامی جی نے کہا۔ یہاں میری رکشا کرنے کے تو دیگر کون کریگا وہ پرماتما سدا میری رکشا کرنے والا ہے مجھے کسی کا خوف نہیں ؛

آریہ سماجوں کے خانگی جھگڑے

(از منتری جیت شیونارائن شکل بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ لکھیم پور آپ پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا۔ یوپی)

یہ امر مسلّمہ ہے۔ کہ آریہ سماج کا جتنا کام پنجاب اور صوبہ متحدہ میں ہو رہا ہے۔ اتنا اور کسی صوبہ میں نہیں ہے۔ بلکہ اگر اسی بات کو دوسرے الفاظ میں کہا جائے۔ تو یہ کہنا ہوگا۔ کہ پنجاب اور یوپی کو ملا کر اگر ایک طرف رکھا جائے تو اس کا مقابلہ شائد ہندوستان کے کل صوبہ جات سے نہیں ہو سکتا۔ آریہ سماج کے اخباروں اور آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے کچھ جانیوالے ویاکھیانوں میں آج کل ایک ہی آواز آ رہی ہے اور وہ یہ کہ آریہ سماج کے خیالات تو پبلک میں پھیل رہے ہیں۔ مگر آریوں میں کیریکٹر کی وہ پختگی نہیں پائی جاتی۔ جو پہلے ہوتی تھی۔

آریہ سماجوں کے آپس کے جھگڑے اس کی بنیاد کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ جن باتوں کو رشی دیانند ہندوؤں سے خصوصاً اور دیگر سوسائیٹیوں سے عموماً نکالنا چاہتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ اب آریہ سماج میں بھی گھس رہی ہیں۔ راقم کا تعلق پنجاب صوبہ سے نہیں رہا مگر یوپی کی بابت نہ یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ سارے صوبہ میں شائد دو درجن سماج بھی ایسے نہ ملیں گے۔ جہاں باہمی نفاق اور خانہ جنگی نہیں ہے۔ اور دونوں دن حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے ؛

مرض کی تشخیص و علاج

اس مرض کی تشخیص تجربہ کار عالموں اور قابل عزت سنیاسیوں نے یہ کی ہے کہ آریہ سماجوں میں انسٹی ٹیوشن روز بروز کھلتے جاتے ہیں۔ ان انسٹی ٹیوشنوں کے واسطے روپیہ کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو بعض روپیہ وصول کرنے کے لئے روپیہ والوں کی خوشامد اور چاپلوسی کرنی پڑتی ہے۔ اُن کے عیبوں پر پردہ پوشی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہاں تک بھی دیکھا ہے۔ کہ بڑے اصولے اور چرتر ہین شخصوں کو عہدے دینے پڑتے ہیں جب ایسے نا قابل اور آریہ سماج کی نظروں سے گرے ہوئے لوگوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر منتخب کیا جاتا ہے۔ تو وہ اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لئے سماج کے ممبروں کی تعداد کو ایسے لوگوں سے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ جو کسی طرح بھی آریہ سماج کے دائرہ میں رہنے کے قابل نہیں تھیا۔ پس آریہ سماج کی ترقی میں اگر رکاوٹ پڑ رہی ہے۔ تو اسی غرض سے کہ آریہ سماجوں کی روپیہ کی ضرورت بڑھ گئی ہے

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ جو انسٹی ٹیوشن اس وقت کھلے ہوئے ہیں۔ اُن کی جانچ پڑتال کر کے صرف وہی قائم رکھے جائیں جن کو آریہ سماجی آسانی سے چلا سکتے ہوں۔ اور دم بلب انسٹی ٹیوشنوں کو جرأت کر کے توڑ دینا چاہئے۔ جو سنستھائیں قائم رکھی جائیں۔ وہ سب پرانتک سبھاؤں کے سپرد کر دی جائیں۔ اور اُن کی دیکھ بھال صرف مقامی لوگوں پر رکھی جائے۔ شائد لوگوں کا یہ خیال ہو کہ صوبہ کی سبھائیں اتنا کام اپنے اُوپر کیوں لیں گی۔ میرا خیال ہے۔ کہ جن سنستھاؤں کی بنیاد پختہ ہے۔ ان کو چلانے میں زیادہ دقت نہیں پڑتی۔ صوبہ کے ڈائرکٹر تعلیم بمعہ چند انسپکٹروں کے اگر تمام ہائی اسکولوں کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ صوبہ کی سبھائیں آریہ ودیا سبھا بنا کر ان سکولوں کا انتظام نہ کر سکیں۔ اسی طور پر یتیم خانوں اور کنیا پاٹھ شالاؤں کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ لوکل آدمیوں کا اثر صوبہ کی سبھا پر نہیں پڑے گا۔ اور صوبہ کی سبھائیں بلا کسی کی رورعایت کے اچھے آدمیوں کو رکھیں گی اور نا قابل آدمیوں کو علیحدہ کر دینگی۔ اس طور سے ممکن ہے۔ آریہ سماجوں کے کچھ سکتے ہوئے انسٹی ٹیوشن بند ہو جائیں۔ مگر کار آمد اور پختہ بنیاد والے رہ جائیں گے۔ اور آپس کی پھوٹ اور خانہ جنگیاں اور پارٹی بندیاں کم ہو جائیں گی ؛

اس کے علاوہ آریہ لوگوں کے کیریکٹر میں جو کچھ ڈھیلا پن رہ گیا ہے۔ اس کا کارن یہ ہے۔ کہ آریہ سماج کے آپ نیموں میں آریہ سبھا سد بنانے کی بابت جو قاعدہ درج ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ موجودہ حالت میں صرف گیارہ مہینے کے چندہ کی ادائیگی کی ہی ایک شرط ہے۔ جس کی پابندی کسی حد تک لازمی سمجھی جاتی ہے۔ یہیں کسی حد تک اس لئے کہتا ہوں کہ عام طور پر لوگ اپنی آمدنی کا ٹھیک سودواں حصہ نہیں دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ویدپرچار فنڈ میں دن دن کمی ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ آریہ سبھا سدوں سے سودواں حصہ آمدنی کا ضرور وصول کیا جاوے اور علاوہ اس کے کچھ اور شرائط بھی آریہ سبھا سد بنانے کے لئے لازمی قرار دیجائیں مثلاً

(۱) کم سے کم سندھیا اگنی ہوتر کا کرنا ؛

(۲) کم سے کم ستیارتھ پرکاش کی پا قاعدہ کتھا

(۳) آریہ اُدیش رتن مالا و آریہ سماج کے اصولوں سے واقفیت رکھنا۔

(۴) اپنے بچوں کے ویدک سنسکار کرانا ؛

(۵) ہفتہ وار ستسنگ میں کم سے کم ۳۳ فی صدی حاضری ؛

(۶) مانس و شراب وغیرہ اشیاء سے پرہیز کرنا ؛

(۷) اگر تجارت پیشہ ہے۔ تو ایمانداری سے کام کرنا اور اگر ملازم ہے۔ تو رشوت سے پرہیز کرنا ؛

ہر ایک آریہ سماج میں آریہ دھرم سبھاؤں کی سبھا بنا ہونا چاہئے۔ جن کا خاص کام یہ ہو کہ وہ آریہ سبھا سدوں کے آچار و چار پر نگاہ رکھیں۔ اور جب تک آریہ دھرم سبھا کی سفارش نہ ہو۔ اس وقت تک کوئی شخص آریہ سبھا سد نہ بنایا جاوے۔ اس طور پر ممکن ہے آریہ سبھا سدوں کی تعداد کم ہو جائے۔ مگر تھوڑے آریہ سبھا سد اگر سدا چاری ہونگے۔ تو اُن کا اثر دیگر غیر آریوں پر کافی پڑے گا۔ اور جو بدنامی اس وقت آریہ لوگوں کی ہو رہی ہے اُس سے آریہ سماج کا دامن محفوظ رہے گا ؛

اسی کے ساتھ ایک بات اور بھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اب تک وید پرچار اور اُپدیش کا کام زیادہ تر تنخواہ دار اُپدیشکوں پر ہی رہتا ہے۔ تنخواہ دار اُپدیشکوں کا وہ اثر نہیں پڑتا۔ جو وان پرستی اور سنیاسیوں کا پڑتا ہے۔ تنخواہ والا اُپدیشک آریہ سماجوں کے اُوپر نکتہ چینی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے۔ کہ اگر پردھان منتری خفا ہو گئے۔ تو جو چندے اس کو وید پرچار سے ملتے ہیں۔ وہ نہ ملیں گے۔ اس لئے پرچار کا کام زیادہ تر وان پرستی اور سنیاسی لوگ کریں۔ ہر ایک آریہ سماج کے جلسہ پر آریہ سمیلن ہونے چاہئیں۔ جن میں صرف آریہ سبھا سد ہی شامل ہوں۔ ان میں آریہ سماج کے جھگڑوں اور وید پرچار کے طریقوں پر وچار ہونا چاہئے اگر اس طور سے کام کیا جائے۔ تو آریہ سماج کے کام میں بہت کچھ ترقی ہو جائیگی؛ اُمید ہے۔ اس لئے پرتیک آریہ کا کرتویہ ہے۔ کہ وہ ان طریقوں کو عمل میں لانے میں پورا سہیوگ دے۔ جس سے آریہ سماج کا گورو بڑھے اور ان کا کلیان ہو ؛

جان جہاں

(از سری یت جیمنی سرشار خیبر پور سادات)

آئے جہاں میں ہادی و رہبر ہزار ہا
پیدا ہوئے اوتار و پیمبر ہزار ہا!

مرٹ سٹ گئے حفاظت ناموس کے لئے
ایسے ہوئے جہاں میں دلاور ہزار ہا

ق

جن کا نشاں مٹا سکی نا سوم فکر ہیں
کھائے ہیں آسماں نے جگر ہزار ہا

ہنس ہنس کے جان دھرم پہ قربان کر گئے
لاکھوں غریب اور تونگر ہزار ہا

حیبر انتغنگ و تیر نے لاکھوں قلوب کو
ہوتے رہے ہیں تن سے جدا سر ہزار ہا

منظور ہے فلاح وطن اور رفاہ قوم
گرم سعی ہیں آج بھی لیڈر ہزار ہا

ترک رسوم باطل و بد کا بصد خروش
کرتے ہیں وعظ بر سر منبر ہزار ہا

دُرِ صدف نہ گرد کو جن کی پہنچ سکے
بحر جہاں سے نکلے وہ گوہر ہزار ہا

پائے مگر جو وصف رشی تیری ذات میں
آئے نظر نہ اور کہیں شش جہات میں

کیا کہئے کیا سمجھتے ہیں اہل نظر تجھے
کیا دیکھتی ہے چشم حقیقت نگر تجھے

فخر وطن، شہید دھرم، جاں نثار قوم
کس نام سے پکاریئے اے نامور تجھے

پیغمبر و نبی ہے کسی کی نگاہ میں
اور بعض لوگ کہتے ہیں ریفارمر تجھے

دل میں خیال تھا نہ ترے عرض و آز کا
کچھ بھی تھا نہ خوف خنجر و تیغ و تبر تجھے

ہر وقت تو ہے چشم تصور کے رو برو
کچھ دیکھنا نہیں ہے اسے دیکھ کر تجھے

قوم و وطن کی فکر رہی تجھ کو رات دن
کیوں کر نہ یاد کیجئے شام و سحر تجھے!

ہے ذوق جستجوئے حقیقت کے نصیب
وہ ذوق جو پھراتا رہا دربدر تجھے

ق

اس واسطے کہ دیدۂ ظاہر سے ہے نہاں
غائب سمجھ رہے ہیں کئی بے خبر تجھے

لیکن ملی ہے چشم حقیقت نگر جنہیں
سو صورتوں میں دیکھتے ہیں جلوہ گر تجھے

پاکیزہ و لطیف خیالوں کے روپ میں
پاتے ہیں ہر دماغ میں خالی گھر تجھے

حب وطن کے جذبۂ افزوں کی شکل میں
دل میں جگہ دیئے ہوئے ہے ہر بشر تجھے

تو وہ ہے چشم قوم کا تارا کہیں جسے
ہندوستاں کا راج دلارا کہیں جسے

بھارت ہوا ہے جنت ارضی ترے طفیل
اس میں بہار زندگی آئی ترے طفیل

صد شکر اسے نصیب ہوا تجھ سا ناخدا
نکلی بھنور سے قوم کی کشتی ترے طفیل

پھر ہیں بسوئے نہد کہن چل کے شادماں
ہے دل پسند قصہ ماضی ترے طفیل

کیا معجزہ ہے از سر نو مردہ قوم میں
پیدا ہوئی ہے زندگی سوائی ترے طفیل

چونکے ہیں خواب مرگ سے اہل وطن مرے
اے رہ نمائے منزل ہستی ترے طفیل

ہم خار زار یاس میں گم کردہ راہ تھے
آئی نظر امید کی جھلکی ترے طفیل

ہیں ماند جس کے سامنے ایمن کی بجلیاں
آنکھوں نے دیکھ لی وہ تجلی ترے طفیل

جس نے اڑا دیئے خس و خاشاک بد رسوم
آئی وہ انقلاب کی آندھی ترے طفیل

ہندوستان میں ہو گیا آریہ سماج کا
دریائے فیض چار سو جاری ترے طفیل

کہتے ہیں لوگ محسن ہندوستان ہے تو
ہندوستان کی رنج ہے جان جہاں ہے تو

آریہ تہذیب کا نور

(از سری یت شگن چندر روشن بی اے ایل ایل بی پانی پتی)

اہل تاریخ یہ کہتے ہیں کہ اوّل اوّل
مطلع ہند پہ ظلمت کا گھرا تھا بادل!

اس زمیں پر تھے ہر اک گوشہ میں چھائے جنگل
جل سے جھیلیں تھیں بھری اور تھے دریا جل تھل!

دوڑتے پھرتے تھے خشکی پر ادھر شیر و پلنگ
منہ ادھر کھولے پڑے سطح تری پہ تھے نہنگ

پربتوں پر تھی یہاں برف کی بارش پیہم
چوٹیاں برف سے مستور تھیں اُنکی ہر دم

نظر آتا تھا خموشی کا ہر اک سو عالم
گھاٹیوں سے نہ گذر سکتی تھی نسل آدم

دامنوں پر تھا سماں ابر کا چھایا ہر جا
اس پہ بجلی کبھی کوندی کبھی بادل گرجا

آبشاروں کا پہاڑوں سے وہ گرنا اکثر
اور وہ برف کے تودوں کا پھسلنا کٹ کر

ان کی رو ندوں میں چٹانوں کا وہ ڈھانا ٹکر!
شور و غل کا تھا سماں خوف و خطر کا منظر

ایک ہنگامۂ محشر تھا بپا چار طرف
تھے کشاکش میں جو فطرت کے قوا چار طرف

تھا نہ قصبوں کا نشاں اور نہ شہروں کا وجود
نہ تھا بیلوں کا پتہ اور نہ سڑکوں کی نمود

بستی انساں کی تھی دشت و جبل تک محدود
تھی صفت ان میں تمدن کی سراسر مفقود

زندگی یا تو وہ غاروں میں بسر کرتے تھے
یا درختوں پہ گزر شام و سحر کرتے تھے

بام دنیا سے اتر آئی یہاں وہ بینش
جن کے قامت تھے دراز اور تھے چہرے روشن

جن کے ہیکل تھے قوی اور گٹھیلے تھے بدن
ہنستی پیشانیوں پر جن کے نہ آتا تھا شکن

حسن کے سارے کمالات سے بھرپور تھے وہ
جسم کے سانچے میں ڈھالے ہوئے اک نور تھے وہ

اُن کے بازو تھے توانا تو عقلیں تھیں بلند
ان پہ ہو سکتی نہ تھی راہ تمدن کوئی بند

جب وہ میدان ترقی میں کداتے تھے سمند
تو کبھی ہارنا ہمت کا نہ آتا تھا پسند

ایک نقطہ پہ ٹھہرنے سے وہ گھبراتے تھے!
روز میدان ترقی میں بڑھے جاتے تھے!

علم کا اُن کے زمانہ میں وہ بریا تھا غلغلہ
کہ نہ اُس اوج پہ پہنچے تھے عرب اور عجم

جس پہ اس قوم کا قبضہ تھا وہ گنج حکم
جس کے در تک نہ کسی قوم کا پہنچا تھا قدم

چار ویدوں کے تھے گنجینۂ اقسام علوم
اسی مطلع سے ہے پیدا سحر و شام علوم

اسی چشمہ سے ادب کی ہوئیں نہریں جاری
جن سے شادابی یورپ کی ہوئی آبیاری

ہوئیں سیراب اسی فیض سے قومیں ساری
جن پہ تھا تشنگی علم کا جذبہ طاری

اس زباں نے کس زباں کے دہن کھول دیئے
بند تھے جتنے وہ ویدوں نے سخن کھول دیئے

نکتے جتنی تھیں قدرت کی غرض عالمگیر
آریہ قوم نے ان سب کو کیا تھا تسخیر

تھے وہ سائنس کی دنیا کو دکھلاتے تصویر
اور اسرار الٰہی کی تھے کرتے تفسیر

حکمتیں قدرت باری کی وہ پہچانتے تھے
دیوتاؤں کی پرستش مذہبی جانتے تھے

جان وہ علم کے مندر میں چڑھا دیتے تھے
رشتہ اپنا نئے جیون سے ملا دیتے تھے

زندگی علم سے وہ اپنی بڑھا دیتے تھے
سوم رس پی کے وہ غم کو بھی بھلا دیتے تھے

یہ نشہ وہ ہے کہ جو چڑھ کے اُترتا ہی نہیں
یہ وہ جیون ہے کہ جی کر کوئی مرتا ہی نہیں

جا چکے گرچہ ہیں وہ چھوڑ کے ظاہر میں شریر
آتما ان کی ہے دنیا میں مگر جلوہ پذیر

نظر آتی ہے جہاں زندہ دلی کی تصویر
اٹھی جاتی ہے تمدن کی ہے گویا تفسیر

نئے جیون کی جھلک مر کے کہیں جاتی ہے
یہ وہ جاتی ہے کہ دنیا سے نہیں جاتی ہے

رشی دیانند اور اُن کے کاریہ

(از شری گیا پرشاد جی بی اے بی - ایل - ایم - ایل اے)

گو میں آریہ سماج کا سدسیہ نہیں۔ تاہم آریہ سماج سے پُورن پریم اور اُس کے کئی کاریوں میں پوری سمانو بھوتی رکھتا ہوں۔ مہرشی دیانند سرسوتی جی مہاراج نے بھارت ورش میں آریہ سماج کی ستھاپنا کر کے جو اُپکار کئے ہیں۔ وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اُن کے جیون چرتر سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب اُن کی آیو بیس برس کی تھی۔ تو اُن کے اندر گرہستھ کے تیاگ کے بھاؤ پیدا ہوئے اور ٹھیک اُس سمے جبکہ اُن کے ماتا پتا وواہ کے بندھن میں جکڑ کر اُنہیں گرہستھ آشرم میں پرویشٹ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے ہردے میں امر جیون پیدا کرنے کی لگن پیدا ہو گئی۔ اور لگن اتنی زبردست ہوئی۔ کہ پریوارک موہ ممتا کی ذرا بھی پرواہ نہ کر اپنے گھر کو اپنے پیارے سنبندھیوں اور سکھ کے تمام سامانوں کو ہمیشہ کے لئے تیاگ کر گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ برہم چریہ برت دھارن کر اور نیشٹک برہمچاری رہ کر اُنہوں نے بہت عرصہ تک وید آدی شاستروں کا ادھین کیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی یوگ ابھیاس کا انشٹھان کر خود کو تیجسوی بنایا۔ تپسیا کے بل اور پربھاؤ سے اُن کے جیون سخت ہونے میں کچھ بھی سندیہہ نہ تھا۔ اور تاتوک وچار اُن کا اتنا دڑھ تھا۔ کہ جس کام کو ہاتھ میں لیا۔ اُس میں پُورن سپھلتا پراپت ہوئی ؛

مہرشی کے کاریوں کی گنتی اور اس پر مختصراً بھی آلوچنا اگر کی جائے تو لیکھ بہت بڑھ جائیگا اس لئے صرف دگ درشن کرا دینا ہی اس لیکھ میں کافی ہوگا ؛

مہرشی نے مضبوط اور ناقابل تردید پرمانوں سے ثابت کر دیا۔ کہ دھرم کا آدھار ستمبھ وید ہے سنسار میں جتنے دھرم گرنتھ پرچلت ہیں۔ اور اُن پر جتنے مت متانتر نربھر ہیں۔ سب کے سب آدھونک ہیں۔ اور ویدوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ سرشٹی جیسے پرواہ روپ سے انادی ہے۔ وید بھی ویسے ہی انادی ہیں۔ ذنت کے ہیر پھیر سے کتنے لوگوں کے وچار ایسے سنکچت ہو گئے تھے۔ جس سے ویدوں کا پڑھنا پڑھانا گمپا لپت سا ہو گیا تھا۔ پرنتو رشی جی نے گرنتھوں اور ویاکھیانوں کے دوارا ویدوں میں شردھا پیدا کر دی۔ پرنام یہ ہوا کہ بھارت کے ہی نہیں دوسرے دیشوں کے لوگ بھی ویدوں کو شردھا کی درشٹی سے دیکھنے۔ اور اُن کے منتریوں کی طرف دھیان دینے لگے۔

وید آدی شاستروں کے سنسکرت میں ہونے کے کارن اُن کے مرم کے سمجھنے والے بہت ہی کم تھے۔ اور یہ بھی ایک پربل کارن تھا۔ کہ لوگ ویدوں کی طرف دھیان نہیں دیتے تھے اس ابھاؤ کو سوامی دیانند جی نے دور کر دیا۔ یدپی اُن کی ماتری بھاشا گجراتی تھی۔ اُنہوں نے سمپُورن یجروید اور ایک بڑے حصہ رگوید کا بھاشیہ ہندی بھاشا میں کر دیا۔ جس سے بڑا ہی اپکار ہو گیا۔ اور اگر وہ کچھ سمے اور جیوت رہتے۔ تو چاروں ویدوں کے بھاشیہ ہندی میں کر کے ہی چھوڑتے۔ پراچین گرنتھوں کا بھاشا بھاشیہ کرنے کی شیلی سوامی جی کی ہی چلائی ہوئی ہے۔ اور اس کا شریہ اُنہی کو پراپت ہے ؛

بھارت میں جب مسلمان آنے لگے۔ اور اُن کا سکہ رفتہ رفتہ جمنے لگا۔ تو وہ دھرم شٹا کے ساتھ اپنے مذہب کا پرچار کرنے لگے۔ اور کئی قسم کے پرلوبھنوں سے لوگوں کو مسلمان بنانے لگے۔ دھارمک وچار سے تو بہت کم پرنتو لالچ کے بس میں آ کر اور جان کے خوف سے بہت لوگ ہندو دھرم کو چھوڑ کر ادھرمی ہو گئے۔ ہندو دھرم سے ہمیشہ کے لئے یہ لوگ علیحدہ ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں نہیں کروڑوں گھر مسلمانوں کے پیدا ہو گئے۔ سوامی جی مہاراج نے شدھی کا پرچار کیا اور ڈنکے کی چوٹ لوگوں کو بتایا۔ کہ شاستروں کے انوسار اُن کی شدھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ پھر ہندو دھرم میں واپس آ سکتے ہیں۔ سوامی جی کے پسچات سے شردھانند جی نے زور پکڑا۔ اور ہر جگہ شدھی کی دھوم مچ گئی۔ متھرا - برندا بن - گوکل آدی کے دیہاتوں میں جو برج بھومی کہلاتی ہے۔ بے شمار مسلمان تھے۔ جو پہلے راجپوت تھے۔ اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے پرنتو اکثر رسم و رواج ان کے ہندوؤں کے سے تھے۔ اور اُن کی دلی خواہش تھی۔ کہ وہ پھر ہندو دھرم میں پرویشٹ ہو جائیں اُن کے شدھ کرنے کا بھار آریہ سماج نے لیا۔ اور کتنے سناتن دھرمی بھائی بھی اس کاریہ میں سہایتا کرنے لگے۔ ایک بھارتیہ ہندو شدھی سبھا قائم کی گئی۔ اور دو ہی سالوں کے لگاتار پریشرم سے تخمیناً ہزار کے لگ بھگ ملکانوں کی شدھی ہوئی۔ اور وہ شکھا سوتر دھاری ہندو بنا کر برادری میں شامل کر لئے گئے۔ اس تحریک شدھی کا بھی شریہ سوامی جی اور اُن کے بنائے آریہ سماج کو ہے۔ ساتھ ہی میں کشتری مہا سبھا کی بھی پرشنسا کرتا ہوں۔ جس نے آگرے کے اپنے ادھیویشن میں ملکانوں کے شدھ کرنے کا پرستاؤ پاس کر شدھی کو کاریہ روپ میں لانے پر زور دیا ؛

آریہ سماج نے اچھوت اُدھار کے لئے بھی بڑا پریشرم کیا ہے۔ بہت لوگ اس سمے اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اچھوتوں کی حالت رفتہ رفتہ سدھر رہی ہے۔ پہلے تو ہندو لوگ اُن کو اپنا انگ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اب سمے کے پریورتن کے ساتھ آریہ سماجوں اور دوسری سنستھاؤں کے اُدیوگ اور پریشرم سے ان لوگوں کا خیال بدل رہا ہے۔ اور ان کے ساتھ سلوک بھی اچھا ہو رہا ہے۔ نفرت کا خیال دور ہو رہا ہے۔ اور کئی ستھانوں پر ہندو مندروں میں ان کو داخل ہونے کی اجازت ہو گئی ہے۔ یہ سب روشن مستقبل کی مبارک نشانیاں ہیں ؛

اناتھوں کی رکشا کا بھارت ورش میں پہلے ہندوؤں کی طرف سے بہت کم پربندھ تھا۔ اس لئے بے شمار ہندو اناتھ بچے مسلمانوں اور عیسائیوں کے ہاتھ آ جاتے تھے۔ اور کوئی دوسرا اُن کا پرسان حال نہ تھا۔ اُن کا آرت ناد سوامی جی کے کانوں میں پڑا۔ اور اُنہوں نے جگہ بہ جگہ اناتھ آلیوں کی ستھاپنا کی۔ آج سوامی جی کے پرتاپ سے کتنے اناتھ آلیہ موجود ہیں جہاں ہزاروں لڑکے لڑکیوں کی رکشا۔ پالن پوشن اور شکشا دیکشا ہو رہی ہے۔ یہ بھارت ورش کے لئے ایک گورو کی بات ہے ؛

شکشا کی پراچین شیلی کا بھی سوامی جی نے زوروں سے پرچار کیا۔ اُن کا درڑھ سدھانت تھا۔ کہ جب تک ودیارتھی لوگ پورن برہمچریہ کا پالن کر ودیا ادھین نہیں کریں گے۔ تب تک وہ سماج اور دیش کے اُتھان کی قابلیت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور اسی لئے اُنہوں نے گوروکل شکشا پرنالی کا پرچار کیا۔ بڑے آنند کی بات ہے۔ کہ آج آریہ سماج کے پربندھ میں ایک نہیں۔ انیک گوروکل کامیابی سے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور ان گوروکلوں کے سناتک لوگ۔ سماج اور دیش کے کاریوں میں لگ رہے ہیں ؛

بھارت کی راشٹری اُنتی کا بھی پورا دھیان رشی کو تھا۔ رشی نے بھارت ورش کی بہبودی کے لئے پورن پریتن کیا تھا۔ اور اگر دھیان کر دیکھیں تو معلوم ہوگا۔ کہ آج انہیں کے بتائے ہوئے راستہ پر کتنے ونش میں لوگ چل رہے ہیں۔ اور اس کے لئے ہم لوگ سب اُن کے مشکور ہیں ؛

سوامی دیانند کیا تھے

دیانند جی قوم کے رہنما تھے
دیانند روح تن آریہ تھے
مریضان ناتوان کو دینے غذا تھے
روحانی مریضوں کی خاطر شفا تھے
جو پابند تسلیم و صبر و رضا تھے
وہ سنیاسیوں میں صحیح پیشوا تھے
وہ دریائے توحید کے آشنا تھے
وہ سرچشمہ چشم آب بقا تھے
بجایا زمانے میں ویدوں کا ڈنکا
وہ ویدوں کے پرچار کے پیشوا تھے
کرے اُن کی تعریف کس منہ سے حسرت
وہ ہندوستان میں مہا آتما تھے

شہزادہ دارا شکوہ اور اُپ نشد

(از پروفیسر مہیش پرشاد صاحب مولوی عالم فاضل ہیڈ محکمہ عربی فارسی اُردو ہندو یونیورسٹی!)

جس پرکار آج بھارت میں انگریزی کی دھوم ہے۔ اسی پرکار کسی وقت فارسی کا رواج تھا۔ اور جس طرح آج سنسکرت کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں ہوا ہے۔ اسی طرح کسی وقت فارسی میں بھی ہوا تھا۔ چنانچہ سنسکرت سے فارسی میں جن کتب کا ترجمہ ہوا ہے۔ اُن میں سے اُپ نشد بھی ہیں۔ جو پچاس کی تعداد میں شہزادہ دارا شکوہ کی بدولت فارسی میں ہوئے ہیں ٭

شہزادہ دارا علم معرفت اور توحید کا شیدا تھا۔ اس کی تشفی توریت و انجیل و دیگر الہامی کتب سے نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اس امر کا اظہار شہزادہ موصوف نے فارسی اُپنشدوں کے دیباچہ میں ان الفاظ میں کیا ہے:۔

اما بعد چوں فقیر بے اندوہ محمد دارا شکوہ در سنہ یک ہزار و پنجاہ ہجری (۱۶۴۰ء ۱۰۵۰ھ) کہ بکشمیر جنت نظیر رفتہ بود بجاذبہ عنایت الٰہی و فضل نامتناہی سعادت ارادت اکمل کاملان زبدہ عارفان اُستاد استادان پیر پیران پیشوائے پیشوایان موحد حقائق آگاہ حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ دریافت۔ چوں ذوق دیدن عارفان ہر طائفہ و شنیدن سخنان بلند توحید بہم رسیدہ بود تشنگی طالب کہ بجر بیست بے نہایت زر بادم تازہ مے شد۔ و مسئلہ ہائے دقیق بخاطر رسید کہ حل آں جز بکلام الٰہی و بے اُستاد ذات نامتناہی امکان نداشت و چوں قرآن عظیم و فرقان کریم اکثر مرموز است و امروز دانندہ ایں رموز کمیاب۔ خواست کہ جمیع کتب سماوی را بنظر در آرد تا از ہماں کلام الٰہی کہ خود تفسیر خود است اگر در کتابے مجمل باشد در کتابے دیگر بتفصیل یافتہ شود و از آں تفصیل آں اصل دانستہ گردد۔ نظر بر توریت و انجیل و زبور و دیگر صحف انداخت ٭

اما بیان توحید در آں ہم مجمل و مرموز بود و از ترجمہ ہائے سہلے کہ اہل غرض کردہ بودند مطلوب معلوم نہ گردید ٭

آخر کار جب شہزادہ کو معلوم ہوا کہ اہل ہنود کی کتب مقدسہ میں اُپ نشدوں کا درجہ بہت بڑا ہے۔ ان میں اسرار و معارف کی باتیں بھری پڑی ہیں۔ تو ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۵ء میں اس نے بنارس کے پنڈتوں و سنیاسیوں کی مدد سے پچاس

اُپ نشدوں کا فارسی میں کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ توریت و انجیل وغیرہ میں جو اسرار مجمل ہیں۔ وہ اُپنشدوں میں مفصل ہیں۔ اس لحاظ سے اُس نے فارسی اُپنشدوں کو سرِ اکبر کے نام سے موسوم کیا۔ اور یہاں تک تسلیم کیا۔ کہ قرآن کریم دراصل اُپنشدوں میں ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سورۃ الواقعہ ۵۶: ۷۸ تا ۸۱ ٭

ترجمہ اُردو۔ بلاشبہ یہ قرآن بزرگ ہے۔ پوشیدہ کتاب میں ہے۔ صرف پاک لوگ ہی اس کو چھوتے ہیں۔ وہ اُتری ہوئی ہے۔ تمام جہانوں کے پالنے والے کی طرف سے

مسلمانوں میں عام خیال یہ ہے کہ ایک محفوظ و مخفی تختی میں ہر ایک امر جو وقوع ہوگا۔ ازل سے لکھا ہوا ہے۔ اسے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ چنانچہ شہزادہ کہتا ہے۔ کہ آیات مذکورہ میں لفظ تنزیل (معنی اُتارنا۔ اُترا ہوا) سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کتاب مکنون سے **لوح محفوظ** مراد نہیں۔ کیونکہ کتاب مکنون کے حق میں لفظ تنزیل آرہا ہے۔ یعنی جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ اُتری ہوئی کتاب کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ نہ کہ محفوظ و مخفی کتاب کے لئے۔ علاوہ بریں زبور۔ توریت و انجیل کے حق میں یہ آیات نہیں ہیں۔ بلکہ دراصل **کتاب مکنون** سے مراد **اُپنشد ہیں**۔ جو کہ اسرار پوشیدنی ہیں۔ چنانچہ آیات مذکورہ کے متعلق شہزادہ کے الفاظ یوں ہیں:۔

یعنی قرآن کریم در کتابے است کہ آں کتاب پنہاں است و او را در نمے کنند۔ مگر دلے کہ مطہر باشد نازل شدہ از پروردگار عالمیان۔ مشخص و معلوم میشود کہ ایں آیت در حق زبور و توریت و انجیل نیست۔ و لفظ تنزیل چنیں ظاہر میگردد در حق لوح محفوظ ہم نیست و چوں اُپنکھت کہ سرِ پوشیدنی اصل ایں کتاب است و آیت ہائے قرآن مجید بعینہ در آں یافتہ مے شود۔ پس تحقیق کتاب مکنون ایں کتاب قدیم باشد و ازیں ایں فقیر را نادانستہا دانستہ و نافہمیدہا فہمیدہ شد ٭

قصہ کوتاہ دارا شکوہ نے فارسی اُپ نشدوں کے دیباچہ میں اُپ نشدوں کی خوب تعریف کی ہے۔ انہیں وحدانیت کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اور اُن کی قدامت کو تسلیم کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر وہ دیباچہ قدرے اضافہ کے بعد کتابی صورت میں شائع کرا دیا جائے۔ تاکہ ہر ایک قدردان اسے بآسانی پڑھ سکے اور کچھ فائدہ اُٹھا سکے ٭

علاوہ بریں اس موقعہ پر غالباً اس امر کا اظہار بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مغربی ممالک میں اُپنشدوں کی تعلیم کی جو دھاک بندھی ہوئی ہے۔ اس میں کسی قدر حصہ دارا کے فارسی اُپ نشدوں کا بھی ہے۔ کیونکہ دارا کے فارسی اُپنشد جو کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں یورپ میں پہنچے تھے۔ اور لاطینی و فرانسیسی زبانوں میں کئے گئے تھے۔ ان سے یورپ کی علمی دنیا میں اُپنشدوں کے متعلق اچھا اثر پڑا تھا ٭

~~~~~~~~~

نذرِ عقیدت

(از قلم لالہ رام رکھا مل برق۔ بیٹھا در۔ کراچی)

خوابِ غفلت سے رشی ہم کو جگایا آپ نے
کیوں نہ ہوں مرہونِ منّت آپ کے ہندو تمام
روز و شب باطل پرستی کیطرف مائل تھے ہم
چونک اُٹھے ساکنانِ ہند خوابِ ناز سے
قوم کی کشتی پھنسی تھی اے رشی! طوفان میں
ہو گئے شیر و شکر سب ہندوئے خستہ جگر

اگرچہ چکے تھے قعر پستی میں اُٹھایا آپ نے
مرتی ہندو قوم کو آ کر بچایا آپ نے
صدق کی رہ پر ہمیں آکر چلایا آپ نے
ناد جب ویدِ مقدّس کا بجایا آپ نے
کرکے ہمّت اُس کو ساحل پر لگایا آپ نے
معجزہ ایسا سوامی جی دکھایا آپ نے

ساری دُنیا جانتی ہے برقؔ کچھ مخفی نہیں
کشٹ جو جو قوم کی خاطر اُٹھایا آپ نے

~~~~~~~~~

درسِ عمل

دوست تجھکو ہے اگرچہ بھی حقیقت کی تلاش
وید پڑھ اور مہرشی کی دیدکی تفسیر دیکھ
اس مقدس روشنی میں دیکھ اپنی ظلمتیں
صبح کی بیداریوں میں خواب کی تعبیر دیکھ
ہے توہمات میں پابند آزادی تری
اپنی آزادی سے پہلے قید کی زنجیر دیکھ
تجھ کو جینا ہے۔ تو کر جینے کی کچھ تدبیر بھی
پیس ڈالے گی یہ ورنہ گردشِ تقدیر دیکھ
نجات حق دیر و حرم میں جلوہ گر ہے تو اگر
من کے مندر میں پربھو کی موہنی تصویر دیکھ
تیرے نالوں میں ہی پوشیدہ ہیں نغمے سینکڑوں
آہ کر اور پھر تو اپنی آہ کی تاثیر دیکھ
آسمانِ اوج کا تارا ہو پھر پستی تری
عرش سے بھی بالاتر ہو جائے [illegible] پستی تری

([illegible])

رشی دیانند کا ویدک دھرم کو عالمگیر بنانیکا طریقہ

و موجودہ آریہ سماج کا اس سے پرماد

(از شری شیام سندر لال ایڈووکیٹ مین پوری یوپی)

میں اس لیکھ میں ان لاثانی خوبیوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا جو ویدک دھرم میں پائی جاتی ہیں - اور نہ ہی یہ بتلانا ضروری سمجھتا ہوں - کہ مہرشی دیانند کا ہی کام ہے - کہ ایک مات سچائی سے پُر اس ویدک دھرم کی اشاعت کا خوشگوار فرض آریہ سماج کے کندھوں پر رکھا ہے۔ مجھے اس مختصر لیکھ میں صرف یہ روشن کرنا مدنظر ہے کہ ویدک دھرم جیسے بے بہا دھرم کو عالمگیر بنانے کے واسطے مہرشی نے اپنی پستکوں میں کسی تدبیر کی تلقین چھوڑی ہے - یا نہیں - اگر چھوڑی ہے - تو آریہ سماج اس پر کہاں تک عمل کر رہا ہے :

مہرشی اپنے گرنتھ ستیارتھ پرکاش کے پچھلے نصف حصہ کی انو بھومکا (ضمنی دیباچہ) اس طرح رقمطراز ہیں :-

"یہ یقینی امر ہے کہ ان عالموں کے اختلاف ہی نے سب کو نفاق کے دام میں پھنسا رکھا ہے - اگر یہ لوگ خود غرضی میں نہ پھنس کر سب کی غرض کو حاصل کرنا چاہیں تو ابھی ایک مت ہو سکتے ہیں"

ان مذکورہ بالا الفاظ کے آگے ایک مزید آخری فقرہ بھی درج ہے - اور وہ یہ ہے :-

"اس کے ہونے کی ترکیب اس کے خاتمہ پر لکھیں گے"

لیکن ستیارتھ پرکاش کے خاتمہ پر سوامی جی نے صرف اپنا ایک عقائد نامہ درج کیا ہے - جس کے شروع کے حصہ میں کچھ اُپدیش ہے - اور آخری حصہ میں ویدک دھرم کے عالمگیر ہونے کی خواہش ویر ماتما سے پرارتھنا ہے - اُپدیش مذکور کا خاص حصہ حسب ذیل الفاظ میں ہے :

"عالمگیر اصول یعنی مجموعہ سدّل کے ہر فرد بشر کے منزل دھرم (دو دیے) جس کو ہمیشہ سے سب آنکھیں مانتے ہیں اور نیز مانیں گے اسی واسطے اس کو ازلی و ابدی دھرم کہتے ہیں - کہ کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہو سکے - اگر جہلا یا کسی مذہب والے (مت) کے بہکائے ہوئے اشخاص جس کو اُلٹا جانیں یا مانیں اس کو کوئی بھی عقلمند تسلیم نہیں کرتا - بلکہ جس کو آپت یعنی سچ ماننے سچ بولنے والے اور اس کے مطابق عمل کرنے والے دوسروں کی بھلائی کرنے والے بے تعصب عالم لوگ مانتے ہیں - وہی سب کو قابل تسلیم اور جس کو نہیں مانتے وہ غیر قابل تسلیم ہونے سے مستند نہیں ہوتا ...... انسان اُسی کو کہنا چاہیے کہ متحمل ہو کر اپنی ذات کی طرح دوسروں کی راحت و تکلیف و نفع نقصان کو تصور کرے ناانصافی کرنے والے زبردست سے بھی نہ ڈرے - اور دھرماتما کمزور سے بھی ڈرتا رہے - بلکہ اپنی پوری طاقت سے دھرماتماؤں کی خواہ وہ بالکل بے ... کمزور اور بے ہنر ہوں حفاظت ترقی اور خوش کن برتاؤ اور دوسرا ادھرماتماؤں کی خواہ بڑے صاحب دولت - نہایت طاقتور اور صاحب ہنر بھی ہوں - بربادی تنزلی اور تخریب کیا کرے - یعنی جہاں تک ہو سکے وہاں تک بے انصافی کرنے والوں کی طاقت کو کم کرنے اور انصاف کرنے والوں کی طاقت کو ہر طرح بڑھایا کرے - اس کام میں چاہے اس کو کتنی ہی سخت تکلیف پہنچے - خواہ جان بھی چلی جاوے لیکن انسانیت کے دھرم کو ہرگز نہ چھوڑے"

مذکورہ بالا اقتباسات سے عیاں ہے کہ شری سوامی جی کی رائے میں ویدک دھرم کو عالمگیر بنانے کے واسطے بالخصوص پچھے دھرماتماؤں عالم لوگوں کا سچائی پر متفق کرانا نہایت ضروری ہے - کیونکہ عوام الناس ہمیشہ اُن کی تقلید کرنے کو قدرتاً مجبور ہوتے ہیں - اور یہ کہ انہیں عالم لوگوں کے اختلافات سے دنیا میں گوناگوں خرابیاں برپا ہوا کرتی ہیں - رشی دیانند نے اپنی زندگی میں اپنی تحریر و تلقین میں بالعموم اور خاص موقعوں پر بالخصوص اسی عالمگیر اصول پر عمل کیا - میلہ چاندپور میں اُنہوں نے اسی امر کی کوشش کی اور دربار شاہی کے موقعہ پر جو ان کے زمانہ میں منعقد ہوا - اسی کوشش کو کام میں لائے - یہ سچ ہے - کہ شری سوامی جی مہاراج کو بلحاظ خاص حالات ملک اس بارہ میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی - اور نہ لوگوں نے اس تھوڑے زمانہ میں جس میں سوامی جی مہاراج کو اشاعت ویدک دھرم کا موقعہ ہوا - خاطر خواہ اس کی طرف توجہ دی - لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ سوامی جی مہاراج نے اپنے اس قلیل زمانہ میں ہی ویدک دھرم کی اشاعت میں ایک نمایاں ترقی کر دکھلائی - لہٰذا متذکرہ بالا اصول انگشت نمائی سے مبرّا ہے - قابل لحاظ امر یہ ہے - کہ انسان کی زندگی محدود ہوا کرتی ہے - اور اس واسطے ممکن ہے کہ بعض کی نظر میں سوامی جی مہاراج کو اپنے زمانہ میں جبکہ ویدک دھرم کا نام ہی لوگوں کے واسطے سبق اول تھا - مذکورہ بالا اصول کی پیروی میں خاطر خواہ نتائج پیدا کرنے کا موقع نہ ہوا ہو - اور نہ وہ اس کامیابی کو حاصل کر پائے ہوں - جس کے واسطے پشت ہا پشت کی کوششوں کی ضرورت ہے لیکن سوامی جی مہاراج نے ایک سچے اور واقعی دانا شخص کی مانند ایک سوسائٹی کو جس کی زندگی لامحدود ہوا کرتی ہے - چھوڑا ہے اور اس وجہ سے آریہ سماج کا جس کو رشی نے اپنا قائم مقام چھوڑا ہے - اس راستہ پر چل کر مکمل کامیابی کا حاصل کرنا فرض مقدم ہے :

شاید کہا جاوے گا - کہ آریہ سماج اس پیروی میں قاصر نہیں ہے - بسلسلہ اشاعت کتب - بذریعہ مناظرہ جات بذریعہ ویاکھیان و اُپدیش آریہ سماج اسی راستہ کا شروع سے راہگیر ہو رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پنجاب و یوپی کے صوبجات کے کثیر التعداد دیہات میں آریہ سماج قائم ہیں - اور وہاں تک آریہ سماج کی زبردست آواز پہنچی ہوئی ہے - لیکن میری رائے میں یہ خیال ٹھیک نہیں ہے - جہاں تک تاریخ بتاتی ہے - سچ یہ ہے کہ سوامی جی کے انتقال کے بعد آریہ سماج نے آغاز زمانہ میں ضرور کچھ درجہ تک اس قسم کی کوشش کی - جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں - اور اس کا نتیجہ یہ ہوا - کہ خواندہ اشخاص پنجاب میں خصوصاً اور اس کے دوسرے درجہ پر یو - پی میں پڑھے لکھے اشخاص سماج میں داخل ہوئے لیکن بعد کو اس ضرورت کو بہت درجہ تک فراموش کر دیا گیا - بلکہ یوپی میں تو اس قسم کے حالات بہت دنوں تک کام کرتے رہے کہ انگریزی پڑھے لکھے اشخاص کو آریہ سماج کی ویدی سے بالخصوص بنایا اور چڑایا گیا - اور یہ خیال پیدا کیا گیا - کہ دھرم کے بارہ در اصل وہ لوگ نہیں ہیں - اور نہ ہو سکتے ہیں - جن کو موجودہ شائستگی کا احساس ہے - اور اسی واسطے عرصہ تک اسی قسم کا پرچار ویاکھیانوں - بھجنوں و ڈھولک و نگاڑا ہوتا رہا - میرا منشاء اس سے یہ ہرگز نہیں ہے - کہ عوام الناس کو دھرم کی تلقین بے کار یا غیر مناسب یا غیر ضروری ہے - لیکن یہ خیال ضرور ہے - کہ تعلیم یافتہ جماعت کو اپنی طرف کسی سوسائٹی کا خاص طور پر نہ کھینچنا اس سوسائٹی کے پرماد کے سوائے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا - بنابریں یہ امر بھی اظہر من الشمس ہے - کہ پرچار کے طریقے میں بھی آریہ سماج نے ایک بڑے درجہ تک بھول کی - اور وہ بھی شری سوامی دیانند کے طریقہ پرچار کے خلاف جیسا کہ اُن کے پونا وغیرہ مقامات کے طبع شدہ ویاکھیانوں سے پتہ چلتا ہے برے طریقہ ہیں - یا یوں کہنا چاہیے - کہ ملٹری (MILITARY) طریقہ ہیں دوسرے مذاہب کے مسائل کی تردید و کھنڈن کی عادت - گو شکر ہے - کہ اس بیماری سے آریہ سماج کچھ عرصہ کے بعد باخبر ہو گیا - اور وہ عیب اب کچھ عرصہ سے نابود سا ہو گیا ہے

غرضیکہ تعلیم یافتہ جماعت کو اپنی طرف کشش کرنے کا میرے خیال میں آریہ سماج نے ہرگز وہ طریقہ اختیار نہیں کیا - جو اس کے عالمگیر مشن کی نظر سے ضروری تھا - اگر انگریزی لٹریچر (کتب) کی طرف دیکھا جاوے تو میری رائے میں عملاً صفائی ہے - مہاتما پنڈت گورودت جی ایم اے کی انگریزی کتب اور کچھ دیگر متفرق رسالہ جات بزبان انگریزی کے نکال دیے جاویں - تو کہنا پڑیگا کہ آریہ سماج نے کوئی انتظام انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کے واسطے اپنی طرف کھینچنے کا نہیں کیا ہے - اردو زبان میں بھی ہمارے ویدک دھرم کی اشاعت کا انتظام کچھ کم غیر تسلی بخش نہیں ہے - علیٰ ہذا القیاس ہندی زبان میں بھی اگر ویدک سنسکرت ساہتیہ کے ترجموں کو چھوڑ دیا جاوے - تو کافی لٹریچر شائع نہیں ہوا ہے ہاں اس زبان میں کچھ اخبارات و ماہواری رسالے ضرور شائع ہو رہے ہیں - جو کسی درجہ تک ویدک دھرم کی قابل اطمینان سیوا کر رہے ہیں - لیکن انگریزی دائرہ میں ایک ایسا اخبار یا رسالہ تلاش کرنے سے نہیں ملے گا - جو اس ضرورت کو پورا کر رہا ہو -

اگر اہل ہنود کے علاوہ دیگر مذاہب موجودہ ملک کی طرف دھیان دیا جاوے تو معلوم ہوگا - کہ آریہ سماج نے اپنے پرچار کا وہ سارا جنگ (عالمگیر) پیرایہ اختیار نہیں کیا ہے - بلکہ بہت درجہ تک اس کو ترک کر دیا ہے - جو اس کو اہل اسلام و اہل عیسائیت کے عالموں کی نظر میں جو اس ملک میں آباد ہیں - عالمگیر دھرم کی حیثیت دے سکے - بلکہ گذشتہ قریب ترین زمانہ میں اس نے اپنے آپ کو موجودہ ہندو دھرم سے نامزد سا کر لیا ہے - اور اپنے آپ کو محض ہندو دھرم کا محافظ قرار دے کر خوشی منا تا ہے - یہ شیوہ میری رائے میں وہ نہیں ہے - جو ایک عالمگیر ویدک دھرم

بقیہ مضمون کے لئے دیکھو صفحہ ۲۴ کالم ۳

وید پرچار کے وسائل

(از پنڈت گنگا پرشاد جی اپادھیائے ایم اے ایڈیٹر ویدادے)

اس مضمون پر بہت سے بڑے بڑے لیکھ لکھے جا چکے ہیں۔ مجھے یہاں محض موٹی موٹی قابل عمل تجاویز ہی لکھنی ہیں :۔

(۱) عوام میں مشہور ویدواکیوں کا حتی الامکان پرچار ہونا چاہئے۔ جیسے اگر کوئی ایشور سے پرارتھنا کرے تو کہے "سو تر درنانی پراسو" یا بیمار ہو تو کہے "تنو مے پاہی" یا اگر ایشور سے دولت کے لئے پرارتھنا کرنی ہو تو کہے :۔ तन्वे मे पाहि

सयाम पतयो रयीनाम् سیام پتیو ریئ نام۔ اس طرح اگر کوشش کر کے انتخاب کیا جاوے۔ تو ہر حالت کے لئے خوب صورت چھوٹے چھوٹے ویدواکیہ مل سکتے ہیں۔ جن کو ناخواندہ لوگ بھی استعمال میں لا سکتے ہیں :

(۲) وید کے معتقد مضمون نویسوں کو اپنے مضامین میں ویدواکیوں کا استعمال کرنا چاہئے۔ فارسی اور اردو کی نظم و نثر میں قرآن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جذب ہو گئے ہیں۔ یہی حال انگریزی یا دیگر مغربی لٹریچر میں بائبل کے حصوں کا ہے۔ ہندی کے بیکھک بڑی خوب صورتی کے ساتھ اس کی پیروی کر سکتے ہیں :

(۳) آریہ سماج کے اپدیشکوں اور پرچارکوں کو زیادہ تر وید منتروں کا ہی اپدیش کرنا چاہئے دیگر مذاہب والوں کے سامنے بھی اگر ویدوں کی اچھی اچھی باتیں ہی بتائی جائیں تو زیادہ مفید ہوگا۔ بہت سے لیکچروں میں زیادہ تر قرآن شریف ہی بھرا رہتا ہے بہت سے اپدیشکوں کو جتنی قرآن کی آئتیں یاد ہوتی ہیں۔ اتنے وید منتر نہیں۔ میری رائے میں اس طرح کا کھنڈن بھی قرآن کا ہی زیادہ پرچار کرتا ہے۔ بہت سے اپدیشک سنسکرت کے پورانک لٹریچر یا کاویوں (काव्यों) کے انتخاب ہی اپنے لیکچروں کو پر مذاق بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اُن کی خدمت میں میں عرض کرونگا۔ کہ ویدوں میں بڑے بڑے دلکش اور شریلے مقامات ایسے ہیں۔ جن کا اثر کچھ کم نہ پڑے گا۔ پرانوں کی کتھائیں کو مثال میں دینے کا تو رواج سا پڑ گیا ہے۔ اسے توڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے وید کے ورودھ سدھانت عوام تک پہنچ جاتے ہیں :

(۴) آریہ سماج کے کچھ فلسفہ دان اپنے خیالوں کے استحکام کے لئے ادویت وادیوں کی مثالیں بہت دیتے ہیں۔ یہ مثالیں دودھاری تلوار کی مانند ہیں۔ اور آریہ سدھانتوں کا پرچار کر کے ان کے مخالف خیالات پھیلاتے ہیں۔ اگر کوشش کی جاوے۔ تو آریہ سدھانتوں کی موافقت میں ویدوں میں بہت کچھ فلسفہ کے متعلق مصالحہ مل سکتا ہے۔

(۵) کچھ آریہ ودوانوں کو چاہئے۔ کہ ویدوں کے ایک ایک سوکت کو لے کر سہل کی آسان ویاکھیا نفس مضمون کا لحاظ رکھکر کریں۔ اور ایسی چھوٹی چھوٹی کتابیں عوام کے لئے قابل حصول بنا دی جاویں

(۶) وید منتروں کے گانے کا زیادہ پرچار ہو۔ کچھ پنڈتوں کی منڈلیاں نگر کیرتن۔ جلوس وغیرہ کے موقعوں پر صرف وید منتر گایا کریں :

(۷) بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے اور بہت آسان ویدواکیہ موٹے موٹے حروف میں

جیون داتا سوامی دیانند

(از ماسٹر رونق رام جی شاد بھدوڑ ریاست پٹیالہ)

عجب بیہوش ہو کے ہیں تھے عالم کو اک دھوکہ سمجھتے تھے
زن و فرزند و عز و جاہ کو ہیچ سمجھتے تھے
جہاں کے منظروں کو خواب کا نقشہ سمجھتے تھے
جہاں کو واہمہ ہم وہم غالب کا سمجھتے تھے

نرالے ترکِ دُنیا کے ہمارا دین و ایماں تھے
ترقی کیا تنزّل کیا نظر میں اپنی یکساں تھے

ہماری زندگی کا مدعا بس پیٹ بھرنا تھا
ہمارا جاگنا سونا بسر اوقات کرنا تھا
ہمارا کام رسی کو سمجھ کے سانپ ڈرنا تھا
نہ آتا ہم کو جینا تھا نہ آتا ہم کو مرنا تھا

مٹے جاتے تھے اور چشم بصیرت وا نہ ہوتی تھی
لُٹے جاتے تھے۔ خود ہم کو خبر اصلا نہ ہوتی تھی

ہوا پائے تجسس شل کہ ہمت کی تُوٹی تھی۔
پھنسے تھے کذب کی دلدل میں راہ صدق چھوٹی تھی
جہالت نے ہماری دولت تہذیب لوٹی تھی
بزرگان سلف کی شان کر دی ہم نے جھوٹی تھی

نظام مجلسی بگڑا۔ بڑھے امراض جسمانی
ہوئی تھی قابل افسوس حالت اپنی رُوحانی

رسالے کو بھارت کے دہرے دورِ زماں ہم کو
لئے جاتا تھا منہ میں موت کے خواب گراں ہم کو
بہاریں ہند کی تھیں سر بسر فصل خزاں ہم کو
مصائب روز و شب کے کر رہے تھے نیم جاں ہم کو

دیا ایشور نے کی پھر دن پھرے جاگے نصیب اپنے
شری سوامی دیانند آ گئے بن کے طبیب اپنے

مرے سوامی کے جھولے میں تھی وہ اکسیر لاثانی
ملی جو چار پشتوں کو زراہ لطفِ یزدانی
مجلّیٰ جس سے ہوتی ہے تمیزِ عقلِ انسانی
وہ گنج علم یعنی وید اقدس۔ ایشوری بانی

رشی نے ویدامرت کے پلائے جام بھر بھر کے
کہوں تاثیر کیا اس کی ہندی جی اُٹھے مر کے

صداقت کا کیا جب بے دھڑک اظہار سوامی نے
حقیقت کا کیا جب جا بجا پرچار سوامی نے
مچا دی کھلبلی سی ملک میں اک بار سوامی نے
مگر خوابِ گراں سے کر دیا بیدار سوامی نے

رموزِ دین و دُنیا سے کیا پھر باخبر ہم کو
سکھا دی مرے سوامی نے تمیزِ خیر و شر ہم کو

جو آنکھوں پر پڑا تھا جہل کا پردہ اُٹھایا ہے
ضلالت سے بچایا دھرم کا رستہ دکھایا ہے
ہمیں قومی حمیت کا سبق اُس نے پڑھایا ہے
رفاہ ملک کی خاطر فدا ہونا سکھایا ہے

کیا شوقِ عمل پیدا ہمارے نوجوانوں میں
کہ شانِ زندگانی آ گئی اُنکے ترانوں میں

جو میدانِ عمل میں کُودنے سے شاد ڈرتا ہے
پرائی آگ میں جلنے سے جو پرہیز کرتا ہے
نہیں وہ مستحق سوراجیہ کا دم لاکھ بھرتا ہے
غلامی میں جنمتا ہے۔ غلامی ہی میں مرتا ہے۔

رشی ور کے اصولوں پر اگر پورا عمل ہوگا!
تو بے شک ہند میں سوراجیہ کی مشکل کا حل ہوگا

دو دو چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں شائع کئے جاویں۔ اگر یہ باتصویر ہوں۔ تو اور بھی اچھا ہے :

مطلب یہ کہ آریہ سماج نے آج تک ویدوں کی تعریف بہت کی۔ اب تعریف کی جگہ ویدوں کا استعمال ہونا چاہئے۔ رشی دیانند کا اپدیش ہے۔ کہ وید پرستش کی کتاب نہیں۔ بلکہ عمل میں لانے کا علم ہیں :

منش کا کرتویہ

"ایشور دیالو سب پر دیا کرتا ہے۔ منش کو بھی سب پر دیا کرنی چاہئے۔ ایشور ستیہ ہے۔ منش کو ستیہ ہونا چاہئے۔ غرضیکہ منش کو ایشور کے گن اپنے اندر دھارن کرنے کا ابھیاس کرنا چاہئے۔ جس کا پریام اخر ایشور پراپتی ہو" (رشی دیانند) :

کیا آریہ سماج شتھل ہو رہا ہے؟

(از ماسٹر دیوی چند جی ایم اے ہوشیارپور)

آج کل بہت سے بھائی یہ پکار رہے ہیں کہ آریہ سماج شتھل ہو گیا ہے۔ ان میں سے بعض ویدک دھرم کے دشمن ہیں۔ جو خودغرضی کو مدنظر رکھتے ہوئے آریہ سماج کو کمزور کرنے اور اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اس قسم کی صدائیں لگا رہے ہیں۔ بعض آریہ سماجی ہیں۔ جو اداسینتا کے شکار ہو کر ایسا کہہ رہے ہیں۔ بعض مطلب پرست ہیں۔ جو آریہ سماج کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ کیونکہ اب آریہ سماج سے ان کی مطلب براری نہیں ہوتی۔ بعض ایماندارانہ طور پر آریہ سماج کے بہی خواہ ہونے کی حیثیت سے اس کی ترقی کے شیدائی اپنی دیوانگی میں اس کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے اس کے کارکنوں کو چیلنج دینے اور اس میں زیادہ زندگی پھونکنے کے عشق میں ایسا کہہ رہے ہیں ؛

مجھے اول الذکر لوگوں سے کوئی شکایت نہیں۔ دوئم زمرہ کے لوگوں سے ہمدردی ہے۔ مگر ان کی کمزوری پر رحم آتا ہے۔ کیونکہ اداسینتا کمزوری کی نشانی ہے۔ اور کمزوری موت کی مترادف ہے۔ تیسری قسم کے لوگوں سے آریہ سماج کی بھلائی کا طالب ہوں۔ اور چوتھی قسم کے لوگوں کا فلسفہ درست یا غلط تسلیم کرتا ہوں۔ عشق و دیوانگی اگر طاقت پیدا کر سکیں۔ تو خوبی پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر حوصلہ پست کریں۔ اور امنگوں پر ٹھنڈا پانی ڈالیں۔ تو میں ایسے عشق کو پسند نہیں کرتا۔ سچی محبت کی تو یہی نشانی ہے۔ کہ آخیر دم تک حوصلہ نہ ہارا جاوے۔ اور مایوسی کے کلمات زبان سے نکالے جاویں اصولاً میں کسی ایک جماعت سے متفق نہیں ہوں کہ آریہ سماج شتھل ہو رہا ہے۔ گو میری یہ زبردست خواہش ہے۔ کہ آریہ سماج موجودہ رفتار سے زیادہ تیز ہو جائے ؛

جو لوگ آریہ سماج کی شتھلتا کی شکایت کرتے ہیں۔ وہ آریہ سماج کو ٹھیک نہیں سمجھتے۔ آریہ سماج محض ویدیوں دانا سنیاسیوں کی جماعت نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل سوسائٹی ہے۔ جس میں تیاگ بیراگی۔ یوگا بھیاسیوں۔ فلاسفروں۔ عالموں، پنڈتوں۔ دنیا داروں۔ دیش بھگتوں ملکی مدبران وغیرہ کے لئے گنجائش ہے۔ اور جس کو ان سب کی ضرورت ہے۔ اس میں برہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر سمائے ہیں۔ اگر آریہ سماج کو آپ محض برہمنوں کی جماعت بنانا چاہو گے۔ تو نتیجہ اس کی ناکامیابی ہو گا۔ اس کا آرگنزیشن ادھورا اور نامکمل رہے گا۔ بس اس اصول کو آریہ سماج کے جھگڑوں کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ آریہ سماج مکمل سوسائٹی ہے۔ اور اس کو نانا پرکار کی خصوصیتوں والے پرشوں کی ضرورت ہے جو کہ اپنے اپنے سدا چار پر قائم رہ کر مختلف پہلوؤں میں اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہیں ؛

موجودہ شتھلتا کی آواز اٹھنے کا ایک کارن موجودہ پولیٹیکل ہلچل ہے۔ آرام طلب، صلح پسند و شانت پرور آریہ سماجی موجودہ دوڑ دھوپ و پولیٹیکل ایجیٹیشن کو دیکھ کر گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور جب ان کے ساتھی آریہ بھائی پولیٹیکل ہر میدان میں کود پڑتے ہیں۔ تو وہ کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ آریہ سماج خطرہ میں ہے۔ آریہ سماج شتھل ہو گیا۔ آریہ سماج کمزور ہو گیا۔ ایسا خیال کرنا ان کی بھول ہے۔ آریہ سماجیوں میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ جو ملکی بہبودی میں حصہ لیں۔ آریہ سماجیوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی آہوتی اس آندولن میں ڈالیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے۔ تو ہمیشہ کے لئے ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا رہے گا۔ کہ یہ اپنے مشن و فرض سے غافل ہے۔ ملک کی بہتری۔ اچھوتوں کا ادھار کرنا۔ سوشل خرابیوں کو دور کرنا۔ جسمانی۔ دماغی۔ مجلسی۔ تمدنی حالت کو بہتر بنانا۔ غیر مذاہب کے انسانوں کو ویدک دھرم کی شرن میں لانا یہ سب آریہ سماج کے کام ہیں۔ ان میں سے جو کام کسی آریہ بھائی کو پسند ہو۔ اس کام کو وہ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی طاقتوں کو اس پر مرکوز کرے۔ آریہ سماج کی طرف سے کھلی اجازت ہونی چاہئے۔ بعض بھائیوں کو ابھیاس پسند ہے۔ وہ ابھیاسی بن کر آریہ سماج کی سیوا کریں۔ بعض دھن کمانا چاہتے ہیں۔ وہ دھن کما کر آریہ سماج کی سیوا کر سکتے ہیں۔ بعض اچھوت ادھار و شدھی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ اس کام میں لگ جائیں۔ بعض تعلیم نسواں و بیوگان کے ادھار کے کام کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں آریہ سماج کی طرف سے اس کام میں اپنی زندگی خرچ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ جو پولیٹیکل کام میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کو حق حاصل ہونا چاہئے۔ کہ وہ پولیٹیکل میدان میں اپنی سمجھ کے مطابق کام کریں۔ ملکی۔ مجلسی۔ دماغی تینوں قسم کی آزادی آریہ سماج انسانوں کو پردان کرنا چاہتا ہے اس لئے یہ صرف کام کی تقسیم ہے۔ اگر مختلف آریہ بھائی اپنے رجحان و میلان طبع کے موافق مختلف حلقوں میں کام کریں۔ جبکہ آدیش سب کا آریہ سماج کی سیوا ہو۔ تو کسی قسم کا ڈر یا خطرہ نہیں ہے ؛

آریہ سماج دنیا سے علیحدہ الگ تھلگ نہیں پڑا۔ یہ گھوشن (GHOSHEN) میں واس نہیں کرتا۔ جس پر باہر کے زمانے کے حالات کا اثر نہ پڑتا ہو۔ آج ساری دنیا ایک بنی ہوئی ہے۔ موجودہ مغربی تہذیب۔ مغربی ویدین زل جز زمانہ وسطی کی عیسائی بھگتی اور رومن سبھیتا کے فلسفانہ آدرش سے دور جا کر علمی مجلسی ملکی ترقی اور بیوپار پر زور دے رہا ہے۔ جس نے خدا اور روحانیت کو خارج کر کے دنیا و دماغ پر زور دیا ہے۔ جس نے روح و سپرٹ کو خیرباد کہہ کر مادہ یا بھوتک طاقتوں کو مرکوز کیا ہے۔ ہمارے ملک کی غربت۔ جہالت۔ بے بسی۔ غلامی۔ تنگدستی و بے روزگاری۔ دنیا کی تجارتی منڈی کے اتار و چڑھاؤ۔ ایکسچینج (EX CHANGE) ٹیرف (TARIFF) کے جھگڑے آزادی کی ترنگیں۔ یہ سب باتیں آریہ سماج پر اپنا اثر ڈال رہی ہیں۔ ان لوگوں کو جو آریہ سماج کو محض سندھیا و ہون کرنے والوں کی جماعت تصور کرتے ہیں۔ اپنی آنکھیں اب کھول لینی چاہئیں۔ اور زمانے کے حالات کے مطابق اپنے نقطۂ نگاہ کو تبدیل کرنا چاہئے۔ پنچ یگیوں کا کرنا ضروری ہے۔ مگر ان کے علاوہ سوشل و ملکی یگیہ بھی ہیں۔ جن میں ہمیں اپنی آہوتی دینی چاہئے۔ جو محض دھرم کے ادھیاتمک THEOLOGICAL یا فلسفانہ یا SENTIMENTAL پہلو پر ہی زور دینا چاہتے ہیں۔ اور اسی کو دھرم کا مکھیہ انگ سمجھتے ہیں۔ ان کی نظروں میں بے شک آریہ سماج کمزور و شتھل ہو رہا ہے اور شاید آنے والے زمانہ میں اور بھی کمزور ہو۔ جو آریہ سماج کی بیرونی کارروائی و رسومات کو ہی آریہ سماج کا مکھیہ ادیش سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے آریہ سماج بے شک خطرہ میں ہے۔ مگر جو آریہ سماج و اس کے بانی کے اندرونی مفہوم کو انوبھو کرتے ہیں۔ وہ آریہ سماج کے سب پہلوؤں پر دھیان رکھتے ہوئے موجودہ ہلچل سے نہیں گھبراتے۔ بلکہ اسے اپنے مشن کی تکمیل کا ایک سادھن تصور کرتے ہیں ؛

آریہ سماج بلحاظ تعداد پیروکاران علمی لیاقت و قابلیت دنیاوی طاقت۔ تیاگ۔ تپسیا و قربانی ترقی کر رہا ہے۔ جن حالات میں سے آریہ سماج پچھلے ۵۰ سال میں سے گذرا ہے اس کو مدنظر رکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ آریہ سماج کی ترقی کا قدم آگے ہی بڑھتا رہا ہے۔ اگرچہ ہماری ترقی کی رفتار ناموافق حالات کی وجہ سے بعض لوگوں کو سست معلوم ہوتی ہے مگر میں اس سے مطمئن ہوں۔ عیسائی کوریا میں ۷۰ برس تک کام کرتے رہے۔ مگر ایک آدمی بھی عیسائی نہیں بنا۔ یہ وہ ابتدائی کام جو اس عرصہ میں ہوا۔ اس نے ایسا گرد ہوائی پیدا کیا۔ کہ اب ۸۰ فیصدی لڑکے جو کوریا میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ وہ عیسائی سکولوں میں پڑھتے ہیں۔ آریہ سماج وہ SPADE WORK کر رہا ہے۔ جس کا نتیجہ جلد آپ کے سامنے آ جائیگا۔ ۵۰ برس کا عرصہ کسی سوسائٹی کی ترقی کا اندازہ لگانے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ گھبرائیں مت۔ اسلام و عیسائیت کی مخالفت کی دیواریں کمزور ہو رہی ہیں۔ پوراتک گڑھ کا قلعہ ٹوٹ رہا ہے۔ حکومت کا آریہ سماج کی طرف بدظنی کا رویہ تبدیل ہو رہا ہے۔ ہم آج تک اپنے بچاؤ DEFENCE پر کھیلتے رہے ہیں۔ ہم ۵۰ سال سے میدان جنگ میں کام کر رہے ہیں۔ لڑائی کے زمانہ میں ترقی۔ شانتی۔ اصلاح وغیرہ میسر نہیں ہو سکتے۔ ہمیں سانس لینے کا وقت بھی آج تک نہیں ملا۔ ایسے حالات میں آپ آریہ سماج سے وہ چیزیں طلب کرتے ہیں۔ جو کہ پرامن زمانہ کے بغیر آپ کو نہیں دے سکتا۔ میں حیران ہوں۔ کہ ایسے ناموافق حالات میں آریہ سماج تب کیوں نہیں گیا۔ باد مخالف کے جھونکوں سے یہ مرجھا کیوں نہیں گیا۔ توپوں۔ تلواروں و دنیاوی راجاؤں۔ مہاراجاؤں کے رعب میں آ کر یہ مر کیوں نہیں گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں صداقت تھی۔ جو اسے مرنے نہیں دیتی تھی۔ اور مرنے نہیں دیگی۔ یہ شتھل نہیں ہوا۔ ہم شتھل ہو گئے ہیں۔ جو اسے شتھل سمجھتے ہیں۔ وید کی صداقت ہمیشہ جوان اور تر و تازہ رہتی ہے۔ یہ کبھی شتھل و بوڑھی نہیں ہوتی۔ رشی کا مشن ویسا ہی شدھ پوتر و جوان ہے۔ دیکھو اتھروید میں پرماتما کیا کہتے ہیں :-

देवस्य पश्य काव्यं न ममार न जीर्यति

(اتھروید ۱-۸-۳۲) ؛

لوگ کہتے ہیں۔ کہ آریہ سماج نے ابھی چاروں ویدوں کا بھاشیہ انگریزی زبان میں نہیں کیا ذات پات کی قیود کو نہیں توڑا۔ بیواؤں کا دُکھ دُور نہیں کیا۔ ودیش پرچار کا پربندھ نہیں کیا۔ ان کاموں کی فہرست جو آریہ سماج نے ابھی کرنے ہیں۔ لمبی ہے۔ ہم ان بھائیوں کے مشکور ہیں۔ جو ہماری توجہ ہماری ترٹیوں ہمارے فرائض کیطرف دلاتے رہتے ہیں لیکن ان سے کہتے ہیں کہ آریہ سماج کی نمو حالت کی طرف دیکھا کریں۔ اور جو وسیع کام ابھی تک ہم نے نہیں کیا اس کو دیکھکر گھبرا مت جایا کریں۔ یہ سب کام آہستہ آہستہ ہو جاویں گے بشرطیکہ کوئی آریہ بچہ ان گناہ آلود الفاظ کو اپنی زبان پر مت لائے۔ اور یہ کہ ... اس زہر کو اپنی ... نہ چھڑکنے دے۔ کہ آریہ سماج شتھل ہو گیا ہے ہماری اُمنگوں۔ نوجوانوں کے جوش کو سرد کرنا میں پاپ سمجھتا ہوں بس جو آریہ بھائی اپنے اندر آتما کی کمی کو دیکھ کر ایسے مایوسانہ الفاظ نکالتے ہیں۔ وہ واسطے خدا کے ایسا کرنا چھوڑ دیں۔ ہمارے دشمن ہمارے بے شک ایسا کہتے ہیں۔ مگر ہمیں ایسا ہرگز ہرگز نہیں کہنا چاہئے ہمارا فرض تو یہ۔ جیسے رشی کے مشن کی تکمیل کرنا ہے۔ مگر اس مشن کو غلط پیرایہ میں نہیں سمجھنا چاہئے۔ پرماتما نے ہماری رکشا بے شمار مصیبتوں میں کی ہے۔ ہم نے استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ نشچے ہے کہ آئندہ بھی پرماتما اسی طرح سے آریہ سماج کی سہائتا کریں گے۔ اور اسے سنسار میں ترقی نصیب کرائیں گے۔ اور اس کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ جس کے لئے اسے جنم عطا کیا ہے۔

(اوم شم)

بنگال میں ہندوؤں کی ستھتی

آریہ سماج مرتی ہوئی ہندو جاتی کو بچانیکا کام ہاتھ میں لے

(از سوامی ستیانندجی پردھان بنگال ہندو مشن)

گو خوبی تعداد میں نہیں صفات میں ہے تاہم قوموں کے نقطۂ نگاہ سے تعداد کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک بنگال کا تعلق ہے۔ ہندوؤں کی تعداد میں رفتہ رفتہ کمی ایسا عظیم خطرہ ہے۔ جو موجودہ وقت میں ہندو جاتی کو درپیش ہے۔ گذشتہ صدی کے آخری حصہ کے مرحوم دور اندیش محب وطن سکھارام گنیش دیو سکھر نے سب سے پہلے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ لیکن بنگالی ہندو اس وقت سیاسیات کے نشہ میں اس قدر سرشار رہتے۔ کہ انہیں اپنی ہستی کے متعلق سوچنے کا خیال تک نہ تھا۔ اب بھی یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے صورت حالات کی حقیقت کا اندازہ کر لیا ہے۔ بیرونی حملے آخر اس قابل ہوتے ہیں۔ کہ وچارشیل ہندوؤں کی آنکھیں کھولیں۔ تاکہ وہ بنگال میں اپنی داستوک ستھتی کو دیکھ سکیں۔ یہ متواتر ہندو مسلم فسادات کا ہی صحت بخش اثر ہے۔ ایک ان پڑھ ہندو گرہستی کے لئے جو تعلیم کے مراکز سے دور فاصلے کے گاؤں میں رہتا ہو۔ ہندوستان کی ساری ہندو قوم کی اوستھا کا سمجھنا ناممکن ہے لیکن جہاں تک اس کے اپنے گاؤں کا تعلق ہے۔ وہ اپنی اوستھا کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اگر مردم شماری کی رپورٹ کو سرسری نظر سے دیکھا جائے۔ تو بھی بنگال میں ہندوؤں کی حالت کی بے بسی کا پتہ لگ جاتا ہے۔ مسلمان غنڈوں کے ہاتھوں سرل دیہاتی لوگوں کی جو قابل رحم حالت ہوتی ہے۔ کون ہندو ہے جو اسے نہیں جانتا۔ جو لوگ روزانہ اخبارات پڑھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ کس طرح ہندو لڑکیوں کو اُن کے والدین اور خاوندوں سے چھین کر لے جایا جاتا ہے۔ کس طرح اُن کی دیو مورتیوں کو توڑا جاتا ہے۔ اور مندروں کو اپوتر کیا جاتا ہے لیکن باوجود اس کے بنگالی ہندو حرکت میں نہ آئیگا۔ سیاسی آزادی کے جوش اور جلدی میں وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی مستورات کی عصمت و وقار کی حفاظت کا فرض بھی اُسے یاد نہیں رہتا۔ کیا یہ کسی بھی طرح صحت مند قومی نشوونما کی نشانی ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ ہر ایک وچارشیل ہندو نے اس وقت تک قومیت کی از سر نو تعمیر کی اعلیٰ ضرورت کو سمجھ لیا ہے۔ ذیل میں بنگال کی آبادی کے دو نقشے دیئے جاتے ہیں۔ جو اپنی کہانی زبان حال سے بتا رہے ہیں:-

نقشہ نمبر (۱)
تعداد

	ہندو	مسلمان
بنگال	۲۰۸۰۹۱۴۸	۲۵۴۸۶۱۲۴
مغربی بنگال	۹۶۰۶۸۴۰	۱۰۸۲۱۲۲
وسطی بنگال	۴۸۶۴۴۰۳	۴۲۷۶۷۴۱
شمالی بنگال	۳۸۸۵۰۵۰	۶۵۴۲۷۲۳
مشرقی بنگال	۱۶۴۹۸۰۴	۲۴۳۸۴۹۵

فیصدی

	ہندو	مسلمان
بنگال	۴۳٫۷۲	۵۵٫۵۶
مغربی بنگال	۸۸٫۰۰	۱۳٫۴۴
وسطی بنگال	۵۱٫۲۱	۴۷٫۳۲
شمالی "	۳۵٫۵۲	۵۹٫۸۲
مشرقی "	۲۸٫۴۸	۶۹٫۹۲

نقشہ نمبر (۲)

	اعلیٰ جاتیاں	نیچ جاتیاں
برہمن	۱۳۰۹۵۳۹	۱۰۱۰۱۸۷۳
ویدیا	۱۰۰۰۰۰	دلت جاتیاں
کائستھ	۱۲۹۷۷۳۶	۱۱۵ ۰۰۰۰۰
میزان	۲۷۰۷۲۷۵	

مندرجہ بالا نقشے کسی قدر تشریح طلب ہیں یہ امر واقعہ ہے۔ خواہ وجوہات کیا ہوں کہ مسلمان

رشی کی آواز

(جناب پنڈت چندر چوڑ صاحب سہانک سوہانوی کے قلم سے)

ذرا تو آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے غافل — تو وہ قطرہ ہے جس قطرہ میں دریا کی ہے طغیانی
اُسے بھی دیکھتی ہیں تیری آنکھیں جو ہے پردے میں — بنایا ہے تجھے عقدہ کشائے راز پنہانی
مٹا کر فارق ملت کو محبت میں گم ہو جا — نہ ہندوئیت رہے باقی نہ باقی کچھ مسلمانی
دل پرسوز کے ہر شوق ہر ارماں میں پیدا کر — اخوت کی جگرداری محبت کی فراوانی
جسے تو ڈھونڈھتا ہے دیر کی کعبے کی منزل میں — ترے ہی دل میں بستا ہے وہی محبوب لاثانی
وفور نور ہی پردہ ہے اُس کے حسن ظاہر کا — کہ ہے خورشید کا پردہ خود اسکی جلوہ افشانی
عبث ہے طور کے جلوہ کی حسرت چشم بینا کو — جہاں کا ذرہ ذرہ ہے تجلی راز ربانی
تڑپ کر رہ گئی برق تجلی میری آنکھوں میں — جو دیکھا پردے پردے میں کسی کا حسن لاثانی

جو طوفاں خیز ہے بحر خیالات سہانک کیا!
دل مایوس کی مایوسیوں پر پھر گیا پانی!

بنگال میں خصوصاً شمالی اور مشرقی بنگال میں جہاں ان کی بھاری کثرت ہے اکثریت میں ہیں۔ اگر ہم ضلع وار آبادی کا نقطۂ نگاہ درشٹی سے مطالعہ کریں تو صورت حالات کی سنگینی ہمیں اچھی طرح معلوم ہوگی۔ شمالی اور مشرقی بنگال میں بعض اضلاع میں جہاں ۸۰ فی صدی تک مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اور پھر جو باقی ۲۰ فیصدی ہیں۔ وہ بھی تمام کے تمام ہندو نہیں۔ ان میں عیسائی۔ بدھ اور دیگر اقوام بھی شامل ہیں۔ بطور مثال ذیل کے اضلاع میں مسلمان آبادی اس پرکار ہے:۔

بوگرا ۴۹ء۸۳ فیصدی۔ نواکھلی ۷۷ء۵ فیصدی۔ راج شاہی ۷۵ء۰۶۔ پبنہ ۷۵ء۸۳۔ میمن سنگھ ۷۶ء۹۱ فیصدی۔ ٹپرہ ۷۴ء۱۲ فیصدی۔

دوسرا نقشہ ایک اور ضروری امر کا اظہار کرتا ہے۔ جبکہ بنگال میں ہندوؤں کی تعداد دو کروڑ ۸۰ لاکھ ہے۔ جنہیں اونچی جاتیاں کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد صرف ۲۷ لاکھ ہے۔ یعنی ہندو آبادی کا تقریباً ۱/۱۰ حصہ اور باقی وہ لوگ ہیں۔ جنہیں نیچ اقوام کہا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ اونچی جاتیاں نیچ ہندو جاتیوں کی مدد کے بغیر کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ اور اپنی پوترتا کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ نیچ جاتیوں میں دلت جاتی والوں کی تعداد تقریباً ایک کروڑ پندرہ لاکھ ہے۔ پس تین اونچی جاتی والوں کی یہ خودکشی نہ بیوقوفی ہوگی۔ کہ انہیں تمام سوشل حقوق سے محروم کرنے کے لئے جن کا وہ بجا طور پر مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ان کی طرف سے اپدیش رہیں۔ سنجیدہ اور متحدہ ہندو قوم بنانے کے لئے نیچ جاتیوں کی تعلیم اور اتھان۔ ان کی اقتصادی بہتری ان سے اچھوت پن کو ہٹانا انترجاتیہ بواہوں میں ان کی حوصلہ افزائی اور ان میں اتحاد اس وقت کی فوری ضرورت ہے۔

پھر جب مسلمان گذشتہ بیس برس میں ۳ فیصدی بڑھے ہیں۔ ہندوؤں کی صرف ۱۵۰۲ فی صدی بڑھتی ہوئی ہے۔ اور ۱۹۱۱ء کے دس سالہ عرصہ میں مسلمان ۵ء۵ فیصدی بڑھے ہیں

ہندوؤں کی کمی کے اسباب

(۱) ہندو جن ذیل طریقوں سے اسلام میں جانا۔

(ا) ہندو بیواؤں۔ لڑکیوں اور شادی شدہ مستورات کا مسلمان غنڈوں کے ذریعہ اغوا

(ب) نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کا اغوا اور انہیں مسلمان بنا لیا جانا۔

(ج) یتیموں کو لالچ و ترغیب سے مسلمان بنانا

(۲) عیسائی بنایا جانا

(۳) جبری ودھواپن۔ یہ ہندو آبادی کی متواتر کمی کا نہایت اہم کارن ہے۔ بنگال میں ہندو عورتوں کی تعداد ۲۵۰۰۹۹۵ ہے۔ جن میں سے ۵۴۸۸۰ یعنی تقریباً ۱/۴ (؟) ودھوائیں ہیں

عورتوں کی نسبت مردوں کی آبادی ذیل کی جاتیوں میں زیادہ ہے۔ بیدلی بجونیا چمار۔ ڈھوبا۔ دوساد۔ گوالہ بگی۔ جوگی۔ کہار۔ مہیسیا۔ کپالی داس۔ کمار۔ کمار۔ نمشودر۔ تانتی۔ تیلی۔ تیلی وغیرہ۔ ان اقوام کے مردوں کی تعداد کثیر کو اس وجہ سے کنوارا رہنا پڑتا ہے کہ ان کے لئے عورتیں نہیں ہیں۔ ان برائے نام نیچ جاتیوں میں سے کئی عملی طور پر خاتمہ پر ہی ہیں۔ پس ان کے درمیان انترجاتیہ بواہ کی اہمیت ظاہر ہے۔ قانون انترجاتیہ بواہ کی اجازت دیتا ہے۔ تعلیم نہ ہونے سے وہ جہالت اور باطل پرستی کی تاریکی میں ہیں۔ اور اس طرح سخت رجعت پسند ہو رہے ہیں۔ ان کو جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ تعلیم یافتہ اچھی جاتیوں کے لوگ ان کی ہمدردانہ رہنمائی کریں۔

جو حالات اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہندو کب تک بنگال میں زندہ رہنے کا خیال کر سکتے ہیں۔ نہایت قلیل ہندو خاندان جو دور دراز دیہات میں کثیر مسلم آبادی کے اندر رہتے ہیں۔ مسلمان ہونے یا اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو جائیں گے اور ایک بھاری تعداد سالانہ جاب آنیا ٹے کے باعث سے دوسرے مذاہب میں مل جائے گی۔ اگر شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکیوں اور ودھواؤں کا اغوا اور یتیموں اور نابالغ لڑکوں کا مسلمان عیسائی بنایا جانا بند نہ کیا گیا۔ تو ان کی تعداد بڑھتی ہی جائے گی۔ اس طرح مستقبل قریب میں ہی بنگال ہندوؤں سے خالی ہو جائے گا۔ یہ شک ہے۔ کہ آیا اونچی جاتیاں بجائے خود بڑھتے ہوئے مسلمانی غنڈاپن کے خلاف اپنا بچاؤ کر سکتی ہیں۔ ہم ہندوستان بھر کے ہندوؤں خصوصاً رشی دیانند کے انویائی آریہ مہاجنوں کی توجہ اس طرف دلاتے ہیں۔ کہ اس جیسی تعمیر کے ضروری کام میں اپنی طاقت لگا دیں۔ بنگالی ہندو اس وقت سوراجیہ کا دیوانہ بن رہا ہے۔ لیکن اگر حالات کی صورت حالات جو اس وقت ہے۔ وہی رہی تو سوراجیہ کے پھل کا لطف لینے کے لئے ایک بھی بنگالی ہندو نہ رہے گا۔

کئی بار مخالفت کے ذکر اذکار میں سوامی جی کہتے تھے۔ کہ مجھے اس کی چنتا نہیں۔ میں نے استیہ کھنڈن کا کام شروع کرتے ہی وچار لیا تھا کہ ورودھ اوشیہ ہوگا۔ مگر ایشور آستک میں نے یہ بوجھ اٹھایا ہے۔ دوسری انگریزی راج کی بڑی مدد ہے اگر یہ راج نہ ہوتا۔ تو جب جوانی دفعہ فرخ آباد آیا۔ برہمن مجھے نہ چھوڑتے ۔

آریہ سماج میں کرانتی کی آوشیکتا!

(از پنڈت لوک ناتھ جی آریہ اپدیشک)

اتہاس ہی بھارت کی بھوت کالین پر استھتی کا پربل پرمان ہو سکتا ہے اور ورتمان کال میں برٹش روپ سے ہونے والی گھٹنائیں بھی اسباب کی پوشک ہو سکتی ہیں۔ کہ یہاں کیا ہوتا رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے کیا کوئی اتہاس جاننے والا اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ رشی دیانند کے پرچار کال سے پہلے بھارت میں کنیاؤں کو بیچا جاتا تھا اور ہیز دینے کی کو پرتھا کے بھئے سے کنیا بدھ کیا جاتا تھا۔ دودھ پیتے بچوں کو دیوداسی اور دیوداس کے نام سے مندروں میں بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا۔ کالی مائیا کی پرسنتا کے لئے ایک بکرے اور بھینسے کاٹے جاتے تھے۔ جڑ پداتھوں کو بھگوان کے نام پر پوجا جاتا تھا۔ مرتکوں کو ترپت کرنے کے اتیش سے کروڑوں روپے سالانہ لٹ جاتے تھے۔ تیرتھ استھانوں پر گھور اتیاچار ہوتے تھے مہاپرشوں کے سوانگ بنا کر ناچتے گاتے ناگنے دم لگاتے اور پیالے پیتے تھے۔ انیک ودھوائیں دھرم بھرشٹ کی جا کر عیسائی مسلمانوں کے گھر کی شوبھا بنتی تھیں۔ ورن دھرم کے جنم بھاگ شودر لوگوں کے ساتھ انیائے پورن بیوہار کی پراکاشٹا ہو چکی تھی۔ ان کے ساتھ کتوں اور کتوں سے بھی برا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ کہیں آج جاتی کے لوگوں پر سایہ نہ پڑ جائے انہیں سڑکوں پر نہیں چلنے دیا جاتا۔ کنووں سے پانی تک نہیں بھرنے دیا جاتا تھا۔ یہ اور اس قسم کے انیک اتیاچار بھارت میں ہوتے تھے۔ جنہیں دھرم کا نام دیا جاتا تھا۔ یہ پرانا ہندو دھرم تھا۔

بلیدان کے بیج

جب رشی دیانند کو پتھر کے شو کی پنڈی پر چوہے کے چڑھنے سے بودھ ہوا۔ تو انہوں نے بڑی دیر بھر من کر کے بھارت کی ساری پیدا ستھتی پر گمبھیرتا سے وچار کیا اور دڑھ نشچے کر لیا کہ بھارت کے ادھار کے لئے جیون دینا ہے۔ اس عرصہ میں رشی نے گھر چھوڑی۔ سمبندھی چھوڑے ساتھی چھوڑے اور پرماتما پراپتی کے سادھن سمادھی کے سنکھ کو بھی چھوڑ دیا۔ ستیارتھ پرکاش کے ادھار کو کلش بنا کر ایک گرنتھ لکھے۔ بھارت کے مشہور استھانوں پر گھوم کر ویدک دھرم کا پرچار کرتے ہوئے بڑے بڑے شاستراتھ کئے اور آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ پرنام یہ ہوا کہ بھارت پر چھائے ہوئے اودیا جال کی رسیاں کٹ گئیں۔ بڑی پربل دھارنا کا پھل پھولی ہوئی۔ کہیں ٹھاکر کی بد جنگیاں ندیوں کی بھینٹ چڑھا دی گئیں۔ اور پوہ تک گرنتھوں کو جل پرواہ کیا گیا۔ تو کہیں مندروں کو تالے جڑے گئے۔ پریوجن یہ کہ اس انیسویں صدی کے دھارمک طوفان نے کرانی۔ قرآنی۔ پرانی سب کو دہلا دیا۔ وید ورودھ سمپردائیوں کے مٹھوں کی بنیادیں ہل گئیں۔ جب کسی میں بھی اس ستیہ کے طوفان کو روکنے کی شکتی اور سمرتھیہ نہ رہی تو ایک سازش کے دوارا رشی دیانند کو وش دے کر اس کے پانچ بھوتک شریر کو نشٹ کر دیا گیا۔ ستیہ کی ویدی پر شردھا سے چڑھی ہوئی یہ رکت دھارا کروڑوں ہردیوں میں بھی کرانتی کے کنرادھیتن کر کے انہیں ستیہ کا اپاسک بنا دیتی ہے۔ شبد نتیہ ہے۔ اس سدھانت کے آدھار پر بلیدان کئے ہوئے مہاتماؤں کے ستیہ سدھانت جو بانی دوارا لوگوں کے کرن دوار کو پار کر کے ہردیوں تک پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ ان کے انکر پھوٹ پڑتے ہیں۔ اور لوگ اس مہاتما کے انویائی بن جاتے ہیں۔ اور ان کی پرشنسا کرتے ہیں۔ اس سدھانت کا ہمیں پرتیکش پرمان ملتا ہے۔ رشی دیانند کے بلیدان ہونے کے بعد سارا سنسار اس کا اپاسک ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اس لئے بے خوف ہو کر کہا جا سکتا ہے۔ کہ سنسار کا آگامی دھرم ویدک دھرم ہوگا۔ اگرچہ اب بھی بھارت میں متذکرہ بالا اتیاچار ہماری مورکھتا کے کارن پر چلت ہیں۔ تاہم سنتوش کا استھان ہے۔ کہ انہیں اب دھارمکتا کا روپ نہیں دیا جاتا۔

رشی بھکتی

رشی نے جو دیا لا بھکت کے۔ ان میں ستیہ کا بل تھا۔ اس لئے انہوں نے سناتن دھارمک وچار پرواہ کو الٹ دیا۔ سب مت وادیوں کو باؤدھت ہو کر اپنی دھارمک رنڈھیاں بدلنی پڑیں۔ اور تمام رنگ ڈھنگ سے ان کی نئی نئی دیاکھیائیں ہونے لگیں۔ جن سمپردائیوں نے ایسا کرنا اچت نہ سمجھا۔ ان کے انویائیوں نے انہیں تیاگ دیا۔ آج سارے مت وادی وہی کچھ کر رہے ہیں۔ جو دیانند کرانا چاہتا تھا۔ گو دیانند کا نام نہیں لیا جا رہا۔ مگر کام اسی کا کیا جا رہا ہے۔ کیول سمپردائک لوگوں نے ہی رشی بھکتی نہیں کی۔ بلکہ پولیٹیکل نیتاؤں نے بھی اسے اپنا گرو سویکار کیا۔ سردار پٹیل جو بڑی دیر تک لیجس لیٹو اسمبلی کے پردھان

رہ چکے ہیں۔ رشی دیانند کے سمبندھ میں کہتے ہیں۔

"بہت سے لوگ سوامی دیانند کو مذہبی ریفارمر کہتے ہیں۔ لیکن میری نگاہ میں وہ ایک آدرش راج نیتک نیتا تھا۔ وہی پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے کہا۔ کہ کسی دوسرے کی اچھی حکومت اپنی حکومت کے برابر نہیں ہوسکتی۔ ۔ ۔ ۔ سچ مچ ہم بدقسمت تھے۔ کہ جنہوں نے پچاس سال پہلے رشی دیانند کے پروگرام پر عمل نہیں کیا۔ اگر ہم اس کے پروگرام کو سمجھ کر عمل کرلیتے۔ تو آج بھارت ورش آزاد ہوتا۔ میں رشی دیانند کو اپنا پولیٹیکل گورو مانتا ہوں"

اس کے علاوہ ۱۹۲۵ء کی انڈین نیشنل کانگرس کی پردھان شریمتی سروجنی نائیڈو نے بھی سوبچار کیا ہے۔ کہ "رشی دیانند اس شیشے کی مانند تھے۔ جس میں لوگ مختلف قسم کے رنگ دیکھتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں آپ کے تمام صفتوں کا مجموعہ دیکھتی ہوں۔ اور ہر طرح سے مکتی جاتی کا اُدھار کرنے والا مانتی ہوں میں محسوس کرتی ہوں۔ کہ پرماتمانے بھارت ورش اور آریہ جاتی کا اُدھار کرنے کے لئے بھگوان دیانند کو بھیج دیا تھا"

رشی دیانند کے کاریہ کی بھی مکت کنٹھ سے پرشنسا کی گئی ہے۔ لارڈ اوڈوانٹے رائل سوسائٹی آف آئرلینڈ میں لیکچر دیتے ہوئے کہا۔ "آریہ سماج نے مورتی پوجا کو ترک کرنے سماجک اصلاح کرنے بال بواہ کو روکنے میں اچھا کام کیا ہے۔ آریہ سماج ہندو دھرم کو خرابیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اس نے پرانے ہندو ازم کی بنیادیں ہلادی ہیں"

سادھو دسوانی کہتے ہیں۔ کہ مہرشی دیانند بھارت کی بگڑی کو بنانے والے مہاپُرش تھے۔ رانا ڈے دادا بھائی نارو جی وغیرہ سب سے پہلے سوراجیہ کی مہما کو رشی دیانند نے سمجھا تھا۔ اور اس کے درشن میں پرچار پیش کئے تھے۔

اسی پرکار مولانا حسرت موہانی رشی کے سمبندھ میں فرماتے ہیں۔ کہ "بھارت ورش کی جاتیوں میں بہت متھیا وچار پھیلے ہوئے تھے۔ اس متھیا پن اور جھوٹے وچاروں کو مٹانے کے لئے ایک آتما کی ضرورت تھی۔ اور وہ سوامی دیانند کے روپ میں ہمارے سامنے آئی" اتیادی انیک پرمان ہیں۔ جن میں آریہ سماج کے پرورتک رشی دیانند اور آریہ سماج کی پرشنسا کی گئی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ویدک سدھانت دیا پکتا کا روپ دھارن کررہے ہیں۔

اب ہماری کیا اوستھا ہے؟

رشی دیانند نے تپیا کرکے جو بلی پراپت کیا اور اس سے جو چکر چلایا۔ اس سے سب کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ مجھے پورن آشا ہے۔ کہ ایک بار سنسار پھر سے ویدک دھرم کی شرن میں آئیگا۔ اپنی مرتیو کے پشچات رشی دیانند نے سنسار میں ویدک دھرم کا پرچار کرنے کے لئے اُترداتیو کا بھار جس آریہ سماج پر ڈالا تھا۔ اب اس کی کیا اوستھا ہے؟ اس پر وچار کرنا چاہیئے۔ سارا سنسار ستیہ گیان کے بڑھنے سے خود ہی ویدک دھرم کی شرن میں آجائیگا۔ تو اس سے آریہ سماج یش کا بھاگی نہیں بن سکتا۔ اس کا یش تو تب ہو۔ جب یہ سوئم کریا شیلتا سے سنسار کو ویدک دھرمی بنائے۔ لیکن ورتمان کال میں آریہ سماج کی جو اوستھا ہے۔ وہ درآشا جنک ہے آریہ سماج میں اب وہ کریا شیلتا نہیں رہی۔ جو ایک شکتی سمپن سنستھا میں ہونی چاہیئے۔ ودشوں کو دیکھتے ہوئے بھی مون دھارن کرنے کی پرورتی اب آریہ سماج میں بڑھ رہی ہے۔ ایک سے زیادہ دفعہ شادی کرنا۔ برجیہ (انگریزی ڈھنگ کا جوا) کھیلنا۔ رشوت لینا۔ سندھیا ہون تک نہ کرنا۔ سوادھیائے کا نام تک نہ جاننا آریہ سماج کے وچاروں کے خلاف پستک لکھنے والے اور پرچار کرنے والے ویکتیوں سے جواب طلبی تک نہ کرنا وغیرہ چیزوں کو دوشوں کی فہرست سے علیحدہ کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اُنت کاریوں کے کرنے والے لوگ سماجوں اور سبھاؤں کے پردھان پدوں پر براجمان ہیں۔ ایک اور ویدک ورن ویوستھا کو نشٹ کرنے کے لیے ذات پات توڑک منڈل کھڑا ہوگیا ہے۔ تو دوسری اور جنہیں شدھ کیا گیا ہے۔ اُن کی دیکھ بھال نہ ہونے سے اُن کے پتت ہوجانے کا ڈر ہے۔ آریہ سماجی لوگ مجبور وواہ کرنے لگ گئے ہیں۔ آریہ سماج کے نام سے انگریزی بھاشا کے ودیالے کھولے جارہے ہیں۔ جن کے اندر بجیو پریت چوٹی اور سدا چار آدی کرپردیش کرنے کا بہت کم اوسر ملتا ہے۔ ایسے ودیالیوں کے چھاتراداس میں ودیارتھی کئی قسم کے پاپ کرم کرتے ہیں۔ کنیا اور ودھواؤں کے بیچنے کا بیوپار بھی آریہ سماج کے نام سے کیا جانے لگا ہے۔ وغیرہ کہاں تک گنائیں۔ آریہ سماج میں بہت سی ترٹیاں پیدا ہوکر اسے رساتل میں لے جانے کا کارن بن رہی ہیں۔ اس اوستھا کو دیکھ کر آریہ سماج کے بھگتوں کی آہیں نکل جاتی ہیں۔ اور انہیں آریہ سماج میں انقلاب لانے کے بنا اور کچھ نہیں سوجھتا۔

ہمارا فرض

(از پروفیسر سدھاکر جی ایم اے شاہ پور راجپیہ)

"پرکاش" کے سمپادک مہودیہ نے متواتر کئی ہفتوں سے "پرکاش" کے کالموں میں آریہ سماجوں کا دھیان آئندہ مردم شماری کی طرف کھینچا ہے۔ میرے خیال میں یہ اُن کی پرلے درجے کی دور اندیشی کا اظہار ہے۔ بھارت ورش میں پچھلے پچاس برسوں سے آریہ سماج اپنے دھرم کا پرچار کر رہا ہے۔ آریہ سماج کو اپنے مقصد میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے؟ اس کا اندازہ آئندہ مردم شماری سے ہی لگایا جا سکتا ہے لیکن صحیح اندازہ تبھی لگایا جا سکیگا۔ جبکہ بھارت ورش کے سب آریہ سماجی اپنے آپ کو آریہ لکھوائیں۔ اس لئے یہ نہایت ضروری بات ہے کہ تمام پرتی ندھی سبھائیں اگلے چار ماہ میں اپنی تمام توجہ اسی طرف لگا دیں اور تمام بھارت ورش کی آریہ سماجوں میں یہ تحریک زور شور سے چلا دیں۔ کہ ہر ایک آریہ سماجی اپنے آپ کو مردم شماری کے کاغذات میں آریہ لکھائے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ایسا کرنے پر رضا مند کرے۔

پرتی ندھی سبھاؤں کے لئے یہ کاریہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اُن کے سرکار برابر نکلتے رہنے چاہئیں۔ اُن کے ہاتھ میں بے شمار آریہ سماجیں ہیں۔ اگر آریہ سماجوں میں ان کی ہدایات وقت پر پہنچتی رہیں۔ اور ان کے اُپدیشک مہاشے مردم شماری کے وقت تک برابر اسی بات کا پرچار کرتے رہیں کہ ہمارے لئے اپنے آپ کو "آریہ" لکھوانا نہایت ضروری ہے۔ تو ہم لوگوں کی سنوورتی کو بدل سکتے ہیں۔ اور مردم شماری کے بعد بھارت ورش کی جن سنکھیا میں آریہ سماج کو بھی فوقیت حاصل ہو سکتی ہے۔

ہم لوگوں کو یہ اصول کبھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جماعت میں کرامات ہے۔ "تعداد" میں ایک بڑی شکتی رہتی ہے۔ آریہ سماج کو اس بات کا فخر حاصل ہے۔ کہ اس نے بھارت ورش کی مذہبی کایا پلٹ کر دی ہے لیکن اس بات کا عملی ثبوت دنیا کے سامنے ہم

آریہ سماج سے ہی بھارت کا کلیان ہوگا

(از دیش بھگت کنور چاند کرن جی ساردا - ایڈووکیٹ - اجمیر)

وہ لوگ غلطی پر ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ کہ آریہ سماج فرقہ پرست ہے۔ سچائی یہ ہے۔ کہ آریہ سماج سارے سنسار کا اُپکار کرنے والی سنستھا ہے۔ آریہ سماج نے ہی سب سے پہلے استری جاتی کے سمان ادھکاروں پر زور دیا۔ اور یہ اسی کی شکشا کا پرینام ہے۔ کہ آج بھارت میں استریاں دویا سے سنیوکت ہو کر پرشوں کے پہلو بہ پہلو کٹھن سے کٹھن تکالیف برداشت کر کے دیش کے راج نیتک سماجک اور دھارمک سدھار کاریوں میں لگی ہوئی ہیں۔ آریہ سماج نے ہی بتایا کہ سب منش ایک پرماتما کے پتر ہونے کے ناطے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ منشوں اور منشوں میں جنم کی بنا پر کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے۔ آریہ سماج نے اس غلط خیال کو دور کر دیا کہ پرماتما کا گیان وید کسی وشیش منش سموہ کے لئے ہے۔ اور سکھلایا کہ وید کے گیان کا منش ماتر کو ویسا ہی ادھکار ہے۔ جیسا پرماتما کے دئیے سورج چاند کی روشنی سے فائدہ اُٹھانے کا۔ غرضیکہ آریہ سماج کے سدھانت وِشو ویاپی ہیں۔ اور آریہ سماج فرقہ پرستی سے بالاتر سنسار بھر کی ہت چنتک سنستھا ہے۔ اسی آریہ سماج کے پرورتک رشی دیانند کا آج نروان دن ہے۔ آریہ پرشو! آؤ! آج نروان دوس پر خوشی منائیں رشی کا مشن پورا ہو رہا ہے۔ مردم شماری میں لاکھوں منش شدھ ہو کر اپنے آپ کو مسلمان عیسائی کے ستھان میں آریہ لکھانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں۔ اب جات پات کے بندھن ڈھیلے ہو کر سب ایک آریہ جاتی کے سوتر میں بندھ رہے ہیں۔ بھارت میں نیا یُگ اُپستھت ہو گیا ہے۔ اور اگر کامیابی میں تھوڑی بہت کسر ہے تو اس کا کارن آریہ سماج کے پرچار کا ابھاو ہے۔ اس لئے دھرم کے پریمیوں کا پرم کرتویہ ہے۔ کہ وہ آج کے دن برت لیں۔ کہ ہر ستھان ستھان پر آریہ سماجیں بنائیں گے۔ جس سے دیش اور جاتی کا کلیان ہو۔ کیونکہ بھارت کا کلیان آریہ سماج سے ہی ہوگا۔

بولو! رشی دیانند کی جے!

دیوالی اور شری سوامی دیانند سرسوتی

(از لالہ بیلی رام جی آنند)

دید ودّیا ہوئی الوپ ساری ہندوستان ظلم اندھیری یاسی
وام مارگی ناستک درن شنکر انہاں وچ بھارت ڈبو دلایاسی
مسلمان عیسائیاں نے زور پایا بھارت ورش بھرشٹ کرایاسی
اتیا چار اختیلا معمار کیتا دھرم کرم نوں چھد چھدایاسی
بن کے شیر دلیر اندھیر کٹے دید روپ چراغ جلایاسی
رشی بھُوی دی دردشا دیکھ کے تے رشی آن کے نادبجایاسی
کیتی روشنی دید سنسار ایسی جھنڈا دید پرچار دالایاسی
برہمچریہ دے تیج دے نال سوامی ویرا جیاں رعب جمایاسی
بال بیاہ وا اناتھ سی دُکھی ہوئے گشٹ نشٹ کر درس دکھایاسی
دیانند نے دیا نا روپ ہو کے بیڑا ڈبدا پار لنگھایاسی
جودھ پور نریش دربار اندر ہو بے دھڑک تے کڑک سنایاسی
راجن کنجریاں نال نہ شیر پھردے نہی جال نوں رخم لگایاسی
مل کے نال رسوئیے دے ظلم کیتا گنج دودھ دے وچ پلایاسی
جلدی ہوئے بیمار لاچار سوامی ابو سد کے پاس ہویاسی
کیتا کیوں وشواس ذاتکھات کوئے نال پریم دے پچھ پچھایاسی
رن کے جرم دا اوس اقبال کیتا سیس تدم تے آن ٹکایاسی
سوامی آکھیا جلد فرار ہو جا خرچ ہتھ دیو جیہ پھڑایاسی۔
آئے سوامی جی کرن آزاد بھارت ایس واسطے دشٹ چھڑایاسی
ہوئے دُکھے سینتالی نے اج پورے سوامی تیر جدائی دالایاسی
سنگل وار دیوالی دے روز سوامی سدھا دیہ بیکنٹھ سمہایاسی
پر بھو آپ دی لاچھیا ہو پوسن اوم اوم دا جاپ کرایاسی!
دیہ منتراں دا کر کے جاپ سوامی سواس چھوڑ سورگ سدھایاسی

گلستان صداقت کی بہار

(از گُل فشانیٔ قلم منشی رام سہائی تمنّا کوی بھوشن ایڈیٹر دربار لکھنؤ)

گلستانِ صداقت میں بہار جاودانی ہے
جو بانیٔ زمین و چرخ سچائی کا بانی ہے
ہوئے کذب بھاٹ ورش میں دور خزاں لائی
جسے کہتے ہیں مہا بھارت جنگ مشہورِ عالم ہے
تعصب کی چلی کچھ ایسی آندھی چھائی تاریکی
فقط بہر حصول مدعا ہیں دعوت اور جلسے
ہوئے پیدا جو چشمے جابجا اغراضِ ذاتی کے
جو سچائی ہوئی رخصت خوشامد سب کو خوش آئی
ہوئے مصنوعی سادھو جابجا ایسے زمانے میں
جو سب کے واسطے ہستی کا رستہ سیدھا
جہاں علمِ صداقت کا گڑا ہے خوشنما جھنڈا
تمنّا دور پیری نے کیا ہے بےخبر ایسا

یہ وہ ہے ملک تاثیر جس کی دائم حکمرانی ہے
ہمیشہ راستبازوں پر اسی کی مہربانی ہے
جو تھا اتہاس سچا اب وہی جھوٹی کہانی ہے
یہ کلجگ جب سے آیا تب سے جورِ آسمانی ہے
نہاں پردے کے اندر ہی عروس کامرانی ہے
نہ سچی میزبانی ہے نہ سچی مہمانی ہے
پتہ کیا کونسا گھاٹ ہے میٹھا کس کا پانی ہے
اسی کو لوگ سمجھے ہیں لطف زندگانی ہے
کہ بہر خلق نام کذب جنکی خوش بیانی ہے
تو پھر کیوں جستجوئے حق میں ہر سو خاک چھانی ہے
وہاں مفقود رسم بدعت و ایذا رسانی ہے
کہ دل بھولا ہوا سب لطف طفلی و جوانی ہے

بقیہ مضمون صہ ۲۱

انقلاب کی ضرورت

میں بڑی دیر تک آریہ سماج کی آخر تک اوستھاؤں کو دیکھتا ہوا دکش ہوا ہوں۔ کہ اپنے چار رشی منتر کے دوارا جنتا کے سامنے رکھوں میں چاہتا ہوں۔ کہ آریہ سماج اپنے واستوک روپ کو دھارن کرے اُسے اپنے روپ میں لانے کے لئے محنت اور سماتا کی آوشیکتا ہے دھرم جاتی اور دیش کے ہتیشی رشی دیانند کے بھگتو! آؤ اور آگے بڑھو۔ آریہ سماج کو اُن خرابیوں سے بچاؤ جن سے رشی دیانند سنسار کو بچانا چاہتا تھا۔ آریہ سماج اندھا کے گڑھے میں جا رہا ہے۔ کٹی بدھ ہو کر سنسار کے ادھار کی ویدک پدھتی جو رشی نے اپنے گرنتھوں میں لکھی ہے۔ اُس پر چلنے چلانے کا یتن کرو۔ پچاس سال سے زیادہ عمر کے آریہ سماجیوں کو باعث کرو۔ کہ وہ ویدک دھرم کا پرچار کرنے کے لئے گھروں سے نکلیں۔ جہاں ان سے آشرم مریادا ٹھیک ہوگی۔ وہاں آریہ سماج میں نیا جیون آکر سنسار میں ویدک دھرم پرچار ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو بیماریوں کے جو کیڑے آریہ سماج میں گھس چکے ہیں۔ وہ بے درش پاکر آریہ سماج کو تباہ کر دیں گے۔ رشی دیانند انقلاب پسند تھے۔ انہوں نے دھارمک انقلاب لا کر کچھ سے کچھ کر دیا۔ اب آریہ پرشوں کی سُستی کے باعث آریہ سماج کے گرد میں جو تیں ہو رہی ہے۔ اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے آریہ سماج میں نئیا اور جاگرتی پیدا کرنے کے لئے کرانتی کی ضرورت ہے۔ جسے اُتپن کر کے آریہ سماج کو ٹھیک کرنا ہر ایک آریہ کا پرم دھرم ہے ؛

سب تک کہ ہمارا سنگٹھن اچھی طرح مضبوط نہیں ہوتا۔ جب تک ہماری پرتی ندھی سبھا کو آریہ لوگ سہرگ اور دلچسپی سے خاطر خواہ مضبوط نہیں کرتے۔ اور ہماری سارودیشک سبھا جو آریہ جگت کی پرتی ندھی سبھا متصور ہونی چاہئے۔ کافی طور پر مضبوط نہیں ہو جاتی۔ بکاش کہ ہم آریہ سماجی کے دلیل میں پرچار یا ایسی شبہہ پر برا کریں۔ کہ ہم لوگ اوپر لکھے طریقہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جائیں ؛

بقیہ مضمون صفحہ ۱۴

کے مانند دھرم کو اختیار کرنا چاہئے تھا۔ آریہ سماج کے نکتہ نگاہ میں یہ تبدیلی محض اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ کہ کچھ عرصہ سے اُس نے اپنے رجسٹروں میں کسی شخص کے آریہ سماجی لکھا لینے کو باعث ترقی سماج سمجھا ہے۔ اور یہ خیال مدنظر نہیں رکھا ہے۔ کہ مردم شماری کے بڑھانے کی سپرٹ اُسی درجہ تک قابل تسلی مقصود ہو سکتی تھی۔ جہاں تک کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ اشخاص کو اپنی طرف آکرشت اور متوجہ کر کے اور اُن کے جیونوں کو ویدک دھرم کے آچار وچار میں ڈھال کر نمایاں کر سکی ہوتی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بلکہ کڑوی سچائی یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ موجودہ ہندو دھرم سے اپنے آپ کو وابستہ کر دینے کا خیال تھوڑے ہی عرصہ میں اسی طرح اُس کی ہستی مٹا دینے کا باعث بنے گا۔ جس طرح کہ دیگر بہت سی اصلاحی تحریکیں اس ملک میں نمودار ہوئیں اور ہندو دھرم میں غائب ہو گئیں۔ اور ہندو دھرم کا ڈھانچہ جیسے کا تیسا بنا رہا ؛

میری ناقص رائے میں ہم شری سوامی جی کے بتلائے مارگ سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ اگر ہم ویدک دھرم کو عالمگیر دھرم بنانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آریہ سماج کے جنم داتا رشی دیانند کو مدنظر تھا۔ تو ہم کو اپنے پرچار کے سادھنوں پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔ یہ کہ تعلیم یافتہ اصحاب اور ان میں کرا و سیکھے ذریعہ سے انگریزی کا پڑھے لکھے اشخاص کے واسطے انگریزی لٹریچر کا کافی وافی انتظام کرنا پڑے گا۔ یہ لٹریچر صرف اپنے ہی ملک میں اشاعت ویدک دھرم کے کام نہ آئے گا۔ بلکہ دیگر بہت سے غیر ملکوں میں بھی اس کے ذریعہ ہم اپنی آواز کو پہنچا سکیں گے۔ ہندی لٹریچر کی اشاعت اور نیز ہندی زبان کو ملکی زبان بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ہم کو اُردو زبان میں بھی تسلی بخش اشاعت کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اور اس کے علاوہ ہم کو اپنے طریقہ پرچار اور طریقہ عمل میں بھی ایسی تبدیلی کرنی ہوگی۔ جس سے اہل اسلام و اہل عیسائیت ویدک دھرم کی تحریک کو عالمگیر تحریک خیال کر سکیں۔ اور ویدک دھرم کی سچائیوں کو زیادہ تعمیق نظر سے دیکھ کر اُن کے دلوں میں وہ سچائیاں زیادہ سے زیادہ جاگزین ہو سکیں ؛

ہاں یہ ضرور ہے کہ مذکورہ بالا نقائص اُس وقت تک دُور نہیں ہو سکتے۔ اور یہ مذکورہ بالا ضرورت اُس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی۔

سوامی دیانند کا مختصر کام

(از شری بیت انوپ چند جی آفتاب پانی پتی)

جب گردش دوراں سے بدحال ہمارا تھا ڈوبا ہوا بھارت کی قسمت کا ستارا تھا
لوگوں کی نگاہوں میں دل دوز نظارا تھا گرداب میں کشتی تھی اور دور کنارا تھا
تب آپ نے دنیا کو اُپدیش دیا سوامی
ویدوں کا زمانے میں پرکاش کیا سوامی

سنسار کا ٹیکا ہم ریوں کو لگاتے تھے بھوت اور چڑیلوں کے افسانے سناتے تھے
بھارت کے سپوتوں کو کمزور بناتے تھے خود قوم کی گردن پہ تلوار چلاتے تھے!
اغیار کی قبروں پر سر اپنے پٹکتے تھے
رشیوں کے پسر لاکھوں دنیا میں بھٹکتے تھے

اک شغل تھا غیروں کا یاں تخم ستم بونا اور کھیل تھا ویروں کے بچوں کا بہت ہونا
معمول تھا لوگوں کا جاتی کے لیے کھونا۔ اور آریہ ویروں کا غفلت میں پڑے سونا
نفرت سے اچھوتوں کو ہم آنکھ دکھاتے تھے
مظلوم غریبوں کو نظروں سے گراتے تھے

فریاد سے بیوہ کی ماتم کدہ گھر گھر تھا نالوں سے یتیموں کے اک حشر کا منظر تھا
کھینچے ہوئے بیکس پر تلوار ستمگر تھا اک شورِ الم برپا بھارت میں سراسر تھا
کمزور کا جینا بھی دشوار ہوا تھا جب
مظلوموں کو دنیا نے برباد کیا تھا جب

اک روز کے طفلک کی ہوتی تھی یہاں شادی کرنے پہ تلے تھے ہم یوں قوم کی بربادی
لٹتی تھی جوانی اور انصاف تھا فریادی تھا اپنے مقدر کو رونے کا جہاں عادی
بیوائیں کروڑوں پھر ہوتی نہ یہاں کیونکر
اور تخم الم گھر گھر بوتی نہ یہاں کیوں کر

پرلوک کی حسرت میں کاشی لیں جو آتے تھے مکتی کے لیے خود کو آرے پہ چڑھاتے تھے
سانپوں کی پرستش میں سرمایہ لٹاتے تھے ان پوچ خیالوں میں ہم عمر گنواتے تھے
اس قسم کا منظر جو سوامی کو نظر آیا
بس چوٹ لگی دل پر جی رنج سے بھر آیا

سوچا یہ زمانے سے سنتاپ مٹا دیجے منجدھار میں بیڑا ہے ساحل پہ لگا دیجے
ویدوں کا ہر اک گھر میں ناد بجا دیجے بگڑی ہوئی بھارت کی تقدیر بنا دیجے
سنسار بھر میں شدھی کا پرچار کرا دیجے
بچھڑے ہوئے بھائی کو بھائی سے ملا دیجے

ست دھرم کی گنگا ہو بھارت میں رواں گھر گھر اک اوم کا نغمہ ہو دنیا کی زبانوں پر
نالوں سے یتیموں کے ہو جائے جہاں مضطر ہمدرد ہوں بیوہ کے یاں فرد و بشر اکثر
کھل جائیں گورو کل بھی گنگا کے کناروں پر
ہو فخر زمانے کو بھارت کے ستاروں پر

رہتے ہوں تپسوی بھی پربت کی گپھاؤں میں اک گونج ہو ویدوں کی صحرا کی ہواؤں میں
دنیا کو پلٹنے کی شکتی ہو گداؤں میں ہو رنگ نیا پیدا بھارت کی فضاؤں میں
تر تیاگ کے منظر سب جگ میں نظر آئیں
بھگتی کے ہر اک دل میں جذبات ابھر جائیں

یہ سوچ کے سوامی جی میداں میں نکل آئے ویدوں کے علم سارے سنسار میں لہرائے
مظلوم ستمگر کے پنجوں سے نکل دائے سن فتح ہوا ظالم کا اغیار بھی گھبرائے
کیا داد کوئی دے گا اس ہمت عالی کی
صد مرحبا! سوامی جی صد مرحبا! سوامی جی

(بقیہ صفحہ ۲۶) اس پاپ کرم کو تیاگ کر پتر دیدگی دھرم اور پراچین آریہ سبھیتا کو پنر جیوت کرنے والے رشی دیانند کے اس مہان درس کو رشی جیونی کی چرچا کی جائی اور وہاں تک جیون بسر کرنے کا برت لینا چاہیے۔

دیوالی اور جوا

(از پنڈت وشوناتھ جی آریہ اپدیشک ایڈیٹر آریہ)

دیوالی کی آمد آمد میں ہی ہندو بھائی جوا کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور دیوالی کے دن تو جوا کھیلنا ہر ایک پورانک ہندو اپنا دھرم سمجھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ لوگ تباہ ہو رہے ہیں ؛

بھارت ورش میں کبھی وام مارگ پیدا ہوا تھا جس کا کام وید کے ورودھ وید کے نام سے ہی مانس شراب آدی گھرنت کاموں کا پرچار کرنا تھا۔ یہ لوگ وید شاستر کے غلط ارتھ کر کے شاستروں میں اپنے بنائے شلوک شامل کر کے اور رشیوں کے نام سے جعلی گرنتھ بنا کر اپنا مطلب حاصل کرتے رہے۔ جوئے کے لئے بھی یہی ہتھیار استعمال کیا گیا چنانچہ پدم پوران اتر کھنڈ ادھیائے ۱۲۲ میں لکھا ہے :-

"شنکر اور بھوانی کھیل سے جوئے میں لگے بھوانی نے لگائے کے روپ میں لکشمی کی پوجا کی گوری (بھوانی) نے شمبھو کو جوئے میں جیت کر ننگی چھوڑ دیا اس لئے شنکر ہمیشہ دکھی رہتے ہیں۔ اور گوری ہمیشہ سکھی۔ جس کو پہلے دیوالی کے دن جیت ہو۔ وہ برس دن سکھی رہتا ہے اگر دیوالی کے دن ہار ہو تو اگلے دن پرتی پدا (یکم تتھی) کو پراتہ کال طلوع آفتاب کے ساتھ گوردھن کی پوجا کرے۔ اور رات کو جوا کھیلے"

پس پورانوں کی ایسی تعلیم سے ہی دیوالی کو جوا کھیلنے کا رواج دیا۔ اب تو لوگوں نے پورانوں سے بھی بڑھکر یہ بات گھڑ لی ہے۔ کہ اس دن جو شخص جوا نہیں کھیلتا۔ وہ اگلے جنم گدھا بنتا ہے ؛

لیکن یہ نہیں سوچتے کہ جوا نہ کھیلنے والا تو تمہاری باطل پرستی کے مطابق اگلے جنم میں گدھا بنتا ہے۔ لیکن تم تو اس جنم میں ہی گدھے (مورکھ) بن کر اپنے باپ دادوں کی کمائی جوئے میں برباد کرتے ہو۔ پرانوں کی یہ تعلیم سراسر وید کے خلاف ہے۔ وید بھگوان اس پاپ کرم سے ہر حالت میں منع فرماتے ہیں۔ دیکھو رگ وید ۱۰-۳۴-۱ ؛

"جوا ریا جس کا جسم جوش سے گرم ہو چکا ہے یعنی جو انجام کو نہیں سوچتا سمجھا یا گرمو کر لیا کی طرح جوئے کی بات پوچھنے لگ جاتا ہے خیال یہ ہے۔ کہ میں جوئے سے بہت کچھ جیتوں گا۔ یا نئے اس کی خواہش کر بڑھتے ہیں۔ لیکن آخر یہ سب کچھ ہار دیتا ہے"

پھر لکھا ہے :-

"جواریے کی عورت جس کے پاس اس نے کچھ نہیں چھوڑا۔ دکھ اور کلیش سے تپتی ہے ماتا بھی اس بے ٹھکانا جواری بیٹے کو سامنے نہ دیکھکر رنج و غم میں مبتلا رہتی ہے جواریا قرضہ کے بوجھ سے دب جاتا ہے۔ مایوسی کی حالت میں جنگل کو چلا جاتا ہے۔ جب وہاں بھی خیالات پریشان کرتے ہیں۔ اور اپنی بہتری کے سامان نہ پاکر چوری کرنے لگتا ہے"

اس طرح نہایت حسرت ناک انجام جوئے کا وید نے بتایا اور اپدیش کیا :-

"اے منش زراعت کر۔ جوا مت کھیل دھرم کی کمائی سے جو دھن پراپت ہو اسی کو بہت مان کر اس کے مطابق اپنی ضروریات کو محدود کر کے سنتوش روپی امرت کا پان کر کے ہر حالت میں ہنسی خوشی میں اپنی زندگی بسر کر"

جوئے کے متعلق وید بھگوان نے ایسا کھول کر بیان کیا ہے۔ اس سوکت کے دوسرے منتروں میں بھی جوئے کے بدنتائج کا بہت اچھا ورنن ہے۔ افسوس ! ہے کہ ہندو قوم ویدوں کی پوتر شکشا کو چھوڑ کر ایک سچے رہبر سے منہ موڑ بہت سی غلطیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ جس کا نتیجہ آج دکھ روپ میں بھوگ رہی ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ ہندو جاتی جب تک پورانوں کو چھوڑ کر وید کی شرن نہ لے گی۔ اس کا کسیطرح بھی کلیان نہیں ہوگا جوئے کے خلاف وید کا اپدیش بیان کر دیا گیا ہے۔ کرشن مہاراج بھی اس جوئے کے خلاف تھے۔ چنانچہ جب کرشن مہاراج بن میں یدھشٹر سے ملے۔ تو کہا :-

اے راجہ یدھشٹر ! جب تو جوا کھیلا تھا۔ اگر میں اس وقت دوارکا میں ہوتا (شری کرشن اس وقت راجہ سالو سے یدھ کر رہے تھے) تو گو دعوت نہ بھی دیتے تو بھی ہستناپور تیرے پاس پہنچ جاتا۔ اور جوئے کے بدنتائج کو تمہارے سامنے رکھکر تمہیں اس کے کھیلنے سے باز رکھتا !

(مہا بھارت بن پرب ادھیائے ۱۳)

اب جبکہ ثابت ہو گیا۔ کہ جوا کھیلنا سرودھا وید شاستر کے ورُدھ اور دیوالی کو جوا کھیلنا پورانوں کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہے تو

(بقیہ دیکھو صفحہ ۲۵ کالم اول پر نیچے)

مہرشی کے جیون کی ایک بے مثال گھٹنا

شعاعِ امید — ٹھیک راستہ

(از شری جگت روشن لعل گپتا بی اے جرنلسٹ پٹیالوی)

موسم کسی مدبر کی طرح اعتدال پر ہے! دریا کا پانی یوگی کے من کی طرح شانت ہے ؛

مہرشی دیانند دریا کے کنارے سمادھی لگائے بیٹھے ہیں۔ آنکھیں بند ہیں۔ بھارت ورش کی حالت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے کبھی وہ ہوائیں سفید کپڑے پہنے نظر آتی ہیں۔ بال بکھرے ہوئے مغموم غمگین صورت، رنگ اُڑا ہوا، آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے آہ! اِن میں بیشمار تعداد ایسی ودھواؤں کی بھی ہے۔ جنکی عمر تین یا چار سال ہے۔ جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ شادی کس کو کہتے ہیں۔ جوانی سے پہلے ہی اُن کے ارمانوں کا خون ہو چکا ہے۔ وہ یاس و حسرت کی زندہ تصویریں ہیں۔ ایک طرف کو اچھوت کھڑے نظر آتے ہیں۔ گردش کے مارے ہوئے نام نہاد نیچ جاتیوں کے اتیا چار ستائے انسان کی بیرحمی و خود غرضی کی زندہ مثالیں! ابھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوئے تھے کہ ماتا پیٹ پر پتھر باندھے نکھائی دیتے ہیں۔ شدت بھوک سے بلکتے، بدن استخوان کی مٹھی، ہاہاکار کرتے ہوئے، دوسری طرف گئو ماتا۔ اور ماتری بھاشا پکار پکار کر مدد کی التجا کر رہی ہیں گئو ماتا کے گلے پر چھری چل رہی ہے۔ وہ بے زبان ہے اور معصوم دوسری طرف ماتری بھاشا کو لوگ چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اچھوتوں اور ناتھوں کے ارد گرد دوسرے مذاہب کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ جو اُن کو جذب کرنے کی فکر میں ہیں۔ رشی کا دل دہل جاتا ہے۔ بھارت ورش کی حالت کا خیال آتے ہی وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں۔ لوگ توہمات باطلہ کی زنجیروں میں بُری طرح سے جکڑے ہوئے ہیں۔ کون سا طریقہ اختیار کروں۔ جس سے ویدک گیان کا سورج اُدے ہو کر اندھکار کو مٹا دے ؛

⁂

ایک مکان میں ایک نوجوان عورت . . . . پلنگ کے سرہانے بیٹھی ہے . . . . ایک بچہ بستر پر پڑا کراہ رہا ہے۔ وہ کروٹ بدل کر آرام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر تکلیف زیادہ ہونے کی وجہ سے پھر . . . ہائے . . . کرنے لگتا ہے۔ عورت پانی کی دو بوندیں اُس کے منہ میں ٹپکا دیتی ہے . . . . . وہ آہستہ سے آنکھیں کھولتا ہے . . . . . ماں . . . . ماں . . . . کہتا ہے . . . . زبان خشک ہو جاتی ہے اور چپ ہو جاتا ہے۔ اُس میں اس سے زیادہ بولنے کی طاقت نہ تھی!!

عورت کے کانوں میں بچہ کی زبان سے نکلے ہوئے شبد گونجتے ہیں۔ جو اُس کے دل کی تاروں کو ہلا دیتے ہیں۔ وہ بڑبڑانے لگتی ہے "آہ! میں بدقسمت ہوں . . . . واقعی ابھاگنی۔ قسمت کی ہیٹی۔ آج میرا لختِ جگر۔ نورِ نظر بیمار ہے . . . . مصیبت کے جنگل میں ہے۔ مگر میں ہوں۔ کہ اُس کی دوائی نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر کو کس طرح بلاؤں۔ نہیں کون دے گا؟ ہائے! اب دوائی کے لئے بھی تو پیسے چاہئیں۔ پڑوسی کے آگے کس طرح ہاتھ پھیلاؤں۔ کیا وہ نہیں جانتے؟ آہ! مصیبت میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ آج تین دن سے میرے لاڈلے بیٹے کے پیٹ میں اناج کا ایک دانہ نہیں گیا۔ تبھی تو وہ۔ تنا کمزور ہو گیا ہے۔ پہلے تو میرے سے باتیں کرتا تھا۔ ہنستا تھا۔ کھیلتا تھا۔ میرے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل جاتی تھی۔ میں اپنے بھاگیہ کو دھنیہ مانتی تھی۔ اب تو آنکھیں بھی نہیں کھولتا۔ بیہوش سا پڑا رہتا ہے۔ گویا آنکھیں کھول کر وہ مجھ پاپن کا منہ دیکھنا نہیں چاہتا بیٹا! میں کیا کروں؟ مجبور ہوں۔ ماں اپنے پُتر کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ پران نچھاور کر سکتی ہے۔ زہر پی سکتی ہے۔ ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے۔ ہر قسم کی سخت سے سخت مصیبت جھیل سکتی ہے۔ مگر میرے سامنے تو سوال روپے کا ہے۔ کمال ہے لاڈلے بیٹا! معاف کرنا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ قسمت میں یہی لکھا تھا۔ کہ میری امیدوں کی دنیا میری آنکھوں کے سامنے ہی لٹ جائے۔ اور میں کچھ نہ کر سکوں (غصہ سے آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں) مگر پھر غور کرتی ہے اور اپنے آپ کو مجبور پا کر چپ ہو جاتی ہے ؛

بچہ نے کروٹ بدلی۔ ایک لمبا سانس لیا . . . . . اور دم توڑ دیا . . . عورت نے بدن کو ہاتھ لگایا۔ یہ ٹھنڈا ہو چکا

...روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی ؛

٭

عورت پر مصیبت و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا - بال نوچنے اور چھاتی پیٹنے لگی - اشکباری کی جھڑی بندھ گئی - آہ! اب اس کی کوئی مدد کرنے والا (نہ تھا) اور نہ ہی اس کی ڈھارس بندھانے والا - - وہ بے یار و مددگار تھی - گھنٹوں جی بھر کر روتی - آخر تھک کر چپ ہو رہی - ابھی اس کی مصیبتوں کا خاتمہ نہ ہوا تھا - .... اب کیا کروں؟ اس کو شمشان بھومی میں کیونکر لے جاؤں - خرچ کون برداشت کرے گا؟ - تو کیا اس کی لاش یہاں ہی پڑی رہے گی؟ ... (کچھ سوچ کر) ... بس سمجھ گئی .... یہی سب سے بہترین طریقہ ہے .... "جمنا میں بہا دیتی ہوں" اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں .... ہاں! کم از کم ایک کپڑا تو چاہئے جس میں لپیٹ کر اس کو وہاں تک لے جاؤں - میرے پاس تو سوائے تن کی دھوتی کے اور کوئی کپڑا موجود نہیں - آخر اس غریب عورت نے اسی دھوتی کے دو ٹکڑے کئے - ایک سے اپنا بدن ڈھانپ لیتی ہے اور دوسرے میں اپنے لختِ جگر کے مردہ جسم کو لپیٹ لیتی ہے - مردہ لاش کو چھاتی سے لگائے ہوئے آہستہ آہستہ دریا کے کنارے پہنچتی ہے - کپڑا اتارتی ہے آخری بار اس کے منہ کو چومتی ہے - اور سہمتے ہوئے ہاتھوں سے لاش کو دریا کے سپرد کر دیتی ہے - چاروں طرف بیابان جنگل ہے - وہ اس وقت تک وہاں بیٹھی رہتی ہے - جب تک اس کے بچہ کا مردہ جسم آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو جاتا - وہ اٹھنے کی کوشش کرتی ہے - مگر اٹھ نہیں سکتی - اولاد کی محبت بھی عجیب چیز ہے ؛

آخر بہت دیر کی کشمکش کے بعد وہ دھوتی کے ٹکڑے کو ساتھ لے کر گھر کو واپس روانہ ہوتی ہے ؛

مہرشی دیانند دور سے اس دردِ شیوہ کو تڑپا دینے والے سنسار کو رُلا دینے والے سین کو دیکھتے ہیں - آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا موجزن ہو جاتا ہے - سوچتے ہیں - یہ بھی بھارت ہے - جو دوسرے ممالک کی نظروں میں دولت و جواہرات کا گھر تھا - جس کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا - جس کو فتح کرنے اور لوٹنے کے لئے بے شمار حملہ آور آئے اور لاکھوں کروڑوں کا مال لے کر اپنے اپنے ملک کو واپس لوٹے - آہ! آج وہی بھارت اس حالت پر پہنچ گیا کہ لوگ شدت بھوک کی وجہ سے لقمۂ اجل بن رہے ہیں ماتا کے پاس اپنے بچہ کی پرورش کے لئے بھی ایک پیسہ نہیں اور تو اور کفن کے لئے کپڑا تک نہیں ؛

٭

رشی گھنٹوں خیالات کے سمندر بے پایاں میں مستغرق رہتے ہیں - انکی سمجھ میں کچھ نہیں آتا - میں اکیلا انسان بھلا ان مصیبتوں کو کس طرح دور کر سکتا ہوں - کیا کروں ... کوئی حل نہیں سوجھتا .... (کچھ سوچ کر) .... کیا آتم گھات کر کے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر لوں .... ہاں .. ہاں ... بس .... یہی بہترین نسخہ ہے ؛

رسی کو درخت میں لٹکا کر اپنے وچار کو عملی صورت دینے کی تیاری کرتے ہیں یکلخت یاس کا نشہ ٹوٹتا ہے - عالم خواب سے عالم بیداری میں آتے ہیں - شیطانی خیالات کافور ہو جاتے ہیں - آہ! میں تو پاپ کرنے لگا تھا ... آتم گھات کرنا تو گناہ ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ڈرپوک ہوں .... مخالف طاقتوں سے ڈر کر آتم گھات کرنا بہادروں کا کام نہیں - بلکہ بزدل اور کمزور ایسا گناہ کرتے ہیں ... آہ! کیا میں احسان فراموش بننے لگا تھا - گورو کے سامنے جو پرن کیا تھا - اس کو بھلا بیٹھا تھا - میں نے تو ویدک گیان کا پرکاش کرنے کی پرتگیا اپنے گورو جی کے روبرو کی تھی - آہ! رشی کی آشیرواد ابتک میرے کانوں میں گونج رہی ہے - اے دل! کمزور نہ بن - آج مجھے پتہ لگا کہ میں تاریکی میں تھا - ناامیدی نے میرا دامن پکڑا تھا - چاروں طرف اندھیرا تھا - مگر اس اندھیرے میں اب شعاعِ امید چمکی ہے یہی میری رہبری کریگی - ناامید ہونا انسان کو شوبھا نہیں دیتا - کام کرنا انسان کا فرض ہے - پھل دینا ایشور کا - میرا فرض یہ ہے کہ جو برت گورو کے سامنے لیا ہے اسکو پورا کروں - بلا سے اس کام میں قتل ہو جاؤں - لیکن کیا ایک آتم وشواسی برہمچاری یوگی ناکامیاب ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں - دنیا کی مخالف طاقتیں میرا کچھ نہ بگاڑ سکینگی - میرا پائے استقلال نہ ڈگمگا سکیگا میں چٹان کی طرح اپنے عہد پر قائم رہونگا - ویدک گیان کے سورج سے اندھکار کو چھن بھن کر دونگا - توہمات باطلہ کی زنجیروں کو کاٹ کر جھوٹی مت پرستی اور مورتی پوجا سے سب کو ایشور پوجا سکھا دونگا - ودھواؤں کے دکھ کا نوارن کرونگا - اچھوتوں کی حالت کو سدھار دونگا - اناتھوں کی رکھشا کرونگا - گئو ماتا اور ماتری بھاشا کی رکشا کے لئے اپنے پران نچھاور کر دونگا - یہی میرا فرض ہے - اور یہی کام - واقعی رشی کے لئے یہ صحیح راستہ تھا - جس کو انہوں نے اختیار کیا - اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ کامیاب ہوئے ؛

(اوم شرم)

داستا کے بندھن

(از پنڈت نندلال دھیاپک ویانند اپدیشک وِدیالیہ گوردوسپون)

منش سوبھاو سے سوتنترتا کو پسند کرتا ہے۔ داستا اُس کے لئے اسوبھاوک ہے۔ راج نیتک داستا کو بُرا سمجھا جاتا ہے لیکن ایک اَور غلامی ہے جو اس سے بھی بدرجہا زیادہ خطرناک اَور ہولناک نتائج پیدا کرنے والی ہے۔ اِس کا اثر عالم ظاہری ہی ہے۔ مگر اُس کا تعلق عالم باطنی سے بھی ہے۔ اِس کے نقصانات جسم تک محدود ہیں۔ مگر وہ روحانیت کو بھی مکدر کرنے والی ہے۔ اُس کا نام ہے

اندریوں کی غلامی

یہ بات زیادہ تشریح کی محتاج نہیں۔ روزمرہ کے واقعات اَور گردوپیش کے حالات کا مطالعہ کرنے والا کون نہیں جانتا کہ اِس خرابی کے ہاتھوں ہزاروں خاندان برباد ہو گئے۔ لاکھوں اپنی زیست سے تنگ آئے ہوئے کن کن مصیبتوں میں مبتلا ہو کر زندگی کے دن پورا کر رہے ہیں اس کی بدولت خانہ داری کی زندگی جو عیش و آرام کی زندگی ہونی چاہیئے۔ آج دُکھوں کا گھر بنی ہے۔

جیسے دیکھو مصروفِ آہ و فغاں ہے کہیں نرمی تنی کے ہاتھوں نالاں ہے کہیں پتی استری کا شکوہ کناں ہے۔ آہ یے دن اب ایسے رُوح فرسا واقعات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ جن کو سن کر شرافت اَور پاکیزگی ساتِ پردوں میں منہ چھپائے بیٹھی ہیں۔

سینکڑوں مرد و زن اِن حالات کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر عالم بالا کی سکونت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ القصہ اندریوں کی داستا کی وجہ سے آج اَن گنت نرناری وشے واسناؤں کی دہکتی ہوئی بھٹی میں اپنے آپکو خاکستر کر کے دوسروں کے لئے مقام عبرت بن رہے ہیں۔ مگر لوگ ہیں کہ سب کچھ دیکھتے اَور سنتے ہوئے بھی اُس راہ پر گامزن ہیں۔

سنسار ایک سنگرام ہے۔ ایسا سنگرام جہاں شکست کھانے والے زیادہ اَور کامیاب ہونے والے تھوڑے ہیں یہاں منشیہ کے بیچیدہ کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ آدمی بدترین شتردہ ہر وقت تاک میں رہتا لگائے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ حقیقی فاتح وہی ہے جس نے ان کی افواج کو شکست فاش دیدی۔

ع بڑے موذی کو مارا نفس اَمّارہ کو گر مارا

شاہانہ عیش و آرام کے اسباب پر لات مار کر جنگلوں کی خاک چھاننے والے مہاتما بدھ پریم اَور پاکیزگی کی شکشا دینے والے عیسےٰ تلاش حق میں فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں پر گھومنے والے۔ تحصیل علوم کے لئے متھرا کی گلیوں میں چکر لگانے والے۔ بھارت کی دُردشا پر آنسو بہانے والے۔ بھارت سنتان کے اودیا اندھکار کو دُور کرنے کے لئے اپنے پرانوں تک کو قربان کر دینے والے رشی دیانند نے کسی ملک پر فوج کشی نہیں کی۔ کسی دیش کو فتح نہیں کیا۔ مگر پھر بھی اُن کا نام مشہور عالم ہے۔ اِن مہاپرشوں کی فضیلت۔ اور شہرت کا باعث اندریوں کا وجے تھا۔ جس منشیہ نے اپنی جسمانی اَور روحانی طاقتوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کر کے اندریوں کو اپنے وش میں کر لیا ہے وہ اُس آدمی سے بدرجہا بہتر و برتر ہے۔ جس نے فوجوں کے ذریعے ملکوں کو زیر فرمان کیا ہے جس نے اپنے حواس پر قابو نہیں پایا۔ وہ سلطنت کے شایاں نہیں۔ فارسی کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

> گر بدل خلوت نداری از جہانبانی گریز
> ور مسلط نیستی برخود ز سلطانی گریز

(ترجمہ) اگر تو (کاہے لگا ہے) خلوت پسند نہیں تو حکمرانی سے احتراز کر۔ اور اگر اپنے آپ پر تیرا قابو نہیں۔ تو بادشاہت سے دُور رہ۔

لہذا ہر ایک آزادی کے طالب اَور حکمرانی کے شائق کا مقدم فرض ہے۔ کہ اِن اندریوں کی غلامی سے رہائی حاصل کرے۔ جو اُس کے لوک پرلوک کو بگاڑنے والی ہے۔

اندریاں منشیہ کو اپنے وشیوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ وشے واسناؤں کی آگ سے بچنے کا سروُتم مارگ برہمچریہ کی پوترتا ہے۔ کبھی گندے اَور اپوتر وچاروں کو اپنے اندر ستھان مت دیں۔ کیونکہ جب تک من میں بُرے خیال جاگزیں رہیں گے

قول و فعل میں پوترتا نہیں آ سکتی - جس طرح آپ اپنے سفید کپڑے کو داغ سے بچاتے ہیں اپنے چہرے کو صاف ستھرا رکھنا چاہتے ہیں - اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سادھنا سے ہردے کو برے خیال سے بچائیں -

یاد رکھیں کپڑے کا داغ جلدی صاف ہو سکتا ہے - مگر ہردے میں جو سنسکار پڑ گیا اس کا دور ہونا محال ہے - اگر آپ اسے کٹھن تپسیا سے مٹا نہ دیں گے - تو وہ نہ صرف اس جنم میں بلکہ آگے بھی آپ کا دامنگیر رہے گا - اس لئے ایسی کوشش کریں کہ کوئی بھی اپوتر وچار آپ کے پاس نہ پھٹکے -

ایسے آدمیوں سے میل ملاپ مت رکھو جو شدھ وچاروں کے نہیں ہیں - ایسے دوستوں کی دوستی کو خیر باد کہہ دو - جو اپنے گندے خیالات سے آپ کو متاثر کرتے رہتے ہیں - جو لوگ جیون کی پوترتا کے خواہاں ہیں - انہیں اس پہلو میں نہایت محتاط رہنا چاہئے -

مہاتما بودھ پاکیزہ زندگی کے لئے اپنی مثال آپ تھے - ایک دفعہ کا ذکر ہے - ان سے ایک دوست نے ایک گندی کہانی ان کے سامنے کہہ دی - بس اسی کی دوستی کا دن آخری دن ثابت ہوا - بودھ نے اس کے بعد اس کو منہ نہ دکھایا -

وہ پرش دھنیہ ہے جس کے دل میں کبھی برے خیالات نے دخل نہیں پایا - جس کی بات چیت میں پوترتا کی مٹھاس ہے جس کا چہرہ برے وکاروں کے نشانات سے پاک ہے - جو سر سے پاؤں تک مجسم پاکیزگی ہے - سچ مچ وہ تحسین و آفرین کے قابل ہے - اور پوجا کا مستحق ہے - ایسی ہی آتما رشی الشیور کی شکتیوں کی مظہر ہیں - انہیں کے پرکاش سے سنسار کا قیام ہے -

پوترتا کی خوشبو ایک نرالی خوشبو ہے - اس کی زیادہ تعریف کرنے کی ضرورت نہیں - پوتر جیون والے منشیہ کو کوٹھڑیوں میں بند کر کے بٹھا دیجئے - اس کے پوتر جیون کی بھینی بھینی خوشبو خود بخود دیواروں کو پار کر کے باہر پھیل جائے گی - اہنسا اور ستیہ کے دلدادہ - الیشور کے پرم بھگت - بھارت کے بے تاج بادشاہ مہاتما گاندھی آج بار دولی کے احاطہ میں مقید ہونے پر بھی نہ صرف ہندوستانیوں بلکہ غیر ممالک کے ہزاروں نر ناریوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے - اس کے منہ سے نکلے ہوئے شبد آج بھی بھارت کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک گونج جاتے ہیں - اس کے اپدیش آج بھی دلوں کو شانتی دے رہے ہیں - یہ کیوں؟

اس لئے کہ انہوں نے انگریزوں کی غلامی کا جوا گردن سے اتار پھینکا ہے - اگر آپ بھی اس لعنت کو دور کرنا چاہتے ہیں حقیقی سکھ اور شانتی کے خواہشمند ہیں - تو آپ آؤ اس پتت پاون آتما رشی دیانند کے پوتر نروان دوس کی پرتر سمرتی میں اس کے نقش قدم پر چلنے کا سنکلپ کریں - اندریوں کی اس ہیبتناک غلامی سے نجات حاصل کرنے کا مصمم عہد کریں - جو منشیہ کو دیوتا اور انسان کو فرشتہ بنانے والی ہے - اس لوک میں کیرتی اور پرلوک میں مکتی کے پراپت کرانے والی ہے -

آج دیپ مالکا ہے - لوگ اپنے گھروں کو پاک صاف کریں گے - شب کو چراغاں ہوگا - جس کی روشنی سے در و دیوار جگمگا اٹھیں گے - آؤ! اس آتما کے مکان کی

مہرشی سوامی دیانند اور محکمہ تعلیم

(از پرنسپل راجیندر کرشن کمار- ایم ڈی کالج موگا)

شری سوامی دیانند سرسوتی نے انیسویں شتابدی کے مدھیہ میں ٹھیک اُس وقت جبکہ بھارت ورش کی ناؤ ڈگمگا رہی تھی۔ اور ہر طرف یاس اور نا اُمیدی کی گھٹائیں چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ چاروں طرف ادویا کا اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اور اس قدیم ملک کی قدیم آتمک تہذیب پر بدترین حملے ہو رہے تھے۔ بھارت واسیوں کی بیماری کو سمجھا اور اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں اُن سب طریقوں کو اکٹھا کر کے رکھ دیا کہ جن کے ذریعہ سے یہ ہند پھر دُنیا کا آفتاب بن کر چمک سکے۔ ستیارتھ پرکاش میں مضامین کی تنظیم بھی ایک خاص پیرایہ پر کی گئی ہے۔ جس سے کہ قومی تعمیر (نیشنل ریکنسٹرکشن) کے مختلف سادھنوں کی (relative importance) کا بھی اندازہ لگ سکتا ہے۔

مہرشی سوامی دیانند کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس بھولی بھٹکی ہوئی آریہ جاتی کو پھر پرماتما کے ایک ہونے کا اُپدیش اسی طریقہ سے کیا جائے جس سے ادھیاپک پہلی جماعت کے بچوں کو اکشر سکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ستیارتھ پرکاش کا پہلا باب جہاں پر ایک طرف اُن مغربی ودوانوں کو ایک زبردست چیلنج ہے جو کہ ویدوں کے اصلی معنوں کو نہ سمجھتے ہوئے اسے دیوی دیوتاؤں کی پوجا سکھلانے والی کتاب بتلاتے ہیں۔ وہاں پر تمام آریہ جاتی کو جو کہ پرماتما کے مختلف ناموں کو الگ الگ دیوی دیوتا سمجھ کر ایک دوسرے کے برخلاف جہاد کھڑا کر رہی تھی۔ ایک ہونے اور آہستہ آہستہ ساری دُنیا کو ایک جھنڈے ہی کی لڑی میں پرونے کی کوشش کرتا ہے۔ پرماتما کی زبردست طاقت کا ایک سندر فوٹو رکھنے کے بعد اور پرماتما کے متعلق ویدوں اور آریہ جاتی کی اصلی پوزیشن دکھلانے کے بعد سوامی جی نے قومی زندگی کو از سر نو زندہ کرنے کا پہلا سادھن دوسرے ادھیائے میں رکھا۔ دُنیا میں ایشور کی ہستی سے منکر ہو کر کوئی قوم زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ اٹھارویں صدی کے شروع میں پولیٹیکل انقلاب کے وقت فرانس کچھ عرصہ کے لئے ایشور سے منکر ہو گیا۔ لیکن اُنہی دنوں کی گڑبڑ۔ تکالیف اور علالتوں سے تنگ آکر ایک لائق فرانسیسی نے یہ کہا۔ کہ فرانس کی تکالیف کو دُور کرنے کا ایک طریقہ ایشور کی ہستی کو ماننا بھی ہے۔ اگر کوئی پرماتما نہیں ہے تو بھی ہمیں فرض کر لینا چاہئیے۔ کہ کوئی ایسی زبردست طاقت ہے۔ جو کہ دُنیا کے ہر ایک کام کو چلاتی اور اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ دوسرے ادھیائے میں مہرشی نے تمام توہمات کی جڑھ پر کلہاڑا چلاتے ہوئے آریہ جاتی کو اُتم سنتان پیدا کرنے کا اُپدیش کیا ہے۔ اور تیسرے میں محکمہ تعلیم کے متعلق چند ایک ایسے بنیادی اصول بتلائے ہیں جن کے ذریعہ سے یہ ملک پھر سنسار کا گورو بننے کے قابل ہو سکتا ہے

آج کل ہندوستان میں اُستادوں کی وہ عزت نہیں ہوتی جو کہ زمانہ قدیم میں ہوا کرتی تھی۔ ہر ایک آدمی اُستاد بننے کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ لائق اور ودوان لوگ عام طور پر دوسرے محکموں میں چلے جاتے ہیں۔ واستو میں اُستاد کا کام نہایت پوتر اور نہایت ضروری ہے۔ اُستاد ہی آئندہ آنے والی نسلوں کے اخلاق کو بناتے ہیں آج سے دس سال بعد ملک کی کیا حالت ہو گی۔ اس کا اندازہ آج کل کے اُستادوں کے طریقہ تعلیم سے اور اُن کے چال چلن سے لگایا جا سکتا ہے۔ زمانہ قدیم میں اُستادوں کا کام رشی اور سنیاسی لوگ کیا کرتے تھے۔ وِدیالے سرسوتی کے مندر سمجھے جاتے تھے۔ اُستادوں پر ساری قوم کا اتنا اعتقاد تھا کہ آٹھ سال کی عمر میں مکمل طور پر بچوں کو اُستادوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ بچے اپنے اُستاد کے کنبہ میں شامل ہو کر اُسی کے پریوار کا حصہ بن جاتے تھے۔ مہرشی سوامی دیانند جہاں پر پتروں کی گنتی کی ہے وہاں پر اُستاد کا درجہ ماتا پتا کے بعد ہی بتلایا ہے۔ بھارت کو پھر زندہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ اُس پریم کے رشتہ کو پھر دوبارہ قائم کیا جائے۔

یجروید میں پرماتما ادھیاپکوں اور ودوانوں کو نئے وچاروں کی کھوج کرنے کا اُپدیش کرتے ہوئے اُنہیں پریم کی مورتی بننے کا اُپدیش کرتے ہیں۔ پریم اور محبت سے کام لینے والے اُستاد اپنے طالب علموں کی زندگی میں آنند کی ماترا بڑھا دیتے ہیں۔ چھوٹے بچوں میں کتابوں کو ہاتھوں میں لینے اور پنسل قلم دوات سے لکیریں کھینچنے کا شوق ہوتا ہے۔ ماتائیں اس شوق کا فائدہ اُٹھا کر اُنہیں اکشروں کی شکشا دے سکتی ہیں۔ پتا بھی بچے کی تعلیم میں ماتا کا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ اور بعد میں اُستاد بھی اس سوبھاوک گُن سے لابھ اُٹھا کر بچوں کو اعلےٰ تعلیم کی طرف لے جا سکتا ہے

مہرشی نے

मातमान पितमान

आचार्यवान पुरुषो वेद

کا سوتر دوسرے ادھیائے کے شروع میں لکھ کر ایک سنہری اصول کو دکھلایا ہے۔ آج کل کا طریقہ جب کہ بچے کو چلنا سیکھنے کے فوراً بعد ہی سکول میں بھیج دیا جاتا ہے۔ ملک اور قوم کے لئے کتنا تباہ کن ہے۔ اس کا اندازہ سبھی لگا سکتے ہیں۔ ادھیاپک بننے کے قابل وہی ہیں جو کہ اس کام کو اپنا پرم کرتویہ سمجھتے ہیں۔ اور جنکو شکشا دینے میں آنند حاصل ہوتا ہے۔ مہرشی دیانند جی لکھتے ہیں۔ کہ ماتا پتا اور آچاریہ اپنے سنتان اور طالب علموں کو سدا ستیہ اُپدیش کریں اور یہ بھی کہیں کہ جو جو ہمارے دھرم انکول کرم ہیں اُن کو گرہن کرو۔ اور جو جو دُشٹ کرم ہیں اُن کا تیاگ کرو۔ جس سچ کو تم حاصل کر لو اُس کو اپنے پاس ہی نہ رکھ چھوڑو بلکہ اس کا پرچار کرو۔ صرف ودوان دھارمک پریم مورتی منشیہ ہی تعلیم کے کام کے قابل ہیں۔ پریم کرنے والے ادھیاپک ہی ودیارتھیوں کی اندرونی طاقتوں کو نشو و نما دے سکتے ہیں۔ سیوا کا بھاو طالب علموں میں پریم کے ذریعہ سے ہی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ودیارتھی کے دل میں جب تک اُستاد سے ڈر بنا رہتا ہے۔ تب تک وہ اپنی شاریرک۔ مانسک اور آتمک تکلیفوں کو صاف لفظوں میں اُس کے سامنے نہیں رکھ سکتا۔ سوامی جی لکھتے ہیں کہ ماتا۔ پتا اور اُستاد۔ ایرشا اور دویش سے سزا دینے میں پاپ کے بھاگی بنتے ہیں۔ اُستادوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کو شدھ اور پوتر جیون گذارنے کا اُپدیش کریں۔

ادھیاپک میں دوسرا گُن ویک ہونا چاہیئے۔ اُستادوں کا فرض اولین اپنے ودیارتھیوں کو پاپوں سے مکت کر کے اُنہیں بااخلاق اور نیک چلن بننے میں مدد دینا اور پرماتما کی سنسارک سکیم کو سمجھانا ہے۔ ہر ایک طالب علم کی تعلیم اس کی خاص قابلیت کے مطابق ہونی چاہیئے شکشا پدھتی کے بنانے اور مضامین کے پڑھانے میں قدم قدم پر ویک کی ضرورت ہے۔ تعلیم کا ہر ایک حصہ دھرم کے رنگ سے رنگا ہوا ہونا چاہیئے۔ پراچین یونان میں ہر ایک نوجوان صبح کے وقت اپنے سکول اور کالج میں آکر ایک پرتگیا کو دہراتا تھا۔ جس میں دیش بھگتی۔ منشیہ ماتر کی سیوا اور ایشور ارادھنا وغیرہ بھی ضروری باتیں آجاتی تھیں۔ گورکلوں میں تعلیم کا کام سبھی پرارتھنا اور اُپدیش سے شروع ہوتا ہے۔ آج کل ودیارتھیوں کی جسمانی حالت کو سدھارنے کے متعلق ویک اور عقل سے کام نہیں لیا جاتا۔ جسم کی بناوٹ طالب علمی کی حالت ہی میں مضبوط کی جا سکتی ہے۔ اور اس کے لئے برہمچریہ کے برت کو دھارن کرنے کی ضرورت ہے۔ طالب علموں کے دماغ منڈل کو شدھ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔

اُستادوں میں تیسرا گُن اپنی خواہشوں کو قابو میں رکھنا ہے۔ اور اس گُن کو اپنے طالب علموں کو سکھلانا بھی ہے۔ بھارت ورش کی تہذیب آتمک ہے۔ اور اس کو قائم رکھتے ہوئے ہم پھر سنسار کی جاتیوں میں اپنا سر اونچا کر سکیں گے۔ مہرشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے تیسرے اور چوتھے ادھیائے میں ان باتوں پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ بھارت ورش میں لنگوٹ بند اپنے تیاگ اور قربانی کے سبب سب سے طاقتور گنا جاتا رہا ہے۔ گذشتہ لڑائی کے بعد یورپ کے چند ایک ودوانوں نے پراچین ویدک اُپدیش اپنے جیون میں گھٹا کر دکھلا دیا۔ سخت مصیبتیں تھیں کے باوجود بھی وہ اپنی کھوج کے کام میں لگے رہے۔ کوئی اُستاد اپنے طالب علم میں نیک گُنوں کو پیدا نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی زندگی کو اس کسوٹی پر لگا کر نہ دکھلا دے گا۔

محکمہ تعلیم کو موجودہ قباحتوں سے مبرا کرنے کے لئے ستیارتھ پرکاش اور سوامی جی کی تعلیم کا سہارا لینا ضروری ہو گا۔

مُورتیوں کا جمنا پرواہ
سنگھاسن پر وید بھگوان

پنڈت لوگ (آپس میں) گروداس میں جو سادھو آیا ہے۔ اُس کی زبان بند ہونی چاہئے۔ اگر اس کو بولنے کی اجازت رہی۔ تو ہماری جیو کا گئی سمجھو

ایک۔ تب تک بولتا ہے۔ جب تک مقابلہ پر کوئی پنڈت اُس کے سامنے نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اُسے کسی پنڈت سے واسطہ نہیں پڑا۔ ورنہ مورتی پُوجا کے خلاف اس قدر زبان درازی سے کام نہ لیتا۔

دُوسرا۔ زبان سے کہہ دینا آسان ہے۔ ودوانوں کے سامنے آنا مشکل ہے۔ سادھو کیا ہے ودیا کا سمندر ہے۔ میں نے سُنا بڑے بڑے پنڈت بڑے بڑے وفدوں کے ساتھ رشی دیانند کے سامنے آئے۔ لیکن ایک یا دو باتوں ہی میں رہ گئے

تیسرا۔ وہ نام کے ہی بڑے بڑے ہونگے ہمارے ہیرا بلبھ کی ودیا کو سادھو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اگر ہیرا بلبھ سے وہ شاستراتھ کرنا سویکار کرے تو سمجھو میدان ہمارے ہاتھ رہے گا۔

چوتھا۔ کیوں ہیرا بلبھ جی! کیا ارادہ ہے دھرم کی رکشا کے لئے میدان میں آؤ گے۔ یا گھر میں ہی شاستروں کے سُو تر رٹتے رہو گے

ہیرا بلبھ۔ بات ہی کیا ہے۔ یکتی پرمانوں کی وہ جھڑی لگا دونگا۔ کہ سادھو کو خاموشی کے سوائے چارہ ہی نہ ہوگا۔ اُسے لاجواب کر دوں اور اس کے ہاتھوں مُورتی کو بھوگ نہ لگواؤں تو ہیرا بلبھ نام نہیں۔

سب پنڈت (بہ یک زبان)۔ شاباش پنڈت جی۔ آپ سے ایسی ہی توقع تھی۔ کہئے کب اس مہم پر روانہ ہوں؟

ہیرا بلبھ۔ دیر کی ضرورت ہی کیا۔ کل ہی گروداس چلیں۔ اور وہاں شاستراتھ کا میدان گرم کر دیں۔

پوس کا مہینہ ہے۔ سوامی جی گروداس میں اپنے نواس ستھان پر بیٹھے ہیں۔ بہاری دت شرما۔ گوردت۔ سٹھو لال اور ہیرا بلبھ آتے ہیں

سادھو۔ آئیے کیسے آنا ہُوا؟

ہیرا بلبھ۔ آپ سے شاستراتھ کرنے آئے ہیں۔

سادھو۔ شوق سے آئیے۔ دھرم وچار سے بڑھ کر اور اچھا کام ہی کیا ہے۔

ہیرا بلبھ۔ یہ ہے میری مُورتیوں کا سنگھاسن۔ اس پر بانکے بہاری۔ گومتی چکر اور سالگرام کی مُورتیاں براجمان ہیں۔ میں پرتگیا کرتا ہوں کہ جب تک آپ کے ہاتھ سے انہیں بھوگ نہ لگوا لونگا۔ یہاں سے نہیں اُٹھونگا۔

شاستراتھ شروع ہُوا۔ ہیرا بلبھ کی علمیت مُسلّم تھی۔ دھارا پرواہ سنسکرت بولتا تھا۔ رگ وید اور یجروید سنگھتائیں اُسے ازبر تھیں۔ ویاکرن کا فاضل تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ کئی پنڈت اس کی سہائتا کے لئے موجود تھے۔ لیکن فتح سچائی کی ہوئی۔ سادھو نے یُکتی پرمان سے سدّھ کر دیا۔ کہ مُورتی پُوجا وید ورودھ ہے۔

ہیرا بلبھ ہٹ دھرمی نہ تھا۔ سادھو کی بانی سے جو سچائی نکلا۔ وہ سیدھا اُس کے ہردے تک جا پہنچا۔ اور اُسے یقین ہو گیا۔ کہ میرا پکش اسّتیہ اور سادھو کا ستیہ ہے۔ دو ہزار کی حاضری کے سامنے وہ جو جے کے دعوے کے ساتھ آیا تھا۔ پراجے کا اقرار کرنے کے لئے اُٹھا اور یُوں گویا ہُوا۔

”سوامی جی ودیا کے سمندر ہیں۔ ویدوں پر انہیں پورا عبور ہے۔ اُن کا پکش ستیہ ہے اس لئے کس کی مجال ہے۔ کہ اُن کے مقابلے پر شاستراتھ میں وجئی ہو سکے۔ میں سچے ہردے سے سویکار کرتا ہوں۔ اور آپ لوگوں کو نشچے دلاتا ہوں۔ کہ جو کچھ یہ سوامی جی کہتے ہیں۔ وہ ستیہ اور پرمانک ہے۔ اور مورتی پُوجا وید وردھ ہے۔ میں جب تک مُورتی پُوجا کے ویدک انوکول ہونے کے بھرم میں تھا۔ مُورتیوں کی پُوجا کرتا رہا لیکن اب جبکہ میرا بھرم ان مہاتما کے دوارا دُور ہو گیا ہے۔ آج سے مُورتی پُوجا کو تیاگتا ہوں اور یہ جو مُورتیاں اس سنگھاسن پر رکھی ہیں۔ انہیں اپنے ہاتھوں آپ کے سامنے جمنا پرواہ کرتا ہوں۔ اور اس سنگھاسن پر وید بھگوان کو پرتشٹھت کرتا ہوں“

جانتے ہو۔ یہ سادھو کون تھا؟ جس نے بھارت کے ودیا بھیلاشی پنڈتوں کے کئی اَنیک ہٹی ضدیوں کی طرح پنڈت ہیرا بلبھ سے سویکار کرایا۔ کہ اُس کے برتی پادت ویدک سدھانت ستیہ ہیں۔ یہ رشی دیانند تھا۔ جس نے پورا ایک زمانہ دوروں کا استعمال کر کے بھارت میں از سرِ نو ویدک دھرم پرچار کرانے میں اپنا جیون لگا دیا

رشی دیانند کے انوئائی ہونے کا دم بھرنے والے آریہ سماجیو! اپنے جیونوں کو ٹٹولو اور بتاؤ کیا تمہارے اندر وہ شکتی ہے۔ جو رشی دیانند کے اندر تھی۔ جس کے سامنے ہیرا بلبھ سے ودوان ستیہ کے سویکار کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے ہیرا بلبھ کے مت وادیو! کیا تمہارے اندر سامرتھ ہے کہ سچائی کو جان کر ہیرا بلبھ کی طرح اسکے سویکار کرنے پر تیار ہو جاؤ؟

بیروزگاروں کے لئے نادر موقعہ

امریکہ کے سکنڈ ہینڈ کوٹوں کی تجارت کرکے بےروزگاری سے نجات حاصل کیجئے۔ ہم نے امسال قیمتوں میں خاص رعایت کردی ہے۔ گرم کوٹ مردانہ مختلف سائز و رنگ سو کوٹوں کی سربند گانٹھ درجہ اول دوصد بیس روپیہ۔ اوور کوٹ پچاس عدد کی گانٹھ درجہ اول یکصد اسّی روپیہ۔ جملہ گانٹھیں امریکہ کی سربند ہونگی۔ اور نمبر اول لکھا ہوگا۔ پچیس فیصدی پیشگی آنے پر بقیہ رقم کی وی پی بھیجی جاتی ہے۔ کل قیمت پیشگی بھیجنے والے کو انگریزی پیری گانٹھ کے حساب سے رعایت دی جاویگی۔ کرایہ ریل فی تین یا چار گانٹھیں اکٹھی طلب کرنے والے کو دو روپیہ سینکڑہ کمیشن دیا جاویگا۔ مال عمدہ ہوگا۔ آزمائش شرط ہے۔ خاطر خواہ ماہواری مال منگوانے والے کو دس روپیہ ماہوار کرایہ دوکان بھی ملے گا۔ کٹ پیس کی تجارت کے خواہشمند قواعد طلب کریں۔ جواب کے لئے ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۸

دی اینگلو امریکن ٹریڈنگ کمپنی بمبئی ۴

---

۴۱۵ گورو کل سناتک فارمیسی دہلی

بھیم سینی سُرمہ

قیمت پانچ روپیہ فی تولہ — قیمت پانچ روپیہ فی تولہ

موتیابند کے علاوہ آنکھوں کے ہر قسم کے امراض کو دور کرکے نظر کو تیز کرتا ہے۔ لگاتار لگاتے رہنے سے چشمہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ پانی بہنا، دھندلا دکھنا وغیرہ تمام امراض تو بہت جلد آرام ہو جاتے ہیں۔

چیون پراش

تین روپیہ سیر — تین روپیہ سیر

یہ وہی دوا ہے۔ جس کو کھا کر چیون رشی بوڑھے سے جوان ہو گئے۔ پرانی کھانسی، تپ دق، پھیپھڑوں کی کمزوری اور دل دھڑکن کے لئے نہایت مفید ہے۔ قیمت تین روپے سیر۔

بال شربت

قیمت ۱۲ فی شیشی — قیمت ۱۲ فی شیشی

بچوں کی سردی، زکام، کھانسی سے بچانے اور بچوں کو تندرست موٹا اور طاقتور بنانے کے لئے بال شربت نہایت مفید ہے۔ دانت نکلنے میں مدد کرتا ہے۔ ہرے پیلے دستوں کو روکتا ہے۔ قیمت ۱۲ فی شیشی۔ ملنے کا پتہ:-

گورو کل سناتک فارمیسی دہلی نمبر (۶۶)

---

۴۰ سال کا آزمودہ گورنمنٹ آف انڈیا و جرمنی سے

۴۲۲ رجسٹری شدہ

سُدھا سِندھو

کف۔ کھانسی۔ درد سینہ، شول۔ سنگرہنی۔ اپھارہ۔ پیٹ درد۔ قے جی متلانا۔ ہرے پیلے دست دودھ پھینک دینا۔ انفلوئنزا، ہیضہ کی ایک ہی بے مثال دوا ہے۔ جس کے چند قطرے پانی میں ڈال کر پینے سے ایک ہی خوراک میں فائدہ ہوتا ہے۔ قیمت فی شیشی (۱۸) آٹھ آنے۔ ڈاک محصول چھ آنے۔

وَید حکیم۔ ڈاکٹروں و عطاروں کو نمونہ مفت!

بال سُدھا

بچوں کو سردی۔ زکام اور کھانسی سے بچانے کے لئے اور بچوں کو تندرست۔ موٹا اور طاقتور بنانے کے لئے بال سُدھا نہایت ہی مفید ہے۔ قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲) محصول ڈاک سات آنے (۷)۔

۲۰ معزز اصحاب کے پورے پتے روانہ کرنیوالے کو جنتری کلینڈر تصویر مفت روانہ کرینگے

ملنے کا پتہ:- **سُکھ سنچارک کمپنی متھرا**

بالکل مُفت

دہلی گائیڈ مع عروسِ زندگی

تقریباً یک صد صفحہ کی کتاب جس میں لال قلعہ، مقبرہ، قطب مینار اور دیگر نئی و پرانی عمارتوں کا حال۔ بازاروں کی رونق۔ چہل پہل۔ حفظانِ صحت۔ ورزش۔ خوراک۔ صنعت و حرفت۔ معمولی چیزوں سے خود علاج کرنے کے طریقہ کے علاوہ پوشیدہ امراض کا بھی حال مکمل اور مؤثر لکھا گیا ہے۔ ایک کارڈ پتہ ذیل پر بھیج کر بالکل مُفت طلب کریں۔

پتہ:- **منیجر کارخانہ فدائے طب**

حکیم سورج نارائن صاحب دہلی ۱۳

گورُوکل کانگڑی کی مشہور دوائیں

بھیم سینی سُرمہ

پُرانے موتیا بند کے سوائے آنکھوں کی تمام بیماریوں کو دُور کرتا ہے۔ آنکھوں سے پانی بہنا۔ کھجلی۔ ککرے۔ دھندلا دکھنا آدی رنگ بہت جلد اچھے ہوجاتے ہیں۔ آنکھیں بنوانے اور چشمہ لگوانے سے پیشتر اس سُرمہ کا استعمال ضرور کر دیکھیں۔ قیمت صرف تین روپے تولہ۔ اس کے ساتھ ترپھلا گھرت کھانے سے آنکھوں کو تراوت اور طاقت ملتی ہے۔ قیمت آٹھ روپے سیر؛

چون پراش

ہمالیہ کی تازہ بوٹیوں سے بنا ہُوا معجون۔ پُرانی کھانسی۔ تپ دق۔ اور پھیپھڑوں کی کمزوری اور دل دھڑکن کے واسطے نہایت مفید ہے قیمت صرف چار روپے سیر؛

سُپاری پاک

اس کے کچھ ہی دن کے سیون سے دھات کا پتلا پن اور سفید حقا بیلا جریان دُور ہو جاتا ہے۔ اور شریر میں طاقت تھا تندرستی آجاتی ہے۔ قیمت چھ روپے سیر؛

سنجیون چورن

سوپن دوش (احتلام) نوجوانوں کے شریر کو گھن کی طرح کمزور کر دیتا ہے۔ اور انحطاط بڑھ جانے سے آدمی نامرد ہو جاتا ہے۔ سنجیون چورن دھات کو گاڑھا کرتا اور طاقت دیتا ہے۔ ایک ماس سیون کرنے سے احتلام بالکل نہیں ہوتا قیمت ایک روپیہ فی شیشی؛

بال شربت

بچوں کو قبض اور دست صاف نہ آنا۔ مروڑ دار یا ہرے پیلے دستوں کا آنا ألٹی کھانسی اور بخار آدی تمام روگوں کے لئے یہ شربت رام بان ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ چار آنہ

براہمی بوٹی ایک روپیہ سیر — دنت منجن ۸ر فی شیشی
ست سلاجیت عہ ر تولہ — سُوچی پتر مُفت!

پتہ:- گورُوکل فارمیسی پوسٹ کنکھل ضلع سہارنپور

دراکشاسب

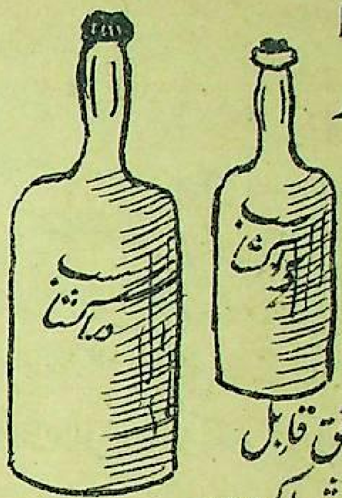

یہ انگوری منقی سے تیار کیا ہُوا دراکشاسب قبض و بدہضمی کو دُور کرکے جسم میں تازہ خون پیدا کرتا ہے گئی گذری تندرستی واپس لاکر چہرہ پر سُرخی لاتا ہے ہر ایک موسم میں ہر مزاج کے موافق قابل استعمال ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔

قیمت بڑی شیشی دو روپے۔ ڈاک خرچ علیحدہ

ملنے کا پتہ:-

سُکھ سنچارک کمپنی متھرا

بچوں کی طاقت بڑھانے میں

ڈونگرے کا

بال امرت

تمام ہندوستان میں مشہور دوا ہے

اپنے پیارے بچوں کی حفاظت کے واسطے

نقلی بال امرت نہ خریدیں!

لاہور ایجنٹ:-

لالہ بھگت رام پوری اینڈ سنز سُوتر منڈی۔ لاہور

طحال یا تلی کی مرض کیواسطے بہترین دوا

استعمال کرنیوالوں کی رائیں

پنڈت جی صاحب۔ اسلام علیکم۔ آپکی نہایت مجرب دوائی طحال ملی میں نے بہت طحال کے بیوں طحال بیماروں کو مفت دیکر آزمایا ہر ایک سے بہت بڑے بڑے طحال چند دنوں کے عرصہ میں بالکل نیست و نابود ہو گئے ہیں۔ خداوند کریم آپکو اس دوائی کی ایجاد کے صلہ میں بہت بہت برکت دلیوے اور آپکا نام اور بھی روشن ہووے اور آپکی دوائی کے بدلے اچھے دام مجھے ملنے لگے ہیں۔ خداوند کریم آپکو سلامت رکھے آج کے دن آپکے نام پر بذریعہ منی آرڈر مبلغ للعہ روپیہ روانہ کر دیا ہے جس وقت روپیہ مذکورہ خدمت میں پہنچیں ضرور مہربانی کرکے دوائی دافع طحال بذریعہ پارسل روانہ فرمادیں۔ آپکا نیازمند (صوفی محمد نصیر الدین) ڈریسر بھاگ بہاگ ٹمبی سپنٹرڈروب بھاناک۔

جناب من تسلیم! دوائی طحال نمونہ ۶ تاریخ ۱۴ کو میں نے آپکے کارخانہ سے منگائی تھی جو کہ از حد مفید ثابت ہوئی۔ دوائی کی گولیاں ہر روز کھانے سے آہستہ آہستہ طحال کم ہونے لگی جب گولیاں ختم ہو گئیں اسکے تھوڑے دن بعد طحال بالکل جاتی رہی دعا کرتا ہوں کہ ایشور آپکے دست شفا میں اور برکت دے۔ گھنشیام منیجر کارخانہ حویلی لکھا ضلع منٹگمری۔

جناب مہربان پنڈت صاحب پیشتر آپکی تلی کی دوا نمبر ۲ منگوائی تھی جس سے مریض کو بہت فائدہ ہوا کہاں تک تعریف کیجائے ہم اور کچھ نہیں سمجھتے صرف یہی کہتے ہیں کہ آپ کل جگ میں دھنونتری جی کا اوتار ہیں۔ براہ مہربانی دوا طحال چار مریض کے واسطے بذریعہ وی۔ پی۔ روانہ کریں۔ ایک شیشی امرت دھارا کی بھی روانہ کریں ۔۔۔ لعل ۔۔۔ مہاجن اگروال ۔۔۔

[illegible]

تلی

جسم انسانی کے اندر بائیں پسلی کے نیچے ایک نہایت ضروری عضو ہے۔ یہ ہی خون کو پیدا ہونا۔ رنگ کا خوبصورت ہونا۔ پھرتی و طاقت کا جسم میں موجود ہوتا۔ تلی و چند دیگر اعضا پر منحصر ہے۔ جب لوگ کہتے ہیں کہ کسی کو تلی ہو گئی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تلی بڑھ گئی ہے اور اپنا کام سرانجام نہیں دیتی ہے۔ تلی اکثر تپ یا بخار کے بعد بڑھتی ہے اور کبھی بخار کے ساتھ اور کبھی بخار کے بغیر دونوں قائم رہتی ہے۔ اور مریض کے منہ پر ہمیشہ مردنی چھائی رہتی ہے۔ اس مرض کے واسطے مندرجہ ذیل ادویات

ادویات

کارخانہ امرت دھارا میں ہر وقت تیار رہتی ہیں جن سے ہزاروں مریضوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ آپ بھی اپنے مرض کی حالت کے موافق دوائی منگوالیں۔ اگر خود بخود تجویز نہ کر سکیں تو حالات لکھکر ایک روپیہ پڑھنے کی فیس کیساتھ بھیجدیں۔ ادویات کی سریع التاثیری کے بھروسہ پر ہر دوائی کا نمونہ بھی دیا جاتا ہے:۔

دوائی طحال ۱ — جب تلی و بخار اکٹھے ہوں یا بخار کبھی کبھی ہو جاتا ہو۔ تو اس دوائی کو ۶ ماشہ ہر روز کھانا چاہئے۔ قیمت ۴ اونس دو روپے۔ نمونہ چار آنے (۴ر)

دوائی طحال ۲ — جب ہاضمہ کمزور ہو۔ بھوک کم لگتی ہو۔ تلی ساتھ ہو۔ تب اس دوائی کو ۲ گولی صبح ۲ گولی شام کھلانا چاہئے۔ یہ گولیاں کسی بھی دوسری دوائی کے ساتھ جب ہاضمہ کو ساتھ بڑھانا ہو۔ دو نو وقت بعد از غذا بھی کھلائی جاسکتی ہیں۔ قیمت ۴۰ گولی دو روپے۔ نمونہ چار آنہ۔

دوائی طحال ۳ — دیرینہ طحال نے جب بہت کمزور کر دیا ہو۔ رنگ بہت سفید سلبے رونق ہو رہا ہو تب اس دوائی کو دیویں جو کہ مقوی جسم و باہ و ہاضمہ ہے اور خون صالح پیدا کرکے رنگ کو سرخ کرتی ہے۔ قیمت چار روپے۔ نمونہ ایک روپیہ

دوائی طحال ۴ — تلی کی جنرل دوائی ہے۔ جبکہ تھوڑی قبض ساتھ رہتی ہو۔ اسکو استعمال کریں۔ قیمت پچاس گولی دو روپے۔ نمونہ چار آنے (۴ر)

دوائی طحال ۶ — تلی کے ساتھ جب جگر بھی کچھ بڑھا ہوا ہو جائے یا بخار ساتھ ہو یا نہ ہو تو اس دوائی کو دینا چاہئے۔ تلی جگر بخار کو صاف کرکے ناک کی زردی کو دور کرتی ہے۔ قیمت دو روپے۔ نمونہ ۴ر

دوائی طحال ۵ — جب قبض زیادہ ساتھ رہتی ہو۔ یا تلی پرانی ہو تو اس دوائی کی ایک گولی رات کو کھانے سے صبح کھلکر دست ۔۔۔ تلی دن بدن کم ہوتی جاتی ہے۔ دیگر کسی ہر دوائی کے ساتھ بھی اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے جلدی آرام ہوتا ہے۔ قیمت ۳۰ گولی ایک روپیہ۔ نمونہ دو آنے ۲ر

خط و کتابت و تار کے لئے پتہ:۔ **امرت دھارا لاہور**

استعمال کرنیوالوں کی رائیں

شرمان دید جی نمستے۔ بیوا میں نویدن ہے کہ آپکے کہنے کے مطابق میرے دوست نے جنکو اسوقت طحال کی بڑھی ہوئی بیماری تھی آپنے کیسر ۳ کی جگہ کیسر ۳ استعمال کرنے کے لئے بھیجی تھی آپکی دوائی نے جادو کا اثر دکھلایا اور طحال کی بیماری اتنی جلدی ہٹ گئی کہ جسکا کچھ کہنا ہی نہیں۔ نویدک پیارے لعل گپت رادھوماجرا۔ پٹیالہ۔

جناب من تسلیم! اختیر سال ہے کہ آپ کی دوا طحال نمبر ۳ سے طحال اچھی ہو گئی تھی۔ اس سال پھر طحال کی کچھ شکایت ہے چونکہ ایک مرتبہ اس دوا سے نفع ہو چکا ہے اسلئے دوبارہ دوا منگوانے کی پھر آپکو تکلیف دیجاتی ہے میں امید کرتا ہوں کہ اس مرتبہ بھی آپ دوا نمبر ۳ اچھی اور جلد روانہ فرما کر مشکور فرمادیں گے۔ مرسلہ سید سکندر علی برانچ پوسٹ ماسٹر بیم گنج ضلع ۔۔۔ بریلی۔

جناب شرما جی نمسکار! عرصہ تین ماہ کا ہوا ہے کہ میں نے آپکے ہاں سے دوائی طحال نمبر ۵ منگوائی تھی جس نے کہ اپنا اثر جادو کی طرح دکھلایا۔ درحقیقت میں نے اس نامراد مرض کے واسطے بہت روپیہ خرچ کیا دیسی اور انگریزی دوائیوں کی وی۔ پی بہت سے منگوائے لیکن سوائے اس دوائی طحال نمبر ۵ کے اور کسی نے فائدہ نہیں کیا میں آپ کا نہایت مشکور ہوں۔

رام لعل شرما سب ریج انسپکٹر جگ ضلع ۔۔۔

۔۔۔ جی۔ نمستے! قبل ازیں امرت دھارا و دوائی طحال آپ سے منگوائی۔ شرمان جی میرے پاس اس قدر لفظ نہیں کہ میں آپکی ادویات مندرجہ کی تعریف کرسکوں۔ خاصکر دوائی طحال نے تو سیمانی کام کیا۔ سنت رام ہیڈ ماسٹر دابا توالی برستہ ۔۔۔

شری ٹھاکر دت شرما ویدیہ لاہور۔ پیشتر جو دوائی طحال آپنے بھیجی تھی۔ اس سے ہماری طحال کو بہت فائدہ ہوا۔ مرصہ کئی سال کا ہوا ہے کہ اب پھر طحال کی شکایت ہے اس واسطے دو گولی بھیجکر مشکور فرمادیں۔ لعل سنگھ دھانی تگر ضلع ہردوئی تحصیل ۔۔۔ پوسٹ ۔۔۔

منیجر امرت دھارا ۔۔۔ امرت دھارا بھون۔ امرت دھارا روڈ ۔۔۔ امرت دھارا ڈاکخانہ۔ لاہور۔

WEAR BHALLA'S

بھلّے کے بوٹ کیوں مشہور ہیں

(۱)

بھلّے کے بوٹ

نہایت خوبصورت اور تازہ ترین ڈیزائن کے
مطابق ہیں۔ جو دیکھتا ہے پسند کرتا ہے

(۲)

بھلّے کے بوٹ

اپنی خوبیوں کے مقابلہ میں نہایت سستے ہیں
امیر و غریب دونو آسانی سے خرید سکتے ہیں

(۳)

بھلّے کے بوٹ

اعلیٰ درجہ کے نرم چمڑہ سے تیار ہوتے ہیں
اسلئے اُنکے پہننے سے پاؤں کو ذرا تکلیف نہیں ہوتی

(۴)

بھلّے کے بوٹ

مضبوط اور پائیدار ہیں۔ لہذا جو ایک مرتبہ خریدتا ہے ہمیشہ کیلئے مدّاح بنجاتا ہے

دکان پر تشریف لاکر خریدیے یا پاؤں کا ناپ بھیجکر بذریعہ ڈاک طلب فرمائیے

WALK IN COMFORT

प्रकाश लाहौर ओ३म् का ऋषि अंक

कृण्वन्तो | विश्वमार्यम्

ایڈیٹر
کرشن بی اے

پرکاش لاہور کا رِشی نمبر

PRAKASH.
LAHORE

قیمت
سالانہ چار روپے
ششماہی سہ عہ
فی پرچہ رشی نمبر ۳ر

SUNDAY 8TH NOVE 1931 } اتوار ۲۳ کارتک سمت ۱۹۸۸ بکرمی - مطابق ۸ نومبر ۱۹۳۱ء } دیانند آبد ۱۰۷

آریہ بچوں کا گیت

(از شاعر باکمال منشی تلوک چند صاحب محروم)

دیانند سوامی ہمارا گورو ہے || ہمارا گورو ہے دیانند سوامی

حقیقت کا جلوہ دکھایا ہے اُس نے
صداقت پہ مرنے سے ڈرتے نہیں ہم
نہ جینے پہ مرنا۔ نہ مرنے سے ڈرنا
زمیں کیوں نہ ہو پاک اپنے وطن کی
مٹایا ہے اُس نے دِلوں کا اندھیرا

رہِ راستی پر چلایا ہے اُس نے
کہ بےخوف ہم کو بنایا ہے اُس نے
ہمیں مرنا جینا سکھایا ہے اُس نے
یہاں نغمۂ "اوم" گایا ہے اُس نے
چراغِ ہدایت جلایا ہے اُس نے

اُجالا اسی سے ہوا چار سُو ہے | دیانند سوامی ہمارا گورو ہے

وہ آزاد دُنیا کے حرص و ہوا سے
وہ سورج چمکتا ہُوا معرفت کا
تڑپتا تھا دِل اُس کا جب دیکھتا تھا
وہ برہمچریہ کا جس نے پالن سکھایا
وہی گیان کا جس نے دریا بہایا

وہ دِل کو ہٹاتے ہوئے ماسوا سے
چمک اُٹھے ذرّات جس کی ضیا سے
بہت دُور انساں کو اپنے خدا سے
وہ خود جس پہ غافل رہا ابتدا سے
وہ دریا ہوئے جس سے سیراب پیاسے

ہر اک تشنہ لب جس سے اب تازہ دم ہے | دیانند سوامی ہمارا گورو ہے!

ہمارا گورو ہے دیانند سوامی

کپاتر کو دان دینا برا ہے

دان دیئے دھن نہ گھٹے

جاتی کے اناتھوں کو

بھکاری مت بناؤ

ہندو جاتی میں پہلے ہی بھیک مانگنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس پر بھی کچھ سوارتھی لوگ اسکو بڑھا کر جاتی کو ہانی پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ جگہ بجگہ تھوڑے تھوڑے اناتھ اکٹھے کر کے اُن سے سارا دن بھیک منگواتے رہتے ہیں۔ اور اُن کو سوکھا ٹکڑا دے کر آپ گلچھرے اُڑاتے ہیں۔ پر اناتھ ہوتے ہی ان کو چرا لے جاتے ہیں۔ اور سارا دن اُن سے بھیک منگواتے رہتے ہیں۔ سب کا فرض ہے۔ کہ وہ اناتھوں کو ایسے لوگوں سے بچاویں۔ ایسا تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب وہ اُن کو اُن کے کرچوں میں آنے پر دان دینے کی جگہ پر ڈانٹیں۔ کہ وہ ایسا کرنے سے باز آجاویں۔ اور جو اناتھ اُن کو کہیں ملے۔ اُن کو سیدھا **پنجاب کیندریہ اناتھ آلیہ** راوی روڈ و بدمسندر لاہور میں پہنچاویں۔ جہاں اس سمے ۷۰ سے اوپر اناتھ بالک اور کنیائیں پالن اور پوشن کی جاتی ہیں۔ اور شکشا پا رہی ہیں۔ اس اناتھ آلیہ کے لڑکوں اور لڑکیوں کو ایسے کپڑے پہنائے اس لئے روک دیئے ہیں۔ کہ وہ اپنے آپ کو اناتھ نہ سمجھیں۔ اور لوگ بھی اُن کو اناتھ سمجھ کر اُن کے ہاتھ میں دان نہ دیں اور وہ دان لینے کے عادی نہ ہوں۔ یہ اناتھ آلیہ **پنجاب اناتھ سنرکشنی** سبھا لاہور کے جس کے اس وقت تین سو کے قریب ممبر بن چکے ہیں۔ ماتحت ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس کے ممبر بنیں۔ اور اس کے انتظام میں موجودہ منتظموں کا ہاتھ بٹائیں۔ ہر ایک ممبر والے کا ہندو اس کمیٹی کا ممبر بن سکتا ہے۔ اردو ہندی اور انگریزی میں چھپے ہوئے قواعد دفتر اناتھ آلیہ سے مل سکتے ہیں ؛

دھن جو مانگے

اُس سے پوچھو۔ تمہاری کمیٹی کونسی ہے ؟ کون پردھان ہے۔ کون ممبر ہیں ؟ پھر سوچو کہ یہ تمہارے دھن کا ادھکاری ہے یا نہیں۔ کپاتر کو دان نہ دو ؛

پنجاب کیندری اناتھ آلیہ

ایک سبھا کے ماتحت ہے۔ جس کے اندر شری سوامی سوتنترانند جی مہاراج۔ پنڈت ٹھاکر دت شرما وید امرت دھارا)۔ مہاشہ کرشن مالک پرتاپ و پرکاش۔ پنڈت بشمبر ناتھ سابق گورنر گورو کل کانگڑی۔ ڈاکٹر روشن لال جی کھیڑہ پروفیسر میڈیکل کالج لاہور۔ ماسٹر شو دیال جی ایم اے پردھان آریہ سماج لاہور (وچھووالی) رائے صاحب مکھن لعل جی سابق چیف انجینئر جموں و کشمیر سٹیٹ وغیرہ وغیرہ معزز اصحاب شامل ہیں ؛

ہم اُن لوگوں کا دھنیاد کرتے ہیں۔ جو بنا مانگے ۷۰ سے زیادہ اناتھوں کے لئے اناتھ آلیہ میں دان پہنچا رہے ہیں۔ اور ہم آشا رکھتے ہیں۔ کہ دوسرے دانی بھی اپنے دان کا بھاگ یہاں پہنچاتے رہیں گے۔ تاکہ اُن اناتھوں کو بھی جو اس سمے اناتھ آلیہ میں روپیہ کے تھوڑا ہونے سے نہیں لئے جا سکتے اناتھ آلیہ میں لیا جاوے۔ اُن کو اچھی شکشا دے کر جاتی کا اچھا انگ بنایا جاوے ؛

ھیرانند شرما

سکرٹری پنجاب کیندریہ اناتھ آلیہ۔ راوی روڈ۔ لاہور

بہو بیٹیوں کو بطور تحفہ بھینٹ کرنے والی ہندی پستکیں

استری شکشا
استری شکشا پر ایسی طرز کی نادر کتاب ... کیا استری کس طرح اپنے گھر کو سورگ دھام بنا سکتی ہے؟ روزانہ برتاؤ کی راہ ... یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر بہو بیٹی کے ہاتھ میں پہنچا دی جائے ... اردو محض ہندی جاننے والی استریوں کے لیے لکھی گئی ہے ... علاوہ اخبار کے ... قیمت صرف ۸ر

آدرش پتنی
استری دھرم ... کی بڑھیا تصنیف اب کی مرتبہ تیسری بار بہت عمدہ چھپی ہے ... ایک آدرش پتنی میں کیا کیا گن ہونے چاہئیں ... مفصل بیان کیا گیا ہے ... قیمت ہندی ... بارہ آنے (۱۲ر)

ساوتری ستیہ وان
ستی ساوتری کی کتھا ... قیمت بارہ آنے

سیتا بن باس
بنگال کے مشہور ... ایشور چندر ودیا ساگر کی مقبول عام کتاب کا ترجمہ۔ گرہ لکشمی سیتا کے دیس نکالے کی دردناک داستان قیمت ہندی ۱۲ر مجلد ۱ر اردو ۹ر

جھجھلی
اشتہار ... دلچسپ اور ... قیمت دس آنے (۱۰ر)

بھارت ورش کی دیر ماتائیں ۱۲ر

دو سہیلیاں ۲ر

انجنا ہنومان
ویر ماتا انجنا ... ہنومان کی جیون چرتر ... قیمت ڈیڑھ روپیہ (۱۸ر)

ان کے علاوہ اور بھی بڑھیا بڑھیا کتابیں موجود ہیں۔ مفصل فہرست منگوا کر دیکھیں۔

اعلیٰ پایہ کی مقبول عام بھجن پستکیں

ایک لاکھ پچاس ہزار کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ بکنے والی تصویر بھجن پستک

پشپانجلی کا ہارمونیم ایڈیشن

سولہویں (۱۶) مرتبہ بالکل نئی سج دھج اور خوبصورت رنگوں میں چھپ کر دھڑا دھڑ بک رہی ہے

شروع میں مکمل ہارمونیم ودھی درج کی گئی ہے۔ تا کہ بلا استاد ہر استری پُرش باجہ بجانا سیکھ جائے۔ علاوہ ازیں ہر ایک بھجن کے ساتھ سرگم دے دی گئی ہے۔ تازہ ایڈیشن بڑے صبر سے چھپا ہے۔ اس میں پنجاب اور یو۔ پی کے شہرہ آفاق بھجن اپدیشکوں کے وہ وہ مقبول عام بھجن دیئے گئے ہیں۔ جن کے ایک ایک شعر پر تالیوں سے فضا گونج اٹھتی ہے۔ پانچ عدد فوٹو بلاک کی تصاویر اور خوب صورت جلد قیمت دو رنگوں میں چھپا ہوا ہندی ایڈیشن قیمت چودہ آنے (۱۴ر)۔ بغیر ہارمونیم کے صرف بھجنوں والا ایڈیشن قیمت دس آنے (۱۰ر) اردو میں سادی آٹھ آنے (۸ر) ہارمونیم ایڈیشن بارہ آنے (۱۲ر)

پریم گیتانجلی
یہ پشپانجلی کا دوسرا حصہ ہے۔ پشپانجلی کی طرح یہ بھی عجیب عجیب ہے۔ ایک ایک بھجن مردہ دلوں میں نئی روح پھونکتا ہے قیمت صرف ۴ر

استریوں کے گیت
اس میں استری شکشا، پتی ورت دھرم، سماج سدھار، ایشور بھگتی، دیش سیوا سنبندھی نہایت سریلے طرزوں کے بھجن دیئے گئے ہیں۔ جنہیں استریاں ڈھولکی پر گایا کرتی ہیں۔ قیمت ہندی میں صرف تین آنے (۳ر)

بھجن امرت (بھگتی رس کے بھجن ہندی میں) قیمت آٹھ آنے۔ ادبین رس سالہ (بھگت ... کے بھجن ہندی میں) قیمت تین آنے۔ بھجن سنکیرتن اردو ہندی فی ایک آنہ۔ بھجن ... آٹھ آنے۔ ست سنگ گٹکا ۲ر۔ شور بھجن مالا ۳ر۔ بھجن پشپانجلی چار آنے۔ پنجابی گیت ایک روپیہ۔ دیش بھگتوں کے گیت ہندی میں ۱ر

دیگر چیدہ چیدہ تصانیف
بھارت ورش کی ماتائیں قیمت ۱۲ر۔ سچی دیویاں قیمت آٹھ آنے۔ من چاہی سنتان قیمت اڑھائی روپے۔ ناری دگیان قیمت دو روپے۔ بھارت کی ودوشی استریاں قیمت بارہ آنے۔ ناری دھرم وچار قیمت دو روپے چار آنے۔ ناری شکشا قیمت دو روپے۔ گرہ بھادھان ودھی قیمت چار آنے۔ دو سہیلیاں دو آنے۔ سچی ... کوشلیا ... قیمت ۸ر۔ جننی اور شِشو قیمت دس آنے۔

علاوہ ازیں ہر قسم کی کتابیں بارعایت ملنے کا پتہ:

راجپال اینڈ سنز آریہ پستکالیہ سرسوتی آشرم۔ لاہور

پرکاش لاہور کارتی نمبر

۲۳ کارتک سمت ۱۹۸۸

میرا گورو

ایک ورش کے پیشچات پھر وہ شبھ اوسر آیا ہے جبکہ میں اپنے گورو کے چرنوں میں شردھانجلی کی بھینٹ دھر سکوں۔ لیکن یہ صرف کاغذی بھینٹ ہوگی۔ یا اس سے کچھ زیادہ۔ میرے گورو نے اگر صرف باتوں تک اکتفا کی ہوتی اور جو کچھ کہا تھا اس پر آچرن نہ کیا ہوتا۔ تو میرے جیون میں آشا وہ نہ ہوتا۔ آج اگر آشا نہیں ہے۔ تو میری اپنی کمزوری ہے۔ میرے گورو کا دوش نہیں۔ اس کا سارا جیون تیاگ کا جیون رہا ہے۔ مہاپرش بھی کئی پرکار کے ہوتے ہیں۔ وہ جو آرمبھ سے انت تک مہاپرش رہے۔ اور وہ جو کسی اوستھا میں آ کر اس اچیہ پدوی کو پراپت ہوئے۔ مہاتما گاندھی اس سمے سنسار بھر میں سروتم پرش مانے جاتے ہیں۔ لیکن ان کا جیون چرتر پڑھنے والے جانتے ہیں۔ کہ ان کے جیون کے آرمبھ کال میں کوئی ایسی گھٹنا نہیں ہوئی جس سے یہ سمجھا جا سکتا۔ کہ وہ کسی سمے مہاپرش بنیں گے۔ ہونہار برواکے چکنے چکنے پات کی مثل ان پر صادق نہیں آتی۔ ان کے شیشو کال میں کوئی ایسی گھٹنا نہیں ہوئی۔ جس سے کوئی سمجھ سکتا کہ یہ بچہ کسی دن کچھ بنیگا۔ لیکن میرا گورو وہ بچپن سے ہی اپنے اندر ایک نے الا پن رکھتا تھا۔ پرکرتی نے اسے ایک خاص سانچہ میں ڈھالا تھا۔ معلوم اس کے پُرانے جنموں کے سنسکاروں کا پھل تھا۔ یا کہ اس کے ماتا پتا کے سنسکاروں کا۔ کہ وہ ایسا پربل آتما اور ایسا پربل من لے کر اس سنسار میں آیا۔ کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی زبردست بیج زمین سے نکلتا ہے۔ تو وہ پھٹ جاتی ہے۔ دیانند نے اپنے بچپن میں ہی ایسے کام کئے۔ جن سے ہلچل پیدا ہو گئی اور دیکھنے والوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ بچہ کوئی انقلاب لائے گا:۔

ایک سادھارن سی گھٹنا جس نے مول جی کے جیون میں کرانتی پیدا کر دی۔ اس قسم کی گھٹنائیں تو ہم بیسیوں دن اپنے جیون میں دیکھتے ہیں۔ کنتو کوئی وشیش پربھاو نہیں پڑتا۔ شیو پوجن کی راتری تھی۔ اس کا سارا پریوار شیو کا اپاسک تھا۔ مندر میں گیا۔ اور رات بھر وہیں رہا۔ کچھ دیر کے بعد سب تو سو گئے۔ کنتو بالک کی آنکھوں میں نیند کہاں۔ وہ راتری تو اس کے جیون کی وشیش راتری تھی۔ اس کی کایا پلٹ ہونے والی تھی۔ وِدھاتا نے نشچے کر رکھا تھا۔ کہ اس راتری کو ایسی گھٹنا ہوگی۔ جو سنسار کو ایک اور نیا تیاگی۔ تپسوی اور سدھارک دے گی۔ بالک جاگتا رہا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہوتا ہے شیو کب آتے ہیں۔ کس روپ میں آتے ہیں وہ شیو کے درشنوں کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ شیو تو نہ آئے۔ ہاں ایک چوہا آ گیا۔ وہ شیو کی مورتی پر چڑھ گیا۔ اس پرساد کو کھانے لگا۔ جو بھگتوں نے چڑھایا تھا۔ اس گھٹنا نے بالک کے دماغ میں خیالات کا ایک نیا چکر چلا دیا کیا یہی وہ شیو ہے۔ وہ مہان شکتی ہے۔ جو سارے سنسار کا نِرمان کرتی ہے۔ اسے تو سب سے بلوان سمجھا جاتا ہے۔ کنتو وہ اتنا نربل ہے۔ کہ ایک چوہے کو ہٹانے کی شکتی نہیں رکھتا ہو نہیں سکتا۔ کہ سنسار کا رچیتا اور نیتا یہ ہو۔ سنسار کا کلیان کرنے والا شیو تو کوئی اور ہوگا۔ مجھے تو اس سچے شیو کے درشن کرنے ہیں۔ یہ وچار بالک کے دل میں جگہ کا گئے۔ اس کے بعد ایک اور گھٹنا ہوئی جس نے سمسیا نازک پر ایک اور تازیانہ لگا۔ کام کیا۔ بالک کے چچا اور بہن کی مرتیو ہو گئی۔ اسے ان سے وشیش پریم تھا۔ مرتیو بھی اچانک ہوئی۔ بالک نے اپنے دل سے سوال کیا یہ مرتیو کیا چیز ہے۔ گھر کے لوگوں سے پوچھا وہ تو کیا جواب دے سکتے تھے۔ اس پرشن نے بالک کے ہرد میں۔ وہ ویدنا اتپن کی کہ ہر وقت بے چین رہنے لگا۔ کسی شخص کے دل میں اپنے مجازی معشوق کے لئے بھی کیا تڑپ ہو سکتی ہے۔ جو اس بالک کے دل میں سچے پریتم کے لئے تھی۔ آخر وہ وقت آ گیا۔ جبکہ وہ اپنے جیون کا پہلا اور انتم قدم اٹھائے۔ ماتا پتا نے جب دیکھا۔ کہ بالک کا من تو کسی اور طرف کو جا رہا ہے۔ انہوں نے اسے وواہ کی زنجیر سے جکڑنے کی کوشش کی۔ اس کی سگائی کر دی گئی۔ اور وواہ کی تتھی نیت کر دی گئی۔ اس وقت اس کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ایک بار پکڑا گیا۔ پھر نکل بھاگا۔ نہ معلوم کونسی شکتی اسے آواہن کر رہی تھی۔ جس کا کہ وہ موڑ نہ سکتا تھا۔ اس سمے تو کسی کو معلوم نہ تھا۔ لیکن آج تو سب کو معلوم ہے۔ کہ وِدھاتا نے اس کے لئے ایک مہان کاریہ نشچے کیا تھا۔ وہ جو سنسار بھر کے ادھار کے لئے اتپن ہوا تھا۔ کیول کاٹھیاواڑ کے لئے کیوں رہتا۔ وہ جس نے سارے جگت کو اپنا کٹمبھ بنانا تھا۔ کیول چند ایک ویکتیوں کو کٹمبھ کیوں بناتا:۔

بالک دوسری بار گھر سے نکلا۔ اور ایسا نکلا کہ جیون پریت ادھر نہ گیا۔ جو دھان کر کے وہ اپنے گھر سے نکلا تھا۔ اسے پورن کرنے کے لئے اسے کتنے کشٹ اٹھانے پڑے۔ ان کے وستار میں جانے کی آوشیکتا نہیں۔ کوئی جاننا چاہے۔ تو رشی دیانند کا جیون چرتر پڑھ لے۔ سارا نشچے کر اس نے بن اور جنگل چھان مارے۔ پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں میں اس کی تلاش کی۔ کندراؤں کی گہرائیوں میں وہ گیا۔ پرنتو پریتم کے درشن نہ ہوئے۔ انت میں ہم اسے متھرا کے ایک ڈنڈی کے دروازے پر دستک دیتے دیکھتے ہیں۔ مول جی اس وقت تک دیانند بن چکا تھا۔ ورجانند کے چرنوں میں آتا ہے۔ اور کہتا ہے بھگون مجھے سچے شیو کے درشن کراؤ۔ ورجانند پوچھتے ہیں اس سمے تک کیا پڑھا ہے۔ دیانند جواب دیتا ہے۔ ورجانند کہتے ہیں۔ ان پستکوں کو جمنا جی میں پرواہ کرا دو۔ اپنے دل پر پتھر رکھ کر دیانند نے اپنی پریہ پستکوں کو جمنا جی کی بھینٹ کیا۔ اس کے بعد وہ گورو کے چرنوں میں رہنے لگا:۔

اس کے بعد دیانند کے جیون کا ایک اور پردہ اٹھتا ہے۔ اور وہ سمے ہمارے سامنے آتا ہے۔ جبکہ شکشا کا انت ہوتا ہے شِشیہ گورو کی سیوا میں انتم دکشنا لے کر اپستھت ہوتا ہے۔ سومیہ۔ میرے لئے کیا دکشنا لائے ہو۔ ایک سیر لونگ؟ گورو میرے پاس اور کیا دھرا ہے۔ یہ بھی بھکشا کر کے لایا ہوں لیکن مجھے تو تم سے اونچی آشائیں تھیں۔ میں اپنے لئے دکشنا لینا نہیں چاہتا۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں۔ سنسار کے لئے۔ پرے! وید کا سورج استھ ہو چکا ہے۔ سنسار وید کا سچا اور سیدھا مارگ چھوڑ کر بھٹک رہا ہے کیا اس کے ادھار کے لئے تم اپنا جیون نہیں دے سکتے۔ اندھے کو کیا چاہئے۔ دو آنکھیں۔ دیانند تو اپنا جیون لوک سیوا کے لئے دان کرنا ہی چاہتا تھا۔ اس نے گورو سے کہا۔ تتھاستو۔ آپ کی آگیا میرے سر ماتھے پر ہے میں وید کا سندیش سنسار کے چاروں کونوں میں پھیلا دوں گا:۔

دیانند نے اپنے گورو کے سامنے جو برت لیا تھا۔ اسے کس طرح نبھایا۔ اس کے متعلق مجھے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دنیا اس کی گواہ ہے۔ اسے صرف دس بارہ سال کام کرنے کو ملے لیکن اس عرصہ میں اس نے سارے بھارت میں تہلکہ مچا دیا۔ سچ پوچھو تو اسی کی آواز کی گونج ہے۔ ورنہ اس کے شِشیوں نے کوئی میدان نہیں مارا۔ میں بھی انہی میں سے ہوں۔ جو اپنے گورو کے نقش قدم چلتے ہوئے تن من دھن وارنا چاہتے ہیں۔ لیکن وار نہیں سکتے۔ یہ تو بھاگیہ کی بات ہے۔ کسی نے بڑے اچھے کرم کئے ہوں تب کہیں اسے تیاگ کرنے کا اوسر پراپت ہوتا ہے۔ دیانند جیسا گورو۔ اور اس کے شِشیہ سارے سنسار پر چھا نہ جائیں۔ تو سمجھو کہ جس بیج میں دیانند نے بیج ڈالا تھا۔ وہ اچھی نہ تھی۔ وشیشتیا اس اوستھا میں جبکہ انہوں نے ویدک دھرم جیسے ستیہ اور سارو بھوم دھرم کا پرچار کرنا ہو:۔

آریہ پُرشو! اس پنیت دِوس پر جب کہ تمہارے آچاریہ نے مر کر سنسار کو جینا سکھلایا۔ جبکہ انہوں نے سپشٹ دکھلا دیا۔ کہ مرتیو ان کے لئے کوئی بھے نہیں رکھتی۔ جب کہ انہوں نے سنسار کو مرتیو نجے بن کر دکھلایا۔ کیا تم کوئی وشیش برت دھارن کرنے کو تیار ہو۔ میری بات پر مست جاؤ۔ میں اس یوگیہ نہیں۔ کہ تم سے کچھ کہہ سکوں۔ اگر ہوتا۔ تو اس سمے کسی اور اوستھا میں ہوتا۔ اپنے گورو کے اپکاروں کا سمرن کرتے ہوئے ویدک دھرم کی سیوا اور لوک سیوا کا برت لے سکتے ہو۔ تو لو۔ سنسار کی پیڑت آتما تمہیں پکار رہی ہے۔ کیا تم بہرے ہو گئے ہو جو اس کی آواز نہیں سنتے۔ کیا تم بھلا کو یہ کہنے کا موقعہ دو گے۔ کہ دیانند نے تو اپنے گورو کی لاج رکھی۔ لیکن دیانند کے شِشیوں نے اپنے گورو کے گورو کو قائم نہ رکھا دیانند تو سچا شِشیہ ثابت ہوا ہے۔ کیا تم نہ ہو گے؟

پرماتما تمہیں شکتی دیں۔ کہ تم بھی رشی رن سے اُرن ہو سکو:۔

(کرشن)

برت دھارن کرو

رشی اُتسو واستوک روپ میں منانے کے لئے پرتیک آریہ نر ناری کو اس پرمپوتر دوس کو کم از کم برت دھارن کرنا چاہئے۔ میں پرتی دن سندھیا ہون کروں گا۔ آریہ سماج کے ساپتاہک اور دوسرے ست سنگوں میں شامل ہو کر ان سے لابھ اٹھاؤں گا دلت اُدھار اور بدھوا اُدھار کے سدھار میں یتن رہوں گا۔ اپتیادی۔ رشی اُتسو کا واستوک لابھ برت دھارن میں ہی ہے:۔

رشی دیانند کا انتم اُپدیش

"ایشور تیری اچھّا پُورن ہو"

(از شری پنڈت بھیم سین جی ودّیا النکار)

دیوالی کی رات آریہ جاتی کے اتہاس میں وشیش مہتو پُورن ستھان رکھتی ہے۔ شری رام چندر جی مہاراج نے اس رات کو ایودھیا میں راج ابھیشیک سماپتی منائی تھی۔ رشی دیانند نے اسی رات کو مرتیو پر وجے پراپت کر کے برہمچریہ کے تیج کو سنسار کے سامنے رکھا تھا۔ رشی دیانند نے اپنے جیون کال میں لیکھ اور مانی دوارا منش جاتی کے سامنے کئی طرح کے بہت اپدیش دیئے۔ پر لوک یاترا کی رات کو اوم کا اُچارن کرتے ہوئے "ایشور تیری اچھا پورن ہو" کا منتر اُچارن کر ایسفت جنتا کو ایشور وشواس کا انتم اپدیش دیا ٭

بھارت ورش اور آریہ جاتی کی پرادھینتا اور دُکھوں کے انیک کارنوں میں سے ایک کارن ایشور پر وشواس نہ کر کے منشوں اور سانسارک پدارتھوں پر آسرت ہونا ہے۔ رشی کا سارا جیون ہمیں ایشور وشواس کا اپدیش دیتا ہے۔ رشی کی شکتی اور آکرشن شکتی کا مول ایشور وشواس تھا۔ جبھی تو بھیانک آپتیاں بھی رشی کو نراش اور دکھی نہ کر سکیں۔ مکھ اپنی خوفناک صورت میں بھی انہیں وچلت نہ کر سکا۔ آریہ سماج کی آکرشن شکتی بھی اسی سدھانت پر نربھر کرتی ہے۔ آریہ سماج کے سبھاسدوں اور نیتاؤں میں جتنا ادھک ایشور وشواس ہوگا۔ آریہ سماج میں اتنا ہی ادھک آکرشن ہوگا۔ جیوں جیوں آریہ سماج کے سبھاسد ایشور کے ستھان پر دوسرے سانسارک پدارتھوں دھن دولت اور وکیلوں پر نربھر ہوں گے۔ آریہ سماج کا آکرشن کم ہوتا جائے گا۔ اس سمے آریہ سماج اور آریہ سماج کے نیتاؤں کو کرترم سادھنوں اور سانسارک جگ مگ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ آریہ سماج کے اتسووں میں آج کل اس پرکار سے کرترم سادھنوں کا سہارا لیکر آکرشن پیدا کیا جاتا ہے۔ اس سے آریہ سماج کی شکتی اندر اندر کم ہو رہی ہے۔ اس کمی کو دُور کرنے والا اوشدھ منتر "ایشور تیری اچھا پورن ہو" ہے۔ دیانند مہرشی تھے۔ انہوں نے وید منتروں کی ویاکھیا کی اور ورتمان سمے کی بھاشاؤں میں وید منتروں کا نچوڑ جنتا کے سامنے اس منتر کے دوارا رکھا ٭

ویکتیک جیون میں بھی ہمیں اسی سدھانت کا آسرا لینا چاہیئے۔ بیرونی سادھنوں دوارا ویکتیک آکرشن کو بڑھانے کی جگہ ہمیں اندر کی شکتیوں کو ایشور وشواس کی چھترچھایا میں وکست کرنا چاہیے۔ تبھی ہمارے آپس کے جھگڑے اور اشانتی دُور ہو سکے گی۔ ہمیں آج کے دن اسی منتر کا جپ کرنا چاہیے۔ اپنے ویکتیک جیون اور آریہ سماج کے ساماجک جیون کو اسی سدھانت کے انوسار ڈھالنا چاہیئے ٭

چار آنہ ندھی نہ بھولے

رشی اتسو ۹ نومبر کو سوم کے دن ہے۔ آریہ سماجیں اسے اُتساہ سے منائیں گی۔ یہ نشچت ہے۔ آریہ سماج کے اتہاس میں یہ پرو نہایت اہم ہے۔ کون آریہ مستک ہے۔ جو شردھا اور پریم سے اپنے گورو کے چرنوں میں جھک نہ جاتا ہو۔ کون آریہ ہردیہ ہے جو اپنے پوجیہ گورو کی یاد میں پگھلتا نہ ہوتا ہو۔ اس لئے اس میں تو سندیہ ہی نہیں۔ کہ آریہ جنتا اس پرو کو عقیدت سے منائے گی۔ اس پرو کا پروگرام کیا ہوگا۔ آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب نے اس سے تمام سماجوں کو بذریعہ خاص سرکلر سوچت کرا دیا ہے۔ آریہ سماجیں اس کے انوسار پرو منائیں۔ لیکن پرتیک آریہ سماج اس بات کا وشیش دھیان رکھے۔ کہ اس پرو کے پروگرام کا وشیش انگ چار آنہ فنڈ کو نہ بھولے۔ چار آنہ ایک معمولی سی رقم ہے۔ جس کا دینا کسی آریہ پُرش یا استری کے لئے مشکل نہیں۔ تھوڑی رقم رکھی اسی لئے گئی ہے۔ کہ کوئی آریہ اس کے دینے میں تکلیف محسوس نہ کرے۔ رقم معمولی ہے۔ لیکن قطرہ قطرہ بہم شود دریا کے مصداق اس سے ہزاروں کی رقم جمع ہو سکتی ہے۔ اس لئے پرتیک آریہ استری پُرش اپنے گورو کے پرتی شردھا اور بھگتی پرگٹ کرنے کے لئے اس یادگاری دن کو چار چار آنہ دینا اپنے آدھیاتمک کرتویہ کا ایک بھاگ سمجھے۔ آریہ سماجوں کے ادھیکاری پرتیک آریہ سے یہ رقم جمع کر کے آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب گورودت بھون لاہور کے دفتر میں بھیج دیں ٭

سودیش میں ودیش

(از شری گیان چند جی بی اے آریہ سیوک)

कृण्वन्तो विश्वमार्यम् سارے سنسار کو آریہ بناؤ۔ ان ویدک خیالوں کو لکش میں رکھتے ہوئے آریہ سماج تھا آریہ سماجوں کی ایک بڑی بھاری اُمنگ اور خواہش یہ ہے۔ کہ ویدک دھرم کو سنسار کے کونے کونے میں پھیلا دیں۔ مہرشی دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں فرمایا ہے کہ سب آریوں کا کرتویہ ہے۔ کہ اپنے دھرم کو دیش دیشانتر اور دویپ دویپانتر میں پھیلا دیں۔ یہ ایک دلپذیر خواب ہے۔ جسے ہر ایک آریہ بھائی ایک اصلیت کی شکل دھارن کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ آریوں کا خواب مبارک ہے۔ لیکن میں اپنے ہی دیش میں دیکھتا ہوں۔ تو مجھے سودیش میں ودیش نظر آتا ہے۔ سودیش (بھارت) کے کونے کونے میں ویدک دھرم کا سندیش پہنچ چکا ہے۔ ذیل میں دیئے حالات کو پڑھ لیجئے۔ اور پھر میرے پرشن کا اُتر دیجئے۔

शृण्वन्तु विश्वे अमृतस्य पुत्राः اس سنسار میں جتنے بھی پرانی ہیں۔ وہ سب ایک امرت پرماتما کے پتر ہیں۔

اس ورش ماہ اگست کے اخیر میں مجھے کلو آریہ سماج کے وارشک اُتسو کے بعد اس علاقہ کے دوایک مقامات پر جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ اس علاقہ کی آبادی کئی لاکھ ہندو ہے۔ لیکن آج تک آریہ سماج کا کوئی اپدیشک نہیں پہنچا۔ کلو کے ارد گرد کے سینکڑوں میلوں کے گھیرے میں صرف کلو ہی میں ایک چھوٹی سی آریہ سماج ہے۔ اس کے علاوہ اس علاقہ میں پرچار کا کوئی سادھن نہیں۔ دس برس ہوئے کیلانگ میں عیسائی لوگوں نے وہاں اپنا ایک مشن قائم کیا۔ دس سال لگاتار کوشش کا یہ پھل ہوا کہ انہوں نے گذشتہ برس ایک سو بیس خاندان لاہوتروں کے عیسائی بنا لئے ہیں۔ اور پتہ نہیں۔ کہ یہ سلسلہ کہاں تک چلیگا۔ کیا واستو میں یہ علاقہ اور ہزارہا گاؤں پرچار کی درشٹی سے ودیش کے سمان نہیں۔ اس لئے میں تو دیش پرچار کا سب سے اول کام یہ سمجھتا ہوں۔ کہ پہلے سودیش میں سے ودیش دور ہو اور ان ہزارہا گاؤں کی سدھ لیجائے۔ اس کے لئے ایسے ذرائع عمل میں لائے جائیں۔ جن سے ویدک دھرم کا سندیش عملی طور پر گرام گرام میں پہنچ سکے۔ وہ ذرائع کون سے ہیں۔ سنئے :-

سب سے پہلے ہمارا پرچار کا زاویہ نگاہ بدلنا چاہیئے۔ اس وقت پرایہ بہت سی سماجیں ایسی ہیں۔ جن کا پرچار سال میں ایک بار جلسہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ سالانہ جلسوں کا فائدہ تبھی ہو سکتا ہے۔ اگر جلسے سے آریہ بھائیوں میں اُتساہ پیدا ہو جائے۔ جو سال بھر کام کرنے میں سہائک ہو۔ جلسے کے بعد سے نئے لوگ آریہ سماج میں پروشٹ ہوں۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ جلسے عموماً دھن سنگرہ کا سادھن سمجھے جاتے ہیں۔ دھن بھی آ جاتا ہے۔ مگر جلسے پر خرچ اتنا اُٹھتا ہے۔ کہ اصل مقصد ویدپرچار کا حصہ نہ سے آریہ سماجیں کر پاتی ہیں ٭

اس وقت پرچار کا دوسرا سادھن ہیں سنستھائیں۔ ہر ایک سماج کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے آدھین کوئی سنستھا ہو۔ آریہ بھائی ان سنستھاؤں کے بوجھ کے نیچے ایسے دبے ہوئے ہیں کہ جب ان کے سامنے پرچار کے کام کی ضروریات رکھی جاتی ہیں۔ تو وہ ایک ٹھنڈا سانس لیکر رہ جاتے ہیں۔ وہ پرچار کو وسیع کرنے کے لئے دل سے مدد کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اپنی سنستھاؤں کی وجہ سے وہ اپنے آپکو بے بس پاتے ہیں۔ جلسوں اور سنستھاؤں سے فائدہ شہروں میں رہنے والے لوگوں کو پہنچتا ہے۔ جو آریوں کی کل تعداد کی ایک چھوٹی سی کسر ہیں۔ مگر ان آریہ لوگوں کو جو گاؤں میں رہتے ہیں۔ اور آریوں کی تعداد کا لگ بھگ ۸۰ فیصدی ہیں۔ وہ بالکل غریب ہیں۔ ان جلسوں اور سنستھاؤں سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ جلسے اور سنستھائیں بند کر دی جائیں۔ مگر اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ آریہ سماجیں اپنے زاویہ نگاہ کو تبدیل کریں۔ اور آریہ سماجیں اپنا اولین فرض یہ سمجھیں کہ انہیں اپنے تمام وسائل کا ویدپرچار کو وسترت کرنا ہے۔ اور وید پرچار اور دلت اُدھار میں دھن دینا فرض اولین سمجھیں۔ اگر آریہ سماجیں اس وچار شیلی کو دھارن کر کے سبھا کی مالی حالت کو مضبوط کر دیں۔ تو شیگھر ہی ایسی اوستھا آ سکتی ہے۔ کہ سبھا ویدک دھرم کے پرچار کو گرام گرام میں پہنچا دے تبھی "سودیش میں ودیش" کا خیال ختم ہو سکتا ہے اور تبھی آریوں کا پیارا خواب ودیش پرچار، عمل صورت اختیار کر سکتا ہے ٭

سوامی دیانند کا کام

از شری سوامی ستیانند جی مہاراج

۱

سوامی دیانند جی مہاراج سمہ کی اوشکتا ر سورتی تھے۔ اس کارن ان کا کام بڑا سچا اور اُتم تھا۔ انہوں نے اپنے جیون کال میں جو کام بڑے بل سے آرمبھ کیا تھا۔ اس کے چار بھاگ ہیں۔ ان کے کام کا پہلا بھاگ ایک اکھنڈ نراکار ایشور کا وشواس جنتا میں اتپن کرنا تھا۔ اس کام کو انہوں نے اپنے سارے بل سے کیا تھا ایشور کے سمبندھ میں جتنی بھی بھرانتیاں پھیل رہی تھیں۔ ان کو دور کرنے میں ان جیسا شاید ہی کوئی منش پہلے پرسِدھ ہوا ہوگا۔ لوگوں کی اور لکھے پڑھے لوگوں کی بھی دھارنا تھی کہ ویدوں میں انیک دیوتاؤں کا پوجن پایا جاتا ہے۔ یہ انیک دیوتاؤں کا ارادھن کرتے ہیں۔ پرنتو یہ شوبھا شری سوامی جی کو ہی پراپت ہوئی کہ انہوں نے وید کے پرمانوں سے اور ویدک ساہتیہ کے اواہرن سے یہ سدھ کر دکھایا کہ وید انیک ناموں سے ایک ہی بھگوان کا گن گاتے ہیں۔ ایک ہی ایشور کا ورنن کرتے ہیں۔ ایک ہی دیوتا کا ارادھن بتاتے ہیں۔ اور ایک برہم کا اپدیش دیتے ہیں۔

وید کے دیوتاؤں کے ناموں سے جو ودوان یہ مانتے ہیں کہ وید میں انیک ایشوروا د ہے ان کو چاہئے کہ وہ سوامی دیانند کے گرنتھوں کا منن کریں۔ ان کی یکتیوں کو جانچیں اور ان کی شیلی کو سمجھیں۔ میرے وچار میں سوامی جی مہاراج اپنے کاریہ کے اس بھاگ میں اپنے جیون کال میں ہی سپھل ہو گئے تھے۔

۲

سوامی جی کے کام کا دوسرا بھاگ نانا آتم واد ہے۔ جیو اننت ہیں۔ یہ وچار ہے۔ یہ ایک دارشنک یگ ہے۔ وگیان کا انگ ہے۔ اور کلپنا کا انگ ہے۔ اس یگ میں نانا آتم واد کو سدھ کرنا شری سوامی جی کا ہی کام تھا۔ شنکر آدی مہا مانیہ آچاریوں کے اور بھی ودوانوں کے وچاروں کو دیکھ کر جنتا موہت ہو جاتی ہے۔ ایسے سمے میں دویت واد کا منڈن کرنا بڑا کام ہے۔ پرنتو شری سوامی جی نے کچھ ایک ایسی سہج یکتیاں ستیارتھ پرکاش میں دی ہیں جنہیں سمجھ کر ویدانت واد کا سارا قلعہ آپ ہی بکھرا ہوا روپ میں دیکھنے لگ جاتا ہے۔

۳

سوامی جی مہاراج کا تیسرا کام ویدک سبھیتا کا ادھار تھا۔ یہ کاریہ انہوں نے بڑے وچار سے کیا۔ اس کاریہ میں ان کو ودیشی اور دیشی ودوانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مہاراج کے جیون کال میں لوگوں کا ادھک نشچے یہی تھا کہ ورتمان کال ہی سدھ ان کال ہے۔ سب انگوں سے سندر سمے ہے۔ سب پرکار سے اتم یگ ہے۔ ادھر علم جیسے آدر کے یوگیہ ہے۔ مہاراج نے ایسے نشچے کے ورودھ ایک سینک کی بھانتی سنگرام کیا اور وجیتا کی بھانتی وہ آدرسے دیکھے گئے آریہ جاتی کی جیون جڑ کو دڑھ کرنے کے لئے سوامی جی کا یہ کام امرت سمان سدھ ہوا۔

۴

سوامی جی کے کام کا چوتھا بھاگ سماج سدھار تھا۔ یہ کام کرتے ہوئے مہرشی کو گھور ورودھ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کام کے کارن

مہرشی دیانند

(از سری انت اندر جی بسترہا ماجھیرہ ضلع میرٹھ)

اے آفتابِ وحدت پھر جلوہ بار ہو جا
پیمانہ نظر میں پھر بھر دے نورِ عرفاں
پھر رنگ لانے والی ہیں غفلتیں ہماری
چلنے لگیں فضا میں پھر کفر کی ہوائیں
ہے جانکنی کی حالت پھر مادرِ وطن کی
مایوسیوں کی سر پہ چلنے لگیں گھٹائیں
ذروں کو تو عطا کر پھر فخر پائے بوسی
اہل وطن کو کر دے پیغام حق سے واقف
ہے راز دار فطرت صدق و صفا کے رہبر

اس کی زمیں کے پھر ذروں کو جگمگا دے
دریائے معرفت پھر چاروں طرف بہا دے
خوابیدہ روحوں کو پھر سے ہوش کی پلا دے
توحید کے ترانے دنیا کو پھر سنا دے
آساں ہو اس کی مشکل ایسی کوئی دوا دے
آ! مہر کامیابی پھر اک جھلک دکھا دے
پھر ہند کی زمیں کو رشک جناں بنا دے
باطل کا پھر دلوں سے نام و نشاں مٹا دے
ہندوں کے حال پہ پھر الطاف کی نظر کر

سوراجیہ اور آریہ سماج

(از شری ایس۔ ایس۔ ملکر بی۔ اے ایل ایل۔ بی ایڈوکیٹ رنگون)

گول میز کانفرنس کے مسلمان پرتی ندھیوں کے رویہ سے اگر کوئی بات سپشٹ ہے۔ تو وہ یہ ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد نے پورنیا کے اپنے صدارتی ایڈریس میں حال ہی میں بیان کیا ہے۔ کہ وہ برٹش نوکر شاہی کے مفاد کی لڑائی لڑنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد نے ٹھیک کہا ہے کہ غیر ملکی تجارت کے اجرا سے ہندوستان کی کسی اور جماعت کی نسبت مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوا ہے پھر بھی مسلمانوں کے برائے نام پرتی ندھی ڈاکٹر شفاعت احمد خاں نے گول میز کانفرنس میں کہا ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ ہندوستان میں برطانوی تجارت کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

ریاست کشمیر میں مسلمانوں کی مانگوں میں سے ایک یہ ہے کہ ریاست کی مجوزہ کونسل میں ایک یورپین ممبر ہو۔ وہ بمبئی سے سندھ کی علیحدگی پر بضد ہیں۔ ان کی غیر ملکی محبت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اگر پیغمبر اسلام گول میز کانفرنس میں آتے تو وہ مسلمان پرتی ندھیوں کی روش کی یقیناً مذمت فرماتے۔

اس کا علاج محض شدھی ہے۔ جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے۔ اگر آریہ سماج ریاست کے ودیا ورسی پنڈتوں کو اس بات پر رضامند کر سکے کہ وہ مسلمانوں کو شدھ کر لیں۔ تو کشمیری مسلمان شدھ ہو کر اپنے آبائی دھرم میں واپس آنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ آریہ سماج کو چاہئے کہ دھرم سمیلنوں کے ذریعہ ویدک دھرم کی عظمت ثابت کر کے وہ ریاست کے مسلمانوں کی شدھی کے لئے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھے۔ آریہ سماج کو چاہئے کہ وہ تجارتی اور سیاسی اعداد و شمار کا مطالعہ کرے اور انہیں اپنے پرچار میں بتایا کرے۔

شرح تبادلہ تل کی ایک جنبش سے ۸۰ کروڑ روپے جاتی ہے۔ روپیہ کی سٹرلنگ قیمت کا گرنا ہندوستانی کاشتکاروں کو اپنی زراعتی پیداوار کی اچھی قیمت وصول کرنے کے ناقابل بناتا ہے اور انہیں صنعتی اشیاء کی خرید سے روکتا ہے۔ اس طرح ملک کی صنعت اس سے تباہ ہوتی ہے۔ وہ مالیہ اراضی ادا نہیں کر سکتے۔ جس کا نتیجہ مرکزی اور صوبجاتی دیوالیہ پن ہے۔ روپیہ میں چاندی صرف ۹ پنس کی ہے۔

ہندوستان کو اس قدیم اور موروثی حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ ہندوستانی ٹکسالوں میں سونا دے کر سکے بنوا سکے۔ یہ ایک ایسا حق ہے جسے دنیا کے ہر ایک مہذب ملک میں تسلیم کیا جاتا اور عمل میں لایا جاتا ہے۔

چار کروڑ پونڈ کے گولڈ سٹینڈرڈ ریزرو میں سے قریباً نصف بنک آف انگلینڈ میں برٹش ٹریژری اور برٹش اور ڈومینین گورنمنٹوں کی کفالتوں پر لگا ہوا ہے۔

ہندوستان کی سالانہ تجارت برآمد ۰۰ ۔ ۲۰ کروڑ روپیہ اور تجارت درآمد ۰۰ ۔ ۵ کروڑ روپے سے اوپر ہے۔ برآمد میں خام اشیاء شامل ہیں۔ اور درآمد میں ہمارے خام مصالحہ سے تیار کیا ہوا صنعتی مال۔ اس طرح اصل منافع ہندوستان کے باہر چلا جاتا ہے۔

سوراجیہ سے جو حاصل کرنا مقصود ہے۔ وہ ہے۔ گورنمنٹ کے نہایت مہنگے نظام بھاری فوجی اخراجات جس سے ناقابل برداشت ٹیکس لگانا پڑتے ہیں۔ گورنمنٹ کی فری ٹریڈ کرنسی اور ایکسچینج پالیسی کے اثرات سے عوام کی حفاظت۔ جس سے ملک کی دولت کروڑوں روپیوں میں باہر نکل جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ ملک کی ناقابل اندازہ مصیبت اور تکلیف ہے۔

اس بات کو نہیں دیکھا جاتا کہ ملک کو اس لوٹ سے بچانے کے لئے کس طرح مذہبی اور فرقہ وارانہ سوال اٹھتا ہے۔ مشنری ہی ہیں جو برٹش گورنمنٹ کی تجارت اور حکومت کی قائمی سے پہلے ہی جا جاتے ہیں اور راستہ بناتے ہیں۔ اسی طرح آریہ سماج کو چاہئے کہ وہ مسلم اور ہندو جنتا کو ویدک دھرم کی خوبیوں سے پرچار کرے اور ساتھ ہی سیاسی حالت بتا کر کانگرس کے لئے راستہ صاف کرے۔ تاکہ پہلے ہندوستان میں اور پھر دنیا بھر میں چکرورتی سوراجیہ ستھاپت ہو۔ آزاد بھارت سارے سنسار کو غیر ملکی حکومت سے آزاد کر دے گا۔

آریہ سماج میں ہندو پن

(از شری سوامی سترادانند جی)

آریہ پن اور ہندو پن میں بھِن انتر ہے:

۱- ہندو پن کا یہ سبھاؤ ہے کہ وہ بغیر گنوں کے گورو کو چاہتا ہے۔

آریہ پن گنوں سے ہی گورو پراپت ہوتا ہے۔ یہ بتاتا ہے۔

۲- ہندو پن میں بے مطلب جھگڑوں کا ادبھار ہوتا ہے۔

آریہ پن میں ان فضول بکھیڑوں کا سدھار ہوتا ہے۔

۳- ہندو پن بد اعتقادی کے آدھین ہوتا ہے۔

آریہ پن سچائی کے جاننے ماننے اور اس پر وشواس کرنے میں پردین ہوتا ہے۔

۴- ہندو پن روڑھی واد کا داس ہو کر بدنام ہوتا ہے۔

آریہ پن جس روڑھی میں نقص دیکھتا ہے اس کو دور کرنے میں نیک نام ہوتا ہے۔

۵- ہندو پن وقت کی پریکشا میں بیکار رہتا ہے۔

آریہ پن وقت کو سمجھنے اور اس سے کام لینے میں ہوشیار رہتا ہے۔

۶- ہندو پن منشیہ سماج کو بندھن میں لاتا ہے۔

آریہ پن منشیہ سماج کو آزاد بناتا ہے۔

۷- ہندو پن بے قاعدہ اپنے کو تقدیر کے حوالہ کر دیتا ہے۔

آریہ پن باقاعدہ پُرشارتھ کو ساتھ لیتا ہے۔

۸- ہندو پن مصیبت کے وقت چشم چھپاتا ہے۔

آریہ پن مصیبت کو ہٹانے کے لئے اس سے مقابلہ کرنا سکھاتا ہے۔

۹- ہندو پن سامنے دام پیچھے کام کرنا بتاتا ہے۔

آریہ پن سامنے کام اور پیچھے دام ہے یہ سبق پڑھاتا ہے۔

۱۰- ہندو پن پرکرتی پوجا کا پوجاری ہے

آریہ پن پرمیشور پوجن کا ادھکاری ہے۔

بس ایسی ہی اور بھی بہت سی باتیں جو گُن دوش کے نام سے پکاری جاتی ہیں وچار لیں۔

اب آریہ سماج جس کو ہندو پن دوش نے دبایا ہے۔ اس پر بھی کچھ دھیان دیں آریہ سماج کا کام ویدوں کا یتھارتھ روپ جنتا کے سامنے لانا اور اس پر خود چل کر لوگوں کو اس پر چلانا تھا۔ یہ نہ ہوا۔ اصلی مطلب کو بھول کر اور بہت سے کام ہوئے ہیں ان سے وہ مطلب حل نہیں ہو سکتا ہے جو اصلی بات کے ہاتھ آنے سے ہوتا تھا۔ وہ کیسے حاصل ہو جبکہ طاقت سے زیادہ کام بکھیڑ کر فکر کو دامن گیر کر رکھا ہے۔ فکر مند دماغ صحیح بات کو نہیں سوچ سکتا۔ بے فکر دماغ تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب اصلی مطلب کو جان کر اس کو عمل میں لانے کی کوشش کرے۔ میرے بھائی ایک کام ہمت سے خوبصورت بنانا تھا بعد میں اس کے ذریعہ پھر کام کا بڑھانا تھا۔ اب آپ بتائیں تو اس بے مطلب کے تانے بانے میں اصلی مطلب یعنی پرچار کہاں گیا۔ ایسی حالت میں کہاں ویدوں کی شکشا کا ودھان ہو سکتا ہے۔ یہی کارن ہے کہ نہ تو ویدوں پر آکشیپ جواب دیا جاتا ہے اور نہ اس میں آنے والی الجھنوں کا سدھار ہی ہوتا ہے۔ یہی ہندو پن ہے جس نے آریہ سماج کو اپنے ادویش سے ہلا دیا ہے۔

میرے بھائی! آپ کو لابھ تو تب ہی ہوگا۔ جب ہندو پن چھوڑ کر آریوں کی طرح بیوہار میں سچے بنو گے۔ ایک دوسرے سے پریم کرو گے۔ دویش کو چھوڑو گے۔ یہ رسم و رواج اور تعلق توڑو گے اور نیک باتوں سے سمبندھ جوڑو گے۔ جیون کو نیک بنانا چاہیے ارم کا جپ کر دیا رام کو رٹو کچھ بھی فائدہ نہیں۔ ایشور کا بھجن کرنا بھی منشیہ کا کرتویہ ہے۔ رشی منی جس پرکار کرتے آئے ہیں۔ اسی مارگ کا انوسرن کرنا ٹھیک ہے۔ یہی آریہ پن ہے۔ اس کے وپریت سب ہندو پن ہے۔ اسے تیاگو اور سچے آریہ بن کر منشیہ جیون کو سپھل کرو۔

روس کو رشی دیانند کی ضرورت

(از پروفیسر دیوراج سیٹھی ایم۔ اے)

یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ سوشلزم۔ بالشوزم اور کمیونزم کی زبردست سکیم کو روس میں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر کے لینن اور اس کی ساری کمیونسٹ پارٹی نے دنیا کا اوپکار ہی کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک زہریلی لہر بھی چل رہی ہے۔ جو اگر ابتدا میں نہ روکی گئی تو بڑی مضر اور تباہ کن ثابت ہوگی۔

بالشوزم اور کمیونزم جہاں سرمایہ داری پر کلہاڑا چلا رہا ہے۔ وہاں دنیا کو ناستکتا کی طرف بھی زور سے لے جانے کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ کارل مارکس کی Historical Materialism۔ انا تمک بھوتک واد کی تعلیم بہت خطرناک ہے۔ اور حیوانی زندگی کی طرف لے جانے والی ہے۔ روحانیت اور ایشور کے خلاف بغاوت کا جھنڈا ہے اور روس میں اس فلاسفی کے بہت جلد پھیل جانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ صدیوں تک زار کے دوران حکومت میں دھرم کے نام پر معصوم غریبوں پر بہت ناروا سختیاں کی جاتی رہی ہیں۔ صلیبوں کی آڑ میں نہ جانے کتنی بے انصافی کی گئی اور کتنا خون ناحق بہا۔ پادریوں سے فتوے دلا کر کتنی حق تلفی اور لوٹ مار کی گئی اور صدائے حق کا گلا گھونٹا گیا۔ The Holy devil۔ راسپوٹن جیسے کتنے پارسا بدمعاشوں کی مدد سے لوگوں کو دھوکے میں رکھا گیا۔

اس کے خلاف آواز اٹھنی قدرتی طور پر لازمی تھی۔ لیکن اسے دوسری انتہا تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ "Banish gods out of skies and capitalism out of earth" آسمان سے دیوتاؤں کو اور زمین سے سرمایہ داری کو جلا وطن کر دو۔ دیوی دیوتاؤں کے پروہتائی Priest-craft کے فرقہ پرستی کے۔ راسپیوٹنزم کے خلاف جہاد کرنا نہایت لازمی تھا۔ وہاں پاکھنڈ کھنڈنی پتاکا کا پھہرانا اشد ضروری تھا۔

اگر اتنے پر اکتفا کیا جاتا تو بڑی خوشی اور سنتوش کی بات تھی۔ لیکن یہاں تو سچے دھرم اور روحانیت کو مضحکہ کی باڑھ میں بہا دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ایشور کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی صلاح دی جاتی ہے۔ عیسائیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو بھی بے تخت و تاج کرنے پر کوشاں ہیں۔ سرمایہ داری کو نکال کر حیوانیت اور بھوتک واد کا راجیہ قائم کرنے کی کوشش ہے۔ ایسے آڑے وقت پر سچے پتھ پردرشک مہرشی دیانند کی ضرورت ہے۔

کمیونزم کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے۔ کہ منشیہ کا اخلاق اتنا اونچا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے روزانہ کام فرض سمجھ کر کرے۔ اپنے آپ کو سوسائٹی کا انگ سمجھ کر یہ بھاؤ ہو کہ میں اتنی تندہی سے کام کروں کہ مجموعہ پیداوار خوب بڑھے اور کہ میرے کام نہ کرنے سے ساری جماعت کی کل آمدنی میں کمی ہوگی۔ اور اس سے میرا حصہ بھی کم ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو قوم کا ایک ویسا ہی ممبر سمجھنا جیسا کہ ایک چھوٹے سے پریوار کے ممبر سمجھتے ہیں اور پھر اسی اصول کو قوم سے بھی آگے بڑھا کر ساری منشیہ جاتی پر لاگو کرنا یہ کمیونزم کے بنیادی اصول ہیں۔

वसुधैव कुटुम्बकम्

ہی تو سچا دھرم ہے۔ یہی تو دھرم کا عملی سروپ ہے۔ اپنے ذاتی سوارتھ کو سوسائٹی اور منشیہ جاتی کے سوارتھ کے ساتھ ایک کر دینا۔ بسنا رچکر کو ایک بگیہ سمجھ کر اس میں آہوتی ڈالنا۔ یہی تو گیتا کا اپدیش ہے۔ کمیونزم کا ایسا سنہری بنیادی اصول ہوتے ہوئے بھی روحانیت کی طرف قدم نہ اٹھا کر ناستکتا کی طرف جانا یہ ایک بڑی تشویشناک بات ہے۔

وجہ یہ ہے کہ بھوتک واد کا بھوت اتنا سوار رہے کہ مٹی سے ڈھکے ہوئے آئینہ کی طرح روحانیت کو پرگٹ نہیں ہونے دیتا۔ ایسے نیک ارادوں والے اونچے اصولوں والے لیکن غلط راستے پر پڑے ہوئے روس کے لئے سخت ضرورت ہے کہ آنتی درشی کرم یوگی دیانند کی جو بھٹکے ہوئے بالشویکوں کو اپنشدوں کی تعلیم دکھ دور ان ہو سکتا کا ٹھیک رستہ دکھلا کر دنیا کا کلیان کر سکے۔

بھارت میں رام آ!

(از شری نگن چند روشن بی۔ اے ایل ایل۔ بی وکیل پانی پتی)

پھر ہو کے فتحیاب تو بھارت میں رام آ — نردھن پکارتی ہے تو نردھن کے کام آ
نورِ جمال سے ہو منور گلی گلی — سب ہندیوں کو ہو ترا دیدار عام آ
پیمانہ اپنے صبر کا لبریز ہو گیا — بھگتوں کی زندگی کا چھلکتا ہے جام آ
آنا پڑیگا تجھ کو غلاموں کے درمیاں — اے شاہِ بے نیاز! تو بن کر غلام آ
روتے ہیں تیری یاد میں اہلِ وطن ترے — دنیا سے مٹ رہا ہے اجودھیا کا نام آ
دسرتھ کے تخت پر نہ رہا جلوہ گر کوئی — خالی ہے تخت اے شہِ عالی مقام آ
ہمدرد آج کوئی نہیں اہلِ درد کا — بیساختہ زباں سے نکلتا ہے رام آ
تو بھول جائے ہم کو نہ بھولینگے ہم تجھے — ہوتا ہے پاٹھ تیرا یہاں صبح و شام آ

روشن ہوں تا کہ گھی کے دیے بزمِ ہند میں
اے رام اپنی فتح کا لیکر پیام آ

"وہ جسے تیر و تبر، تیغ و سناں کا ڈر نہ تھا"

(از شری شیولال بگا گلشن میانی شاہ پور)

وہ دیے جو زینتِ عالم ضیائے شہر تھے — وہ دیے جو رونقِ محفل نشاطِ دہر تھے
ہائے وہ مغموم ہیں یا تو کس میں بیزار ہیں — سر جھکا کر شرماتے ہیں [illegible]
اب نہ ان میں وہ ضیا ہے روشنی ہی تو ہے — رونق و دلکش ادا تا ہو [illegible]
حیف یہ ثابت ہوئے تیرے لئے پیامِ اجل — زہر کا پیالا بنا تیرے لئے [illegible]
آج کا تھا روز دیوالی کی گویا شام تھی — جو رشی کے واسطے اک موت کا [illegible]
وہ رشی وہ آفتابِ وید وہ جانِ جہاں — بے نوا دل بیکسوں کا ہندیوں کا [illegible]
وہ کہ جس نے زندگانی قوم پر قربان کی — وہ کہ جس نے آن کر عزت رکھی [illegible]
وہ جسے تیر و تبر تیغ و سناں کا ڈر نہ تھا — موت کا خطرہ جسے [illegible]
"ہو پربھو پورن تری اچھا" یہ کہہ کر سو گیا — مسکراتا ہنستا دنیا سے رخصت [illegible]
وہ رشی وہ برہمچاری وہ سہارا قوم کا! — ہو گیا روپوش دنیا سے [illegible]
اے ہمارے رہنما اے حامیِ ویدک دھرم — آج تک دیکھا نہ کوئی ثانی [illegible]
آن کر تو نے جگایا خفتگانِ یاس کو — گیان کا رستہ دکھایا خفتگان [illegible]

سر جھکائیں کیوں نہ گلشن ہم تجھے تعظیم سے
ہو گئی بیدار دنیا جب تری تعلیم سے

رشی کے درشن

چھٹی پتری ہیں

(از شری پنڈت ہوتی جی ایم اے آریہ سیوک)

رشی دیانند کا پتر و یوہار سب سے پہلے پرکاش کرانے کا شرے سورگیہ سوامی شردھانند جی کو ہے۔ انکے چھپائے سنگرہ میں رشی کے اپنے پتر کم ہیں۔ انیک وہ ہیں جو دوسرے سجنوں نے مہرشی کی سیوا میں بھیجے تھے۔ اسکے بعد لاہور ڈی اے وی کالج کے پنڈت بھگوت دت جی نے رشی کے پتروں کی کھوج کرانے میں سراہنیہ پرشرم کیا ہے۔ انکے چھپائے سنگرہ میں رشی کے ہی پتر ملتے ہیں۔ انہیں تھے گئے دوسرے جنوں کے پتر اس میں شائع نہیں کئے گئے ⁘

ہمیں پچھلے دنوں شری کرشن سنگھ جی زار ٹ۔ پیٹرن پیالہ راجیہ کے تھاسک شری جگل کشور سنگھ جی کی کرپا سے دس فائلیں رشی کے پتر دہار کی ایسی ملیں۔ جن میں ۱۳ پتر اور ایڈریس آورسیاں تو رشی کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی یا لکھوا کر اپنے ہاتھ سے ستخط کی ہوئی اور ۰۶ پتر راجستھانی رجواڑوں کے راجاؤں یا ان پرتشٹت دیکتیوں کے سنگرہت ہیں۔ ان دونوں پرکار کے پتروں سے رشی کے جیون کے انتم (سمہ ۱۹۳۲ سے سمت ۱۹۴۰ بکرمی تک کے) بھاگ پر جو سوما راجستھان میں دیتیت ہوا۔ اچھا پرکاش پڑتا ہے۔ چھپی جیونیوں میں پاٹھک بیکتوں کے دچاروں کے آگے ان ہی رشی کے پوتر چرتر کی تصویر دیکھتے ہیں۔ یہ چتر اس کر ترم آلوک کو چتر کے ادبیسے بنادیتے ہیں۔ اور رشی! اپنے دلسکوک رنگ میں درشک کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس سا کشیتکار سے پہلے کے بیاگی پاٹھکوں کو بتانے کے معنے ان پتروں کے متعلق کچھ پریچے یہاں دیا جاتا ہے۔

سب سے پہلی فائل شری ٹھاکر کرشن سنگھ جی دا ہسٹ اور مہرشی کے آپس کے پتر وہار کی ہے۔ اس کا پہلا پتر اساڑھ سدی سمت ۱۹۳۹ کا اودے پور آدھیش کی طرف سے مہرشی کے نام لکھا ہوا ہے۔ اس میں رشی ور سے پرارتھنا کی گئی ہے کہ یہاں بالوری لوگ گلیوں اور بازاروں میں دیاکھیان دیتے ہیں۔ اس لئے وچار ہے کہ آریہ سماج کا کوئی ودوان یہاں بلایا جائے۔ اور آریہ دھرم کے ورشہ میں دیاکھیان دینا آرمبھ کرایا جائے۔ لیکن اُسے تیرتھ۔ مندر اور مورتی پوجا کا کھنڈن نہ کرنا ہوگا ⁘

اس فائل کے پتر ۱۲ کا جو شراون بدی ۹ سمت ۱۹۴۰ کا لکھا ہوا ہے۔ العبارۃ یہ ہے کہ قرآن اور انجیل کا کھنڈن پہنچا۔ وہ سنہ ماہانوں (مہارانا اودے پور) کی سیوا میں ارپن کیا گیا۔ اُن کی آگیا ہے کہ ہمارا اقتصار شاستر تھا نہیں جو اس کے انتر میں رشی ور کا پتر فائل ہے۔ وہ اس مطلب کا ہے کہ میرا منشا پادریوں کے ساتھ شاستراتھ کا نہیں۔ البتہ ایسا ایڈریس کیا جائے کہ ہر جا کا کوئی شخص اُن کے مذہب میں نہ جیسے۔ اس مقصد کے لئے جو در کھنڈن بھیجے ہیں۔ انہیں چھپوا کر دیگر پر زبان میں تقسیم کرا دیا جائے ⁘

پہلے پتر کا آر ایڈیشک تیرتھ مندر یا مورتی پوجا کا کھنڈن نہ کرے کے انتر میں رشی ور کے اسی پتر میں ہے۔ کہ جب تک ایڈیشک جھوٹ مت کو مانیگا۔ اور دوسرے جھوٹ مت کے کھنڈن میں پرورت ہوگا۔ کچھ بھی نہ کر سکیگا۔ جب تک منش سوئم جھوٹی باتوں کا تیاگ کر کے ستیہ باتوں میں نشچیت پرورت نہیں ہوتا۔ تب تک دو آلوک شکتی پرماتما کی اُدسے نہیں ملتی۔ اور نہ درڑھ اُتسا ہی وہ ہو سکتا ہے۔ یادت ان نیبائی آدی کے سامنے دیدک مت انو سار ایشور دھرم آدی کو نہیں مانتا۔ اور مورتی پوجا آدی کرما ہے۔ تب تک وہ جگہ کھنڈن کرنے کو آپ ہی کھنڈن ہو رہے گا ⁘

ان پتروں سے جہاں رشی کے ستیہ پر درڑھتا کا ثبوت ملتا ہے۔ وہاں یہ بھی نشچیت ہوتا ہے کہ بائبل قرآن کے کھنڈن کی سامگری رشی کے جیون کال میں ہی تیار ہو لی تھی۔ یہ کھنڈن ستیارتھ پرکاش کے ۱۳ دسم ۱۴ سمولاس ہی تھے۔ بالکچھ اور۔ اس وشے میں انوسندھان کی آوشیکتا ہے ⁘

فائل ۳ میں سودا کے راؤ جی بہادر سنگھ کے رشی کی سیوا میں بھیجے گئے پتر ہیں۔ ان میں پتر ۳ ۱۹ اکتوبر کا لکھا ہوا ہے۔ دو رشی کے انتم روگ سے جو آخر رشی کے پرلوک گمن کا کارن ہوا۔ سمبندھ رکھتا ہے ⁘

فائل ۶ میں دربار سکول سودا ضلع اجمیر کے سنسکرت ادھیاپک چھگن لال کے پتر نکلے ہوئے ہیں ⁘

فائل ۸ - اودے پور نریش مہارانا شری سجن سنگھ اور رشی کے پرسپر دیوہار کی ہے۔ اس میں کئی کئی پرشنوں سے رشی دیانند کے اپنے ہاتھ کے سیاہی اور پنسل سے لکھے ہوئے ایڈیشن ہیں۔ ایک ایڈیشن میں رشی ور مہارانا کو لکھتے ہیں:-

نزائے سہ ہ تعوریں میں نکھت کاریہ ادھیہ کیجئے یعنی ایک دید منتروں سے ہوم دوسرا سوا لاکھ روپیہ کھشا ترشالا اور پچیس ہزار روپیہ اناتھ پرورش دوسرا اور روگیوں کے پالن کے لئے اور دس ہزار روپیہ دیدک دھرم پرچار اور آرش گرنتھوں کے چھپوانے پر دان کرنے کے لئے اور بیس ہزار روپیہ وہاں کے کھشتریہ سرداروں سے کر کھشا ترشالا سنقاپن شیگھر کیجئے گا ⁘

ایڈریس ۱۳ کے ۱۵ ویں پیرا میں جو رشی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ گورکشا کے متعلق ہے کہ مضی شیگھر نہیں چاہئے۔ جیتنی آپ لارڈ رپن کے سمے میں اس کاریہ کی سدھی کی ہے اتنی دوسرے گورنر کے سمے میں نہیں۔ اس لئے یہ کاریہ شیگھر ہونا چاہئے۔ اشارہ اُس پرارتھنا پتر کی طرف ہے۔ جو رشی نے چھپوا کر گو کرنا ندھی کے ساتھ تقسیم کرایا تھا۔ جس پر ہندو مسلمان عیسائی سب کے دستخط ہونے تھے اور جس پر اکیلے شاہپورہ نریش نے چالیس ہزار ہستاکشر کرائے تھے۔ میں کھشتریہ شالہ کے نرمان کے لئے رشی ور نے لکھا تھا۔ اودے پور نریش نے اس کا بن کرنا مان لیا تھا۔ لیکن بعد میں یہ یوجنا رہ گئی۔ رشی اس سماچار کی پراپتی پر لکھتے ہیں:-

کھشتریہ شالہ کا آدیوگ شیتھل ہوا۔ یہ شوک کی بات ہے۔ یہ پتر فائل ۸ میں ۱۵ ویں نمبر پر ہے۔ فائل ۸ پر ایک سیماوی ملتی ہے۔ اس سا نیم ۴۱ یہ ہے۔ "راجیہ کا بھار ایک پر نہ رکھے۔ کنتو راج پرش اور پرجا پرش کی انومتی کے انوکول پر چلن کریں"۔

نیم ۴۹ اس پرکار ہے:- "اپنے آتماد شریر کو راج کا ادھیکاری نہ سمجھے۔ کنتو راج نیتی ہی کر راجا اور راج ادھیکاری مانیں"۔

فائل ۹ میں جودھپور آدھیش شری مہاراجا جسونت سنگھ کے دو پتر اور مہرشی کے لکھوائے اور اپنے ہاتھ سے ستخط کئے ہوئے پتر ہیں۔ ایک پتر اڈر راجہ تیج سنگھ کے نام ہے ایک پتر میں اس دیش میں درشا کی کمی کو دور کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ کہ اگر دس ہزار روپیہ کا گھرت آدی سے روزانہ اور درشا کال میں چار ماہ ہر سال ادھک ہوم کرا دیں گے تو سنبھو ہے کہ دیش میں نردگ بزن اور درشا ادھک ہوا کرے ⁘

جودھپور نریش کے نام رشی ور کے پتر ۱۲ میں اُن کے دوشوں کی طرف دھیان دلایا ہے۔ جن میں ننھی جان ویشیا سے پریم اور سنگ کا درنن سب سے پہلے ہے۔

فائل ۱۰ میں جودھپور نریش کے انت پور میں رہنے والی ایک داسی کی رام کہانی ہے۔ اُسے راجا کے کسی مسلمان مصاحب کے لقست انیا چاروں کی شکایت ہے۔ داسی کے ہردے میں آنتم سدھار کا شبہ کا منا آدر ہوتی ہے۔ اسی سے وہ اس پتر دوارا رشی کے پوتر پادن چرنوں میں آتی ہے۔ پتر ایک ردی سے کاغذ پر ٹوٹے پھوٹے اکشروں میں لکھا ہوا ہے ⁘

جن پتروں کا اوپر درشن کیا گیا ہے اُن کے علاوہ اور بھی کئی پتر ہیں۔ جن کا درشن اس چھوٹے لیکھ میں مشکل ہے۔ انت میں دوہا دیا جاتا ہے۔ جو ٹھاکر کرشن سنگھ نے لکھا ہے ⁘

دوہا

وکٹ وسال کول سلے بھلاس بھیرو
جائیں بھورے جوراتی جو نی جنادتے
مکر تمنگ لادی ہوئے گئے انجیل واتے
قرانی پرانی ہوئے دُسہ وشادتے
دیا نندر سنار سالی ستیہ لالن کی
جونہ کلی کال بیچ کشیپنی لگا دنے
آلے گا اپار مت کو لین بہداہ بیچ
دید دھرم نوکا کار ڈھی کیسے پار پادنے

⁘

راجستھان کے راجے تو رشی کے اِتنے بھگت ہو گئے تھے۔ کہ انہوں نے رشی ور سے دن چریا بنوا کر اپنے جیون کا اُدھار رشی کے دوارہ شروع کر دیا تھا۔ فائل میں کئی ایک دن چریا پائی جاتی ہیں۔ اُن میں پراتہ چار بجے اُٹھنے۔ یوگ ابھیاس کرنے۔ پرمیشور نام سمرن کرنے۔ منوسمرتی کا ادھیاپن کرنے سمے پربھوجن شینین آدی اور راجیہ کاریہ میں پرتی دن چھ گھنٹے لگانے کا ودھان کیا گیا ہے ⁘

⁘

آریوں کو آریہ بننے کی ضرورت!

(از سنتری پوجیہ مہاتما نارائن سوامی جی پردھان سارودیشک آریہ پرتی ندھی سبھا)

مضمون کی سرخی دیکھکر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ آریوں کو آریہ بننے کے کیا معنی۔ لیکن سچائی یہ ہے۔ کہ آج جتنے مرد عورت اپنے کو آریہ کہتے ہیں۔ اُن میں سے بہت تھوڑے انگلیوں پر شمار ہو جانے کے قابل آریہ ہوتے ہیں۔ باقی محض نام کے لئے آریہ کہے جاتے ہیں۔ اُن میں آریہ ہونے کی بات کوئی نہیں یا کوئی نہیں کے برابر ہوتی ہے۔ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ آریہ سماج کا ایک ایک سبھاسد اپنے سوادھیائے شیل ہونے کی وجہ سے غیر مذاہب والوں سے مباحثہ کر سکتا تھا۔ سنسکار کرا سکتا تھا۔ اور ستیارتھ پرکاش وغیرہ کتابیں معمولی آدمیوں کو پڑھا بھی سکتا تھا۔ جس گاؤں قصبہ یا شہر میں ایک بھی آریہ رہتا تھا۔ اس کے کاموں کی وجہ سے وہاں کے رہنے والے سبھی آسے جانا کرتے تھے وہ ذمہ وار سا سمجھا جاتا تھا۔ کہ جہاں وہ رہتا تھا۔ کوئی ہندو آریہ دھرم سے پتت نہ ہونے پاوے۔ وہ محض سوادھیائے شیل ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس کے اندر چرتر کا بل FORCE OF CHARACTER بھی ہوتا تھا اگر وہ ملازمت میں ہوتا تھا۔ تو رشوت لینا گناہ عظیم سمجھتا تھا۔ اگر وہ دوکان دار ہوتا یا تجارت کرتا تھا۔ تو بیوہار میں سچائی اس کی خصوصیت ہوتی تھی۔ ممکن نہیں۔ کہ اس کی دکان پر کسی بھی چیز کے دو نرخ ہوں۔ اگر وہ وکیل ہوتا تھا۔ تو بہت سے غریبوں کے کام مفت کرتا تھا۔ اور اُس کی بھی تمیز دوسرے وکیلوں سے کی جا سکتی تھی۔ پُرانے آریوں کے انہی صفات نے آریہ سماج کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ ہر ایک جگہ جہاں بھی آریہ سماج کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کی تعریف ہی ہوتی تھی۔ اسی لئے لوگ آریہ سماج کی طرف مائل ہوتے تھے۔ اور اچھے سے اچھے تعلیم یافتہ آریہ سماج میں داخل ہونے کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتے تھے۔ کیا آج اپنے تئیں آریہ کہلانے والے ایسے ہی آریہ ہیں؟ بہ یہ حال ہے۔ جو آج رشی دیانند کا نرواں اُتسو (निर्वाणोत्सव) مناتے رہتے ہیں اپنے سے بھی کرتا ہوں۔ اور پرتیک آریہ نرناری سے بھی کرتا ہوں۔ ہر ایک کو اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھکر جواب دینا چاہئے۔ اگر جواب صحیح ملیں تو اُن میں سے بہت زیادہ نمائش کرنے والے ہوں گے۔ سچ پوچھئے۔ تو آج ایسے جواب لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ خود آریوں کی موجودہ

حالت زبان حال سے جواب دے رہی ہے۔ کہ اُن میں کتنا آریہ پن ہے۔ رشوت لینے والے لیکن آریہ سبھاسدوں کی فہرست میں ان کے نام ہیں۔ آریہ سماج کے ادھیکاری یا کسی پاٹھ شالہ یا سکول کے منیجر بننے کی خواہش اُن کے دل میں رہ رہ کر اُٹھ رہی ہے۔ تجارت میں استیہ کا بیوپار کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آریہ سماج کے پرتشٹت سبھاسد ہیں۔ دکان دار ہیں۔ لیکن مجال ہے۔ کہ اُن کی دکان پر کسی چیز کا ایک مقررہ نرخ ہو۔ پھر بھی سماج میں اُن کا بڑا مان ہے۔ کیونکہ لالہ جی اسکول کے لئے سو دو سو روپیہ چندہ ہر سال دے دیا کرتے ہیں۔ پرانے آریہ جہاں آریہ سماج کے عہدوں سے بچا کرتے تھے۔ وہاں آج عہدوں کے لئے جگہ جگہ لڑائی ہوتی ہے۔ اگر آریہ سماج کے کسی فرد کو جو آٹھ دس سال سے سماج یا کسی سکول کمیٹی وغیرہ کا پردھان ہے۔ بوجہ اُن کے عہدے سے ہٹا کر کسی دوسرے کو پردھان بنا دو۔ بس یہ وجہ کافی ہے۔ کہ وہ سماج یا سکول کا مخالف بن جاوے۔ تم اس سے بڑھ کر کسی کی توہین اور کیا کر سکتے تھے۔ کہ ایک موروثی پردھان سے تم نے اس کا حق موروثیت چھین لیا۔ آج ایسے سماج ہیں۔ جہاں تیس تیس سال سے ایک ہی عہدہ دار چلے آتے ہیں۔ بھلا ممکن ہے۔ کہ انہیں کوئی ہٹا سکے۔ انہیں اُدھیکاروں کے لئے سماجوں میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ پارٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ بھائی بھائی ایک دوسرے کی عزت کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ کچھ سماج کے سبھاسد ہی نہیں جھگڑے بلکہ اُپدیشک اور سنیاسیوں کا بھی یہی حال ہے۔ سماجوں میں جائیں گے۔ سدھانت پر کتھائیں نہیں دیں گے۔ کیونکہ اس کے لئے تو کچھ پرشرم کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کا دکھیان یہ ہوگا۔ کہ آریہ سماج نے کچھ نہیں کیا۔ پرتی ندھی سبھا کچھ نہیں کر رہی۔ اور سارودیشک سبھا بھی کچھ نہیں کرتی۔ ان مہاتماؤں سے کوئی پوچھے۔ کہ تم کیا کر رہے ہو۔ بس یہ سوال کیا۔ کہ لڑائی خرید لی۔ اب سنیاسی جی ہیں۔ کہ ماننے سے نہیں مانتے تم نے ایک سنیاسی کی توہین کر دی۔ سماس کی عزت خاک میں ملا دی۔ کئی اُپدیشک کتب فروشی کا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کا دکھیان سوائے کتاب بیچنے کی کوشش کے اور کچھ نہیں ہو سکتا غرضیکہ نیچے سے اوپر تک دیکھو تمہیں آدے ۴۲

ص ۴۲ کا آدھا ہی بگڑا ہوا دکھائی دے گا۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کہ آریہ سماج میں اب اچھے آریہ۔ اُپدیشک یا سنیاسی نہیں ہیں۔ ضرور ہیں۔ اور اُن کا اوسط ہندوستان کے اب بھی سبھی سبھاؤں اور سوسائٹیوں سے زیادہ نکلے گا۔ میرا مطلب جو کچھ میں نے کہا ہے یہ ہے۔ کہ جہاں پہلے زیادہ سے زیادہ اچھے ہوتے تھے۔ وہاں اس کے تناسب سے اب کم سے کم اچھے ہیں۔ اس کو میں آریہ سماج کی ترقی کی رفتار تو نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ ہر ایک آریہ نرناری رشی دیانند کے نرواں کے دن یہ عہد کرے۔ کہ وہ بھوشیہ میں سوادھیائے شیل بنے گا۔ اور اچھے کو زیادہ سے زیادہ اچھا بنانے کی کوشش کرے گا۔ آریہ سماجوں کو بھی چاہئے۔ کہ وہ محض چندہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ چرتر کے لحاظ سے آریوں کو آریہ سبھاسد بنایا کریں۔ جس کا عملی جیون نہ ہو چاہے۔ کتنا ہی دولت مند یا اور طرح سے بڑا آدمی۔ وکیل یا بیرسٹر کیوں نہ ہو۔ اس کو ہرگز آریہ سبھاسد نہ بنادیں۔ اُسے آریہ ہی رہنے دیں۔ آریہ سماج کی باگ ڈور ہمیشہ سچے عملی ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہئے۔ یہی سندیش ہے۔ جو آج رشی دیانند کے نام لیوا آریوں اور آریہ سماجوں کو دیتا ہوں۔

مشعل صداقت

(از قلم جناب منشی نربدا پرساد صاحب ورما آغاجی گیاوی پٹیالہ)

جب ہو رہا تھا جینا دنیا میں ہم کو دوبھر ظلم و ستم کے حملے ہوتے تھے ہم پہ اکثر
ہم جی رہے تھے لیکن مردوں سے بھی تھے بدتر تاریکیتے جہاں میں مشعل کا کام دے کر

ہندوستاں کو سوامی رستہ بتا گیا ہے

نوہم پرست دل کے تھے ولولے نرالے مذہب کی الیسی نیسی۔ ایمان بیچ ڈالے
مندر کہیں کہیں تھے شو جگت کے شوالے بھارت نے جب دعا کی آکر کوئی سنبھالے

اس وقت ہم کو سوامی آکر بچا گیا ہے

سر پہ ہمارے جن تھا بھاری چھوت پن کا گویا الگ پڑا تھا مالا سے منکا منکا
ایشور کا نام لینا اک بوجھ تھا دہن کا معیار کوئی بھی تو باقی نہ تھا چلن کا

سن کر فسانہ غم کا دل تلملا گیا تھا

غفلت میں ہم پڑے تھے مدہوش ہو رہے تھے ہندوستان کی پونجی نا اہلوں کے کھو رہے تھے
قسمت پہ کر رہی تھی ارمان رو رہے تھے دو چار جاگتے تھے دو چار سو رہے تھے

ایسے میں ہم کو سوامی آکر بچا گیا ہے

جارے بڑھی ہوئی تھی دم ہوا اپنی مصیبت اُنچ نیچ بھی ہوا اپنے ہیجوں سے ہم کو نفرت
گنگا تھمی ہوئی تھی چلنے لگے تھے پربت تھے سینکڑوں ہم آدھے اور سینکڑوں دلوں میں ہیبت

اُجڑے دیار کو بھی سوامی بچا گیا ہے

ہم کو سبق پڑھایا جب ہندو سنگٹھن کا اُس وقت بھوت اُترا سر سے اچھوت پن کا
معیار تھا علیحدہ ہر ایک کے چلن کا وہ برہمن تھا جس کا تھا کرم برہمن کا

گرتے ہوئے دلوں کو سوامی اُٹھا گیا ہے

سوامی کے نام لیوا سو چاہے تم نے دلمیں ہم آج بھر رہے ہیں کیوں دشمنوں کی چلمیں
کھدر ہی موکش داتا کتی ہے دیسی مل میں آبحیات ملتا ہے ہم کو جام گل میں

قطرے میں آج عاصی دریا سما گیا ہے

اردو اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان

(از پروفیسر بھیش پرشاد مولوی عالم فاضل ہندو یونیورسٹی بنارس)

"الشیٔ اذا حصل ھان" یہ ایک مشہور عربی کہاوت ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی چیز جب حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ آسان معلوم ہوتی ہے۔ اس کی دشواریوں کا خیال عموماً جاتا رہتا ہے چنانچہ جن لوگوں نے اردو پر عبور حاصل کر لیا ہے انہیں بہت کم اس کا احساس ہوتا ہے کہ اردو لکھنے پڑھنے میں کیا کیا دشواریاں ہیں۔ تاہم جن لوگوں کو پڑھنے پڑھانے کا کام پڑتا ہے۔ ان کو کم و بیش اندازہ دشواریوں کا ضرور ہو جاتا ہے بچوں کو پڑھانا آسان ہے۔ لیکن لکھے پڑھے لوگوں کے لئے پڑھاتے وقت ان کے اعتراضوں کا تسلی بخش جواب دینا آسان نہیں۔ ایسے حضرات کہتے ہیں۔ کہ ظالم۔ معلوم اور ناقص کو علی الترتیب زالم۔ مالوم اور ناکس کی صورت میں کیوں نہ لکھیں۔ میں نے اپنی عمر میں چھوٹے بچوں کو بھی پڑھایا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو بھی پڑھایا ہے۔ جو کئی ایک زبانوں کے ماہر تھے چنانچہ اس سلسلہ میں مجھے اردو حروف تہجی اور رسم الخط وغیرہ میں جو خامیاں نظر آئی ہیں ان کو یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ بلکہ جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی رایوں کا اقتباس ہے۔ جنہوں نے اردو کی خدمت کی ہے اور اردو کے خالص ہمدرد اور بہی خواہ ہیں:

(۱)

اورنگ آباد ریاست حیدرآباد دکن کی انجمن ترقی اردو نامی کے آنریری سکریٹری بلکہ بانی۔ لئق روان مولوی عبدالحق صاحب بی اے کی سعی بلیغ سے "اردو" نامی ایک سہ ماہی رسالہ اعلیٰ پیمانے پر جنوری ۱۹۲۱ء سے جاری ہے چنانچہ اس کے پہلے نمبر میں ہی اردو زبان کی ضروریات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اسی کے سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے:-

زبان کے رسم الخط۔ املا اور انشا میں بہت سی باتیں اصلاح طلب اور غور و فکر اور بحث کی محتاج ہیں (اردو جنوری ۱۹۲۱ء ص ۳)

(۲)

جناب مسٹر عبدالستار یوسف علی صاحب سی پی ای ایم اے نے "اصلاح رسم الخط" کے عنوان سے اردو کے بارے میں فرماتے ہیں

میں یہاں اردو رسم الخط پر ایسی بحث کرنا نہیں چاہتا۔ جو اس مسئلہ کے ہر پہلو اور جزو پر حاوی ہو۔ بلکہ صرف دو امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ اردو رسم الخط میں یکسانی ہونی چاہئے۔ دوم یہ کہ بعض حروف میں صحیح طور سے آوازوں کے اظہار کے لئے کچھ خفیف سا تغیر کیا جائے:

(اردو جنوری ۱۹۲۱ء ص ۱۲۷):

(۳)

جناب مسٹر نعیم الرحمان صاحب ایم اے سابق پروفیسر گورنمنٹ محمڈن کالج اور اس حال الہ آباد یونیورسٹی لکھتے ہیں:-

شاید ہی کوئی اردو داں و اردو خواں اس بات میں شک کر سکتا ہے۔ کہ اب وہ زمانہ آ گیا۔ کہ اردو رسم الخط کی اصلاح کی جائے بادی النظر میں اردو کے رسم الخط میں کسی طرح کا سقم نہیں معلوم ہوتا۔ اور خیال ہوتا ہے کہ اس کی موجودہ صورت اس کی زندگی کے لئے کافی وافی ہے۔ لیکن مختصر سے غور کے بعد ہی یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ اگر اس میں ابھی سے اصلاح نہ کی گئی تو آئندہ رفتہ رفتہ اس کے رسم الخط میں متعدد طرق ادا خلاف صور پیدا ہو جائے گا۔ جن کا سنبھالنا اور پھر ایک طریق کے لئے دلائل صحت قائم رکھ کر نباہنا دشوار ہو جائیگا مزید برآں اس اختلاف سے اردو زبان غیر اردو داں اقوام کے لئے دنیا کی چند دیگر السنہ کی طرح غیر الحصول ہو جائے گی۔ (اردو۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء صفحہ ۶۱۵)

(۴)

جناب مسٹر ہارون خان صاحب شیروانی پروفیسر عثمانیہ کالج حیدرآباد دکن۔ "ہماری زبان اور ضروریات زمانہ" کے عنوان سے ایک مضمون کے سلسلہ میں اردو کی خامیوں کا کئی موقعوں پر اظہار کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:-

ہم ہندی سے مقابلہ کرنے کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ مگر جو خوبیاں ہندی زبان میں ہیں۔ انہیں اگر کوئی نام لیوا بقول "خذ ما صفا و دع ما کدر" اپنی زبان میں رائج کرنا چاہے۔ تو اس کے عمل کو بے اصول اور غیر ضروری ہونے پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ کہ ہندی میں تو حتی المقدور ہر تحریر کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ پڑھنے والا وہی پڑھے۔ جو لکھنے والے نے لکھا۔ موجودہ رسم الخط میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی اڈیٹر۔ جیسے لفظوں کے معنی محض تلمیح اور محل عبارت سے ہی سمجھ میں آ سکتے ہیں (اردو اکتوبر ۱۹۲۲ء ص ۶۰۹)

نوٹ (۱) خذ ما صفا و دع ما کدر کا مطلب ہے۔ کہ جو بات اچھی ہو۔ اسے لے لو اور جو خراب ہو اسے چھوڑ دو:

(۵)

جناب پروفیسر عبدالستار صاحب صدیقی صاحب ایم اے پی ایچ ڈی سابق پرنسپل عثمانیہ کالج حیدرآباد دکن و حال ہیڈ آف عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی نے اصلاح اردو کے متعلق بہت کچھ کہا ہے۔ ۱۹۲۳ء کی بات ہے۔ کہ حیدرآباد دکن میں ایک مجلس اردو رسم الخط کی اصلاح کے متعلق منعقد ہوئی تھی۔ مختلف سے برگزیدہ اصحاب شریک ہوئے تھے۔ اس مجلس میں پروفیسر صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔

اردو تحریر میں دو قسم کی خرابی ہے (۱) حروف صحیح سے (۲) حروف علت سے متعلق:

(۱) اردو کی الف بے میں کئی کئی حرفوں کی آواز ایک ہے۔ جیسے ا۔ اور ع۔ کی آواز ایک ہی ہے۔ اسی طرح ت۔ ط کی۔ ث۔ س اور ص کی۔ ح اور ہ کی۔ ذ۔ ز۔ ض اور ظ کی آواز ایک ہے۔ اردو کی ضرورت کے لئے صرف ا۔ ت۔ س اور ہ اور ز کافی ہیں۔ اور باقی حرف ع۔ ط ث ص ذ۔ ض اور ظ بے ضرورت ہیں۔ اور اسی لئے یہ حرف صرف عربی لفظوں کے لکھنے میں کام آتے ہیں۔ ان حرفوں کے وجود سے لکھنے والے کو تکلف ہوتا ہے۔ لیکن لکھی ہوئی عبارت کے پڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ پس اس وقت ان ہمیشہ منزلہ حرفوں کو میں خارج از بحث تصور کرتا ہوں۔ اور اپنی تقریر کو دوسری قسم کی خرابی کے رفع کرنے کی تجویزوں تک محدود رکھتا ہوں:

(۲) اردو کی الف بے میں حرف علت کم ہیں اس لئے (ا) ایک حرف علت کی کئی آوازوں کے لئے لکھا جاتا ہے۔ اور (ب) خفیف علت کے نشان یعنی اعراب لکھے ہی نہیں جاتے نتیجہ یہ ہے۔ کہ ساری تحریر میں تلبیس پیدا ہو گئی ہے اور پڑھنے والے کو عبارت کے صحیح پڑھنے میں مشکل سے کامیابی ہوتی ہے۔ اور اسی لئے رسم الخط میں اصلاح کی ضرورت لاحق ہے (اردو اکتوبر ۱۹۲۳ء صفحہ ۵۸۱)

شمس العلماء جناب سید علی بلگرامی کی "تمدن عرب" نامی گراں مایہ کتاب (مطبوعہ ۱۸۹۸ء) ہے۔ اس کے دیباچہ (صفحات ۶۰ لغایت ۶۳) میں حیات شمس العلماء صاحب نے عربی رسم الخط یا یوں کہنا چاہئے کہ اردو رسم الخط کی خرابیوں کے بارہ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ میں یہاں پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اور بہی خواہان اردو کی خدمت میں محض اس امر کا ملتجی ہوں کہ وہ ذرا حق پسندی سے کام لیں۔ اور ویسا نہ کریں جیسا کہ جناب پروفیسر ہارون خان شیروانی صاحب پہلے ہی لکھ چکے ہیں:-

بلا شبہ اردو طرز تحریر کی بنا انگریزی زبان سے زیادہ تلفظ پر ہے۔ اور اس میں جو نقائص ہیں۔ وہ نسبتاً قلیل التعداد ہیں جنہیں دور کرنے کے لئے بہت کم کوشش درکار ہے۔ مگر جب کوئی گروہ انہیں دور کرنا چاہتا ہے۔ تو مستحفظ اور مستغنی اصحاب اسے مطعون کرنے میں کسر اٹھا نہیں رکھتے:

(اردو اکتوبر ۱۹۲۲ء ص ۶۰۹)

اب میں اخیر میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ میں نے اردو کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ وہ محض خالص دوستی اور بہبودی کے خیال سے لکھا ہے۔ تاہم اگر کوئی صاحب میری نسبت بدگمانی کریں۔ مجھے دشمن تصور کریں۔ تو اس عبارت کا خیال کر لیں:

"دشمن از دست ناصح تر است":

(بقیہ ص ۱۳)

آلو چنا کے کارن سارے دھارمک سنسار میں ہلچل مچ رہی ہے۔ اب ملاؤں اور پادریوں کی من مانی نہیں چلتی۔ سب بدھی واد کو ماننے لگے ہیں۔ بھارت میں بال بواہ۔ انمیل بواہ۔ بڑی بڑی براتیں۔ آتشبازی۔ فضول خرچیاں بند ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ دیوتاؤں اور پیروں کی پوجا سے لوگوں کا وشواس اٹھ رہا ہے۔ سماج سدھار۔ اچھوت ادھار۔ ودھوا وواہ کے واسطے آریہ سماج کا گن گان۔ سرو تر ہو رہا ہے۔ شکشا پرنالی اور راشٹر جاگرتی میں آریہ سماج سے بڑھ کر کام کرنے والا کوئی نہیں:

ابھی کاریہ کشیتر بہت وسترت ہے جو کچھ کیا۔ اس پر نہ پھول کر ہمیں آج سے پونر درس ایسا کاریہ کرم بنانا چاہئے۔ جس سے مہرشی کے سدھانت تیزی کے ساتھ سنسار میں پھیلیں۔ آریہ سماج کو آریہ سنسکرتی والے آریہ کٹمب تیار کرنا ہے۔ آریہ سماج کو گرام پرچار کا کام ہاتھ میں لے کر گاؤں کے گاؤں آریہ بنانے چاہئیں۔ نگر نگر میں کھلی جگہ خرید کر ہمیں آریہ نگر بسانے چاہئیں۔ جہاں کوآپریٹو سوسائٹیوں دوارا ایک نمونے کے مکان بنائے جائیں اور لوگ دیہاتی جیون اختیار کر کے کرشی اور کاریگری سے اپنا گزارہ کریں۔ ابھی آریہ

مہرشی دیانند کے دِویہ سندیش کی وجے

(اندویش بھگت کنور چاند کرن سارد ا بی اے ایل ایل بی ایم آر اے ایس)

آج مہرشی دیانند کے نردان دوس پر ہمارا ہردے آنند کے سمندر میں ہلورے لے رہا ہے - کیونکہ مہرشی کے مشن کا پرکھیا سارے سنسار پر دیکھ رہے ہیں - مہرشی کا کتھن ہے کہ راشٹر کا ادیش یہ ہونا چاہئیے - کہ وہ منش ماتر کے جیون کو آنند سے بھر دے - رشی دیانند پرماتما کو ست چت آنند مانتے اور پرماتما کی پراپتی ہی سب سکھوں کا مول جانتے تھے - وہ چاہتے تھے - کہ ساری منش جاتی آنند میں رہے - اور سنسار سے شوک - روگ - اور نربلتا کا ناش ہو جاوے - وہ اس سنسار میں ہی سرگ آنند ہی آنند دیکھنا چاہتے تھے اور سارے سنسار کو ایک راشٹر بنا کر سورگیہ آنند سے بھرا ستی بھاؤ کا درشیہ ہماری آنکھوں کے سامنے لانا چاہتے تھے - یہیں ہرش ہے کہ دنیا کے کئی راشٹروں نے ان کے آشا اور آنند کے سندیش کو سمجھا - اور کرم لوگ میں لگ کر سنسار کو سورگ دھام بنانے میں لگے ہوئے ہیں -

سوراجیہ کا سورن پربھات لانے کے لئے پرتیک بھارت واسی اتسک ہے - یہ سب کس لئے - اس لئے کہ ہمیں سوراجیہ پراپت ہو لیکن مہرشی نہ صرف بھارت ورش کا بلکہ سارے سنسار کا سکھ چاہتے تھے - اسی واسطے سارے بھومنڈل کو ایک راشٹر بنا کر ایک بھاشا ایک بھاو کا پرچار کر کے انہوں نے سارے بھوم راشٹر سنگٹھن کی سکیم تیار کر لی تھی - جس کے انوسار راشٹر کا پرتیک نراسی پرتیک دستو کو راشٹر کی سمجھے - اور اتنا بھراتری بھاو پھیلے کہ فوج کی کوئی آوشیکتا نہ رہے - چوری کی کوئی سمبھاونا نہ رہے - پولیس کے لئے کوئی کام نہ ہو - اور مہاراج اشوپتی کے شبدوں میں ہم کہہ سکیں

नेमे स्तेनो जन पदे
नकदर्यो न मद्यप

وہ چاہتے تھے کہ سارے بھومنڈل کا ایک ہی راشٹر بن جاوے - مہرشی کی تپسیا ہرش کی بات ہے کہ سپھل ہو رہی ہے - کیونکہ سمیہ وادی اسی سدھانت کا پرچار کر رہے ہیں - ایشیا کے بڑے بڑے ودوان سنگٹھت ایشیا راشٹر بنانا چاہتے ہیں - یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے سیاست دان سنگٹھت یورپ امریکہ راشٹر بنانا چاہتے ہیں - LEAGUE OF NATURE (لیگ اقوام) راشٹر سنگھ کا کام کر رہی ہے - اور گول میز کانفرنس میں سارے بھارت کو FEDERAL GOVERNMENT کے نیچے لانے کا پریتن جاری ہے - پر تو وہ دن دور نہیں کہ ایشیا

یورپ - امریکہ اور افریقہ آدی مل کر سارد بھوم راشٹر کی بنیاد رکھیں گے - اور پھر سارے سنسار میں پریم کی دھارا بہہ کر پوتر ویدک دھرم کا جھنڈا لہرائے گا - جو سما نتا کی آواز آج سے پچاس سال پہلے رشی دیانند نے اٹھائی تھی - اس کے انوسار سنسار آگے بڑھ رہا ہے - مہرشی دیانند مطلق العنانی کو مٹانے والے تھے - تبھی تو وہ کہتے تھے -

کہ میں سنسار کو قید سے چھڑانے آیا ہوں - نہ کہ سنسار کو قید کرانے کے لئے - روس کے سامیہ وادی اسی بات کا پرچار کر رہے ہیں - وہاں انکم ٹیکس کا قانون - منشیات کا قانون کورٹ فیس - مشترکہ سرمایہ کی کمپنیوں کا قانون - دیوانی عدالتیں وغیرہ سب بند ہو گئے ہیں - کیونکہ جب پرتیک دستور راشٹریہ کی جائیداد ہے - تو پھر چوری اور زر زمین کے جھگڑوں کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی - مہرشی چاہتے تھے - کہ منشیات شراب - افیم بھنگ آدی کا پریوگ بند ہو خوشی کی بات ہے - کہ امریکہ نے شراب کی بندش کا قانون جاری کر دیا ؛

مہرشی چاہتے تھے - کہ بازاری عورتوں کی لعنت سے سوسائٹی پاک ہو جائے - ہرش کی بات ہے - کہ بھارت کے بڑے بڑے شہروں کی میونسپلٹیاں اور سماج سدھارک اس ننگ تہذیب پرتھا کو مٹانے میں لگے ہوئے ہیں ؛

مہرشی سنسار کو سورگ دھام بنانے کی دھن میں چاہتے تھے - کہ پرتھوی پر اندھے لولے - لنگڑے بہرے گونگے اور بدھی شونیہ استری پرش پیدا نہ ہوں - اسی واسطے انہوں نے ستیارتھ پرکاش میں گرستاشرم آدی کرنے اور پالن کرنے کا آدرش ہمارے سامنے رکھا - سنسکار ودھی انوسار سنسکار کرنے سے موروثی بیماریاں - لاج روگ - کنٹھ - راج یکشما - پاگل پن سب ناش ہو کر سنسار میں تندرست سنتانیں پیدا ہونگی ،

مہرشی جاتی بھید اور رنگ بھید کا سروناش کرنا چاہتے تھے - وہ چاہتے تھے - کہ سنسار کا کوئی بھی منش سوچھتا اور سبھیتا سے محروم نہ رہے - چینی ایشیائی یوروپین امریکن سب آریہ بنیں - اس واسطے وہ ہمیں

कृण्वन्तो विश्वमार्यम

کا پاٹھ پڑھا گئے - پرانے تعصب اور تنگ دلی کو دور کرنا چاہتے تھے - وہ لونڈی غلام آدی کی پرتھا کے خلاف تھے - انہوں نے سامیہ واد کا ایسا اچھا پروگرام پیش کیا ہے کہ سارا سنسار آریہ سماج کے جھنڈے تلے آ جائے - انہوں نے بتایا - کہ ہمارے ساہتیہ میں انیک راج رشی اور دیو رشیوں کے پرمان ملتے ہیں - جو کرم ورشی تھے - اور سامیہ واد کا پرچار کرتے تھے - سنسار کے پراچین سارو بھوم راشٹر میں سمتا ہی آدرش تھا - سوئم بھگوان بھی اپدیش دیتے ہیں - کہ تمہارے اندر کوئی چھوٹا بڑا نہیں - اور اس سنسار میں آنند لوٹنے کا پرتیک ویکتی کو ادھیکار ہے - استری پرش کے ادھیکار - رہن سہن - کھان پان سب سمان ہیں - آریہ پرشوں کو کیول دھن دان اور اچھیہ دنش میں پیدا ہونے کے کارن ہی کسی کی پرتشٹھا نہیں کرنی چاہئیے - جب ہم مہرشی کے اپردگت سدھانتوں کا کارل مارکس کے مایا وادی سدھانتوں سے مقابلہ کرتے ہیں - تو ہمیں یورپ کے سامیہ وادی اور روس کے لینن الزیالی سب پھیکے معلوم ہوتے ہیں ؛

آریہ سماج نے عیسائی اور اسلام کی زبردست

بقیہ مضمون کے لئے دیکھو صفحہ ۱۷ کالم ۲ کے نیچے

ویدوں والا

(۱)

جب دُنیا خواب میں سوتی تھی
اور قسمت اُس پر روتی تھی
جب جاہلیّت کے ہاتھوں سے حق کی رسوائی ہوتی تھی!
جب پنڈت نام کے پنڈت تھے
عیش اور آرام کے پنڈت تھے
ماتھے پہ تلک تھا دکھاوے کا کیا کرتہ تھا کیا دھوتی تھی!
جب ہندو قوم تھی گھاٹے میں
اور نمک برابر آٹے میں

(۲)

اک مرد مجاہد نے اُٹھ کر
کر ڈالی دُنیا زیر و زبر
جاتی کو بچایا آفت سے باقی نہ رہا کچھ خوف و خطر
کھولے جو بھید نہ کھلتے تھے
حل کئے جو مشکل عقدے تھے
باطل کا نشاں نابود کیا وا کئے حقیقت کے سب در
ویدوں کا بول کیا بالا
کہتے ہیں اُسے ویدوں والا

رضا بخش بسمل

بے جوڑ جوڑ

(از راجکمار شری رنجے سنگھ سابق ایم ایل اے امیٹھی راجیہ)

گت دسمبر کے آخری ہفتہ میں کاشی میں اکھل بھارتیہ شدھی مہا سمیلن ہوا تھا۔ میں بھی گیا تھا۔ ۲۷ دسمبر کی بات ہے۔ میرے ساتھ کاشی کے ایک سناتن دھرمی سجن تھے۔ جنہوں نے ستیاگرہ آندولن میں بھاگ لیا تھا۔ لیکن جیل جانے کا موقعہ آیا۔ تب آندولن سے صرف اس لئے الگ ہو گئے تھے۔ کیونکہ جیل میں سب کا چھوا ہوا بھوجن کرنا پڑیگا۔ اور ان کے پرچیہ پتا جی اسے کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ اتم کل کے براہمن تھے۔ مہا سمیلن کے وشال پنڈال میں بھارت کے مشہور نیتاؤں کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ اور سب سے اونچے استھان پر دو ایسے مہا پرشوں کی تصاویر تھیں۔ جن کے جسم پر لنگوٹی وغیرہ کے علاوہ زیادہ کپڑے نہ تھے۔ لیکن لوگوں کی نگاہ بڑی عزت کے ساتھ سب سے پہلے انہیں پر پڑتی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی ساتھ کے مہاشہ جی بول اٹھے۔ کہ پنڈت رام نارائن مصرجی آریہ سماجی ہیں۔ جو چاہیں کریں۔ میں نے پوچھا بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔ کہاں مہاتما جی اور کہاں سوامی دیانند۔ اتنے بڑے مہاتما کی جوڑ پر سوامی دیانند کا چتر لگا دیا گیا۔ میں نے کہا۔ تیواری جی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ کاشی میں رہنے کے کارن اتنا پکھپات نہیں کرنا چاہئے۔ سنہ ۱۹۲۰ کو بیتے ۱۶ سال ہو گئے ہیں۔ اب سیکڑوں سناتن دھرمی بھی اس بات کو ماننے لگے ہیں۔ کہ مہرشی سوامی دیانند جی نے ہندو جاتی کو نہ بچایا ہوتا تو آج یا تو ایک بھی ہندو نہ ہوتا۔ یا نام ماتر کے لئے کچھ تھوڑے ہندو ہی رہ گئے ہوتے۔ اتنا تو سبھی جانتے ہیں۔ کہ سوامی جی مہاراج نے ودیشی شکشا کا بہت اپکار کیا ہے۔ آریہ جاتی میں نو جیون کا سنچار کر دیا ہے۔ آپ ذرا پکھپات چھوڑ کر وچاریں۔ تب آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ جس سمے مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کا پرادربھاؤ ہوا تھا۔ کیسی وکٹ حالت تھی۔ یہ مہرشی کی کٹھن تپسیا کا پھل تھا۔ کہ وہ تینوں پرکار کے بلوں سے سمپن تھے۔ ورنہ جو اپکار یہ انہوں نے کئے تھے۔ اس حالت میں کون کر سکتا تھا۔ لاکھوں کی جاگیر ار کو لات مار دی اور زہر کا پیالہ پی لیا۔ مگر ستیہ کو نہیں چھوڑا۔ ستیہ ہی انکا ہتھیار تھا۔ ستیہ ہی کے دھارن کرنے سے بھی کو کرم کیا۔ ستیہ ہی پر اڑے رہے۔ کسی کے خوش یا ناراض ہونے کی پرواہ نہ کی۔ ستیہ ہی کا ہمیشہ پرکاش کیا۔

شردھےیہ مہاتما گاندھی جی بھی ستیہ ہی کے آگرہی ہیں۔ ستیہ ہی کے پریوگ کے لئے کتنے کشٹ جھیلے۔ ستیہ ہی پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ جس ستیہ کو ٹھیک سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے کسی کی خوشی یا ناخوشی کی پرواہ نہیں کرتے۔ بھارت ہی کیا۔ وشو پر پریم کے دونوں مہا پرشوں کے دریا دل بھرے ہوئے ہیں۔ دیش کی آزادی کے دونوں ہی چاہنے والے۔ ڈھونگ ڈھکوسلوں کے دونوں سخت مخالف۔ دونوں کی مادری زبان گجراتی مگر دونوں ہندی کو راشٹر بھاشا ماننے والے۔ موجودہ طریقہ تعلیم کی تبدیلی کے دونوں چاہنے والے۔ دونوں کھدر کے حامی۔ سداچار کی دونوں زندہ مورتی پرانی ہندو تہذیب کی رکھشا کے دونوں چاہنے والے۔ اور ابھی اسکے دونوں ہامی۔ مہاتما جی برہمچاری اور ستیہ پر پابند۔ سوامی جی نے الگ مانا نہ مہاتما جی راج نیتی کو دھرم سے الگ مانتے ہیں۔ اور دونوں ہی ایشور کے پورن بھگت۔ ایسی بہت سی سمان باتیں ہیں۔ جن کا شمار ان دونوں مہان آتماؤں کے کچھ پنکتیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ تب بھی مجھے یہ کہنے کے لئے مجبور کرتا ہے کہ اپنے اپنے ڈھنگ کے دونوں انوکھے ہیں۔ اپنے ڈھنگ کے مہرشی دیانند جی لاثانی مہا پرش ہو گزرے ہیں۔ اور مہاتما جی...

اشارے

(از جناب فاضل منشی منوہر لعل شہید۔ علی پوری)

درد فرقت گر ہونا ہے نہ بھولا اے عزیز
دست ساقی میں چھلک گردش میں آ پیمانہ بن

شورشوں میں خاک حاصل ہو سکون و محویت
ہوش رکھتا ہے تو اٹھ۔ صحرا کو چل دیوانہ بن

ہے ترے دل کی تڑپ پر انحصار وصل یار
سوز دل سے شمع کے اجل اور تڑپ پروانہ بن

آ سنے دن کی کشمکش سے پاک ہوں دیر و حرم
مذہبی دیوانوں کا تو کعبہ بن بت خانہ بن

دید کے جھنڈے تلے آ جائیں شیخ و برہمن
پریم کی گنگا بہا دے پریم کا کاشانہ بن

نوجوانوں کے دلوں میں پھونک دے ذوق عمل
قوم کے بیٹے ہوئے جگ کا نیا افسانہ بن

حق نے بخشا ہے ازل سے ہی تجھے انعام حق
جاگ۔ عالم کو جگا۔ سب کو سنا پیغام حق

پورانک سدھانتوں پر کبیر وچن

(شری سوامی سوتنترانند جی مہاراج کے قلم سے)

مہرشی نے ستیارتھ پرکاش میں ایک جگہ لکھا ہے "رام کرشن۔ نارائن۔ شیو۔ بھگوتی گنیش آدی کے نام سمرن سے پاپ دور ہونے کا وشواس رکھکر ...... مورکھ بنے رہتے ہیں۔ اور پھر لکھا ہے "اب بدھی مان لوگ وچار لیں۔ کہ رام رام کرنے سے بھرم چھوٹ گیا ہے ...... کئے ہوئے کرم کبھی چھوٹ سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ کیول منشیوں کو پاپ میں پھنسانا اور منش جنم کو نشٹ کر دینا ہے"۔

اس پر کبیر جی اپنے بیجک نامی پستک میں لکھتے ہیں:-

پنڈت واد وے سو جھوٹا

رام کہے جو جگت گتی پاوے
کھانڈ کہے مکھ میٹھا

پاوک کہے پاؤ جو ڈاہے
جل کہے ترکھا بجھائی

بھوجن کہے بھوکھ جو بھاجے
تو دنیا تر جائی

نر کے سنگ سوا ہری بولے
ہری تاپ نہ جانے

جو کبہوں اڑ جائے جنگل سے
تو ہری سرت نہ آنے

بن دیکھے بن اری پرسے
نام لئے کا ہوئی

دھن کے کہے دھنک جو ہوئی
نردھن رہے نہ کوئی

(۲)

مہرشی گرو ڈم۔ تیرتھ یاترا۔ گرشت خوری مورتی پوجا نشیدھ کیا ہے۔ اس وشے میں کبیر جی نے کچھ لکھا ہے۔ جیسا کہ سنتو دیکھت جگ بورانا

سانچ کہوں تو مارن دھاوے
جھوٹھے جگ پتیانا

نیمی دیکھا۔ دھرمی دیکھا۔ بات کرے اسنانا۔ آتم مار پکھانہ پوجا ان میں کچھ نہ گیانا
بہتک دیکھا پیر اولیا پڑھے کتیب قرآنا کے مرید تدبیر بتاوے ان میں اوچھی جو گیانا
آسن مار ڈمبھ دھر بیٹھے من میں بہت گمانا پیتر پاتھر پوجن لاگے تیرتھ گرب بھلانا
مالا پہرے ٹوپی پہرے چھاپ تلک انومانا ساکھی شبدے گاوت بھولے آتم خبر نہ جانا
گھر گھر منتر دیت پھرت ہے مہما کے ابھیمانا۔ گرو سہت سکھ سب بوڑے۔ انت کال پچھتانا

بھولا وے احمق نادانا تم ہر دم رام نہ جانا
برس ہم آ کیلے گائے پچھاڑا گر اکاٹ جیا آپ لیا

جیوت جی مردہ کر ڈارو تس کو کہت حلال ہوا
جا کہہ ماس کر پاک کہت ہو تا کی اتپت سن بھائی

رج بیرج سوں نس اپائی ماس ناپاکی تم کھائی
اپنی دیکھ کرت نہہ احمق کہت ہمارے بڑن کیا

اس کی خون تمہاری گردن جن تم کو اپدیش دیا سیاہی گئی سفیدی آئی دل سفید ا جہوں نہ ہوا
روزہ بانگ نماز کا کیجے حجرے بیٹھر بیٹھ رہا

سادھو راہ دو دل ہم دیکھا

ہندو ترک ہٹا نہ مانے سواد سبھن کو میٹھا۔ ہندو برت اکادشی سادھے دودھ سنگھاڑا سیتی
ان کو تیاگے من کو نہ ہٹے کے پارن کرے لنگی۔ ترک روزہ نماز گزارے بسمل بانگ پکارے
ان کہ بہشت کہاں تے ہوئے سانجھے مرغی مارے
دے حلال دے جھٹکے مارے آگ دونوں گھر لاگی
ہندو کی دیا مہر ترک کی دونوں گھٹ سوں تیاگی
ہندو ترک کی ایک راہ ہے ستگر اہہ بتائی

اس طرح گرشت خوری مورتی پوجا۔ تیرتھ نہانا نام سمرن میں جیسا کہ مہرشی جی نے کہا ہے۔ کبیر جی نے اپنی پستکوں میں ویسا ہی لکھا ہے۔ اور کئی باتیں کبیر جی نے اور بھی کہی ہیں۔ جن کی طرف مہرشی نے ستیارتھ پرکاش میں اشارہ کیا ہے۔

شری مہاتما گاندھی جی بھی اپنے ڈھنگ کے لاثانی مہا پرش ہیں۔

تب پنڈت رام نارائن مصرجی نے اور سواگت سمیتی کے دوسرے سدسیوں اور پد ادھیکاریوں نے جن میں زیادہ سناتن دھرمی ہی تھے) سوامی جی اور مہاتما جی کی جوڑ لگا دی تھی۔ یہ بالکل ٹھیک کیا کیونکہ جب سوامی جی بھی بے جوڑ اور مہاتما جی بھی بے جوڑ۔ تب سوائے اس کے کہ بے جوڑوں میں ان دونوں بے جوڑوں کی جوڑ لگائی جائے اور کیا ہی کیا۔

دلتوں کی سمسیا

(از شری دیوی چند جی ایم۔ اے۔)

چند سالوں سے دلت جاتیوں کے سوال نے خاص اہمیت حاصل کر لی ہے۔ مہرشی دیانند و مہاتما گاندھی کے اپدیش اور پولیٹیکل حالات۔ جمہوریت کی سپرٹ و آریہ سماج کا پرچار اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر یہ سوال محض ہندوؤں تک ہی محدود ہوتا اور اس کا حل صرف ہندوؤں کے ہی ہاتھ میں ہوتا۔ تو اتنا خطرہ نہیں تھا۔ مگر اب غیر ہندو۔ عیسائی سکھ و مسلمان بھی اپنی غرض سامنے رکھکر اس سوال کے حل کرنے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ہندو غافل و سوئے پڑے ہیں۔ مگر دوسری آرگنیزیشنیں جاگتی ہیں۔ اور منظم کام کرتی ہیں۔ نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ ہندوؤں کی لاپرواہی بے اعتنائی۔ تنگدلی اور سختی سے مجبور ہو کر یہ لوگ غیر مذاہب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری پنجاب کے جو ہندسہ جات شائع ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سکھ ۳۱ لاکھ کی بجائے ۴۰ لاکھ ہو گئے ہیں۔ اور مسلمان ایک کروڑ ۲۸ لاکھ کی جگہ ایک کروڑ ۳۹ لاکھ ہو گئے ہیں۔ مگر ہندو ۸۰ لاکھ کی جگہ ۸۶ لاکھ رہ گئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آدھرم سودمنٹ جو پنجاب میں جاری ہے۔ اسباب کا اپدیش کرتی رہی ہے۔ کہ دلت ہندو نہیں۔ اور افسران مردم شماری نے آدھرمیوں کو ہندوؤں سے علیحدہ درج کیا ہے۔ ان کی تعداد ۴۱۸۷۸۵ درج کی گئی ہے۔ دوسری وجہ سکھوں کا جارحانہ پروپیگنڈا ہے۔ جس سے بہت سارے دلتوں کو جو سکھوں کے کالونی میں آباد تھے۔ ان کی منشا کے برخلاف سکھ دھرم میں درج کیا گیا ہے۔ تیسری وجہ عیسائیوں و مسلمانوں کا تبلیغی پروگرام ہے جس سے لاکھوں ہندو دلت ان مذاہب میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس مردم شماری میں ۴۱۹۳۵۳ عیسائی پنجاب میں درج ہوئے ہیں۔ جن میں سے میرے خیال میں تقریباً ۳ لاکھ دلت بھائی ہیں۔ اگر ہندو بیدار ہوتے۔ اور ان اسباب کا مقابلہ کرتے تو میرے خیال میں ہندوؤں کی آبادی میں کمی واقعہ نہ ہوتی۔ بلکہ ان کی تعداد ایک کروڑ کے قریب ہوتی۔ آریہ سماج یقیناً ان طاقتوں کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ مگر اکیلا آریہ سماج کیا کر سکتا ہے۔ جب ہندو ماتر اس سوال کے حل کرنے کے لئے تن۔ من۔ دھن سے آریہ سماج کی سہاتا نہ کرے۔ یا اپنے طور پہ آزادانہ کوشش نہ کرے۔ ہندو تہذیب کی رکشا کے لئے یہ ضروری ہے کہ دلت جاتیوں کو ہندوؤں سے علیحدہ نہ ہونے دیا جائے۔ اگر خدانخواستہ گورنمنٹ کی پالیسی یا ہندوؤں کی سستی سے سات کروڑ لوگ ہم سے جدا ہو گئے۔ تو ہمارے ملک و قوم و تہذیب کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچیگا۔ رسم و رواج۔ سنسکرتی زبان و سنسکاروں کے لحاظ سے یہ لوگ ہندو ہیں۔ اور ان کو ہندوؤں سے علیحدہ کرنا خود غرضی و چال بازی پر مبنی ہے ہندوؤں کو اس خطرہ سے بیدار ہونا چاہئے۔ ہم آگے ہی کافی خمیازہ اپنی رعونت و تکبر کا اٹھا چکے ہیں۔ اب ان کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ افسوس کا مقام ہے۔ کہ یہ دلت لوگ اپنا نفع نقصان محسوس نہیں کرتے۔ یہ بھولے بھالے لوگ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتے ہیں۔ جو کہ اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر امبیدکر و مہاشہ منگو رام جیسے آدمی ان کو ہندوؤں سے علیحدہ ہونے و علیحدہ نیابت حاصل کرنے کا جو اپدیش دے رہے ہیں۔ وہ ان کے سچے مفاد کے منافی ہے۔ دلتوں کا بھلا اسی بات میں ہے کہ وہ ہندوؤں کے اندر رہتے ہوئے۔ ہندوؤں سے لڑتے جھگڑتے ہوئے اپنے سوشل و مذہبی حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ ہندو اپنے پرانے گناہوں کو محسوس کر رہے ہیں۔ ساری شائستہ دنیا ان پر لعنت بھیجتی ہے۔ کانگرس ہندو مہا سبھا و آریہ سماج کے اپدیش سے ان لوگوں کی طرف نفرت کا جذبہ کم ہو رہا ہے اور چند سالوں تک اگر پراپیگنڈا ہوتا رہا تو یہ لوگ ہندوؤں میں جذب ہو جائیں گے۔ اور ان کی علیحدگی یا قابل نفرت تمیز بالکل معدوم ہو جائے گی۔ جہاں صدیوں تک یہ لوگ برداشت سے کام لیتے رہے ہیں کیا چند سال اور ان کے لئے انتظار کرنا ممکن ہے۔ بات اصل میں یہ ہے۔ کہ لوگ ان کو بھڑکاتے ہیں۔ اور سوراجیہ کی پراپتی کے راستہ میں دلتوں کو ایک قسم کا روڑا اٹکانے والی سوسائٹی کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے یہی سبب ہے کہ کمیٹی لنڈن میں حال ہی میں ڈاکٹر امبیدکر نے تقریر کی ہے۔ جو سائمن کمیشن کے سرتحہ پر آدھرمیوں نے عرض داشت پیش کی تھی۔ اور جو حال میں ہی داشرائے صاحب کے پاس آدھرمیوں نے میمورنڈم بھیجا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی سادہ دلی کو سیاستدان کی دائمی غلامی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ کسی بھی اقلیت کو علیحدہ نیابت پولیٹیکل طور پر مفید نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا زہر ہے۔ جو کہ قومیت کے شیرازہ کو کمزور کرتا ہے۔ اس طرح سے اکثریت کو اقلیت کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رہتی۔ اور باہمی جنگ ہمیشہ کے لئے جاری رہتی ہے۔ جب یہ حال دوسری اقلیتوں کا ہے۔ تو دلتوں کا کیا ہی کہنا۔ جن کو سوشل و مذہبی حقوق ہندوؤں کی خوشنودی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتے۔ کوئی حکومت کسی ہندو کو اس بات کے لئے مجبور نہیں کر سکتی۔ کہ وہ کسی دلت کے ساتھ چھوت چھات ضرور چھوڑ دے۔ یا اس کو اپنے کنوئیں پر ضرور چڑھا دے۔ یا اس کے ساتھ ضرور کھان پان اور بیاہ شادی کرے۔ دلت بھائیوں کو اپنے دوست و دشمن میں تمیز کرنا سیکھنا چاہئے اور وہ یاد رکھیں۔ کہ جن ہندوؤں کو وہ کوستے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ جن سے وہ علیحدگی پسند کرتے ہیں۔ ان ہندوؤں کے بغیر کوئی مسلمان یا عیسائی ان کا سچا غمخوار۔ مونس و مددگار نہیں۔ ہاں ان کو اپنے دھرم سے محروم کرکے اسلام یا عیسائیت میں شامل کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار ہیں۔ مگر ان کی تمدنی۔ مجلسی جسمانی۔ دماغی اور روحانی ترقی کے لئے جب تک وہ ہندو ہیں غیر ہندو ہرگز محسوس نہیں کرتے۔ لہٰذا دلتوں کو اس خودکشی کی پالیسی کو جو وہ ہندوؤں سے علیحدگی میں اپنی بہتری سمجھ کر اختیار کر رہے ہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ ممکن ہے۔

(بقیہ مضمون کے لئے دیکھو صفحہ ۔۔۔ کالم نمبر ۔۔۔)

سوامی دیانند

(از شری انوپ چند جی آفتاب - پانی پتی)

اے رشی! تم دہر میں ہلچل مچا کر چل دیئے ۔ خفتہ ملک و قوم کی قسمت جگا کر چل دیئے
مرتے مرتے اوم کا نعرہ لگا کر چل دیئے ۔ ہندوؤں کو دھرم پر مرنا سکھا کر چل دیئے
خوف سے لرزاں تھا قاتل کا ہر عضو بدن ۔ ظلم کا انجام ظالم کو بتا کر چل دیئے
جب ہوئے مقصد میں اپنی زندگی کے کامیاب ۔ سرکشوں کو دہر میں نیچا دکھا کر چل دیئے
اب ذلیل و خوار شد و قوم رہ سکتی نہیں ۔ سنگٹھن کا ناد گھر گھر میں بجا کر چل دیئے
دھرم کی الفت میں مٹ کر سرفروشوں کی طرح ۔ زندگی کا راز دنیا کو بتا کر چل دیئے
مرتے مرتے بھی کیا سفاک پر لطف و کرم ۔ قاتل نافہم کو نادم بنا کر چل دیئے
عمر بھر سنتے رہے بیکس اچھوتوں کی صدا ۔ قوم کی بگڑی ہوئی حالت بنا کر چل دیئے
تھا اناتھوں کی تڑپ سے آپ کا سینہ فگار ۔ بے نوا بیواؤں کی ہمت بڑھا کر چل دیئے
زندگانی میں کہاں اغیار کی کھلتی زبان ۔ مرتے مرتے مفسدوں کا دل ہلا کر چل دیئے

خون کے چھینٹوں سے مردہ ہڈیوں میں آفتاب
بہا کے ویدک دھرم کی گنگا بہا کر چل دیئے

ویدوں میں اہنساتمک گومیدھ

لیکھک پنڈت ایشور دت جی میدھارتھی وِدیا النکار - ویداپدیشک اجمیر

آریہ ورت کی پُنیہ بھومی کو اپوتر کرنے میں جتنا پرشارتھ شانتر نام دھاری برہمنوں نے کیا ہے - اُتنا اور کسی نے نہیں کیا - کہاں تو ویدوں کا ٹھیکہ ہی یہ لوگ لے بیٹھے تھے - اور کہاں آج یہ حالت ہے کہ ویدوں کے سار بھوت گایتری منتر کو بھی یہ لوگ "گایتری" کہنے لگے ہیں - ایسے ہی کچھ اودوان برہمنوں نے سوارتھ اور زبان کے بس ہو کر ویدوں میں پشو ہنسا کا ودھان سدھ کرنے کا ورتھا پرشرم کیا ہے - یہاں تک کہ جیسے اُپکاری اور سروتھا نردوش پرانی گا بھی بدھ کرنے کا اُپدیش کیا ہے - ان کی لیلا دیکھنی ہو تو پرانوں کی چھان بین کیجئے :- دشنو پران میں لکھا ہے :-

"पंच कोटि मांसं सापूपं स्व-

गवी

न्नमेव च"

ارتھات پانچ کروڑ گوؤں کا مانس مال پوڑوں کے ساتھ تھا - ان بیرم راکشسوں کے دماغ کی بیڈھنگی کلپنا کو سنکار ایک دم بھوچک ہونے کے سوائے کوئی مارگ نہیں ہے - بڑا بھاری گھمبیر ترتب ہوتا ہے - جب انہیں ستھیا کلپت پرمانوں کے آدھار پر ہمارے پیارے جینی بھائی ویدوں پر بھی آکشیپ کرنے کا ساہس کرتے ہیں ؎

بھائی ! ویدوں میں تو گائے کا نام ہی اگھنیہ ہے جس کا یاسک منی کے نروکت پرمان سے

अघ्न्या

ارتھات سروتھا گائے

अहन्तव्या भवति

اہنسنیہ ہے - ایسا ارتھ ہوتا ہے - اسی پرکار رگ وید ۸ - ۱۰۱ - ۱۵ میں لکھا ہے :-

"मागां अनागां अदितिं वधिष्ट"

ارتھات اس نرا پرادھ آدتی (آ + دتی) گائے کو مت مارو - ویدوں میں گائے کے لئے جہاں اگھنیہ شبد آیا ہے - وہاں "آدتی" بھی اتنا ہی بھاو پورن ہے - "دتی" شبد

दो अव खण्डने

سے بنا ہے ارتھات جس کی ہنسا نہ کی جائے - وہ آدتی ہے - آدتی اگھنیہ کے ہم ارتھ ہیں - وہاں آہنسنیہ ہونے سے گائے بھی مکہیہ ہے ویدوں سے بہت بعد کے زمانہ کے مہابھارت میں بھی گوبدھ کا سپشٹ نشیدھ ہے ؎

अघ्न्या इति गवां नामक एता हन्तु मर्हति। महच्चाकराकुशलं वृषं गांवाऽलभेत्तु यः॥

ارتھات جب گوؤں کا اگھنیہ نام ہے - تو ان کو کون مارنے کے لئے تیار ہوتا ہے؟ جو ان کو مارتا ہے - وہ بڑا اشنگل کرتا ہے - یہ ہے ویدک کال کا آدرش ؟

ویدوں میں تو گنا آدی اپوتر اور گو آدی اتی پوتر جیووں کا بدھ کرنے والے کو بیوقوف اور ناسمجھ بتایا ہے - پرمان کے لئے اس منتر کو دیکھئے :-

मुग्धादेवा उत शुना यजन्तोत गोरङ्गैः पुरुधा यजन्त।
य इमं यज्ञं मनसा चिकेत प्रणो वोचः तमिदेह ब्रवः॥

(اتھرو ۷ - ۵ - ۵) ؎

اس وید منتر میں بتایا ہے - کہ وہ لوگ مگدھ ارتھات مورکھ ہیں جو کتا آدی اپوتر جانوروں اتھوا گائے کے پوتر انگوں کی یگیہ میں آہوتی ڈالتے ہیں - اس منتر میں ساتھ ہی یہ بھی آدیش کیا ہے - کہ جو گومیدھ کے پوتر یگیہ کو من اور وگیان سے خوب جانتا ہو وہ جنتا کو منتر اپدیش کرے اور ان مورکھوں کو سمجھائے ؎

وید کے انیک پربل پرمان کے رہتے ہوتے بھی کیا آپ کبھی یہ سویکار کرنے کا ساہس کر سکتے ہیں - کہ ویدوں میں گائے مارنے کی آگیا ہے - شنکاشیل جو ہمارے بھائی "یجر وید" کے پرمانوں کو پیش کر کے ہنسا سدھ کرنا چاہا کرتے ہیں - ان کے لئے یجر وید کا پرتھم منتر ہی کافی سے زیادہ ہے - ایسے مگدھوں کے منھ کو بند کرنے کے لئے یجر وید کے پرتھم منتر میں ہی وید کی اتینت سپشٹ آگیا ہے - کہ :-

"अघ्न्या यजमानस्य पशून् पाहि" ارتھات کبھی نہ مارنے یوگیہ گوؤ ! تم خوب بڑھو - یہاں مارنے کا نام بھی نہیں ہے ؎

اب آپ نے بھلی پرکار سمجھ لیا ہے - کہ ویدوں میں گو مارنے کا کہیں ودھان نہیں ہے -

गोमेध

شبد ہی برہمن گرنتھوں کا ہے - ویدوں میں گومیدھ شبد نہیں آیا ہے - برہمن گرنتھوں میں "گومیدھ" کا ویشیشٹی کرن اس پرکار کیا گیا ہے - کہ گو نام اندریوں کا بھی ہے - ارتھات اندریوں کے دشٹ واسنا تمام پیدا کرنے والے دوشوں کی ہنسا کر کے آتما کو پوتر کرنا - یہی سچا گومیدھ ہے - گومیدھ کرنے کا سب سے اتم اوسر برہمچریہ آشرم کا ہے - برہمچریہ آشرم میں برہمچاری آچاریہ کے سمیپ نواس کرتا ہے اور اپنے آچاریہ کے ست سنگ - اپدیش اور ودیا دان سے اپنے اندریوں کے سمست دوشوں کی ہنسا کر کے پوتر ہوتا ہے - تبھی تو ویدوں میں کہا ہے -

वाचं ते शुन्धामि प्राणं ते शुन्धामि चक्षुस्ते शुन्धामि श्रोत्रं ते शुन्धामि नाभिं ते शुन्धामि मेढ्रं ते शुन्धामि पायुं ते शुन्धामि चरित्रांस्ते शुन्धामि।

یجر وید ۶ - ۱۴ ؎

ارتھات آچاریہ اُپنین کے بعد شِشیہ کا ذمہ لیتا ہوا کہتا ہے کہ میں تمہارے وانی - چکشو - شروتر آدی اندریوں کے سمست دوشوں کو مار بھگا کر سنسار کے سرویشٹھ پدارتھ - چرتر - آچرن کو پوتر کرتا ہوں - آچاریہ شبد کے ارتھ بھی ترہی ہیں - جو آچار سکھاتا ہے - وہی آچاریہ ہے - پرنتو یہاں کہنے کا منشا یہ ہے - کہ اسی پوتر منتر کا ارتھ یہی ہے جیسے اندریوں کی پشو ہنسا

پر لگا کر کیا ہے - کہ یگیہ کرنے والے جو پشو ہو اس کی آنکھ - ناک - کان دھو کر آہوتی ڈالو - بڑے مزے کی بات تو دیکھو - میدھر اپنی پنڈتائی بھی دکھاتے ہیں چرتر کا ارتھ پاؤں کرتے ہیں - کتنا اندھیر ہے - کیا اب بھی پرتی پکشی گن میدھر کی حقیقتی پنڈتائی کا سہارا لے کر ویدوں میں ہنسا سدھ کرنے کا نشپھل ساہس کریں گے ؟

آپ نے دیکھا نا کہ مہرشی دیانند کے لرتھ کو بھی سمجھ لیا - کیا اسی کا نام کھینچا تانی ہے - یا میدھر کے چرتر کا پاؤں ارتھ کرنا کھینچا تانی کا دچتر نمونہ ہے ؎

ہم اب آپ کو اہنساتمک گومیدھ کرنے کا اُپائے بتاتے ہیں - پہلے تو "میدھ" شبد کو سمجھئے - میدھ شبد میدھر دھاتو سے بنا ہے - تدانوسار کسی پدارتھ کی ہنسا کر کے پوتر ہونے کا سندر بھاو میدھ شبد میں ہے ؎

بس - برہمچریہ آشرم میں برہمچاری اندریوں کے کام کرودھ آدی دوشوں کو دور کر کے پوتر ہونے کے لئے اہنساتمک گومیدھ کرتا ہے ؎

تبھی مہرشی یاگیہ ولکیہ نے جو برہمچریہ آشرم کے آچاریہ تھے - راج رشی جنک کے یہ کہنے پر کہ "جو تمہارے بیچ میں سرو سریشٹھ برہم گیانی برہمن ہو - وہ ان گوؤں کو لے جاوے" آگیا دی تھی - کہ جاؤ ان گایوں کو لے جاؤ - یہ سمجھا برہدآرنیک اپنشد میں آیا ہے - اس کتھا سے سپشٹ ہوتا ہے - کہ گوؤں کا ادھیکاری وہی ہے - جو گومیدھ یگیہ کرتا ہو - مہرشی یاگیہ ولکیہ اہنساتمک پوتر گومیدھ یگیہ کراتے تھے - اس لئے گوؤں کے بہترین ادھکاری تھے ؎

گومیدھ کے لئے اتھرو وید کے دسویں کانڈ کا انتم سوکت سوانعیا کے کہنے یوگیہ ہے - وہاں بھی گوؤں کا ادھیکاری کون ہے؟ اس کے لئے آیا ہے - کہ جو یگیہ کے سر کو جانتا ہو وہ وشا گائے کو لے - یگیہ کا سر گومیدھ ہے - کیونکہ کیسر ونیجوں میں گومیدھ سر کی طرح مکھیہ ہے - نہ ہی مکھیہ آشرم میں سر و بیمہ تھی کیا جاتا ہے - دوسرے پشو میدھ - اشو میدھ - اور پُرش میدھ گرہستھ - بان پرستھ اور سنیاس آشرم میں کئے جاتے ہیں - جن کے متعلق مختصراً اتنا بتانا آوشیک ہے - کہ پشوؤں کا ناش کر کے پوتر گرہستی ہو وے کیونکہ گرہستی میں پشو ترسب سے ادھک ممکن ہے - وان پرستھی اشو میدھ کرے - کیونکہ اشو میدھ کا دوسرا نام راشٹر ہے - اشو ا جیو کی پرتی سنجی ہے - بل کا چنہ ہے - راشٹر کی سیوا کے لئے بان پرستھی چاہئے - کانگرس میں بان پرستھی چاہئے - گروکلوں میں بان پرستھی چاہئے - راشٹر کے دوشوں کو دور کر کے راشٹر کو پوتر کرنا ہی سچا راشٹر میدھ یا اشو میدھ ہے ؎

سنیاس آشرم میں پُرش میدھ کیا جاتا ہے - کیونکہ اپنے پرشتو (شخصیت) کو بھی دور کر کے پرماتما میں لین ہونے کا سر دس شریشٹھ سمتہ سنیاس ہے - سرو میدھ کیا ہے؟ میدھ سے برہمچریہ آشرم سے سنیاس لینا سرو میدھ ہے - جیسے جگت گرو شنکر آچاریہ اور مہرشی دیانند نے کر کے دکھا دیا ہے -

(بقیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۲۴ کالم ۲)

آزادی کا پیغامبر دیانند

(ایک نوبودک گریجوایٹ کے قلم سے)

بھارت کے اتہاس میں انیسویں شتابدی ایک خاص مہتو رکھتی ہے - اس سے پہلے ماضی قریب میں شاید ہی کبھی بھارت واسیوں کے اندر ایسی جاگرتی پیدا ہوئی ہو جیسی کہ گذشتہ بیس پچیس ورشوں میں ہوئی ہے - آج بھارت ورش کے ہر ایک بوڑھے - ہر ایک بچے - ہر ایک یووک اور ہر ایک یوتی کے اندر سے آگ بھڑک رہی ہے - جس کا آرمبھ آج سے پچاس سال پہلے ایک لنگوٹ بند فقیر نے کیا تھا - وہ فقیر کون تھا - اس کا جنم استھان کون تھا؟ اس وشے میں ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے - البتہ ایک بات جو ہم کہے بغیر نہیں رہ سکتے - یہ ہے - وہ آزادی کا دیوانہ تھا - بھارت ماتا کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کا پرن کر کے وہ اس سنسار میں پردیش ہوا تھا - اور آزادی کا بیج بو کر اس سنسار سے رخصت ہوا - وہ ایک لنگوٹ دھاری فقیر تھا - بھارت ماتا کے بلکتے ہوئے بچوں کی تڑپ نے - ودھواؤں کی آہوں نے - یتیموں کے آنسوؤں نے - غریب اور اناتھ اچھوتوں کے افلاس نے اس کو بے چین بنا دیا تھا - اور انہی یتیموں کے آنسوؤں کو پونچھنے کے لئے - انہی ودھواؤں کے دکھ درد بٹانے کے لئے انہی غریبوں کی سہائتا کے لئے اس نے بھارت میں جنم لیا تھا - اور انہی اچھوتوں کے ادھار کے لئے اس نے اپنا گھر بار چھوڑا تھا - اور انہی کے اٹھانے کے لئے اس نے آتم بلیدان کیا تھا - آج اناتھ یتیم خانوں کے اندر بیٹھے ہزاروں یتیم - سینکڑوں ودھوا آشرموں کے اندر رہنے والی ایک ودھوائیں اپنے گھروں میں سکھ سے جیون وتیت کرنے والے لاکھوں اچھوت ایک سور سے کہہ رہے ہیں - کہ اس لنگوٹ دھاری فقیر کا نام دیانند تھا:

رشی دیانند کا بھارتیہ اتہاس میں ایک وششٹ استھان ہے - ہمارے دیش کے اتہاس میں ہمیں بڑے بڑے نیکتی ملتے ہیں - کئی مہا پرشوں نے اپنا سب سوراج تیاگ الگ الگ لئے لگایا - کئی اشخاص نے سامالک سدھار کو اپنی زندگی کا مشن بنایا - کئی پرشوں نے سمپردائے چلا کر سنسار کو الگ ہی الگ پنتھ کا خیال خود نیا مارگ دکھایا - لیکن شاید ہی کوئی مثال ہو جس میں کسی وکتی نے سامالک راج نیتک اور دھارمک تینوں پرکار سے سدھار کا سلسلہ یکجا کیا ہو:

کئی لوگوں کا خیال ہے - کہ سوامی دیانند کیول دھرم پرچارک اور سماج سدھارک تھے ان کا راج نیتی سے کوئی سمبندھ نہ تھا - لیکن اگر سوامی دیانند کی جیونی پر ایک درشٹی ڈالی جائے - تو صاف معلوم ہوگا - کہ دھارمک اور سامالک سدھارک ہوتے ہوئے بھی ان کے ہردے میں اپنے دیش کی سوتنترتا کے لئے ایک ایسی آگ بھڑک رہی تھی - جس کی ایک چنگاڑی نے ورشوں میں چنگاریاں اور جو چنگاڑی بھڑکتی ہوئی آگ بن گئی ہے جس کا سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے - ہم لوگ ابھی آنکھوں کتنی زبردست بیٹی کریں نہ باندھیں - آریہ سماج کے نیتا خواہ کیوں نہ کہیں - کہ آریہ سماج کا راج نیتی سے کوئی سمبندھ نہیں - لیکن جاننے والے جانتے ہیں - اور تاریخ اسبات پر گواہ ہے کہ موجودہ راج نیتک آندولن کے لئے آریہ سماج بہت کچھ ذمہ دار ہے - چنانچہ ایک ودوان مصنف ہنس کوہن HANS KOHN نے اپنی پستک H. STORY OF NATIONALISM IN THE EAST میں آریہ سماج کے متعلق لکھا ہے:-

"بھارتیہ راشٹریتا کی ضمیر کو جگانے میں اس نے پر سدھ بھاگ لیا ہے - اس نے قومی احساسات اور قومی خود اعتمادی کو پشٹ کیا ہے - اور ہندوستانیوں کو اپنی مدد آپ کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔"

پھر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سر ویلنٹائن چرول جب ۱۹۱۰ء میں بطور نامہ نگار ٹائمز کے بے چینی کے اسباب کی تحقیقات کرنے کے لئے ہندوستان گیا - تو اس نے آریہ سماج کو انگلینڈ اور اس کی حکومت کے لئے بطور سخت خطرہ کے دیکھا۔

ایسی اوستھا میں جبکہ سنسار کے لوگ یہ سمجھ رہے ہیں - کہ ورتمان بھارتیہ آندولن کے لئے آریہ سماج بھی کسی حد تک ذمہ دار ہے - اور جبکہ ہمارے دیش واسیوں کی نگاہ آریہ سماج کے ان نیتاؤں کی طرف لگی ہو - جو اونچی ویدیوں پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ کہا کرتے ہیں - کہ وہ سوامی دیانند کے انویائی ہیں - اور آریہ سماج کا جنم بھارت ورش کے ادھار کے لئے ہوا ہے - کیا آریہ سماج کو چپ رہنا چاہئے؟

سوامی دیانند نے بھارت میں جنم لیا اور ویدک دھرم کا بیج بو کر ہم سے رخصت ہو گئے - ایک شور کہ برہمن کی دشتتا نے انیسویں صدی کے سب سے بڑے مہا پرش کو ہم سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ کر دیا - لیکن کیا ان کے انویائیوں نے اس کام کو پورا کیا - جو سوامی جی ان کو سونپ گئے تھے۔

آریہ سماج ایک بڑی شکتی اور ہندوستانی سنگھٹن ہے - لیکن اگر آریہ سماج کے گذشتہ بیس برس کے اتہاس کو دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ اتنی شکتی شالی ہوتے ہوئے بھی آریہ سماج کے اندر اس وقت وہ شکتی موجود نہ تھی اور وہ سنگھٹن نہیں جو پہلے تھا - اس کے کئی کارن ہیں - ایک بڑا زبردست کارن یہ بھی ہے کہ آریہ سماج کے نیتاؤں نے ورتمان راشٹریہ آندولن میں کوئی بھاگ نہیں لیا - بھارت ورش میں سامالک اور دھارمک سدھار کے لئے جتنا یتن آریہ سماج نے کیا ہے - اس سے اس کو ہمیشہ کے لئے بھارتیہ اتہاس میں ایک اونچا استھان مل گیا ہے - لیکن آج جب دیش کے سامنے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے جبکہ بھارت ماتا اپنی پرتنترتا کی بیڑیوں کو توڑنے کے لئے اتنی اودیت ہو رہی ہیں - جبکہ سنسار کے سوتنتر دیشوں کی درشٹی بھارت ورش کے اوپر لگی ہے ایسے اوسر میں آریہ سماج کا پیچھے رہنا اس کے گورو کے لئے بڑا ہی گھاتک ہے:

آریہ سماج کے ودوان کہا کرتے ہیں کہ ویدوں کے اندر سودیشی کا اپدیش ہے - وہ بڑی بڑی ویدیوں پر کھڑے ہو کر یہ بھی کہنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ ویدوں میں سوتنترتا کے لئے لڑنے کا آدیش ہے - اگر گورنمنٹ کے خلاف ستیہ آگرہ کیا جاتا ہے - تو آریہ سماج کے نیتا آگے ستیارتھ پرکاش سے بھی نکال کر رکھ دیتے ہیں لیکن جب سمے آتا ہے آگے بڑھنے کا - دیش کی سوتنترتا کو بچانے کا - سودیشی دھرم کے پرچار کا - تو وہ گھبرا کر یہ کہہ دیتے ہیں - کہ آریہ سماج کا بطور سوسائٹی کے ورتمان راج نیتی سے کوئی سمبندھ نہیں:

رشی دیانند نے جس سمے آریہ سماج کا نیم بنایا تھا کہ سنسار کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ ادیش ہے - اس سمے انہوں نے یہ نہیں لکھا - کہ اگر ہمارے دیش پر کوئی سنکٹ آئے تو آریہ سماج کے نیتا یکا ایک طرف ہو جائیں - کہ آریہ

(بقیہ مضمون کے لئے دیکھو صفحہ کالم)

پیغامِ عمل

(از شری برج لال شاد نورٹ سٹڈین)

زمانے کی ہوا بدلی ہے تم بھی اب بدل جاؤ
اٹھو! جاگو! کمر باندھو چلو پرچار کی خاطر
ہوا کیا راہ میں ہیں گھاٹیاں پربت بڑے اونچے
اگر تم چاہتے ہو زندگی؟ خود کو فنا کر دو!
شہیدِ دھرم کے نقشِ قدم پر چل پڑو ویرو
عدو خنجر چلائے تو سرِ تسلیم خم کر دو!
پرانی آرین تہذیب کے بن جاؤ متوالے
سماجک بندھنوں سے اب تمہیں آزاد ہونا ہے
اچھوتوں سے نہ ہو نفرت محبت سے انہیں کہنا
ستارہ پھر سماج اپنی کا چمکے چرخِ شہرت پر!
حسد کے خار و خس کو پھونک دو الفت کی آتش کر

سنبھلنے کا یہی ہے وقت بہتر ہے سنبھل جاؤ
جہاں جاؤ بجا نے وید اقدس کا بگل جاؤ
لگا کر اک چھلانگ ان پربتوں پر سے اچھل جاؤ
صداقت کی شمع پر صورتِ پروانہ جل جاؤ
سروں کو اپنے شمشیروں پہ رکھ کے سر کے بل جاؤ
نہیں گر زہر کی گولی بھی دے کوئی نگل جاؤ
نئی تہذیب سے کرتے ہوئے جنگ و جدل جاؤ
یہ پھندے ہیں بلا کے توڑ کر باہر نکل جاؤ
گلے لگ جاؤ ویدک دھرم کے سانچے میں ڈھل جاؤ
زباں سے جو کہو اس پر اگر کرنے عمل جاؤ
یہ فرقہ بندیاں اچھی نہیں اب ان سے ٹل جاؤ

چلے آئیں گے کھنچ کر شاد ویدک دھرم میں سارے
اگر پیتے پلاتے پریم کی گنگا کا جل جاؤ!

دیانند سے پہلے بھارت کی اوستھا

مہرشی کے آگمن اور نبی کی آوشیکتا

(از شری سوامی گنگا گری جی آچاریہ گورو کل رائے کوٹ)

گیتا میں لکھا ہے۔ کہ جب جب سمے سنسار میں دھرم کا ناش اور پاپ ادھرم کا وکاس ہوتا ہے۔ اس سمے دھرم کی ستھاپنا اور پاپ کے نوارن کے لئے کسی نہ کسی مہان آتما کا آدیش یا آگمن ہوا کرتا ہے۔ اس بھگوت بچن کے آدھار پر ہی میں آپ کے سنمکھ اپنے وچار رکھوں گا۔ رشی کے آگمن سے پہلے دھرم کے جو مول کارن تھے۔ وہ نشٹ بھرشٹ ہو چکے تھے۔ اس دھرم پرائن دیش سے دھرم رخصت ہونے والا تھا کیونکہ دھرم کا پہلا مول کارن ویدوں کا پڑھنا پڑھانا اور سننا سنانا اس دیش سے ایک طرح سے لپت ہی ہو چکا تھا۔ سانسکرتی ودیا کے کیندروں میں بھی براہمن لوگ نوین گرنتھوں کے پڑھنے میں ہی اپنی سمپورن شکتی برباد کرتے تھے۔ انارش گرنتھوں کا رٹنا ہی ان کا ایک اُدیش بن گیا تھا۔ اگر کوئی ویدوں کو پڑھتا بھی تھا۔ تو پاٹھ ماتر ہی کرتا۔ ارتھ لگانا تو پاپ سمجھا جاتا تھا۔ مہیدھر آدی کے جو بھاشیہ ویدوں پر ہوئے تھے۔ انہوں نے تو سمبھیہ پرشوں کے لئے وید نفرت کی چیز بنا دیئے تھے۔ جس کا پرنام پنڈت نیل کنٹھ شاستری جیسے پنڈتوں کا ہاتھی میں سب کو چیلنج دے کر عیسائیت کی گود میں چلا جانا ہے۔

دھرم کا دوسرا اصول کارن برہم نشٹھ برہمنوں کا ہونا تھا۔ کیونکہ برہمن ہی چاروں ورنوں کے آدھار تھے۔ جب وید ہی چھوٹا۔ تو برہمن بھی نشٹ ہو گئے۔ کیول نام ماتر کے برہمنوں نے دیش میں اندھکار پھیلا رکھا تھا۔ جس کا پرنام لوگوں کا ست دھرم چھوڑ کر مورتی پوجا میں لگ جانا۔ اور اندھ شردھا میں پھنس جانا ہوا تھا۔

دھرم کا تیسرا اصول کارن برہمچریہ آشرم تھا۔ وہ تو سرودھا لپت ہو چکا تھا۔ مہرشی کے آگمن سے پہلے اگر ہم کسی برہمچاری اگنی ہوتری اور ویدکا سوادھیائے کرنے والے کو ڈھونڈھنا چاہتے۔ تو اس کا ملنا اسمبھو تھا۔ جب برہمچریہ کا ناش ہو جائے۔ تو دوسرے آشرموں کا تو کہنا ہی کیا۔ اودیا کے گڑھے میں گرے ہوئے لوگ اپنی چھوٹی چھوٹی سنتانوں کے وواہ کر کے رشی بھومی کو کلنکت کر رہے تھے۔

دھرم کا چوتھا مول کارن وید پرچار تھا جس

آدھار ماتر شکتی کی پوجا تھی۔ اس کا ناش ہو چکا تھا۔ دیش کے نیتا ستری جاتی کو پاؤں کی جوتی کہتے تھے۔ ستری اور شودروں کا وید پڑھنا بند کر دیا گیا تھا۔ جس سے کہ ماتری شکتی کے ودیا وہین ہونے سے دیش نیشک پتن کو پراپت ہو گیا تھا۔ مورکھ ماتاؤں کی سنتانیں ودوان اور ویر کیسے بن سکیں؟ اس کا رزلٹ یہ پرنام ہوا۔ کہ آج بھارت واسی غلامی کی زنجیروں میں بندھے ہوئے سخت دکھوں سے دکھی ہو رہے ہیں:

دھرم کا پانچواں مول کارن پرمیشور پوجن تھا۔ وہ بھی بھول گیا تھا۔ اور اس کے استھان میں لوگ پتھروں کی مورتیاں بنا کر اندھ وشواس میں پھنسے ہوئے ان کی پوجا کرتے اور جیون برباد کر رہے تھے۔ ایشور کے نام پر نرپرادھ پشوؤں کے گلے کاٹے جا رہے تھے۔ سنسار میں گھور پاپ اندھکار پھیلا ہوا تھا۔ پرتو آچار وچار کے پرشوں کا سروتھا ابھاؤ ہو چکا تھا۔ اس لئے ایسی دراوستھا میں سنسار کو کسی ایسے مہان آتما کی آوشیکتا تھی۔ جو آکر اس دکھ اوستھا کا ناش کرے۔ اسی لئے کسی کوی نے کہا ہے کہ

شنکر تو کنکر بھے پڑی بھرم کی بھول
شنکر کو شنکر کرن جنمے شنکر مول

غرضیکہ رشی سے پہلے دھرم کا سروتھا ہراس ہو چکا تھا۔ پرنتو ورتمان اوستھا میں رشی کے اپدیشوں سے کیول بھارت میں ہی نہیں۔ یورپ آدی دو دیپوں میں بھی ویدک دھرم کا پرچار ہو رہا ہے۔ سماجیں کھولی جا رہی ہیں۔ سچے براہمنوں کے پیدا کرنے کے لئے جگہ بجگہ گورو کل کھل چکے ہیں۔ جن میں سیکڑوں کی تعداد میں برہمچاری برہمچریہ میں تت پر ہوتے ہوئے شکشا پا رہے اور باکر دیش دیش میں سیوا کاریہ کر رہے ہیں۔ ماتری شکتی کی کتنی اُنتی ہو رہی ہے۔ اچھوت اُدھار آدی جتنے سُدھار ہو رہے ہیں۔ سب اسی رشی کی ہی کرپا کا پھل ہے:

ایک بار کا ذکر ہے۔ کہ میں لدھیانہ سے چھل کی گاڑی پر جا رہا تھا۔ جب گاڑی مالیر کوٹلہ کے سٹیشن پر ٹھہری۔ تو وہاں سے ایک شریف صورت مسلمان میرے ساتھ وارتالاپ کرنے لگا۔ دوران گفتگو میں اس سجن نے کہا۔ "مہرشی دیانند کے ایک ہی نیم اہنسا کو لیکر مہاتما گاندھی اتنے اُنت ہو گئے ہیں اگر لوگ مہرشی کے بتلائے سب نیموں پر چلنے لگ جائیں۔ تو بھلا سنسار میں شانتی ستھاپن میں کیا دیر لگے" پھر اس نے کہا:۔ مسلمان اور آریہ سماجیوں کے اصول بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ پھر یہ دونوں مل کیوں نہیں جاتے" میں نے کہا کہ کچھ خود غرض آدمی ہیں۔ جو ان کو ملنے نہیں دیتے۔ اس گھٹنا سے ثابت ہو جائے گا۔ کہ رشی کا مشن سنسار کے کونے کونے میں کیسے دیاپت ہو رہا ہے کیا ہندو کیا مسلمان کیا عیسائی تمام رشی کے چرنوں میں اپنی شردھا کے پھول چڑھا رہے ہیں۔ سمے بہت سمیپ ہے جبکہ سارا سنسار مل کر کہے گا۔

شانتی کے پجاری رشی دیانند
تیری جے ہو! جے ہو!! جے ہو!!!

کیا اب آریہ سماج کی آوشیکتا نہیں؟

(از شری آنند پریہ جی بی اے۔ ایل ایل بی۔ بڑودہ)

تھوڑے دنوں سے آریہ سماج اور اس کے کارکنوں میں شتھلتا کی لہر نظر آ رہی ہے آریہ جنتا اور نیتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھک گئے ہیں۔ اور خود بعض آریہ سماجیوں میں بھی آریہ سماج کی آوشیکتا کے وشے میں سندیہ پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ سمے تھا کہ آریہ سماجوں کے سامنے ایک اُدیش تھا۔ اور اس اُدیش کی پورتی کے لئے ان کے اندر تیاگ تپ۔ سیوا وغیرہ سب آتم بھاؤنائیں ظاہر ہوتی تھیں۔ آریہ سماج نے اولوکک کاریہ شکتی سے سنسار بھر کو ملگدھ کر دیا تھا۔ مخالف بھی آریہ سماج کی لگن کی داد دیتے تھے لیکن اب ۔۔۔ اب بھی آریہ سماج کے اُدیش وہی ہیں۔ اب بھی آریہ سماج کے سامنے ایک وشال کاریہ کھیتر ہے۔ اب بھی لوگوں کے دلوں میں آریہ سماج کی پرتشٹھا بنی ہوئی ہے۔ لیکن اب کاریہ کرتا وہ نہیں رہے۔ نوجوانوں کو آریہ سماج کا میدان پھیکا اور بے رس معلوم ہوتا ہے۔ وودھانوں کو آریہ سماج کی پارٹی بازی اپرام کر رہی ہے۔ چنانچہ اب آریہ سماج کے پلیٹ فارم سے نوجوان ہدایت نہیں کرتی۔ وہی پرانی طرز کے بھجن ہیں۔ اسی طرح لکیر کے فقیر بن کر ہم پرچار کرتے ہیں۔ ہماری سنستاؤں کا انکرن کر انیک سانو بھاؤں نے سنستائیں ستھاپت کیں۔ وہ وقت تھا۔ کہ جب ہماری سنستائیں کشش کی چیز تھیں۔ آج وہ اندرونی جھگڑوں کا شکار بن اپنا گورو کا سمان کھو رہی ہیں کئی ورشوں سے اچھے سے اچھے گورو کل ستھاپت ہونے پر بھی ویاسپیندریہ انوسندھان کا کام ہم اپنی اچھیا انوسار نہیں کر سکے:

اس پرکار جہاں کاریہ کرتاؤں کی شتھلتا سے نراشا پیدا ہوتی ہے۔ وہاں آریہ سماج کے سدھانتوں کے عالمگیر بننے سے اوشیہ پرسنتا ہوتی ہے۔ آج ستریوں کی آزادی۔ ودھوا وواہ۔ اچھوت اُدھار۔ سودیشی اپنی سنسکرتی کا ابھیمان وغیرہ چیزیں آریہ سماج کے پرچار دوارا سب راشٹر کی چیزیں ہو گئی ہیں۔ آج ہر ایک سمپردائے کے انویائی نے آریہ سماج سے ایکتی کے ذریعہ اپنے سدھانتوں کو گھٹانے کی یکتی سیکھی ہے آج مورتی پوجا کی بھاؤنائیں جہاں پریورتن ہو چکا ہے۔ آج بنا آریہ سماج کے سبھاسد بنے ہزاروں آریہ سماج کی وچار شیلی سے پربھاوت ہو کر آریہ سماج کے مہاپرشوں تک کے گن گان کر رہے ہیں۔ جن سوتروں کو آج مہاتما گاندھی نے راشٹریہ مہاسبھا کے پلیٹ فارم سے پھیلایا۔ وہی سوتر آریہ سماج اپنے کھیتر سے دھارمک سنستھا کی حیثیت سے پھیلا رہا تھا۔ ایک راشٹر۔ ایک بھاشا۔ سب کا بغیر جات پات سمان ادھیکار۔ اپنی سنسکرتی پر سمپورن شکشن جس کو آریہ سماج نے گورو کل شکشن کا نام دیا تھا۔ اور جسے اس وقت ہم راشٹریہ شکشن کہتے ہیں۔ سودیشی۔ سماجک سدھار۔ ستریوں کی آزادی وغیرہ سب وشیوں کا آریہ سماج اپنے دھارمک پلیٹ فارم سے پرچار کر رہا تھا آج وہی تنتر راج نیتک پلیٹ فارم سے سوراجیہ پراپتی کا اپائے بتلائے جا رہے ہیں۔ درحقیقت آریہ سماجیوں نے جو کام شروع کیا۔ اس کی پورتی کانگرس کر رہی ہے لیکن آریہ کہلانے والے بھائی ابھی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں لین ہیں۔ یا پرانے سمپردائے وادیوں کے سمان ع

(بقیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۴ کالم ۱)

آریہ سماج کا کرتویہ

(از پروفیسر رمیش چندر بنرجی ایم اے۔ کلکتہ)

اس میں سندیہ نہیں۔ کہ بھارت کے راج نیتک جیون کا جلد ہی ایک نیا یُگ شروع ہونے والا ہے۔ ہمیں پورن سوتنترتا ملے یا نہ۔ یہ یقینی ہے کہ ملکی اختیارات کا ایک بڑا بھاگ ہندوستانیوں کے ہاتھ آئے گا۔ یہ نیا آئین جب عمل میں لایا جائے گا۔ آریہ سماج کو خصوصاً اور ہندوؤں کو عموماً اپنی طاقت کا جائزہ لینا ہوگا۔ آریہ تہذیب کا سب سے بڑا اور پرلے درجہ کا بے رحم اور عیار دشمن ہندوستان کے خلاف خوفناک حملہ میں اپنا مہیب سر اس طرح نہ اُٹھائے گا کہ شاید پہلے کبھی نہ اٹھایا ہوگا۔ اسلام جب اپنے آٹھ کروڑ جاں نثار پیروؤں کے ساتھ جنگ جویانہ روش اختیار کرے گا۔ تو ۲۲ کروڑ حقیقی ہندوستانیوں کو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے ہر ایک پریتن کرنا ہوگا۔

آج بھی اسلام اپنی نہایت جنگ جویانہ شکل میں ملک کے طول و عرض میں اپنا احساس کرا رہا ہے۔ زبیرہ اسمٰعیل خان سے چٹاگانگ تک ہندو پر مسلم مظالم کی کہانی ایک سی ہے پیغمبر اسلام کے پیروؤں کی اکثریت ہندوؤں کو لوٹنے کے ایک ہی ڈھنگ پر عمل کرتی ہے محض چند ایک اشخاص ان سے علیحدگی کا بہانہ بنا کر مظلوم ہندوؤں سے جھوٹی ہمدردی کا سوانگ ضرور رچتے ہیں۔ مسلم پولیس اور دوسرے افسران ظاہرا یا پوشیدہ طور اپنے ہم مذہبوں کی امداد کرتے ہیں۔ عورتوں پر مظالم کرانے اور ڈسٹرکٹ بورڈوں وغیرہ کے انتخابوں میں بھی اسی قسم کے اتحاد کا منظر مسلمانوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی نہ صرف گورنمنٹ کی مسلم نوازپالیسی سے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ ہندو سیاست دانوں کے ایک حصہ کی طرف سے بھی کی جاتی ہے۔ جن کے سر طاپے کی تہ میں معلوم ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی تباہی کا عقیدہ بھی شامل ہے۔ یہ ہندو دشمان وطن ہندو کو ٹھکرانے اور مسلمان کو اپنانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں یہ بات کا آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب سیاسی اختیارات کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جائیگا۔ جس کا جانا یقینی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہندوؤں کے بجائے گورنمنٹ مسلمانوں کو خوش کرنے کی خاطر

اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں زیادہ سیاسی اختیارات آنے کے معنی مسلمانوں کے ہاتھ میں زیادہ اختیارات کا آنا ہے۔ فوج پولیس اور گورنمنٹ کے دوسرے محکموں میں خاص نیابت ملنے سے مسلمان جان لیں گے کہ اس نئی حاصل کردہ طاقت کو انہوں نے کس طرح استعمال میں لانا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے۔ کہ روئے زمین پر مسلمان آخری مخلوق ہے۔ جسے محبت سے فتح کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بنگال کی تاریخ کافی ثبوت ہے۔ مشرقی اور شمالی بنگال میں مسلمان اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتے۔ اگر سیلاب اور قحط میں ہندو ان کی امداد نہ کریں۔ لیکن بلادں کے ہندوؤں نے قتل و غارت کے فسادات کی تعمیل میں وہاں کے مسلمانوں نے کبھی پس و پیش نہیں کی۔ اور انہی مسلمانوں کی آج آریہ پی سی رائے اور بنگالی دیش بھگت پرورش کرتے ہیں۔ اور انہی مسلمانوں کے ڈر سے مسٹر جے ایم سین گپتا اور دوسرے کانگریسیوں کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ چٹاگانگ میں پچاس ہزار مسلمانوں نے ہندوؤں کو جو لوٹا۔ اسے فرقہ وارانہ شرارت قرار دے سکیں۔ لیکن آخری مثال مہاتما گاندھی کی اپنی ناکامیابی ہے۔ مہاتما جی بلاشبہ مسلمان کے لئے محبت اور مسلمان کے سامنے جھکنے کی بھی تو مستند ہونے والی پالیسی کی پوری تعمیل ہیں۔ تاہم آپ کا طویل تعلق علی برادران میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہندوستان میں رہنے والے یا سرحد پار کے مسلمانوں کی جو سلطان محمود کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ جنگجویانہ سپرٹ کو محبت سے فتح کرنے کی پالیسی کی کیا حقیقت ہے۔

اس لئے تبدیل شدہ سیاسی حالات میں جنگ جو مسلمان سے معاملہ کرنا مشکل ہوگا۔ ہندوؤں کے خلاف مہم میں ان کے راستے میں انصاف مساوات۔ محب الوطنی یا انسانیت کا کوئی خیال حائل نہ ہوگا۔ اور آریہ سماج تو ان کا خاص نشانہ ہوگا۔ اس لئے دانائی یہ ہے کہ ہم اس حادثے کے مطابق وقت پر محتاط ہو جائیں۔ کہ وقت پر محتاط ہونا وقت پر مسلح ہونے کے برابر ہے۔

میرا منشا یہ ہے۔ کہ سوامی دیانند نے جو بیج بویا ہے۔ وہ کبھی برباد نہیں ہو سکتا تاہم ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اپنی ترٹیوں کو دور کریں۔ آج رشی نروان دوس کو جو آریہ سماج کے لئے سب سے بڑا یادگاری دن ہے۔ آؤ ہم پرن کریں۔ کہ ہم کسی پارٹی کے لئے نہیں۔ بلکہ آریہ سماج کے لئے کھڑے ہوں گے۔ رشی دیانند کے سوائے ہم کسی کے آگے سر نہیں جھکائیں گے اور ہم آریہ سماج کے وقار کے لئے اپنا سر دھڑ قربان کر دیں گے۔

غرضیکہ ہمیں آریہ سماج کے سنگھٹن کو مضبوط کرنا چاہئے۔ ایشور ستتی، پرارتھنا، اپاسنا کی جو ودھی رشی نے بتائی ہے۔ اس کے ورودھ کوئی ست کھڑا نہ کرنا چاہئے۔ اگر سندھیا کی بجائے اپاسنا کا کوئی اور طریق رائج کیا جا سکتا ہے۔ تو یہ سنسکار ودھی کو خیر باد کہنا ہے۔ پھر تو ہر ایک آریہ اپنے من مانے طریق پر چل سکتا ہے۔ اور اس سے اپا دھاپی پڑنے کا پورا اندیشہ ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پرا چین ویدک دھرم کی طرح آریہ سماج بھی مت متانتروں کا شکار ہو جائے گا۔

انت میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ آریہ سماج کو اپنے وستار کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ اس وقت کسی لیڈر کو ان علاقوں کی فکر نہیں۔ جن میں آریہ سماج کا کام ترقی پذیر نہیں۔ پر انچار سبھا کتب فروش ایجنسی بن گئی ہے۔ نہ اسے ہندی کے سوائے دوسری زبانوں میں کتابیں شائع کرنے کی چنتا ہے نہ پرچارک نیت کرنے کو وہ اپنا فرض سمجھتی ہے حالانکہ اس کے اُدیشوں میں یہ سب کچھ شامل ہے۔ سارو دیشک سبھا کی ہستی پرانتک سبھاؤں کے رحم پر ہے۔ اس کے پاس دھن نہیں۔ پھر ان علاقوں کی فکر کیسے ہو۔ جہاں آریہ سماج ممکن کوشش کر رہی ہے۔ تو یہ سخت خطرناک ہوگی۔ مزید برآں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ تمامی اشخاص میں ان مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے میں سرگرم ہیں۔ جنہوں نے آزادی کی لڑائی کے فتح کرنے میں کوئی اہم حصہ نہیں لیا۔

اے رشی!

(از جناب جیمنی سرشار صاحب پور سادات ضلع مظفر گڑھ)

واقفِ رازِ حقیقت اے رشی!
منبعِ نورِ صداقت اے رشی!
دل میں ہے تیری محبت اے رشی
جاگ اٹھے ہیں گرج سُن کر تری
تو نے یکسر کر دیا ہی دل سے دور
تو نے سب کے دل میں پیدا کر دیا
غیرتِ سینا وہ سینہ کیوں نہ ہو
ہم بھٹکتے پھرتے تھے تیرے بغیر
تو نہ آتا تو ہمارے واسطے
ناؤ کو پہنچا گئی منجدھار سے
کر رہی ہے آج سب کے دل میں گھر
کس قدر دلکش تھی، کتنی دلپسند۔

کاشفِ اسرارِ قدرت اے رشی!
قاطعِ وہم و بطالت اے رشی!
لب پہ ہے تیری حکایت اے رشی
تھے جو محوِ خوابِ غفلت اے رشی!
وہمِ تثلیث و رسالت اے رشی!
ذوقِ تحقیقِ حقیقت اے رشی!
جس میں ہو نورِ صداقت اے رشی!
آہ! اے خضرِ طریقت اے رشی
وقف تھا قعرِ ضلالت اے رشی!
تا بہ ساحل تیری رحمت اے رشی!
تیری عظمت تیری رفعت اے رشی
تیری صورت، تیری سیرت اے رشی

دم محبت کا تری بھرتے ہیں ہم
فخر تیری ذات پر کرتے ہیں ہم

گوروکلوں کو پورن سپھل کرنیکے سادھن

(از شری سوامی ورتانند جی سنیاسی آچاریہ گوروکل چتوڑ)

آج کل سنسار میں جو بہت سی شکشا شیلیاں پرچلیت ہو رہی ہیں۔ ان میں سے سرو اُتم کہانے یوگیہ کیول گوروکل شکشا شیلی ہی ہے۔ کیونکہ بال گوروکلوں میں شکشا پانے والے بالکوں کو چرتروان وِدوان گوروؤں کے پریم پورن نریکشن میں کم سے کم سولہ ورش تک لگاتار رہنے کا سوبھاگیہ پراپت ہوتا ہے۔ وہاں ۸ ورش تک بالک پرویشٹ ہوتے ہیں۔ اور ۲۵ ورش کی آیو میں گوروکل سے نکلتے ہیں۔ ایسے ہی کنیا گوروکل میں کنیاؤں کو سیوگیہ سوشیلا ادھیاپکاؤں کے آدھین بارہ ورش تک اُتم اُتم شکشا پانے کا سوبھاگیہ پراپت ہوتا ہے۔ وہ پانچویں ورش کے پرارمبھ میں پرویشٹ ہوتی ہیں۔ اور سولہ ورش کی سماپتی میں نکلتی ہیں۔ گوروکلوں میں گورو مہانوبھاو جیسی شکشا دانی سے دیتے ہیں۔ ویسا ہی خود آچرن بھی کرتے ہیں۔ وہاں کیول گرنتھ۔ بھوگول۔ اتہاس آدی کی شکشا نہیں دی جاتی۔ کنتو ودیا کے ساتھ ہی ساتھ اہنسا۔ ستیہ۔ استیہ۔ برہمچریہ، اپری گرہ۔ پوترتا۔ سنتوش۔ تپ۔ سوادھیائے۔ ایشور بھکتی آسن۔ پرانایام، پرتیاہار آدی ورتوں کی شکشا دے کر بالکوں اور بالکاؤں کے شریر۔ اندری۔ چت۔ من، بدھی اہنکار، آتما ان سب کی شکتیوں کا وکاس کرنے کے لئے پورن پرشارتھ کیا جاتا ہے۔

یدی ایسی اُتم شکشا دینے والے گوروکل مہان استھان یہ دو بیان ہوں۔ تو سنسار کا مہان کلیان ہو۔ پراچین بھارت نواسی گوروکل شکشا شیلی کے دوارا سو شکشت ہو کر ہی اُنتی کے اونچے شکھر پر پہنچ سکے تھے۔ اب بھی جس دیش کے نواسی اپنے بالکوں بالکاؤں کو گوروکل شکشا شیلی کے دوارا ستیہ ودیا اور سداچار کی شکشا دیں گے۔ انہی کو زیادہ سے زیادہ اُنتی کرنے میں سپھلتا پراپت ہو گی۔

گوروکل شکشا شیلی کا کسی خاص دیش یا خاص سمپردائے کے ساتھ نرا ہی سمبندھ نہیں ہے۔ یہ تو پرتیک بالک کو اُچیہ کوٹی کا منش اور پرتیک بالکا کو اُچیہ کوٹی کی استری بنانے کا پر دہان سادھن ہے۔ اتیو اس آدرش شکشا شیلی کو کیول بھارت نواسی ہی اُپیوگ میں لاویں۔ یہ پریابت نہیں ہے۔ بلکہ چین جاپان یورپ۔ امریکہ۔ افریقہ آدی سکل بھوکھنڈوں کے سمست دیشوں کے نواسیوں کا کرتویہ ہے۔ کہ وہ اس کا اُپیوگ کریں۔

جیسے یہ گوروکل شکشا شیلی کسی دیش وشیش میں سیمت رہنے کے یوگیہ نہیں ہے۔ ٹھیک ویسے ہی کسی سمپردائے وشیش میں بھی سیمت رہنے یوگیہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ پرتیک سمپردائے والوں کے لئے اُپیوگی ہے۔ پرتیک سمپردائے کے لوگ اپنے سمپردائے کے وشیوں کی پڑھائی وشیش روپ سے کراتے ہوئے بالکوں کو کم سے کم ۲۵۔ اور بالکاؤں کو کم سے کم ۱۶ ورش کی آیو تک برہمچریہ کا پالن کرا دیں اور اہنسا۔ ستیہ۔ استیہ آدی سداچار کی شکشا دیویں تو سنسار کا مہا کلیان ہو۔ اسی ابھپرائے کو ازبر کر کے ہی آریہ سماجیں۔ سناتن دھرمیوں اور جینیوں نے اپنے اپنے پرتھک پرتھک گوروکل استھاپت کئے ہیں۔ ان گوروکلوں کو دیکھ کر شکشا پریمی مہانو بھاوؤں کو بڑی پرسنتا ہوتی ہے۔ یدی پارسی مسلمان عیسائی آدی سمپردائے کے نیتا مہانو بھاو اپنے سمپردائے والوں کے انوسار گوروکل استھاپت کر لیں۔ تو سنسار کا بہت اپکار ہو۔

یہ اتینت کلیان کاری گوروکل شکشا شیلی مہابھارت کے سمے سے پہلے کال تک بھارت میں اچھی اوستھا میں ودیمان رہی۔ مہابھارت کے سمے سے اس کا ہراس ہونا آرمبھ ہوا۔ اس کے پشچات رفتہ رفتہ ہراس ہوتا رہا۔ اور انتا ہوا کہ بالکل لوپ ہو گیا۔ اس کا سب سے پہلے پُنر اُدھار کرنے والے ادتیہ سنسار سدھارک بال برہمچاری مہرشی دیانند جی مہاراج ہی تھے۔ انہوں نے سکل بھومنڈل کے سب دیشوں اور سب سمپردائیوں کے اپکار کے لئے اس گوروکل شکشا شیلی کا پُنر ادھار کیا۔ اور آریہ سماجی لوگوں کے کلیان کے لئے وشیش روپ سے ستیارتھ پرکاش کے دوتیہ۔ ترتیہ سملاسوں میں وہ ریتی بتائی جس کے دوارا چاروں ویدوں کے تتو کو سمجھنے والے اور ویدوں کی آگیا کے انوسار اپنے جیون کو اُتم بنانے والے آدرش منش تیار ہو سکیں۔ اتیو آریہ سماجیوں کا یہ اتینت آوشیک کرتویہ ہے۔ کہ وہ اپنی سنتان کو آریہ گوروکلوں میں بھیجیں اور ستیارتھ پرکاش ہرتی پاٹھ ودھی اور ویوہار بھانو کے انوسار ہی شکشا پردان کرائیں۔

پرتیک دیش اور پرتیک سمپردائے کے لوگ اپنی سمست سنتانوں میں سب سے سرشیٹھ اور سب سے پرتر سنتان اپنے گوروکل کو ہی سمجھیں۔ اور سرودا اس کے لئے تن من دھن سے وشیش سہائتا دیتے رہیں۔ کیونکہ گوروکل سے ہی پورن سپھلتا پوروک سماج کی سیوا کرنے والے اور اپنے سنسار اُپکاری اعلیٰ اُدیش کی پراپتی کے لئے سرو سو نچھاور کرنے والے اُچیہ کوٹی کے منش تیار ہو کر آئیں گے۔ اور سنسار کا اُپکار کریں گے۔

سنسار اُپکار کرنے والے منش تیار کرنے کے لئے یہ پرم آوشیک ہے۔ کہ گوروکل کے برہمچاریوں اور برہمچارنیوں کو آدرش شکشا سے ویبھوشت کیا جائے۔ آدرش شکشا دینے کے لئے اُن کو پورن سداچاری۔ ودوان دان پرستھی مہانوبھاوؤں تتھا سداچارنی ودشی۔ دان پرستھنی ادھیاپکاؤں کے نیائے پورن نریکشن میں رکھ کر شکشا دلانی چاہئے۔ کیونکہ جب گوروکل کا اپنا جیون پرم پوتر ہو گا۔ اور وہ سوادھیائے ہوں گے۔ تو اُن کے شِشیہ بھی چرتروان اور ودوان بن سکیں گے۔ وان پرستھی گورو اس لئے مہان اُپکار کر سکتے ہیں۔ کہ وہ اُتسوی اور انھک نیم پالک ہوتے ہیں۔ گرہستھی گورو چاہے کتنے ہی سنیمی ہوں۔ تتھاپی انہیں کسی نہ کسی سمے برہمچریہ درد ومن کرنا ہی پڑتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے شِشیوں کے برہمچریہ کے نیم پالن کرانے میں پورن روپ سے سپھل نہیں ہو سکتے۔ کنتو بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج کل پورن سداچاری وِدوان وان پرستھی مہانوبھاوؤں کے درشن بھی درلبھ ہیں۔ اس کارن جب تک وہ نہ ملیں۔ تب تک سداچاری۔ اچھے ودوان گرہستھی گوروؤں سے ہی کام نرواہ کرنا پڑے گا۔ کنتو سنسار اُپکاری بھائی بہنوں کا کرتویہ ہے۔ کہ وہ اُچیہ کوٹی کے وان پرستھیوں اور اُچیہ کوٹی کی وان پرستھنیوں کو تیار کرنے کے لئے پورن پرشارتھ کریں۔

جب تک ودیا کے ساتھ ساتھ بالکوں اور بالکاؤں کو سداچار کی شکشا نہیں دی جاتی۔ تب تک شکشا نہ کیول ادھوری ہی رہ جاتی ہے۔ بلکہ بہت ادھک ہانی کارک بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ سداچار ہین منش اپنی ودیا سے بہاپت تیبر بدھی کو نانا پرکار کے پاپ پورن کاریوں کی سدھی میں ہی پریکت کرتا ہے۔ اتیو سداچار کی شکشا بھی پرارمبھ سے ہی دینی چاہیے۔ تاکہ برہمچاریوں اور برہمچارنیوں کی سُت زیرکی بالک پن سے ہی تیبر پرکار کی اُنتی ہو اور وہ سداچاری انتی اور سنسار اُپکار کرنے کے یوگیہ بن جاویں۔

آج کل کیول ماتر ودیا کی اُنتی کو لکش میں رکھ کر پاٹھیہ پستکوں کا نرمان اور چناؤ کیا جاتا ہے۔ اس کارن ان میں بہت سی باتیں اپوتر بھی آ جاتی ہیں۔ اُن کو پڑھنے والے ودیارتھیوں کا جیون بھی اپوتر ہو جاتا ہے۔ اس لئے گورکل ہمارا دلوں کو پوتر تا سے بھری پورن پستکوں کا نرمان کرنا چاہئے۔ اور پاٹھیہ پستکوں کا نرمان کرنے والے مہانوبھاوؤں کا کرتویہ ہے کہ پاٹھ ودھی میں انہیں پستکوں کو رکھیں۔ جن میں کوئی اپوتر نشٹ ہانی کارک بات نہ ہو۔ یدی پوتر پستکیں نہ ملیں۔ تو اُن کے استھان میں اپوتر پستکوں کو ہی پاٹھ ودھی میں رکھ دینا سروتھا انوچت ہے۔ اور ادھرم ہے۔ ایسی پرستھتی میں پریورتن لانے کے لئے پورن پرشارتھ کرنا چاہئے۔ اس کا سروتم اپائے یہی ہے۔ کہ دھارمک ودوان مہانوبھاو اُچیہ بھاو پورن انتھنا ودیا ودھک پاٹھیہ پستکوں کی رچنا کریں۔ اور بڑے بڑے چرتروان ودوانوں کو دکشنا دکھلا کر پرکاشت کی جائیں۔

گوروکلوں میں اتنیہ اُپیوگی ودیاؤں کے ساتھ ساتھ وگیان۔ کرشی ودیا۔ آیوروید آدی روزی کمانے والی ودیاؤں کو سکھانے کا بھی اُتم پربندھ کرنا چاہئے۔ تاکہ سناتک لوگ سنسار میں جیون نرواہ کرتے سمے اپنے کو کبھی دین ہین تتھا نربل نہ سمجھیں۔

بال گوروکلوں کے سمان بہت سے کنیا گوروکل استھاپت کرنا بھی اتی آوشیک ہے۔ تاکہ جتنے آدرش ودیا ورت سناتک بال گوروکلوں سے تیار ہوں۔ اتنی ہی سیوگیا سوشیلا سناتکائیں کنیا گوروکلوں سے بھی تیار ہو جائیں۔ بالک گوروکلوں کے آچاریوں تتھا کنیا گوروکل کی آچاریاؤں کے نرنے کے انوسار گن کرم سبھاؤ والے سناتکوں اور سناتکاؤں کا جب گرہستھ آشرم میں پرویش ہو گا۔ تو گرہستھ آدرش یہ سورگ دھام بن جائے گا۔ اور تبھی ماتری مان پتری مان آچاریہ مان ہو کر اُچیہ کوٹی کے استری پُرش تیار ہو سکیں۔ جو سادھارن

۲۳ [illegible] ۱۹۴۸

مہرشی دیانند اور عالمگیر امن

(از راجیہ رتن ماسٹر آتما رام جی امرتسری)

ڈاکٹر اینی بیسنٹ صاحبہ نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کی شہرت آجکل دنیا میں ہو رہی ہے۔ اس کتاب کا نام انگریزی میں ہے Civilization's Dead-locks and The Keys

کتاب کی اس سرخی کا مطلب یہ ہے کہ آجکل کی مغربی شائستگی گورکھ دھندا ہو رہی ہے اس کی تالیاں کیا ہیں؟

اس نامی کتاب میں مشہور عالم دیوی نے درشایا ہے کہ روئے زمین پر شائستگی کو پہلے پہل جنم دینے والی جو قوم تھی وہ "وسط ایشیائی آریہ قوم" کہلاتی ہے۔ اسی لعان آریہ قوم نے ہندوستان کشمیر۔ ایران۔ عرب۔ ایشیائی روس۔ یورپ کے سب دیشوں اور شمالی افریقہ کے اندر مختلف آریہ اعلیٰ سنسکرتیوں کو جنم دیا۔

مندرجہ بالا کتاب کو پڑھ کر ایک جگیاسو کو سب سے پہلے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مہرشی سوامی جی نے جو آریہ ورت کو جگت گرو لکھا ہے۔ وہ بات بالکل درست ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ سنسکرت کا آریہ شبد کتنا بامعنی اعلیٰ اور موجودہ یورپ کے محققوں کی نگاہ میں بھی تاریخی اور علمی تنوع لئے ہوئے ہے۔ بھارت کے ہندو لوگ آج جو اپنے اس اعلیٰ آریہ نام کو بھول چکے تھے۔ جو جگت گرو قوم سے تعلق رکھتا ہے اس کو پھر وید اور سنسکرت ساہتیہ میں درشا کر اس کو پرچار کرنے کا فخر یدی کسی کو ہے تو وہ مہرشی دیانند ہی ہیں۔ گو گزرا زمانہ بھی پڑھ جائے اس میں ہندو ماتر کے لئے رشی دیانند آریہ شبد کا اپیوگ کر گئے ہیں۔

مندرجہ بالا اعلیٰ کتاب کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے عالی دماغ ملک گیری کو جو موجودہ مادی شائستگی کے بچے ہیں۔ دیوی بیسنٹ شکل سے انسان کا نام دیتی ہے۔ اور ایک جگہ پرچار کرتی ہے کہ روئے زمین پر اس وقت صرف ایک ہی ملک ایسا ہے۔ جس کو سوئٹزرلینڈ کہتے ہیں۔ وہاں پر بلاشبہ اعلیٰ انسانی آدرش سنسکرتی موجود ہے۔ کارن یہ کہ اس دیش کی فوج کا اصول یہ ہے کہ ہم غیر ملک فتح کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ صرف [illegible] ارتقات Self defence ... اس فوج کے اصول پردیش کو غیر کے حملوں سے بچانا ہمارا فرض ہے۔

سوئٹزرلینڈ کی دھرماتما فوج سینا کی مندرجہ بالا دیوی بیسنٹ کے اعلیٰ بیان کو پڑھ کر میری خوشی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ ہماری دیوبانی سنسکرت کے شبد (کھشتریہ) کے لفظی معنی یہی ہیں کہ جو کھشات سے بچا وے وہی شخص کھشتری یعنی جو غیر کے یا بیرونی حملہ سے اپنی یا سودیش کی حفاظت کرے وہی شخص کھشتری ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین پر اگر سوئٹزرلینڈ کی فوج سلف ڈیفنس کے نیم پر بنی ہونے سے دیوی بیسنٹ کے شبدوں میں پورن دھرماتما ہے۔ اور وہ دیش بھی اسی وجہ سے اس وقت روئے زمین پر آدرش اعلیٰ انسانی سنسکرتی کا نمونہ ہے۔ تو وہ ویدک یگ جس کو مہرشی دیانند دوبارہ لانا چاہتے تھے۔ اس بھاری یگ کے آریہ کھشتری تھے معنوں میں سلف ڈیفنس کے نیم پر چلنے والے کھشتری ہوں گے جیسے کہ پرانے آریہ یگوں میں رہ چکے ہیں۔

مندرجہ بالا کتاب کا مطالعہ مزید یہ بتلا رہا ہے کہ اس وقت مغربی دنیا کے عالم وشو شانتی یعنی عالمگیر امن کا مارگ تلاش کر رہے ہیں۔ نیشن مینیا (Nation-mania) کا خوفناک مرض یورپ کے اعلیٰ دماغ کو چپٹ کرتا ہوا عالمگیر امن کو ستا رہے دور بھگا رہا ہے۔

لیگ آف نیشنز سوسائٹی نے عالمگیر انسانی برادری کے اصول کو پھیلانے سے عالمگیر امن کے پھیلانے میں ایک حد تک مفید کام کیا ہے۔ اس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ برہمو سماج نے بھی عالمگیر انسانی برادری کے بہتر عالمگیر تھیوری تیا پن کے اوچیہ اصولوں سے پرچار کرنے سے اسی ہوگ کی وشیش لپٹتی کی ہے۔ ... لیکن یوگی راجیہ مہرشی دیانند کی دور اندیشی کی ہم کس منہ سے تعریف کریں جنہوں نے وشو شانتی یا عالمگیر امن کو آریہ سماج کا مقصد اعلیٰ یا مکھیہ اپدیش قرار دیا۔ رشی نے آریہ سماج کا چھٹا نیم جو بنایا وہ ہم اس پر غور کریں تو بتلاتا ہے کہ:- "دنیا کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اپدیش ہے"

آریہ ویروں سے خطاب

(از لالہ تلک چند صاحب سخن کوٹ ادو)

آریہ ویرو! اٹھو دنیا کو دکھا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]ت جو خوابیدہ ہیں پھر انکو جگا دو۔
اک دھوم مچا دو
[illegible]نیا کو پہلی سی تجلی وہ دکھا دو
حق بات سنا دو
[illegible]سرِ توحید سے عالم کو گو تحبا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]تے ہیں پھر وید کا پیغام سنا دو
بگڑی کو بنا دو
[illegible]طل کے اوہام کی بنیاد ہلا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]ے آپس میں تمہارے ہیں مٹا دو
پھر پریم بڑھا دو
[illegible]ق میں شورا پنے تمدن کا مچا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]ف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ۔
حیران ہو دنیا
[illegible]ک عمل اپنے سے عالم پہ بٹھا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]ل میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں
عزت ہو گھروں میں
[illegible]شتے ان دونوں کو آپس میں ملا دو
اک دھوم مچا دو
ہو جھکو ایک تو قط ایش کے آگے
جگدیش کے آگے
[illegible]ر دھرم کی عزت پہ جمعیت پہ کٹا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]لو دکھا دو کہ ہو تم عزم کے پیکر
میداں کے دلاور
[illegible]تے میں ہمالہ ہو تو ٹھوکر سے گرا دو
اک دھوم مچا دو
[illegible]چین لو دنیا کا محبت کے عمل سے
الفت کے عمل سے
[illegible]یلاب اخوت کا محبت کا بہا دو
اک دھوم مچا دو

سرسبز رہیگا یونہی گلزار ہند

(از قلم سردار راجندر سنگھ صاحب عمل بی اے بی ٹی کوٹ ادو)

[illegible]ہیں تیری دھن میں طلبگار دیانند
[illegible] کفر کی تاریکی ہوئی دو جہاں سے
خوبی تقدیر ذرا اتنی مدد کر
[illegible]ہند میں ہی عالم بالا سے وہ آئیں
[illegible]نہا بگاڑ دیگی خزاں آ گئی گریاں
[illegible]تھا مدہوش تھا وہ نشہ حق سے

پھر ہند میں ہو جلوہ گر اک بار دیانند
روشن ہوئی جب شمع ضو بار دیانند
کھل جائیں کبھی مجھ پہ بھی اسرار دیانند
اچھا ہو مسیحا سے بیمار دیانند
سرسبز رہیگا یونہی گلزار دیانند
خم خانہ حقیقت کا تھا سرشار دیانند

کیا کم یہ عمل میرے لئے وجہ شرف ہے
کہتے ہیں مجھے لوگ دل افگار دیانند

آریوں کا بھوجن

از شریمان ڈاکٹر بھگت لال ایم ڈی۔ ڈی ایس ایل ایم آر اے۔ ایس (لنڈن)
ماہر علاج مرض نیند فق پردھان آریہ بھتی ندھی اپ سبھا۔ پیلی بھیت

ہماری صحت ۔ طاقت ۔ بدھی اور وچاروں کا انحصار زیادہ تر اُس بھوجن پر ہے ۔ جو ہم کھاتے ہیں ۔ اگر زیادہ گہرائی میں جایا جاوے تو معلوم ہوگا ۔ کہ جس پرکار کی کمائی سے بھوجن کی سامگری خریدی جاتی ہے ۔ اس سے اسی پرکار کے خیالات بنتے ہیں ۔ پرانوں میں کتھا آتی ہے کہ ایک رشی کسی راجہ کے یہاں ایک دن مہمان ہوئے ۔ رات کو جس کمرہ میں وہ سوئے ہوئے تھے ۔ وہاں کھونٹی پر ایک قیمتی ہار لٹکا ہوا تھا جب رشی کی نگاہ اس پر پڑی ۔ ان کی نیت میں فتور واقع ہوا ۔ اور وہ اس کو چرانے کی تجویز سوچنے لگے ۔ اسی وچار میں سو گئے ۔ صبح جب شوچ وغیرہ سے فارغ ہو کر اشور دھیان میں مگن ہوئے ۔ تب رات کے خیالات پر پچھتاپ ہوا ۔ اور ان وچاروں کے پیدا ہونے کے اسباب پر غور کرنے لگے ۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ جس دھن سے اُن کا بھوجن تیار کیا گیا تھا وہ ایک سنار سے راجہ نے ٹیکس کے طور پر وصول کیا تھا اور وہ سنار بھی اپنا کام ایمانداری سے نہیں کرتا تھا ممکن ہے کہ یہ کتھا افسانہ ہی ہو لیکن یہ سدھانت بالکل درست ہے ۔ منو مہاراج کے حوالے سے رشی فرماتے ہیں ۔ کہ جو دھرم ہی سے پدارتھوں کا حاصل کرتا ہے ۔ وہی سب پوترتاؤں میں اُتم پوتر ہے ۔ اور حالات جو بے انصافی سے کسی پدارتھ کو گرہن نہیں کرتا وہ پوتر ہے ۔ کنتو جل مٹی وغیرہ سے جو صفائی ہوتی ہے وہ دھرم کے مقابلہ میں نہیں ہے تو آریوں کے بھوجن کی سب سے پہلی خوبی یہ ہونا چاہئیے ۔ کہ وہ ایمانداری سے پیدا کیا ہوا ہو ۔ اور اس کے حاصل کرنے میں کسی کو بھی بے جا طور پر دکھ نہ پہنچا ہو ؛

(۲)

رشی دیا نند اپنے مشہور گرنتھ ستیارتھ پرکاش کے دسویں سملاس میں منو مہاراج کے حوالے سے لکھتے ہیں ۔ کہ جو جو بدھی کا ناش کرنے والے پدارتھ ہیں ان کا سیون کبھی نہ کریں ۔ اور جتنے ان سڑے بگڑے بدبودار اچھے طریقہ پر نہ بنے ہوئے اور شراب و گوشت خور کے ہاتھ کا بنا نہ کھاویں پھر منو مہاراج کے حوالے سے بتلاتے ہیں کہ پیشاب ۔ پاخانہ کی کھاد سے پیدا شدہ ترکاری پھل وغیرہ نہ کھاویں ۔ نیز عمدہ بھوجن میں گھی اور دودھ کو استعمال استحان پر اپیوگی بتلاتے ہیں ؛

مہرشی چرک اپنے گرنتھ کے سوتر استھان ادھیائے ۲۷ کے پہلے شلوک میں بھوجن کے درشن میں لکھتے ہیں :-

"عمدہ خوشبو والے اور اچھے رس سے بھرے ہوئے پدارتھوں کا اور شدھ و ٹھیک طریقہ پر بنایا ہوا بھوجن منشوں کا جیون آدھار ہے" ؛

آئیے ناظرین ان رشی واکیوں کو ذرا سائنس کی کسوٹی پر کسیں ۔ ہم اپروکت رشی واکیوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں :-

(الف) شراب اور گوشت کا بھوجن نہ کیا جاوے ؛

(ب) بھوجن میں گھی اور دودھ اس سے بنے پدارتھ خاص طور پر استعمال کئے جاویں

(ج) گلے سڑے گلے ۔ بدبودار اور سفلات سے بنائے بھوجن نہ استعمال کئے جاویں

شراب کا سارے جسم پر کیا اثر ہے ؟

اب تک جو سائنٹفک طریقہ پر ڈاکٹروں نے تحقیقات کی ہے ۔ اس کے مطابق شراب اور اسی قسم کی دیگر منشی اشیاء کے بار بار استعمال سے معدہ کی حرکت کم ہو جاتی ہے ۔ جس سے انتڑیوں کے عضلات بہت سست ہو جاتے ہیں ۔ اور ان کی حرکت اخراجی بھی بہت سست ہو جاتی ہے ۔ جس سے قبض پیدا ہوتی ہے ۔ جب شراب جگر میں جاتی ہے ۔ تو اس پر بھی تحریک کا اثر کرتی ہے ۔ آخر جگر کی باریک ساخت ضائع ہونے لگتی ہے ۔ اور جگر سکڑ کر چھوٹا ہو جاتا ہے ۔ اور اس کے معمولی فعل میں خلل واقع ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ ورم جگر ! (ترنل جگر) یرقان ذیابیطس استسقا وغیرہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں ؛ گردے پر شراب کے برے اثر سے اکثر شرابیوں کو پتھری کا عارضہ ہو جاتا ہے ۔ سیگلنک کے تجربہ میں آیا ہے کہ شرابیوں کی اولاد میں اس کا اثر جاتا ہے ۔ ایک تین برس کے بچہ کی پتھری خود سیگلنک نے نکالی ہے ۔ دماغ پر تو شراب کا اثر نہایت ہی خراب ہوتا ہے ۔ اس سے نسیان (لقوہ) درد سر ، مالیخولیا ، جنون ، رعشہ ، سکتہ وغیرہ مختلف امراض پیدا ہو جاتے ہیں ؛

گوشت کے اثرات

گوشت کھانے والے اصحاب کا خیال ہے ۔ کہ گوشت ایک طاقتور غذا ہے ۔ اور بعض کتب بھی اُن کے خیال کی تائید کرتی ہیں ۔ بطور ڈاکٹر کے ہمیں اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے ۔ کہ جن لوگوں کو صرف عارضی حیوانی طاقت یا جوش کی ضرورت ہے ۔ اور امراض کی کچھ پرواہ نہیں ہے ۔ نیز عقل تندرستی ، درازی عمر اور روحانی ترقی سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ اُن کے واسطے گوشت ایک طاقتور غذا ضرور ہے ۔ لیکن چونکہ وہ قدرتی غذا نہیں ہے ۔ اس لئے انسان کے آلات ہضم اس کے پورے طور پر ہضم کرنے میں ناصر رہتے ہیں ۔ قدرتی غذا نہ ہونے کے سینکڑوں ثبوت ہیں ۔ چند ملاحظہ فرمائیے :-

جتنے قدرتی بخشش پدارتھ ہیں ۔ اُن کی جانب انسان کا قدرتی رجحان ہوتا ہے ۔ ان کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے ۔ نارنگی ، آم ، سیب کو دیکھ کر اندر سے کھانے کی از خود خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ گیہوں ، چنا ، کھیت میں کھڑا کچا بھی کھایا جا سکتا ہے ۔ لیکن کچے گوشت کو دیکھ کر گوشت خوروں کو بھی نفرت ہوتی ہے ۔ کیسے ہی گوشت کے عادی کیوں نہ ہوں تفریح کے لئے کبھی بوچڑ خانہ کو تشریف نہ لے جاویں گے ۔ بلکہ اسی کام کے لئے ! باغات اور سبزی کے کھیت ہی پسند کریں گے ۔ اور کوئی مانس آہاری بلا گھی اور مصالحہ کے کچا گوشت نہ کھا سکیگا ۔ انسان کے اعضاء کی بناوٹ پر غور کیا جائے گا ۔ تو گوشت خور جانوروں سے بالکل مختلف ہے ان وجوہات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدرتی غذا نہیں ۔ ہاضمہ پر اس کا نہایت خراب اثر ہوتا ہے ۔ اس کے استعمال سے مندا گنی کی بیماری پیدا ہوتی ہے ۔ گوشت سے جو ویریہ بنتا ہے ۔ وہ شریر میں دیر تک نہیں ٹھیر سکتا ۔ اس لئے گوشت کھانے والے کو برہمچاریہ رہنا دشوار ہے ۔ برہمچریہ کے ناش سے بدھی کا ناش ہو جائیگا ۔ اور روحانی ترقی کا تو سوال ہی کیا ہے ؟

(ب) دودھ گھی کیوں استعمال کرنا چاہئیے

کھانے کے جملہ پدارتھوں میں دودھ سب سے سرِ فہرست ہے ۔ بچہ کے بدن اور پرورش میں زیادہ دودھ ہی کا حصہ ہے ۔ مگر دودھ از سر نو طاقت لانے کے لئے دودھ سے بڑھ کر دوسری چیز نہیں ۔ شاعر نے کہا ہے ؎

دودھ سے بڑھ کر تو کونسی ہے اور غذا

کہ غذا کی تو دوا اور غذا کی ہے غذا

تقریباً تمام طاقت دہ و ویٹامن کا خزانہ دودھ ہی ہے ۔ آیوروید کے مشہور گرنتھ بھاو پرکاش میں دودھ کے مفصلہ ذیل صفات بیان کئے ہیں :-

دودھ میٹھا ۔ چکنا ۔ وایو اور پت کو ناش کرنے والا ۔ بہت جلد ویریہ بنانے والا ٹھنڈا سب پرانیوں کو موافق آنے والا ۔ زندگی کو دینے والا ۔ دھاتوں کو بڑھانے والا طاقت دینے والا ۔ بدھی بڑھانے والا ۔ بہت ہی باجی کرن ۔ عمر بڑھانے والا ۔ ٹوٹے کو جوڑنے والا رساین ۔ شریر کے مل کو نکالنے والا ۔ پرانے بخار ۔ مانسک روگ ۔ سوکھا بیہوشی ۔ تھکاوٹ ۔ یرقان جلن دیہاک برنے کے روگ ۔ شول ۔ باؤ گولہ ۔ پیشاب کی بیماریوں ۔ مقعد کے مسئے ۔ رکت پت دست ۔ یونی کی بیماریوں اور اسقاط حمل وغیرہ امراض میں ہمیشہ مفید ہے ۔ بالک ۔ بوڑھے ۔ گھاؤ کھائے ہوئے ۔ بھوک یا استری پرسنگ سے کمزور روگیوں کو بہت ہی مفید ہے اس کے آگے وششٹ روپ میں گائے کے دودھ کے درشن میں لکھا ہے ۔ کہ ہمیشہ استعمال کرنے سے بڑھاپے اور تمام امراض کا ناش ہوتا ہے ۔ اب گھی کے اوصاف ملاحظہ فرمائیے آیوروید کے مستند گرنتھ چرک نے بیان کیا ہے ۔ کہ گھی وات پت ناشک ۔ رس ویریہ بل کو بڑھانے والا ۔ شریر کو ملائم کرنے آواز اور رنگ کو عمدہ بنانے والا ہے ؛

بھاو پرکاش میں گائے کے گھی کے مفصلہ ذیل اوصاف بیان کئے ہیں :-

نیتروں کو نہایت مفید ۔ ویریہ کو بڑھانے والا ۔ دیپن ۔ تینوں دوشوں کو ناش کرنے والا ۔ بدھی ۔ خوب صورتی ۔ تیج عمر اور روپ بڑھانے والا ہے ۔ ایک وقت تھا جب کہ یوروپ باسی دہی سے نفرت کرتے تھے ۔ لیکن آج سائنس نے ان کو یہ اعلان کرنے پر مجبور کیا ہے ۔ کہ دہی سے تپ دق کے کیڑوں کا ناش ہوتا ہے ۔ چنانچہ تپ دق کے مریض کو خوب دہی کا استعمال کرایا جاتا ہے بھارت ورش میں تو پرتیکش پرمان موجود ہے ۔ جب تک یہاں دودھ گھی کی ندیاں بہتی تھیں ۔ یہاں کے لوگ بلوان ۔ بدھیمان اور بڑی عمر کے ہوتے تھے ۔ اب جبکہ ودیشیوں کی کرپا سے دودھ گھی عنقا ہو رہا ہے ۔ لوگ بیمار اور کمزور ہوتے ہیں ۔ اور تھوڑی ہی عمر

سوامی دیانند سرستی گورداسپور میں

(از شری پت بیلی رام جی آنند گھروٹہ)

آیا اک برہمچاری تے ویدپاٹھی ڈیرہ وچ لاہور لگا دِتّا

ترنار پر چار ہزار سندے تہلکہ شہر دے وچہ مچا دِتّا

کردے شاستر ارتھ وِدوان آ کے ڈکا وید پرچار بجا دِتّا

کالج چھڈ ودیارتھی سُنن سارے لیکچر نال پریم ودھا دِتّا

گور چرنداس وِدیارتھی لاء کالج پڑھکے لاء جنھاں ڈیرہ لادِتّا

سُن کے آیا پرچار گورداسپور سی وچہ بارد ے حال سنا دِتّا

آیا اک مہاتما ویدپاٹھی دیانند جس نام رکھا دِتّا

برہمچریہ دے تیج دی نال جس نے ہر اک مذہب تے رعب جما دِتّا

ترج بار دے ذکر انہ کار کرکے مہنیاں جا حال سنا دِتّا

ہویا ڈاکٹر صاحب نوں شوق سُن کے پتر پریم دا تُرت پہنچا دِتّا

اُنہاں دِنانند پوچھ اِک ڈاکٹر سی جدا نام بہاری لال ہیسی

ترچہ ڈاکٹری فن اُستاد پورا چیر پھاڑ دا ہنر کمال ہیسی

نال غور دے مرض تشخیص کرکے نسخہ لکھدا پریم دی نال ہیسی

شوق رحم دی نال مریض دیکھے سور گن نال اسدے ہیپتال ہیسی

شہرت رشی دی سُنی جد ڈاکٹر نے درشن کرندا دل وچار کیتا

بھائی اُنہاں اِک بلبیر سنگھ سی کرکے شکرم سوار تیار کیتا

اُنہاں نال دی پوچھ نال ریل ہیسی گھوڑا گاڑی دا سفر اختیار کیتا

امرت سر ول سوامی جی آ گئے فوراً۔ پریم ویکھ کے نہیں انکار کیتا

پہنچے اٹھاراں اگست دی شام سوامی لوکاں جا اگے نمسکار کیتا

دوجے روز پرچار دی ہوئی تیاری صبح شام دو وقت پرچار کیتا

ڈپٹی صاحب انجینیر تے ہور حاکم لیکچر سُنن سب نے سوِیکار کیتا

میاں ہری سنگھ تے میاں شیر سنگھ نے ٹھاکر صاحب نوں نال تیار کیتا

آئے سُنن محمد حیات خان وی آ کے پریم دا اُنہاں اظہار کیتا

کرنا شاستر ارتھ بلا پنڈت دینا نگر اک مرد تیار کیتا

دینا نگر نواسی وِدوان پنڈت لکھمی دھر نالے دولت رام آئے

نال لیکھکاں شاستر وید چار کرکے بحث دا سی انتظام آئے

صبح شاستر دا وقت ہیسی پہلے روز پنڈت نت شام آئے

ہو کے خوشی سُن رشی دی وید بانی کر دے صفت سارے خاص و عام آئے

شب چراغاں اور مہرشی دیانند

(ز دانی طبع مہاشہ موہن لال جی عاقل لدھیانوی)

پھر ضیا پاش نظر ہے جلوۂ حسنِ بہار ذرّے ذرّے سے عیاں ہے آج شانِ کردگار
آئینہ خانہ بنا ہر ایک قصرِ تابدار خلد بھی اس خلد کی آئینہ بندی پہ نثار

ہر چراغ بام و در گویا سراپا چاند ہے
انجمِ تاباں کی محفل جس کے آگے ماند ہے

جلوہ افگن جابجا ہیں شمع فانوس بلور مانند ہو جن سے تجلائے چراغ کوہِ طور
ہیں ہویدا ہر در و دیوار سے آثارِ نور حُسن کا دریا ہے گویا موجزن نزدیک و دور

آج دیوالی ہے جشنِ فتح و حق کی رات ہے!
یا دگارِ آمدِ رام و لچھمن کی رات ہے!

ذرا رام بھرت ملاپ

جلوہ ساماں ہیں فروغِ نور سے ہر بام و در حسنِ زیبائش غضب ہے، واہ کیا کہنا مگر
دیدۂ حق بیں ہے عکسِ حسنِ باطل دیکھ کر آہ ارہ جاتے نہ کیونکر محوِ صد حیرت نظر

مادرِ ہندوستاں پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
نور کے پردے میں تاریکی ہے کیوں چھائی ہوئی

ہاں غروب آج آفتابِ ملک و ملت ہو گیا آسمانِ ہند تھا جس کی ضیا سے پُرضیا
ایک خدمتگار کے ہاتھوں سے "وہ مردِ خدا" مہرشی سوامی دیانند راہیِ جنت ہوا

ہاں اسی غم سے ہوا بھارت کا سینہ داغ داغ
کیونکہ ہر دل میں ہو روشن داغِ فرقت کا چراغ

لاکھ قندیلیں ہوں روشن اور چراغاں ہو شمار جلوہ افگن شمع فانوس بلوریں ہوں ہزار
تو فریب نور دہِ شمس و قمر لیل و نہار برقِ کوہِ طور بھی ہو جائے عاقل آشکار

آریہ جاتی منوّر ہو سکے ممکن نہیں!
شمع ویدِ پاک روشن ہو نہ جب تک ہر کہیں

اٹھاراں سو سنتر اگست چوی نال پریم سماج تیار کیتا

ورے ہوئے چو رنجہ نے باغ رشی آپ نثار گلزار کیتا

ساڈے ضلعے دے صدر مقام اندر آئے رشی تے آن پرچار کیتا

آیا کرشن پرکاش دا حکم ساہنوں لکھی نظم نہ ذرا انکار کیتا

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۲)

سمجھے ہیں۔ اور ہے اپنے مشن کی کامیابی کی عملی تدابیر اختیار نہیں کی ہیں۔ عملی تدبیر یہ ہے کہ آریہ سماج نہایت جوش و دلی آنش سے ویدک سچائیوں کا پرچار کرے جس سے دنیا میں سچی شانتی ستھاپت ہو اور رشی کا بویا بیج ایک عظیم الشان درخت بن کر دھرم نمار تھا۔ کام دھرم کش کے پھل سے دنیا کو مالا مال کر دے ۔

دھرم اور آچار

(از شری آچاریہ بھکتی رام جی - گورو کل پوٹھوہار)

دھرم کا لکشن کرتے ہوئے رشی کناد نے ایک سوتر میں دھرم کو دو حصوں میں بانٹا ہے۔ دھرم کے پھل کی درشٹی سے انہوں نے پھر دو بھاگ کئے ہیں۔ ایک ابھیودیہ پھل اور دوسرے کا نشریس نام دیا ہے۔ ابھیودیہ اس لوک کے سکھ کو کہتے ہیں۔ اور نشریس موکش کا نام ہے پھر مکتی کے سنبندھ کرموں کے بھی جن کا نام دھرم ہے دو بھید ہو جاتے ہیں ایک وہ کرم جو اس لوک میں پھل دینے والے ہیں۔ اور دوسرے وہ جن کا پھل موکش ہے۔ اس لوک میں پھل دینے والے کرموں کے بھی دو بھاگ ہو سکتے ہیں۔ ایک ویکتی کے لئے لابھدایک اور دوسرے سماج کے لئے اپیوگی۔ اس پرکار دھرم کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے ان کے نام ہیں۔ ویکتیک (شخصی) ساماجک اور پارلوکک۔ دھرم کے ان تینوں ہی بھیدوں کا کچھ ورنن اس لیکھ میں کیا جائے گا۔ اور بتایا جائے گا کہ دھرم آچار کی حالت میں ہی لابھدایک ہو سکتا ہے۔ منتویہ کے روپ میں نہیں۔

ویکتیک دھرم

ویکتیک کرم وہ ہیں جو ویکتی کو لابھ پہنچانے والے ہوں۔ گو ویکتی کے سدھارک کرم سماج کا بھی سدھار کرتے ہیں۔ کیونکہ ویکتی بھی سماج کا ہی انگ ہے۔ پرنتو ان سے سماج کا ہت ویکتی ہت کے دوارا ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں ویکتیک میں ہی گنا گیا ہے جیسے اسنان۔ سندھیا۔ بھوجن۔ پرانایام اور سوادھیائے اور مرتک کو چھوڑ کر باقی سنسکار اسی پرکار اور بھی جو ویکتی سے سمبندھ رکھنے والے ہیں ویکتیک کرم ہیں۔ ان میں سے اسنان کا پھل شریر کی شدھی ہے۔ بھوجن کا پھل شریر کی پشٹی ہے۔ پرانایام بھی شریر کو مضبوط بناتا ہے۔ اسی پرکار مختلف سنسکاروں کے پھل بھی شریر، اندریہ اور من کی پوترتا ہیں۔ ان کرموں کے پھل کرم کرنے کے بعد اسی لوک میں مل جانے چاہئیں۔ اور ان کرموں کے کرنے والے پرشوں میں دوسروں کی نسبت کچھ وشیشتا ہونی چاہئے۔ پرارمبھک۔ فراخی اور کرائی مست داڑیوں نے اپنے مستاجر یا نماز روزہ نت کرموں کا سنبندھ بھی سورگ نرک بہشت دوزخ کی کلپنا کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ یہ کلپنا اپنی زبان کمزوری کو چھپانے کے لئے کی گئی معلوم ہوتی ہے۔ اب کسی سندھیا کرنے والے یا نمازی کو جھوٹ بولتا دیکھ کر ہم یہ کہنے کا ساہس نہیں کر سکتے۔ کہ وہ سندھیا نہیں کرتا اور نماز نہیں پڑھتا۔ کیونکہ اس کی سندھیا اور نماز کا پھل تو سورگ اور بہشت ہے۔ جو لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اگر سندھیا ویکتی کے من بانی اور اندریوں کی شدھی کر سکے۔ اور لوگ سندھیا کے پھل کو پرتیکش دیکھ لیں۔ اور ویکتی سندھیا کا پھل لوگوں کے سامنے رکھ سکے۔ تو لوگ بلا تامل اس کی تقلید کرنے پر تیار ہو جائیں۔ لیکن ہوتا یہ نہیں۔ سندھیا کا پھل کلپت اور پروکش ہے۔ سندھیا کے پھل کا لوگوں کو گیان کرانے کے لئے یکتی یا شبد پرمان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ دوسرے بھی اسی پرکار کے سہارے سے اس کے مقابلے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ آپس کی کھینچا تانی سے کئی بار سر پھٹول بھی ہو جاتی ہے۔ کئی بار اسی آدھار پر جاتیوں کے بھینکر سنگرام چھڑ جاتے ہیں۔ اس پرکار آچار کے میدان سے نکل کر صرف زبانی یا تحریری تک کا آشرے کر دھرم اپکار کے ستھان میں اپکار کا سادھن بن رہا ہے۔ نشٹ سماج کو اس پرکار جھگڑتے دیکھ رشی دیانند نے سورگ اور بہشت کی بھول بھلیاں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا گھور پریتن کیا۔ ان کے اس پریتن سے ان کے انویائی اس لوک میں پھل دینے والے کرموں کا پھل سورگ یا بہشت نہیں مانتے۔ لیکن آچرن کی درشٹی سے وہ بھی ابھی تک اسی ستھان پر ہیں۔

ایک آریہ پرش نے سندھیا وشے میں مجھ سے نمن وارتالاپ کیا۔

(آریہ) پنڈت جی! سندھیا تو بہت دنوں سے کرتے ہیں۔ لیکن کچھ لابھ نہیں ہوا۔

(میں) آپ سندھیا نہیں کرتے ہوں گے ورنہ جیسے گڑ کھانے سے منہ ضرور میٹھا ہوتا ہے۔ ویسے ہی سندھیا کرنے سے ضرور لابھ ہونا چاہئے۔

(آریہ) اگر وہی سندھیا ہے جو رشی دیانند نے پنچ مہایگیہ ودھی میں لکھی ہے۔ تو وہ تو میں ہر روز کرتا ہوں۔

(میں) آپ سندھیا کا کیا پھل سمجھتے ہیں جس کے نہ ملنے سے آپ متفکر ہیں۔

(آریہ) خاموش۔

ان کی اس خاموشی سے میں سمجھ گیا۔ کہ یہ سجن سندھیا کا پھل کسی کلپنا کی پروکش سے تو نہیں سمجھتے۔ لیکن سندھیا کے واستوک پھل کا انہیں پتہ نہیں۔ میں نے ان سے نویدن کیا۔

شریمان! میں نے کہا تھا۔ کہ آپ سندھیا نہیں کرتے۔ سندھیا کے منتروں کا اچارن ہی سندھیا کرنا نہیں۔ سندھیا کے منتروں کا اچارن ان منتروں میں کئے اپدیش کو ترنت دوسرے سمرن کرانے کا سادھن ہو سکتا ہے۔ لیکن اس اپدیش پر آچرن کئے بنا وہ سب ویرتھ ہے۔ سندھیا منتروں کا پھل کوئی ایسی وستو نہیں۔ جسے آپ اپنے پریتن سے پراپت نہ کر سکتے ہوں۔ دیکھئے اندریہ سپرش اور مارجن منتروں میں اندریوں کے پوتر رکھنے کا ودھان ہے۔ آچمن منتر میں جل کے لابھ بتلاتے ہوئے اس سے سوا ایشرچ لینے کا آدیش کیا گیا ہے۔ پرانایام سانس کی نالیوں کو کھولتا اور شدھ کرتا ہے۔ گایتری منتر میں پربھو کی بھگتی دوارا ان کے شبھ گنوں سے لابھ اٹھانے کا اپدیش ہے۔ اگھمرشن منتر میں بھگوان کی وشال شکتی کے آگے نہ ہوتے سنسار چکر کو دکھا کر اپنی تچھ شکتی کا انو بھو کرتا ہوا منش اپنے ادھیکار کے مد کو دور کر رہا ہے۔ منسا پریکرما منتروں میں تو کاشکتیوں کو کیندرت کرا کے اپنی مٹھی میں لینے کا جو اپدیش دیا گیا ہے۔ اپستھان منتروں میں سوریہ دیو سے تیج، میدھا، بل آدی شبھ گنوں کا انوکرن کر کے جیوی اور مریاداشیل ہونے کی جو پریرنا کی گئی ہے۔ المختصر سندھیا منتروں میں شریر، من اور اندریوں کو سدمارگ پر چلانے اور ان کی اچیہ شکتی کو پربل کرنے کا اپدیش کیا گیا ہے۔ اب آپ بتلایئے کہ جب سے آپ سندھیا کرنے لگے ہیں کیا آپ نے سندھیا کے ان سب پھلوں کو پراپت کرنے کا یتن کیا؟ نہیں تو کیا میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے کبھی سندھیا کی ہی نہیں؟

اس ایک نت کرم کو مثال کے طور پر میں نے پاٹھکوں کی سیوا میں اپستھت کیا ہے۔ دھرم کے جن ویکتی گت کرموں کا ورنن کیا گیا ہے۔ آچار کی ڈھیل سے ان سب کی یہی دشا ہے۔ اسی طرح دھرم آج کل زیادہ تر کتابی دھرم یا ماننے کی وستو رہ گیا ہے۔ اور اس کے متنوع بھاگ کو بھی دنیا کے راج نیتک مت کے آدھار اپنا ستم ہو گئے ہیں راج نیتی کا نصب العین ارتھ ہے اور ارتھ لڑائی کی جڑ ہے۔ یہی کارن ہے کہ بہار کی کمیشنر آج کل لڑائی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ بھارت کی راج نیتک سمسیا کو دھرم نے الجھایا ہے۔ ان کا یہ کہنا ٹھیک ہے۔ پرنتو وہ الٹا کہتے ہیں۔ انہیں کہنا چاہئے کہ کٹل راج نیتی نے دھرم کو بھی دوشت کر دیا ہے۔ جیسے مسلمانوں اور عیسائیوں نے دھرم کو راج نیتک اور آرتھک پرجن سدھ کرنے کا سادھن بنایا۔ اور بھارت میں پرچار کیا۔ تبھی سے بھارتیہ دھرم کے ڈھچے میں بھی پریورتن ہونا لازمی تھا۔ اور وہ ہوا۔ جس طرح دھرم کے ماتھے پر کلنک لگایا جا رہا ہے۔ اسے دیکھ کر یہ کہنا اسنگت نہ ہوگا کہ وہ دن دور نہیں۔ جب دھرم کی چھینٹا ہوتی ٹوکری کو لوگ سر سے اتار پھینکیں گے۔ یہ مسئلہ اب کسی ایک دھارمک سمودائے کے سلجھانے کی چیز نہیں رہا۔ اسے سرو دھرم سمیلن ہی سلجھا سکتا ہے۔ اس کے سلجھانے کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ دھرم نیتی اور ارتھ نیتی کو سروتھا پرتھک کر دیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ دھرم کا سمبندھ آچار کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ ویدک دھرمی، عیسائی، سکھ، مسلمان اپنے آپ کو وہی کہہ سکے۔ جو ان دھرموں کے دھارمک نیتک اپدیشوں پر آچرن کرتا ہو۔ کیول کسی دھرم کو مان لینے سے کسی کو دھارمک نہ کہا جاسکے۔ کسی ایسے شخص کو دھرم پرچار کا ادھیکار نہ ہو۔ جو سوئم آچار کا مالک نہ ہو۔ اور پرچار کا طریقہ یہ ہو کہ دھرم کے جگیاسو کسی ایکانت ستھان میں ٹھہرے ہوئے ایسے مہاتماؤں کے پاس جا کر اپنے آتم تیاگ کا مارگ خود پوچھ لیا کریں۔ پراچین بھارت میں دھرم پرچار کی یہی ریتی تھی۔ آچار شیل دھرم دھرندر رشی لوگ جنگلوں اور پربتوں کی کندراؤں میں رہتے تھے۔ دھرم کی پیاس بجھانے کے لئے سینکڑوں کشٹ سہتے ہوئے جگیاسو ان کی کٹیاؤں پر پہنچتے تھے۔ آج کل کا دھرم پرچار اس کے سروتھا ویپریت ہے۔

بالفعل دو چار ہیں۔ کہ دھرم پرچار کا کون سا سادھن اتم ہے۔ دھرم کے پرچار کا واحد اتم سادھن ہے۔ یہ آچار ہے۔

ساماجک دھرم

دھرم کے ساماجک نیموں سے یہاں وواہ سنسکار کا ہی ورنن کیا جائے گا۔ وواہ ایک ساماجک نیم ہے۔ وواہ ہی ایک استری پرش کے سمبندھ کو اس پرکار جوڑتا ہے۔ کہ زندگی بھر تک وہ دڑھ رہے۔ یہی ایک ...

بقیہ کے لئے دیکھو صفحہ ۲۱ کالم ۱

سوامی دیانند

انو پرسدھ پنجابی کوی شری گیان چند دھون - لاہور

دیانند سوامی ہرجا نظر آوے غیر آکھدے نے کہ سماگیا اے
ہندو قوم شریر تے سانس او ہا اے اوہ جیہڑی سماج رچا گیا اے
کر کے کم اوہ جوش بہادری دے مردہ دلاں اندر جان پا گیا اے
بیڑا قوم گیاں دے لاچھپو بھجر ئیاں دچوں پار لا گیا اے
اسی وانگ سیال تھبل وٹیاں دے کچھو سچ جے بنئے بنا گیا اے
ہتھ شند ھی سنگھٹن وا ناد پھڑ کے سوامی ستیڑی قوم جگا گیا اے
اک دن مورتی کھنڈن تے آکھدے سن پوجا مورتی کہن ہٹا دیئے
کھچ تیغ اک کہیا سناتنی نے سیں سوامی دا دھڑ دل اڑا دیئے
سوامی تیغ اسنوں جھٹ کھو لینی پکڑ آکھیا غصہ گنوا دیئے
نرے شاستراں دے اسی نہیں باوے توڑ شستراں ادیں گرا دیئے
بڑا کم کرنا اجے نہیں مرنا مرا گرد ایہ مینوں سکھا گیا اے
جدوں کم میرا پورا ہو جاسی آپے کہہ دیانگا ویلا آ گیا اے
ٹیلے مت آئے لیکچر دیو ندے سن کہیے کیا خفا ہوندا لاٹ ہے جی
گورنمنٹ دا مذہب ہے جان دیو ڈاڈھی بہت سوامی جی اگھاٹ ہے جی
سوامی کہیا کہ لاٹ چلے شاہ ہووے بھتی گل ایہو خوا لاٹ ہے جی
بھاویں چکرورتی راج خوف دیوے نہیں چھڈنی سچ دی واٹ ہے جی
گیان آکھنوں سچ نہ کدی ٹلنا ایہو سبق استاد پڑھا گیا اے
جائے سچ لئی جان تے جان دیویں رستہ کیرتی دا لا بتا گیا اے

پاسبانِ ہند

(از قلم شری جگناتھ تاب پٹیالوی)

ہندوستاں پہ تھی جب تاریکی جہالت — اور نیر حقیقت پر تھی محیط ظلمت
جب پردہ جہالت میں تھی نہاں صداقت — ہر دل پہ بت پرستی کی تھی رواں حکومت

ایسے میں سوامی اپنا خورشید بن کے آیا
اور علم کی کرن سے رستہ صحیح دکھایا

ویدوں کی وِدیا سے گمراہ ہو چکے تھے — اور برہمچریہ بل کو بالکل ہی کھو چکے تھے
اپنی پرانی عظمت سے ہاتھ دھو چکے تھے — اور حفظِ قوم تک سے بیہوش ہو چکے تھے

اُس وقت مہرشی نے ہم کو بچایا آکر
بچھڑے ہوؤں کو اس نے پھر سے ملایا آکر

بیواؤں کی فغاں کے جب تھے بلند نعرے — ہندو یتیم بچے مرتے تھے دکھ کے مارے
جب کشتیٔ جماعت اپنی تھی بے سہارے — دھتکارتے تھے ہم کو دنیا کے لوگ سارے

اس وقت آئے سوامی بن کے ہمارے رہبر
تھے کاشفِ حقیقت رازِ خدا کے مظہر

اپنے وطن کی خاطر اس نے اٹھائی آفت — اینٹوں کی بارشوں کو سمجھا خدا کی رحمت
جامِ فنا پیا تھا اس نے سمجھ کے امرت — تھی اس کے دل میں پنہاں قوم و وطن کی خدمت

آزادیٔ وطن کا پروانہ تھا تو وہ تھا
حبِ وطن کی دُھن میں دیوانہ تھا تو وہ تھا

دردِ وطن سے پُر تھا اس مہرشی کا سینہ — تھا کانِ معرفت کی اور علم کا خزینہ
بحرِ فنا میں سوامی تھا قوم کا سفینہ — اور قوم کی بلندی کے واسطے تھا زینہ

ویدک دھرم کا جھنڈا آکاش تک چڑھایا
تاب دلوں سے اس نے عرشِ بریں ہلایا

روشنی میں اندھیرا

(از قلم جواہر رقم شری رگھونندن پرشاد سوز آریہ منزل خسرو پور ضلع پٹنہ)

بدیوالی دیانند مصلحِ اعظم روانہ شد
ز دستِ روشنی اجمیر تاریک زمانہ شد

قضا کی رہزنی سے شامِ غم محشر بداماں ہے — خورِ تاباں پہ زردی چھا گئی ماتم کا ساماں ہے
مہِ پُرنور کے سینہ میں داغِ رنج و حرماں ہے — الم خود آج آتش زیرپا ہو کر خراماں ہے

دِیا لے کر ہزاروں ڈھونڈھتی پھرتی ہے دیوالی
دَیا کے سوگ میں جل کر ہوئی آنند سے خالی

چراغِ رنج خوں افشاں رہا چشمِ گریاں ہے — شمع فانوس میں جلتی رہی ہے جسمِ عریاں ہے
تنِ پروانہ خاکستر ہے سوزِ قلب بریاں ہے — پگھل کر موم چربی بن گئی رنگِ شمریاں ہے

غریقِ ورطۂ ماتم دلِ صد چاک ہوتا ہے
رشی کا نذرِ آتش آہ جسمِ پاک ہوتا ہے

تعجب ہے کہ اجمیر نے باحالتِ ابتر — نہ آئے روزِ شنبہ اجل مسموم کی بن کر
ٹھہر جلدی پڑی کیا تجھ کو شامِ تیس اکتوبر — اٹھارہ سو تراسی عیسوی ۱۸۸۳ آ نا ذرا تھم کر

تجھے گر ضد ہے ظالم رشی چولا بدلتا ہے
"پربھو اچھا تیری اِچھا پورن ہو" یہ منہ سے نکلتا ہے

دفار وید قائم از سرِ نو کر دیا جس نے — تہی خمخانۂ وحدانیت پُر کر دیا جس نے
نثارِ دھرم ہو نذرِ اجل سر کر دیا جس نے — عدو کے بھی حوالہ کیسۂ زر کر دیا جس نے

تجھے سنکھیا اور مشتر کی آج اُس پر یورش ہے
کرانا قتل نفسِ جان دشمنِ اللہ کی سازش ہے

دیانند مہرشی صد آہ! ہندستاں سے جاتا ہے — ہم کنعاں نصیبِ دشمنا کنعاں سے جاتا ہے
مفسرِ ویدِ اقدس عالمِ امکاں سے جاتا ہے — الٰہی بلبلِ توحید جسم و جاں سے جاتا ہے

اسیر نجہ بحالاں گرد و ارجمنداں ہے
نوا سازِ مسرت بزمِ تاریکی پسنداں ہے

خطا کیا؟ کس لئے لے شرک و باطل پیکار ہزن — بنا کیوں مادرِ بھارت کی رہ میں آتشیں خرمن
تجھے دینِ جہادی کیا ملا؟ او عقل کے دشمن — کسی کی جاں ستانی بن گئی حق میں ترے مدفن

ترے دستِ ستم سے لے فلک اجمیر روتا ہے
کہیں بھی روشنی میں سوز یوں اندھیر ہوتا ہے

رشی دیانند سے خطاب

(از مہاشہ جگت کمار آفر)

دھرم پر سے خود کو مٹا دینے والے
شہادت کا رستہ بتا دینے والے
کیا وید پرچار ہر جا پہ تو نے
اے ویدوں کا ڈنکا بجا دینے والے
جو تھے سنکر دیگمراہ برادر
انہیں وید مت پر چلا دینے والے
محبت کا کرنا سکھایا تھا تو نے
اے جامِ محبت پلا دینے والے
تمہارے کرم سے چھٹی بت پرستی
نراکار پوجن کرا دینے والے
جہالت سے تھے آریہ سو رہے سب
سُنا وید بانی جگا دینے والے
جہالت نے ویدوں پہ غلبہ تھا پایا
جہالت کا پردہ اٹھا دینے والے
کریں سارے سنسار کو آریہ ہم
یہ آدیش ویدک سمجھا دینے والے

سوامن تری خوبیاں کیا بیاں ہوں
جہالت آمر کی چھڑا دینے والے

سوامی دیانند اور مہاتما گاندھی

آریہ سنسکرتی کی دوہری وجے

(از پنڈت نردیو جی شاستری وید تیرتھ)

سنسار میں اس سمے ہر جگہ مہاتما گاندھی کی دیپاولی کی وجے ہو رہی ہے۔ اور لنڈن جاتے سمے اور وہاں پہنچنے پر مہاتما گاندھی جی کا جو اپورو سواگت ہوا وہ آریہ سنسکرتی کے اپاسک مہاتما گاندھی کی ہی وجے نہیں۔ آریہ سنسکرتی کی ڈبل وجے ہے۔ مہاتما جی ولایت میں رشی منیوں کے ویش میں گئے۔ ان کی تو وجے ہوئی ہی پر رشی منیوں کے جو اٹل سدھانت۔ تب ستیہ۔ اہنسا آدی اجیہ ادھیاتمک بھاو ہیں ان کی بھی وجے ہے۔ بھارت میں جب سوامی دیانند کا جنم ہوا تھا تب پاشچاتیہ سبھیتا اور پاشچاتیہ ڈھنگ کے شاسن نے یہاں پاؤں جمانے شروع کئے تھے اور جب سوامی جی پورن تپسیا کے بعد اپنے گرو سوامی ورجانند کی آگیا سے کاریہ کشیتر میں اترے تب پاشچاتیہ سبھیتا اور شاسن کی جڑیں اچھی طرح جم چکی تھیں۔ اس سمے اگر سوامی جی نہ ہوتے تو پاشچاتیہ سبھیتا کے مقابلہ میں پراچین آریہ سنسکرتی کو دھکا لگ جاتا۔ یالا لوئی نہ ہوتی۔ سوامی جی کے اٹھنے پر پاشچاتیہ سبھیتا کے پاؤں اکھڑ گئے اور آریہ سنسکرتی کے پاؤں جمنے لگے۔ لیکن شاسن پرنالی وہی مغربی ڈھنگ کی رہی۔ اس وقت یہی کام ضروری تھا کہ گھر کو سنبھالا جائے۔ اسی کام کو سوامی دیانند نے کیا۔ انہوں نے بھارت ورش کو پراچین تم دیکھ سبھیتا کی طرف کھینچا اور سنسار کے دھارمک کشیتر میں وچار پرچم پر بل کرانتی کی۔

جس کرانتی میں سنسار بھر کی کرانتیاں چھپی ہوئی تھیں۔ یہ اندولن سنسار کی دھارمک کرانتی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سوامی جی نے سمجھا کہ سنسار کے مستشک میں کرانتی کر دیا پھر دیگر باقی چھوٹی موٹی کرانتیاں خود بخود ہی ہو جائیں گی۔ یہ تھی آریہ سنسکرتی (Aryan Culture) کی پہلی وجے۔ آج راشٹر نائک جیسے بلکت پسند کوئی سمرٹ Cultural Swaraj کے پرچار یا پرسار کے لئے نشانی تحریکیں میں وشو بھارتی قائم کرتے ہیں۔ لیکن اصلی وشو بھارتی کی کلپنا سوامی دیانند کی ہے۔ پرنگور کی وشو بھارتی پاشچاتیہ بھارتی کی بھاونا ہے پر سوامی دیانند کی وشو بھارتی میں پاشچاتیہ سبھیتا کو تنک بھی استھان نہیں تھا۔ آج ہم جس سوراجیہ کے شیریں خواب دیکھ رہے ہیں وہ نقلی سبھیتا کا سوراجیہ ہے۔ لیکن سوامی دیانند جس پرکار کا سوراجیہ چاہتے تھے۔ وہ سوتھول آنے اپنے ڈھنگ کا بھارتیہ ڈھنگ کا۔ آریہ سنسکرتی کے ڈھنگ کا سوراجیہ تھا۔ ایسا سوراجیہ تھا جس میں بھارت ورش کی سو سبھیتا جس میں ادھی دیو لوک ادھی بھوتک۔ ادھیاتمک اُنتیوں کی چرم سیما کا سماویش تھا۔ اس سمے سوامی جی کی بات پر لوگ ہنستے تھے لیکن اب سنسار جان گیا ہے کہ سوامی دیانند کس دلکش الونک پرتبھا کے تپسوی پرش تھے۔ اور انہوں نے کس پرکار سنسار میں کرانتی برپا کر دی۔

سوامی دیانند کے بعد لوکمانیہ تلک کا زمانہ آیا۔ تلک آریہ سنسکرتی کے کٹر اپاسک تھے لیکن وہ مغربی ڈھنگ سے بھی بھارت ورش کے لئے یتن کرتے رہے۔ اور اپنے دھرم اور سنسکرتی کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے بھی انہوں نے سوراجیہ کے پرشن پر بہت زور دیا۔ اس دیش میں راشٹر دھرم کے جنم داتا وہی ہیں۔ لوکمانیہ تلک کے زمانہ میں ان سے اختلاف رائے رکھنے والے مہاتما گاندھی ان کے بعد اسی سوراجیہ کے مارگ میں آئے اور انہوں نے سوراجیہ کے پرشن میں آریہ سنسکرتی کے کئی سدھانت ملا کر ایک نئی یوجنا تیار کی جس میں استر شستروں کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ سوراجیہ کی جنگ میں پہلی اور آخری گنتوں کا سماوو ایک روپ میں پریوگ کیا جانے لگا۔ ساج سنشو دھن۔ سوراجیہ اندولن یہ ایک پرش پر سب مل جل کر چلنے لگے۔ اور یہ اندولن بھارتی بھاوناؤں کا پوشک تھا۔ اس لئے بھارت نے خصوصاً ہندوؤں نے اس میں خوب ساتھ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ ستیہ آگرہ سنگرام میں ہماری وجے ہوئی۔ یہ یدھ ابھی چلے گا اور دوگنے زور سے چلے گا۔ اس سمے تو سمجھوتہ کے دن ہیں۔

اس شتابدی کے تین مہا پرش ہیں۔ (۱) سوامی دیانند (۲) لوکمانیہ تلک اور (۳) مہاتما گاندھی۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو جائے گا کہ ان تینوں میں کیا وشیشتائیں تھیں۔ سوامی دیانند کے زمانہ میں جاری شدہ آریہ سنسکرتی کی وجے کو مہاتما گاندھی کے اندولن نے ستیہ۔ اہنسا ستیہ آگرہ کے پرشن نے دوسری طرح سے پشٹ کیا۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ آریہ سنسکرتی کی دوہری وجے ہو رہی ہے۔ گویا مغربی استر شستروں کے اپاسکوں نے رشی منیوں کی تپسیا کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ پاشچاتیہ بھوگ وادیوں نے بھارت ورش کے تیاگ کے سامنے ڈنڈوت پرنام کر دیا۔ پاشچاتیہ وگیان نے بھارتیہ دھرم و سنسکرتی کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔ اس لئے ہم اس اندولن کا سواگت کرتے ہیں جس سے بھارت ورش کا سر اقوام عالم میں پھر اونچا اٹھ گیا۔ بھارت ورش کا ڈنکہ پھر چمکنے لگا۔ بھارت ورش کا گورو پھر ہر جگہ بھومنڈل میں پھیلنے لگا۔ آج سنسار جو شستر ہو کر حیرت زدہ سا نظر آ رہا ہے اس کا کارن یہی ہے کہ بھارتیہ سنسکرتی سوراجیہ کے اندولن کی شکل میں کام کر رہی ہے۔ بھارتیہ جنتا کا سوبھاگیہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایسا مبارک دن آیا۔ بھارتیہ جنتا کے کسی پوروجنم کے پن جاگ اٹھے کہ وہ ایسے یگ میں اپنی آنکھوں سے اپنی وجے دیکھ رہی ہے۔

جس نقشہ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ذیل میں دیکھئے

سوامی دیانند	لوکمانیہ تلک	مہاتما گاندھی
۱۔ سب ستیہ ودیاؤں کا پستک وید ہے اور سنسار میں جہاں کہیں جس روپ میں ستیہ ہے وہ ویدوں سے ہی گیا ہے ایسا مانتے تھے۔	۱۔ ویدوں کو پراچین آریہ سبھیتا کی پستک مانتے تھے۔	۱۔ مہاتما گاندھی ایسا نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ سب دھرموں میں ستیہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سب باتیں ہمارے یہاں سے گئی ہوں۔
۲۔ پراچین سبھیتا کے کٹر اپاسک تھے۔	۲۔ پراچین سبھیتا کے کٹر اپاسک لیکن پاشچاتیہ سبھیتا سے بھی کام لینا چاہتے تھے۔	۲۔ پاشچاتیہ سبھیتا کے گھور ورودھی
۳۔ کرم یوگی اور دھیان یوگی	۳۔ کرم یوگی	۳۔ کرم یوگی
۴۔ سنسار کو ویدوں تک پیچھے لے جانا چاہتے تھے۔	۴۔ اپنی سنسکرتی اور پاشچاتیہ وگیان دونوں کے انوکول تھے	۴۔ اپنے دھرم اور اپنی سبھیتا کے بعض

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر دیکھو)

ستیہ کا اُپاسک دیانند

(از شری پت چمن لال جی ایم۔ اے)

رشی دیانند میں انیک گن تھے۔ وہ سنسکرت بھاشا کے پرکانڈ پنڈت۔ پرسوکرشٹ یوگی اور نربھیک سنیاسی تھے۔ انیسویں صدی کے سب سے بڑے مہاں پرش تھے۔ ورتمان یگ کے وہ مہاتما تھے جنہوں نے تحریکوں کو انہوں نے جنم دیا آج ان سب تحریکوں کا انوسرن بھارت ورش کا سمپورن سماج کر رہا ہے۔ آدھونک بھارت میں جتنی بھی راج نیتک انتی ہوئی اس کے مول جنم داتا سوراجیہ کا پہلا پہل بھارت واسیوں کو نام سنانے والے مہرشی دیانند ہی تھے۔ مہاپرشوں میں انیک گن ہوا کرتے ہیں۔ ان کے جیون کا جو بھی پہلو سماج کے سنمکھ میں آتا ہے وہی بڑا روشن معلوم دیتا ہے۔ جس پہلو سے بھی مہاں پرشوں کے جیون کا ادھین کیا جاوے وہی بڑا اجول پرتیت ہوتا ہے۔ انہی مہاں پرشوں کے جیون سے ہی سنسار کے آدرش تتھا پدچیتوں کا نرمان ہوتا ہے۔ آج یدی مہاں پرشوں کے جیون کو سنسار کے اتہاس میں سے نکال دیا جاوے تو اس میں کیول مار دھاڑ لڑائی جھگڑا دنگا فساد۔ خون خرابہ۔ دھوکہ فریب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دھنیہ ہیں وہ مہاں آتمائیں جنہوں نے سنسار کو روشنی دی اور سنسار میں آنند تتھا شانتی کا سامراجیہ ستھاپت کرنے کا یتن کیا۔

رشی دیانند ایسے ہی مہاں پرشوں میں سے ایک تھے۔ ان کا ایک گن ستیہ کی اپاسنا بھی۔ انہوں نے ساری آیو ستیہ کی تلاش میں ویتیت کر دی۔ جس سچائی کا انہوں نے درشن کیا۔ اس پر انہوں نے آچرن کیا۔ اور سنسار کے سامنے اسے بل پوروک پرگٹ کیا۔ سچائی ہی ان کے جیون کا آدھار تھی۔ سچائی کے لئے وہ دیوانے بنے ہوئے تھے۔ جو بات انہیں ستیہ کے دروودھ پرتیت ہوئی اس کا انہوں نے تیاگ کرنے میں لیش ماتر بھی سنکوچ نہیں کیا۔ سارا جیون ان کا ستیہ کے گرہن کرنے میں پرتیتی رہا۔ یہ دکھائی دیتا ہے۔ ستیہ کے معلوم کرنے میں انہوں

(باقی صفحہ ۳۰ پر دیکھو)

"نمسکار سوامی"

(از ماسٹر رونق رام شاد - بھدوڑ ریاست پٹیالہ)

رشی ور! دیانند آنند داتا
نہیں کوئی تیری کرامت کو پاتا
بت طائرِ عقل ہے پھڑپھڑاتا
اُڑا تیرے اوجِ صفت تک نہ جاتا

اِدھر دیکھتا ہوں اُدھر دیکھتا ہوں
تجھے ہر طرف جلوہ گر دیکھتا ہوں

مذاہب کی صورت کو تو نے سنوارا
سیاست کا میدان بھی تو نے مارا
نہ کی ذلتِ قوم تو نے گوارا
کیا اس کی بہبود کا تو نے چارا

تری ذات سے سب نے جو فیض پایا
زباں سے وہ جاتا نہیں کچھ بتایا

مرے تتو دیتا، مرے تتو گیانی
ہوا ہے نہ ہوگا کوئی تیرا ثانی
نئے ڈھنگ سے کر کے جادو بیانی
ہمیں تو نے بخشی نئی زندگانی

ضلالت کے اندھے کنوئیں سے نکالا
پلایا ہمیں وید امرت کا پیالا

تو اک بے غرض بے ریا پیشوا تھا
تو سرچشمۂ فیض تھا جو دیوتا تھا
تو نوعِ بشر کا بھلا چاہتا تھا
تو سب کا محب، دشمنِ افترا تھا

تری سکتیوں نے ترے فلسفے نے
بطالت کو دم بھر دیا دم نہ لینے

ہوا جب ضیا پاش وگیان تیرا
دلوں سے مٹا گمرہی کا اندھیرا
جہالت نے اپنا کیا کوچ ڈیرا
لگایا یہاں بھاگ نے آ کے پھیرا

ہوا وید اقدس کا پرچار ہر سو
کھلے ویدودیا کے بھنڈار ہر سو

مٹا دی یہاں سے توہم پرستی
بسا دی یہاں گیان اور گن کی بستی
چھڑا دی مئے کبر و نخوت کی مستی
دکھا دی سلف کی ہمیں شان ہستی

دماغ اور دل پر لگے تھے جو تالے
دلائل کی کنجی سے وہ کھول ڈالے

پریم اور محبت کی عظمت دکھا کر
گروں کو اٹھانے کی ہمت دلا کر
حمیت بڑھا کر شرافت سکھا کر
اچھوتوں سے نفرت کی لعنت مٹا کر

سکھایا اچھوتوں کا اُدھار تو نے
پتت سے پتت کا بھی اپکار تو نے

تو دین اور دنیا کا ریفارمر تھا
تو سچی ترقی کا پیغامبر تھا
تو بہبودِ انساں میں سینہ سپر تھا
نہ جینے کا لالچ نہ مرنے کا ڈر تھا

بڑوں از بیاں تیرا ایثار سوامی
تجھے شاد کا ہے نمسکار سوامی

"آ شبِ شوراتری"

(از قلم خلیق الزماں سخنور شیریں بیاں جناب ابو المعالی مسٹر خلیق لاابالی سرگودہا)

آ شبِ شوراتری پیاری شبِ شیوراتری
آکہ تیرے آنے سے ترسے آیا مری آنکھوں میں نور

حق تو یہ ہے تو نہیں ہے تیرہ شب تاریک ہی
جہل کی تاریکیوں میں نورِ کل کا ہے ظہور

اے شبِ شوراتری تجھ پر سہوں کیوں نہ فدا
آ رہی جاتی کے سارے مرد و زن خورد و کلاں

تو نے ہی تعمیرِ بہبودی کی ڈالی ہے بنا
تو نے ہی افشا کیا رازِ مکان و لامکاں

مول شنکر کو بنایا تو نے ہی ریفارمر!
دردِ بھارت کی لئے دارو عطا تو نے ہی کی

کھول دی باطل پرستی کی حقیقت سر بسر
مورتی پوجا سے اک دنیا خفا تو نے ہی کی

مول شنکر بن کے جب سوامی دیانند آ گیا
ہو گیا مسمار کاخِ بت پرستی خود بخود

سر بسر مکر و کذب کے ابر تباہی چھا گیا
وہم کی مٹنے لگی دنیا سے ہستی خود بخود

گلشنِ توحید کی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی
گرمیاں کثرت پرستی کی ہوئیں کافور سب

سر سے بھارت کے بلائے گمرہی ٹلنے لگی
جلوۂ انوارِ حق سے دل ہوئے معمور سب

ہو رہی تھیں بے زبانوں کی یہاں قربانیاں
کٹتے رہتے تھے دھرم کے نام پر لاکھوں گلے

آپ نے آ کر دھرم کے جب کئے معنی عیاں
منہ چھپا کر زم سے مکار ظالم اٹھ چلے

وہ تکبر ذات کا جس نے کیا بھارت کو سست
سب بتایا آپ نے ورنوں کا مطلب کھول کر

بے فضائل اب نہیں بانگِ انا اکبر درست
بند کر دی ہیں زبانیں آپ نے سب کھول کر

خورد سالی میں یہاں ہونے لگی تھیں شادیاں
آپ نے آ کر وہ حکم پارا شر کھنڈت کیا

برہمچاری بن گئے بھارت کے لڑکے لڑکیاں
جب گورو کل کا طریقہ آپ نے بتلا دیا

پڑھنا کیسا وید سننے کا نہ تھا شودر کو حق
آپ نے ویدک دھرم کا سب پہ در وا کر دیا

خود غرض لوگوں کے منہ کس طرح ہو جائیں نہ فق
وید منتر ہی سے ان کا راز افشا کر دیا

بزمِ رنداں آپ کے آنے سے برہم ہو گئی
توڑ ڈالے ہوشمند اصحاب نے جام و سبو

بد معاشی اور عیاشی بہت ہی کم ہو گئی!
ملک میں ہونے لگے نیکی کے چرچے چار سو

آڑ میں مذہب کی ہوتی تھیں بہت مکاریاں
اب وہ مکاروں کا جادو چل نہیں سکتا مگر

مٹ چلیں بھارت سے سب چالاکیاں عیاریاں
اُڑتا جاتا ہے سراسر نقشِ باطل کا اثر

بیج جو شیوراتری نے بو دیا تھا گیان کا
اے خلیقِ لاابالی ہر یہ سب اس کا ہی پھل

مرحبا! اے تیرہ شب مخزن تھی تو فیضان کا
حبذا سوامی دیانند آپ کا علم و عمل

ویدک تہذیب اور ستیارتھ پرکاش

(از پرنسپل راجندر کرشن کمار ایم اے)

ویدک فلاسفی اور ویدک تہذیب وشائستگی دنیا میں سب سے پرانی ہیں۔ آج مشہور مغربی فلاسفروں کے خیالات میں بھی یہاں کی فلاسفی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ آج سائنس کے نئے کرشمے دراصل ان پرانی ویدک سچائیوں کو پایۂ ثبوت تک پہنچاتے ہیں جن کے متعلق آج سے کچھ عرصہ پہلے مغرب کے سائنس دان پھبتیاں اڑاتے تھے۔

ویدک تہذیب کی اصلیت کو نہ سمجھ کر، ویدک کال کی زندگی کی سادگی کو ہی دیکھ کر پرانے انگریز مصنفوں نے ویدوں کے متعلق گمراہ کن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ دراصل بھارت نواسیوں کی موجودہ حالت نہایت دردناک ہے۔ ان کی تاریخ لکھنے والے سبھی غیر ملکوں کے مورخ ہیں۔ جو اس ملک کے باشندوں کے دلی خیالات اور تہذیب کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور جن چند ہندوستانی مورخوں نے کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے بھی مغربی مورخوں کی تقلید کی ہے۔ اس لئے آریہ کال کے اتہاس کے متعلق ابھی تک مستند گرنتھ بہت ہی کم ملتے ہیں۔ بھارت ورش کو ایک نئے اتہاس کی ضرورت ہے۔ جسے روحانی سبھیتا کے نقطۂ نگاہ سے لکھا جائے۔ بھارت نواسی مہان پرش، اونچے اونچے کام کرتے ہوئے بھی اپنی شخصیت کو زیادہ بڑھا چڑھا کر دکھلانے کے عادی نہیں تھے۔ بلکہ [illegible] کے سدھانت کو سدا اپنے سامنے رکھتے تھے۔ ویدک کال کی سبھیتا روگ رہت تھی اس کال میں لوگوں کے ہردیہ بالکل شانت تھے اور جاتی کے مختلف حصوں میں کسی قسم کا یدھ اور سنگرام نہیں تھا۔ لوگ اپنی پورن آیو بھوگتے تھے اپنی زندگی کے اصلی مقصد کو سمجھتے تھے۔ اور پرماتما کو پریم کا بھنڈار خیال کرتے تھے۔ خود بھی سارے پرانی ماتر کے لئے پریم کا اوتار بن جاتے تھے۔ دھن کے وبھاگ میں اتنی وشمتا نہ تھی۔ جتنی کہ آجکل دکھائی دیتی ہے۔ جاتی کے چاروں حصوں کے الگ الگ فرائض اور ادھیکار مقرر تھے۔ عزت کے خواہشمند نشکام سیوا کرتے ہوئے عزت حاصل کر سکتے تھے۔ عزت اور شکتی روپے کے ادھین نہ تھی۔ اس سارے ملک میں دراچاری چور کوئی بھی نہ ملتا تھا۔ اور سارا سنسار اس کو سورگ سے بھی زیادہ آنند دایک ستھان سمجھتا تھا۔

موجودہ تہذیب کی اصلیت کو جاننے کے لئے اڈورڈ کارپینٹر صاحب کی کتاب Civilization its cause and cure. کو ضرور بھارتی پڑھنا چاہئے۔ صاحب موصوف بتلاتے ہیں کہ روگوں اور بیماریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا اندازہ ڈاکٹروں اور ویدوں کی بڑھتی ہوئی گنتی سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ ڈاکٹر طبیب اور حکیم بیمار تندرست نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ بیماریوں کی روک تھام میں ہی اپنی ساری طاقت ضائع کر دیتے ہیں۔ ایک مہذب آدمی کی حالت اس جاسوس کی سی ہے جو دشمن کی فوج میں چکر لگاتا ہے اور قدم قدم پر چونک پڑتا ہے کہ کہیں کوئی دشمن جاگ نہ اٹھے۔ صحت کے آنند کو آجکل کا مہذب آدمی محسوس ہی نہیں کرتا۔ سماجک زندگی میں بھی برابر لڑائی جھگڑا دکھائی دیتا ہے۔

کسی روزانہ اخبار کو اٹھا کر مزدوروں اور سرمایہ داروں کے نت بڑھتے ہوئے جھگڑوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مانسک شانتی کا تو نام نشان بھی نہیں رہا۔ تہذیب پاگل خانوں میں پاگلوں کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ہی چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر ایک اٹلی کے ودوان کا تو یہ خیال ہے کہ یورپ جو اس تہذیب کے پھندے اور روگ میں پوری طرح سے پھنس چکا ہے۔ اب اس تہذیب کے اثرات سے اپنی طاقت کو کھو رہا ہے۔ مادہ پرستی کی تہذیب کی زیادہ سے زیادہ عمر ایک ہزار سال بتلائی جاتی ہے۔ لیکن ان سب حالات کے باوجود بھارت ورش روز بروز اپنے گھر کے بے بہا خزانوں کو چھوڑ کر یورپ کی نکمی ٹھیکریوں کے پیچھے بھاگتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کئی پولیٹیکل لیڈر تو ہندوستان کو یورپ ثانی دیکھنا چاہتے ہیں۔

بدقسمتی سے ہم نے مغرب سے اس وقت تک جو کچھ لیا وہ برا ہی لیا۔ وہاں کے گنوں، اتہاس اور اتم لٹریچر سے کچھ بھی نہ لیا۔ ہندوستان یورپ کی اندھا دھند غلامانہ نقل کر کے نہ خود زندہ رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی دنیا کو تباہی سے بچنے میں مدد دے سکتا ہے۔ مہرشی سوامی دیانند سرسوتی نے ہندوستان کی عظمت کو انوبھو کیا اور ستیارتھ پرکاش میں نہ صرف ان سادھنوں کو ہی لکھا ہے جن سے بھارت نواسی اپنی گراوٹ کو دور کر سکتے ہیں۔ بلکہ جن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے پھر سنسار کی جاتیوں میں اپنی عزت کو قائم رکھتے ہوئے پرماتما کی طرف سے اس دیش کے مقرر کئے ہوئے فرائض کو سرانجام دے سکتے ہیں۔

ستیارتھ پرکاش کے مصنف کی مہان آتما کا اندازہ تو اس کے دیباچے کو دیکھنے سے ہی ہو جاتا ہے۔ سچ کی تعریف اتنی مکمل ہے کہ ہر ایک انسان اسے اس زندگی اور بعد میں آنے والی زندگیوں کے لئے کسوٹی بنا سکتا ہے۔

ستیارتھ پرکاش کا پہلا باب جہاں پران مغربی ودوانوں کو چیلنج ہے جو ویدوں کے اصلی معنوں کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ وہاں وحدانیت کے اپدیش کو ایسے زبردست شبدوں میں پیش کیا ہے کہ جگیاسو قائل ہو جاتا ہے اور اپنا سر پرماتما کے چرنوں میں جھکانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ویدک سناتن دھرم کے نام پر اس ایک پرماتما کو تیاگ کر اس کی مختلف شکتیوں کو الگ الگ دیوی دیوتا سمجھ کر آپس میں بھید بھاؤ اور لڑائی جھگڑا کرنے والے ہندوؤں کو بھی یہ زبردست اپدیش ہے کہ وہ ایک پرماتما کی شرن میں آ کر پریم پوروک جیون گزارنے کی کوشش کریں۔ اس غیر منظم ہندو جاتی کو اصلی تنظیم میں لانے کی سب سے پہلی کوشش انیسویں صدی میں مہرشی سوامی دیانند نے ہی کی ہے۔

مہرشی نے تمام توہمات کو دور کرنے کا اپدیش کرتے ہوئے دوسرے باب میں اتم سنتان پیدا کرنے کا ویدک آدرش بھی ہمارے سامنے رکھا ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال اور بچپن میں شبھ سنسکاروں کا ننھے دلوں میں ڈالنا ساری دنیا کو سکھایا ہے۔ برہمچریہ کا اتم اپدیش دیتے ہوئے وواہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ آدرشوں کو سنمکھ رکھتے ہوئے۔ پریوارک جیون کے سکھ بڑھانے کے ویدک آدرشوں کا پرچار کرتے ہوئے رشی نے سماجک جیون کو اونچ کرنے کے سادھن بھی بتلائے ہیں۔

ستیارتھ پرکاش کا سوادھیائے کرنے سے منشیہ ماتر اپنے جیون میں ویدک کال کے شبھ گنوں کو دھارن کر کے اپنے چرتر کو اعلیٰ طور پر سنگھٹت کر سکتا ہے۔

منشیہ ویدک سنسکاروں سے سنسکرت ہو کر شدھ آچار۔ دھیرج۔ سادگی۔ سچائی۔ پریم۔ نشکام۔ خواہشات کو ضبط کرنے اور من کو پرسن رکھنے والے تمام نیک سادھنوں کو حاصل کرتا ہے۔

اس وقت ہندوستان بلکہ ساری دنیا کو ان شبھ ویدک گنوں کی ضرورت ہے۔ سنسار مادہ پرستی کے دکھوں سے دکھی ویدوں کے تئیں پکار رہا ہے۔ کیا آریہ سماج اس پکار کو سن کر اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے لئے تیار ہوگا؟

(لقیہ صفحہ ۲۸)

سوامی دیانند	لوکمانیہ تلک	مہاتما گاندھی
		اونچے تتوں تک بھارت ورش کو پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ویدوں کی طرف ان کا دھیان نہیں۔
۵۔ یدھ میں استر شستروں کے بھی کام لینے کے پکش میں تھے۔	۵۔ بس چلتا اور سمے انوکول ہوتا تو یہ بھی استر شستروں کے ورودھی نہ تھے۔	۵۔ استر شستروں کے گھور ورودھی ہیں اور اہنسا ستیہ اور ستیہ گرہ کے ذریعہ بھارت کو سوتنترتا دلانے کی چیشٹا میں ہیں۔
۶۔ سروانگ پورن بھارت ورش کے مہارشی تھے۔	۶۔ اپنے سمے کے لاثانی تجربی راشٹر پرش تھے۔	۶۔ آج کل سنسار کے سرو شریشٹھ مہا پرش مانے جاتے ہیں۔

(ستیہ کا اپاسک دیانند بقیہ صفحہ ۲۸)

نے انیک کشٹ سے۔ گھنے جنگلوں میں کنٹکاکیرن مارگوں میں برفانی نالوں کو عبور کرتے ہوئے اگر ان کے اندر خواہش تھی جو انہیں بیتاب کر رہی تھی تو یہی ستیہ کی تلاش کی۔ ستیہ کے گرہن کرنے اور اسے ڈھونڈنے میں انہوں نے گھور تپسیا کی۔ رشیوں تتھا یوگی جنوں کی تلاش کی۔ غرض یہی تھی کہ وہ ودیا تتھا یوگ بل کے آدھار پر ستیہ کو معلوم کر سکیں۔ یوگی جنوں سے مل کر انہوں نے یوگ کی سدھیاں پراپت کیں۔ پورن یوگیہ کی پراپتی سے ان کی بھی اتنی نرمل ہو گئی تھی کہ ان کے اندر ستیہ کی گہرائی تک پہنچنے کی یوگیتا ہو گئی تھی وہ ودیا کے انتھک بھنڈار تھے۔ ستیہ ودیا کے پراپت کرنے سے ان کی ترک شکتی بھی بڑی پربل ہو گئی تھی۔ ان دونوں شکتیوں کے آدھار پر وہ ستیہ کو اور کیول اتر ستیہ کو استیہ سے پرتھک کر سکتے تھے۔ جتنا ستیہ کا سروپ ان کے دل و دماغ پر نقش ہوتا جاتا تھا۔ اتنا ہی وہ جھوٹ کا گھور کھنڈن کرنے لگے۔ جھوٹ۔ پاکھنڈ۔ آڈمبر کے کٹر ورودھی وہ اسی کارن سے ہو گئے تھے۔ وہ ستیہ کے اتیرکت کسی مت تتھا وشواس سے سمجھوتہ کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ جو رکاوٹیں انہیں ستیہ کے پرچار میں بادھک ہوئیں انہیں سوامی جی نے عبور کیا۔ راج گدیوں، مہنتوں کے ٹھٹے ہوئے پروہتوں کو انہوں نے پاؤں

(باقی صفحہ ۳۵ پر دیکھیں)

بھجن کا سنگیت میں نوٹیشن

شبد کار:۔ پنڈت دل تپی جی آریہ اپدیشک
سُورکار:۔ پروفیسر دیش بندھو موگا تحصیل
راگ:۔ سارنگ ــــ تال:۔ تین ــــ ماترا:۔ سولہ

استھائی:۔ رشی دیانند دھرت جب دھیر۔ نھر نھر کرت پاکھنڈی جن سب۔
پوپ گھر ہا کرت۔ جے جے پکارت۔ آریہ گن جب دھیر
رشی دیا۔۔۔۔۔۔۔

انترہ:۔ سچے سناتن دھرم ہت۔ پاکھنڈمت رشی ور دلت
مٹھ بھنگ بھجے بھیر دبھجنت۔ ویدک روی پرگٹیو گگن۔ جب دھیر
رشی دیانند۔۔۔۔۔۔۔

	تالی ۲	خالی ۳	تالی ۲	سم ۱
سور	نی۔سا۔رے سا	۔ نی پا پا	نی پا ما پا رے ما پا	سا ۔ ۔ سا
گیت	ر شی د یا	۔ نند دھ	ر ت ج ب	دھی ۔ ۔ ر
سور	نی ۔سا رے سا	۔ نی پا پا	پا پا پا پا	۔ نی نی پا
گیت	ر شی د یا	۔ نند دھ	ر ت تھ ر	۔ تھر ، کا
سور	ما ما رے ما	۔ رے ما پا نی پا	ما رے نی سا	۔ رے ۔ رے
گیت	ر ت پا آ	آ کھن ۔ ۔ ڈی	جن سب	۔ پو ۔ پ

سور	ما ما پا ۔	۔ نی ۔ ما	پا پا پا ۔	۔ رے ۔ رے
گیت	گھر ہا ۔	۔ ہا ۔ کا	رت جے ۔	۔ جے ۔ پ
سور	سا ۔ سا سا	۔ نی سا نی رے سا رے	نی سا دھانی ما پا	سا ۔ ۔ سا
گیت	کا ۔ ر ت	۔ آ ۔ ری آ	گ ن جب	دھی ۔ ۔ ر
سور	نی سا رے سا	۔ نی پا پا	پا پا پا ۔	۔ نی ۔ ما
گیت	ر شی د یا	۔ نند د ھ	ر ت س ۔	۔ چے س
سور	پا ۔ نی نی	۔ سا ۔ سا	سا سا نی سا	۔ رے ۔ رے
گیت	نا ۔ تن	۔ دھر م	ہت پا آ	۔ کھن ۔ ڈ
سور	رے رے نی سا	۔ رے سا نی	پا پا پا پا	۔ رے ۔ رے
گیت	مت رشی	۔ و ر د	لت نھڈ	ب کبھنگ
سور	رے ۔ نی سا	۔ نی سا رے ما رے	سا نی پا ۔	۔ رے رے رے
گیت	بھجے بھی	۔ رم و بد	گت وے ۔	۔ دِ ک را
سور	رے ۔ سا سا	۔ نی سا نی رے سا رے	نی سا دھانی ما پا	سا ۔ ۔ سا
گیت	دی ۔ پر گ	۔ تیو و گ	گ ن جب	دھیر ۔ ر

علامات:۔ مندر .... • تار ۱
کومل .... پ
دونوں کو ملانے کی .... نی سا

دیانند وجے

(از شریمتی چندروتی شاستری جاپیٹو)

پرکاش کا خود روشنی ہے
ودیا شکتی ہے۔ اور تب اس کے کاریہ روپ میں لانے کے لئے سادھن۔ ودیا جب تک پوری طرح سے ڈسپلن کر جیون کا انگ نہیں بن جاتی۔ تب تک وہ اپنی شکتی کو پرگٹ کرنے میں اسمرتھ رہتی ہے۔ رشی دیانند نے اس پیچھے کے تتو کو سمجھا اور ایسا گھور تپ تپا کر تپنے کے بعد چمک اٹھے۔ جس سے تمام ودیا ابھمانی۔ بل ابھمانی اور دھن ابھمانیوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ رشی راجاؤں کے مہمان ہوئے انہیں شش بنایا۔ انہیں کے راج سنگھاسن پر بیٹھ کر ان کی ہی دیکھتی گنتی۔ سماوچنا کی شیر دل کو کتیا کو سنگ سوچا نہیں دیتا۔ ایسے صاف اپدیشوں کے ذریعہ کڑوے گھونٹ ان کے گلے کے نیچے اتارے۔ لیکن ایسے کڑوے اپدیش امرت پان کرنے والوں نے سر چاہے جھکا لیا ہو۔ لیکن برہم تیج کے سامنے چوں تک کرنے کی انہیں ہمت نہ ہوئی۔ پھر موجودہ سائنس کی دنیا بھی جہاں رشی کی شخصیت کی پوجا کرتی ہے وہاں رشی سدھانتوں کے سامنے بھی صریحاً سر جھکا دیتا ہے۔

ناتجربہ کار اشخاص اکثر کہہ دیا کرتے ہیں کہ جس زوروں سے ساتھ عیسائیت یا اسلام پھیلے چنانچہ ہندوستان ہی میں سات کروڑ کے لگ بھگ اسلام کے پیرو ہیں۔ اس رفتار سے دیانند پرتی پادت ویدک دھرم ار تقاًت آریہ سماج سنسار میں نہیں پھیلا۔ یعنی آریہ سماجیوں کی تعداد صرف لاکھوں تک محدود ہے۔ پہلے تو اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ پرمان (وزن) اور تتو (اصلیت) میں بڑا بھاری فرق ہوتا ہے۔ دنیا میں اصلیت جھوٹ کی نسبت ویسے بھی بہت تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ سچائی نیتہ ہے۔ صرف دیر تک رہنے والی ہی نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کے لئے رہنے والی ہوتی ہے۔ دیانند کا پھیلایا ہوا ویدک دھرم نربھرانت ہے۔ تمام شنکاؤں سے رہت ہے۔ باقی تمام مذاہب ادھورے اور بھرانت ہونے سے ہمیشہ ویدک دھرم کی سچائی کے شکار بنے رہتے ہیں۔ اور بنتے رہیں گے۔ اس لئے ان کی زیادہ تعداد کوئی مہتو نہیں رکھتی۔ دوسرے اگر وسیع النظری سے سنسار میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ رشی دیانند کی پرم پرسادی روپ ویدک دھرم کی سچائی ہر ایک کو اپنے بھاگیہ کے مطابق حصے میں ملی ہے۔ اندھ وشواس کی لکیر کے فقیر لوگوں کے دماغوں کے تالوں کا کھل جانا یکتی اور پرمان سے باتوں کا کرنا سیکھ جانا بتلاتا ہے کہ رشی دیانند نے کیول لاکھوں آریہ سماجی ممبران کو آریہ نہیں بنایا بلکہ دنیا بھر کو آریہ دھرم کی دیکشا دی ہے۔ ورنہ یہ کیسے سنبھو تھا کہ آریہ سماج کے نام تک سے چڑھنے والے لوگ رشی کے ادیش کے بنیادی کاریوں کو سنبھال لیتے۔ کبھی وہ بھی وقت تھا کہ لوگ اچھوت ادھار۔ شدھی اور ودھوا بواہ کا نام سنتے ہی جل بھن کر راکھ ہو جاتے تھے۔ ورن بیوستھا جنم سے نہیں بلکہ کرم سے ہوتی ہے۔ اس وشے کے سنتے ہی آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ مگر کیا جات پات توڑک منڈل۔ شدھی سبھا ودھوا وواہ سہائک سبھا۔ اتیادی سنستھائیں رشی کی وجے پتاکا کو نہیں لہرا رہیں؟ پرنتو یہ سوسائٹیاں اپنے آپ کو آریہ سماجی بھلے ہی نہ کہیں مگر نسخے دیانند کے ہی استعمال کرتی ہیں۔

کیا لیجس لیٹیو اسمبلی میں برہمچریہ رکشا کے مول سادھن شاردا بل کا پاس ہو جانا رشی کی وجے کا پربل پرمان نہیں؟ دنیا کے تمام کونوں میں بڑے زوروں کے ساتھ پھیلنے والا بالشوزم۔ کیمونزم یا سوشلزم رشی کی بتائی ہوئی آدرش ورن بیوستھا کی طرف اشارہ نہیں کرتا؟ یہ ٹھیک ہے کہ رشی کی ورن بیوستھا والی شیلی پرم آدار منصفانہ۔ دھرم یکت اور شانتی پورن ہے اور ورتمان کال کا سامیہ واد (کیمونزم) انچت۔ ادھورا جھگڑوں کا گھر اور اسنتوش پرد ہے۔ پراچین ورن بیوستھا میں زبردستی کئے بنا ہی برہمن کھشتری کی۔ کھشتری ویش کی۔ ویش شودر آدی کی۔ اسی پرکار سب ورنوں والے ایک دوسرے کی سہاتا بجوشی تمام کرتے ہیں۔ کوئی ودیا دان سے۔ کوئی بل اور دھن سے اور کوئی جسمانی سیوا سے ایک دوسرے کی سہائتا سے سنسار میں شانتی اور ستھا کی ستھاپنا کرتا ہے۔ شاستر تو اس وشے میں اپنی دسترت اور نیایک آدرش کا پرکاش کرتا ہے۔ سوامی جی شاستر پرمان دے کر اپنی ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر برہمن کے ہاں کھشتری ویش یا شودر سوبھاؤ کا بالک پیدا ہو۔ تو وہ جس ورن کے یوگیہ ہے اسی ورن والے کو دے دیں۔ اسی طرح کھشتری آدی بھی کریں۔ پراچین سامیہ واد صرف پیسہ تک محدود نہیں۔ بہت وسیع ہے۔ اور یہی شیلی اطمینان بخش ثابت ہو سکتی ہے۔ جہاں خود بخود دیا ہوا لاکھوں کا دان سکھ اور پرسنتا کا ہیتو ہوتا ہے۔ وہاں زبردستی سے چھن گیا ایک پیسہ بھی دکھ کا کارن بن جاتا ہے۔ پس جہاں پراچین شیلی نہایت سرل ہے وہاں موجودہ ڈھنگ بہت ہی پیچیدہ ہے۔ تاہم بلا سنکوچ کہا جا سکتا ہے کہ جلد ہی موجودہ سنسار

رشی کے چرنوں میں رفتہ رفتہ سر جھکتا جا رہا ہے اس کا دن دور نہیں جب سنسار اس کے اپدیشوں کی اہمیت کو پہچاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں دیر نہیں کریگا۔

رشی دیانند نے خود تو سینکڑوں دھرم کو بچانے کے لئے بھاری کشٹ برداشت کئے۔ اور اسی ایک ماتر بھگوت دھرم اور کھلات ویدک دھرم کا پرچار کیا۔ اسی سچائی کی طرف دنیا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی چلی آ رہی ہے۔ وہ وقت آئے گا کہ تمام دنیا اپنے آپ کو ویدک دھرمی اور رشی دیانند کا شش کہلانے میں فخر محسوس کیا کرے گی اب بھی دیانند کی تعلیم پڑھے لکھوں سے اپنا کام الٹی اندر کر رہی ہے۔ وہ وقت بہت نزدیک ہے کہ تمام جنتا اس کے منوہر پیغام کو اپنی آنکھوں سے چمکتا دیکھے گی۔ مجھے تو دیانند کے سدھانت اور سندیش اتیت و سنسکرت اور رائی دیا کے معلوم ہوتے ہیں۔ سنسار جاگ پڑا ہے۔ اور آنکھیں کھول کر دیکھ رہا ہے کہ اس کا بست کس بات میں ہے۔ مگر اس جاگرتی کا کارن دیانند کے وہ گرم گرم پانی کے چھینٹے ہیں جن کو کسی سمے لوگ نہ سہار کر ان کو گالیاں دیتے۔ پتھر پھینکتے اور اینٹ پتھر سے ستکار کرتے تھے۔ مگر انجام کیا ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

رشی دیو! اس دیش کا تو سچ مچ ادھیکاری تھا۔ ہم اس دیش کی بھولی ماتاؤں کو بیٹے بھگتی بھگا دے تیرے ہی گلے میں ڈالتے ہیں۔ تو نے ہی خود جاگ کر اپنی سکھ کی نیند گنوا کر سوتے ہوئے لوگوں کے گھر کا پہرہ دیا۔ ان کے لئے مال خزانہ کو بچایا۔ اس لئے تیری وجے ہوئی اور ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

دیانند کا دیش پریم

(از لالہ وزیر چند بی۔ اے خزلسٹ)

زمانہ تھا۔ جب بھارت ورش دنیا کے تمام دیشوں کا سرتاج تھا۔ ایران مصر روما۔ چین۔ جاپان اور پراچین زمانہ کے دیگر مہذب ممالک اس کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ بڑے بڑے وروان یہاں کے روحانی چشمہ سے اپنے آتما کی پیاس کو بجھاتے اور روحانی پیغام اپنے اپنے دیشوں میں لے جا کر اپنے ہم وطنوں کو اس سے مستفید کرتے۔ یہ کوئی خیالی بات نہیں۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے۔ میگستھنیز اور ہیون سانگ کے بیانات ہمارے اس دعوے کی تائید کرتے ہیں۔

تہذیب و تمدن علم و روحانیت کا وہ سورج جو اپنی شعاعوں سے تمام دنیا کو منور کرتا تھا آہستہ آہستہ تاریکی کے بادلوں میں چھپنے لگا۔ ہندوستان پر جہالت اور توہمات کے بادل منڈلانے لگے۔ شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔ جیتیارست متا منتریوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ دھرم کی ناؤ منجدھار میں تھی۔ ویدوں کا لوگ نام تک بھول گئے تھے۔ اور شاستروں کی ودیا معدوم ہو چکی تھی۔ اس تاریکی کے زمانہ میں کاٹھیاواڑ کی ایک چھوٹی سی ریاست میں ایک ستارہ نمودار ہوا۔ جو دنیا کے لئے پیغام امید لایا۔ یہ ستارہ مول شنکر تھا جس نے دیانند بن کر اپنی آتمک شکتی سے۔ اپنے برہمچریہ سے۔ اپنی علمیت سے۔ اپنے تیج سے دنیا کے بڑے بڑے پھیروانگ قلعوں کو مسمار کر دیا۔ اور اس طوفان بے تمیزی کو جو مختلف مت متانتروں کے رائج ہونے سے بپا ہو گیا تھا دور کر کے ایسی پرامن فضا پیدا کی کہ ہندوستان ایک دفعہ پھر آرام کا سانس لینے لگا۔ پرانی تہذیب کا سورج پھر اجالا کرنے لگا۔ لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔ خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور محسوس کرنے لگے کہ کس بلند معراج پر پہنچے ہوئے تھے کس پستی میں آ گرے ہیں۔ اپنی یہ حالت دیکھ کر تن بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ دیانند کی تعلیم کو دیکھا۔ بھگوان کا پیغام سنا۔ ڈھارس بندھ گئی ویش بھگتی کا جذبہ موجزن ہونے لگا۔ ہر شخص کی زبان پر وطن سے پریم کے منتر تھے۔ ہر مرد و زن وطن کی محبت میں سرشار ہو گیا۔ ہر ایک کی یہی کوشش ہونے لگی کہ ہندوستان کو پھر سے اس کا پرانا اوچیہ استھان حاصل ہو۔ اس میں شک نہیں کہ کانگرس نے ملک کے اندر زبردست سیاسی بیداری پیدا کی۔ مگر موجودہ ہندوستان میں ویش بھگتی اور اس بیداری کا سب سے پہلا سبق دیانند نے سکھایا۔ سب سے پہلے دیانند ہی نے لوگوں کو یہ عالمگیر اصول بتایا کہ بدیشی راج خواہ کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ اپنے راج کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں نے اسی بنا پر ستیارتھ پرکاش کو ممنوعہ قرار دئیے جانے کی بہتیری کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

دیانند نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی کہ لوگوں کو سوراجیہ کا دلکش منظر دکھا کر ہی چپ ہو جائیں۔ انہوں نے سوراجیہ کی جو مختصر سکیم ستیارتھ پرکاش میں لوگوں کے سامنے رکھی ہے

اگر اس سکیم کے ابتدائی اصولوں پر آج عمل کیا جائے تو ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل میں جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ وہ بہت حد تک دور ہو جائیں۔ موجودہ سیاسی بیداری سے بیسیوں برس پہلے دیانند نے بتایا کہ ملک کے نظام حکومت میں ہر خاص و عام کو جو بالغ ہو باقاعدہ حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہئے۔ تاکہ وہ صحیح معنوں میں یہ محسوس کرے کہ اس کا یہ ملک ہے۔ اور وہ اس کی قسمت کے بنانے میں حصہ دار ہے۔ جس ڈیموکریسی کے اصولوں کا دیانند نے پرچار کیا۔ وہ ایک آدرش ڈیموکریسی ہے۔ جس کا مقصد دنیا میں شانتی کا راجیہ قائم کرنا ہے۔ اور جو سرمایہ داری یا دولت کے لحاظ سے اونچ نیچ کی تمیز سے بالاتر ہے۔ مہرشی دیانند کی تعلیم انسان اور انسان میں کسی قسم کا بھید رکھنے کے خلاف ہے۔ ان کے نزدیک تمام منش ایک ہی پرماتما کے پتر ہونے کی حیثیت سے تمام ابتدائی حقوق کے مساوی طور پر حقدار ہیں۔ ہر ایک شخص کے سیاسی و اقتصادی حقوق برابر ہیں۔ مہرشی دیانند کے قائم کردہ اصول کسی ملک اور قومیت کے لئے نہیں۔ ان کی بنیاد سچائی پر ہے۔ اس لئے ہر ملک میں ان اصولوں پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور ہر قومیت کے لئے وہ بہترین ثابت ہو سکتے ہیں۔ ویدک دھرم میں مذہب اور سوسائٹی کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح سیاسیات کی بنیاد بھی ویدک دھرم کے عالمگیر اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ سوامی جی نے انہیں عالمگیر اصولوں کا پرچار کیا۔ اور دنیا کو بتا دیا کہ پرانے بھارت ورش نے نہ صرف روحانیت میں ہی کمال حاصل کیا ہوا تھا۔ بلکہ سیاسیات میں بھی بلند معراج پر پہنچا ہوا تھا۔

میں بتا چکا ہوں کہ موجودہ ہندوستان کو دیش بھگتی کا سب سے پہلے سوامی دیانند نے سبق سکھایا۔ میں یہاں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سوامی دیانند کو بھارت ورش سے اس لئے پریم تھا۔ کیونکہ انہیں تمام جگت سے پریم تھا۔ اور وہ محسوس کرتے تھے کہ صرف بھارت ورش ہی اپنی پراچین سبھیتا کے بل سے دنیا میں شانتی پھیلا سکتا ہے۔ اور شانتی کا پرچار کر سکتا ہے۔ صرف بھارت ورش ہی دنیا کی موجودہ اقتصادی و سیاسی بے چینی کا خاتمہ کر سکتا ہے اور یہی روحانیت کا پیغام منش ماتر کو دے کر ان کی آتمک پوترتا کا موجب بن سکتا ہے۔ سوامی جی کا دائرہ حب الوطنی تنگ نہیں تھا۔ ان کے دل میں بنی نوع انسان کے لئے حقیقی درد تھا۔ وہ نیچ سے نیچ منش کے دکھ کو اپنا دکھ محسوس کرتے تھے۔ ان کے دل میں نہ صرف انسانوں کے لئے پریم تھا بلکہ تمام جیو جنتو چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک کے لئے وہ پریم رکھتے تھے۔ عرش سے فرش تک انہیں ہر ایک چیز پریم کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی تھی۔ وہ بغض و عناد و حسد و دشمنی کے تمام جذبات سے بالاتر تھے۔ اور ان کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ تمام سنسار کے لوگ بھی اسی پریم میں سرشار نظر آئیں۔ آج ہندوستان کی ترقی کے راستہ میں اچھوتوں کا مسئلہ ایک بھاری رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ اس چھوت چھات نے ہندو سوسائٹی کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ یہ ہندو دھرم کی سفید چادر پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ جسے جس قدر جلد ممکن ہو دھو دیا جانا چاہئے۔ سوامی دیانند نے سب سے پہلے اس ترین لعنت کے خلاف آواز اٹھائی۔ سوامی دیانند نے بتایا کہ شاستروں کی رو سے چار ورن ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی ورن کسی دوسرے سے اونچے درجہ پر ہے سوسائٹی کی تقسیم صرف مختلف گروہوں کے پیشوں کی بنا پر کی گئی ہے۔ ان ورنوں کا مدعا فرائض کی تقسیم ہے۔ نہ کہ کسی جماعت کو خاص مراعات اور حقوق دینا۔ چھوت چھات ویدک دھرم کی سپرٹ کے منافی ہے۔ آریہ برادری میں جنم کی بنا پر کسی کو اونچا یا نیچا درجہ دینا مہاں پاپ ہے۔ تمام منش جنم سے ایک جیسے ہیں۔ تمام ورن ایک دوسرے کی خدمت کے لئے ہیں۔ برہمن اپنی ودیا اور گیان سے کھشتری اپنے زور بازو سے۔ ویش اپنی تجارتی قابلیت و لیاقت سے اور شودر اپنی جسمانی محنت و مشقت سے تمام منشوں کی سیوا کرتے ہیں سوامی دیانند کے اس اصول کے خلاف کہ تمام بنی نوع انسان سوسائٹی میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ قدامت پسند ہندوؤں کی طرف سے اس وقت طوفان بے تمیزی بپا کیا گیا مگر باوجود بھاری رکاوٹوں اور مخالفت کے وہ برابر اس کے خلاف آواز بلند کرتے گئے اور اس کا نتیجہ آج یہ ہوا ہے کہ بڑے بڑے سناتنی یہ محسوس کرنے لگ پڑے ہیں کہ جب تک چھوت چھات کی لعنت دور نہ ہوگی ہندو دھرم پستی کی طرف جائے گا۔ ہندوؤں کی تعداد میں روز بروز کمی ہوتی جائے گی۔ اور مہذب دنیا ہندو دھرم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جائے گی۔ سوامی دیانند سوراجیہ چاہتے تھے۔ مگر وہ کسی ایسے سوراجیہ کے خلاف تھے۔ جس میں انسانی سوسائٹی کے ایک انگ سے حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہو۔ کوئی قوم ترقی کی راہ پر جب ہی گامزن ہو سکتی ہے۔

جب کہ اس کے مختلف حصے پریم کے رشتہ میں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہوں یہ تھی دیانند کی حب الوطنی - یہ تھی اس کی قوم پرستی جس کے باعث آج اس کا نام چار دانگ عالم میں گونج رہا ہے۔ دیانند محب وطن ہونے کے علاوہ سودیشی کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ پراچین بھارت ورش کی بنی ہوئی چیزیں غیر ممالک میں خاص پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مغرب پر دارومدار رکھنے کے بغیر ہی اپنے دیش کی بنی ہوئی چیزوں سے پریم پیدا کرنا چاہئے۔ دیانند کی حب الوطنی سچائی اور اہنسا پر مبنی تھی۔ دیانند بھارت ورش ہی کو نہیں تمام سنسار کو امید، پریم ستیہ اور اہنسا کا پیغام دے گیا۔ اب عش باتر کا فرض ہے کہ وہ اس مہرشی کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر اپنے جیون کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مفید ثابت کریں ٭

ستیہ کا اپاسک دیانند

(بقیہ صفحہ ۳۰)

سے ٹھکرا دیا۔ تنکا لیمن مہا تو بھاؤوں نے کہا کہ آپ مورتی پوجا کا کھنڈن نہ کریں۔ آپ بڑے لوک پریہ ہو جائیں گے۔ آپ پر فلاں مہاراجہ پرسن ہو جائیں گے۔ رشی نے ایک نہیں سنی اور جو سچائی انہیں پرتیت ہوئی۔ اسی کا پرچار کیا اور جتنی شکتی ان میں تھی۔ اس کے انوسار استیہ کا کھنڈن کیا۔ کیونکہ وہ سنسار کا پرکاش ہر دے سے چاہتے تھے ستیہ کے لئے جس سمے انہوں نے دیکھا کہ ضروریات ان کے راستہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہیں۔ ان ضروریات کو انہوں نے بہت ہی کم کر دیا۔ حتیٰ کہ لنگوٹ بند ہو کر پرچار کرنا آرمبھ کر دیا۔

لنگوٹ بند سنیاسی پر لوگ پتھر مارتے ہیں طعنہ دیتے ہیں۔ چڑاتے ہیں۔ پان میں زہر دیتے ہیں۔ دریا میں ڈبونے کا یتن کرتے ہیں۔ لیکن دھنیہ ہے رشی تمہاری سہن شیلتا اور ستیہ کے پرتی شردھا تھا پریم جو تمہارے اندر ذرا بھی جھجک اتپن نہیں کرتا اور کیول ماترا پنے کرتویہ ستیہ کے پرچار کی طرف نردیش کرتا ہے۔ رشی کا جیون سنگھرش کا جیون تھا۔ رشی کے اندر کام کرنے کی اپار شکتی تھی۔ اس ساری الوکک شکتی کو انہوں نے ستیہ کے پرچار کے لئے خرچ کر دیا اور انت میں بلا روک ٹوک ستیہ کا پرکاش کرتے ہوئے انہوں نے اپنی جان دیدی۔ کاش کہ ہم رشی کے انوپائی شردھا بھاؤ سے رشی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ستیہ کے گرہن میں تتپر ہو سکیں ٭

میں انتقال کر جاتے ہیں۔ ان اشیاء کے دوش کو مد نظر رکھ کر رشیوں نے ان کے زیادہ استعمال کی سفارش کی ہے۔ آریوں کو اپنے تمام اخراجات میں کمی کر کے اپنے گھروں میں دودھ کی افراط رکھنا چاہئے۔ تاکہ بچہ بوڑھا استری پرش ہر شخص ان کا خوب استعمال کر سکے ٭

(ج) شدھ بھوجن

جتنی گلی سڑی اشیاء ہیں۔ اگر آپ ان کو خوردبین سے دیکھیں۔ تو ان کے اندر ہزاروں جرمس نظر آویں گے۔ آپ کبھی بھی ان کے کھانے کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ لیکن وہ

کیڑے اتنے چھوٹے ہوتے ہیں۔ کہ معمولی طور پر نظر نہیں آتے۔ اس لئے آپ ایسی اشیاء کے کھانے میں دریغ نہیں کرتے۔ بازار میں سڑے پھل ترکاریاں۔ مٹھائی۔ دودھ دہی اکثر غیر صحت ہوتے ہیں۔ آریوں کو ایسے بھوجن سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ہمیشہ اول درجہ کی سامگری خریدو۔ خواہ گراں ملے۔ کھانے میں کفایت سے کام نہ لو۔ بلکہ دھن پیدا کرنے میں پوشارتھ زیادہ کرو۔ عمدہ غذا سے آپ یقیناً پرشارتھ زیادہ کر سکیں گے۔ بازاری اشیاء پیاز وغیرہ زیادہ گرم ہونے کے باعث ویریہ کا اخراج زیادہ کرتے ہیں۔ اس سے بدھی کی ہانی ہوتی ہے۔ غیر

رشی جیون کا آخری درشیہ

(از مہاشہ سوہن لال جی آریہ آنند)

شام کا سمے ہے رشی چارپائی پر لیٹے ہیں۔ چاروں طرف آریہ پرشوں کا جمگھٹ ہے۔ آپ کی تکلیف کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ تمام جسم پر چھالے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر دھیر رش بھی آ دھیر ہو رہے ہیں لیکن سوامی جی ہیں کہ بار بار پرانایام کھینچ کھینچ کر دم سادھ جاتے ہیں۔ تکلیف کا انہیں احساس تک نہیں۔

"صرتیو شیا پر"

رشی:- (اشارے سے) آتمانند!

آتمانند:- (ہاتھ جوڑ کر) گرو جی مہاراج!

رشی:- "بیٹا! میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

آتمانند:- جو آگیا (چارپائی پر پیچھے کو سہارا دے کر بیٹھ جاتا ہے)

رشی:- "بیٹا! اس سمے تم کیا چاہتے ہو؟"

آتمانند:- (آنکھوں میں آنسو بھر کر) آپ کا سواستھ اور جیون؟

رشی:- (آتمانند کے سر پر ہاتھ رکھ کر) بیٹا دیکھو اس ناشوان شریر کو کب تک رہنا ہے پھر ایک نت۔ اپنا کرتویہ پالن کر و سنسار میں شوک اور بھوگ سو بھاوک ہے۔"

(آتمانند روتا ہے اور شوک ساگر میں ڈوب جاتا ہے)

رشی:- "گوپال گری جی!"

گوپال گری جی:- (نمسکار کرتے ہوئے) "سوامی جی مہاراج!"

رشی ور:- "بتاؤ آپ کو کیا چاہئے؟"

گوپال گری جی:- "مہاراج آپ کا کشل چاہتے ہیں۔ سنسار کی تمام چیزیں اس کے سامنے تچھ ہیں۔"

رشی ور:- (ایک دوشالہ اور سو روپے دیکر) لو (گوپال گری جی روتے ہوئے انکار کرتے ہیں۔ دونوں چیزیں زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ اتنے میں سب بھگت جن کمرہ میں آ جاتے ہیں سوامی جی کی طرف غور سے دیکھنے لگتے ہیں)

ایک:- "سوامی جی آپ کی پرکرتی اس سمے کیسی ہے؟"

رشی:- "اچھی ہے۔ پرکاش اور اندھکار کا..."

رشی:- (سب کو اپنے پیچھے کھڑا ہونے کا اشارہ کرتے ہیں) "آج کون تتھی ہے؟" "اور دن کیا ہے؟"

دوسرا:- "مہاراج آج کرشن پکش کا انت اور شکل پکش کا آرمبھ ہے۔ تتھی اماوس اور دن منگلوار ہے۔"

(پنڈت گورودت کمرہ کے ایک کونہ میں کھڑے رشی کی طرف غور سے دیکھ رہے ہیں)

گورودت:- (تعجب سے دل میں کہتا ہے) میں

یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ اس قدر جسمانی تکلیف سوت کا سماں۔ لیکن چہرہ پر شکن تک نہیں۔
(رشی گوردت کو ایک طرف تو چارپائی پر لیٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ اپنی دیا گھیان نینے کی پوشاک میں کمرے کی چھت کے ساتھ لگے ہوئے)

گوردت:- (دل ہی دل میں) "ایں! یہ کیا؟ میں اب سمجھا یہ ان کا آتمک بل ہے" (آستک سے ناستک ہو جاتا ہے)

رشی:- (ایشور گن گاتے ہوئے گائیتری کا جاپ کرتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ:-)
"ہے ایشور! تیری یہی اچھا ہے۔ سچ مچ تیری یہی اچھا ہے۔ تو نے ادبھت لیلا رچی ——— تیری اچھا پوران ہو۔"
(پران تیاگ دیتے ہیں)
(موجودہ آریہ بھگتوں پر سناٹا چھا جاتا ہے)

پرکاش میں اشتہار دینا کلید کامیابی ہے۔

آریہ سماج کے سنگٹھن میں ترٹیاں

(از شری شیام سندر لال ایڈووکیٹ)

شاید اس بات کے ماننے میں کسی ذی علم کو پس و پیش نہ ہوگا کہ آریہ سماج میں اس شانتی کا ابھاو ہے جس کی کہ وہ دنیا کو دعوت دے رہا ہے۔ آئے دن اکثر جگہوں سے یہی آواز آ رہی ہے کہ وہاں کے آریوں میں کوئی نہ کوئی فساد ہے۔ کوئی نہ کوئی آپس میں کدورت ہے۔ آپس میں ضروری سہیوگ نہیں ہے۔ جس سوسائٹی کے لوگ روزمرہ [illegible] کا پاٹھ پڑھتے ہوں۔ روزمرہ شانتی کی آواز سے آسمان کو گونجاتے ہوں۔ جہاں پر ہر خوشی کے موقع پر ہر ایک سنسکار و اتسو پر ہر بڑے معمولی و غیر معمولی موقع پر شانتی پاٹھ سے کام شروع ہوتا ہو۔ وہاں ہی شانتی کا ابھاو ہو یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں معلوم ہوتی لیکن وچار شیل اصحاب جان سکتے ہیں۔ کہ شانتی کی تحصیل محض منہ سے شانتی کے الفاظ ادا کرنے سے نہیں ہو سکتی۔ اور نہ بار بار ان اپدیشوں کے دہرانے خواہ سننے سے شانتی میسر ہو سکتی ہے جن میں اس کا اظہار ہے۔ بلکہ شانتی کا منبع و مخزن ہردے ہے۔ اور اسی کے شدھ اور پوتر ہونے سے شانتی نصیب ہو سکتی ہے۔ اگر اس کو معقول طریقے سے سنگھٹت کر دیا جائے۔

مہرشی دیانند نے اپنے اپدیش اور جیون دونو سے روز روشن کی طرح ثابت کیا ہے کہ شانتی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم آریہ سماجی لوگوں نے ان کے بنائے گرنتھوں کا سوا دکھاوے ہی کا حفظ نہیں کیا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کو اپنے ہردوں میں جاگزیں نہیں کر پایا ہے۔ اور یہی وجہ موجودہ بے چینی کی ہے۔ جس کو تقریباً ہر جگہ محسوس کیا جا رہا ہے شاید کہا جائے گا۔ کہ آریہ سماج سنگھٹت سوسائٹی ہے۔ اس کا نظام ایسے اپ نیموں پر رکھا گیا ہے جن میں ظاہرا کوئی نقص معلوم نہیں ہوتا۔ میں کہوں گا کہ آریہ سماج کے نظام میں ہی موجودہ حالت کے جرم چھپے ہوئے ہیں۔ اپ نیموں کے الفاظ جامع ہوں۔ سدھانت کے لحاظ سے ان میں کوئی نقص نہ ہو لیکن عملاً جو ان کے ذریعہ سے نظام ہو رہا ہے۔ وہ ہرگز درست نہیں ہے۔

ہر قسم کے نظام کی آخری ذمہ داری ہر سوسائٹی کے ان لوگوں پر ہوتی ہے۔ جن کی رائے سے اس سوسائٹی کا نظام ظہور میں آتا ہے آریہ سماج میں یہ آخری ذمہ داری آریہ سبھاسدوں پر رکھی گئی ہے۔ جن کی رائے سے انترنگ سبھا یعنی کمیٹی انتظامیہ اور سماج کے ادھکاری منتخب کئے جاتے ہیں۔ اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان آریہ سبھاسدوں کے واسطے اپ نیموں میں کیا شرط رکھی گئی ہے اور اس پر کس طرح عمل ہو رہا ہے۔

ایک اپ نیم صرف یہ بتلاتا ہے کہ جو آریہ سماج کے اودیش کے مطابق آچرن قبول کرے اور جس کی عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہو آریہ سماج میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور اس کا نام آریہ ہوگا۔ اور دوسرا اپ نیم یہ بتلاتا ہے کہ جن آریوں کا نام سداچار سے ایک سال رہا ہو۔ اور وہ اپنی آمدنی کا سوواں حصہ ماہانہ یا سالانہ ادا کرتے ہوں۔ وہ آریہ سبھاسد ہو سکتے ہیں۔ اور انہیں کو رائے دینے کا اختیار ہے۔ اور ایک اپ نیم میں یہ بھی بندھن لگا دیا گیا ہے کہ جو شخص آریہ سماج کے اودیش کے خلاف کام کرے گا وہ نہ آریہ

اور نہ آریہ سبھا سد گنا جائے گا۔

جہاں تک آپ نیم کے الفاظ کا تعلق ہے۔ وہ کافی جامع معلوم ہوتے ہیں۔ صرف ایک صفت سداچار کی ایسی رکھی گئی ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی مانگ آریہ سبھا سد کی قابلیت کے واسطے نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ آچار کو پرم دھرم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس شخص میں آچار یعنی چرتر ہے۔ اس میں سب کچھ خوبی موجود ہے۔ رشی دیانند نے اس آچار کو اتنا مہتو دیا ہے۔ کہ دھرماتا کو جس کے معنی آچار وان یا چرتروان کے ہیں۔ چکرورتی ادھرماتا راجہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ گن ہین دھرماتا یعنی چرتروان کے ساتھ گن وان چکرورتی راجہ کے مقابلہ میں۔ اگر وہ ادھرماتا ہے یہ یوگ کرنا انسانیت کا تقاضہ ہے۔ لیکن ہم لوگوں کا عام طور پر عمل کیا ہے۔ ایک شخص آج آریہ سماج کا فارم ممبری کا بھر دیتا ہے۔ اور کچھ چندہ لکھ دیتا ہے۔ بس وہ آریہ تو فوراً ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی نہیں پوچھتا کہ آریہ سماج کے سدھانتوں پر اس کا کیا عمل ہے۔ وہ کہاں تک سواد ھیائے اور سندھیا وغیرہ کرتا ہے یا کرنا سیکھ ہی لیا ہے۔ کہاں تک مہرشی کے بنائے گرنتھوں کے مطالعہ کی اس میں قابلیت ہے۔ اور کہاں تک وہ اپنی اس قابلیت کو اس کے مطالعہ کرنے میں لگا رہا ہے بس ایسا آریہ ایک سال بعد بلا اس لحاظ کے کہ سداچار کے کیا معنی ہیں۔ اور اس کو اس نے کہاں تک آریہ سماج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آچرنوں میں شامل کیا ہے۔ وہ آریہ سبھا سد بنا لیا جاتا ہے۔ اگر اتفاق سے یہ مہاشہ آریہ ہونے کے وقت کسی علم میں کوئی خاص ڈگری حاصل کئے ہوئے ہوں۔ چاہے وہ کسی درسگاہ سے فوراً نکل کر آئے ہوں، اور مطلق کسی قسم کا تجربہ نہ رکھتے ہوں تو ان کے واسطے ایک سال آریہ رہنے کی شرط بھی اپ نیم کے نفٹ نوٹ کے مطابق دور کر دی جاتی ہے۔ اور فوراً آریہ سبھا سد بنا لیا جاتا ہے۔ چاہے۔ وہ یہ بھی سوائے چنی شائی چند باتوں کے نہ جانتے ہوں کہ سوامی کرت گرنتھوں میں سداچار کے کیا معنی کئے ہیں۔ آریہ سماج کا مشن دراصل کیا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آریہ سبھا سدوں کی جماعت ایک ایسی جماعت بن جاتی ہے۔ جو آریہ سماج کا مقصد محض موٹی موٹی سوشل باتوں کا ہاتھ میں لینا اور ان کا پورا کرنا سمجھ لیتی ہے اور اس کی انجام دہی میں وہ اسی طرز اور شیوہ کو اختیار کرتی ہے۔ جو آجکل کی پولیٹکل جماعتوں میں (باقی اگلے صفحہ کے کالم اول میں)

”موت کے منہ میں“

(از ڈاکٹر جانچند دیو ایم۔ ڈی)

سنسار کے اندر لاکھوں برس سے بننے اور بگڑنے کا دیوہار ہوتا چلا آیا ہے۔ پرانی عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ نئے ستھانوں پر سربفلک محل تیار کئے جاتے ہیں۔ وقت آنے پر وہ بھی زمانہ کی گردش کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لنڈن کے عجائب گھر میں ایسے جانوروں کے پنجر اور تصاویر ملتی ہیں کہ جن کا ذکر صرف تواریخ کے اوراق میں ہی باقی ہے۔ بہت سی قومیں اور جاتیاں بھی اس طرح سے جگت کے اندر اپنے نام کو اماس اثر میں ہی چھوڑ گئی ہیں یا۔ آثار قدیمہ کے عالم کہیں کہیں ان کی گزشتہ تہذیب و تمدن کو ہزاروں برس کے مٹی کے ڈھیر کے نیچے دفن شدہ سے باہر نکال کر ہم کو ان کی یاد تازہ کرا دیتے ہیں یہ چکر انادی کال سے ہے۔

بحیرہ کیسپین کے قریب میسوپوٹامیہ کے پاس بابل اور نینوا کے کھنڈرات یا مصر کے شمال میں سمندر کے کنارے گز بیسیوں ہاتھ پانی کے اندر غرق شدہ عالیشان محلوں کا صرف نشان ہی ملتا ہے۔ جہاں آجکل سمندر ہے وہاں ایک بھاری سلطنت تھی۔ براعظم تھا۔ جہاں صحرائے اعظم ہے وہاں سمندر تھا گویا سب کچھ ہم کو یہی بتاتا ہے کہ کسی مادی شے کو۔ انسان کی ہر تعمیر کو فنا کا زبردست ہاتھ وجود سے عدم میں لے جاتا ہے۔ مصری مینار باقی ہیں۔ کیونچ جاتی سنسار میں نہیں ہے عدم والوں کو ہی کچھ پتہ ہوگا۔ قومیں نہ رہیں نہ ان کا نشان ہی باقی ہے۔ ان کی تہذیب اور سبھیتا بھی لاپتہ ہو گئی۔ اس گردش میں جو آیا پس گیا۔ خاک اڑی۔ غبار فلک میں جا ملا۔ آریہ جاتی بھی ان قوانین قدرت سے بالاتر نہیں ہو سکتی۔ اس چکر سے کون بچ سکتا ہے۔ اور کیسے بچا بھی جا سکتا ہے۔ یا اس اٹم پرنیام کے سوا کوئی دوسری راہ ہی نہیں۔ یہ ایک سوال ہے جس کا حل وہ دان پرش تلاش کرتے آئے ہیں۔ کمزور زبردست کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سلطنت روما کو زوال

آیا وہ مٹ گئی۔ اور اس کو مٹانے والی بھی شمالی یورپ کی وحشی اقوام تھیں۔ جن کی شاریرک شکتی اور بل اتنا پربل ہو گیا کہ نازک بدن اور ضعیف الاندام رومن لوگ ان کے تیر شمشیر اور کلہاڑے کی زد سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ کسی زمانہ میں ایران یونان کا حکمران تھا۔ وقت آیا کہ ایران نے دارا گشتاسپ کو شکست ہوئی۔ اور ایران محکوم ہو گیا۔ بھارت ورش کبھی آزاد تھا۔ دو ہزار برس کی بات ہے کہ واقعی آتمی میں کمزور۔ تمدن میں گھٹیا۔ فنون لطیفہ میں آمی۔ آتمک یا روحانی پاکیزگی سے نشوونما مغرب کی جاہل مگر شاریرک طور سے زیادہ مضبوط جنگلی و وحشی اقوام نے بھارت ورش کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور آج یہ حالت ہے کہ تیس کروڑ سے زیادہ بھارت واسی اپنے دیش دھرم سے بے کھ ہو رہے ہیں کارن کیا؟

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں پنجاب

دیش میں آریہ جاتی ۷۵ فیصدی تھی۔ آج انا ریہ اور دیگر لوگ ۶۰ فیصدی ہیں۔ یہ زوال کیوں۔ یہ تبدیلی کیسے؟ کئی برس ہو گئے بنگال دیش کے ہائیکورٹ جج مسٹر مترا نے ایک پمفلٹ لکھا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ ہندو جاتی مر رہی ہے۔ جن لوگوں نے بھی جو پچھلے سال ہوئی۔ یہی پتہ لگتا ہے۔ کہ آریہ جاتی گھٹتی رہی ہے۔ کم ہو رہی ہے۔ اگر یہی رفتار رہی تو

دو چار صدیوں یا کچھ کم و بیش عرصہ میں بھارت دیش آریہ جاتی سے شونیہ ہو جائے گا۔ رہنے کو تو یہاں انسان ہی بستے ہوں گے رہی دوکان۔ وہ آنکھ۔ ایک ناک والے منش ہوں گے۔ فرق اتنا ہو گا کہ رام کے پجاری بابر کے شش کے عبادت گزار ہوں گے۔ دیانند نے اس خطرہ کو محسوس کیا تھا وقت وقت پر دوسرے لیڈر بھی ...

سمجھا پرنتو جیسی ویدک مریادا کا بھان تھا۔ انہوں نے بھی یہ چیتاونی دی۔ مگر آریہ جاتی نشہ غفلت میں مدہوش رہی۔ دیانند نے ہم کو ہماری بیماری بتا دی۔ مرض کے لواعث بتا دیئے تشخیص کر دی۔ علاج سے بھی آگاہ کر دی۔ آخر وشی کا شاریرک سمیند تو ہمارے ساتھ محدود وقت کے لئے ہی تھا۔ وہ کب تک رہتے۔ غرض سرانجام دیا چل بسے۔ آریہ

(پچھلے صفحہ کے کالم نمبر ۲ کا بقایا)

دیکھا جاتا ہے۔ اور جن کی آب و ہوا میں یہ اصحاب نشوونما پائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس تمام کیفیت کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دھیرے دھیرے اس زمانہ میں قریب قریب ہر جگہ مذکورہ بالا صفات کے اشخاص زیادہ تر سماجوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور وہی آریہ سبھاسد کی حیثیت سے سماج کے نظام کو چلا رہے ہیں۔ آریہ سبھاسدوں کے واسطے نہ کوئی عمر کی قید ہے۔ نہ کوئی کسی خاص قابلیت کا بندھن ہے۔ نہ سوادھیائے۔ نہ دھرشی کرت کرشخصوں کی وافقیت کی مانگ ہے۔ پس اگر آریہ سماج کے اندر شانتی اور سداچار کا ابھاؤ ہو۔ جھگڑا اور فساد کا بازار گرم ہو۔ عہدوں کے واسطے جدوجہد اور کینویسنگ ہو تو جلنے غور ہے کہ اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔

میری رائے میں اگر اس نقص کو آریہ سماج دور نہ کرے گا۔ اگر آریہ سبھاسد کے واسطے ایک خاص عمر کی قید اور دھرشی کرت گرنتھوں کی سوادھیائے یعنی واقفیت کی شرط۔ اچار کے ساتھ لگائی جائے گی۔ اور انترنگ سبھاسدوں اور عہدہ داروں کے واسطے عمر وغیرہ کا اور بھی بندھن نہ لگایا جائے گا۔ تو میری رائے میں آریہ سماج تھوڑے ہی زمانہ میں اس دائرہ سے باہر جا جائے گا جہاں کہ آتما کو شانتی مل سکتی ہے۔ جہاں کہ انسان راجنیتک Canvassing اور ہتھکنڈوں سے بچ کر جن میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ چھل کپٹ اور پرپنچ کا کافی میل ہوتا ہے۔ پروپکار کے کاموں کو کرتا اور یہ وشٹی سے انجام دے سکتا ہے۔ کہ آریہ سجن اس مضمون پر وچار کریں گے اور اس میں جو سار ہو اس کو گرہن کریں گے۔

جاتی کو جیتا بنا دیا۔ آریہ راجاؤں کو خبردار کیا۔ آریہ نیتاؤں کو مشعل راہ دکھائی۔ ان کا کام جو تھا وہ کر گئے۔ عمل کرنے سے آریہ جاتی اس روگ سے آزاد ہو گئی ہے۔ بزدلی کی بانی جاتیوں پر اچھی سیمینا نہ لوچیٹ کر گیا یہی انجام ہمارا ہوگا۔ وہ دن نظر آرہا ہے۔ کون انکار کر سکتا ہے۔ آریہ جاتی کا شیرازہ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ آریہ سماج جس نے وید کا کام کرنا تھا۔ وہ خود ہی ارگن ہو گئی۔ حیف

مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

آریہ جاتی کو آریہ سماج نے شاندار ک آنک سنا ماجک اننتی کی راہ دکھلانا تھی۔ وہ خود ہی راہ بھول گئی۔ نہ ہی ہمارے اندر وہ پرشرم رہا۔ نہ ہی وہ جوالا نظر آتی ہے۔ کہ جو آریہ سماج کے شروع کے چند سالوں میں تھی۔ اس وقت بھارت ورش میں وید کا پرچار اور جیون پھیلانے کے واسطے زور لگانا چاہیے تھا ہم تو الٹا ہر جگہ اپنی اپنی چھوٹی سی کٹیا بنا کر اسی کے جھگڑے میں لگ گئے ہیں۔ دیکھئے روپیہ سے سوچنا اور رہنا شروع کر دیا ہے۔ بیمشیٹی روپیہ سے ایک منضبط جماعت یا جاتی کے روپ میں ہم نے سوچنا اور رہنا بھی ترک کر دیا ہے۔ حالت کیا ہے؟ ہم موتیوں کی ایک سندر مالا بننے کے بجائے جنگل میں بکھرے ہوئے لاوارث دانوں کی طرح سے پڑے ہوئے ہیں۔ چاروں طرف دوسری سبھیتا ہمارے اوپر یورش کر کے ہماری جاتی کو لوٹ رہی ہے۔ آریہ سماج کا دھرم تھا۔ کہ سارے بھارت ورش کو ایک لڑی میں پرو دیتی۔ ایک سنگھٹن میں لا دیتی۔ ایک سروپ بنا دیتی۔ ایک جیوت دے دیتی۔ وہ یہ شکتی بن جاتی دوست فخر کرتے دشمن بھی مانتے۔ اب کیا حالت ہے۔ نہ دوست کو فخر ہے۔ نہ دشمن کو خطرہ۔ کسی پہلو کو لو۔ کسی سمت نگاہ ڈالو تباہی اور بربادی کا منظر نظر آتا ہے۔ جہاں پر ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ وہاں بھی مار کھاتے ہیں۔ جہاں کم ہے وہاں بھی جوتیاں پڑتی ہیں۔ دس برس ہوئے دکھنی بھارت میں موپلاؤں نے قیامت صغریٰ کا نمونہ دکھایا تھا۔ ٹھیک دس برس بعد سرحد کے اندر وہی نظارہ پیش آئے ہیں۔ ہندو ریاستوں میں بھی ہندو راجاؤں کو معرض عتاب کیا جاتا ہے۔ اور جہاں پر ہندو پرجا ہے اور غیر آریہ راجہ ہیں۔ وہاں پر بھی ہندو ہی تباہ برباد کئے جاتے ہیں کشمیر کا راجہ ہندو ہے تو وہ تباہ کیا جا رہا ہے۔ بھوپال اور حیدرآباد کی پرجا ہندو تو وہ بے خانماں کی جاتی سمجھ کر لاوارث اور یتیم انسان ہر جگہ مارا کیا جاتا ہے۔

کارن کیا؟ شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ ایکتا نہیں۔ جاتی سنگھٹن نہیں ہے۔ سُوارتھی اور بزدل انسانوں میں بھلا کبھی ایکتا ہو سکتی ہے۔ یہودی سنسار بھر میں زیادہ مالدار ہیں یورپ و امریکہ کی سلطنتیں ان کے قرضے کے نیچے دبی ہوتی ہیں۔ مگر ہر جگہ یہودی کی بے عزتی ہوتی ہے۔ ہر ملک میں زار و خوار ہے۔ اس کا اپنا کوئی وطن نہیں ہے۔ آوارہ گرد بے خانماں پھرتا ہے۔ دیکھئے کیا یہی حال ہندو جاتی کا ہے کیونکہ وہ اپنے کو بطور واحد شخصیت کے نہیں سوچتے۔ اس کا ہر فرد اپنی ڈفلی۔ اپنا راگ الاپتا ہے۔

بنگال میں ہندو تباہ ہو رہے ہیں۔ پنجابی ہندو کو کوئی فکر نہیں۔ مدھ دیش کے آریہ یعنی پنچھمی بھارت کے سکھ دکھ سے بالکل بے پروا ہوتے ہیں۔ سرحد کے غم میں کوئی مدراسی شامل نہیں ہوتا۔ جیسے سندھ کے ادھکار نشٹ کئے جانے پر کسی سینکٹ پرانت کے ہندو کو کوئی کشٹ نہیں ہوتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا مغرب سے جو لہر دو ہزار برس پہلے چلی تھی۔ اب وہ دوبارہ زیادہ زور کے ساتھ اٹھ رہی ہے اور ان پرانتوں میں رہنے والے ہندوؤں کے واسطے دو راستے کھلے ہیں۔ یا تو اپنے بزرگوں کی طرح سے دھرم کی راہ میں جانیں دے دیں۔ یا اناریہ سبھیتا کو گرہن کر کے اپنی قومی ہستی کو فنا کر دیں۔ یہ لوگ کمزور ہیں۔ ان کی جاتی گنتی میں کروڑوں ہوتی ہوئی بھی ان کے واسطے مرچکی ہے۔ مدراس کا ہندو ہرگز یہ احساس نہیں رکھتا کہ اگر آہستہ آہستہ سرحد و پنجاب میں آریہ جاتی نشٹ ہوتی گئی۔ تو کسی دن یہ خود بھی مٹ جائیں گے۔ آخر کو یہی ہوگا۔ کشمیر کا نقشہ چند دنوں میں بدلنے والا ہے۔ راجہ لاچار ہے۔ ہندو وزرا و امراء کوئی ایسے ہیں کیا کہ جن کے دل میں جاتی درد ہو۔ ہاں سوار تھ دش روپیہ جمع کرنے کے واسطے وہ ہندو نام رکھ کر وہاں جمع ہو گئے ہیں کشمیر کے بعد پھر کسی اور راجہ کی باری ہوگی۔ لیکن ایک غیر ہندو کا ورواس کی ساری جاتی فوراً اپنا درد بنا لیتی ہے۔ اور راجہ سے پرجا تک چھوٹے سے بڑے تک "قوم پرست" کا جامہ پہننے والے اور لوڈی کہلانے والے سب اپنے ہم مذہب بھائی کی حمایت میں جائز و ناجائز ہتھیار استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان کا ہم مذہب غلط ہو تو بھی درست ہے۔ نامناسب کاروائی کرے۔ تو بھی جائز ہے۔ ادھر ہندو جاتی کے لیڈران اپنے ہی افراد کو تباہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ جب یہ حالت ہو تو کیا ٹھکانہ

ہم لوگ کہتے ہیں کہ بھارت ورش کو سوچیے ل جائے۔ خواہ آریہ جاتی کو اناریہ جاتی ہڑپ کر جائے۔ میں اس سوراجیہ کو ہرگز نہ لوں گا۔ اتنے بھاری ملک میں۔ میری کمزور آواز کوئی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ اس کی کوئی ہستی ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ مگر بہت سارے قطرے مل کر پہاڑوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جا سکتے ہیں۔ اسی آشا پر میں یہ آواز اٹھاتا ہوں۔ کہ سجنو! دیانند کی وید سبھیتا۔ رام کی ویدک مریادا۔ کرشن کا دھرم سب کچھ تباہ ہونے کو ہے۔ آریہ جاتی بڑے زور سے موت کے منہ میں اپنے آپ کو دھکیل رہی ہے۔ کون ہے جو اس کو بچا سکے۔ کون ماں کا لال ہے جو اپنے سکھ کو تلانجلی دے کر جاتی کے واسطے الموفی دکھا اس پرشن کا اتر ملنے پر ہماری جاتی کی زندگی کا انحصار ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۸)

"دیدوں کا ذخیرہ عالم میں بجا دیا رشی دیانند نے" گا کہ ہم آتم رکھشا کر رہے ہیں ؛

آج رشی کا نروان دن ہے ۔ آؤ! آج ہم پھر سے اپنی کاریہ شیلی کا امتحان کریں ۔ ہم کیوں اپنا سمان کھو رہے ہیں ۔ اس پر سنجیدگی سے وچار کریں ۔ سماج اسلام کو مقابلہ کرنے کی شکتی ہم نے کیوں کھو دی ؟ اس کا انوسندھان کریں ۔ اپنے جیون کی کمیوں کو دور کریں ۔ اور پھر سے سنگھٹھ کریں ۔ کہ آریہ سماج کے نیتا وہ نہیں ۔ جو زیادہ ووٹ پراپت کر سکیں ۔ آریہ سماج کا نیتا وہ ہے جس کے جیون میں تیاگ ۔ تپ ۔ سیوا ۔ ان تین سوتروں کا درشن ہوتا ہے ۔ اس کو محض بڑے بڑے عہدوں پر ہم پرسن ہونا چھوڑ دیں ۔ سنکمیابل سے پرسن ہونا چھوڑ کر واستو میں آریہ جیون والے بھائی بہنوں سے اپنے سماج کو سنگٹھت کریں ۔ اگر ہم ٹھیک طرح ایسا کریں تو آدرشیہ رشی کے بہت سے گن گان کی نسبت اس کا یہی ترپن ہوگا ؛

تو ان کو چاہیئے کہ وہ کربلا کے ایک طرف ہو جائیں ۔ اور لیڈروں کو سمجھا دیں ۔ کہ وہ کام کو پورا کریں ۔ جس سے سورگ میں بیٹھے ہوئے سوتنترتا کے پیغامبر کی آتما کو شانتی پراپت ہو کہ جس کام کو وہ شروع کر گئے تھے ۔ اس کے انویائی اسے پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں ؛

ویدامرت کا آنند لینا ہے ۔ دھارمک [illegible] پڑھنے کا شوق ہے ۔ ملکی حالات سے [illegible] چاہتے ہو تو ہفتہ وار "پرکاش" لاہور منگاؤ ۔ قیمت سالانہ صرف چار روپیہ

آزادی کا پیغامبر دیانند

(بقیہ صفحہ ۱۲)

سماج ایک دھارمک سوسائٹی ہے ۔ اس کا راج نیتی سے کوئی سمبندھ نہیں ؛

وہ آریہ سماج جو کسی سمے اسبات کا ابھیمان کیا کرتا تھا ۔ کہ اس کا جنم استیہ اور انیائے کے ناش کے لئے ہوا ہے ۔ کیا وہی آریہ سماج آج اپنا سر اونچا کرنے کی جرأت رکھتا ہے ۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ پاشچاتیہ سبھیتا نے ہمارے دھرم کا ہماری سبھیتا کا ہمارے دیش کا ناش کر دیا ہے ۔ جبکہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے دیش کی سوتنترتا مٹی میں مل جا رہی ہے ۔ جبکہ ہمارے دیش واسیوں کے سروں پر سنکٹ کے بادل منڈلا رہے ہیں ۔ اس سمے آریہ سماج کیا الگ بیٹھ سکتا ہے ؟ اور اگر بیٹھ سکتا ہے ۔ تو اس اوستھا میں کیا ہمارے نیتا اس بات کا ابھیمان کر سکتے ہیں ۔ کہ سنسار کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اُدیش ہے ؛

رشی دیانند نے ہمارے ہاتھوں میں ایک امانت سونپی تھی ۔ ہمارے نیتاؤں نے کچھ دیر کے لئے اسے سنبھالا ۔ لیکن اب وہ ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے ۔ اب سمے ہے ۔ کہ آریہ سماجی نوجوان اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیں ۔ اور جو آریہ سماج ہمارے نیتاؤں کے ہاتھ سے نکل رہی ہے اسے سنبھالیں اور اپنے دیش واسیوں کو وشواس دلائیں کہ آریہ سماج سنکٹ میں ان کے ساتھ ہے ۔ چاہے وہ سنکٹ دھارمک ہو چاہے سماجک اور چاہے راج نیتک آریہ سماج کا جنم بھارت ورش کے کلیان کے لئے ہوا ہے ۔ اور اس کے کلیان کے لئے ہی وہ ہمیشہ یتن کرتا رہے گا ۔ اگر ہمارے نیتا اپنے دیش کا ساتھ نہیں دے سکتے ؛

دلتوں کی سمسیا

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۵)

کہ اس پالیسی سے آپ کے چند نمائندے کونسلوں میں چلے جاویں ۔ مگر وہ کم علمی اور کم لیاقتی کی وجہ سے آپ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے ۔ آپ کا کلیان محض چند نمائندے کونسلوں، میونسپل کمیٹیوں یا ڈسٹرکٹ بورڈوں میں بھیجکر یا چند ملازمتیں حاصل کر کے نہیں ہو سکتا ۔ اگر آپ اسبات میں اپنا بھلا سمجھتے ہیں ۔ تو علیحدہ نیابت حاصل کئے بغیر بھی آپ کا مدعا پورا ہو سکتا ہے ۔ اپنے اندر لائق آدمی پیدا کرو ۔ ہندو ان کو کونسلوں و کمیٹیوں میں بھیجنے کے لئے تیار ہونگے ۔ جیسا کہ کئی مقامات پر ہوا ہے ؛

ہندوؤ! دلتوں کی سمسیا کا حل آپ کے آدھین بہت کچھ ہے ۔ ان لوگوں کا اعتماد آپ پر سے بہت حد تک اٹھ چکا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تنگ آ کر آپ سے جنگ کرنے کی بجائے آپ کو چھوڑ رہے ہیں ۔ بہتر تھا ۔ کہ بھائیوں کی طرح آپ سے یہ اپنے حقوق کے لئے لڑتے ۔ مگر جو دوسری طاقتیں ان کی پشت پر کام کر رہی ہیں ۔ وہ ان کو آپ سے منحرف کر کے آپ سے بالکل جدا کرنے کے درپے ہیں ۔ وقت نازک ہے ۔ آپ کو موقعہ سنبھالنا چاہیئے ۔ ہندو دھرم ایک COSMOPOLITEN عالمگیر دھرم ہے ۔ اس کی وشال گود میں سب کے لئے جگہ ہونی چاہیئے ۔ چھوٹائی اور بڑائی کے جھوٹے خیال کو ترک کرو ۔ نفرت کے لفظ اور کمینہ جذبے کو خیرباد کہو ۔ رشیوں اور منیوں کی سنتان پرماتما کے پتروں کو بھائیوں کی طرح بغل گیر کرو ۔ ان کے ساتھ [illegible] ان کا دودھ کھول دو ۔ جو نادار ہیں ۔ اور ناشائستہ ہیں تو آپ سے ان پر لگ رہی ہیں ۔ خدا ہند و تہذیب کی رکھشا ۔ نیک [illegible] ہند قوم کے واسطے ان کو فوراً [illegible] کرو ۔ اگر موت پیاری ہے تو اپنے موجودہ وطیرہ پر عمل کرتے جاؤ اگر موت سے بچنا چاہتے ہو ۔ اور اپنے دھرم و تہذیب کو زندہ رکھنا چاہتے ہو ۔ اگر پرماتما کے قہر کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو تیری وسعت قلبی آپ کی سیوا میں عرض ہے ۔ کہ ان دلتوں سے پریم کرو ۔ اپناؤ ۔ یہ نگاہ بدل دو ۔ ایک دن میں ان کا سوال حل ہو سکتا ہے ۔ کاش کہ ہندو ہوش سنبھالیں ۔ اور اپنا نفع و نقصان سمجھیں ؛

اشتہارات کے لئے پرکاش ایک عمدہ ذریعہ ہے ؛

ویدوں میں اہنسا نمک گومیدھ

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

پاٹھک گن! آپ نے بھلی بھانتی سمجھ لیا ہوگا کہ گومیدھ آدی کیا ہیں کب اور کیسے کئے جاتے ہیں ۔ واستو میں تو گو سارے سنسار کی رکھشک پالک اور ودھاتا ہے ۔ برہمنوں کی گو وید وانی ہے ۔ کھشتریوں کی گو پرتھوی ہے ۔ ویشوں کی گو گو ماتا ہے ۔ کیونکہ گو کے تینوں ارتھ ہیں ۔ وانی ، پرتھوی اور گائے ۔ پس سنسار کے سمست پرانی اپنے اپنے ورن انوسار اپنی اپنی گائے کی رکشا کریں ۔ تو سارا سنسار پوتر ہو جاوے ۔ وید گیان کا پرچار ہو جاوے ۔ برہمن لوگ پرادھین ہو کر بھومی پر پددلت نہ رہیں ۔ کھشتری پرتھوی کے راجا ہوں ۔ دیش ورگ گوپال کرشن کے کہا انوسار سب پیار کئے اس گیتا کے آدیش انوسار گو ماتا کی رکشا کریں ۔ تو گو دودھ بالکل بند ہو جاوے ۔ شودر تینوں ورنوں کی سیوا کر کے اپنے کرتویہ کا پالن کرے ۔ کیونکہ دیشوں کو کھشتری آدی ہی ہیں کھشتریوں کو سینا میں اور برا اصولوں کے لئے جو جن آدی بنانے میں شودر ہی چاہئے اس پرکار چاروں ورنوں اور چاروں آشرموں کی مریادا اگر رکشا میں ہی ہے ۔ تبھی تو اتھروید میں کہا ہے :-

वशां देवा उपजीवन्ति
वशां मनुष्या उत।
वशेदं सर्व मभवत् या-
वत सूर्यो विपश्यति॥

ارتھات جب تک سنسار میں [illegible] ہے ۔ تب تک گو کے سہارے ہی دیوتا ان برہمن لوگ منش آدی کھشتری لوگ سبھی جیوت ہیں ۔ یہی آریوں کا سامیہ واد ہے ۔ پاٹھک گن اہنسا نمک ویدک گومیدھ کے مہتو کو سمجھ کر بھی ان لفظوں کی سمجھانے کی کوشش کریں پر دھیان دینگے ؛

بقیہ مضمون صفحہ ۲۶

کے سنبندھ کی بنیاد ڈالتا ہے۔ گرہستھوں کے سمودائے سے ایک کٹمب کو سنگٹھن کرنے والا بھی یہی نیم ہے۔ یہی وہ ویکتیوں کی دسترت کام واسناؤں کو سنکچت کرتا ہے۔ ووواہ کے دن ہی دواہت جوڑا انوبھو کرتا ہے۔ کہ ہم دونوں کے اتیرکت سنسار کی سب استریاں اور پرش ہمارے ماتا پتا اور بھائی بہن ہیں۔ سرشٹھ سنتان اتپن کرانے سے پالن اور اتم سکشا کے لئے گرہستھی کو یہ نیم کتنی بڑھ کر تا ہے۔ اس پرکار ووواہ ایک استری پرش کو ایک بڑی ذمہ داری کی جگہ پر لا کھڑا کرتا ہے۔

آج کل سماج نے تو ووواہ کو ایک ناٹک بنا دیا ہے۔ جس گھر میں ووواہ ہوتا ہو اس کا درشیہ ناٹک شالہ کی طرح ہوتا ہے۔ کہیں باجے بج رہے ہیں۔ کہیں راگ گائے جا رہے ہیں۔ کہیں سوانگ بگاڑنے والے بہروپئے بن رہے ہیں۔ اپنی عمر بھر کی کمائی کو ایک گرہستھی ایک ہی ووواہ کے دوارا اس انادیشیک ناٹک کے ارپن کر دیتا ہے۔

وہ اور کنیا کو ان سے جیون کے کاریہ کرم سمجھانا ہی ووواہ سنسکار کا ادیش تھا۔ جو پانچ سات آپت پرشوں سے اور پانچ سات روپئے کے خرچ سے پورا ہو سکتا تھا۔ لیکن اس پوتر آدیش کو ہزاروں روپیئے خرچ سے ڈھول ڈھمکا کی غیر ضروری بھیڑ بھاڑ میں ولین کر دیا جاتا ہے اور دونو پکش دھن سے اور دھرم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

اسی سے یا تو کنگال ہو گئے ہیں کہ ووواہ کا پھل بھی نرک ہی ہے۔ ایک شبدوں میں اسے سماج سدھار کہہ سکتے ہیں۔ پرنتو لوگوں نے اس کا پھل دکھلاتے ہوئے کبھی سورگ اور نرک کی سرشٹی کر ڈالی۔ گو سنسار کر دی گئی۔ کہ ندال جہنم میں ندال جاتی ہیں۔ ان دنوں آویں ووواہ کرنے سے سورگ اور اس کے خلاف کرنے سے نرک ملے گا۔ ووواہ کے اس پار لوک پھل کرنے ہی تکشن کا درشٹی کون بدل جاتا ہے۔ آسے اب ووواہ سے ہونے والے سامانک سدھار یا بگاڑ کی نسبت سورگ اور نرک کی طرف خاص طور پر دیکھنا پڑتا ہے۔ اسے اسی جاتی میں ووواہ کرنا ہوگا۔ چاہے ور یہ ور یا کنیا اس جاتی میں نہ ملنے سے نیکی تک یا سامانک بھینکر ہانی کا سامنا کرنا پڑے۔ چھوٹی آیو کے ووواہ سے اپنے سواستھ کی بلی چڑھا کر کنیا میں اولاد کے رہتی۔ اور جلد ہی کال کے گرال گال میں جانے والی سنتانیں پیدا کریں تو یا ہے۔ لیکن ماتا پتا نرک سے

خوف سے بارہ ورش کے اندر ہی کنیا کو دوسرے گھر کا راستہ دکھا دیں گے۔ آہ! ایک ایشنت اپیوگی دھرم نیم کا کتنا دروپیوگ ہے۔ اپنے بھوشیہ سے ناواقف بالک بالکاؤں پر کتنا بھینکر اتیا چار ہے۔ کوری کلیاؤں کی دھکتی رہتی بھٹی میں اپنی وچار دھارا کی سگندھت بھول مالا کو نشٹ جاتی نے کس بے رحمی سے جھونک رکھے۔ روگ کر دیا کرتے ہیں۔ کہ رشی دیانند تیمبر ساو چک تھے۔ پرنتو مہرشی نے آ ریہ ہی سر بلند کر سنسار کو بھیتا کا سبق پڑھانے والی آریہ جاتی کو روڑھیوں کے اس تباہ کن جال میں پھنس کر ہمیشہ کے لئے نکال کا گراس بنا دینے والے دھرم نام دھاری ادھرم گرنتھوں پر کسی بھی بدھیمان کو تو ذرا بھی ۔۔۔ ہے۔ اور اس بھیانک جال میں ۔۔۔ پرگٹ ہونے روشنی دیو کے ہاتھ میں ایک پھول مالا دی گئی اے کھور نشتار۔

اب ہم یہ جتا چاہتے ہیں۔ کہ دھرم کے اس مہا تک ورش کا یہ سنہری آدرش کیوں بھلا؟ اس کا جواب بھی آخر ہے۔ کہ آچرن کے ابھاو سے۔ جب سے ہم نے ووواہ کے داستوک نیموں پر آچرن کرنا چھوڑ دیا۔ تو ہمیں ووواہ کا آدرش ایک ہی اور وہ وسنا واسنا کی پورتی ہی یاد رہ گیا۔ اور اس واسنا کو بھی ہم نے ایسے بڑھے ڈھنگ سے پورا کرنا شروع کیا۔ کہ اکثر گرہستھی جوانی میں ہی بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ بھارت کے رشیوں نے منش کے طویل العمر ہونے اور تندرست رہنے کے لئے اس کے جیون کے پروگرام میں برہمچریہ کو وشیش استھان دیا ہے۔ ہمیں برہمچریہ کی طرف بڑھ کر درستان دار دستل کو بدل دینا چاہئے۔

پارلوکک کرم

کرا پریکٹ کرموں کا بھی پرلوک کے ساتھ سمبندھ ہے۔ کوئی بھی شبھ یا اشبھ کرم نرم یا دھرم کی سرشٹی آدیش کرتا ہے۔ اسی سے آدرش پرش کے اگلے جنم کی بنیاد پڑتی ہے اور اگامی جیون بھی پرکھ رہی ہے۔ پرنتو یہاں ہمارا یہ پرلوک سے مطلب برہم لوک یا موکش کی پراپتی ہے۔ رشیوں نے موکش کی پراپتی کے ایک سادھن بتائے ہیں۔ ہم کیول ایشور پرنی دھان کا ہی ذکر کریں گے۔ ایشور پرنی دھان کا ارتھ ہے ایشور پرائن ہونا۔ اسی کو اپنا اور اپنے آپ کو اسی کا سمجھنا۔ اپنے سب شبھ کرموں کے پھل کی ابھلاشا نہ کر اسی کے ارپن کر دینا۔ اسے اپنے اندر اور اپنے آپ کو اس کے اندر دیکھنا۔ اس کے پویتر گنوں کو آدرش رکھ کر اپنے درگنوں کو ان کے سد

سوں نے روپ میں تبدیل کر دینا؛

بھارت ایشور بھگتی پردھان دیش مانا جاتا ہے۔ دھرم کے اس انگ کا انوشٹھان پراچین کال میں اس دیش میں سُندر رِیتی سے ہوتا رہا ہے۔ اب بھی اس کے پریمیوں کی سنکھیا اس دیش میں کم نہیں۔ پرنتو اس انگ کے انوشٹھان میں جتنا مت بھید اس دیش میں پایا جاتا ہے اتنا اور کسی جگہ میں نہیں پایا جاتا ہوگا۔ ایشور بھگتی میں ہر چار بھید کی کلپنا سے ہی بھارت میں ہزاروں متوں کی نیو پڑی ہے۔ کتنے تو مت ایشور کے نام بھید سے ہی بنے ہیں۔ وشنو۔ شو۔ کرشن۔ رام آدی کے ماننے والوں کی بھگتی کا طریقہ عموماً ایک ہی جیسا ہے۔ پرنتو ایشور کے نام بھید سے یہ مت ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان مت واریوں کے ایشور بھی یا تو کوئی اتہاسک پُرش ہوتے ہیں۔ یا کسی اتہاسک پُرش کے ہاتھ کی گھڑی مورتی۔ وہ ایک کھیتر میں آپس کے دویش کے پرکرش کی بڑھتی میں یہ مت وادوں کے جل کا سینچن ہی پردھان کارن ہے۔ رشی دیانند نے اسی مت واد کو سمول اکھاڑ دینے کے لئے ایک ایشور واد کی ڈنکا بھی بجائی تھی۔ رشی کا نرنشٹ ایشور کوئی اتہاسک پُرش نہیں۔ اور نہ اُس کے اور بھگت کے درمیان کسی اتہاسک پُرش کے مدھیست ہونے کی آدشیکتا؟

ہے۔ منش کے کرم انوساری پھل دینا اس کا کام ہے۔ منش کی بھگتی سے اس کا کوئی پریوجن سدھ نہیں ہوتا۔ منش اس کے سدگنوں کا سمرن کر اپنے اندر ان سرشیشٹھ گنوں کو استھان دیتا ہے۔ جس سے اس کا آتما کلیان ہمیں ہوتا ہے؛

رشی دیانند اس بات کا بہت دھیان رکھتے تھے۔ کہ کہیں ان کے ہاتھوں سے اپریکش روپ سے بھی ایسے مت واد کی نیونہ پڑ جاوے۔ جو بھوشیہ میں ممکن روپ دھارن کر دیش کو گھاتک ہو۔ انہوں نے اپنے شریر کی بھسم کو بھی کسانوں کے کھیت میں پھینک دینے کا آدیش دیا۔ انہوں نے اسی لئے چلنے کے لئے ایشور کا کوئی نیا نام بھی جگت کو نہیں دیا۔ شرتی سمرتی پرسدھ اوپرا ترکھ نام اوم کے جپنے کا آدیش کیا ہے؛

انت ترورن یہی ہے کہ بیل کی اپاسنا کرتے ہوئے اوم کا جپ اور پربھو کے گنوں کا چنتن کرتے ہوئے انہیں اپنی آتما کے اندر دھارن کرتے جانا ہی ایشور بھگتی ہے۔ یہی موکش کا سادھن ہے۔ کیول اوم کی رٹ لگانے سے لابھ نہ ہوگا پاٹھک سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ دھرم کا آچرن کے ساتھ سنبندھ کرنے سے ہی لابھ ہوتا ہے۔ کیول اس کے مان لینے سے نہیں؛

رشی دیانند

(از شری بدھ بہاری چند بی اے ایل ایل بی)

آئی رات دیوالی دی جدوں کالی جس چونفیر اندھیرا مچا دتا

رشی دیانند دھرم دا چند جیہڑا آسنوں گھٹا دے اندر لُکا دتا

شری رام دے شبھ آگمن دا اسا را سکھ آرام بھلا دتا

دے بال اٹھکے۔ دیکھ بھال تھکے ملدا لال نہیں کتھے گنوا دتا

ہو بالدتاں وچھڑیاں نندھ تائیں دیانند جی درس دکھا آکے

تیرے دیش دیاں نندیاں ہون لگیاں پریم پیار سکھا کے ملا آکے

آئت قوم ٹھنڈی گھنڈی گھٹ گئی اسے اسنوں دھن دی دھی تنا آکے

دھرم مرتیو لوں ہون پراہنے لگا امرت وید دا اسنوں پلا آکے

وید ویدیا بچار دے آریئے نے۔ اے پر وید کوئی پڑھدا پڑھاؤندا نہیں

لسکٹے بہار آتیہ وا دو واد کر دے کوئی دا سنوک کرم کما وندا نہیں

سارے وشنوکوں آریہ بنان والا کوئی آریاں وچہ نظری آوندا نہیں

اپنے اپنے متھاں دی خیر منگدے کوئی آریہ نیم نبھا وندا نہیں

تیرے دساں اصولاں نوں بھل کے تے۔ سارے اپنی ڈفلی بجان لگ پئے

بھگوت بھگتی دی تھے شبھ رنگا کی وید شاستر تھیں جی چراں لگ پئے

آتم آتی دی تھے دا ہات کیہڑے من دی موج نوں آگرن سامان لگ پئے

نیش جاتی دا لوبن کلیان ہوسی جدوں آریئے آلئے دھیان لگ پئے

آواہن

از — شری روشن لال گپتابی۔ اے جرنلسٹ پٹیالہ

۱

"تو آ کیونکہ تیری ضرورت ہے۔"

"بھارت ورش کے رنہیں نہیں دنیا بھر کے ہر کونے میں نفرت پھیلی ہوئی ہے۔"

"بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔"

"سات کروڑ بندگان خدا کے ساتھ جانوروں سے بھی برا سلوک ہو رہا ہے۔"

"اونچی ذات کے اکھیائی انہیں اچھوت شودر۔ اسپرش وغیرہ ناموں سے یاد کرکے ان کے ارمانوں کا خون کر رہے ہیں۔ ان کی امیدوں کے گلشن کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی تمناؤں کی بستی کو اجاڑنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہشات پر پانی پھیرنے کی دل میں ٹھانے ہوئے ہیں۔"

"دوستی۔ ہمدردی اور ملنساری محض خواب کی باتیں رہ گئی ہیں۔"

"ہندو مسلم۔ جین۔ سکھ وعیسائی فرقہ وارانہ لڑائی جھگڑوں میں مصروف ہیں۔"

"وہ محبت جیسے پاک جذبہ سے بے بہرہ ہو کر خون کی ندیاں بہا رہے ہیں۔"

"راجہ اور پرجا کے تعلقات میں فرق آچکا ہے۔"

"امیر متمول اور دولتمند غریبوں اور مفلسوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے عیش وعشرت کے دن بسر کرتے ہوئے انہیں کی جڑوں پر کلہاڑا چلا رہے ہیں۔ ان کے جائز حقوق کو دبا کر ان کو پامال اور تہ تیغ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو پاؤں تلے کچل کر ان کی ہستی کو نیست ونابود کر دینا چاہتے ہیں۔"

"پتا اور پتر۔ پتی اور پتنی میں تفرقے جاری ہیں۔"

"گرہستھ جو سچ مچ سورگ ہے۔ نرک سے بڑھکر ہو گیا ہے۔"

"آ! اور انہیں پیغام محبت سنا"

"بس اسی لئے تیرے آنے کی ضرورت ہے۔"

۲

"لوگ حق پرستی سے منہ موڑ چکے ہیں۔"

"توہمات باطلہ کی زنجیروں میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔"

"مردم پرستی۔ پیر پرستی۔ بت پرستی اور خود پرستی کے سکے رواں ہیں۔"

"ادھرم دھرم پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"بھگتی اور خدا پرستی کا راستہ بہت زیادہ پرخار ہو گیا ہے۔ نام نہاد پنڈتوں۔ سادھوؤں اور دھرم کے ٹھیکیداروں نے اس کا راستہ عام آدمیوں کے لئے بند کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ وہ خدا پرستی کے دعویدار بننا چاہتے ہیں۔ اور پرماتما کے نام پر طرح طرح کے ظلم روا رکھتے چلتے ہیں۔"

"ہزاروں مذہب اور ان کے نام نہاد علمبردار ذاتی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے برسر پیکار ہیں۔"

"خورشید صداقت پردہ ظلمات میں ہے۔"

"وہ نہیں جانتے وحدت پرستی کیا شے ہے اور ...."

"وہ نہیں جانتے نور حقیقی سے فیض اٹھانا وہ نہیں جانتے خدا کی امداد حاصل کرنے کا طریقہ۔"

"آ اور انہیں نغمہ توحید سنا ——— توحید وتصوف کے اصلی مفہوم کو ذہن نشین کر ——— آ ——— بس ——— اسی لئے تیرے آنے کی ضرورت ہے۔"

۳

"ملک پر مصیبت وادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔"

"کشتی وطن گرداب بلا میں ہے۔"

"اس کے باشندے غلامی کی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔"

"تہذیب ہند دوسرے ممالک کے لوگوں کے لئے مضحکہ خیز بن رہی ہے۔"

"راہ سے گمراہ ہو کر ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں۔ نہیں جانتے منزل مقصود کہاں ہے۔"

"ان کی کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں۔"

"تو آ ——— ہاتھوں میں الفت ویگانگت کے چپو لئے ہوئے آ ——— اور کشتی وطن کو منجدھار سے پار کر۔"

"گمراہوں کے لئے شمع ہدایت بن۔"

"علم و روحانیت کی مشعل سے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھا ——— بس ——— اسی لئے تیرے آنے کی ضرورت ہے"

——— ۴ ———

"لوگ نفس کے بندے بن چکے ہیں"۔ "حواس خمسہ اور نفس امارہ کے غلام بن کر اپنے نخل حیات پر کلہاڑا چلا رہے ہیں"۔ "برہمچریہ کی عظمت اور مہما کو بھلا بیٹھے ہیں۔" "سچائی۔ بہادری ہمت و مردانگی کی جگہ جھوٹ اور بزدلی نے لے لی ہے۔" "نار حسد جلائے دیتی ہے۔" "صبر و تحمل سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں"۔ "معمولی سی مصیبت میں گھبرا اٹھتے ہیں۔" "دوسرے کی ترقی کو دیکھ کر خرمن امن پر بجلی ٹوٹ پڑتی ہے۔" "احسان فراموشی کی داستانیں زبان زد ہیں۔"

"آ ——— اے فاتح نفس۔ ہمت و مردانگی کے مجسمہ ——— آ ——— دنیا کو پیغام نفس کشی سنا اور سکھا انہیں حواس خمسہ پر قبضہ جمانے کا طریقہ تاکہ وہ دنیا کی جد و جہد کا ہمت و مردانگی سے مقابلہ کر سکیں ———

——— بس ——— اسی لئے تیرے آنے کی ضرورت ہے"

——— ۵ ———

"بیواؤں کی آہیں عرش بریں کو ہلائے دیتی ہیں۔" "یتیموں کا رونا دل پر بجلی گرائے دیتا ہے۔" "گئو ماتا کی آہ و زاری بے حال کئے دیتی ہے۔" "ماتری بھاشا کا رودن جگر پاش پاش کر رہا ہے۔" "سینکڑوں نہیں نہیں لاکھوں اور کروڑوں انسان پیٹ پر پتھر باندھ کر محو خواب ہوتے ہیں۔ دانے دانے کے لئے ترستے ہیں۔" "وبھچار۔ چوری اور ڈاکہ زوروں پر ہیں۔" "بچپن اور بڑھاپے کی شادی کا بازار گرم ہے۔" "رسومات بد کا بھوت سوسائٹی کے سر پر سوار ہو کر طرح طرح کے ناچ نچوا رہا ہے۔" "لوگ اپنے دھارمک فرائض کو بھول چکے ہیں۔ ہون۔ یگیہ اور سندھیا کا تمسخر اڑاتے ہیں۔" "ورن اور آشرم مریادا لوپ ہو گئی ہے۔" "مذاہب کا اژدہا ہندو جاتی کو آریہ جاتی کو نگلنے کے لئے تیار بیٹھا ہے"۔

"اے علمبردار حق! بحر معرفت کے شناور۔ بیواؤں کے رکھشک یتیموں کے سہارے۔ گئو ماتا کے کشٹ نوارن کرنے والے۔ ماتری بھاشا کے لئے تن من نثار کرنے والے۔ آ ——— ہاتھ میں مشعل صداقت لئے ہوئے آ ——— اور آریہ جاتی کو راہ صحیح دکھا کر اس کی رہنمائی کر ——— بس ——— اسی لئے تیرے آنے کی ضرورت ہے"

(بقیہ مضمون صفحہ ۴۶)

ورشوں کی عمر کے بعد سب دھن سمپتی کو تیاگنا ہی پڑے گا۔ تو پھر اس دھن کے لئے آتم ہتیا کیوں کی جائے۔

(۵) دان پرستھی لوگوں کو ودیا دان دیکر رشی رن اتارنے کا موقع ملے گا۔ کیونکہ رشی رن ودیا دان سے ہی اترتا ہے۔

(۶) گرہستیوں کو جیوت پتروں کی سیوا کیلئے دان پرستھیوں کو بھوجن آچھادن دینا پڑیگا اس سے جیوت پتر شرادھ کی مریادا چل جائیگی۔

(۷) پرچار کا کام سنیاسیوں کے ہاتھ میں آجانے سے ستیہ کا پرکاش شیگھرتا سے ہوگا۔ تدرتنا ان کے تیاگ سے لوگوں کی ان پر وشیش شردھا ہوگی اور شردھا سے ستیہ کا گرہن کریں گے۔ پرچار میں نربھیتا آئے گی جو سادھارن اپدیشکوں میں نہیں آسکتی۔ اپدیشکوں کی پرتشٹھا ہوگی۔

(۸) وید پرچار پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ آئے گا۔ سنیاسی جہاں جہاں جائیں گے۔ ان کا بھوجن آدی سے ستکار شردھا پورک ہو جائیگا اور اتتھی یگیہ کی پرنالی پرچلت ہو جائے گی۔

(۹) پراچین رشیوں کی مریادا چل جانے سے آتنک تماشا تراجیہ ستھاپن ہو جائیگا۔ سنیاسیوں کے ڈنڈے کے ڈر سے من مانے ڈھکوسلے نہیں چل سکیں گے۔ کسی کو دھن مریادا کے ناش کرنے کا ساہس ہو گا نہ اپوجیوں کی پوجا ہو سکے گی۔

پرماتما کرے آریہ جنتا آشرم مریادا کو پھر سے چلانے کے لئے تیار ہو جائے اور مہرشی کے اپدیش کو سدھ کرے۔ ابھی کریاتمک جیون کی آوشکتا ہے جس سے آریہ سماج وشیش شکتی سے جیوت رہ سکتا ہے۔ اور سارے سنسار کو ویدک دھرمی بنا سکتا ہے۔ کیا آریہ سماجی بھائی آشرم مریادا کو چلانے کا یتن کریں گے اور کیا ۵۰ ورشوں سے زیادہ عمر والے دان پرستھی اور ۷۵ ورش سے اوپر والے سنیاسی نہ بنیں گے؟

آریہ سماج میں آشرم مریادا کی اوشکتا

(از شری پنڈت لوکناتھ جی آریہ اپدیشک)

...دھارمک ہوں یا راجنیتک تمام سبھاؤں کے نیم اپ نیم ہی ان کے شریر ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کے کاریہ کرتاؤں کا کریاتمک جیون ان شریروں میں آتما سمجھا جاتا ہے۔ نیموں اپ نیموں کی پربلتا یا دربلتا ہی سبھاؤں کی طاقت یا کمزوری کا مکھیہ کارن ہے۔ شریر کتنا ہی طویل و عریض یا خوبصورت کیوں نہ ہو۔ اگر اس میں آتما نہیں تو وہ مٹی کا ایک پتلا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر سبھاؤں کے سنچالکوں کا کریاتمک جیون نہیں ہے۔ تو وہ سبھا بھی مری ہوئی یا مرتی ہوئی سمجھی جانی چاہئے۔ آریہ سماج آج تک اپنے نیم اپ نیموں کی پربلتا اور سنچالکوں کے کریاتمک جیون سے اپنی شکتی کا کافی و وافی ثبوت دیتا رہا ہے۔ لیکن اب دن بدن اس کی قوت زندگی گھٹ رہی ہے۔ جہاں میں یہ سمجھتا ہوں کہ جوں جوں سوراجیہ نزدیک آ رہا ہے۔ توں توں آریہ سماج کی ذمہ داری بھی بڑھ رہی ہے۔ وہاں میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ آریہ سماجیوں میں کریاتمک جیون کی کمی سے ساماجک شکتی کا ہراس ہو رہا ہے۔ "وشو کا اپکار کرنا آریہ سماج کا مکھیہ اُدیش ہے۔" اُدیش ٹھیک ہے اور نشچت ہے۔ لیکن اس کی سدھی کے سادھن ڈھونڈنے میں بھول ہو گئی ہے۔ اس اُدیش کی سدھی کے لئے پرچار کی اوشکتا ہے۔ پرچار کیسے ہو؟ اس پر آریہ سماج نے وچارا۔ اور انیک پرکار کی شکشا سمبندھی سنستھائیں کھولیں۔ کہ اس پرکار ویدک دھرم کا پرچار ہوگا۔ لیکن ان سے واستوک پرلوجن سدھ نہ ہوا۔ بلکہ آریہ سماج کی توجہ اور شکتی پرچار سے ہٹ کر ان پر ہی لگ جانے سے۔ پرچار کی طرف جو توجہ دی جانی چاہئے تھی اس میں کمی ہو گئی۔ پھر گرہستی اپدیشکوں کے لئے روپیہ بھی چاہئے۔ اور جو سنستھاؤں سے نکل کر اپدیشک بنیں گے۔ انہیں آخر گرہست آشرم میں پرویشٹ ہونا ہی چاہئے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ سنستھاؤں سے نکلتے ہی سنیاسی بن جائیں۔ اس اوستھا میں گرہستی اپدیشکوں دوارا سنسار بھر میں پرچار کیسے کے لئے اتنا روپیہ کہاں سے آئے۔ اس سے پرچار کھشیتر تنگ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے اگر آریہ سماج کے ہت چنتک چاہتے ہیں کہ سارا سنسار ویدک دھرمی بن جائے تو انہیں آشرم مریادا کی طرف وشیش دھیان دینا چاہئے۔ اس سے جہاں پرچار کا کھشیتر وستر ہوگا۔ وہاں سنستھائیں بھی بآسانی تمام چل سکیں گی۔ اور آریہ سماج کا گورو بڑھے گا۔ اس سمے بھارت ورش میں آریہ سماج کی اور سے لاکھوں روپیہ ویدپرچار پر خرچ ہوتے ہیں۔ گوروکل شکشا پدھتی جو ویدک دھرم پرچار کا مکھیہ سادھن بتائی جاتی ہے علاوہ ہے۔ اس پر بھی لاکھوں خرچ ہوتے ہیں۔ اگر ہر ایک آریہ نیتا آریہ سماجوں اور سبھاؤں کے ادھیکاری اور پرچارک لوگ اگر گھروں اور دھن کے موہ کو چھوڑ کر آشرم مریادا کے پرچلت کرنے کے لئے کریاتمک جیون کا پریچے دیں۔ تو آریہ سماج اپنے اُدیش کو شیگھر تا سے سپھل بنا سکتا ہے۔ اس سمے آریہ سماج میں ہر ایک وشے اور ہر ایک بھاشا کے بڑے بڑے ودوان ہیں۔ جو گرہست جیون کا سمے بھی سماپت کر چکے ہیں۔ نیم انوسار بان پرستھی اور سنیاسی بن کر پرچار کا کاریہ کرنا اپنا اپنا اُدیش بنا لیں تو آریہ سماج سپھل منورتھ ہو سکتا ہے۔

آشرم مریادا سے نمن لابھ پراپت ہو سکتے ہیں :-

(۱) بان پرستھی اپدیشکوں کے ملنے سے گوروکلوں کو ہزار ہا روپیہ ماہوار تنخواہوں کی بچت ہوگی ودیارتھیوں کو ودیا لابھ اور وان پرستھیوں کو آتمک لابھ ہوگا۔

(۲) گوروکلوں میں نشلک (بلا فیس) شکشا پدھتی ہو جائے گی۔ اور شلک لینے کا اعتراض نہ رہے گا۔ خرچ نہ ہونے سے سنچالکوں کو ہر سمے بھکاری نہ بننا پڑے گا۔

(۳) برہمچاریوں کے سنرکشک لوگ دھن کے اس بہت بڑے بوجھ سے بچ جائیں گے جو ان کو اپنی سنتان کی شکشا پر خرچ کرنا پڑتا ہے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے انہیں انیک پرکار کی تدابیر کا سہارا لے کر اپنے ہوش و سیر کو بھی بعض صورتوں میں بگاڑنا پڑتا ہے۔

(۴) گرہستیوں کو دھن کا کیڑا نہ بننا پڑے گا۔ اپنی کمائی دھرم سے کرنے کی ترغیب ہوگی۔ کیونکہ انہیں ہر سمے یہ وچارنا ہوگا کہ ہمیں...

(باقی صفحہ ... پر دیکھو)

بھینٹ

افسانہ

از شری رگھوناتھ جی پاٹھک

ویدجی :- مائی! گھبرانے کی کوئی بات نہیں ایشور نے چاہا تو بچے کو بہت جلد آرام ہو جائے گا۔ تارپین کا تیل مل کر فلالین کے کپڑے سے پیٹ پر فومنٹ کرنا۔ پیشاب بھی ہوگا اور پاخانہ بھی آئے گا۔ دوا میں دیئے جاتا ہوں۔ شام تک کچھ فرق نہ ہوا تو وہ میری دوائی بدل دوں گا۔

رکمنی :- ویدجی! اسے بیماری کیا ہے؟

ویدجی :- مائی! اس کا روگ پرانا ہے۔ اسے تین چار ماہ سے قبض ہے۔ جگر بڑھ گیا ہے اور پھیپھڑے بھی خراب ہو چکے ہیں۔ گھبرانا نہیں۔ آرام دیر میں ہوگا۔ حوصلہ رکھنا۔

× × × × × ×

بالک پردمن پچھلے پانچ دن سے چارپائی پر دراز ہے۔ بیماری کے دکھ سے بے چین ہے۔ ابودھ ہے۔ بول سکتا نہیں۔ صرف رو کر ہی اپنی بے چینی کا اظہار کرتا ہے۔ جب چین پڑتی ہے تو —— با —— را! پکارا اٹھتا ہے۔ رکمنی کے دکھی دل کو بچے کے یہ الفاظ کچھ شانتی ضرور دیتے ہیں۔

رکمنی پاگل سی ہو رہی ہے۔ چارپائی پر بیٹھی دیوی دیوتاؤں کو منا رہی ہے کبھی نظر اتارتی ہے۔ کبھی دھونی دیتی ہے۔ بوڑھے بالک رام داس بھر بیٹھے ہیں۔ ان کی طبیعت اچاٹ ہو رہی ہے۔ جھنجھلا بارک کی طرف گئے آج پانچ دن ہو گئے ہیں۔ جائیں تو کیسے جائیں۔ پردمن ساتھ نہیں جا سکتا۔ جتنا جانے والی مٹر منڈلی ہیں تو بیٹھے ہوئے آج ۵ دن سے بھی زیادہ ہو چکے ہیں۔ خوانچے والا آتا ہے۔ آواز لگاتا ہے۔ بوڑھے بالک رام دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں بھائی سکھن! سنو ہمارا بچہ۔ ذرا چنگا ہو جائے تو پھر تمہارا نقصان نہیں ہونے دیں گے۔ ہماری چیز بڑی ہی بڑھیا بنتی ہے۔ سمو تو چھوڑتا نہیں تھا۔ تمہاری پوری اور حلوا کھا لیا کرتا تھا۔ بس اسے اپنی ماں کی یاد آتی۔ اور نہ دودھ کی پرواہ کرتا تھا۔ اب کیا کریں لاچار ہیں۔

× × × × × ×

کون ایسی ماتا ہوگی جسے اپنے پیٹ کے بالک کی ممتا نہ ہو۔ اور جو بستر مرگ پر پڑے اپنے بچے کی تیمارداری میں اپنے آپ کو منہمک نہ کر دے۔ لیکن بھگوتی اس قاعدہ سے مستثنیٰ تھی۔ وہ پردمن کی طرف سے بالکل لاپرواہ تھی۔ لاپرواہ کیوں نہ ہوتی پردمن کے روز پیدائش سے ہی پردمن سے نہ اس کا کوئی خاص تعلق اور نہ اس پر کوئی ادھیکار رہ گیا تھا۔ اس پر اپنا ادھیکار تو وہ اس وقت سے نہیں سمجھتی تھی۔ جب وہ میکے گئی اور اس کے ماتا پتا کے تاکید سے لکھنے اور عاجزانہ درخواست پر بھی بوڑھے بالک رام اور بڑھیا رکمنی نے بالک پردمن کو پہلی بار بھی اس کے ساتھ نہ بھیجا تھا۔ وہ سمجھنے لگی تھی کہ میں صرف اسے جنم دینے کیلئے ہی تھی۔ مجھے نہ گھر پر کوئی ادھیکار ہے اور نہ اپنی سنتان پر۔

پردمن اوپری دودھ پر ہی پالا جا رہا تھا۔ دودھ بھینس کا ہو یا گائے کا ٹھنڈا ہو یا گرم۔ میٹھا ہو یا پھیکا۔ اس کی کسی کو پرواہ نہ تھی۔ بچہ بھی ماں کی پرواہ نہ کرتا تھا آٹھوں پہر بالک رام کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا

اس کو گود میں لئے ادھر ادھر پھرتے رہنا بالک رام کا دن بھر کا کام تھا۔ بوڑھے ساس سسر کے اندھ پریم اور اندھ وشواس کے خلاف بھگوتی کو زبان تک کھولنے کی اجازت نہ تھی۔ اس کی غیر حاضری میں بوڑھے بالک رام نے پردمن کو حلوا۔ پوری مٹھائی وغیرہ میٹھی چیزوں پر رکھا۔ گویا ایک نازک پودے کو پانی کے سیلاب کے راستہ میں چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے قبض رہنے لگی اور اس کا جگر بڑھ گیا۔

× × × × × ×

ویدجی کو دوائی دیئے پورے دو دن ہو گئے ہیں۔ پردمن کی حالت میں کچھ فرق ہے۔ اس فرق کو دیکھنے میں بالک رام اور رکمنی کی آنکھیں سمرتھ نہیں۔ گھبراہٹ نے بیماری کے آثار چڑھاؤ کو صحیح طرح سے دیکھنے کی قابلیت ان سے چھین لی۔ پردمن آنکھیں بند کر کے سوتا ہے تو وہ اسے حالت بیہوشی میں پڑا سمجھتے ہیں۔ اس کا پیٹ گرم ہو جاتا ہے تو فوراً پچکاری سے دست کراتے ہیں (باقی صفحہ پر دیکھو)

سوامی دیانند کی وچے

(از شری پورن چند جی بی۔ اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ آگرہ)

رشی دیانند کی وجے کے تتو کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھنا ہوگا کہ ان کے جیون کا لکش کیا تھا۔ یہ بات پرسدھ ہے کہ ان کے جیون کا لکش ویدک سبھیتا کا وستار تھا۔ آریہ سماج کی ستھاپنا ان کا لکش نہیں بلکہ ان کے مہان لکش کی پورتی کا سادھن ماتر تھا۔ یہ بھی ایک پرشن ہے۔ کہ وہ کونسی ویدک سبھیتا تھی جس کے وستار کو رشی نے اپنا لکش بنایا تھا۔ ویدک سبھیتا ان نیموں کے سموہوں کا نام ہے جن کے سانچے میں منش اپنے جیون کو ڈھال کر اپنے ادھک سے ادھک سکھی بنا سکتا ہے۔ اور موکش پراپتی کے بھی یوگیہ بن سکتا ہے۔ ارتھات نشریس اور ابھیودیہ کی پراپتی کے سادھنوں کا نام ویدک سبھیتا ہے۔ اس کے مکھیہ انگ رشی نے نمن لکھے ہیں:۔

(۱) ویدوں کے اصلی سوروپ کو سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا۔

(۲) ایشور کا سوروپ ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اسی روپ میں ماننا۔

(۳) ایشور کی پوجا کی ٹھیک ودھی بتلانا

(۴) جیو کے واستوک سوروپ کو سپشٹ کرنا۔

(۵) ایشور اور جیو کا سمبندھ نشچت کرنا۔

(۶) پرکرتی کا سمپورن گیان ٹھیک ٹھیک منشوں کے آگے رکھنا۔

(۷) ایشور۔ جیو اور پرکرتی کا واستوک سمبندھ اور پرسپر کا بھید پرگٹ کرنا۔

(۸) ویکتی گت جیون کو سپھل بنانے کے لیے نشکام کی پرورتی اور سنسکاروں کی مریادا ستھاپت کرنا۔

(۹) شکشا اور سنسکاروں سے منش کو یوگیہ بنا کر یم اور نیم بتلانا۔

(۱۰) ویکتی گت سدھار کے ساتھ ساتھ ایسے سنگٹھن کے نیم پرچلت کرنا جس سے سماج ویکتیوں کے سہائک ہوں اور ویکتی سماج کے رکشک۔

(۱۱) سماج اور ویکتی کے آپس کے سمبندھ کو نشچت کرنا۔

(۱۲) دھارمک جیون کو مکھیہ بنانا اور ایسا دھرم پرچلت کرنا جس میں منش جاتی کے کسی انیہ وبھاگ سے ورودھ نہ ہو۔

اپروکت ۱۲ وبھاگ سنکشیپ سے ویدک سبھیتا کے انگ کہے جا سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک ایک پر وچار کریں اور رشی دیانند کے آگمن سے پہلے ان کے سمبندھ میں جو وچار پرچلت تھے۔ ان کا مقابلہ ان وچاروں سے کریں جو آج پرچلت ہیں۔ تو ایسے مقابلہ سے رشی کی وجے سمجھ میں آ سکے گی۔

(۱) رشی دیانند کے آگمن سے پہلے ویدوں کے سمبندھ میں ایک بھرم مولک وچار پرچلت تھے۔ وید کو ایشور کرت ماننا تو دور۔ وودوانوں کی رچنا ماننے میں بھی سنکوچ تھا۔ نہ کیول بھارت ورش کے باہر۔ بھارت ورش میں بھی یہی حالت تھی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں برہم سماج سنستھا میں چار پانچ پنڈتوں کی ویوستھا کے آدھار پر ویدوں کو تیاگنے یوگیہ اور قابل ترک نشچے کر چکا تھا۔ اور کوئی ایسا پنڈت نہ تھا جو ویدوں کو سمجھ اور سمجھا سکے۔ بعضوں کا تو یہ کہنا ہے کہ ٹھیک ٹھیک چھپے ہوئے مول وید بھی بھارت ورش میں نہیں ملتے تھے۔ رشی دیانند کے پرچار اور پرشرم سے آج نہ کیول بھارت ورش بلکہ انیک ودیشی وِدوان بھی یہ ماننے کے لئے مجبور ہوئے ہیں کہ اگر سنسکرت سب سے پرانی زبان ہے (ب) سنسار کے پستکالیہ میں وید سب سے پرانی پستک ہے (ج) گیان کی اتپتی سدھ کرنے کے لئے سرشٹی کے آرمبھ میں ایشوریہ گیان کی آوشیکتا پرتیت ہوتی ہے۔ (د) ویدوں میں ایک ہی ایشور پوجا ہے۔ ایک ہی ایشور پوجا ہے۔ رشی دیانند کے ویدبھاشیہ کی شیلی سب سے اتم ہے

(۲) ایشور کے سوروپ کے سمجھنے میں بھی بہت پریورتن آ گیا ہے۔ کوئی سطحیہ کو برہم مانتے تھے اور کوئی ایشور کو ساکار مانتے تھے آج تارک جگت میں ایشور کو نرا کار ماننا اور ایشور اور جیو کو بھی ماننا لازمی ہو گیا ہے ایشور کا اوتار آدی سدھ کرنا اسمبھو ہے

رس پوجا کی ودھی کے سمبندھ میں یہی حالت ہے۔ ہمارے سناتن دھرمی بھائی مورتی کو ہی ایشور مانتے تھے۔ اب کیول مورتی میں ایشور مانتے ہیں۔ مورتی کو کیول دھیان

ویدک دھرم پر اپنا سرو

نچھاور کرنے والے مہرشی دیانند کے سچے آریائی سب سے پہلے مفت تعلیم دلبائلیں کے پانچ گورو کل

ادودیالیہ جوالاپور، سکندرآباد، برائسی بدایوں۔

پوٹھوہار چوہا کھتان ضلع راولپنڈی میں سینکڑوں مسلمانوں۔ عیسائیوں۔ سناتنوں جینیوں وغیرہ کے ساتھ شاستر ارتھ میں وجے پراپت کرنے والے

مہاں تارکک شری سوامی درشنانند جی

سرسوتی کرت پستکیں: وغیرہ

نیائے درشن بھاشیہ اردو ترجمہ دو روپے ہندی ۱۲؍

ویشیشک ,, ڈیڑھ روپیہ ۸؍

سانکھیہ ,, سوا روپیہ ایک روپیہ

ویدانت ,, پونے دو ۱۲؍

اپنشد پرکاش ,, پونے دو روپیہ ۸؍

درشنانند گرنتھ سنگرہ اردو جلد اول دوم ۱۲؍

,, ہندی ایک روپیہ ۱۰؍

ستیارتھ مہانند اردو ۱۰؍ ستیہ دیارشی کی سبھا اردو

دھرم ویر ۸؍ گیتا چندر آدی ۶؍

وید اور بائیبل ۵؍ وید کی عظمت ۴؍

ایشور پراپتی ۳؍ زین دھرم اصلی وید ۲؍

قرآن کی چھان بین ۳؍ مباحثہ آگرہ ۲؍

گورو شکشا اردو ۳؍ زین دھرم اصلی شکشا ہندی ۳؍ پرنالی ہندی ۳؍

اردو یا کے چار انگ ہندی ۳؍ اردو ۱؍

وچیتر بھکچوری ہندی ۲؍ اور بھی سینکڑوں

پستکیں وغیرہ ہیں:۔

مہاشے شہزادہ رام جی ستیارتھی کی تصنیف

دینک یہ پوجا اردو ۴؍ ایشور طلب اردو ۷؍

سورگ کی سیڑھی ۳؍ تکھی مہاستیہ گیان ۷؍

آریہ جیون ۸؍ یوگی اردو ۸؍

جگیاسو ۸؍ دھارمک رشن ۸؍

گرہست سُدھار ۶؍ تیری شکشک ہندی ۶؍

برہمچاریہ اردو ۵؍ دھرم سادھن اردو ۴؍

شنتو سدھار ہندی ۸؍ ویدک پرارتھنا ۱؍

گرو شکشک ۱۲؍ ہندی ۱؍

سوامی شردھانند کی کرت چند پستکیں

میری زندگی کے / نشیب و فراز ۸؍ آدیش مالا اردو ۸؍ صبح امید ۸؍

منگل ناتھ ستیہ دھرم پرچارک پر پہلا لائبل کیس اردو ۱؍

دکھی دل کی پُردرد داستان اردو ۱۰؍

رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اردو ۸؍

جوتش پُران کی پرتکل ہندی ۲؍

سوامی دیانند کا چتر دھار ہندی ۲؍ شاستر ارتھ

ورن ویوستھا ۲؍ گیتا کا پہلا انگ اردو ترجمہ ۱؍

آریہ سماج اینڈ اٹس ڈیٹریکٹرز انگریزی ۱؍

نیز کل ویدک دھرم کی تمام دیگر پستکیں چھوٹے چھوٹے

صندوقوں اور گھر دیکھی سماج کے متعلق و متفرق اعلان ملنے کا پتہ

مہاتمائوں کی چھان بین اور مذہبی تحقیقات کے متعلق چند پستکیں

الہام اردو ۴؍ تین ہستیاں اردو ۴؍

کلام الٰہی اردو ۱؍ گیان پرکاش ۸؍

دفع جواب المنصف ۲؍ کلیان مارگ ۵؍

آرش پتری ہگیہ ہندی ۳؍ تفتیش اہل ہنود ۴؍

سوانح عمری سبھکت کیفیت اردو ۱؍ سورگ میں ہنگامہ ۲؍ اردو

مختلف و متعدد ہندو پھولوں کا تذکرہ دیکھیے وغیرہ

اردو ۴؍ سوامی دیانند رب گرنتھ دیا نوکول

پس اشتاد رشی پُران اردو ۶؍

زبیری درشن اردو قسمت ۲؍ اس میں لائق اور حوالہ جات سے ثابت کیا گیا ہے کہ ستری جاتی کا جو درجہ ویدک دھرم نے قرار دیا ہے وہ بمقابلہ جملہ مروجہ مذاہب عالم کے سب سے زیادہ پوتر اور بلند ہے ویدو سماج کی اندرونی تصویر اردو ۴؍ امرت سدھانت

ویدک دھرم اور سائنس ۱۲؍ مرزائی مذہب ۸؍

شاستر ارتھ جموں ۳؍ اثبات تناسخ ۲؍

روز قیامت اردو ۲؍ تکذیب براہین احمدیہ

ستیارتھ درشن جگر ہندی حصہ ۷؍ بائیبل کلام الٰہی نہیں

اردو عیسائی مذہب کی پڑتال ۲؍ مہم مہا ویر ہندی ۲؍

پران اور نام ہندی ۲؍ نعرہ حیدری اردو ۲؍

اجماع ضدین یعنی بائیبل میں اختلافات ۶؍ ماس بھکشن شنکھ ۸؍ گرنتھ کا بھانڈا بھوٹ ۴؍

سچا رشی اردو ۴؍ بابا نانک صاحب اسلام ۲؍

میلا کنجھ پرہرار اردو ۱۲؍ دین اسلام اردو

انجیل کلام الٰہی نہیں ۱؍ صداقت اصول ۸؍

نسخہ خیط احمدیہ ۱۲؍ تعلیم آریہ سماج اردو ۸؍

قادیانی کرم اردو ۱۲؍ خلعت اسلام ۲؍

متفرق پستکیں

اپنشد پرچار ۸؍

جیون راماچی اردو ۴؍ آریہ آمیں اردو ۳؍

مہاوید بکرام ۳؍ آریہ سنگیت بھجن ۲؍

بنگالی سادھو کا سفر ۱؍

اسیمین ہندوستان عرف ستیہ ۲؍

تربیتوں، غیر دار سادھو دنگے

عجیب و غریب حالات درج ہیں

جن سے واقف ہو کر لمبے

باشندے بچ سکتے ہیں

امن کا شہزادہ ہندی ۲؍

اشٹانگ یوگ

برہم بھگتی ہندی ۴؍

بھگتی کا مارگ ۴؍

سیتا کی پرارتھنا ۲؍

ویدک دھرم پرچار کے

سوامی درشنانند جی ہندی سادھن ہندی ۳؍

مہرشی درشن منظوم ۲؍ سٹار ریک آنتی ۴؍

برہمچاریہ اردو ۸؍ چانکیہ نیتی اردو ۲؍

سدھیار ریکچر ہندی اردو ۲؍ استری شکشا ۲؍

ازہا تاہ تسراج ۴؍ اگنی ہوتر و کیمیا ہندی ۲؍

منیجر وزیر چند شرما مالک ویدک پستکالیہ موہن لعل روڈ۔ لاہور

کا ساد دھن بتلاتے ہیں۔

(۳-۵-۶-۷) جیو کا واستوک سوروپ بےشمار کے سنکھ آ گیا ہے۔ رشی دیانند نے ایشور کے ایک گن چت آنند کی دیا کھیا سے ایشور جیو پرکرتی کے واستوک سوروپ اور ان کے پرسپر کے سمبندھ کو بڑی سرلتا سے سمجھا دیا ہے۔ ایشور انادی چیتن اور آنند مے ہے۔ جیو انادی اور چیتن ہے۔ پرکرتی ستھول روپ سے انادی ہے۔ جیو کو آنند کی پراپتی کے لئے ایشور پراپتی کی آوشیکتا ہے۔ کرموں کا پھل بھوگنے کے لئے پرکرتی سادھن ہے۔ ایشور پرکرتی سے دنیوں کا رچتا اور جیووں کا کرم پھل داتا ہے۔

(۸) جو سنگٹھن کی پدھتی رشی نے پرچلت کرنی چاہی۔ وہ سروانگ پورن تھی۔ اور ہے۔ اختصار سے ان کی پدھتی کے اوشیک انگ نس لکھت کئے جا سکتے ہیں:-

(۱) اناتھ کے گرہست آشرم (۲) ماتری بھاشا دوارہ پر (۳) سروانگ پورن ہو (۴) الواریہ (لازمی) ہو (۵) بلا فیس ہو (۶) گرو اور شش کا پرسپر گھنشٹ سمبندھ ہو (۷) شکشا پراپتی کے سمے میں کسی دوسرے سنسکار سے دنیا بھی سرگشت رہے۔

(۹) سنسار کا رشی سے بڑا مہاتما ان نگوں میں سنشو دھن پیش نہیں کر سکا۔ سداچار کے لئے بودھ دھرم نے اتساہت تو بہت کیا۔ بودھ دھرم کی تقلید میں عیسائیوں نے بھی سداچار پر بہت زور دیا۔ لیکن سداچاری بننے کی عملی تعلیم رشی دیانند سے پہلے کوئی نہ دے سکا۔ ۱۶ سنسکار منش بنانے کے سادھن ہیں۔ آج سبھیہ جگت میں سنسکاروں کے تتو کو سب سمجھنے لگے ہیں۔ بواہ سنسکار کو لو۔ کیا یہ رشی دیانند کی دین نہیں کہ بال بواہ۔ بہو وواہ اور برِدھ وواہ کی سب ایک مت ہو کر نندا کرتے ہیں۔

(۱۰-۱۱) سماجک سنگٹھن کے جو انگ سدھانت ویدوں کے آدھار پر رشی نے پرچلت کرانے چاہے۔ آج ان کی اوشیکتا کو سب انوبھو کرتے ہیں۔ رشی نے بتایا کہ آدرش سنگٹھن یا سماج وہ ہو سکتا ہے جس کے پرتیک انگ کو بنا کسی روک ٹوک کے اپنی یوگیتا پر چلنے کا ادھکار ہو۔ ورن ویوستھا کرم کے آدھار پر ہو۔ استری اور پرشوں کے سمان ادھکار ہوں چھوٹے بڑے۔ چھوت اچھوت کا بھید بھاؤ نہ ہو۔ کیا آج رشی کے آگمن کے بعد کوئی یہ شک کر سکتا ہے کہ سنگٹھن کے اپردکت نیموں کو نہ مانے یا ان کے خلاف کچھ ثابت کر سکے۔

(۱۲) رشی نے دھرم کا اور بدھی کا پرسپر سمبندھ نشچے کرنے۔ ترک کو دھارمک جگت میں پرویش کرا کر دھارمک گیان تتو گیان اور دھارمک گیان میں ساہتا استھاپن کرنے اور ان کو ایک سوتر میں باندھنے کا اُدیوگ کیا ہے۔ اُپرکت آدرشوں سے ودت ہوگا کہ جہاں تک وچاروں کے پھیلنے کا تعلق ہے۔ جہاں تک سدھانتوں کے پرچار کا وشے ہے۔ رشی دیانند کی وجے پتاکا سارے جگت میں لہرا رہی ہے۔ وچاروں کی وجے کی درشٹی سے آریہ سماج کی ۵۶ ورش کا اتہاس بڑا اُجول آدرنیہ اور آدرش ہے۔ رشی دیانند نے سب ستیہ شاستروں کا کھنڈن کیا۔ تمام کبر پنتھاؤں کو مٹانا چاہا۔ شروع میں ان کا بہت ورودھ ہوا پرنتو جوں جوں رشی کے بھاؤ سے ان کے وچاروں پر منن کیا وہ ان کو ستیہ ماننے اور سمجھنے کے لئے باوجہت ہو گئے۔

البتہ ان وچاروں کو کاریہ روپ میں لانے کا وچار ایک جٹل پرشن ہے لیکن اس سمبندھ میں بھی نراشا کی کوئی بات نہیں۔ جو تھوڑا سا لوچن وچاروں کو کاریہ روپ میں نہ لا سکنے کے وشے میں خود آریہ سماجی کرتے ہیں۔ وہ بھی جیون کے چنہہ ہیں۔ اپنی واستوک حالت کا بودھ ہونا کسی دیکتی یا سماج کے زندہ ہونے کا لکشن ہے۔ اس گھٹنائی پر وچار کرتے سمے ایک بات دھیان میں رکھنی چاہئے اور پردیکتی گت سدھار پر وچار کرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ شکشا اور سنسکار رتری دور کرنے کے مول اُپائے ہیں۔ ارتھات یہ دونوں مکھیہ سادھن ہیں۔ جن کے بنا مانسک وچار دھارمک سدھانت کاریہ روپ میں لائے جا سکتے ہیں۔ اپنے کو رشی دیانند کے انویائی کہنے والوں ارتھات آریہ سماجیوں میں کثرت ان کی ہے۔ جنہوں نے نہ رشی دیانند کی شیلی کے انوسار شکشا پراپت کی اور نہ جیون کے جیون ویدک سنسکاروں سے سنسکرت ہوئے۔ اور ایسی حالت میں اگر تروٹی نہ رہتی تو اچنبھا ہوتا۔

آج رشی نروان کی پوتر سمرتی کے اپلکش میں ہم سب کو پرتگیا کرنی چاہئے کہ ہم رشی دیانند کی وجے پتاکا سنسار بھر (بقیہ پوٹ میں دیکھو)

(بقیہ پوٹ میں دیکھو)

افسانہ بھینٹ (بقیہ صفحہ ۱۵۳)

کسی دوسرے وید کی دوائی لاتے ہیں۔ یا خود اپنی دوائی دے دیتے ہیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ منا جلد راضی ہو کر چلنے کھیلنے اور جگن کا حلوا پوری کھائے۔ بھگوتی انہیں ایسا کرنے سے روکتی ہے۔ لیکن اس کی سنتا کون ہے۔

× × × × × ×

پردمن بستر پر پڑا تھا۔ کلدیپ کی ماں اپنی پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ کلدیپ کی ماں بولی:-

"جیجی! نیک حکیم پرمیشور دیال کا علاج بڑا اچھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں برکت ہے۔ اس کا علاج مت چھوڑنا۔ روگ توروگ کی طرح ہی کٹے گا۔ گھبرانا نہیں۔"

رکمنی نے کہا:- "بہن! منہ کو تو انیس بیس کا بھی فرق نہیں۔ اس کی بیماری تو بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ تین دن علاج کرتے ہو گئے۔ جو تھوڑا بھی فرق نہیں۔ اب مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ اوپری ہو گیا ہے۔ کسی سیانے کو دکھا کر اس کا بندھ کرانا چاہئے۔ منگل پورے میں ایک سیانا مشیا مانا ہوا رہتا ہے۔ بہوا بہن تجھے کیا کہوں۔ لوگ اس کے پاس روتے جاتے ہیں اور ہنستے آتے ہیں۔ نہ جانے اس کے ہاتھ میں کیسی کرامات ہے۔ جب یہ پہلے بیمار پڑا تھا۔ تب بھی اسی نے اسے چنگا کیا تھا۔ اب کے ایسی گھڑی پڑ بیمار پڑا ہے کہ اٹھتا ہی نہیں۔ میں اور تیرے جیٹھ جی کل منگل پورے جائیں گے اور منکوا سے ہی دکھائیں گے بس وہاں سے ہی ہنستا ہوا چلا آئے گا۔ یقین کرو۔ بھلا اس بچے کو جگر کہاں سے آیا۔ کچھ کھاتا نہیں پیتا نہیں۔ حکیم تو جگر پیٹ اور پھیپھڑوں کی خرابی بتا کر دو دو پیسہ اینٹھ لے گیا۔ آج سے میں نے اس کا علاج بند کر دیا ہے۔

بھگوتی دل کو سنبھالے ساس کی بات سنتی رہی اور لہو کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

× × × × × ×

رکمنی اور بالک رام گنڈا تعویذ لے کر پندرہ سولہ روپے کی بھینٹ چڑھا منگل پورہ سے لوٹ آئے ہیں۔ مشیا مانے گلے میں باندھنے کے لئے انہیں تعویذ دیدیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے پرتاپ سے بالک کو کوئی بلا نہ ستائے گی۔ اس کی ماں منگلوار کو ہنومان جی کا برت رکھے اور بندروں کو کچھ چنے کھلائے۔ بہادر سوامی سب کلیان کرے گا۔ ابھی تو اتنا ہی انشٹھان کرنا۔ کسی وید کو مت دکھانا۔ نہیں تو بہادر سوامی ناراض ہو جائیں گے۔ میں ساتویں دن آؤں گا اور پھر کوئی جپ بتاؤں گا۔

× × × × × ×

آج بالک پردمن جیون کے انتم پورے کر رہا ہے۔ بڑھے بوڑھیا اندھے منہ ایک کونے میں پڑے ہیں۔ بھگوتی اپنے جگر کے ٹکڑے کو جی بھر کر دیکھ رہی ہے۔ آج اس کے بستروں سے ماتری سنیہ ٹپک رہا ہے۔ اس کے چہرے پر اداسی چھا رہی ہے۔ وہ اپنے جیون اپنی اوستھا اور اپنے پتر کے دکھ کے پر دل ہی دل میں رو رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں اس نے پردمن کا منہ چوم کر کہا:-

پردمن! تو اس گھر کے اندھ وشواس اور اندھ پریم کی ویدی پر بلی کیا گیا ہے۔ یہ کونے میں پڑے تیرے بابا اور دادا تیرے ہتیارے نہیں تیرے شترو ہیں۔ اندھ وشواس اور موہ نے انہیں کھیل کھلایا۔ تمہیں گود میں لئے یہ کھیل کھیلتے رہے۔ میں نے اس موہ کے ٹھوکرے۔ کرتم اور اکرشک آدرن کو دور کرنے اور اس کے سچے سروپ کو دکھلانے کی چیشٹا کی۔ پرنتو میں دبنے اور جھنے سے دبلی تھی۔ اس

رشی جیون کی چند غیر مطبوعہ گھٹنائیں

(از مہتہ کے - سی راوت ڈپٹی کمشنر کسٹمز واکسائز لشکر گوالیار)

منشی دیبی پرشاد صاحب متحر رئیس بدایوں بیان فرماتے تھے کہ شہر مراداباد میں جب سوامی جی پرچار کے واسطے مقیم تھے۔ ان کے پاس ہر وقت بے شمار آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے فیضی کی ذہانت کا تذکرہ کیا کہ اس نے عربی کے چند بڑے بڑے قصائد ایک مرتبہ سننے کے بعد ہی زبانی پڑھکر سنا دیئے تھے۔ اور ان صاحب نے فرمایا کہ ایسا تیز حافظہ ناممکن ہے۔ سوامی جی نے فرمایا کہ ایسا حافظہ مشکل ضرور ہے۔ مگر اسمبھو یعنی ناممکن نہیں۔ اس پر جب زیادہ بحث ہوئی تو سوامی جی نے فرمایا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں سوائے سنسکرت کے دوسری بھاشا بالکل نہیں جانتا آپ صاحبان ہیں جو عربی فارسی انگریزی وغیرہ دوسری بھاشا جانتے ہوں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایک ایک ورق ان بھاشاؤں کی کسی عبارت کا لکھ کر مجھے سنا دیں۔ چنانچہ دس بارہ حاضرین نے ایک ایک ورق فارسی عربی انگریزی میں عبارت لکھکر سوامی جی کو سنا دی اور اس کے بعد سوامی جی نے وہ سب عبارتیں جس جس زبان میں تھیں لفظ بہ لفظ بعینہ پڑھکر سنا دیں جس پر کل حاضرین سخت متحیر اور انگشت بدندان رہ گئے۔

(۲) پنڈت بدھی لال انسپکٹر کسٹم گوالیار بیان کرتے تھے کہ جب ہم چتوڑگڑھ کے قلعہ پر تھے۔ تو وہ شہر ادھ کا زمانہ تھا۔ اور ہم چتوڑگڑھ کے قلعہ پر بیٹھے ہوئے جل سے ترپن کر رہے تھے۔ اتنے میں مہارانا اودے پور کے ساتھ سوامی جی بھی ادھر ہو کر نکلے اور مجھ کو ترپن کرتے ہوئے دیکھ کر مہارانا صاحب سے کہا کہ یہ تمہارے بڑے کام کا آدمی ہے۔ اس کو اپنے یہاں نوکر رکھ لو۔ جب یہ پتروں کو اتنی دور سے جل پہنچا دیتا ہے تو تمہارے کھیتوں میں بھی جہاں چاہئے جل پہنچا دے گا۔ اور پھر تم کو کھیتوں میں پانی دلانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

(۳) بابو گردھاری لال صاحب ڈپٹی کمشنر کسٹمز گوالیار بیان کرتے تھے کہ بنارس میں سوامی جی ہمارے ماموں کے باغ میں جو وہاں کے کوتوال شہر تھے ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چلے کے جاڑے میں سوامی جی پدھارے اور ہم اپنے ماموں کے ساتھ صبح کے وقت سوامی جی کے درشنوں کو باغ میں پہنچے۔ اس وقت ہماری عمر ۹-۱۰ برس کی تھی۔ تو دیکھا کہ ایسی سخت سردی میں سوامی جی لنگوٹی لگائے ہوئے بالکل ننگے ٹہل رہے ہیں ہمارے ماموں نے ان کو پرنام کیا۔ ہم نے سوامی جی سے کہا کہ ایسے سخت جاڑے میں آپ کو سردی نہیں لگتی تو جواب دیا کہ نہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمارے بدن کو تو اس قدر کپڑے پہننے پر بھی سردی لگتی ہے۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کو بھی سردی لگتی ہوگی۔ اس پر سوامی جی نے فرمایا کہ تمہاری ناک کو سردی کیوں نہیں لگتی۔ تو ہم نے کہا کہ ہماری ناک کو سردی سہنے کی عادت ہوگئی ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا کہ اسی طرح ہمارے کل شریر کو عادت ہوگئی ہے۔

(۴) بابو گردھاری لال صاحب ڈپٹی کمشنر ایک دوسرا واقعہ بھی بیان فرماتے تھے کہ مراداباد میں جب سوامی جی کا لیکچر گئو رکھشا کے وشے میں ہوا تو اس سلسلہ میں سوامی جی نے فرمایا کہ گوشت کے مقابلہ دودھ میں زیادہ طاقت ہے ویاکھیان کے بیچ میں ایک جوائنٹ مجسٹریٹ صاحب جو انگریز تھے بول اٹھے کہ سوامی جی یہ آپ غلط کہتے ہیں۔ سوامی جی نے اس پر کچھ خیال نہ کرتے ہوئے اپنا ویاکھیان جاری رکھا۔ چنانچہ دوبارہ پھر ان صاحب نے کہا کہ آپ نے ہمارے اعتراض کا جواب نہیں دیا۔ اس پر سوامی جی نے فرمایا کہ آپ کو اگر کوئی شنکا تھی تو ویاکھیان سماپت ہونے پر کرنا اوچت تھا۔ اب میں اختصار سے اس کا اتر دیتا ہوں کہ آپ مانس کھانے والے ہیں اور میں دودھ پینے والا ہوں میرا کہنا یہ ہے کہ دودھ میں زیادہ شکتی ہے اور آپ مانس میں زیادہ شکتی مانتے ہیں۔ اس کا پرتیکش پرمان یہ ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے آپ میرے پوری طاقت سے ایک تھپڑ ماریں اور اس کے بعد میں ایک تھپڑ آپ کے ماروں گا۔ جس سے ایک دانت بھی آپ کے منہ میں قائم نہیں رہ سکیگا یہ دنداں شکن جواب سنکر وہ خاموش ہوگئے۔

(۵) بابو گردھاری لال صاحب یہ بھی بیان کرتے تھے کہ سوامی جی اپنے ویاکھیان کے آرمبھ میں کچھ وید منتر اس لہجے اور زور دار کیساتھ پڑھتے تھے کہ تمام مجمع پر سناٹا اور وجد چھا جاتا تھا۔

(۶) مولوی نورالدین صاحب سپرنٹنڈنٹ کسٹمز گوالیار بیان کرتے تھے کہ جب ہم دربار گوالیار کی جانب سے اودے پور میں نائب وکیل تھے۔ اس وقت ہم نے سوامی جی کے درشن کئے تھے۔ ایک شخص نے جس کا نام شاید تیج سنگھ تھا۔ ہمارے سامنے سوامی جی سے پرشن کیا کہ جو لوگ رام رام یا کرشن کرشن وغیرہ ناموں کا جاپ کرتے ہیں اس کے وشے میں آپ کے کیا وچار ہیں۔ سوامی جی نے اس کا اتر نہ دیکر اس شخص سے کہا کہ "تیج سنگھ"! پھر تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ "تیج سنگھ"! اس طرح ۷-۸ مرتبہ تیج سنگھ کہہ کر پکارا۔ اس کے پشچات کہا کہ دیکھو۔ اتنی بار تمہارا نام لینے سے اور کچھ نہ کہنے سے تم نے سمجھا ہوگا کہ یہ آدمی پاگل ہے کہ بار بار بلا مطلب کے نام لیکر پکارتا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔ اسی طرح پر جو لوگ ایشور کے نام کا جاپ کرتے ہیں۔ وہ بھی بے سمجھ ہیں۔ ایشور کے نام کے جاپ کا ٹھیک طریقہ (بقیہ آئندہ صفحہ پر دیکھیں)

یہ ہے کہ اس کے ارتھوں پر وچار کیا جائے اور اس کے انوسار اپنے آپ کو بنایا جائے گویا اس طرح پر اس کے گن دھارن کرنے کی کوشش کی جائے۔ (ڈ) سوامی جی نے اس طرح پر لوگ کے اس سوتر کا اپدیش کیا کہ —— तत्त्वपदार्थ [illegible]

(۷) ڈاکٹر رام نراین صاحب چترانشی نے بیان کیا کہ لکھنؤ میں جب سوامی جی کے ویاکھیان ہوتے تھے اس وقت ہم سکول میں پڑھتے تھے۔ ایک دن ہم نے اور سکول کے دوسرے لڑکوں نے یہ ارادہ کیا کہ سوامی جی کی طاقت کو دیکھا جائے چنانچہ ویاکھیان سماپت ہونے پر جب تھوڑے سے آدمی سوامی جی کے پاس رہ گئے۔ اس وقت ہم ۸۔۱۰ لڑکے سوامی جی کے پاس پہنچے اور کہا کہ مہاراج ہم آپ کے پاؤں دابنا چاہتے ہیں۔ اس پر سوامی جی نے کہا کہ یہ شودروں کا کام ہے۔ اس کے بعد جب ہم سب نے بہت خوشامد کی تو سوامی جی نے اپنا پاؤں پھیلا دیا اور کہا کہ پاؤں دابنے سے پہلے تم سب اس کو اٹھا دیکھو۔ چنانچہ ۸۔۱۰ لڑکوں نے پوری طاقت سے اس پاؤں کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ پاؤں نہ اٹھ سکا۔ اس وقت ہم نے انگلی سے دبا کر دیکھا تھا کہ سوامی جی کا بدن پتھر کی طرح سخت تھا۔

(۸) ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی بیان کرتے تھے کہ لکھنؤ کا سپرنٹنڈنٹ پولیس جو بہت تنومند اور قوی انگریز تھا سوامی جی کا بڑا معتقد تھا۔ ایک مرتبہ سوامی جی کو لکھنؤ میں بہت عرصہ تک دست آتے رہے جس سے ان کا جسم بہت دبلا ہو گیا۔ جب وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ملنے کو آیا تو اس نے کہا سوامی جی آپ بہت دبلے ہو گئے ہیں سوامی جی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں دبلا ضرور ہو گیا ہوں۔ مگر نربل نہیں ہوا۔ تم میں اگر طاقت ہو تو اپنا ہاتھ مجھ سے چھڑا لو۔ اس وقت اس سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا کہ میرا ہاتھ آپ کی پکڑ سے ٹوٹا جاتا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔ اس پر سوامی جی نے کہا کہ تم سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو تم میں بہت بل ہونا چاہئے اور یہ کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

(۹) ڈاکٹر رام نراین صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ جب کاشی میں سوامی وشودھانند پہلے پہل سوامی دیانند سے ملے تو اس وقت سوامی دیانند نے ان کا نام پوچھا اس پر سوامی وشودھانند جی نے اپنا نام بتایا۔ اس پر سوامی جی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کون کون سے گرنتھ پڑھے ہیں اس پر سوامی وشودھانند جی نے پڑھی ہوئی کتابوں کے نام لئے جس میں وید کا نام نہ تھا۔ اس پر سوامی دیانند نے کہا کہ کیا وید بھی پڑھے ہیں؟ وشودھانند جی نے اس کا نفی میں جواب دیا۔ اس پر سوامی دیانند نے منٹھی باندھ کر اور ہاتھ ہلا کر کہا کہ جب تم نے وید ہی نہیں پڑھے تو اور پڑھا ہی کیا ہے۔

(۱۰) ہردوار میں سوامی دیانند بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ایک پیتل کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ ایک سنیاسی اس طرف سے نکلا اور پیتل کا لوٹا رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ رام رام یہ کیا سنیاسی ہے جو دھات کو چھوتا ہے۔ اس پر سوامی جی نے اتر دیا کہ کیا ری جیا ست تو شاید جوتے کے تلے سے بھی نہ ہوگی۔

آریہ جاتی کیلئے خطرہ

(از پنڈت پرمانند جی بی۔ اے)

آریہ جاتی اس وقت سنکٹ میں ہے ایک طرف اس کے دھرم اور سبھیتا پر وار ہو رہے ہیں۔ تو دوسری طرف اسے روٹی سے محروم کرنے کے سامان کئے جا رہے ہیں اس دوطرفہ خطرہ سے اگر اسے کوئی بچا سکتا ہے تو وہ بال برہمچاری رشی دیانند کا سنگٹھن آریہ سماج ہی ہے۔ اس لئے رشی دیانند کے سنگٹھن اور آپ کے پرچار کے بغیر آریہ جاتی کا کلیان کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

آج رشی اتسو کا دن ہے۔ دیوالی آریہ جاتی کے لئے خوشی کا تیوہار ہے۔ آریہ سماجیوں کے لئے یہ اور بھی خوشی کا پرو ہے۔ کیونکہ آج کے دن ہمارے آچاریہ نروان پد کو پراپت ہوئے تھے لیکن اس وقت ہم سیاہ بختی کے بادلوں کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ ایسے وقت میں ہم خوش ہو کر نہیں بلکہ دکھت ہر دے سے دیانند اور اس کے سنگٹھن شردھانند کو یاد کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح سے تخلیف کے وقت دروپدی نے کرشن کو یاد کیا تھا۔

دیانند کی آتما! تو آ! اور ہاتھ پکڑ کر ہمیں اپنا سہارا دے۔ جس سے یہ دکھیا جاتی اس کشٹ ساگر سے پار ہو۔ بھگوان! ہمیں بل دے کہ ہم اپنے آچاریہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔ اپنے دھرم اور جاتی کی رکشا کریں۔ اور اس طرح دیش کی سیوا کریں۔ اور ہم اپنے سوراجیہ کا بھوگ کر سکیں۔

۲۳۔ کارتک سمت ۱۹۸۸

اچھوت کہلانے والے آریوں کے ونشج ہیں

(از شری گیان چند جی آریہ نئی دہلی)

اچھوت کہلانے والی جماعتوں کے آریوں (ہندوؤں) کے ونشج ہونے کا ثبوت نن پرمانوں سے ملتا ہے:۔

منوسمرتی ادھیائے ۱۵:۔ براہمنوں (اپدیشکوں) کے نہ ملنے اور ویدک کرموں کے نہ کرنے سے آہستہ آہستہ کھشتری جاتیں پتت ہو گئیں۔ اور پونڈرک۔ اوڈر۔ درواڑ (دکنی) کامبوج (افغان) یون (یونانی) شک (وسط ایشیا کے رہنے والے تاتاری وغیرہ) پارد۔ پہلو (ایرانی) چین (چینی) کرات (گونڈ بھیل آدی) درد۔ کھش (آسامی) وغیرہ ناموں سے مشہور ہوئیں یہ براہمنوں اور کھشتریوں سے پیدا شدہ قومیں چاہے ملیچھ بھاشا بولتی ہیں چاہے آریہ بھاشا سب ہی دسیو کہلاتی ہیں۔

مہابھارت شانتی پرب راج! دھیائے ۶۵:۔ یون۔ کرات۔ گندھار (قندھاری) چینی شودر (بھیل) ببر (الجیرین یا افریقی) شک۔ تتشار کنک۔ پہلو۔ آندھر۔ مدرک (مدراسی) اوڈر۔ رسٹھ اور کامبوج وغیرہ سارے سنسار کی قومیں براہمن وغیرہ چاروں ورنوں سے پیدا ہوئی ہیں۔

[illegible] صفحہ ۱۵۵:۔ جیالوجی (بھوگربھ ودیا) کے جاننے والوں نے مانا ہے کہ ہندوستان بھر میں سپت سندھو (پنجاب) سب سے پہلی جگہ تھی کہ جہاں پر زندگی کا نمود ہوا۔ اور کہ جہاں پر حیوانی زندگی کی بتدریج ترقی ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ آدمی پیدا ہوئے چونکہ اس حصہ میں آریہ لوگ نامعلوم زمانہ سے رہتے تھے۔ اس لئے وہ اسے اپنا آدی ستھان ابتدائی گھر سمجھنے لگ گئے۔

اگوید ۱۰۔ ۲۲۔ ۸:۔ جو آدمی دیو یگیہ وغیرہ اچھے کرموں کو نہیں کرتا۔ اچھے وچاروں۔ برتوں اور انسانیت سے خالی ہے۔ وہ دسیو ہے۔

ایتریہ براہمن ۷۔ ۱۸:۔ آندھر۔ پونڈر۔ شودر (بھیل گونڈ) پلند۔ موتب اور دوسری نسلیں پرانت (سرحد) میں رہنے والے لوگ وشوامتر کے ان پتروں کی اولاد ہیں جو کہ اس کی آگیا نہ ماننے سے دسیو ہو گئے تھے۔

مہابھارت شانتی پرو ۶۵۔ ۲۳ ویشنوں کے چاروں ورنوں اور چاروں آشرموں میں دسیو نظر آتے ہیں جن کے نشان الگ الگ ہیں۔

ہری ونش ادھیائے ۲۹:۔ گرتسمد کے پتر شنک اور اس کے شونک پتر ہوا۔ اور اس شونک کی براہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر اولاد ہوئی۔

ہری ونش ادھیائے ۳۲:۔ بھارگو ونش میں براہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ راون جادال۔ ویادھ کرماں اور پرہلاد وغیرہ کئی ایک تاریخی شخصیتوں کے ایسے پرمان ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ براہمن خاندان میں پیدا ہونے والے راکھشس یا دسیو کہلائے اور کہ راکھشسوں اور چانڈالوں کے گھر پیدا ہونے والے آریہ بن گئے۔

یہاں پر چمار وغیرہ جماعتوں کے آریوں (ہندوؤں) میں سے ہونے کا ایک بڑا بھاری ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے آپس میں گوت یا جات ملتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تھوڑی سی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

بھنبوریا۔ وشسٹھ۔ جھنجھوٹیا اور بابلیا جات کے چمار بھی ہیں اور براہمن بھی۔ بھگلت راٹھور۔ بھٹی۔ سہو لنکی۔ تنوار۔ چوہان۔ بینوار۔ ماڈا۔ کھیچی۔ چاہل۔ بسا۔ کھلا جات کے چمار بھی ہیں اور راجپوت بھی۔ گوڑ۔ سومیندا۔ قلعدار موٹل۔ بڑ گوجر جات کے چمار اور راجپوت بھی ہیں اور براہمن بھی ہیں۔ چوپڑا جات کے چمار۔ راجپوت اور کھشتری پائے جاتے ہیں۔ کٹاریا۔ دہیا گھنشوال۔ ڈباس۔ الاوت۔ پونیا۔ کڑواسرا گورا وغیرہ وغیرہ جات کے چمار بھی ہیں۔ اور جاٹ بھی ہیں۔

یوروپین انتہاسکوں کے جنم سے بہت پہلے لکھی گئیں منوسمرتی تتھا مہابھارت آدی پستکوں۔ ماہران جیالوجی کے مشاہدات پر مبنی معلومات کے مندرجہ بالا پرمانوں اور براہمنوں کھشتریوں۔ راجپوتوں۔ جاٹوں اور چمار وغیرہ کے نسلی تعلق کو ظاہر کرنے والی مذکورہ جاتوں اور گوتوں سے صاف ظاہر ہے کہ آریوں کا اصلی وطن یہی آریہ ورت ہے اور چمار۔ بھنگی۔ گونڈ۔ بھیل وراڈا اور دسیو آدی اچھوت کہلانے والی جماعتیں آریوں میں سے ہی ہیں۔ اور ان میں محض گن کرم آچار وغیرہ کے سوا

آریہ سماج کو فرقہ مت بننے دو

(از شری سنت رام جی بی اے)

آریہ دھرم کی ایک بہت بڑی خوبی وچار کی سوتنترتا رہی ہے۔ جس طرح اسلام اور عیسائیت میں وچاروں کا بھید ہونے کے کارن مشرکوں یا کافروں اور غیر عیسائیوں کو تہ تیغ کرنے کے لئے جہاد و صلیبی جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ اس طرح آریہ دھرم میں کبھی نہیں ہوئیں۔ جس طرح اللہ کے نام پر اسلام نے رکت کی ندیاں بہائی ہیں ویسے آریہ دھرم نے کبھی نہیں بہائیں۔ اس کا کارن یہ ہے کہ آریہ لوگ منش کے وچار اور بدھی کو سوتنترتا دے کر اس کے آچرن پر ہی قید لگاتے تھے۔ وچار چاہے کسی کے کچھ ہی ہوں۔ جب تک منش کا آچرن ایسا نہیں جو سوسائٹی کے لئے ہانی کارک ہو۔ تب تک پراچین آریہ گن اسے کسی پرکار کا ڈنڈ نہیں دیتے تھے۔ اس لئے ان میں آستک اور ناستک۔ نراکار وادی اور ساکار وادی سب طرح کے لوگوں کے لئے گنجائش تھی۔ یہ وچار کی سوتنترتا پراچین آریہ جاتی کا ایک بہومولیہ گن اور وششٹتا ہے۔ یہ اس کو دوسرے تنگ خیال مذہبوں یا فرقوں سے برتر ٹھہراتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے سماج آج پھر اس آریہ آدرش کی طرف آ رہے ہیں۔ وہاں ہزاروں فلاسفر اور سائنسدان ایسے ہیں۔ جو بائبل کے الہامی اور حضرت عیسے کے خدا کا بیٹا ہونے میں وشواس نہیں رکھتے ان میں کئی ایسے بھی ہیں جو آتما اور پرماتما تک کو بھی نہیں ملنتے۔ مگر پشچمی سماج آج ان کو ان کے ان وچاروں کے لئے گردن زدنی نہیں ٹھہراتا۔ اسی لئے وہ سماج گیان اور وگیان میں اتنی انتی کر رہا ہے۔ وہاں کیول اس شخص کو ڈنڈ دیا جا سکتا ہے جس کا آچرن سوسائٹی کے لئے دکھدائی ہو۔ اس کے خلاف اسلام کی یہ بات نہیں۔ وہاں قرآن اور حضرت محمد صاحب کے متعلق کسی قسم کا بھی شک اٹھانے سے سنگساری کی سزا دی جاتی ہے۔ وہاں آچرن کی اتنی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ایک چور، ڈاکو اور ناسخ دنا جر مسلمان کو بھی ایک راستباز خدا ترس اور پرپکاری عیسائی یا ہندو سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔ وچار اور بدھی پر اسلام کے اس پرکار تالا لگا دینے کا ہی یہ پھل ہے کہ مسلم جگت سائنس اور فلاسفی میں کچھ بھی انتی نہیں کر سکا۔ اس میں کچھ سندیہ نہیں کہ اسلام کے ماننے والے کروڑوں آدمی ہیں اور مسلمانوں میں ایک بڑی سنگھٹن شکتی دیکھ پڑتی ہے۔ مگر اس کا کارن ان کا دھارمک اندھ وشواس نہیں بلکہ اسلام کی ساماجک سمتا اور بھراتری بھاو ہے۔

مسلمانوں نے گزشتہ چند سال میں بھارت میں جگہ جگہ بہت اودھم مچایا ہے۔ لوٹ مار کی ہے اور اپنی کٹرتا کا بڑے زوروں سے اظہار کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اس سمے جو تندی یا اپدرو دکھا رہے ہیں اس کا کارن برٹش گورنمنٹ کی شاسن نیتی ہے۔ ورنہ اپنے اندھ وشواس یا کٹرپن کے باعث تو اسلام آج سنسار کے دوسرے اسلامی دیشوں سے جلا وطن ہوتا جا رہا ہے۔ ٹرکی سے اس کا بوریا بستر اٹھ چکا ہے۔ مصر میں اس کے ڈھانچ ڈھیلے ہو رہے ہیں۔ روسی ترکستان میں نماز پڑھنے والے کو سزا ملتی ہے غرضیکہ دنیا پروہتوں اور ملاؤں وغیرہ کے دقیانوسی خیالات سے تنگ آ گئی ہے۔

ویدک دھرم ہی ایک ایسا دھرم تھا جو آچرن پر مناسب بندھن لگاتے ہوئے بھی منش کی بدھی اور وچار کو پورن سوتنترتا دیتا تھا۔ جو مذہبوں اور مت متانتروں سے تنگ آئے ہوئے انسانوں کو اپنی گود میں لے سکتا تھا مگر آریہ سماج کے کچھ نام نہاد خیر اندیش شکتی کے اصلی راز کو سمجھ کر اسلام کی اندھی تقلید میں عالمگیر ویدک دھرم کو ایک تنگ فرقہ یا مذہب بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ذہنیت کسی بھی سوسائٹی کی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ بندھی رواجوں کو دھرم سمجھنا غلطی ہے۔ پرمیشور نے سب کو ایک سمان بدھی نہیں دی۔ اس لئے وچار بھید ہونا سوابھاوک ہے۔ جہاں وچار بھید رکھنے کا ادھیکار نہیں۔ وہاں انتی کا راستہ بند ہے۔ ہاں آچرن میں من مانی کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے سماج کا سنگھٹن ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے آریہ بھائیوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ ویدک دھرم کو ساری منشیہ جاتی کا کلیان کرنے والا دھرم رہنے دینا چاہتے ہیں یا ایک سنکچت سمپردائے بنا ڈالنا؟

آریہ سماج کا بھوشیہ

(از شری بُت ایس۔ ایل ودیا رتھی بی اے)

آواز آرہی ہے سارے آواز ہر روز زور پکڑتی جارہی ہے۔ کہ آریہ سماج میں اب جیون نہیں رہا ہے۔ آریہ سماج میں اب یودن کا اُتساہ اور جوانی کی اُمنگیں نظر نہیں آتیں۔ لوگ پوچھنے لگ جاتے ہیں۔ کہ اب آریہ سماج کی کیا ضرورت ہے۔ ایک وہ سمے تھا۔ جب آریہ سماج کا نام جادو کا اثر کرتا تھا۔ لوگ آریہ سماج کی سنگھٹن مہان شکتی کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ اور آشرا پانے کے لئے ترستے رہتے تھے۔ اور اس کے آشرے میں آکر اپنے آپ کو سر دھا سورگشت سمجھتے تھے دشمنی بھی سماج کی طرف کڑی نگاہ سے دیکھنے کا ساہس نہ کرتے تھے۔ پر آج جس پرکار آگ کے بجھ جانے پر راکھ پڑنے پر کوئی گذر جاتے ہیں۔ باڑھ کے اُتر جانے پر بچے بھی ندی سے پار ہو جاتے ہیں۔ اسی کے سمان سماج کی طاقت کی اپیکشا کرتے ہوئے سب چلے جاتے ہیں۔ آج ہم میں سے ہر ایک رشی کے چرنوں میں اپنی سرد ہانجلی چڑھانے کو اتسک ہے۔ یہ آدشیک ہے کہ ایسا کرنے سے پہلے ہر ایک یہ تر پکشا کرے اور اپنی آتما سے یہ پوچھے کہ ہم پہلے کہاں کھڑے تھے۔ اور اب کہاں ہیں؟

جب ہم ویدپر چار کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو ایک گہری نراشا ہوتی ہے۔ ابھی تک آریہ بھارت کے بڑے بڑے شہروں تک میں بھی سبھائیں ستھاپت نہیں ہوئی ہیں۔ سوامی کے پارراج جنگ کی میعاد میں سماج کا نام آج بھی وہی درد و دھاد پیدا کرتا ہے جو پچاس سال پہلے پنجاب میں پیدا کرتا تھا۔ بنگال اور آسام کے گاؤں کا تو کہنا ہی کیا۔ قصبوں اور شہروں میں بھی آریہ سماج کا نام نہیں پہنچا۔ وندھیا چل سے اوپر کی طرف آریہ ورت کی یہ حالت ہے۔ تو دکشن بھارت کا کیا پوچھنا۔ ہمارے پرچار کی یہ حالت ہے لیکن ہماری رفتار ہر روز دھیمی ہوتی چلی جاتی ہے۔ شروع میں ہماری پرچار کا جو طریق تھا۔ وہی آج ہے لیکن اس پچیس برس میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ پر آریہ سماج کے پریس کی حالت کمزور ہو رہی ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو شتابدی میں پرچار کا ساتھ پریس سب سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے۔ جس سماج پریس جتنا طاقتور ہے۔ وہ سماج اس یُگ میں اتنی ہی بلوان ہے۔ اس درشٹی سے دیکھنے سے آریہ سماج بیحد شوچنیہ اور شکتی ہین پرتیت ہوتا ہے۔ یہی کارن ہے۔ کہ آریوں میں دچاروں کی پرواہ وہار اگلا آنا بند ہے۔ جب پریس کی یہ حالت ہے۔ تو ساہتیہ کی اوستھا تو چنتنیہ ہونی ہی چاہئے۔ گذشتہ پچاس سال میں رشی دیانند اور پنڈت گرو دت کے بعد آریہ سماج نے کوئی بھی ایسا گرنتھ سنسار کی بھینٹ نہیں کیا۔ جس نے سنسار کے وِدوانوں کی نگاہ میں جگہ حاصل کی ہو۔ جس پر سنسار کے وِدوان گمدہ ہو گئے ہوں یا جس کو پڑھ کر سنسار کے وِدوانوں کا سر اس کے سامنے جھک گیا ہو۔ سنسار کی بات جانے دیجئے۔ بھارتیہ ساہتیہ کو بھی ہم نے ایسا کوئی رتن نہیں دیا جس پر سماج فخر کر سکے۔ جس کے کارن سماج کے دماغ کا سکہ بھارت کے وِدوانوں نے مان لیا ہو۔ ہم دنیا کو سمدھار نے اور شکشا دینے چلے ہیں۔ پر یہ حالت ہے۔ کہ جن کو ہم شکشا دینے چلے ہیں۔ ان کی کتابیں ہماری بغل میں نظر آتی ہیں۔ ان کے دماغ کی جوکھٹوں سے ہم اپنا دماغ بنا رہے ہیں ہمارے گیان کا آدھار ان کا دیا گیان ہے۔ جن کو ہم ہاتھ پکڑ ہاتھ کی زر حد اپنی ویدی پہ آواز بلند کرتے ہیں۔ اپنے دماغ کو پشٹ کرنے کے لئے بھی آج ہمیں ان دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے ہمارا ودیا کی آج ردش ہے۔ ان کی بدولت جن کو ہم روشنی دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ ہے ہماری ساہتیہ کی اوستھا۔ آج زمانہ ہے دماغوں اور آتماؤں پر پربھتو جمانے کا۔ پر جن ہتھیاروں کے زور سے یہ پربھتو قائم کیا جاتا ہے۔ وہ ہتھیار ہمارے پاس نہیں ہیں۔ ایسی حالت میں اگر سماج چھکڑے کی رفتار سے چل رہا ہے۔ تو آشچریہ کی کوئی بات نہیں۔ یہ پرشن تو یہ ہے کہ اس اوستھا کا کارن کیا ہے؟ سماج کے جیون کے شروع میں سماج کا ہر ایک ممبر اپنے آپ کو سماج کا پرچارک سمجھتا تھا۔ اس سمے سماج سچے ارتھوں میں ویدک دھرم پرچار کرنے والی سنستھا تھی سماج کے ممبر ہونے کا وہ یہ ارتھ سمجھتا کرتے تھے کہ آج سے ویدک دھرم کے پرچار کا بیڑا اٹھایا ہے۔ آج تو ہم کچھ اپدیشکوں اور سنیاسیوں پر سارا بھار ڈال کر چادر تانے پڑے ہیں۔ سماج کا ہر ایک سدسیہ ویدک دھرم کا پرچارک ہے یہ بات ہمیں آج بے جان معلوم ہوتی ہے۔ جب تک یہ بھاو پھر سے ہم میں نہ آئیگا۔ سماج کی اوستھا میں سدھار ہونا سمجھو نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ سماج میں نئی نسل کا آنا بند ہے۔ آج جو سماجی ہیں۔ ان کی سنتان سماج میں بہت کم آتی ہیں۔ سماج سے ان کو ...

بریم نہیں۔ سماج سے وہ اُسی پرکار اداسین ہیں۔ جس طرح اور سماج کے باہر کے نوید ک سماج کے پرتی اُپکشا بھاو رکھتے ہیں۔ جب جسم میں نیا خون نہ آرہا ہو۔ تو نئی شکتی اور نئی سپھورتی کہاں سے آسکے گی۔ نوجوان اگر آج سماج میں نہیں آتے۔ تو اسکی ذمہ داری سماج کے بزرگوں پر ہے۔ آج سوسائٹیاں بچپن سے بچوں کو اپنے دائرے میں لاتی ہیں۔ سکول ٹریننگ اور کھیلوں آدی کے ذریعے بچوں اور نوجوانوں پر اپنا پربھاو ڈالتی ہیں۔ پر یہاں یہ حالت ہے۔ کہ ہمارے بورڈنگ ہاؤسوں اور سکول کالجوں میں رہنے اور پڑھنے والے چھاتروں پر بھی سماج کی چھاپ اور مہر نہیں ہے۔ وہ بھی سماج کے نہیں بنتے ہیں۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی سماج میں آتا ہے۔ تو سماج کی FRO... سمجھا آتا ہے۔ یوپ TING STEP کا کہنا ہے۔ کہ CHILD IS FATHER OF THE MAN "بچہ منش کا پتا ہے۔" پر جس سماج کے بچے ہی نہیں۔ اس سماج کا پتا کون بنے گا؟ سماج کا بھوشیہ نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ستیہ ہے۔ پر وہ نوجوان کہاں ہیں۔ جو سماج کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیں؟ ہم نے تو اپنے زیادہ سے

اور اُپکشا درتی سے نوجوانوں کو پہلے سے ہی نکال رکھا ہے۔ آج آگے بڑھے تو کون بڑھے جو تھوڑے بہت نوجوان ہمارے اندر ہیں ان کو آگے بڑھانے کی بجائے ہم ان کے بھاو کو دبانے اور ان کے اُتساہ پر پانی کے چھینٹے ڈالنے میں ہی اپنی بڑائی اور سنگٹھن کی بھلائی مانتے ہیں۔ ایسی اوستھا میں کون نوجوان آگے بڑھے گا۔ آوشیکتا ہے۔ کہ سماج کے بڑے لوگ اپنے شکنجوں کو STEEL FRAMES کو کچھ ڈھیلا کریں۔ اور اُداریتا سے کام لیں۔ سماج کو سرد سے شو نیہ ایک مشینری ہی نہ بنا دیں۔ اگر ایسا نہ ہوگا۔ تو یہ مشینری ایک دن بالکل بیکار ہو جائیگی اور اس دن نوجوانوں کو یاد کیا جائے گا۔ تب کوئی نوجوان نظر بھی نہ آئیگا۔ ایشور کرے یہ اوستھا نہ آئے۔ پرنتو اسی اوستھا میں ہوگا۔ کہ سماج کے نیتا پہلے ہی ساودھان ہو جائیں۔

ایبرکت اوستھا اُتساد جناب نہیں پر آریہ سماج جس سے رہا نزول پر سکتا ہے۔ اور جس پر تریقوں سے یہ ستھاپت کیا گیا ہے۔ وہ اسبھات کی ضمانت ہیں۔ کہ آریہ سماج زندہ رہے گا۔ پھولیگا۔ اور پھلیگا۔ اِن اس کی سیوا کا سوبھاگیہ کسے پراپت ہوتا ہے۔ اس دشا میں کچھ کہنا کٹھن ہے۔ یدی ہم نے بڈھیاں آریہ سماج سے ہٹا کر دوسری طرف لگائیں ہیں۔ تو سو بھاگیہ ہمیں پراپت نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوا۔ تو نسندیہہ یہ ڈر بھاگیہ کی بات ہے۔

ایشور کرے۔ کہ ہمیں اپنی بھول کا گیان ہو اور اپنے جیون کو پوتر اور اپنی سنتان کو آریہ سماج کا بھگت بنا کر ہم آریہ سماج کے بھوشیہ کے اُجول ہونے کا سادھن بنیں۔ اگر ہم چوک گئے۔ تو ہم اپنا جیون بگاڑیں گے۔ پر آریہ سماج کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ رشی دیا کی رشی پھل نہیں جاتا۔ آریہ سماج کا بھوشیہ اُجول ہونا ہے۔ ہو کر رہے گا۔ ہمارے ہاتھوں نہیں تو کسی اگلی سنتان کے ہاتھوں ہوگا۔

سکھ سنچارک کمپنی متھرا

سکھ سنچارک کمپنی متھرا اپنی لذیذ اشیا اور دیانتداری کے لئے مشہور ہے۔ اسکی مشہور عالم ادویات دراکشا سو، جیون پراش، سدرہا سدھو، بال سدھا وغیرہ اپنی سریع التاثیری کے لئے خاص شہرت رکھتی ہیں۔ دراکشا سو اور جیون پراش ہمارے تجربہ میں آئے اور اپنے بیان کردہ اوصاف میں پورے اُترے۔ قیمت بھی واجبی ہے۔ ضرورتمند بلا سنکوچ اس کمپنی کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

آلو کی کھیتی (باتصویر)

سکاٹ لینڈ میں ارل آف دنڈیز کی اپنی زمین پر ڈیڑھ ہزار من آلو پیدا وار کرنے کی وجہ سے آپ کا نام آلو کا مداری رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں کاشت آلو کے متعلق عجیب و غریب راز بتائے گئے ہیں۔ جس سے ہندوستان میں ارل جیسے مداری بن سکیں۔ اور ایک سال میں آلو کی تین فصلیں لے کر تین ہزار سے پانچ ہزار من آلو پیدا کر سکیں۔ حال کے تجربات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ ہم آسانی سے بجلی کی طاقت لے کر کس طرح آلو کی پیداوار میں حقیقی اضافہ کر سکتے ہیں ہوا کے ذریعہ کھاد پہنچانے کا ایسا حیرت انگیز طریقہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ جس سے آلو کی پیداوار ساڑھے چار چند ہو سکتی ہے۔ مجرب زراعتی ایجاد ہر دیش کو معلوم ہونی ضروری ہے۔ اس کتاب میں کرمقدوں میں آلو پیدا کرنے کی ترکیبوں کیساتھ دال اشت ڈالوں کی طرح آلو سے ٹکیاں۔ دوائیں ہولڈر لعابیات اور مٹھی بنانیکی ترکیب وغیرہ درج ہے۔ یہ کتاب ہندی اُردو دونوں زبانوں میں ہے۔ اسکی ضخامت ۱۲۹ صفحہ قیمت ۱۲ ؍ ہے کتاب

بابو رام پرشاد صوبیدار سرگٹ محبشر فرکوٹ کو نہ۔ انتر والیا رسے مل سکتی ہے۔

۲ ؍ کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ طلب کریں۔

ابھر نہ آگیں گے

... بال صفا ... جسم پر کسی قسم کا داغ یا پھنسی کا ... بال اکھیڑنے یا استرے سے بال صاف ... کرنے یا بعد میں کوئی ضرورت نہیں۔ لگاتے ہی بال خود جھڑ جاتے ہیں۔ تازہ سرٹیفکیٹ ... صاحب ... ڈرافس مین ... ڈویژن جموں تحریر کرتے ہیں۔ کہ میں نے آگے بھی آپ کا ایک بکس دوائی بال ... مگوایا تھا۔ جو اچھا ثابت ہوا۔ اس لئے مہربانی ... بکس مکمل دو روپے والے وی پی ارسال کردیں ... قیمت مکمل بکس دو روپے۔ نصف بکس ... روپیہ محصولڈاک چھ آنہ۔ سرٹیفکیٹوں کی کتاب مفت سرٹیفکیٹوں کی کتاب مفت

سی او مرا اینڈ کو انڈیا آفس نمبر ۵ لاہور

آنکھوں کی بیماریوں کیلئے ایک حیرت انگیز دوائی

جس دوائی سے سالوں کے لا علاج مریض شفایاب ہو گئے ہیں۔ اور آپریشن سے شفایاب نہ ہوئے مریض بھی اچھے ہو گئے ہیں۔ وہ

سُرمہ نین امرت جیوتی

آنکھ کی تمام بیماریوں کو جلد آرام کر دیتا ہے۔ اس سرمے سے سینکڑوں شفا پائے ہوئے مریض تعریف کرتے اور لکھتے ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک سچے پرسدھ سنیاسی کی رائے لکھتے ہیں۔ **شری سوامی سروداننجی** مہاراج فرماتے ہیں "آپکا سرمہ بہت اچھا ہے۔ ساد ہو آشرم میں ہم نے پانچ مریضوں کو استعمال کرایا۔ ان کو بڑا لابھ ہوا۔ آپ شیشی اور بھی دے دیں" یہ سرمہ ککرے۔ دھند پڑبال۔ جالا۔ پھولا۔ پانی بہنا۔ خارش۔ نیا موتیا بند وغیرہ بیماریوں کو جلد رفع کر دیتا ہے اور مقوی بصر ہے۔ بڑے شہروں میں ایسے سرمے بیس روپے فی تولہ بک رہے ہیں۔ ہم صرف دو روپے فی روپیہ دے رہے ہیں۔ ایک روپیہ چھ ماشہ کی اور آٹھ آنہ میں تین ماشہ والی نمونہ کی شیشی مل سکتی ہے۔

نوٹ۔ ہمارے یہاں اُن بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ جن کا دوسروں علاج کرتے آرام نہیں ہوتا۔ مثلاً پرانے دست۔ پیچش۔ دھات۔ احتلام آتشک۔ سوزاک۔ بخار۔ پاگل پن۔ مرگی۔ نامردی وغیرہ وغیرہ۔ جن کو ضرورت ہو وہ مریض کی حقیقت لکھکر دوائی منگالیں۔ سوچی پتر مفت!

پنڈت ویدبرت آریہ ویدامرت اوشدھالیہ ڈیرہ غازیخان

ناری سکھ

بہت تجربہ کے بعد ماہواری حیض کو ٹھیک کرنے کی دوائی ہم نے دریافت کر لی ہے۔ ماہواری وقت پر نہ آنا۔ کم آنا۔ کمر میں درد وغیرہ رہنا اور اسکے متعلق سب خرابیاں دور ہو کر عورتوں کو ماہواری حیض کھلکر آجاتا ہے اور وہ گربھ دھارن کرنے کے یوگیہ بنتی ہیں دام صرف ایک روپیہ پتہ:- شریمتی دیا وتی دیوی۔ رادھا سوامی ست سنگ مندر راولپنڈی شہر

کلیات شردھانند

(کلیات سنیاسی)

یہ کتاب ہر آریہ بھائی کے گھر میں ہونی نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اس کو پڑھکر اپنے جیون کو بنا سکیں۔ اس میں شہید دھرم شری سوامی شردھانند جی مہاراج کا جیون چرتر اور انکی بنائی کتابیں درج ہیں۔ جن کو شری سوامی اوکھیانند جی مہاراج نے ترتیب دیا ہے ۲۲ × ۱۸/۸ کے ۹۰۰ صفحہ سے زائد مع شری سوامی جی کی تین تصاویر کے جو آرٹ پیپر پر ہیں تیار کئی گئی ہے اصل قیمت ... رعایتی قیمت ... علاوہ محصول ڈاک۔ ملنے کا پتہ:- منیجر ... آریہ سماج ...

چالیس سال کا آزمودہ سرکار قیصر ہند جرمنی سے رجسٹری شدہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کا تیار کردہ

سُدھا سندھو

یہ وہی دوا ہے جس نے دنیا میں مشہور و معروف ہو کر لاکھوں انسانوں کو موت کے پنجے سے چھڑایا ہے لاکھوں شیر خوار معصوم بچوں کو جو اپنی زبان سے اپنی تکالیف بیان نہیں کر سکتے ہیں اس سُدھا سندھو نے بہت کو آرام پہنچایا ہے۔ ہزاروں خاندان جن کے گھر میں مرد نہیں ہیں صرف عورتیں ہی سب گھر کی نگہبان ہیں ان کے واسطے یہ سدھا سندھو ہی ایک ایسی دوا ہے جو بغیر کسی آنو باز کے صرف پانی میں کچھ بوندیں ڈال کر پلا دینے سے ڈاکٹر حکیم وید کے اخراجات کو بچا لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اسکو گھریلو منزوری اشیا کی طرح منگوا کر رکھ لیتے ہیں اس کی فروخت اس قدر ترقی پر ہے کہ ہر قصبہ شہر گاؤں وغیرہ کے عطار و پنساری۔ ڈاکٹر و حکیم اس کو منگوا کر رکھتے ہیں اور فروخت کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں ایسے ایجنٹوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ پہونچ چکی ہے اس سب کا سبب یہی ہے کہ یہ دوا جیسی شفیہ ویسی ہی خوش ذائقہ بھی ہے

یہ سُدھا سندھو کھانسی۔ دمہ۔ ہیضہ۔ اتیسار۔ شول۔ سنگرہنی۔ قے کرنا۔ پیٹ درد۔ بعض بچوں کے ہرے پیلے دست۔ دودھ پھینک دینا۔ جی متلانا وغیرہ امراض پر مریض کو دینے سے ایک ہی خوراک میں اپنا فوراً اثر دکھاتی ہے۔ جانوروں کے امراض میں بھی ایسا ہی فائدہ پہونچاتی ہے مگر خوراک جانوروں کو دوگنی دینا چاہیے۔ قیمت فی شیشی صرف ۸ر محصول ایک دو تک ۶ر لگتا ہے ایکدرجن شیشیاں منگوانے والے کو ایک درجن محصول گھر بیٹھے پارسل ملجاتا ہے۔

بال سدھا

اس کے استعمال سے دُبلے پتلے اور کمزور بچے قوی تندرست موٹے تازے ہو جاتے ہیں۔ زکام سوکھا۔ پیٹ کی بدہضمی اور دانت نکلتے وقت کے جملہ امراض دور ہو جاتے ہیں۔ دوا شربت کے مانند میٹھی ہونے کی وجہ سے بچے خوشی سے پی لیتے ہیں قیمت فی شیشی ۱۲ر محصول ۵ر

دُدروُ گج کیسری

(داد کی دوا)

اگر دنیا میں بغیر جلن اور تکلیف کے داد کو جڑ سے کھونے والی کوئی دوا ہے تو وہ یہی ہے لگاتے ہی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ داد خواہ پرانا ہو یا نیا چاہے معمولی یا پکنے والا ہو اس کے لگانے سے اچھا ہو جاتا ہے اسکی تعریف کے ہزاروں سارٹیفکٹ موجود ہیں قیمت فی شیشی چار آنہ محصول ایک سے دو تک ۴ر ایکدرجن کے دام دو روپیہ چار آنے (۲ر۴) محصول و ڈاک معاف۔

سکھ سنچارک

چیون پراش

اسٹانڈرڈ مشرت

دھنونتر ڈاکٹر بھی اسبات کو سویکار کر چکے ہیں کہ کھٹ روگ کی کھانسی۔ تنفس چھاتی کی ایسی ہی بیماریوں کے لئے چیون پراش سے بڑھکر دوسری اوشدھی نہیں ہے رسائن وِدیا ڈاکٹر لوگ بھی اس بات کو سویکار کرتے ہیں جیونی شکتی بڑھانے کی سامرتھ ہے۔ یہی کارن ہے کہ مہرشی چیون رشی نے اپنا بڑھاپا دور کرنے کے لئے اسے سیون کیا تھا۔ سردی۔ زکام۔ کھانسی اور دمہ کے ہونے روگ آدی ایسے بیماروں کو اس کی سیوا کرنا چاہئے قیمت ۲۰ تولہ سوا روپیہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کا تیار کردہ

دراکشا سو (آرشٹ)

یہ انگوری منقاؤں سے تیار کیا ہوا نہایت خوش ذائقہ ہے قبض کو دور کرنے بھوک بڑھانے اور کھانا ہضم کرنے کے واسطے یہ سیکڑوں سال سے رشی منیوں کی آزمودہ دوا ہے اس میں نشہ ہے اور نہ کوئی نشہ کی چیز پڑی ہوئی ہے گو دس کے پینے سے فیکر بیٹھے لاجواب اثر دکھلاتی ہے۔ اس سے تھکاوٹ رفع ہو کر گہری نیند آتی ہے اس کے استعمال سے سردی کی کھانسی زکام وغیرہ اسی قسم کی سردی سے ہونے والی امراض دور ہو جاتی ہیں۔ روزانہ پینے سے جسم میں ایک عجیب قوت و چستی معلوم ہوتی ہے کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جسم میں خون و گوشت بڑھتا ہے چہرہ پر سرخی آتی ہے۔ ایسی نازک مزاج مخدومہ جو جاہے جس قدر تکلیف برداشت کر لیں مگر بد ذائقہ دوا پینا پسند نہیں کرتیں اور ہمیشہ مبتلائے مرض رہتی آئی ہیں ان کے واسطے تو یہ آب حیات ہے۔ مثل جادو کے اثر دکھلاتی ہے ایسے ضعیف جن کی عمر ۴۰ سال سے زیادہ ہو چکی ہے اور ان کو ہمیشہ ایک نہ ایک مرض دامنگیر رہتا ہے ان سے صرف یہی کہنا ہے کہ اس کی ایک شیشی منگوا کر ضرور استعمال کریں۔ بچہ ہونے کے بعد جو عورتوں کو کمزوری ہو جاتی ہے

پتہ :- سکھ سنچارک کمپنی - متھرا

سنیاسی مہاتماؤں کا پرساد

آریہ سماج کے مشہور فاضل، پورن تیاگی مہاتما شری نارائن سوامی جی مہاراج کی عالمانہ تصانیف

(۱) مرتیو اور پرلوک

بڑے سے بڑا فلاسفر، سائنس دان، راجہ، مہاراجہ اور چھوٹے سے چھوٹا انسان یہ جاننے کے لئے بیتاب ہے۔ کہ مرنے کے بعد اس کی کیا حالت ہوگی؟ اور وہ کس طرح موت پر فتح حاصل کر سکتا ہے؟ سوامی جی نے برسوں کی محنت اور پراچین رشیوں اور موجودہ فلاسفروں کے گرنتھوں کے سوادھیائے کے بعد اپنی اس تصنیف میں موت کے معمہ کو حل کیا ہے۔ جس جس نے دیکھی ہے۔ بے حد پسند کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے دکھی دلوں کو ڈھارس بندھتی ہے۔ تیسرا ایڈیشن بہت خوب صورت تیار ہوا ہے۔ قیمت ہندی چودہ آنے۔ سنہری جلد مع سوا روپیہ۔ اردو میں چودہ آنے

(۲) آتم درشن

آتما کی اہمیت کو جتلانے والی بے نظیر کتاب۔ آریہ سماج کے ساہتیہ میں اس سے پہلے ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ تیسرا ایڈیشن قیمت ہندی میں سوا روپیہ

(۳) آریہ سماج کیا ہے۔ (ہندی میں) قیمت ۵؍

(۴) پرانایام ودھی۔ اردو۔ ہندی " " ۲؍

(۵) ویدک سندھیا رہسیہ۔ " " ڈیڑھ آنہ

(۶) اپنشدوں کے راز " " چار آنے

(۷) امرت ورشا } سوامی جی کے دل میں اتر جانے والے۔ مدھر اپدیشوں کا خوب صورت سنگرہ۔ قیمت اردو ہندی بارہ آنے

اور بھی ہر قسم کی دھارمک کتابیں مل سکتی ہیں ٭

آریہ سماج کے ودوان سنیاسی شری سوامی ستیانند جی کی سندر بانی کا چمتکار

(۱) ستنیہ اپدیش مالا } جن لوگوں نے سوامی جی کی کتھا یا اپدیش سنے ہیں وہ جانتے ہیں۔ کہ آپ کی زبان میں کتنی تاثیر اور مٹھاس ہے۔ شری سوامی جی کے سنہرے اپدیشوں کو اس خوب صورت کتاب میں زینت دی گئی ہے۔ پڑھتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سچ مچ سوامی جی کی کتھا میں بیٹھے ان کی امرت بانی سن رہے ہیں۔ قیمت ہندی میں سوا روپیہ ٭

(۲) بھگتی درشن } سوامی جی نے یہ پستک اس غرض سے رچا ہے۔ کہ ویدک دھرمی سجنوں میں وید کے لئے عقیدت بڑھے۔ وہ اس کے اپدیشوں کو سمجھیں اور پرم پتا پرماتما کی بھگتی مگن چت ہو کر کریں۔ روزانہ پاٹھ کے بڑے کام کی چیز ہے۔ مجلد کتاب کی قیمت چھ آنے ٭

(۳) سرل گیتا } سوامی جی نے بھگوت گیتا کا یہ سندر انوواد کر کے آریہ جگت پر بہت ہی اپکار کیا ہے۔ گیتا پر آج تک اس سے اچھی ٹیکا آپ نے نہیں دیکھی ہوگی۔ اس کے مطالعہ سے ہردے کے کواڑ کھلتے ہیں۔ اور انسان کو کرتویہ کا سچا گیان ہوتا ہے۔ ٹائپ بہت موٹا رکھا گیا ہے۔ کاغذ بھی نہایت اعلیٰ اور جلد سنہری حروف میں دیکھ کر آپ اور بھی خوش ہوں گے۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے۔ کہ اب تیسری مرتبہ چھپی ہے۔ قیمت بڑھیا ایک روپیہ درجہ دوم چودہ آنے ٭

(۴) سندھیا یوگ } ۱۴؍ اگر سندھیا میں من نہ لگتا ہو۔ اور پرارتھنا ایک خشک کام جان پڑتا ہو تو سوامی جی کی اس پستک کا مطالعہ کیجئے۔ یہ کتاب اس قدر پسند کی گئی ہے۔ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے سات ایڈیشن ختم ہو گئے ہیں۔ سنہری جلد گٹکا سائز قیمت ہندی ۵؍ اردو چار آنے ٭

(۵) اپنشد سنگرہ } سوامی جی نے گیارہ اپنشدوں کا یہ سرل اور سبودھ بھاشیہ تیار کیا ہے۔ ہر ایک سنسکرت شبد کا ارتھ بھی بتلا دیا گیا ہے۔ سنہری جلد سمیت قیمت لاگت مات صرف ایک روپیہ دس آنے

سوامی جی کی دیگر تصانیف } (ہندی میں)۔ شرید بھاشند برکاش قیمت سوا روپیہ۔ آریہ سراما جک دھرم ۸؍ رنیا سندھیہ جن امرت ۱۰؍۔ ادیکار آپا سنا ۳؍ ٭

آریہ سماج کے آدرش سنیاسی شری سوامی ودیانند جی مہاراج

آنند سنگرہ } کے اپدیشوں سے لابھ اٹھانا چاہو۔ تو فوراً یہ پستک منگوا دیجئے۔ سوامی جی کے عالمانہ ویکھیان سننے کا سوبھاگیہ پراپت ہوا ہے۔ وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتاب کس پایہ کی ہوگی۔ سچ مچ آنند کا بھنڈار ہے۔ وید منتر کے راز اس خوب صورتی سے کھولے گئے ہیں۔ کہ معمولی سے معمولی آدمی بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ قیمت ہندی سوا روپیہ۔ اردو ایک روپیہ

علاوہ ازیں ہر قسم کی کتابیں ملنے کا پتہ :-

راجپال اینڈ سنز آریہ پستکالیہ و سرسوتی آشرم لاہور

رنگارنگ کے پھول

ہر شادی شدہ مرد کے قابل مطالعہ کتب

گھر کا سکھ انگلستان اور امریکہ کے ڈاکٹروں کا متفقہ قول ہے۔ کہ جن استری پرش کو کام شاستر کا صحیح علم نہیں۔ وہ خانگی زندگی کا پورا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اور نا تجربہ کاری سے اکثر ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں جن کا خمیازہ عمر بھر مختلف بیماریوں کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ اس نایاب بیش قیمت کتاب میں جو ایک مشہور ولایتی سائنس دان ڈاکٹر کی تحقیقات کا نچوڑ ہے۔ کام شاستر پر آج تک کی مکمل تحقیقات درج کر دی گئی ہے۔ اس میں ایسے پوشیدہ رازوں کو کھولا گیا ہے۔ جن کا سینکڑوں روپیہ خرچ کرنے پر بھی پتہ نہیں لگتا۔ کس طرح شادی کے پہلے سال کا سا پریم عمر بھر بنا رہے۔ کس طرح استری پرش کو اور پرش استری کو خوش رکھ سکے۔ کن طریقوں سے گھر میں آئے دن کا جھگڑا فساد نہ ہونے پا دے۔ کس ڈھنگ سے گرہستھ سکھ دھام بن جائے۔ اور کسی قسم کی بیماری کا نام ونشان نہ رہے۔ یہ سب باتیں اس کتاب میں درج ہیں۔ مختصر یہ کتاب جس قدر دلچسپ ہو سکتی ہے جتلانے کی ضرورت نہیں۔ قیمت سوا روپیہ (۱؎) ہندی میں یہی کتاب نواسنت پریم کے نام سے چھپ رہی ہے۔ اس کی قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ ہے۔ اس کی ایک کاپی ضرور خریدیں۔

عورت اگر آپ عورت کی پیچیدہ فطرت، اس کے اشارے، اس کے آنسو، اس کی عجیب وغریب خواہشات وغیرہ باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کی قابلیت پیدا کر لیں۔ تو گھر میں آئے دن جو کشمکش رہتی ہے۔ وہ دور ہو جائے۔ اور آپ اپنی استری کو بآسانی مطمئن رکھ سکیں۔ اس کتاب میں عورت کی فطرت کو نہایت صاف الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اپنی طرز کی لاجواب کتاب ہے۔

قیمت اردو میں صرف چودہ آنے (۱۴؍)

روحانیت کی پھلواڑی

باتصویر بھگتی درپن کارگین ایڈیشن

بلاک کی آرٹ پیپر پر آٹھ شاندار تصاویر ہیں۔ ساڑھے چار سو صفحہ کا خوبصورت سنہری جلد کا گٹکا ہے۔ اس کی تیاری میں آریہ سماج کے کئی ودوانوں نے حصہ لیا ہے۔ آریہ ماتر کے روزانہ پاٹھ کرنے کے لئے ایک ویدک جیبی گٹکا ہے۔ سندھیا، ہون، ویدک گیت، ہیرارتھنا، سناتن وید شاستر اپنشد سمیت مع واقفیت جسمانی روحانی اور مجلسی ترقی کے رازو آریہ سماج کے اتہاس سمیت مع واقفیت غرضیکہ کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی گئی جس کا جاننا ایک آریہ کے لئے ضروری ہے۔ ہر ایک استری پرش کو اسے ہر وقت جیب میں رکھنا چاہئے۔ یہ تیسرا ایڈیشن بہت شاندار چھپا ہے۔ قیمت سنہری ہندی ۱۰؍ اردو ۹؍

اپدیش منجری سوامی دیانند سرسوتی جی کے مشہور عالم وکھیانوں کا شاندار مجموعہ جس میں بعض ایسی ویدک سدھانتوں کے متعلق باتیں درج ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔ قیمت اردو صرف ۱۰؍

یوگ درشن کا اردو ترجمہ

بطور سوال وجواب۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ مہرشی پتنجلی کے یوگ درشن کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ اس میں یوگ کے دقیق سے دقیق مسائل کو ایسی قابلیت اور خوبی سے واضح کیا گیا ہے کہ پڑھ کر مزہ آ جائے گا۔ اور مشکل سے مشکل مضمون آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے۔ کتاب کو زیادہ مفید بنانے کی غرض سے دو تمام بھاشیہ جو مہرشی کو زبردست محنت کا نتیجہ ہیں اور بے انتہا روحانی جدوجہد کے بعد معلوم ہوئے بطور دیباچہ شروع میں دے دیئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ بیک سا اس بیش قیمت تصنیف کے مطالعہ سے مستفید ہوں گے۔ خوب صورت جلد کے قیمت صرف ایک روپیہ چار آنے (۱؎)

آتم چکتسا (اردو) انسوہی صدی کے شروع میں ولایت، فرانس، جرمن، امریکہ کے سائنسدانوں اور رشیوں کی دماغی کاوش سے نکلا۔ آج کل نئے تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ کس طرح ہر ایک آدمی بغیر ادویات کے جسم کو کس طرح سڈول رکھ سکتا ہے۔ اپنشدوں اور شاستروں کو گرکھ اوپنشدوں کی تعلیم دیا گیا۔ ۱۲؍

سنسکرت سوئم شکشک لوگ سنسکرت جاننا چاہتے ہیں مگر جانیں کیسے؟ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ویدوں کے مشہور ودوان پنڈت ساتولیکر جی نے یہ پستک بڑی محنت سے سرل بھاشا میں لکھ کر تیار کی ہے۔ یہ پستک بہت دیر سے ختم تھی۔ اور کسی بھی قیمت پر بازار سے نہیں مل سکتی تھی۔ اب یہ نئی سیج دھج کے ساتھ پھر چھپ کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ اس میں سنسکرت سیکھنے کا طریقہ ایسا سہل اور عمدہ رکھا گیا ہے کہ کیا بچے اور کیا بوڑھے سب نہایت ہی بڑی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ آپ کو اس کے سیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ اور آپ تھوڑے ہی دنوں میں اس میں ماہر ہو جاویں گے۔ انہی باتوں کے سبب سے یہ پستک آریہ سکولوں میں بطور کورس کے رکھی گئی ہے۔ آپ کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ سنسکرت بھاشا کیسی آسان ہے۔ اور اس میں کیسے کیسے رتن بھرے پڑے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۱۲؍ حصہ دوم ۱۲؍ حصہ سوم ۱۲؍ تینوں اکٹھے ساڑھے تین روپے۔

انگریزی میں بہار رنگ پستکیں وزڈم آف دی رشیز یعنی ان کتابوں کا مکمل ترجمہ مجموعہ ہے۔ جو پنڈت گرودت جی ایم اے نے ویدوں، شاستروں اور اپنشدوں کی ودیا پر لکھی تھیں۔ اس میں بڑے بڑے یورپین معترضین میکس مولر، مونیر ولیم وغیرہ کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ جو انہوں نے ویدوں اور ویدک سبھیتا پر کئے تھے۔ بڑھیا کاغذ اعلیٰ چھپائی سنہری جلد قیمت دو روپے۔

مین کمانڈمنٹ آف دیانند از پنڈت چموپتی جی ایم اے۔ جس میں آریہ سماج کے سدھانتوں کی ویاکھیا کی گئی ہے سنہری جلد ۱۲؍۔ ستیارتھ پرکاش ۱؎ لالہ لاجپت رائے ۱؎ رتھ آف ویداز ۱۰؍ ویدک تیچنگ آریہ سماج ۱۲؍۔ جنرل سروے آف سوامی دیانند ۱۲؍۔ گرودت لیکچرز انگریزی۔ جرنل گرودت آنگ دگر لالہ ہنس راج سنگھ جی بھی بارعایت مل سکتے ہیں۔

پیار رتھنا سنگرہ سچے دل سے نکلی ہوئی پیار رتھنا کو بھگوان ضرور سنتے ہیں۔ مگر پیار رتھنا کرنے کا بھی ایک خاص طریقہ ہوتا ہے۔ اگر آپ پربھو سے دل کھول کر پیار رتھنا کرنا چاہتے ہوں۔ تو اس گرنتھ کو پڑھیں۔ اردو میں مجلد کتاب کی قیمت چودہ آنے۔

ستیارتھ پرکاش کا مستند اردو ترجمہ مع جیون چرتر شرومنی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کی اجازت سے بڑھیا کاغذ اور عمدہ چھپائی کے ساتھ بہت شاندار چھپا ہے۔ آٹھ سو صفحوں کی ضخیم کتاب کی قیمت صرف ۱؍ سنہری جلد قیمت ایک روپیہ۔

پوران آلوچن گرنتھ مالا اس وقت تک بھوشیہ پوران، اور لنگ پوران، گرڈ پوران، براہ پوران، اور دیگر پوران کی آلوچنا میں چھپ چکی ہیں۔ اب برہم ویورت پوران کی آلوچنا چھپ رہی ہے۔ جو پہلی تمام آلوچناؤں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ ابھی سے آرڈر بھیج دیں۔

اپنشد پرکاش یعنی ایش، کین، کٹھ، پرشن، منڈک اور ماندوکیہ چھ اپنشدوں کا بجنہ لفظی ترجمہ، اور مع کیفیت بعد سوال وجواب از سوامی درشنانند جی مہاراج۔ پہلے اپنشد واکیہ دے کر لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور پھر بھاوارتھ لکھ کر بطور سوال وجواب اپنشدوں کے دقیق مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو میں ایسے آسان اور عام فہم ترجمے اپنشدوں کے آج تک نہیں چھپے۔ اردو میں قیمت ایک روپیہ بارہ آنے۔ ہندی میں دو روپے آٹھ آنے۔

ہر قسم کی مذہبی مجلسی اور قومی نیز پولیٹیکل کتابیں بارعایت پتہ ذیل سے طلب کریں۔

راجپال اینڈ سنز آریہ پستکالیہ سرسوتی آشرم لاہور

دھوکہ! دغا!! فریب!!! بچو!

دہوکا دُنیا کے اندر تہذیب کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اُن لوگوں کو بھی آپ کیا کہیں گے۔ جو کہ کسی مشہور چیز یا دوائی کی نقل بنا کر لوگوں کو ایسا دہوکہ دینا چاہتے ہیں۔ کہ یہ دوائی یا چیز اصل جیسی ہے۔ بھولے بھالے لوگ یا غلطی سے اصل سمجھ کر خرید لیتے ہیں۔ یا قیمت کی کمی کے باعث ؛

امرت دھارا نے جب سے نام پایا ہے اور ہر شخص اس کو اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ لوگوں نے دھڑا دھڑ اسکی نقلیں بنانا شروع کر دی ہیں کئی اشتہار نکل کر مر چکے کیونکہ قانون نے بند کیا۔ پھر بھی طرح طرح کی ترکیب سے پبلک کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ اندر اندر بلا اشتہار کام کرتے ہیں شیشی کے خول ویسے بناتے ہیں۔ نام میں آگے پیچھے اوپر نیچے یا بیچ میں کوئی ایک لفظ بڑھا دیتے ہیں۔ ظاہرا صورت بناوٹ سب وہی رکھتے ہیں۔ نام ملتا جلتا ہوتا ہے۔ دوکان داروں کو سستے داموں دے آتے ہیں۔ اور لالچی دوکان دار یہ جان کر کہ سستے داموں خرید لیں گے اور ہم کو پیسے زیادہ بچیں گے۔ رکھ لیتے ہیں۔ اور امرت دھارا کوئی مانگے۔ تو اسی نقلی دھوکے کی ٹٹی کو دے دیتے ہیں ؛

ان حالات میں پبلک کو نہایت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ **امرت دھارا** بازار سے جب خریدیں۔ دیکھ لیں۔ کہ اس پر نام صرف **امرت دھارا** اور موجد کا نام پنڈت **ٹھاکر دت** شرما وید لاہور لکھا ہے شیشی بند کی بند لینی چاہیئے۔ اس بات کو اپنے دوستوں واقفکاروں تک پہنچا دو۔ تاکہ وہ بھی دہوکے سے بچیں۔ امرت دھارا کو سوائے پنڈت ٹھاکر دت شرما وید (موجد) کے نہ کوئی جانتا ہے نہ بنا سکتا ہے۔ کتب میں۔ اخباروں میں جو نسخے لکھے جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کی قیاس آرائیاں ہیں۔ نقل کبھی اصل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بڑی بڑی امراض میں تو اثر ان کا ہونا نہیں اور چھوٹی امراض میں بھی آرام اتنا یقینی اور اتنا جلدی نہیں ہو سکتا ہے۔ **امرت دھارا** کی اس قدر نقلوں سے عقل مند لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ کتنی اچھی اور کتنی ضروری چیز ہے۔ جس کو ہمیشہ گھر میں رکھنا چاہیئے۔ **امرت دھارا کے کچھ اور مرکبات** گھر میں رکھنے لائق بنا دئیے ہیں۔ جو نیچے لکھے جاتے ہیں۔ ان سب کو گھر میں ہر وقت موجود رکھو سینکڑوں کے خرچ اور تشویش اور تکلیف سے بچو گے ؛

امرت دھارا رجسٹرڈ کم ایک ہی دوائی۔ فوراً ایک ہی چند بوند اور پھر دنیا بھر کی امراض کا علاج کتنی عجیب بات ہے۔ مگر سچ ہے لاکھوں استعمال کرنے والوں میں سے ۳۶ ہزار لکھ کر اپنی رائے بھیج چکے ہیں کہ امرت دھارا ہر وقت ہر شخص کو موجود رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ اکیلی دوائی کھانے اور لگانے سے تقریباً کل امراض کا جو عام طور پر گھروں میں بوڑھوں، بچوں یا جوانوں کو ہوتی رہتی ہیں مکمل علاج ہے۔ بلیگ ہیضہ۔ انفلوئنزا نمونیہ۔ ذات الجنب۔ تپدق اور سانپ بچھو کا ڈنگ۔ گنٹھیا۔ بائی گولہ۔ آتشک بواسیر۔ گرمی وغیرہ سخت امراض میں اکسیر ثابت ہوتی ہے۔ تپ۔ درد شکم یا اپھارہ۔ گڑگڑانا۔ بدہضمی قبض اسہال پیچش تپ بخار زکام کھانسی۔ نزلہ درد کان۔ درد سر۔ درد دانت وغیرہ امراض اسکے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہیں قیمت فی شیشی دو روپے آٹھ آنہ نصف شیشی ایک روپیہ چار آنہ۔ نمونہ ۸ مفصل حالات کیواسطے رسالہ امرت منگوائیں

امرت دھارا صابن رجسٹرڈ کم اس صابن میں جو خوبی ہے وہ کسی اور میں نہیں یہ صابن جلدی امراض جیسے دانہ چنبل پھوڑا پھنسی خارش۔ پتی۔ گرمی دانہ وغیرہ کو دور کرتا ہے۔ مگر کار بالک سوپ وغیرہ کی طرح بدبودار نہیں ہے۔ بلکہ روزانہ استعمال کے واسطے بھی لاثانی صابن ہے۔ میل کو فوراً دور کرتا ہے۔ دس انفکٹ یہ جرم کش اول درجے کا ہے۔ وبا کے دنوں میں یا ایسے آکر اس سے نہا کر دھونے چاہئیں۔ قیمت فی بکس چودہ آنے (۱۴/) فی ٹکیہ پانچ آنے (۵/) ؛

امرت دھارا بام کم یہ بام خاص طور پر تمام قسم کی دردوں کے واسطے اکسیر ہے۔ جہاں درد۔ سوجن۔ اینٹھن۔ چیرنا۔ توڑنا۔ کریدنا وغیرہ ہو۔ اس جگہ کے لئے اس سے بڑھکر آرام دینے والی بام آپ کو نہ ملے گی۔ گنٹھیا۔ گوٹ۔ درد چھاتی وغیرہ سب میں استعمال ہو سکتی ہے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عہ) ؛

امرت دھارا لوزنجر (امرت دھارا کی میٹھی ٹکیہ کم) ولائت سے پیپر منٹ کی ٹکیہ بنا کر ہندوستان میں آتی ہیں۔ ہم نے امرت دھارا کی ٹکیہ تیار کی ہیں۔ جس کے ذریعہ بچے اور نازک مزاج تک امرت دھارا کو خوشی سے کھاتے ہیں۔ ان کے چوسنے رہنے سے حسب ضرورت امرت دھارا کا فائدہ ہوتا ہے ؛

قیمت فی ڈبیہ ایک سو ٹکیہ چار آنے ۴/

بچوں کو کہیں کہ بدیشی ٹکیہ اور گولیاں کھانے کی بجائے ان کو اپنے پاس رکھا کریں۔

امرت دھارا مرہم کم امرت دھارا مرہم تقریباً تمام جلدی امراض کے واسطے بے نظیر ہے۔ تمام قسم کے زخم۔ چوٹ رگڑ۔ پھوڑے پھنسیاں۔ خارش۔ دانہ چنبل۔ اگزیما۔ چھالے۔ ہاتھ پاؤں کا پھٹنا۔ سوزش جلد۔ جلدی دانے زخم ہائے آتشک۔ مسہ ہائے بواسیر۔ مچھر۔ بھڑ وغیرہ کا ڈنگ۔ آگ یا تیزاب وغیرہ کے جلنا اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے گہرے زخم اتنی جلدی بھرنے شروع ہوتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے ڈاکٹر حیران رہ جاتے ہیں قیمت فی بکس ایک روپیہ (عہ) ؛

امرت دھارا لوشن کم اس کے غرارے کرنے سے منہ دانت و گلا کی عفونت دور ہوتی ہے۔ اور منہ کی بیماریاں نہیں ہوتیں۔ اگر ہوں تو ہٹ جاتی ہیں۔ دانت مضبوط رہتے ہیں۔ حجامت کے بعد مل لینے سے استرا لگنے کا اثر نہیں ہوتا۔ بالوں پر ملنے سے بال مضبوط ہوتے ہیں گلے کی خرابیاں۔ دانتوں کی عفونت۔ گندہ دہنی۔ مکھی مچھر وغیرہ کاٹنے پر لگا سکتے ہیں۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ

خط و کتابت یا تار کے واسطے اتنا پتہ کافی ہے :- **امرت دھارا ۳ - لاہور**

مینیجر امرت دھارا اوشدھالیہ - امرت دھارا بھون - امرت دھارا روڈ - امرت دھارا پوسٹ آفس - لاہور

آریہ جاتی کے اُدوتیہ اُدھارک

مہرشی شری سوامی دیانند سرسوتی کی یاد میں

آیورویدک فارمیسوٹیکل کمپنی لمٹیڈ۔ گمٹی بازار۔ لاہور نے

چند روز کے لئے اپنے شفاخانے کی شہرۂ آفاق ادویات کی قیمت میں

چار آنہ فی روپیہ کی خاص رعایت

کردی ہے ضرورت مند شائقین جلدی کریں۔ اور مفصل فہرست بواپسی منگالیں

نمونۃً چند دواؤں کی تفصیل نیچے دی جاتی ہے

مشہور عالم
ہیرے اور سونے والا

سدھ مکردھوج

تیس سال سے اوپر کے کمزور مرد و عورتوں کیلئے سرتی کا بیش قیمت تحفہ ہے اعصاب کو طاقت بخشتا اور زائل شدہ قوتوں کو بحال کردیتا ہے سردیوں میں صرف تین ماہ تک مسلسل استعمال کایا پلٹ دیتا اور سال بھر ہر قسم کی کمزوریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اصل قیمت فی پیکٹ (۳۲ خوراک برائے ۳۲ یوم)
سات روپے رعائتی ۵؍۸
(۴۸ خوراک برائے ۴۸ یوم)
دس روپے رعائتی ۷؍۸

سپاری پاک (رجسٹرڈ)

عورت کے جریان الرحم کی مشہور و معروف بے خطا دوا جس نے اپنی جادو اثری کا لوہا ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک سے بھی منوا لیا ہے استعمال کرنے والے تسلیم کرتے ہیں کہ اس دوا کی ایجاد نے بنی نوع انسان کی ایک بیش قیمت خدمت سرانجام دی ہے

اصل قیمت فی شیشی ایک روپیہ ؏ رعائتی بارہ آنہ (۱۲)

محکمہ ڈاک کے اخراجات کثیر سے بچنے کے لئے پہلے اپنے شہر کے مشہور دوا فروشوں سے طلب کیجئے۔ وہاں نہ ملے۔ تو براہِ راست شفاخانہ سے منگا لیجئے۔

آیورویدک سارسا پریلا (رجسٹرڈ)

خون کی ہر قسم کی خرابی کو دور کرکے صاف خون بکثرت پیدا کرنے کیلئے بلا مبالغہ اکسیر کا اثر دکھانے والی چیز ہے ہر ملک۔ ہر عمر۔ ہر جنس اور ہر موسم کے لئے یکساں کارآمد ہے۔ ستائیس سال سے ہزارہا مریضوں کو شفا بخش چکا ہے

اصلی قیمت فی شیشی (۴۰ اونس) ایک روپیہ ؏ ۔ رعائتی بارہ آنہ (۱۲)

شفاخانہ آیورویدک فارمیسوٹیکل کمپنی لمٹیڈ گمٹی بازار۔ لاہور

تار کا پتہ:- "کرم ویر لاہور"

KARMVIR
LAHORE

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۴۶

ANNUAL NUMBER

ایڈیٹر:- ارجن دیوبی۔اے

قیمت ۳ر

کرم ویر لاہور کا وجے دشمی نمبر

جلد (۵) شنگل وار مورخہ ۲۳ اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء مطابق ۸ کاتک سمت ۱۹۸۵ نمبر (۱)

ریل کا کرایہ آدھا ہو گیا

دفاتر
لنڈن
کانپور
دہلی
بنارس

تار کا پتہ
بھارت - لنڈن
بھارت - کانپور
آئیل انجن - دہلی
بھارت - بنارس

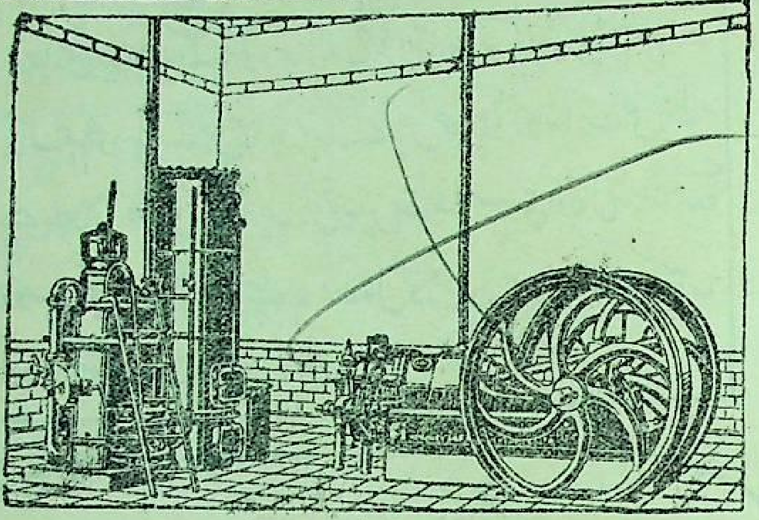

وجے دشمی کے شبھ اُتسو کی خوشی میں ایک ماہ کے لئے ہم نے اپنے معزز خریداران کو رعایت کر دی ہے۔ کہ جو اصحاب اس عرصہ میں ہم سے

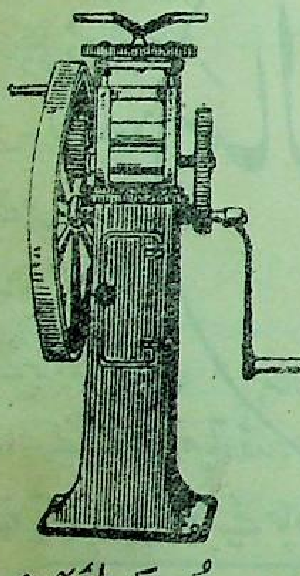

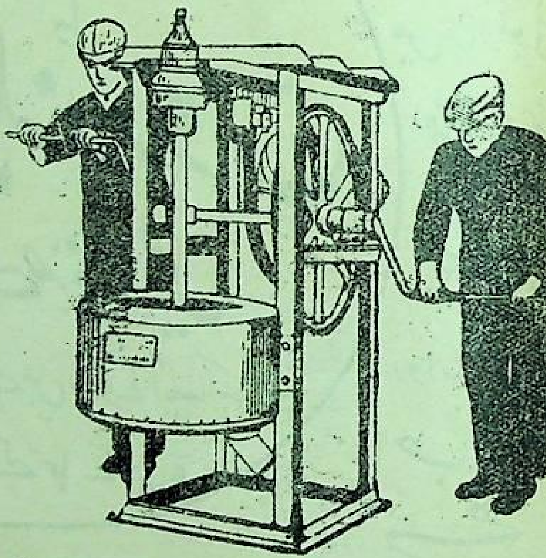

سٹارٹر - کروڈ آئیل انجن - آئیل انجن - بجلی کی
موٹر - آٹا پیسنے کی چکیاں - چاول کی مشین
چارہ کاٹنے کی مشین - چاندی سونے کا پترا
چوڑا کرنے و تار کھینچنے کی مشین - چونہ - تمباکو
ہلدی و نمک وغیرہ پیسنے کی مشین - آبپاشی
کے لئے پمپ - خراد - برما و رندہ مشین
بجلی کی روشنی کے لئے پورے سیٹ اور ڈائنمو
کپاس کی مشین وغیرہ جو مال خریدینگے - اُن سے
کرایہ ریل آدھا لیکر مال خریدار کے اسٹیشن پر
پہونچا دیا جاوے گا۔

علاوہ ازیں جو اصحاب پورا روپیہ یکمشت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے اس خاص رعایت سے فایدہ نہ اُٹھا سکتے ہوں - اُن کے لئے بھی ہم نے ایک ماہ کے لئے خاص رعایت کر دی ہے - کہ اُن سے آدھا روپیہ نقد لے کر باقی کے لئے قسطیں کر دی جاوینگی

اُمید ہے - کہ خواہش مند اصحاب اس نادر موقعہ سے ضرور فایدہ اُٹھائیں گے۔

ہمارے سٹاک میں ہر طاقت کے آئیل انجن - کولڈ سٹارٹر - کروڈ آئیل انجن و دیگر ہر قسم کی مشین موجود ہیں - جو کہ مال کی خوبی کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ اور قیمتوں میں مقابلتاً سستی ہیں - اور آرڈر ملنے پر فوراً سپلائی کی جا سکتی ہیں۔

فہرست و مفصل حالات پتہ ذیل سے دریافت فرما دیں۔

المشتہر

دی بھارت انجنیرنگ کمپنی - بھارت بلڈنگ - کالپی روڈ کانپور

دی بھارت انجنیرنگ کمپنی نیا بازار - برن بسٹین روڈ - دہلی

تصویروں کے سوداگر نوٹ کر لیں

ہم نے رنگدار تصویریں بنانے اور چھاپنے کا کام اعلیٰ پیمانہ پر جاری کیا ہے۔ ایک سو (۱۰۰) دھارمک ڈیزائین ۱۴×۱۰ سائیز پر تیار ہیں۔ بلاک ہم خود بناتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں چھپائی کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہماری قیمتیں مقابلتہً سستی اور مال مقابلتہً عمدہ ہے۔ دوسری جگہ آرڈر دینے سے پہلے ہمارے مال اور قیمتوں کا مقابلہ ضرور کریں۔ نمونہ اس اخبار میں دیکھو ÷

بھگوان کرشن کا جیون چرتر تصویروں میں

کرشن جیون کی ۴۰ عدد تصویریں قیمت پانچ روپیہ سائیز ۱۴×۱۰ انچ (۳) سہ رنگی تصویریں نہایت اعلیٰ موٹے کاغذ پر

بھگوان رام چندر کا جیون چرتر تصویروں میں

رام جیون کی ۴۰ عدد تصویریں قیمت پانچ روپیہ سائیز ۱۴×۱۰ انچ (۳) سہ رنگی تصویریں نہایت اعلیٰ موٹے کاغذ پر

ربڑ کی مہریں

ہمارے ہاں اعلیٰ اور سستی ربڑ کی مہریں ہر زبان میں تیار ہوتی ہیں فہرست نمونہ مفت روانہ کی جاتی ہے

نہایت اعلےٰ رنگ برنگے خوبصورت لیبل

ہمارے ہاں نہایت اعلیٰ رنگ برنگے لیبل ولائیتی نمونہ کے مطابق برائے شربت تیل روح وسرکہ وغیرہ کئی ڈیزائینوں میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ نرخ اور نمونہ ۸ آنے کے ٹکٹ آنے پر یا بذریعہ وی پی ارسال کئے جاتے ہیں کام یا آرڈر آنے پر آٹھ آنے مجرا دیئے جادیں گے ÷

نئے سال ۱۹۲۹ء کے کیلنڈروں

کا آرڈر دینے سے پیشتر ہم سے ضرور مشورہ لیں

ہمارے ہاں قریباً یک صد ڈیزائین کے کیلنڈر تیار ہو رہے ہیں۔ نمونے ایک ایک روپیہ میں بذریعہ وی پی یا منی آرڈر آنے پر روانہ کئے جاتے ہیں ÷

ایجنٹوں کی ہر بڑے شہر میں ضرورت ہے کمیشن معقول! خواہشمند اصحاب دو پیسہ کا ٹکٹ بھیجکر قواعد طلب کریں ÷

ہاف ٹون اور لائین بلاک

ہمارے ہاں ہر قسم کے رنگدار اور یک رنگے بلاک بذریعہ فوٹو تیار کئے جاتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا کام کلکتہ اور دیگر جگہوں سے عمدہ اور سستا ہوتا ہے۔ آزمائش شرط ہے۔

المشتہر

اردو ٹسٹ پریس انارکلی لاہور

چھپائی کا کام

ہمارے ہاں ہر قسم کی چھپائی کا کام انگریزی اردو ہندی گورمکھی اور لنڈے وغیرہ زبانوں میں مقابلتاً اعلیٰ اور سستے نرخوں پر کیا جاتا ہے ÷

ملک کے نامور لیڈران و معزز اصحاب کی رائے

میں

آریہ اناتھ آلیہ دہلی

بھارت کی راجدھانی کا عالیشان انسٹیٹیوشن ہے

مرکزی شہر ہونیکی وجہ سے دہلی میں چاروں طرف سے یتیم بچے اور لڑکیاں آتی رہتی ہیں۔ جنکا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ انہیں آشرہ دینے کے لیے یہ اناتھ آلیہ عرصہ سے جاری ہے جس میں ہر جاتی کے بچے پرورش پا رہے ہیں جن کی تعداد آجکل لگ بھگ ۲۵۰ ہے۔ بالکوں کے لئے انٹرینس۔ پراگیہ۔ وشارد۔ شاستری تک شکشا کا پربندھ ہے چنانچہ کئی بالک مختلف امتحانات پاس کر چکے ہیں۔ اور دستکاری میں موٹر۔ موٹر سائیکل۔ سائیکل و ہر قسم کی مشینوں کی مرمت۔ بیت کا کام۔ کھاتی کا کام و نیز درزی کا کام سکھایا جاتا ہے جس کے لئے اب ایک بڑا ورکشاپ بھی تعمیر ہو گیا ہے۔ اسی پرکار لڑکیوں کے لئے مڈل تک شکشا کا پربندھ ہے جنہیں گھر کا کام کاج کرنا ایک پرانی تجربہ کار ادھشٹاتری سکھاتی ہیں۔ سولہ سال کی عمر ہو جانے پر لڑکیوں کی اُوتم گُن دان وروں کے ساتھ شادی کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک اناتھ آلیہ بہت سی اناتھ لڑکیوں کے وواہ سمبندھ اُتم گرہستوں میں کر چکا ہے۔ جو آنند کے ساتھ اپنا جیون ویتیت کر رہی ہیں۔ بیت و قلعی کا کام خاص طور پر کیا جاتا ہے۔

اس سنستھا کو مختلف معزز اصحاب

شریمان مہاراجہ شاہ پور آدھیش۔ دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی۔ پرنسپل دیو جی آچاریہ گورو کل کانگڑی۔ دانویر سری سیٹھ جگل کشور جی برلا۔ بابو مہندر پرشاد جی ممبر کونسل آف اسٹیٹ۔ بابو نارائن پرشاد سنگھ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔ شری سیٹھ جے رام داس دولت رام ممبر کونسل بمبئی۔ رائے بہادر بدری داس جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب۔ لالہ دیش بندھو جی ڈائرکٹر تیج۔ پنڈت رامچندر جی دہلوی مہواپدیشک۔ رائے صاحب لالہ گنگا رام جی گورنمنٹ آف انڈیا۔ پروفیسر چھبلانی ایم۔ اے سیکرٹری ایجوکیشن بورڈ۔ لالہ سری رام جی سیکرٹری جنرل کلاتھ مل و وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی دہلی۔ مسٹر جے این جی جونسن سابق چیف کمشنر دہلی۔ کرنل فرنکلن صاحب سابق سول سرجن دہلی۔ لالہ ستیہ نارائن جی گوٹے والے۔ لالہ لچھمن داس۔ لالہ منوہر لال جی بھارگو۔ لالہ رام پرشاد جی و میر محمد حسین صاحب میونسپل کمشنران دہلی۔ پادری صاحب مشن چرچ دہلی۔ اسے سویم دیکھ کر اس کی اُپیوگتا اور حُسن انتظام بالخصوص حساب و کتاب کے متعلق نہایت اعلیٰ رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔

ہندو دھرم شاستروں میں دان اور پرُاپکار کیلئے بہت زور دیا گیا ہے۔ اور دان کے سچے مستحق اناتھ ہی ہیں۔ اس وجہ سے دانی پرشوں کا دھیان اس طرف دلایا جاتا ہے۔ کہ ہر ایک شبھ اوسر پر دان کے سمے اس مفید اور ضروری سنستھا کا خاص طور سے دھیان رکھیں۔ مکان کی کمی اناتھ آلیہ کی ایک بڑی آوشکتا ہے اس کی وجہ سے بالکوں کو بہت تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے اناتھ آلیہ کمیٹی نے پچاس ہزار روپیہ کی لاگت سے اناتھ آلیہ کی بلڈنگ بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں ۳۲ کمرے تعمیر کئے جاویں گے۔ لیکن یہ کام اُس وقت پورا ہو سکتا ہے۔ جب دانی مہاشہ اس میں فراخدلی سے سہایتا کریں۔ ایک کمرہ و برآمدہ پر ڈیڑھ ہزار روپیہ خرچ کا تخمینہ ہے۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ جو دانی اپنے روپیہ سے پورا کمرہ بنوائینگے۔ یا ایک ہزار روپیہ صرف کمرہ کیلئے دینگے ان دان دینے والوں کے کہنے کے مطابق کمرے پر ان کے نام کا پتھر لگوا دیا جاویگا۔ اناتھ آلیہ کی دوسری ضرورت ۲۵۰ اناتھوں کے لئے آجکل کی قحط سالی میں گرم کپڑوں اور بھوجن آدی کا مہیا کرنا ہے۔ میں آشا کرتا ہوں کہ اناتھوں کی رکشا کا دھیان رکھتے ہوئے دانی مہاشہ اوشیہ ہی سویم اور اپنے متروں سے سہایتا بھجوا کر پنیہ اور یش کے بھاگی بنینگے۔

نوٹ:۔ یہ سنستھا آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی کے آدھین ہے۔ جس کے پردھان ڈاکٹر کیشو دیو جی شاستری ایم۔ ڈی۔ اُپ پردھان لالہ نارائن دت جی ٹھیکیدار۔ پنڈت اندر ودیا واچسپتی ایڈیٹر "ارجن" اور لالہ بلاقی داس جی رئیس گوٹے والے ہیں۔

نویدک

شوچرنداس گپتا۔ مینیجر آریہ اناتھ آلیہ سیکرٹری آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی	(لالہ) نارائن دت ٹھیکیدار گورنر اناتھ آلیہ	(لالہ) گیانچند ٹھیکیدار پردھان اناتھ آلیہ

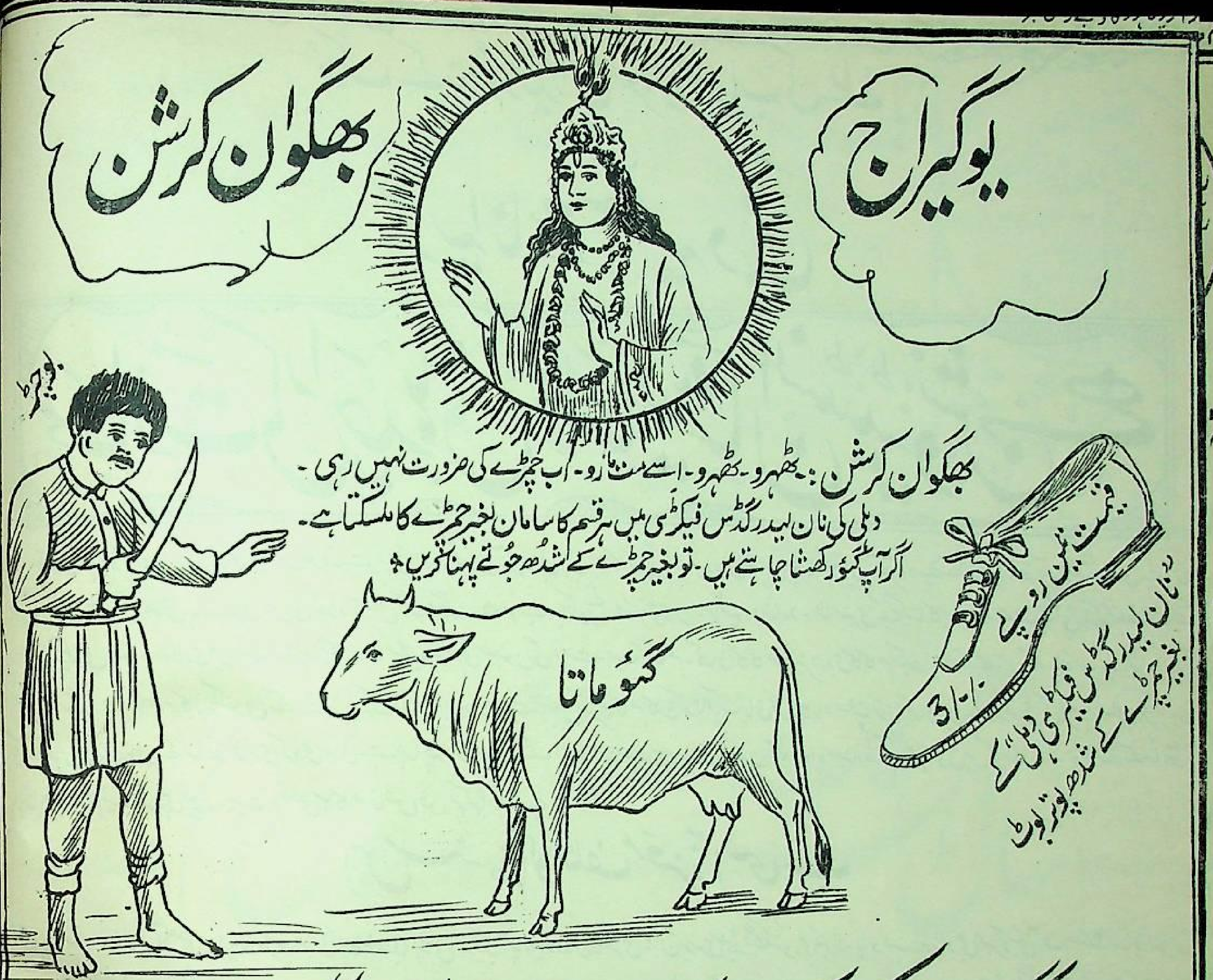
یوگیراج
بھگوان کرشن
بھگوان کرشن :- ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ اسے مت مارو۔ اب چمڑے کی ضرورت نہیں رہی۔
دہلی کی نان لیدر گڈس فیکٹری میں ہر قسم کا سامان بغیر چمڑے کا ملسکتا ہے۔
اگر آپ گئو رکھشا چاہتے ہیں۔ تو بغیر چمڑے کے شدھ جوتے پہنا کریں ؛
گئو ماتا
قیمت تین روپیہ
3/-/-
دی نان لیدر گڈس فیکٹری دہلی کے بغیر چمڑے کے شدھ بوٹ

کرم ویر لاہور

منگلوار - ۲۳ - اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء

ویدکا مہتوا!

شری رام چندر جی نے خوشی سے راج پاٹ تیاگ اور تکلیف سہنا کہاں سے سیکھا؟

(شری مہاتما ہنسراج جی کے قلم سے)

آج کل ہندوؤں میں عملی طور پر بہت سی دھرم پُستکیں موجود ہیں۔ ان کا کچھ نہ کچھ پاٹھ بھی مختلف جماعتیں کیا کرتی ہیں۔ یہ سب پُستکیں عزت کے لائق ہیں۔ ان میں بڑی بھاری سچائیاں موجود ہیں۔ مگر وچار کے لائق یہ بات ہے۔ کہ وہ کونسی دھرم پُستک تھی۔ جس کے پاٹھ کرنے سے شری رام چندر جی اور اُن کے بھائیوں کے اندر وہ سدبھاؤ۔ پریم۔ اور دھرم کی شکتی اُوتپن ہوئی۔ جن کے لئے آجتک ہم اُن کا سمرن کرتے ہیں۔ اور جن کے کارن اس وقت تک ہم اُن کو اپنے ویکتی و سماجک جیون کا آدرش سمجھتے ہیں۔ میرا وچار یہ ہے۔ کہ اُس سمے کیول ویدہی دھرم پُستک مانے جاتے تھے۔ اُن کو ویدوں پر وشواس تھا۔ اور وہ ویدوں کا سوادھیائے کرتے تھے۔ اس سوادھیائے سے اُن کے اندر لوک اور پرلوک کا گیان پیدا ہوتا تھا۔ اور ان کے جیون کا راستہ بڑا سرل اور بھگتی یکت بن جاتا تھا۔ بچپن میں تپسیا کی زندگی بسر کرنا۔ برہمچریہ پوُرن ودیا کا ابھیاس کرنا۔ زندگی کے اگلے حصہ میں وواہ کرکے سنسار کے سُکھوں کو بھوگنا اور دھرم کے کرتویوں کا پالن کرنا اور اُس کے پشچات سنسار کے بندھنوں کو کمزور کرنے کا یتن کرنا۔ اور بڑھاپے کو بھی سُکھ اور آنند سے کاٹنا یہ ایک اس قسم کے جیون کا پتھ ہے۔ جو ہر ایک انسان کے لئے بڑا ہی مفید ہے۔ اس طرح پر زندگی گذارنے سے اس دیش کے اندر بڑے بڑے مہا پُرش پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تپ اور بھوگ کے ظاہرہ ایک دُوسرے سے مخالف آدرشوں کو اپنے جیون میں ملاکر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ شری رام ہی کی طاقت تھی۔ کہ راج پاٹ کو خوشی سے چھوڑکر جنگلوں کی مصیبتوں کو سہا۔ اور سخت سے سخت تکلیف کے سمے پر اپنے آتما کو کمزور نہ کرتے ہوئے بھرت سے مدد کے خواہستگار نہ بنے۔ ورنہ اگر ہماری اپنی زندگی کو دیکھا جائے۔ تو ہم تو خوشی سے تکلیف سہنے کے ہی اسمرتھ ہیں۔ پرماتما ہماری جاتی کی آنکھیں کھولے۔ اور اس کو اس قابل بنائے۔ کہ وہ وید کے مہتو کو انوبھو کرکے اس کو اپنی زندگی کا آدھار بنا دے۔ اور اس پر آچرن کرکے اپنی عزت کو دوبارہ دُنیا میں قایم کرے ؎

جن اصحاب نے نظم و نثر کی شکل میں وجے دشمی نمبر کی تیاری میں ہماری قلمی معاونت کی ہے۔ اُن کا ہم تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ وجے دشمی نمبر میں کئی خامیاں باوجود کوشش کے رہ گئی ہیں۔ ان کے لئے معافی کے خواہستگار ہیں۔ اور آیندہ اُنہیں پورا کرنے کی کوشش کریں گے ؎

کی کمی نے ہمیں کہیں کا رہنے نہیں دیا۔ جہاں کرم ویر کو یہ فخر حاصل ہے۔ کہ سب سے پہلے کرم ویر ہی نے اپنے پہلے وجے دشمی نمبر میں سہ رنگا نظارہ دیا۔ اسی طرح کرم ویر ہی پہلا اخبار ہے۔ جو خاص زیر مدایت تین عدد سہ رنگے نظارے تیار کراکر ہدیۂ ناظرین کر رہا ہے۔ اس میں ہمیں کافی خسارہ رہیگا۔ لیکن ہمیں ناظرین کی قدردانی سے توقع ہے۔ کہ وہ اس کی سرپرستی کرکے ہمارا ہاتھ بٹائینگے۔

مریادا کی بھینٹ

۱۹۲۸ء کے وجے دشمی نمبر کے ساتھ کرم ویر زندگی کے پانچویں سال میں قدم رکھتا ہے۔ اور حسب معمول اس سال بھی کرم ویر کا سالانہ وجے دشمی نمبر پبلک کے سامنے ہے۔ جس مہاپرش کے کارناموں کی یاد میں وجے دشمی نمبر نکالا جاتا ہے۔ اُس کا نام آج ہندوستان میں کئی پہلوؤں سے زبان زد خلائق ہے۔ اور بہت سے ہندو رام نام کی پرستش کرتے ہیں۔ بھگوان رام کی آزمائشوں سے پُر زندگی میں یہ بات ہر کس و ناکس کو نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ کہ اُنہوں نے لق و دق جنگل و بنوں میں بھی دل کا حوصلہ نہیں چھوڑا۔ سیتا ہر جانے پر اُنہوں نے بھائی بھرت سے فوجوں کی امداد نہیں مانگی۔ بلکہ فقیرانہ لباس میں بھی سچے کھشتری بچوں کی طرح اپنے تدبر اور زور بازو پر بھروسہ رکھا۔ بانر جاتی کے سردار سُگریو کے ساتھ پولٹیکل اتحاد کی بنیاد رکھی۔ اور کمزور بانر جاتی کو ایسی فوجی تربیت دی۔ کہ وہ راون جیسے شکتی شالی بادشاہ کو شکست دینے میں کامیاب ہوئی۔ اور جنگل میں بھی رام جی کے لئے مریادا ہی مشکل کشا ثابت ہوئی۔ اس وقت ہندو عموماً اور ملک خصوصاً مریادا کی کمی کی وجہ سے خراب خستہ حال ہیں۔ اگر ہند کے باسی مریادا کے مطابق اپنا طرز عمل اختیار کرلیں۔ تو ان کی بدبختی کے دن کل دُور ہو سکتے ہیں۔ مریادا پاٹ ہیلپن

دھرم اور ایمان

(از قلم شیخ سر عبدالقادر صاحب بیرسٹر و ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل)

مہذب کہتی ہے۔ اس رائے کی طرف مائیل ہوتی جاتی ہے۔ کہ مذہب ایک خیالی اور جذباتی چیز ہے۔ اور حقیقت میں کچھ نہیں۔ مگر مشرق کی تہذیب ابھی مذہب سے بے پرواہ نہیں۔ مشرقی لوگ مذہب کو تمدن کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ اور ان کے خیال میں مذہب کے بغیر زندگی نہ صرف بیکار ہے۔ بلکہ سوسائیٹی سب کے نقصان کا باعث ہے۔ اسی لئے ہمارے اس وسیع ملک میں جسے ہندوستان کہتے ہیں۔ ہندو اپنے دھرم پر اور مسلمان اپنے ایمان پر جان دینے کو تیار ہیں۔ مگر مغربی تہذیب سے جو اثرات اس ملک میں آئے ہیں۔ ان کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ دھرم اور ایمان لفظوں میں تو یہاں موجود ہیں۔ مگر ان کے معنوں سے بہت کم لوگوں کو سروکار ہے۔ مسلمانوں میں ایمان کی جہاں تعریف کی گئی ہے۔ اور اس کے شرائط بیان ہوئے ہیں۔ ان میں یہ لازم رکھا گیا ہے۔ کہ ایمان صرف زبان سے کسی سچائی کے ذکر کرنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ دل سے اس کے ماننے کا نام ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہی تعریف سچے دھرم کی ہونی چاہیئے۔ مگر بدقسمتی سے لوگ زبانی جمع خرچ کو ہی عقیدے سے زیادہ اہم جانتے ہیں۔ پچھلے دنوں جب سودیشی مال کا پرچار ملک میں زیادہ تھا۔ اور ملک کے بڑے بڑے لیڈر نہ صرف کھدر پہنتے تھے۔ بلکہ کھدر کے استعمال کی تاکید کرتے تھے۔ تو ایک لطیفہ یہ ہوا۔ کہ لاہور میں ہندوستانی عورتوں کے ایک مجمع میں ایک بی بی بیٹھکر بڑے زور سے سودیشی کی تائید کر رہی تھی۔ اور کھدر کی قمیض اور اس قسم کے ایک کپڑے کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ کہ ان کی ایک بے تکلف سہیلی نے ان کے گریبان پر ہاتھ رکھا۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ ان کے بٹن دیسی ساخت کے ہیں یا ولایتی ساخت کے۔ تو اتفاق سے ان کا بٹن کھل گیا۔ اور ان کی جو بہنیں وہاں جمع تھیں۔ وہ یہ دیکھ کر حیران اور مایوس ہو گئیں۔ کہ اس کھدر کی قمیض کے نیچے ولایتی ریشم کا ایک کرتہ وہ پہنے ہوئے تھیں۔ گویا ان کے نزدیک منہ سے کھدر کھدر پکارنا اور کھدر کی پوشاک وردی کے طور پر پہن لینا۔ مگر دل میں بدیشی مال سے وہی محبت رکھنا جو پہلے تھی۔ اپنی وطن پرستی کے اظہار کیلئے کافی تھا۔ یہی حال بہت سے دھرم اور ایمان پکارنے والوں کا ہے۔ وہ ظاہر کے بندے ہیں۔ انہیں باطن سے کچھ کام نہیں وہ اسی پر قانع ہیں۔ کہ وہ دھرم اور ایمان والوں کی صورت بنائے رہیں چاہے وہ سیرت ان میں ہو یا نہ ہو۔ جو دھرم کی جان ہے۔ گویا ان کا ایمان ان کے زبان کے لفظوں پر ہے۔ اور ان کے سینے اس سے خالی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ کوئی شخص جو اچھی قوت مشاہدہ رکھتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کرے گا۔ کہ دھرم اور ایمان کے دعوے کرنے والوں میں زیادہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہے اور مجھے یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں ہے۔ کہ اس قسم کے بے معنی دھرم سے ہی اس ادھرم کو جس کا طعنہ ہم اہل مشرق مغرب والوں کو دیتے ہیں۔ بہت بہتر سمجھتا ہوں۔ ان میں وہ لوگ جو مذہب سے غافل ہیں یا مذہب کو ترقی کا روکنے والا خیال کرتے ہیں۔ کم از کم اپنا ایک قانون اخلاق رکھتے ہیں جس کی پابندی وہ احتیاط کیساتھ کرتے ہیں۔ معاملے کی صفائی اور دعوے کا ایفا ان کے ہاں وہ درجہ رکھتا ہے۔ جو اچھے سے اچھے مذہبی اصول ہمارے ہاں رکھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کیساتھ انصاف کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو راستہ دیتے ہیں۔ اور راستہ لیتے ہیں۔ وہ چلتی گاڑی میں روڑا نہیں اٹکاتے۔ وہ دوسرے کی بھلائی میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کی بہتری پر اپنی بڑی سے بڑی اغراض قربان کر دیتے ہیں۔ اگر ان اوصاف کے مجموعے کا نام بے دینی ہے۔ تو میرے خیال میں اس بے دینی کی ہمیں بھی ضرورت ہے۔ اور اگر حقیقت میں دین یہی ہے۔ تو ہمیں بھی اپنے مذہبی خیالات کو اس سانچے میں ڈھالنا چاہیئے۔ وہ ان چیزوں کو جو اصل میں جزو مذہب ہیں عملی طور پر جزو مذہب بنانا چاہیئے۔ مگر میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ہم سب مذہب کی روح کیطرف مائیل ہوں۔ اور اس کی ظاہری شکل کو وہ اہمیت نہ دیں۔ جو اب تک ہم دیتے چلے آئے ہیں۔ تو ہمارے ملک میں فتنہ فساد اور قوم کی باہمی نفرت کی وہ آگ جو کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہے۔ بالکل بجھ جائے۔ بہت تجویزیں ہو رہی ہیں۔ اور ہوتی رہی ہیں۔ اس مطلب کیلئے کہ ہندو مسلمان آپس میں شیر و شکر ہو کر اپنے مشترکہ وطن میں زندگی بسر کریں کوئی سیاسی سمجھوتے کرتا ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے۔ کہ فلاں رسم ایک قوم ترک کرے یا دوسری قوم چھوڑ دے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ ہندو اگر زیادہ مروت سے کام لیں۔ ملک کی مشکلات حل ہو جائیں۔ اور بعض کی رائے میں مسلمان سب کے فائدہ کے واسطے کافی قربانی نہیں کرتے۔ اور انہیں مادر وطن کی خدمت کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ مگر میں یہ کہوں گا۔ کہ اگر ہندو دل سے اپنے دھرم پر اور مسلمان سچائی سے اپنے ایمان پر قائم ہوں تو موجودہ مشکلات اول تو پیدا نہ ہوں۔ اور اگر پیدا ہوں۔ تو بآسانی حل ہو جائیں۔ مثلاً ہندو دھرم کے ماننے والے جن کے نزدیک ہر جاندار کی جان بچانی فرض ہے۔ کیونکر ایسی ذہنیت رکھ سکیں۔ جس کی رو سے ایک فوری جوش میں ایک دوسرے انسان کی جان کا نقصان متصور ہو۔ صرف اس خیال سے کہ اس کی رائے ان سے مختلف ہے۔ اس طرح مسلمان جو یہ مانتے ہیں۔ کہ سب انسان بلکہ دیگر مخلوقات ایک ہی پیدا کرنیوالے اور ایک رب پالنے والے کی بنائی ہوئی ہے۔ وہ اگر اس حقیقت کے دل سے قائل ہوں۔ تو کیونکر روا رکھ سکتے ہیں۔ کہ کسی دوسرے انسان کیساتھ بدسلوکی ہو۔ یا اس کی حق تلفی ہو۔ جب ان کا مذہب انہیں یہ سکھاتا ہے۔ کہ انصاف کے معاملہ میں دشمن اور دوست ماننے والا اور نہ ماننے والا دیندار اور کافر سب یکساں ہیں۔ اور اس بارہ میں کسی کی رعایت کرنا حکم خدا کے خلاف ہے۔ تو کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی سچا مسلمان جان بوجھ کر دوسرے کی حق تلفی کرے۔ اور اگر حق تلفی نہ ہو۔ تو شور اور واویلا جو کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف سے بلند ہوتا ہے ختم ہو جائے۔ اور امن اور جنگجوئی صلح و دوستی سے بدل جائے۔

آج جب کہ ہمارے صوبے کے اردو اخبارات میں ایک کثیر اشاعت والا اخبار اپنا سالانہ پرچہ چھاپ رہا ہے۔ میں نے اپنے حصہ کے مضمون میں اپنے حب وطنی بھائیوں کو اس ضروری اصول کی طرف متوجہ کرنے کی جرأت کی ہے۔ جس پر کاربند ہونے سے میرے نزدیک ہماری مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔ اور جس سے غفلت برتنے سے ہم روز بروز مصیبت میں پڑتے جاتے ہیں۔ اور ہماری تکالیفات بڑھتی جاتی ہیں۔ اخبار ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اور اسے موقع حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کے دلوں کو اپنی تحریرات کے ذریعہ سے جس طرح چاہے جھکا دے۔ پرانی مثل ہے۔ کہ کان پڑی بات خالی نہیں جاتی۔ اس طرح یہ صحیح ہے۔ کہ نظر سے گذرا ہوا مضمون بالکل بے اثر نہیں بنتا اگر اخبار اس سچائی پر زور دینا اپنا مقصد قرار دے لیں۔ اور لوگوں کو اصل دھرم اور اصلی ایمان کی طرف مائیل کریں۔ اور لفظی شیخی اور نمائشی چیخ پکار سے انہیں منع کریں۔ تو وہ ملک کی ایک بڑی خدمت انجام دیں گے اور اسی کے مفید نتائج سے خود بھی بہرہ انداز ہوں گے۔ اور ملک کو بھی فائدہ پہنچائیں گے۔

دوہرا

(شریمان راجہ دلجیت سنگھ صاحب (شملہ) کے قلم سے)

چاہے چنتا من ملے سُر تنز سُر پُر راج
تین لوک کو سکل سکھ بن ہری نام اکاج

کبت

رام نام گائے گید گنگا ممکت بھیئے
گہر استے گجند رچھوٹو لبت نام آدھو جو
رام نام پائے پرہلا دیرن پارو آپ ❖ رام نام جینت سُوونت سندھ پھاند جو
الٹو جپ رام نام بالمیک سدھ بھیئے ❖ سادھ بھیئے سدنا سے رام ہی ارادھو جو
رام ہی ارادھو پاتے نام دھن پاندھو
اور سادھن نہ سادھو رام نام سادھو جو

ہندوستان کا آئندہ مذہب

(از قلم حکیم احمد شجاع صاحب بی۔ اے سیکرٹری پنجاب لیجسلیٹو کونسل)

خدا جانے ہندوستان کی سرزمین کے خمیر میں ایسی کیا بات ودیعت کی گئی ہے۔ کہ یہ ملک انواع واقسام کی آبادی کا مامن و مسکن ہونے کے باوجود ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا ہے۔ عقائد پارینہ اور اوہام فرسودہ پر جان دینے والے اس زمانے میں اگر کہیں موجود ہیں۔ تو اسی سرزمین میں۔ مذہب جو بندوں کے لئے خدا کی سب سے بڑی رحمت ہے۔ اس ملک کے باشندوں کے لئے وبال جان ہے۔ وہی مذاہب جنہوں نے دشمنوں کو دوست اور حیوانوں کو انسان بنا دیا۔ اس ملک میں دوستوں کو دشمن اپنوں کو بیگانہ اور بھلے چنگے انسانوں کو درندہ وحشی بنا رہے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا۔ جب مختلف مذاہب کے پیرو اپنے اپنے عقائد کی حفاظت اور اپنے اپنے دینوں کی اشاعت کے لئے آپس میں برسر پیکار ہو جاتے تھے۔ تاریخ کے صفحات اس قسم کی خونین داستانوں سے اب تک سرخ ہیں۔ انسانوں نے خدا پرستی اور اشاعت اخلاق کی آڑ میں کونسے مظالم ہیں۔ جو انسانوں پر برپا نہیں کئے۔ مگر یہ سب کچھ تہذیب و تمدن کے اس مفہوم کے ماتحت ہوا۔ جو زمانہ کہن میں باشندگان عالم کے دلوں اور دماغوں پر مسلط تھا۔ لیکن آج ہندوستان کے سوا دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے۔ جہاں لوگ اختلاف مذہب کی بنا پر لڑتے جھگڑتے ہوں۔ اور بسا اوقات بیگناہوں کا خون بہانے پر آمادہ ہو جاتے ہوں۔ ملک گیری کے لئے۔ سیاسی اغراض اور تجارتی مقاصد کے حصول کے لئے اور اپنے حقوق معاشرتی وملکی کی حفاظت کے لئے بے شک اب بھی مہذب اقوام مصروف پیکار ہو جاتی ہیں اور انسانی خون کے دریا بہہ جاتے ہیں۔ مگر یہ شرف صرف ہندوستان ہی کو نصیب ہے۔ کہ اس کے باشندے اپنی معاشرتی ذلت اپنی اقتصادی تباہی اور اپنی اخلاقی بربادی کو تو محسوس نہیں کرتے۔ مگر اس فکر میں ضرور مبتلا رہتے ہیں۔ کہ تمام ہندوستان ان کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب کیوں نہیں۔ پھر جب یہ فکر ان کے دل و دماغ میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔ تو وہ اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے نکلتے ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیان نہیں کرتے بلکہ دوسرے مذہب کی برائیاں تلاش کرتے ہیں۔ ان کے دل کی نیت خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔ نتیجہ اس تمام ردوکد کا ہوتا ہے کہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ ارباب فہم و بصیرت کے لئے یہ غور کرنے کا موقع ہے۔ اور وقت آگیا ہے۔ کہ ہندوستان کی بہبودی کو مدنظر رکھنے والے بزرگان ملک اس عقدے کا حل سوچیں۔

زمانہ قدیم کے بزرگوں نے خواہ وہ ہندو تھے یا بدھ یا مسلمان اس اختلاف عقائد کا صحیح طور پر جائزہ لیکر اپنے مذاہب کو کچھ اس سانچے میں ڈھالا تھا۔ کہ مذہب کی بنا پر کوئی فساد برپا نہ ہوتا تھا۔ اور یہ مقام حیرت ہے۔ کہ ہندوستان قدیم میں جب مختلف مذاہب کا تصادم ہوا۔ تو کبھی کوئی مذہبی جنگ رونما نہیں ہوئی۔ ہندو مذہب کے پیشواؤں نے مہاتما بدھ کو اس امر کے باوجود کہ اُن کی تعلیم برہمنیت کے اصول کے متضاد تھی۔ اپنی قابل عزت واحترام ہستیوں کی صف میں جگہ دے دی۔ اور مہاتما مہاویر کو جن کے اصول مذہب بدھ مت سے بالکل مختلف تھے۔ قابل توصیف گردانا۔ اسی طرح مسلمان صوفیائے کرام نے ہندو مذہب کے پیشواؤں کی عزت و حرمت جائز قرار دی۔ یہ سب کچھ اسلئے تھا۔ کہ ہندوستان کی معاشرتی زندگی میں باوجود اختلاف عقائد کسی قسم کا خلل ونقص نہ پیدا ہو۔ ان تواریخ میں جو موجودہ زمانے میں لکھی گئی ہیں کم فہم اور خود غرض مصنفین نے بہت سے فسادات کو جو سرزمین ہند میں رونما ہوئے۔ مذہبی اختلاف پر محمول کیا ہے۔ مگر پرانے زمانے کی تواریخ میں ان وجوہات کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ بیشمار کتب تاریخ اس امر پر شاہد ہیں۔ کہ اکبر اعظم جو مسلمان بادشاہان ہندوستان میں سب سے عظیم الشان شہنشاہ تھا۔ اپنی ہندو رعایا اور مختلف العقائد افراد پر کتنی مراعات روا رکھتا تھا۔ اور شہنشاہی جو اپنے زمانہ میں مرہٹہ سلطنت کا سب سے باعزت باشوکت حکمران تھا مسلمانوں سے کس مروت کا سلوک کرتا تھا۔ تعصب کی آنکھیں اندھی ہوتی ہے اور بغض و کینہ نور روحانی کو کدورت و ضلالت میں متبدل کر دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا ہندوستان کی موجودہ نسلیں ان ذمہ داریوں کو محسوس کرینگی یا نہیں جو تہذیب حاضرہ کی رو نے اُن پر عائد کردی ہیں۔ اس وقت جبکہ تمام دنیا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ کیا ہندوستان کے باشندے ان جھوٹے اور دُور از کار مذہبی تنازعات میں مصروف رہیں گے۔ یا اُن خیالات خام سے باز آکر منازل ارتقا کو طے کرینگے۔ ذرا غور تو کیجیے۔ کہ پچھلی دس صدیوں میں جب کہ یورپ کے مشاہیر انسان کی زندگی کو دکھ درد سے نجات دلانے اور انسان کو قدرت کے لازوال عطیوں اور علم و فضل کے لامتناہی ناموس سے مالا مال کرنے کی فکر میں مبتلا تھے۔ جبکہ مغرب کے اطبا فیلسوف اور ماہرین طبیعات۔ دق اور سل کا علاج ڈھونڈ رہے تھے۔ بجلی کی رو کو زیر نگین کر رہے تھے۔ ریل اور تار اور اسی قسم کی دوسری ایجادات سے حیات انسانی کو جسمانی مسرتوں اور روحانی لذتوں سے پر کیف بنا رہے تھے۔ ہندوستان کے بزرگ اس مصیبت میں مبتلا تھے۔ کہ آیا ہندو مت سچا مذہب ہے یا اسلام۔ ہندو بزرگان دین میں کیا کیا نقائص تھے۔ اور اسلام کے رہنما کن خوبیوں سے عاری تھے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ صرف یہ کہ اس قلبی کدورت نے دوستوں کو دشمن بنا دیا۔ اور وہ طاقت جو مادر ہند کی عظمت و ترقی کا موجب ہوتی۔ اُس کی رسوائی اور اُس کے بچوں کی تباہی کا باعث ہوگئی۔ اور تعجب ہے۔ کہ مذہبی تعصب کے یہ تمام دعاوی ان لوگوں کی زبان پر ہیں۔ جن کو مذہب سے دُور کا بھی رابطہ نہیں اُنہیں محبت ہے۔ تو صرف تعصب سے۔ رغبت ہے۔ تو فقط فساد سے۔

کیا خداوند تعالٰے جو تمام دُنیا کا پیدا کرنیوالا اور اپنے تمام بندوں کا ایک ہی معبود ہے کبھی اس بات سے خوش ہوسکتا ہے۔ کہ اُس کے پرستار اُسی کے نام پر بیگناہ لوگوں سے دشمنی رکھیں۔ اُن کے امن و امان میں خلل ڈالیں۔ اور اُن کو بسا اوقات تلوار کے گھاٹ اُتار دیں۔ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ یہ تمام لوگ جو ہندوستان کی آزادی کا گیت گاتے ہیں۔ اور اُس کی سیاسی عظمت کا راگ الاپتے ہیں۔ اس شخص کی مانند ہیں۔ جو خطروں کی اہمیت کو سمجھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور اپنے دماغ کو اس تصور پر مجبور کرتا ہے۔ کہ جو خطرہ اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اُس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ ہندوستان کی سیاسی آزادی اگر ہندوستان کے معاشرتی حقوق اور مجلسی فرائض سے سبکدوش ہے۔ تو وہ بدترین غلامی ہے۔ اگر ہندو اور مسلمان سکھ اور عیسائی جو زمانہ حال کے ہندوستان کے عناصر ملت ہیں

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۶۰

میٹھے میٹھے بول!

(از قلم خواجہ دل محمد صاحب ایم۔ اے میونسپل کمشنر و پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور)

بندے کر لے نیکیاں عمر گذرتی جائے ✣ آگ لگنی جھونپڑی جو کچھ بچے بچائے

کرے سر پر تپسیا اندر سے من ڈھیٹ ✣ سانپ مرے سی چھپ کے بل کو بیٹھا پیٹ

مان ہو جس کو گیان کا گیانی اُسے نہ مان ✣ دانا خود کو جو کہے وہ مورکھ نادان

من سوکھے تن لال ہو جب تن رکھیں پریت ✣ تن سوکھے من لال ہو یہ سنتوں کی ریت

دیکھوں بھالوں سانز کو ساز نہ رس پر آئے ✣ گیانی پوجا پاٹ کی گھڑی گذرتی جائے

دین دھرم مت پنتھ سب بھانت بھانت کے باٹ ✣ بھول بھلیاں بن رہے میں اُتروں کس گھاٹ

دین دھرم مت پنتھ سب لہریں اُٹھیں انیک ✣ رہیں اُلجھتی رات دن گیان سمندر ایک

راجن راجن سب کہیں راجن کو پر نام ✣ ساجن ساجن میں کہوں ساجے ساجن نام

ڈالی لدوں پھول کی میرے ہوں گر پھول ✣ پھول ترے اور میں نذر کر لے آپ قبول

موتی میرے ہوں اگر ہار کروں ارداس

موتی ہیرے سب ترے آنسو میرے پاس

شری رام کا پربھاو

(شری سوامی ستیانند جی مہاراج کے قلم سے)

شری رام کا پربھاو ان کے بن باس کے جیون سے جانا جاتا ہے۔ جس سے شری رام مہندرا چل کو پار کر کے آگے گئے۔ اس سے دکھشن کے لوگ اسبھیہ تھے۔ ان میں آچار کا۔ دھرم کا۔ نیائے کا اور ستیہ جھوٹ کا کچھ بھی وچار نہیں تھا۔ ہزاروں ایسے منش تھے۔ جو منشیہ کا مانس بھی کھا جاتے تھے۔ بھگوان نے چودہ ورش تک بن میں رہ کر جہاں منیوں کی سیوا کی۔ وہاں اپنے دھرم بھاو سے سارے دکھشن کو سبھیہ بنا دیا۔ ان میں سداچار کی مریادا باندھ دی راماین کے پاٹھ سے یہ بھلی پرکار جانا جاتا ہے۔ کہ شری رام دھرم کے اوتار تھے۔ نیائے کے چلانے والے تھے۔ اور مریادا پرشوتم تھے۔ بھارت کے دکھشن بھاگ میں سبھیتا کا سورج وہ ہی لیکر گئے تھے

(ستیانند)

بھگوان رام اور دُراچاریوں کا شاسن

دُراچاری مہنت اور جھوٹے گورو پرستش کی بجائے سزا کے مستحق ہیں

(از رائے بہادر لالہ رام سرن داس جی سی۔ آئی۔ ای ممبر کونسل آف سٹیٹ)

بھارت کے اتہاس میں وجے دشمی اس دن کی یادگار میں منائی جاتی ہے۔ جس دن مریادا پرشوتم بھگوان رام نے ایک پرم وِدوان اور قابل پرستش مگر خر دماغ ہستی یعنی لنکا پتی راون کو شاستر انوسار ڈنڈ دے کر دھرم مریادا کو پھر سے اس آریہ دیش میں پرگٹ کرنے کا سنکلپ کیا تھا۔ بھگوان رام نے جس راون کو اپنے یگیہ کی پرتشٹھا کے لیے وِدوان اور وید وتیا براہمن کی حیثیت سے چُنا تھا۔ اور جس راون کی برہما روپ سے پُوجا کی تھی۔ اُسی راون کو جب دُراچاری پایا۔ تو راج نیتی اور شاستر آگیا انوسار اس کو پران دنڈ دینے سے بھی پرہیز نہیں کیا۔ اِس دھرم کی غلط تاویل کرنے والوں اور بدچلن وِدوانوں یا دُراچاری مہنتوں کی بیجا طرفداری کرنے والوں کو بھگوان رام کے جیون کو اس پہلو سے ایک خاص سبق حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہی امر بھگوان منو نے اپنی سمرتی میں خاص زور دے کر بیان کیا ہے۔ کہ اگرچہ براہمن اور وِدوان۔ گورو اور بزرگ۔ وید پاٹھی اور پنڈت قابل عزت ہیں۔ مگر ایسی صورت میں جبکہ یہ لوگ اپنے دھرم سے پتت ہو کر دُراچار میں نہ پڑ جائیں۔ اگر ان کا طرز عمل اس کے برعکس ہو۔ تو نہ صرف راجا بلکہ ہر ایک کھشتری پر واجب ہے۔ کہ ان جھوٹے گوروؤں کی پُوجا کے بجائے انہیں سزا دی جائے۔ تاکہ قوم کی مجلسی زندگی سے دھرم کا النش لوپ نہ ہو سکے۔ دھرم ہی جاتی کا پران ہوتا ہے۔ دھرم سے بچھڑی ہوئی قوم جلد ہی گر جاتی ہے۔ اس لیے ہر ایک ہندو پرانی کا یہ خاص فرض ہونا چاہیے۔ کہ اگر وہ سچے رام بھگت ہیں۔ تو انہیں بھگوان رام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے موجودہ وقت کے دُراچاریوں کے انسداد کا دِرڑھ سنکلپ کر لینا چاہیے۔ تاکہ ہماری لاکھوں ماتائیں اور بہنیں اپنے ستی دھرم پر قائم رہ سکیں۔ اور ہم دھرم ادکھ دوبیہ کا جائز استعمال کرا سکیں۔ کیا ہی اچھا ہو۔ کہ جھوٹے گوروؤں کے خود غرض اور خوشامدی چیلے اس طرف دھیان دے کر بھگوان رام کے پوتر نام کا جاپ کرتے ہوئے ان پر وجیہ پراپت کریں۔ تاکہ دیش سے دُراچار دور ہو کر ہماری گری ہوئی حالت سُدھر سکے۔

مندر سُدھار

(از شریمان لالہ رگھبر دیال جی ایم۔ اے پرنسپل سناتن دھرم کالج لاہور)

جس قوم کی پرستش گاہیں بگڑ جاتی ہیں۔ پوجا کی جگہوں میں بجائے پوجا کے ناچ رنگ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پوجاری اور مہنت مندر کے مال اور جائداد کو بھگوت سیوا اور دھرم پرچار کے کاموں میں نہ لگا کر اپنی ذاتی اغراض اور ادھرم کے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ وہ قوم بہت دن زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس اگر قوم چاہتی ہے۔ کہ زندہ رہے۔ اور گرنے کی بجائے کچھ اُبھرنے کی کوشش کرے۔ تب لازمی ہے۔ کہ وہ اپنے مندروں کا سدھار کرے۔ اور اپنے پُوجاریوں اور مہنتوں کے رویہ کو درست کرے۔ اسی غرض سے سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا پنجاب نے مندر سدھار بل تیار کرایا ہے۔ جو عنقریب ہی کونسل میں پیش ہونے والا ہے

اس بل کے متعلق پرچار اور گفتگو کے دوران میں یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ چند خود غرض اور کم فہم اشخاص نے اس کے بارے میں بہت کچھ غلط فہمی پھیلائی ہوئی ہے۔ ان میں سے وہ غلط فہمیوں کو دُور کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے

اول بعض لائق اور قابل تعظیم مہنتوں کو جن کا سناتن دھرمی جنتا پر بہت اثر ہے۔ اور جن کی سیکڑوں ودوان چیلے ہوئی ہے۔ یہ بتایا اور دکھایا گیا ہے کہ اس بل سے مندروں کے سدھار نے کا مطلب نہیں ہے۔ بلکہ آپ جیسے باوقار مہنتوں کی بے عزتی کرنا اور آپ کے دھن اور جائداد کو ہضم کر جانا ہے۔ جنہوں نے اس بل کو ذرا بھی غور سے پڑھا ہے۔ انہیں یہ بہت اچھی طرح معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس بل کی غرض بجائے اس قسم کے مہنت صاحبان کی بے عزتی کرنے کے ان کو "شری مہنت" کی پدوی دینے کا وچار ہے۔ بجائے ان کی جائداد پر کسی اور کا قبضہ ہونے دینے کے اس قسم کے ہیں۔ ورنہ دھرم کے کاموں میں قانون بنوا کر گورنمنٹ کی دست اندازی کے لیے موقعہ دینا بے معنی ہے۔

جن اصحاب نے اس بل کے مقاصد پر سرسری نظر بھی ڈالی ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس وقت بھی مندروں اور وقف جائداد کی حفاظت کے لیے قانون رائج ہے۔ اس قانون کے مطابق جس وقف جائداد کی نسبت گورنمنٹ کو یہ یقین ہو جائے۔ کہ جس مدعا کے لیے وہ جائداد وقف کی گئی تھی۔ اس کے کام میں نہیں آ رہی ہے۔ تو گورنمنٹ کو اختیار ہے۔ کہ اسے ضبط کر لے۔ چنانچہ کئی ایسی وقف کی ہوئی سداچاری اور دھرم نشٹھ مہنتوں کا سدا ادھکار جاری رکھنے کے لیے قانونی بندوبست کیا گیا ہے۔ اور اس بات کا خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ کہ جو گدی یا مندر جس سمپردائے یا بھیکھ کا ہو۔ وہ ہمیشہ اُسی سمپردائے اور بھیکھ کا رہے ہر مندر کو ہدایت ہے اور سناتن دھرمیوں کو حکم ہے۔ کہ اس میں سر مُو بھی فرق نہ آنے پائے۔ اس ہدایت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس بل میں چار شری مہنتوں کو مرکزی انتظامیہ کمیٹی میں جگہ دی گئی ہے

دوسری غلط فہمی جو اس بل کے بارے میں پھیلائی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ اس بل کے ذریعہ سے چند سرکار پرست آدمی تمام مندروں اور گدیوں کی سمپتی کو گورنمنٹ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مجوزہ بل جو مندروں کی سمپتی کو گورنمنٹ کے حوالے کرنے کے بجائے مروجہ قانون کے مطابق جہاں ایسی جائداد کے ضبط کر لینے کا گورنمنٹ کو اختیار ہے۔ وہ اختیار بھی منسوخ کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ اور جس سمپردائے کو جو جائداد ایک دفعہ مل جائے۔ اس کو ہمیشہ اُسی کے ادھیکار میں رکھنے کا پورا انتظام پیش کر رہا ہے

دھرم کے کاموں میں سرکاری مداخلت یہ بل نہیں کرا رہا ہے۔ وہ تو مروجہ قانون میں موجود ہے۔ یہ تو اس مداخلت کو اس طریق سے بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کہ اس سے دھرم کے کاموں کی حفاظت ہو۔ اور وقف جائداد کسی طریق سے بھی ہندوؤں کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے

میں اس لیے تمام ہندو بھائیوں سے عموماً اور سناتن دھرمیوں سے خصوصاً عرض کروں گا کہ وہ اس بل کو غور سے دیکھیں۔ اس قسم کی زمینیں اور مکان سرکار کے قبضہ میں آ چکے ہیں اس لیے مندر سُدھار بل میں اس بات پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اور اس کا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ کہ کبھی کوئی اس قسم کی جائداد حوالہ سرکار نہ ہونے پائے۔ برخلاف اس کے مرکزی انتظامیہ کمیٹی کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ جہاں کہیں اسکو معلوم ہو۔ کہ وقف جائداد کا ٹھیک اور وقف کرنے والے کے حسب منشا کام نہیں ہو رہا ہے۔ وہاں اس سمپردائے کے شری مہنت کی رائے اور مشورہ سے جس سمپردائے کی وہ جائداد ہے۔ اس کا ٹھیک انتظام کیا جائے۔ اگر مہنت نہیں رہا تو اس سمپردائے کا کوئی سداچاری مہنت مقرر کیا جائے۔ اگر کوئی پجاری نہیں رہا ہے۔ یا دُراچاری ہو گیا ہے۔ تو اس سمپردائے کا کوئی یوگیہ پوجاری رکھ دیا جائے۔ غرض کسی صورت میں بھی اس وقف جائداد و مندر کو اس سمپردائے کے ادھیکار سے نکلنے نہ دیا جائے اس سے ناظرین کو صاف معلوم ہو جائیگا

غلط فہمیوں کو دور کریں۔ اور اسے پاس کرا کے اپنے دھرم اور مندروں اور گدیوں کی سمپتی کی پورے طور پر رکھشا کریں

ہندو سنگٹھن کا حشر!

دُکھی دل کی پُر درد داستان

(شریمان بھائی پرمانند جی کے قلم سے)

کیا ہندو سنگٹھن کی تحریک ختم ہوجائیگی؟ کیا اس کی حالت ایسی ہی ہوگی۔ جیسی کہ آسمان پر ٹوٹتے ہوئے ستارے کی ہوتی ہے۔ جو تھوڑی دیر ایک چمکتی ہوئی لکیر پیدا کرتا ہے۔ اور پھر نظر سے غایب ہوجاتا ہے؟ یہ سوال ہے۔ جو آجکل دن اور رات میرے دل میں قلق پیدا کر رہا ہے۔ اگر میں اپنے سامنے کے حالات پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو ایک بڑا دُکھا سا جواب اپنے اندر سے ملتا ہے۔ تم بھُول رہے ہو۔ تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ کہ سنگٹھن کی تحریک چل چُکی۔ ایک تو ہندو قوم ایسی بُوڑھی ہوچکی ہے کہ اس کے اندر اپنے جینے کی خواہش ہی معلوم نہیں ہوتی۔ اس جاتی نے اپنے دوران زندگی میں بہتیرے شاندار زمانے دیکھے۔ اس نے بڑے بڑے مذہب پیدا کئے۔ اس نے بڑے بڑے مسایل فلسفہ دریافت کئے۔ اس نے اپنے اندر بڑے بیرا اور یودہا پیدا کئے۔ اس نے اپنے اندر بڑے بڑے سپوُت پیدا کئے۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اس کے لئے قربان کردیا۔ آج اس جاتی پر بُڑھاپے کا زمانہ گذر رہا ہے۔ جس کو دیکھ کر دِل کہہ اُٹھتا ہے۔ کہ بس اب یہ قوم ساری خوشیاں دیکھ چکی۔ اور دُنیا کے سارے بھوگ بھوگ چکی۔ اب بھوگنے کے لئے اس کے واسطے کچھ باقی نہیں رہا۔ اور یہ دُنیا سے بے اُمید ہوئی ہوئی آگے چلنے کو تیار بیٹھی ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ آج اس کی گود سے جو بیٹے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ تو خود ہی اس کو مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اُنہیں نہ تو اپنے آپ پر بھروسہ ہے۔ اور نہ اس کی طاقت زندگی پر۔ اگر وہ دُنیا میں بڑھنا چاہتے ہیں۔ تو وہ غیروں کی مدد سے اُٹھنا چاہتے ہیں۔ اُن لوگوں کی مدد سے جو اُسے ایک لمحہ بھر دیکھنا نہیں چاہتے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ اس قوم کے اندر ایسے بیٹے موجُود ہیں۔ جو ہندو لفظ کے دشمن ہیں۔ جن کو ہندو سنگٹھن کا لفظ نشتر کی طرح چھاتی میں چبھتا ہے۔ جو اس کے دُشمنوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں پیتے ہیں۔ مزے اُڑاتے ہیں۔ اور انہی دشمنوں کی دی ہوئی امداد سے نہ صرف خود موجیں اُڑاتے ہیں۔ بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کو گمراہ کرنے میں خوشی حاصل کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ لوگ ان کی صحبت اور تعلقات کو جانتے ہوئے ان کے مُنہ سے ہندو قوم کی بے نقط بُرائی سُنتے ہوئے پھر بھی ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ جس قوم کے اندر اس کے اپنے بیٹے ہی اس کو کھانے والے موجُود ہوں۔ اس قوم کے سنگٹھن کی تم کیا اُمید کرتے ہو۔ اگر ان میں زندگی کی خواہش ہوتی۔ تو اس قوم میں ایک ایسا بشر دکھائی نہ دیتا۔ جو اس کا دشمن ہو۔ اس کو تباہ کرنے پر تُلا ہو۔ تو بھی اُس کی گود میں بیٹھا ہُوا پرورش پا رہا ہو۔

حالات نے یہ خشک اور درد سے بھرا جواب میرے کانوں میں ڈالا۔ دل مایُوسی سے بھر گیا۔ سوچتا ہوں کیا کہوں۔ کیا لکھوں۔ کچھ سمجھ نہیں آتا۔ جس قوم کے اندر دوست اور دشمن کی تمیز موجُود نہیں۔ اس کے آگے زار زار آنسو گرانے سے کیا بنیگا۔ پرماتما جس قوم کے لئے ناش کے دن لاتا ہے۔ اُس کی بُدھی پہلے سے ہی ہر لیتا ہے۔ اس لئے بار بار جی میں آتا ہے۔ تم کیا شور کرتے ہو۔ کوئی تمہاری آواز سُننے والا نہیں ہے۔ تمہاری درد بھری آہ خالی ہوا پر کوئی اثر پیدا نہیں کرتی۔ اس لئے خاموشی اختیار کرلو۔ اور گمنامی کی زندگی میں اپنی باقی کی عمر کاٹ لو۔ یہ آواز آئی بڑے زور سے ہے۔ لیکن اس سے دل کو تسکین نہیں ہوتی۔ اندھے اور اس کے سامنے گڑھے کو دیکھ کر چت اشانت ہوجاتا ہے۔ اور بولے بنا رہا نہیں جاسکتا۔ آواز نکالتا ہوں۔ جن دشمنوں نے ہندو قوم کو گھیرا ہُوا ہے۔ چلّا اُٹھتے ہیں۔ اور بُرا بھلا کہنا شروع کرتے ہیں۔ گالیوں سے میرا جی نہیں گھبراتا۔ ہندو قوم کی دشمنوں کی دی ہوئی گالیاں مجھے پھُول معلوم ہوتے ہیں۔ دُکھ ہوتا ہے۔ تو صرف اس میں کہ یہ گالیاں دینے والے بھی اسی قوم کے لختِ جگر ہیں۔ اسی کے خُون سے پیدا ہوئے اور اسی کے دیئے ہوئے نام سے اپنے آپ کو پُکارتے ہیں۔

یہ تو سب ہُوا دل کا غُبار۔ میں نے کچھ کہنا بھی ہے؟ ہاں کہنا تو ضرور ہے۔ مگر ڈر لگتا ہے۔ پنجابی کے شاعر بلھے شاہ نے کہا ہے۔

"سچ سچ کے جیہا کہندی ہے منہ آئی بُلھے شاہ سچ آکھیاں بھامبڑ مچدا ہے جھوٹ آکھاں تاں کجھ بچدا ہے"

چاہے کوئی خفا ہو۔ چاہے راضی ہو۔ یہ بتا دینے کی جرأت کرتا ہوں۔ کہ جن لوگوں پر ہندوؤں کو اُمید تھی۔ کہ وہ ہندو سنگٹھن چلائینگے۔ اُن کو کبھی اس تحریک پر وشواس نہیں ہُوا۔ اور دھرم تو ہیں۔ جو کہ اس کے خاتمہ کے ذمہ وار ہیں۔ وہ تو ہیں ملک اور قوم کے بنے بنائے لیڈر۔ اُن کی پہلی غرض اس لیڈری کو قایم رکھنا ہے۔ اگر ہندو سنگٹھن عام ہندوؤں میں پھیل جاتا۔ اور عام ہندو کسی دوسرے کی باتوں کی پروا نہ کرتے۔ تب تو اُن کی لیڈری بھی بنی رہتی۔ اور ہندو سنگٹھن کی تحریک بھی چل جاتی۔

پانچ سال ہوئے۔ جب ملک میں سنگٹھن کا خیال پیدا ہُوا۔ عام لوگوں نے تو یہی سمجھا۔ کہ چونکہ جگہ جگہ مسلمانوں نے ہندوؤں پر حملے کرنے شروع کئے ہیں۔ اس لئے ہندوؤں کو دنگہ فساد کی تیاری کے لئے سنگٹھن کی تحریک جاری کی گئی۔ تین چار سال تک لڑائی کرنے کے بعد مسلمان بھی تھک گئے۔ اور انہوں نے دم لینا چاہا۔ لوگ سمجھنے لگے۔ کہ اب سنگٹھن کی ضرورت نہیں رہی۔ سنگٹھن کے لیڈروں نے بھی دیکھا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ سنگٹھن کی خاطر ہمارا نام ہی ملک میں نہ جاتا رہے۔ نہ صرف اس تحریک کو پیچھے ڈال دیا۔ بلکہ جان بُوجھ کر اسے مُردہ کرکے پھر اسی پُرانے گورکھ دھندے کے اندر جا لگے۔ ہو سکتا تھا۔ کہ اگر نہیں ہندو سنگٹھن کا چلنا مشکل دکھائی دیتا تھا۔ تو وہ اس تحریک کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیتے۔ لیکن کوئی دوسرا اگر اس کو چلا لیتا۔ تو بھی ان کی بڑی بدنامی تھی۔ اس لئے ایسا کرنا بھی مناسب نہ تھا۔

میں ہندو سنگٹھن کی اہمیت زیادہ گہری سمجھتا ہوں۔ میں اسے عارضی تحریک نہیں سمجھتا۔ جو دنگے فساد کے لئے جاری کی گئی تھی۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔ کہ ہمارے لیڈروں کے دل میں اس کے لئے کشش کیوں نہیں پائی جاتی۔ یہ سب باتیں ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں۔ اگر ہم ایک بار یہ سمجھ لیں۔ کہ پچھلے چوتالیس سال کے اندر اس ملک میں دو بڑے زبردست خیالوں کی ٹکر رہی ہے۔ ایک خیال بنگال میں پیدا ہُوا۔ جس کا نتیجہ مذہبی دُنیا میں برہمو سماج کی ذہنیت تھی۔ دُوسرا خیال پنجاب میں جس کی بنیاد سوامی دیانند کی تعلیم اور ہندو قوم کی پُرانی عظمت پر تھی۔ برہمو سماج چاہے آجکل کے اس کے ممبر اپنے آپ کو ہندو ہی سمجھتے ہوں۔ شروع شروع میں ایک غیر ہندو تحریک تھی۔ اس کا اثر بنگال اور بمبئی کے تمام لیڈروں پر ہُوا۔ جنہوں نے کہ کانگریس کے لئے کام کیا۔ اور جو کانگریس کے لیڈر سمجھے گئے۔ انہی لوگوں کی بدولت کانگریس کی موجُودہ غیر ہندو ذہنیت قایم ہوئی ہے۔ جو کام کہ مذہبی دُنیا میں برہمو سماج کرنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں کرسکا۔ لیکن

نغمۂ وطن!

(از مسٹر منوہر سہائے انوؔر سہسوانی بی۔ اے لاہور)

اے وطن! اے ہند! اے نام آوروں کی سرزمیں!

اوج پر تہذیب آئی ہے تری آغوش میں | پرورش قوموں نے پائی ہے تری آغوش میں

اے وطن! اے ہند! اے نام آوروں کی سرزمیں!

اِک جہاں کسبِ ضیا کرتا ہے تیرے نُور سے | تیرے زایر چل کر آتے ہیں قریب و دُور سے

اے وطن! اے ہند! اے نام آوروں کی سرزمیں!

آجکل بد قسمتی سے ہے خزاں آئی ہُوئی | اور بحر و بر پہ ہے افسردگی چھائی ہُوئی

اے وطن! اے ہند! اے نام آوروں کی سرزمیں!

لیکن اس سے تیری دل جیبی کو کچھ نقصاں نہیں | ہو جسے اندیشۂ صرصر تو وہ بُستاں نہیں

اے وطن! اے ہند! اے نام آوروں کی سرزمیں!

چشمِ باطن کے لئے تیری خزاں بھی ہے بہار | قلبِ ساکن کیلئے تیری خزاں بھی ہے بہار

اے وطن! اے ہند! اے نام آوروں کی سرزمیں!

برہمو سماج کے اثر نے ہندوستان کی پالٹکس پر ایسا گاڑھا رنگ چڑھایا ہے۔ کہ اس کو دُور کرنا اب ناممکن سا دکھائی دیتا ہے۔ کانگریس شروع سے مسلم نواز اس لئے تھی۔ کہ شروع سے یہ غیر ہندو تحریک تھی۔ بنگال مدراس۔ بمبئی وغیرہ تمام صوبوں کے لیڈنگ انگریزی اخبارات اس غیر ہندو ذہنیت کے لوگوں کے ہاتھوں آ گئے۔ جیسا کہ ہم پنجاب میں اپنے پُرانے اخبار ٹربیون کو دیکھ رہے ہیں۔ ویسے ہی تمام صوبوں میں ان انگریزی اخبارات کا اثر بعد میں نکلے ہوئے ورنیکلر اخبارات پر ہُوا۔ اور ہندوستان کا سارا پریس اس غیر ہندو ذہنیت میں رنگا گیا۔ لیڈروں کا بنانا اور بگاڑنا اس پریس کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے اختیار میں ہے۔ کہ کسی آدمی کو صرف اس لئے آگے لاکر آسمان پر چڑھا دیں۔ کہ وہ ہندو قوم کے ساتھ غداری کرنے پر تیار ہے۔ نہ صرف لیڈروں کا بنانا بلکہ عام لوگوں کے خیالات کو اپنے خاص ڈھانچے میں ڈالنا اپنا فرض سمجھ رکھا ہے۔ ہندوستان کے اندر ایک خاص قسم کا کرہ ہوائی پیدا کر دیا گیا ہے۔ جو بھی ہندو اپنی قوم کا درد رکھتا ہو۔ اور ان کے خلاف آواز اُٹھائے۔ یہ سب کے سب ایسا شور کرتے ہیں۔ کہ وہ آواز کسی کو سُنائی ہی نہیں دیتی۔

ہندو سنگٹھن کی ابتدا میں ہندو مسلم فسادوں میں نہیں سمجھتا۔ بلکہ مالا بار وغیرہ سے لیکر کوہاٹ تک کے واقعات ظہور میں آنے سے یہ ثابت ہُوا ہے۔ کہ کانگریس کی ہندو مسلم اتحاد کی پالیسی ناقابلِ عمل اور اُس وقت تک بے معنی تجویز ہے۔ جب تک کہ ہندوؤں کے اندر طاقت اور اپنا سنگٹھن موجود نہ ہو۔ اس لئے میں تو ہندو سنگٹھن کو اس ملک کی ملکی ترقی کا واحد راستہ سمجھتا ہوں۔ چاہے ہم کتنے ہی بائیکاٹ کریں۔ چاہے ہم کتنی ہی کانفرنسیں کریں۔ چاہے ہم کتنے بھی معاہدے کریں۔ میں عرض کرتا ہوں۔ کوئی بھی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔ جب تک ہندوؤں میں باہمی اتحاد اور سنگٹھن پیدا نہ ہوگا۔ ہماری بدقسمتی ہمارے ہندو سبھاؤں کے جو نیتا تھے۔ وہ ملک کے بڑے لیڈر تھے۔ اُن کا بڑا نام تھا۔ عام لوگوں نے ہندو سنگٹھن کی ضرورت کو سمجھ کر اُن کو مالی امداد بھی دی۔ لیکن اُن کی دلی اُمیدیں سنگٹھن کے ساتھ وابستہ نہ تھیں۔ ایک سال ہندو سبھا کے پاس لاکھ روپیہ کے قریب تھا۔ میں نے اس کے خرچ کا عجیب ہی ڈھنگ دیکھا۔ جو ہندو سبھا کو چلا رہے تھے۔ انہوں نے نہ تو اس کے لئے کام کرنے والے پیدا کئے۔ اور نہ کسی جگہ کوئی کام کیا۔ صرف ہر صوبے میں خاص حواری یا مددگار پیدا کرنے کے لئے کسی کو پانچ سو روپیہ اور کسی کو ہزار روپیہ ماہوار دے دیا گیا۔ تاکہ وہ اُسے ہندو سنگٹھن میں خرچ کریں۔ اگر میرے جیسے کسی شخص نے اس طریقے پر اعتراض کیا۔ تو وہ بعد کے لئے اُن کی نظروں میں کھٹکتا رہا۔ اس کے بعد سوامی شردھانند جی کی شہادت ہوئی۔ اُن کی قربانی کی بدولت پھر ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب اکٹھا کیا گیا۔ اس روپیہ کو بھی اسی طرح خرچ کیا جا رہا ہے۔ کسی کو دو چار سو روپیہ مل جاتا ہے۔ کہ وہ شدھی کا کام کریگا۔ کسی دوسرے کو کچھ اور مل جاتا ہے۔ کہ وہ اچھوت اُدھار کریگا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ روپیہ کا جائز استعمال ہے۔ یا ناجائز۔ کیونکہ بڑے لیڈروں کی شان میں ناجائز کہنا اپنے آپ کو بُرا بنانا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں۔ کہ اس روپیہ سے ہرگز وہ غرض پُوری نہیں کی جا رہی ہے۔ جس کے لئے سوامی شردھانند نے اپنی جان دی ہے۔

پچھلے سال میں تو ہندو سبھا کی میٹنگ بلانے میں ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جب سے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا معاملہ شروع ہُوا ہے۔ ہندو سبھا کے پاس کام ہی یہ رہ گیا ہے۔ کہ وہ بائیکاٹ کرے یا نہ کرے۔ یا اُسے چھوڑ کر کانگریس والوں نے جو نئے معاہدے تیار کئے ہیں۔ اُن کی بابت بحث کرتی رہے۔ اور اس بحث کی ساری غرض یہ کہ چاہے ہندو مہا سبھا میں کوئی بات پاس ہو یا نہ ہو۔ ہمارے لیڈر اُسے ان نئے معاہدوں کی حمایت میں ہندو سبھا کا کام لے سکیں۔

اگر ہندو سبھا کا صرف اتنا ہی کام رہ گیا ہے۔ کہ وہ کانگریسی خیالات کے پیچھے چلتی رہے تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہندو سنگٹھن کا خاتمہ ہُوا۔ اور ہندو سبھا کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ آیا سچ مچ ہندو سبھا کا سپرٹ رہ جائیگا۔ کیونکہ ہندو سبھا کے چلانے والے اس کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ پنجاب کے ہندوؤں سے میں یہ سوال خاص طور پر کرنا چاہتا ہوں۔ وجہ یہ کہ پنجاب میں سوامی دیانند کی تعلیم کی بدولت۔ آریہ سماج کے پرچار کی بدولت سوامی شردھانند جیسے مہا پرشوں کی قربانی کی بدولت ہندوپن کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ پنجاب کا صوبہ سرحد کے بالکل نزدیک ہے۔ اور اس طرف سے ملک کو یا ہندوؤں کو خطرہ ہے۔ اُسے پنجاب کے ہندو سب سے زیادہ محسوس کر سکتے ہیں۔ پنجاب کے ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ کہ وہ اس ملک میں ہندوپن کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں۔ یا نہیں۔ پچھلے انتخاب کونسل کے موقع پر جبکہ پنجاب ہندو سبھا نے فیصلہ کیا۔ کہ پنجاب کے ہندو ہندو ذہنیت کے اصحاب کو اپنے نمائندے بنا کر کونسلوں میں بھیجیں گے۔ پنجاب کے ہندوؤں نے اپنے ہندوپن کا نہایت اعلےٰ ثبوت دیا۔ اس وقت ہندو سنگٹھن کے لیڈر بھی ہمارے مددگار تھے۔ اُنہوں نے لاکھوں روپے چناؤ پر اسی لئے خرچ کرائے۔ کہ کانگریسی لیڈروں کے ہاتھ میں ہندو حقوق محفوظ نہیں ہیں۔ اور وہ اسمبلی میں جاکر کبھی ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔ آج پنجاب کے ہندوؤں کے سامنے سب کچھ موجود ہے۔ کہ کہاں تک ہمارے لیڈروں نے اُن وعدوں کو پُورا کیا ہے۔ اگر پنڈت موتی لعل نہرو اور اُن کی پارٹی ہی سب کچھ کر سکتی تھی۔ تو پچھلے چناؤ میں اتنا گودھم مچانے کی ضرورت کیا تھی۔ میرا جواب تو صاف ہے۔ کہ ہمارے ہندو لیڈروں نے اپنے اصُول کو چھوڑا ہے۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے ہندو سنگٹھن کی تحریک پر کلہاڑا چلایا ہے۔ پنجاب کے ہندو سوچ کر فیصلہ کریں کہ آیا وہ ہندوپن کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ ہندو سنگٹھن کی تحریک اگر زندہ رہیگی۔ تو پنجاب کے ہندوؤں کے سر پر۔ اور اگر یہ نہ چلے گی۔ تو اس کے نہ چلنے کا پاپ بھی پنجاب کے ہندوؤں کے سر پر ہوگا۔

(بھائی پرمانند)

سیاسی معاملات میں ہندو مسلم علیحدگی

فرقہ وارانہ ترقی قومی ترقی کا ایک جزو ہے

از ڈاکٹر محمد عالم صاحب بیرسٹر ایٹ لاء و ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل لاہور

ہندوستان میں اس وقت بالعموم اور پنجاب میں بالخصوص ملک کی ترقی اور بہبودی کے لئے جس چیز کی اشد ضرورت ہے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد ہے۔ میرا یقین واثق ہے۔ کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ہندوستان کی سیاسی۔ اقتصادی اور تمدنی ترقی کی راہیں مسدُود پڑی ہیں۔ تعجب یہ ہے۔ کہ فرقہ وارانہ خیالات کے راہنماؤں نے اس چیز کو قطعاً فراموش کر دیا ہے۔ کہ فرقہ وارانہ ترقی قومی ترقی کا ایک جزو ہے۔ جب تک قوم اپنے حقوق حاصل نہیں کرے گی۔ مختلف فرقہ جات بھی اپنے حصص سے محروم رہیں گے۔ بالفرض اگر کسی فرقہ کے حقوق کو نصف تسلیم کر لیا جائے تو جس وقت کل قوم کا حصہ پچاس ہوگا۔ تو اسے بھی پچیس مل جائیں گے۔ لیکن دوسری صورت میں اگر اسی فرقہ کے حصہ کو ہے بھی مان لیا جائے۔ اور کل قوم کا حصہ صرف بیس ہو۔ تو لازم ہے۔ کہ فرقہ کے حصہ میں صرف پندرہ ہی شمار ہوں گے۔ اس کے علاوہ کھُلی ہوئی بات ہے۔ کہ فریقین کے حصص کی تقسیم کا سوال صرف اسی وقت پیش آسکتا ہے۔ جب وہ چیز میسّر ہو جائے جس کی تقسیم مطلوب ہے۔ بدقسمتی سے ہندو مسلمان جائداد کے حاصل کرنے سے پہلے ہی اس کی موہومہ تقسیم میں مصروف ہوکر برسرپیکار ہو گئے ہیں۔ نہرو کمیٹی کی رپورٹ کا بہترین مقصد یہی ہے۔ کہ ہندو مسلم علیحدگی کو سیاسی معاملات میں قطعاً دائمی طور سے مٹا دیا جائے۔ یہ رپورٹ اگر ملک نے قبول کر لی۔ تو وہ دن دُور نہیں ہے۔ جب سیاسی معاملات میں لوگ ہر چیز کو ہندوستانی نکتہ نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور ہندو مسلم نقطۂ نگاہ کو بالکل فراموش کر دیں گے۔ اُس وقت مذہبی نقطۂ نگاہ مذہبی معاملات کے لئے محدُود ہو جائیگا۔ اور ملکی سوالات کو صحیح سیاسی رنگ میں دیکھا جائے گا۔ اور اسی رنگ میں اس کا تصفیہ کیا جائیگا۔ وہی دن ہندوستان کی خوش نصیبی اور خوش وقتی کا پیغام لائیگا۔ وہ اخبارات جو ہندو مسلم کشیدگی کو بڑھانے میں مصروف ہیں۔ اپنی مادرِ وطن کے خلاف بدترین جرم کے مرتکب ہیں۔ اور ملک میں وہ ناپاک ہوا پیدا کر رہے ہیں۔ جس کے زہریلے اثر نے ہندوستان کی آب و ہوا کو خراب کر دیا ہے۔

فرقہ وارانہ مدارس اور کالجوں کے طلبا بھی موجودہ کشیدگی کے بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔ ان فرقہ وارانہ درسگاہوں سے وہ ایسی ذہنیت لے کر نکلتے ہیں۔ کہ خود عمر بھر اسی مرض میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اسی بیماری سے متاثر کرتے ہیں۔

تیسری چیز جس نے ملک کی ہوا کو اس قدر غلیظ کر دیا ہے۔ وہ مجالس وضع آئین و قوانین ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں کے جداگانہ اور فرقہ وارانہ انتخابات ہیں۔ جب تک ہم ان تینوں امراض کا علاج نہیں کریں گے۔ ہندو مسلم کشیدگی کی بیماری بڑھتی جائے گی۔ اور ملک کبھی ترقی نہ کر سکیگا۔ اور نہ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ سکیگا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ لوگ حلفاً ایسے اخبارات کو خریدنا چھوڑ دیں۔ جن کی زندگی کا دار و مدار مختلف فرقہ جات کی کشیدگی پر ہے۔ ملک میں کوئی تعلیم گاہ کسی خاص فرقہ کے لئے مخصوص نہ رہے اور وہاں عداوتی ذہنیت کو پیدا نہ کیا جائے۔ انتخابات میں علیحدگی اور جداگانہ حیثیت کو ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دیا جائے۔ اور فرقہ وارانہ جد و جہد کو اس طریق سے ختم کر دیا جائے۔ ازاں بعد نہ تو اس ملک میں غلامی رہیگی اور نہ ہی موجودہ زوال قائم رہے گا۔

رام کہانی

حقوق محفوظ

حقوق محفوظ

از قلم منشی نو بند پرساد صاحب رما عاشق

قصۂ زخمِ جگر سوزِ نہانی سُن لو + لُطف آجائے اگر میری زبانی سُن لو
بسکہ عاشق کے ہیں لب ہائے ترنم پُرسوز + فتحِ لنکا کی خوشی میں یہ کہانی سُن لو

ہُوا لنکا پتی راون جو شِو بھگتی پہ ابھمانی + ملا وردان جب بل کا تو اُس نے اور ہی ٹھانی
ستانا بیکسوں کا اُس نے سمجھا کارِ انسانی + غضب دیکھو کہ بن بیٹھا جہاں میں ایشور ثانی
جلال و جاہ و حشمت کرو فر میں اس قدر بھُولا
کہ اپنے ساتھ ہی ایشور کی ہستی تک کو وہ بھُولا

غضب ڈھانا ستم کرنا ہُوا اک شغلِ بیکاری + اُڑا دیں گردنیں رشیوں کی لے کر تیغ دو دھاری
شرابی بڑھ گئے پھرنے لگے گلیوں میں بیوپاری + دُکھی من سے پکار اُٹھے زبانِ دل سے زناری
زیادہ اب ستم بھگوان ہم سے اُٹھ نہیں سکتا
یہ دورِ ظلم کیا تیرے کرم سے اُٹھ نہیں سکتا

تُلے ہیں آج خنجر بے زباں گئوؤں کی گردن پر + کسی کی آنکھ شہرت پر کسی کے دانت ہیں دھن پر
گماں ہے شب اندھیری کا طلوعِ روزِ روشن پر + زباں پر اختیار اپنا نہ قابو اپنے تن من پر
پھنسی ہیں آتمائیں اس طرح غیروں کے پنجے میں
کہ جکڑی ہوں اِن جس طرح دانتوں کے شکنجے میں

یتیموں کا ادھر رونا۔ اُدھر دیوؤں کا نالا + نہ کوئی اُن کا پُرساں ہے نہ کوئی پوچھنے والا
کھُلے مُنہ کس طرح سے جب زباں بندی کا ہو تالا + نہ کوڑی تک ہے اپنے پاس وہ کہتے ہیں کہ لا - لا
یونہی ہم مارے مارے خانماں برباد پھرتے ہیں
ہم اپنے گھر میں قیدی اور وہ آزاد پھرتے ہیں

ہُوا ہے پاپ کیا ہم سے ہوئیں کیا ہم سے تقصیریں + ادھر تقدیر اُلٹی ہے اُدھر بے سُود تدبیریں
نہ تحریروں کی گنجائش ہے نہ کر سکتے ہیں تقریریں + دکھائیں کس طرح سے دردِ دل کس طرح دل چیریں
ستم ہے اس سیہ بختی میں تم بھی دُور جا بیٹھے
پھرا لی آنکھ آسن "چھیر ساگر" میں لگا بیٹھے

لو دیکھو بھگت کے مجمع پہ اگنی بان وہ برسا + کوئی ماتا بلکتی ہے کوئی بالی کو وہ ترسا
جہاں آزادی چھن جائے کوئی ہو گھر بھی وہ گھر سا + چلا وہ تیر- وہ خنجر- وہ شمشیر اور وہ پھرسا
نہ دیکھا ظلم ہم نے آج تک ایسا زمانے میں
لگا دی آگ ہم کو بند کر کے آشیانے میں

بہت کچھ ہو چکا بھگوان غضب ہم پر ستم ہم پر + ہماری آنکھ تکتی ہے کہ کب ہوگا کرم ہم پر
وگرنہ یاد رکھو پا گیا قابو جو غم ہم پر + گڑ پر بیٹھے ہی بیٹھے کر دوگے چشم نم ہم پر
نہ ہم ہونگیں نہ دل ہوگا نہ دل کے حوصلے ہونگیں
نہ تو ہوگا نہ بھگتی کے کسی کے ولولے ہونگیں

سُنا ہے کہ گرڑ تجتے ہو ننگے پاؤں دوڑتے ہو + ہماری بات کیا گجراج تک کو جب بچاتے ہو۔
جٹایو پر دیا کر کے دیا اپنی دکھلاتے ہو + کبھی آنسو بہاتے ہو کبھی مرہم لگاتے ہو
نہ آؤ گے جو ایسے وقت پر تم مہرباں ہوکر
زمیں کو سے رادن رنج دیگی آسماں ہوکر

ستم ڈھاتا ہے کیا کیا ہم پہ ظالم آسماں سُن لو + ذرا گوشِ کرم سے قصۂ دردِ نہاں سُن لو
زبان آہ سے کہنے کو ہیں کچھ بے زباں سُن لو + نہ یوں آنکھیں چراؤ ہم سے ہوکر مہرباں سُن لو
اُبھارا آہ نے جل کر ہمارے دل کے چھالوں کو
یہ بے اثری کا ڈر ہے کہ دبا لیتے ہیں نالوں کو

نہ پہونچی آپ کے کانوں تک آواز کیوں بھگوان + سلب ہے آہ دل کی طاقتِ پرواز کیوں بھگوان
ہے تیری ہم پہ یوں چشمِ غلط انداز کیوں بھگوان + کیا کرتے ہیں ظالم آج کل یوں ناز کیوں بھگوان
ملیگا کب جواب اِن دُکھ بھرے دِل کے سوالوں کا
سُنوگے کب بڑے کانوں سے دُکھڑا خستہ حالوں کا

چلی آتی ہے ہوئے سوزشِ دل آہ بسمل سے + نظر سے- آنکھ سے- جاں سے جگر سے روح سے- دل سے
ہُو فریاد بن کر اُڑ رہا ہے تن کی ساحل سے + وہ کیا نالے کرے جو سانس بھی لیتا ہو مشکل سے
گھری اتنی بلاؤں سے ہماری زندگانی ہے
الم ہے۔ رنج ہے۔ غم ہے۔ ستم ہے۔ ناتوانی ہے

درِ مشکل کشا پر آخرش آہ رسا پہونچی + پربھو کے کان میں یہ التجا بیساختہ پہونچی
درِ دار الشفا پر جب دوا لینے دُعا پہونچی + تو رحمت اُس کی بول اُٹھی کہ ٹھہرو میں بھی آ پہونچی
پسیجا دِل کوئی بیکنٹھ سے نیچے اُتر آیا
علاجِ دردمنداں بن کے وہ دسرتھ کے گھر آیا

بیاں کس مُنہ سے ہو دسرتھ کے گھر میں بالپن اُس کا + گُلِ نازک سے بھی بڑھ چڑھ کے تھا نازک بدن اُس کا
سنبھلنا ہی نہیں تھا بانکپن سے بانکپن اُس کا + کنول دِل کا کھِلا دیتا تھا غنچہ سا دہن اُس کا
رسیلی آنکھ تھی چنچل کمر تھی توتلا پن تھا
کٹورا گویا اک سنگار رس کا روئے روشن تھا

اُدھر گفتار میں لکنت اِدھر رفتار میں شوخی + بھری تھی سر بسر چشمِ پری رخسار میں شوخی
عجب انداز تھے اقرار میں- انکار میں شوخی + تبسم کرتی تھی لب ہائے گوہر بار میں شوخی
غضب تھا- شوخ تھا- آفت تھا چنچل تھا سلونا تھا
کشش تھا- برق تھا- کیا کیا نہ تھا- جادو تھا- ٹونا تھا

ہُوا رخصت لڑکپن لو پیغامِ شباب آیا + ضیا بڑھتی گئی پورے کرن پر آفتاب آیا
اسی پردے میں مظلوموں کی آہوں کا جواب آیا + ستمگر اک زباں ہو کر پکار اُٹھے عذاب آیا
ستمگر کانپ اُٹھے دل میں لرزہ ہو گیا پیدا
اُدھر بیمارِ غم خوش تھے مسیحا ہو گیا پیدا

اُڑایا تاڑکا کا سر کیا پاون اہلیا کو + اُدھر دھائے وہ دشوامتر جی کی بن میں رکشا کو
دھنش توڑا جنک کا اور لائے بیاہ سیتا کو + یہ سوجھا ایک دن رگھوپت ضعیف العمر راجہ کو
بڑھاپا آ گیا آخر میرا مرنے کا کال آیا
وہ ہے کس کام کا جب شیشۂ ہستی میں بال آیا

ارادہ کر لیا کہ رام کو راجہ بنا ہیں گے + اُدھر گوشہ میں بیٹھے ہم پربھو سے لو لگائیں گے
اُنہیں معلوم کب تھا کہ بُرے دن آخر آئینگے + دُلارے رام کو حکم جلا وطنی سنائیں گے
کیا پل بھر میں ہی اندھیر اک نازک سی ہستی نے
کیا برباد دسرتھ راج کو صورت پرستی نے

عجب ہوتے ہیں اکثر حسنِ عالمتاب کے لٹکے + لئے وردان رانی کیکئی نے ان بے کھٹکے
جو مانگا رام کا بنواس دے کر بین کے جھٹکے + تو دسرتھ جی کے سانس لو پران ہونٹوں پہ آ اٹکے
دکھایا ایک عالم کو زباں پر بات پر مر کر
بچایا مان مریادا کو اپنی آتما دے کر

سُنی سیتا نے جب رگھوناتھ کے بنواس کا چرچا + کلیجہ مُنہ کو آیا قطرۂ خونِ جگر ٹپکا
کسی حالت میں چھوڑیگی نہ سوامی کو پتی برتا + وفا کے ولولے اُٹھے جگر میں حوصلہ آیا
سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
مگر اک جوشِ الفت ہے جو اپنا ہاتھ دیتا ہے

میں اُن کی ہوں وہ میرے ہیں تو کیسے ساتھ چھوٹیگا + پتی پتنی کا رشتہ مرتے مرتے بھی نہ ٹوٹے گا
جو قسمت اُن کی بگڑی ہر نصیبہ میرا پھوٹیگا + اگر افلاک لوٹیگا تو ہم دونوں کو لوٹے گا
اگر میں گل ہوں تو وہ گل کی خوشبو اور رنگت ہیں
میں اُن کے جسم کی رگ ہوں وہ رگ میں خوں کی حرکت ہیں

بہت سمجھایا سیتا کو مگر سیتا نے نہ مانا + کہا با چشمِ افسردہ میرے جیون کے کاشانہ
شمع سے دُور رہتی ہے کبھی دُنیا میں پروانہ + پربھو چرنوں کی دُوری سے میرا بہتر ہے مرجانا
جُدائی میں مجھے رنواس بھی مانندِ جنگل ہے
اگر ہیں آپ میرے ساتھ تو جنگل میں منگل ہے

چرن کومل بہت ہیں آپکے آنکھیں بچھاؤں گی + میں پلکوں سے زمیں جھاڑوں گی اور کانٹے اُٹھاؤں گی
لگے گی بھوک تو پھل جا کے بن سے توڑ لاؤں گی + جدھر جاؤ گے سایہ کی طرح میں سنگ جاؤں گی
ملیں پروانہ نہیں وہ جو رہے دُور اور شکست پر
میں وہ بلبل نہیں جو ہو رہے دور اور شکستہ پر

وجے دشمی پر ایک نظر

ویر کھشتریوں کا تہوار

(از راؤ بہادر ماسٹر آتمارام جی راج رتن - بڑودہ)

وجے دشمی کا تیوہار بھارت ورش کے سب حصوں میں ویر کھشتریوں کا تیوہار مانا جاتا ہے۔ پنجاب اور شمالی ہند میں اس دن سے پہلے رام لیلا کے سوانگ نکلتے اور رام چندر مہاراج کے جیون کی عجیب وغریب گھٹنائیں پبلک کے سامنے لیلا یا ناٹک کے روپ میں رکھی جاتی ہیں۔ دیسی ریاستوں میں ہندو راجے دسہرہ کے دن بڑا بھاری دربار صبح کو بھرتے اور سہ پہر کو درباری ٹھاٹھ کے ساتھ راجہ جی کی سواری نکلتی ہے۔

پرانے زمانہ میں جب برسات ختم ہو جاتی - اور سڑکیں ٹھیک ہو جاتی تھیں۔ تو دسہرہ کے دن فوجیں اپنے برساتی مقامات کو چھوڑ کر خاص خاص جگہ جانے کے لئے تیار ہو کر نکلا کرتی تھیں۔ راجپوتانے میں دسہرہ کا تیوہار بڑا ہی سبق آموز اور ویرتا کا روپ لئے ہوتا ہے۔

اگر ہم تواریخ پر نگاہ ڈالیں۔ تو معلوم ہوگا - جیسا کہ حال میں ہی بڑودہ راجیہ کے نامی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن پنڈت وکٹنت جی - بی۔ اے - ایم - ایس - پی نے ایک بھری سبھا میں جبکہ مہاراجہ صاحب بڑودہ چیئرمین تھے۔ کہا تھا - کہ !-

"اودے پور یا چتوڑ کے راناکے خاندان کے راجے ملک گیری کرنے کی غرض سے دسہرہ کے دن بھارت سے باہر گئے۔ اور ایک نہائت عظیم الشان تخت کے مالک ہوئے۔ ارتھات جاپان کی راج گدی پر بیٹھے۔ اس وقت میکاڈو جو جاپان کے مہاراجہ ہیں۔ وہ درحقیقت چتوڑ کے سوریہ بنسی راناؤں کے رشتہ دار ہیں۔ گویا اس وقت جاپان میں ویر راجپوتوں کا راج ہے لائق لیکچرار نے یہ بھی کہا - کہ جاپان کے قومی جھنڈے پر سورج کی تصویر ہے۔ اور یہی سورج کی تصویر رانا پرتاپ کے جھنڈے پر تھی - اور اب بھی ہر ایک سوریہ بنسی راجپوت کا یہی جھنڈا ہے۔ افسوس کی بات ہے۔ کہ ہندو بھائیوں کو یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ دسہرہ کے تیوہار کا اصلی مطلب کیا ہے ؟ خیر اس وقت ضرورت ہے۔ کہ لوگ دسہرہ کے ایام میں مردانہ کھیلیں دیکھیں - یا کیا کریں۔ اور تواریخی اندولن میں وقت دے کر اپنے دیش کے ویروں کی امر کیرتی کو دوبالا کرنے کیلئے کوشاں ہو سکیں

نہ چھوڑا لکشمن نے بھی اکیلے اپنے بھراتا کو + گئے تینوں یہی منظور تھا شاید بدھاتا کو
یہ مطلق غم ہوا اسباب سے لکشمن کی ماتا کو + بھرت جی نے کہا بھگون ادھر بھی تو ذرا تاکو
نہ چھوڑو نیم جاں مجھ کو مجھے بھی ساتھ چلنے دو
کرو تم راج بیٹھے، گھر سے مجھ کو ہی نکلنے دو
پتنگے کی طرح جان وجگر قربان کرنے دو + شمع پر ایک پروانے کو کچھ احسان کرنے دو
نظر بھر کر ہر اس کو روپ کا جل پان کرنے دو + نہ روکو یوں چرن سیوا مجھے بھگوان کرنے دو
نہیں ہیں قطرۂ آنسو یہ ساگری ہے اُوچن کی
ٹپکتے ہیں نہیں آنسو۔ منقطر ہو دشاسن کی
لگا دی تخت پر ٹھوکر صداقت ہو تو ایسی ہو + اگر دل میں تمنا ہے حکومت ہو تو ایسی ہو
جہاں والو اگر تصویر الفت ہو تو ایسی ہو + کبھی بھائی سے بھائی کو محبت ہو تو ایسی ہو
بربھو سنتان کے بدلے نہ یوں خنجال پیدا ہوں
اگر پیدا ہی ہونے ہوں بھرت سے لال پیدا ہوں
ذرا اجہان والو راون مغرور کو دیکھو + ڈرو - لرزو - ستمگارو - سر فخفور کو دیکھو
نظر ڈالو ذرا قدرت کے بھی دستور کو دیکھو + جفا کرنے سے پہلے زمانہ زنبور کو دیکھو
جو ہیں ابھیمان میں پھولے مٹا تا ہے غرور ان کو
ٹھکانا تک نہیں ملتا کہیں نزدیک و دور ان کو
بھرت سیکھو تو عاشق محبت میں فنا ہونا + لکھن سے وقت بد میں عمر دوں کا آسرا ہونا
سری رگھنا تھ جی سے ملک پر قربان ہونا + سیا رانی سے سیکھے کوئی عصمت پر فدا ہونا
سبق لنکا پتی راون کے بھی ابھیمان سے سیکھو
اگر سیوا کا گُر ہے سیکھنا - ہنومان سے سیکھو

مشرقی اور مغربی تہذیب کا مقابلہ

دو نادر تاریخی واقعات

(شری نارائن سوامی جی مہاراج پردھان آل انڈیا آدین لیگ دہلی)

رام چندر کا راج سے محروم ہو کر بن جانا اور رام چندر کی اس مفارقت سے دسرتھ کا مرنا رامائن کے مشہور واقعات ہیں۔ ان واقعات کا سبب بھی مشہور ہی ہے کہ منتھرا داسی کی تحریک سے مہارانی کیکئی کا راجہ دسرتھ سے بر مانگ لینا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ کیکئی اور منتھرا کے اس عمل سے اودھ میں بھاری ناراضی پیدا ہوئی - اگر راج منتریوں نے ایک طرف کیکئی کے ملامت کی تو دوسری طرف راج بھر دست دشمنشٹھ نے بھی اسکو اچھا نہیں سمجھا۔ اور اوسنی نے اس بہت بے چینی کا ذمہ دار کیکئی کو ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ ان واقعات کے گذر جانے کے بعد اپنے نانا کے گھر سے بھرت اور شترگھن واپس آتے ہیں۔ اور اسی ان کی بربادی کا ناخوش آئندہ نظارہ دیکھکر رنج اور غصہ میں بھر جاتے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہی واقعہ ہے جو مشرقی تہذیب کا ایک خوش کن پہلو دنیا کے سامنے رکھتا ہے۔ شترگھن اتفاق سے وہاں پہنچتے ہیں جہاں بدقسمت اور بدکردار منتھرا کھڑی تھی۔ ایک راج کرم چاری شترگھن کا خیال ادھر دلا کر کہتا ہے۔ کہ دیکھو یہی منتھرا ہے جس کی وجہ سے اودھ کا راج برباد ہوا ہے۔ شترگھن غصہ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کہ یہ بدکردار اپنی کرنی کا بھوگ کرے اس کو پکڑ کر مار ڈالنے کے لئے گھسیٹنے لگتے ہیں۔ کیکئی انہیں روکنا چاہتی ہے۔ لیکن شترگھن کیکئی کو پھٹکار دیتے ہیں۔ کیکئی بھرت کے پاس جاتی ہے اور بھرت موقعہ واردات پر آ کر شترگھن سے کہتے ہیں کہ ہماری تہذیب میں استریاں ناقابل قتل ہیں۔ اس لئے تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔ اس سے درگذر کرو۔ اگر رام چندر سن لیں گے کہ تم نے منتھرا کا قتل کیا۔ تو وہ تمہاری اور میری دونوں کی صورتیں دیکھنا بھی روا نہ رکھیں گے[1] شترگھن یہ سنتے ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیتے ہیں۔ واقعہ پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ہے صاف ظاہر ہے کہ مشرقی تہذیب میں عورتوں کی کتنی زیادہ عزت جائز ٹھہرائی گئی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

پندرھویں صدی جبکہ یوروپ میں موجودہ امن وجود پذیر نہیں ہوا تھا۔ فرانس اور انگلینڈ میں لڑائی جاری تھی۔ انگلینڈ کوشش کر رہا تھا۔ کہ فرانس کو بھی ہندوستان کیطرح ہڑپ لے۔ اور اُس نے اس مذموم ارادہ کی تکمیل کی غرض سے فرانس کے کئی شہروں پر قبضہ بھی کر لیا تھا انہیں شہروں میں سے ایک شہر ریمز تھا۔ جو اسی وقت فرانس کا ایک بڑا ضروری مقام سمجھا جاتا تھا۔ فرانس میں اس شہر کے چھین جانے سے نا امیدی پیدا ہوئی۔ لیکن انگلینڈ میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ یہی حالت تھی جب فرانس میں ایک دہقان کے گھر میں ایک لڑکی جس کا نام جان تھا۔ پیدا ہوئی۔ لڑکی جوان ہوئی اس نے ایک جگہ فرانس کے بہت لوگوں کو جمع کر کے منادی کی کہ مجھ کو خدا نے فرانس میں اس لئے بھیجا ہے کہ میں ریمز کو دشمنوں سے خالی کر کے اور وہاں فرانس کے راجہ کا جشن تاج پوشی ادا کروں۔ واقعہ غیر معمولی تھا۔ فرانس میں اس سے بہت خوشی کی گئی۔ لڑکی نے فوج کے افسروں کو اچھی اچھی صلاحیں دیں جس سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اب آئندہ کی لڑائیوں کا رُخ بدل گیا پے در پے فرانس کی جیت اور انگلینڈ کی ہار ہونے لگی۔ لڑکی کی پیشین گوئی کے مطابق ریمز پھر فرانس کے قبضہ میں آ گیا۔ اور وہاں اس لڑکی جون نے راجہ کی رسم تاج پوشی ادا کی۔ اور فرانس کے راجہ کی اس طرح سے رسم تاج پوشی ادا کرنے کے بعد اُس نے اعلان کر دیا کہ وہ جس کام کے لئے آئی تھی۔ وہ کام پورا ہو گیا۔ واقعات اپنا سلسلہ یہاں تک پورا کر چکے تھے کہ کسی طرح سے انگلینڈ کے باشندوں نے اُس لڑکی کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ کہ اُس کو زندہ جلا دیا گیا۔ ایسی بہادر لڑکی کے ساتھ اس بزدلی کا برتاؤ کر کے انگلینڈ نواسیوں نے یوروپ کی تاریخ کا ایک ورق سیاہ کر دیا۔ یہ دوسرا واقعہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مغربی تہذیب میں عورتوں کی کتنی عزت روا رکھی گئی ہے تہذیب کا حسن وقبح جن کسوٹیوں سے جانا جاتا ہے اس میں عورتوں کی عزت اور بے عزتی کرنیکا خیال ایک خاص جگہ رکھتا ہے۔ ان دونوں واقعات سے [2] پرانی اور نئی تہذیب کا کھلا ہوا نمونہ دنیا کے سامنے ہے وہ دیکھے - جانچ کرے - اور اپنے لئے ضروری نتیجہ اخذ کرے۔

[1] دیکھو بالمیکی رامائن اجودھیا کانڈ۔

ہندوؤں کی عزت آزادی اور دھرم کا محافظ سنگھٹن ہی ہو سکتا ہے

غلامی کا جوا

ہندو سنگھٹن کی راہ میں کئی مشکلات

اس کا بدل کہیں گراں اور گردن شکن ثابت نہ ہو۔

(شریمان ڈاکٹر گوکل چند صاحب نارنگ بیرسٹر و ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے قلم سے)

باوجود اتنے شور کے ہندوؤں کا سنگھٹن نہیں ہوا۔ اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ حالات حاضرہ اس کے شاہد ہیں۔ ملٹ وغیرہ کے سانحہ جات کا ہندوؤں پر کچھ اثر ہوا۔ مگر کافی نہیں ہوا۔ کسی اور قوم پر اتنی مصیبت نازل ہوتی۔ تو کب کی متحد ہو گئی ہوتی۔ اور اس کے لیڈر ایک دوسرے کی پگڑیاں اُتارنے کی دل لگی کا خواب تک نہ لیتے۔ بہت مدت ہوئی۔ ایک انگریز مورخ نے لکھا تھا۔ کہ گزشتہ ہزار برس میں ہندوؤں نے نہ کچھ سیکھا ہے۔ اور نہ ہی اپنی پرانی باتوں کو بھلایا ہے۔ یہ بات آج بھی ویسی ہی درست ہے۔ حالانکہ ہندوؤں نے سینکڑوں سکول بنائے اور بیسیوں کالج کھولے۔ اور تاریخ کی اتنی ورق گردانی کی۔ مگر آج تک ان کو کوئی نصیحت نہیں آئی۔ انتشار ان کو پیٹتا کوٹتا گیا۔ مگر یہ گیلی مٹی کی گیلی مٹی ہی رہے۔

اس ناکامیابی کی کئی وجوہات ہیں۔ اول تو میری رائے میں ہندو مذہب کی ابتدا ہی اس طرح ہوئی۔ اور اس کی نشوونما اس طرز پر ہوئی کہ نہ ہندوؤں کو کبھی سنگھٹن کی ضرورت محسوس ہوئی اور نہ انہوں نے سنگھٹن کے وسائل پر کبھی غور کیا۔ جب اسلام نمودار ہوا۔ اور جونہی نمودار ہوا۔ اس کی مخالفت شروع ہو گئی بلکہ اسلام کی نظروں میں بنی نوع انسان دو جماعتوں میں منقسم ہو گئے۔ مسلم اور غیر مسلم۔ غیر مسلموں نے ترقی اسلام کے رستہ میں رکاوٹ ڈالی۔ اس لئے اسلام نے غیر مسلموں کو اپنا دشمن قرار دیا۔ اور مسلم کی ساری زندگی ہی ایسے سانچہ میں ڈھال دی کہ ۱۳۰۰ برس کے عرصہ میں اس میں کوئی تبدیلی یا نرمی واقع نہ ہوئی۔ بیرونی دباؤ سے یا اندرونی کشمکش سے یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام کو ہر دو سے فائدہ پہنچا۔ مسلمانوں کی یکجہتی مذہبی فرائض۔ شرعی احکام۔ تنظیم یافتہ فوج اور فوجی قواعد کی یاد دلاتے ہیں۔ جب سکھ پیدا ہوئے۔ تو کچھ عرصہ بعد ان کی بھی مخالفت شروع ہو گئی۔ اس لئے ان کی بھی کچھ تنظیم ہو گئی۔ اور اخوت یعنی بھائی پن کا مادہ نشوونما پا گیا۔ ہندو دھرم جب نمودار ہوا نہ کوئی اور مذہب تھا۔ نہ کوئی دیگر شاخ تھی۔ نہ کوئی منتظم قوم جو اس کے مدمقابل ہو سکتی۔ یہ ایک ایسے درخت کی طرح بڑھا جس کے لئے زمین اور آب و ہوا موافق تھی۔ اور کسی قسم کے مخالف اثرات موجود نہ تھے۔ ہزارہا سال اس کی یہی کیفیت رہی۔ یہ ہندوازم کا نقص نہیں۔ مگر حالات مختلف ہونے کی وجہ سے کمی ضرور ہے۔ جو ہندو دھرم کو بطور ہندو دھرم ناقص نہیں بناتی۔ مگر سنگھٹن کے کام کو زیادہ مشکل اور سنگھٹن کی کوشش کو زیادہ ضروری ضرور بناتی ہے۔

دوسری وجہ بعض لوگوں کی رائے میں یہ ہے کہ ہندو سنگھٹن کے لیڈر انگریزی خواندہ لوگ بن گئے۔ جن کا ہندو دھرم پر کافی وشواس نہ تھا۔ یا کم از کم انگریزی تعلیم نے ان کے دل و دماغ میں اتنی تبدیلی پیدا کر رکھی تھی۔ کہ ہندو مذہب بطور ایک مذہب کے ان کو بہت اپیل نہ کر سکتا تھا۔ روشن دماغی ایک وصف ہے مگر کسی مذہبی جماعت کے سنگھٹن کے واسطے نہایت ضروری ہے۔ کہ اس کے مذہبی عقائد کا بھی کچھ اثر لیڈروں کے دل پر ہو۔ جوش اور سرگرمی ضعیف الاعتقادی سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے واسطے عقیدت نہایت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص کو ایک خاص مذہب ہی سچا معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے واسطے وہ اس کے پیروؤں کی تنظیم کی ضرور دل و جان سے کوشش کرے گا۔ ملاؤں اور پنڈتوں کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔ مگر کسی مذہبی جماعت کی تنظیم بطور ایک مذہبی جماعت کے ان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جب کبھی ہندوؤں کی تنظیم ہوتی ہے۔ اس کی تہہ میں راسخ الاعتقادی و عارفانہ شردھا اور پریم جس کو بعض لوگ مذہبی دیوانگی بھی کہہ دیتے ہیں۔ ہمیشہ پائی گئی ہے۔ رامداس کے بغیر شیواجی نہ ہوتے۔ گوروؤں کے بغیر سکھ نہ ہوتے۔ سوامی دیانند کے بغیر آریہ سماج جو ہندوؤں میں سب سے منظم جماعت ہے۔ نہ ہوتا۔ انگریزی خواندوں نے بھی مذہبی جماعتیں بنائیں۔ مگر ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ راجہ رام موہن رائے اور کیشب چندر سین کی کوششیں قابل قدر ہوں۔ مگر ہندو قوم پر نمایاں اثر نہ کر سکیں۔ جس وقت ہندو سنگھٹن کا کام کسی مذہبی دیوانے کے ہاتھ میں آئے گا حل ہو جائے گا۔ اس رائے میں کچھ صداقت ہے۔ مگر مذہبی دیوانگی کی چنداں ضرورت نہیں۔ بشرطیکہ ہندو دنیاوی مفاد کو ہی محفوظ کرنے کی ضرورت کو محسوس کریں۔ اور ان تمام طاقتوں کا جو بطور مذہبی طاقتوں کے نہ سہی دنیوی معاملات میں ہندوؤں کے قلع قمع کے درپے ہیں۔ مقابلہ کر سکتے۔

میری رائے میں سوشل اور پولیٹیکل بنیاد پر ہندو سنگھٹن اور بھی مضبوط ہو سکتا ہے۔

تیسری وجہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی حصول سوراجیہ کے واسطے حد سے بڑھی ہوئی بیتابی کی نمائش ہے۔ متحدہ قومیت کا خواب ان کو حد سے زیادہ پریشان کرتا ہے۔ اس کے واسطے وہ ہر وقت Short cuts کی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر قسم کے ایثار قربانی کے لئے تیار رہتے ہیں۔ قوم پرست کہلانے کے شوق میں بعض ملت فروش ہو جاتے ہیں۔ محب الوطن لوگ مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ کون ہے جو اپنے ملک کو غلامی سے آزاد نہیں کرانا چاہتا۔ مگر مسلمان مسلمان رہ کر آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ مولانا شوکت علی جنہیں عام مسلمانوں کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ علانیہ کہتے ہیں کہ وہ مسلم محب الوطن ہیں۔ اور اسلام کے واسطے جان قربان کرنا سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں میں بہت کم دوراندیش اور نکتہ رس ہیں۔ زیادہ تر محض جوشیلے مگر فراست اور دقیقہ رسی سے خالی ہیں۔ تھوڑے سے ہیں۔ جن کا نقطہ نگاہ ہندو نقطہ نگاہ ہے۔ یہ فلاں پارٹی تو یہ چاہتی ہے۔ کہ ہم آزاد ہوں مگر ایسے آزاد ہوں کہ پھر کسی غلامی میں نہ پڑ جائیں۔ خواہ جدوجہد میں دیر ہی لگ جائے۔ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی اکثریت لفاظی فصاحت اور بلاغت کی رو میں بہہ رہی ہے۔ اور قومیت کا نشہ ان پر اتنا چڑھا ہوا ہے کہ ہندوستانی پہلے ہیں۔ اور ہندو پیچھے۔ اور خواہ وہ بحیثیت ہندو زندہ رہیں یا نہ۔ وہ موجودہ جوئے کو گردن سے اُتارنا چاہتے ہیں۔ خواہ اس کا بدل موجودہ جوئے سے بھی گراں اور گردن شکن ہو۔ حب الوطنی کا جذبہ نہایت مقدس جذبہ ہے اور کوئی شخص اس کی مذمت نہیں کر سکتا۔ مگر ساری طاقت اگر عنقائے قومیت کی تلاش میں خرچ ہو جائے۔ تو ہندو سنگھٹن کی ناکامیابی پر کوئی تعجب نہیں کر سکتا۔ اور نہ ایسے ہندوؤں کو کوئی افسوس ہو سکتا ہے۔ جب تک کوئی دوسری تحریک مقدم اور سنگھٹن مؤخر رہے گا۔ کوئی کامیابی سنگھٹن میں نہیں ہو سکتی۔ بنگالی ہندو قوم پرستی اور فصاحت اور بلاغت اور اعلیٰ قومی جذبات کے اظہار کے واسطے سب سے شہرت رکھتے ہیں۔ اور نسبتاً اتنا ہی ان کا اپنی جماعت کی طرف کم خیال ہے۔ اس کا نتیجہ مفصلہ ذیل اعداد نہایت صفائی سے بتا رہے ہیں۔ ۱۸۸۱ء سے پہلے بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اس کے بعد ہر دس ہزار کی آبادی کو لے کر ۱۸۸۱ء میں مسلمانوں کی ترقی ہوئی دس ہزار ہوئی۔

۱۸۹۱ء میں ۱۰۲۰۔ ۱۹۰۱ء میں ۱۰۹۱

۱۹۱۱ء میں ۱۱۰۷ ۱۹۲۱ء میں ۹۸۳

دوسرے لفظوں میں جوں جوں کانگریس زور پکڑتی گئی۔ اور بنگالی ہندو زیادہ قوم پرست بنتے گئے۔ توں توں ان کی توجہ اپنی

pigeon - holes.

جماعت سے ہٹتی گئی۔ اور ان کی تعداد گھٹتی گئی۔ اب ۱۹۳۱ء دیکھئے۔ کیا رنگ لاتا ہے۔ کیونکہ اس عرصہ میں شدھی اور اس کی لیڈری میں قوم پرستی بڑے زور پر رہی ہے۔

چوتھی وجہ ہندو سنگھٹن کی ناکامیابی کی یہ ہے۔ کہ جب مسلمانوں نے اس کی بلاوجہ مخالفت شروع کر دی۔ اور اس تحریک کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ تو وہ لیڈران جو آل انڈیا لیڈر بننا یا رہنا چاہتے تھے۔ اس تحریک سے کنارہ کش ہو گئے۔ بلکہ اپنی قوم پرستی اور بے تعصبی کا ثبوت دینے کے واسطے ان قلیل تعداد ہندوؤں پر جو بدنامی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اور واہ واہ سے مستغنی رہ کر اپنی عقل و بساط کے مطابق اپنی قوم کے مفاد کی نگرانی کرتے رہے۔ پھبتیاں اُڑانی شروع کر دیں۔ اور

ان کی ذلالت میں اپنی شہرت اور عظمت کی راہ تلاش کرنے لگے۔

پانچویں وجہ میری رائے میں سب سے زبردست وجہ ذات پات ہے۔ بیرونی دباؤ سے تو کچھ یکجہتی پیدا ہوئی۔ مگر ذات پات کی وجہ سے ہندوؤں میں اندرونی کشش بہت کم ہے اب تک بڑے بڑے لیڈر اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ ہر روز آریہ سماج میں ذات کا کھنڈن کرتے ہیں۔ مگر دو مختلف ذاتوں کے مرد اور عورت میں شادی ہونے لگتی ہے تو اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

جب تک کاغذات مختلف خانوں میں پڑے رہیں۔ ان کی سب کی اکٹھی جلد نہیں بندھ سکتی۔ ایک شیرازہ میں جب تک نہ باندھے جائیں ایک نہیں ہو سکتے۔ جب تک یہ کبوتر خانوں کا دستور جاری رہیگا۔ نہ موجودہ ہندو متفق ہو سکتے ہیں۔ نہ شدھی کا دروازہ کھلنے سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ پنجاب میں تو یہ قباحت کم ہے۔ مگر باقی صوبجات میں ذات پات کے امتیاز نے کچھ نہیں ہونے دیا۔

بعض بھولے ہندو افغانستان۔ ترکی کے حالات پڑھ کر بڑے ہنستے اور خوش ہوتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اسلام کی جڑھیں کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان ممالک سے اسلام ملک بدر نہیں کیا جا رہا۔ بلکہ سدھارا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ یہ ممالک بہ نسبت سابق بہت زیادہ منتظم۔ مضبوط اور متحد ہو جائیں گے۔ قسطنطنیہ سے لے کر لاہور تک اور اگر سندھ علیحدہ ہو گیا۔ تو کراچی تک ایک متحدہ اسلام کا راج ہوگا پان اسلام کبھی اتنے زوروں پر نہ تھی۔ جتنی اب ہے اور ہوگی ہندوستان اور ہندوان تمام انقلابات۔ اصلاحات اور تبدیلیات سے کبھی نہ کبھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر ہندو سوراج سوراج ہی کرتے رہے۔ اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کی کوئی سبیل نہ کی۔ تو غلامی کا داغ ان کی پیشانی سے ہرگز نہیں ہٹ سکتا انگریزوں کا ہندوستان سے اخراج بھی اصل سوال کو حل نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں کی عزت۔ آزادی اور دھرم کا واحد محافظ سنگھٹن ہی ہو سکتا ہے۔

کاش! کہ وہ ہندو جو قومیت موہوم اور سوراج مطلوب کے نام پر تقریروں کے پل باندھتے ہیں۔ اور زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اپنی یونیٹی یا جاتی کا بھی کچھ خیال رکھتے اور اس کو موجودہ اور آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کے لئے بھی کچھ یتن کرتے۔

کم۔ گویا ایک کثیر التعداد جماعت صرف ایک سال تعلیم پاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں اپنا ایک سال ضائع کرتی ہے۔ اور ایک دوسری بڑی جماعت صرف دو سال تعلیم پاتی ہے۔ اگر ہم صرف ان لڑکوں کو شمار میں لائیں جو کم از کم چار سال تعلیم کے پورے کرتے ہیں۔ تو پنجاب میں پرائمری تعلیم کی ترقی نہایت ہی کم رہ جاتی ہے۔ یہ ہے ہماری تعلیمی حالت اور ہماری تعلیمی ترقی کی رفتار۔ نہرو کمیٹی کا یہ فرض ہے کہ تعلیم کے سوال کو ملکی آئین کا سب سے ضروری اور سب سے اولین جزو بنائے۔ تاکہ ہم ایک موہوم سوراج کے پیچھے نہ بھاگیں۔ بلکہ اپنے مادر وطن میں ایسا سوراج قائم کرنے کی کوشش کریں۔ جو حقیقی معنوں میں سوراج ہو!

۱۔ اگر آپ اپنے دان کو سپھل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آریہ اناتھالیہ دہلی کو دان بھیجئے۔

زندگی کے بیمہ کا اتنے تھوڑے عرصہ میں۔ ۳۰ لاکھ سے زیادہ کام آ چکا ہے۔

ہماری تعلیمی ترقی!

ابھی ہم اپنے معراج سے کوسوں دور ہیں

از مسٹر پی ایل ریلیارام بی۔ ایس سی۔ بی۔ ٹی جنرل سیکرٹری وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور

نہرو رپورٹ نے سفارش کی ہے کہ ہندوستان کے نئے آئین کی مجوزہ سیاسی مجالس کے اراکین کو منتخب کرنے کیلئے ہر بالغ مرد اور عورت کو رائے دینے کا حق دیا جائے۔ جمہوریت کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس اصول سے کسی باہوش شخص کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ اس اصول کو یکدم ملک کی موجودہ حالت میں عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ متعدد محبان وطن نے خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ اس سفارش کو فی الفور عمل میں لے آنا ملک کے بہترین مفاد کے نقیض ہوگا۔ یورپ کے جمہوری ممالک میں بھی رائے دہندوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے اور باقاعدہ سلسلے وار ترقی ایکدفعہ کی لمبی چھلانگ سے زیادہ مفید ہے۔ اندیشہ ہے کہ اگر شروع میں رائے دہندوں نے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس نہ کیا۔ تو شاید جمہوریت کی جڑ ہی کھوکھلی ہو جائے سوراج کے لئے مستحکم بنیاد قائم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے قدم پھونک پھونک کر رکھنے چاہئیں۔

کرہ کونسا امر ہے جو اس اصول کے پورے اطلاق کے راستے میں حاوی ہے؟ اس کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے۔ کہ ابھی تک ہمارے ملک کی کثیر التعداد لکھنے پڑھنے سے عاری ہے اس لئے جتنی جلدی تعلیم پھیل سکتی ہے۔ اتنی ہی جلدی کامل جمہوریت کو رائج کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے رہنمایان ملک کو چاہئے کہ وہ اپنی زیادہ توجہ تعلیم کی طرف دیں۔ کہا جائیگا کہ گذشتہ پانچ سال میں کم از کم ہمارے صوبے میں تعلیمی ترقی کی رفتار تسلی بخش رہی ہے۔ سرکاری رپورٹوں میں بڑے فخریہ طور پر یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ ترقی ضرور ہوئی ہے۔ اور وزیر تعلیم بھی مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ لیکن ملک کی ضروریات کے مقابلے میں یہ ترقی نہایت ہی ناکافی ہے۔ اور ہم اپنے معراج سے کوسوں دور ہیں۔ گذشتہ پانچ سال میں پرائمری سکولوں میں طلبا کی تعداد دوگنی ہو گئی ہے۔ لیکن اصلی سوال ابھی تک حل ہی نہیں ہو رہا۔ مدعا تو یہ ہے کہ ملک میں پڑھے لکھوں کی تعداد بڑھتی جائے۔ تاکہ بہت جلد ہر مرد و عورت اخبارات اور کتابوں کا مطالعہ کر سکیں۔ اور ملکی کی سیاسی مجالس کے لئے نمائندوں کے انتخاب میں سوچ سمجھ کر سیاسی اصولوں پر فیصلہ کر کے اپنی رائے دے سکیں۔ یہ ضروری ہوگا کہ اخبارات عام سیدھی سادھی زبان میں شائع ہوں۔ جس کو کہ تھوڑی تعلیم والے بھی سمجھ سکیں۔ مرحوم گوپال کرشنا گوکھلے نے جبریہ پرائمری تعلیم جاری کرنے کی بے سود کوشش کی۔ اگرچہ ان کی کوشش کے بعد مختلف صوبوں میں قانون پاس بھی ہو گئے۔ لیکن پھر بھی نتیجہ اتنا نہیں ہوا۔ جتنا کہ توقع کی جاتی تھی۔ قانون پاس کرنا اور بات ہے۔ اور ان کو رائج کرنا دوسری بات ہے۔ بعض دفعہ رائے عامہ کو خاموش کرنے کے لئے قانون پیش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اسے پورے زور کے ساتھ عمل میں نہیں لایا جاتا مجھے لاہور کی میونسپل کمیٹی کا تھوڑا سا تجربہ ہے کہ جبریہ پرائمری تعلیم کے قانون پر کس طرح عمل کیا گیا۔ یہ قانون عرصے سے لاہور میں جاری ہے۔ لیکن کتنی دفعہ اسے برتا گیا؟ کتنے شخصوں پر مقدمہ چلایا گیا؟ مجھے یاد ہے کہ جو کمیٹیاں شہر کے مختلف حصوں میں اس قانون کو نافذ کرنے کے لئے بنائی گئی تھیں وہ اپنے کام کو ایک غیر ضروری فرض سمجھتی تھیں۔ بارہا پانچ میں سے صرف ایک ممبر حاضر ہوتے تھے اور وہ بھی سپرنٹنڈنٹ کے بار بار یاد دلانے پر۔ جہاں تک مجھے علم ہے ابھی تک بلدیہ لاہور کے ممبروں میں دلچسپی نہیں بڑھی۔ اگر لاہور میں یہ حال ہو۔ تو باقی اضلاع کو کیا کہنا۔ جب تک رائے عامہ اتنی زبردست نہ ہو جائیگی کہ وہ عوام الناس میں دلچسپی پیدا کرائے اور ذمہ دار افسران پر زور ڈالے ترقی نہایت ہی آہستہ آہستہ ہوگی۔ جبریہ پرائمری تعلیم سیاسی ترقی کا اہم جزو ہے۔ اور رہنمایان ملک کو چاہئیے کہ اسطرف زیادہ توجہ کریں۔ ورنہ رائے دہندوں کی تعداد میں اضافہ بجائے فائدہ کے الٹا نقصان کا باعث ہوگا۔ بے علمی (Illiteracy) کو دور کرنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ پرائمری تعلیم کو جبریہ کر دیا جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایسا علم ادب پیدا کرنا ہوگا جو آسان فہم ہو۔ اور جو لڑکے پرائمری تعلیم کو ختم کر کے روزی کمانے میں لگ جائیں۔ وہ اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھا سکیں اور لکھنے پڑھنے کی عادت کو قائم رکھ سکیں۔ بہت سے لڑکے جو اب پرائمری سکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ بہت جلد لکھنا پڑھنا بالکل بھول جاتے ہیں۔ اور ان پڑھوں میں شامل ہو جاتے ہیں مغربی ممالک میں جبریہ تعلیم کم از کم چھ یا اس سے زیادہ سالوں کیلئے ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کو بھی بہت جلد اسی راستے پر چلنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔

پنجاب کے محکمہ تعلیم کی پانچسالہ رپورٹ میں ہمیں پنجاب کی ترقی کی داستان سنائی گئی۔ لیکن قومی نقطۂ خیال سے وہ دردبھری کہانی ہے۔ بڑے بڑے کالج اور ریسرچ گاہیں قائم کرنا ملک کے مفید تو ہے۔ لیکن زیادہ ضرورت تو نور علم کو گھر گھر پہنچانے کی ہے۔ ڈاکٹر بوس اور پروفیسر رمن جیسے عالم روز پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور کالجوں کی تعداد میں اضافے سے ہم ان جیسے ہزاروں عالم بنا نہیں سکتے۔ اور اگر فرض محال اگر ہر ایک کالج ایسے عالم مہیا بھی کر دے۔ تو ہندوستان کو اتنا فائدہ نہ ہوگا جتنا کہ تعلیم کے عام ہونے سے ۱۹۲۶-۲۷ء میں تعلیم پر ہمارے صوبے میں دو کروڑ اٹھاسی لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا۔ لیکن پرائمری تعلیم کے حصے صرف ۳۵ لاکھ آئے کیا تناسب کافی ہے۔ کیا یہ اعلیٰ تعلیم پر مقابلتاً زیادہ زور ہمیں اپنے مقصد تک لے جائیگا؟

کہنے کو تو یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ پانچ سالوں میں پرائمری سکولوں کے طلبا کی تعداد دوگنی ہو گئی۔ لیکن اگر نظر بصیرت سے شمار و اعداد کا مطالعہ کیا جائے تو اس ڈھول کا پول بھی کھل جاتا ہے۔ شمار و اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جماعت میں پہلی جماعت سے ۱½ گنا کم لڑکے ہیں اور چوتھی جماعت میں ۵ گنا

رام درشن!

(از ممتاز الشعراء جناب منشی پیارے لعل صاحب رونق دہلوی)

ہاں دکھا دے معجزہ اے خامۂ جادو اثر
دیکھکر حیرت میں رہ جائے جسے چشم و نظر
کھینچدے تصویر ایسی صفحۂ قرطاس پر
سامنے اُسکے پئے تسلیم خم ہوجائے سر
حُسن معنی میں نظر آجائے جلوہ رام کا
ہر دلِ انسان پہ کھنچ جائے نقشا رام کا

ہو منوّر نور سے آئینۂ رنگِ خیال
نور دیجائے نگاہوں میں وہ حُسن لا یزال
ہر گھڑی پیش نظر ہو منظر شانِ جلال
صورتِ مردم پھرے آنکھوں میں شکلِ بے مثال
آشکارا ذرّہ ذرّہ سے ہو صورت رام کی
جلوہ گر آئے نظر کثرت میں وحدت رام کی

بیخودِ جلوہ بنوں وہ حُسنِ پنہاں دیکھ کر
دیدۂ حق بیں میں عکسِ رُوئے رخشاں دیکھ کر
محوِ صد حیرت رہے دل شانِ یزداں دیکھ کر
ہو گمان تو یکتا ماہِ تاباں دیکھ کر
مجھ میں بھر جائے تجلی رُخِ زیبائے رام
سر قد بنجاؤں تصویرِ قدِ رعنائے رام

میری صورت پہ زمانہ کو ہو دھوکا رام کا
حُسنِ فطرت میں نظر آئے کرشمہ رام کا
میرے ہر نقش و نگارین میں ہو نقشا رام کا
ہو میری چشمِ تماشا میں تماشا رام کا
سازِ ہستی میں عیاں رنگِ ادائے رام ہو
ہر بُنِ مُو سے میرے پیدا صدائے رام ہو

یہہ دل ہے آیا تھا جو لیلا رچانے کے لئے
محوِ حیرت اک زمانہ کو بنانے کے لئے
ظالموں سے دیوتاؤں کو چھڑانے کے لئے
خلق کو اعجازِ قدرت کا دکھانے کے لئے
یوں نہ ہوتا گر عیاں وہ پردۂ صد راز سے
آشنا ہوتا نہ کوئی حُسنِ فطرت ساز سے

یہہ دل ہے جس سے ہوا گھر گھر اُجالا دھرم کا
یہہ وہ ہے جس نے یہاں رستہ نکالا دھرم کا
یہہ وہ ہے جس سے بنا ہر دل شوالا دھرم کا
یہہ وہ ہے جس سے ہوا ہے بول بالا دھرم کا
یہہ وہ ہے جس سے ضیائے عالم توحید ہے
یہہ وہ ہے جو دھرم کا آغاز ہے تمہید ہے

یہہ وہ ہے جو پیکر انساں میں آیا تھا یہاں
یہہ وہ ہے جس کا مطیع حکم ہے سارا جہاں
یہہ وہ ہے تھا جو کہ دسرت کے چراغ خاندان
یہہ وہ ہے جسنے مٹایا دُشٹ راون کا نشاں
کیوں نہ ہو عشرت فزا فتح و ظفر کا آج دن
ہے مبارک اس کی شانِ کر و فر کا آج دن

کارنامے اس کے رونق ہو نہیں سکتے بیاں
کر سکا ہرگز نہ کوئی منکشف رازِ نہاں
داستانِ رام ہے اک معرفت کی داستاں
ہوچکے ہیں سینکڑوں اس باب میں رطب اللساں
واقعاتِ رام جو ہر قوم رامائن میں ہیں
بھر رہے ہیں سب کے ہر دل میں وہ ہر من میں ہیں

راون کی پہچان

(از جناب شمبیشور پرشاد منور لکھنوی خلف ملک الشعراء حضرت آنجہانی)

نہیں راون وہی کچھ جس کی لنکا میں حکومت تھی
نہیں راون وہی جس کا تھا مہر و ماہ پر قبضہ
نہیں راون وہی کیلاش پر جسکا تسلط تھا
نہیں راون وہی پولست کُل میں تھا جنم جسکا
کبیر ایسے شرف جس کی پابوسی سے ہوتے تھے
نہیں راون وہی فرزند تھے ضرب المثل جسکے
نہیں راون وہی بھرتے تھے پانی مرد و زن جسکا
نہیں راون وہی خالی۔ کیا سینا ہرن جسنے

نہیں راون وہی عالم پہ بیٹھی جس کی ہیبت تھی
نہیں راون وہی جس کا تھا کوہ و کاہ پر قبضہ
ہوا مٹھی میں تھی آکاش پر جس کا تسلط تھا
تھا اندر ان کا مالک اک غلام بے دام جسکا
بہادر روز مے دانوں سے جس کے پاؤں دھوتے تھے
جھکا دیتے تھے سر گردوں کا بھی قصر و محل جسکے
نمک کھاتے رہے برسوں بھبھیکن کمبھ کرن جسکا
اُٹھائے گھاٹ خنجر کے ہزاروں صف شکن جس نے

ادھر آؤ بتائیں ہم کہ راون کسکو کہتے ہیں
یہ ہو معلوم بیش و کم کہ راون کسکو کہتے ہیں

وہی راون ہے جو اندھا ہے زعم خود پرستی سے
جو اہل علم ہوکر جادہ پیمائے جہالت ہو
مفادِ غیر جو قربان کر دے نفع ذاتی پر
جو استعمال ناجائز کرے اسباب قدرت کا
جو خود رائی میں ہستی بھول جائے اپنے خالق کی
پسند لے جسے معصوم کو بے تیغ پا کرنا
جو خود زندہ رہے اوروں کو زندہ نہ رہنے دے
جو ہٹ کر راستے سے دھرم کے مٹ دھرم ہو جائے
ہمیشہ جھوٹ ہی کا بیج بونا جس کی عادت ہو
کبھی اقبال نازیبا سے جو نادم نہیں ہوتا
حقوقِ غیر پر جو درپئے تخریب ہوتا ہے
ہو جسکا شغل دھوکا نفس کو شام و سحر دینا
غرض کا اپنی بندہ ہے جو پیرو اپنے مطلب کا
جو آزادی سے ہو وقفِ اصولِ سلبِ آزادی
ہمیشہ دم بھرے جو دہریت سے آشنائی کا
کرے جو چاک پردے میں سدا تہذیب کے پردے
مسلماں ہے کہ ہندو۔ چھتری ہے یا برہمن ہے

وہی راون ہے جو قائم ہے اپنی چیرہ دستی پر
ہمیشہ مائل جور و تعدی جس کی فطرت ہو
ترقی سے کسی کی سانپ لوٹے جس کی چھاتی پہ
کرے بربادی عالم میں مصرف اپنی طاقت کا
نظر انداز کر دے امن و آسائش خلائق کی
جو بندے ہوں وفا کے اُن پہ بھی جور و جفا کرنا
حق و انصاف کا باقی جو اک شمہ نہ رہنے دے
نہ جسکو غیرت اپنی خود ہو جو بے شرم ہو جائے
جو دشمن امن کا ہو اور امان سے جسکو نفرت ہو
کبھی اک رنگ جس کا دہر میں قائم نہیں ہوتا
مہذب بنکے جو خود گمراہ تہذیب ہوتا ہے
ہر اک کو اُس کے حق پاک سے محروم کر دینا
کرے جو خون مذہب کیلئے دائم نام مذہب کا
ہو جسکے ظلم سے دربار حق میں خلق فریادی
خدا سے دُور رہ کر جسکو دعوے ہو خدائی کا
بنا دے حق کو باطل اور جو باطل کو حق کر دے
نشا جس سے وہی دنیا میں اُس کا نام راون ہے

سیاہ قلبی سے اپنی وہ منافی الناس رہتا ہے
اسی کے مارنے کو رام کا اوتار ہوتا ہے

"عالمِ بیخودی!"

ازجناب مختار احمد انصاری صاحب مختار کانپور

ایک غیبی فرشتہ کی صدا

عروس اپنی زیب و زینت کی غرض سے چند لمحوں کے تخلیہ میں اپنا عروسی لباس پہنے ہوئے آئینہ کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔ اور اپنے حسنِ ملائک فریب کو دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہونے لگی۔ اتنے میں ایک غیبی فرشتہ خیالی پیکرِ انسانی میں ظاہر ہوا۔ اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "میں مستقبل زمانہ کا حال جانتا ہوں۔ اور تم کو نیک صلاح دینے آیا ہوں۔ کیونکہ آج تم ایسے شخص کے ساتھ عہدِ وفا باندھنے والی ہو۔ جو مفلوک الحال ہے۔ اور تم اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں برباد کرنے والی ہو۔ اس شادی سے تم کو اطمینانِ قلب اور حقیقی مسرت جو شادی کا مقتضا ہے۔ کبھی نہ نصیب ہوگی۔ تم ایسی سرزمین میں تخمِ محبت بو رہی ہو۔ جہاں بجز گداس بھوس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جب جوانی کی تمنائیں تم کو عیش و عشرت کی طرف متوجہ کرے گی۔ تم بالکل مجبور ہوگی۔ اور مکان میں جھاڑو دے رہی ہوگی۔ تم اپنے امنگوں اور ارمانوں کو پورا کرنے کے بجائے ان کا خون کردو گی۔ کیونکہ تم کو برتن صاف کرنے سے فرصت نہ ہوگی۔ تمہاری جوانی کا جوش اور حسن کی کشش امیدوں ہی امیدوں میں ختم ہوجاویگا۔ جب تمہاری کوئی خواہش پوری نہ ہوگی۔ اس وقت تم ایک فلاکت زدہ عورت اور دکھیا بیوی ہوگی۔ اور تم سے لوگ نفرت کریں گے۔ اور تمہاری روح میں اضطراب ہوگا۔ اور سحرافرینیاں۔ جوانی کی امنگیں سب خاک میں مل جائیں گی۔ مذاقِ فطرت تم کو اپنی طرف متوجہ کریں گے۔ مگر تمہارا دل دنیا سے سرد ہوگا۔ اور تم بالکل بے حس ہوگی۔ محبت جب جوانی کے ساتھ تم کو لعنت ملامت کرتی ہوئی رخصت ہونے لگے گی۔ اُس وقت تم اپنی دلی کیفیات سے متاثر ہو کر چیخ اٹھوگی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ دنیا میں محبت کا کوئی ہمسر نہیں۔ محبت ایک فرشتہ ہے۔ جو ذرا سی بھی سخت کلامی نہیں برداشت کرسکتا۔ جو افلاس کا لازمی نتیجہ ہے۔

جس شخص کو آج تم اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہو۔ کل رفتہ رفتہ تم کو وہ تمام نقائص نظر آنے لگیں گے جو عالمِ اجسام اور اُن کے خمیر میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ اس وقت رنج و غم اور پر مصائب زندگی سے متاثر ہو کر چلا اٹھوگی کہ آہ مجھے دھوکا ہوا۔ اور اس چیخ کی صدائے بازگشت تم کو اس مقام کے ہر سمت سے سُنائی دے گی۔ جس کو تم مکان سے تعبیر کرتی ہو۔ اور ایسا معلوم ہوگا۔ کہ تم ایک بھرنا پیداکن رمیں کھڑی ہو۔ اور مدد کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہو۔ اور وہاں کوئی متنفس حدنگاہ تک نظر نہیں آتا۔ جو تمہاری آواز پر تسلی دے۔ اس وقت تم کو مرنا آسان معلوم ہوتا۔ مگر موت کا کانٹے کو سونا بہتر نہ ہوگا۔ یہی پُر آلام زندگی کو برداشت کرنے کے لئے تم مجبور ہوگی۔ حتیٰ کہ تمہاری روح کا لبدِ خاکی سے پرواز کرجائیگی۔ اور جوارِ رحمت میں پہونچ جائے گی۔ اگر تم نے اب بھی میرے ... کی قدر نہ کی۔ تو ہوشیار ہوجاؤ"!

(۲)

دولہا بھی تنہائی کے کمرہ میں ادھر اُدھر ٹہلنے اور اپنا پرانا پائپ روشن کرکے پینے لگا۔ اس کا دھواں تعجب انگیز خواب کی طرح آسمان کی طرف اُڑنے لگا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ تھوڑی دیر بعد وہ خواب عنقریب سچ ہونے والا تھا۔ اتنے میں ایک خیالی پیکرِ انسانی نظر آیا۔ اور وہ مخاطب کرکے یوں گویا ہوا: "میں نوری مخلوق کا فرد ہوں۔ تمہارے پاس ہدایت دینے کو آیا ہوں۔ کہ تم ایک غریب آدمی ہو۔ اور آج تمہاری شادی ایک ایسی صنفِ نازک سے ہونے والی ہے۔ جو اپنے حسن اور آدابِ مجلس میں یکتائے زمانہ ہے۔ وہ امورِ خانہ داری کو ایسی قلیل آمدنی میں کیسے انجام دے سکے گی۔ اطمینان جو دن بھر کی سخت محنت کے بعد تم کو نصیب ہوتا ہے۔ وہ حرفِ غلط کی طرح معدوم ہوجاویگا۔ اور بہت جلد وہ دن آئیگا۔ جب تم کو معلوم ہوگا۔ کہ تم نے اپنی شادی کرکے اپنی زندگی دوبھر کرلی ہے۔ اپنے تئیں ایسے جھگڑوں میں گرفتار پاؤ گے۔ کہ تمام عمر نکلنا دُشوار معلوم ہوگا۔ تم ایسی سرزمین کی طرف گامزن ہو۔ جہاں نہ صرف تمہاری ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی۔ بلکہ تمہاری آزادی بالکل مفقود ہوجائے گی۔ اور اس عہد نامہ پر دستخط کرنے کے بعد پھر ذرا بھی چوں و چرا کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ آزادی کے زمانہ کی خوشیاں تمہارے سامنے دست بستہ آکر رحم کی درخواست کریں گی۔ جس طرح ... آج کر رہی ہیں۔ ان خوشیوں کی قیمت اس وقت اور بھی گراں ہوگی۔ جب تم اُن کو اپنی انیس زندگی کے آنسوؤں اور ملامت آمیز الفاظ کے معاوضہ میں خرید کروگے۔ اور جس وقت تم اپنی بیوی کی فرمائشات جن کے لئے اس کا حسن اس کو مجبور کریگا۔ پورا نہ کرسکوگے اس وقت تم اپنے تئیں کوسو گے۔ اور تم کوشش کروگے۔ کہ تمام دُنیا کی نعمتیں فراہم کرکے اس کی خدمت میں پیش کرو۔ ایسی حالت میں شادی کا اصل مقصود مفقود ہوجائیگا۔ اور شادی تمہارے لئے وبالِ جان اور سوہانِ روح ہوجائے گی۔ کچھ عرصہ بعد جذباتِ عشق جادو کے اثر کی طرح بالکل زائل ہوجائیں گے۔ اور تمہارا مکان محبت جیسی لطیف شے سے بالکل خالی ہو کر چشمِ بے نور کی طرح بدنما ہوجائیگا۔ اس وقت تمہارے دلی ولولوں کے جنازہ پر حسرت و بیکسی آنسو بہاتی ہوگی۔ اور تم نا اُمیدی کے میدان میں پڑے ہوئے فلک سوز آہیں کرتے ہوگے۔ اگر تم میری نصیحت کو نہ مانو۔ تو اس کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔"

(۳)

باضابطہ عہد و پیمان ہونے کے کچھ دیر قبل اس کی منسوبہ پورے عروسی لباس کو زیبِ تن کئے ہوئے دلوں کو مسحور کرتی ہوئی آئی۔ ایک نے دوسرے کو محبت آمیز نگاہ سے دیکھا۔ اور بڑے اشتیاق سے بغلگیر ہوئے۔ محبت کے دیوتا نے اُن کے سروں پر اپنے ہاتھوں سے سایہ کرکے برکت کی دعا دیتے ہوئے آہستہ سے کانوں میں کہا: "عنقریب تم حکمِ خداوندی کی تعمیل اور قانونِ فطرت کی پابندی کرنے والے ہو۔ میں نے تمہارے سروں کو محبت کے زرفشاں تاجوں سے مزین کردیا ہے۔ اور دلوں کو خلوص کی دولت سے مالامال کردیا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جن کے بغیر تم گلیوں کے گداگروں سے بھی بدتر ہوتے۔ خواہ تمہارے پاس قارون کا خزانہ ہی کیوں نہ ہوتا۔ آئیندہ زندگی میں اگر تم میری ہدایت کے موافق عمل کروگے۔ تو میں تمہاری رہبری نہایت خوشگوار اور فرحت بخش مقامات سے کروں گا۔ اور تمہاری زندگی اُمیدوں کے چشمہ کے کنارے ہری بھری ہوگی۔ جہاں میں تمہیں زندگی کی اُس راہ پر چلاؤں گا۔ جو چشمۂ اُمید کے دوش بدوش جاتی ہے۔ جس کے کنارے تمام نیک باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور جس کے مصفا پانی میں تمہیں اپنا مقدر کامیاب نظر آئے۔ میں تمہارے دلوں میں قابلِ احترام والدین ہونے کی صلاحیت پیدا کردوں گا۔ تمہارا عنفوانِ شباب نہایت لطف و مسرت عیش و آرام اور قہقہوں میں گذر یگا۔ حقیقی مسرت سے تمہارا دل سرشار ہوگا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ تو زندگی کی تمام خوشیاں اور قدرت کے کل انعامات سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے قناعت کی شاہراہ سے گذر کر زندگی کے اختتام تک پہونچ جاؤ گے۔

ان تمام کیفیات کے باوجود شباب کی کافرادائیاں۔ کچھ اس بیخودانہ طریق پر غالب آئیں۔ کہ نظریں چار ہوتے ہی دونوں نے بیتابانہ وار جامِ محبت و پیمانہ عہدِ مناکحت لنڈھالیا اور اسی کیف میں اب تک بےخود و مسرور ہیں۔

پبلک زندگی

از رائے بہادر لالہ درگا داس ایڈوکیٹ لاہور

ہندوستان کی پبلک زندگی کا ایک بڑا نقص اس وقت یہ ہے۔ کہ اختلاف رائے رکھنے والے اشخاص ایک دوسرے کو اپنا ذاتی دشمن سمجھتے ہیں ایک دوسرے پر ذاتی حملہ کرتے ہیں۔ کہ اپنے مخالف کی نیک نیتی پر شک کرکے اسکی رائے کو ذاتی اغراض و ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ اکثر اوقات مخالف رائے کو صبر سے سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے۔ آجکل نہرو رپوٹ کی وجہ سے ملک میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ پبلک امور میں دلچسپی لینے والی خلقت دھڑہ بندی کا شکار ہو رہی ہے۔ نہ صرف ہندو و مسلمان متضاد رائے رکھتے ہیں۔ بلکہ ہندو کیمپ و اسلامی کیمپ میں باہمی سخت تفرقات پڑ رہے ہیں۔ اردو انگریزی اخبارات ان جھگڑوں سے پُر ہیں۔ جہاں ایک فریق اہلِ ہنود کا نہرو رپورٹ کی سفارشات کو ہندو جاتی کے لئے زہر قاتل خیال کرتا ہے۔ وہاں دوسری ہندو پارٹی اسکی تعریف و تائید میں ہر طرح سے کوشاں ہے۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ ایک پارٹی اہلِ اسلام کو نہرو رپورٹ کے حق میں کھڑا کرنا چاہتی ہے۔ اور دوسری جماعت اسلامی بھائیوں کو رپورٹ مذکور کی سخت مخالفت کے لئے آمادہ کر رہی ہے۔ امر قابلِ غور یہ ہے۔ کہ ایسے اہم معاملہ پر اتفاق رائے ہونا ناممکن ہے۔ ہندوستان کی سیاسی ترقی کا سوال اس قدر پیچیدہ اور پُر از مشکلات ہے۔ کہ اس کے متعلق باہمی اختلاف رائے ہونا ایک لازمی و قدرتی امر ہے۔ انسانی تہذیب اور شائستگی اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ ہم ہر ایک پارٹی کے خیالات کو غور و صبر سے سنیں۔ اور ہر ایک دلیل کی صحت کو وزن کریں۔ یہ طریق سخت معیوب ہے۔ کہ ہم دھڑہ بندی میں شامل ہو کر ایک فریق کے طرفدار ہو جاویں اور مخالف رائے رکھنے والوں کو بدنام کریں۔ اور اُن کو گالیاں دیں۔ پبلک زندگی کی کامیابی کا اوّل راز یہ ہے کہ ہم غصہ۔ جوش و سخت کلامی سے پرہیز کریں۔ اور ہر ایک قسم کے خیال و رائے کا باغور مطالعہ کرکے اپنی رائے قائم کریں۔ ہر ایک انسان کو پرماتمانے دماغ دیا ہے۔ اور ہر ایک معقول شخص کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے دماغ سے کام لیوے یعنی اپنے لئے آپ رائے قائم کرے اور آنکھیں بند کرکے کسی خاص شخص یا جماعت کی پیروی ہرگز نہ کرے۔ زود رنجی اور سخت کلامی پبلک زندگی کے چشمہ کو گندہ کرتی ہیں۔ اور ملک یا قوم کے لئے مفید ہونے کی بجائے ہندوستان کی سیاسی و مجلسی ترقی کی راہ میں سخت روکاوٹ ثابت ہو رہی ہیں اس لئے ہر ایک شخص کا فرض ہے۔ کہ وہ پبلک معاملات کے بحث کے وقت اپنے آپ کو اس کمزوری سے بچاوے تاکہ ملک یا قوم ضروری سوالات کے متعلق سنجیدگی قائم رکھ کر صحیح نتائج پر پہنچے

بلبل کو وفا سکھانے والے ٭ نرگس کو حیا سکھانے والے
اے جانِ ادب اے فدائے خوشنوا! ٭ لکھ ڈال تو آج نظم دلجو
جس نظم کی دیکھ کر روانی ٭ فرہاد کا دل ہو پانی پانی
برسا وہ قلم سے لعل و گوہر ٭ ہو جائیں فلک پہ ہیچ اختر

تقریب وہ آگئی ہے جس کی ٭ ہر بات میں ہے سرور و مستی
دل میں ہوئی یادِ رام تازہ ٭ ملتی ہے سحر شفق کا غازہ
شاداب ہوئی ہے کشتِ امید ٭ چمکا ہے افق پہ لطفِ خورشید
لایا ہے نوید یہ دسہرہ ٭ بدلے گا ستمگروں کا چہرہ

احباب کا آج ہے یہ اصرار ٭ تازہ کوئی کر خیالِ بیدار
راون کی شکست کی کہانی ٭ مدت کی ہے ہو چکی پرانی
کر اور کوئی رقم فسانہ ٭ ہو جائے جو تیر بر نشانہ
کر جائے اثر جو جان و دل پر ٭ تازہ کرے شانِ نسلِ گوہر

کہتے ہیں کہ ایک شاہزادی ٭ تصویر تھی حسن اور وفا کی
تھی زیورِ نسلِ رام و لچھمن ٭ زینت وہ اصلِ رام و لچھمن
تھی اخترِ مطلعِ سعادت ٭ مظہر رفعتِ شرافت
نازک وہ کنول سے بھی سوا تھی ٭ شرمیلی تھی۔ نیک و پارسا تھی

معروف تھا نام اس کا کملا ٭ داناؤں میں ایک تھی وہ دانا
سیرت کا جواب حسنِ صورت ٭ سنبند و سلی ہوئی تھی مورت
پھولوں سے شگفتہ تر تبسم ٭ فطرت کے حواس ہو رہے تھے گم
لب تھا کہ تبسم کی پنکھڑی تھی ٭ دل تھا کہ کوئی صحیح گھڑی تھی

جب سن پہ وہ پندرہ کے پہنچی ٭ صورت ہوئی مہر و بدر جیسی
ماں باپ لگے کی تلاشِ نوشہ ٭ ٹوٹا کوئی آسماں سے خوشہ
القصہ جہیز دے دلا کر ٭ حسرت سے کیا وداع آخر
شہزادہ رام سنگھ نامی ٭ کملا کا بنا پتی سوامی

راجہ تھا وہ شیر رام گڑھ کا ٭ مشہور دلیر رام گڑھ کا
جاں ہاتھ پہ رکھ کے لڑنے والا ٭ خود موت کے ساتھ اڑنے والا
شمشیر سے پیار کرنے والا ٭ تھا نام وفا پہ مرنے والا
بیکس کا رفیق اور سہارا ٭ بے بس کا شفیق اور پیارا

سلہ یعنی رام چندر کی پشت میں سے تھی یہ مغلوں کے وقت کا واقعہ ہے۔

سلہ نگاہ نظارہ کی نظم

ہندو عورتوں کی پرتا

ستی کملا کی پُر درد خونی داستان

اثرِ خامۂ امیر الشعراء پنڈت وِی تسنہ پرشاد صاحب فدا بی۔ اے لاہور

جس وقت ہوئی برات رخصت ٭ کملا کو یہ دی گئی نصیحت
اے جانِ پدر اے عزیز لڑکی ٭ رکھنا نہ یہ سر عزیز لڑکی
ماں باپ کی یاد آن رکھنا ٭ جاں صدقہ و دھرم جان رکھنا
خدمت میں پتی کی جان گنوانا ٭ ہنس کھیل کے سر پہ کھیل جانا

آخر وہ برات گھر پہ پہنچی ٭ شادی کی نہ کوئی انتہا تھی
خوشیوں کی سنائیں تم کو کیا بات ٭ دن عید تھا شب برات تھی رات
راجہ جو بڑے تھے اور رانی ٭ مشہور جہان میں تھے دانی
ملبوس، اناج، زر، جواہر ٭ دیتے تھے غریب کو بلا کر

اتنے میں کسان ایک نالاں ٭ آشفتہ، غمزدہ، پا بجولاں
شہزادے کے پاس آ کھڑا ہوا ٭ سستا کے ذرا جو ہوش آیا
بولا کہ ہے عرض اک مہاراج ٭ شرن آ کے کی آپ ہی کو ہے لاج
دکھیا ہوں، ملک تو وہ ہوں بیکس ٭ اسہائ، اناتھ، اور بے بس

شب کو ہی نہیں نہ دن ہی آرام ٭ چھائے ہوئے چار سو ہیں آلام
آنکھوں سے برس رہا ہے ساون ٭ محفوظ نہیں ہیں گو برہمن
بدھ گنگ کا ہو رہا ہے اکثر ٭ دشمن نے گرا دیے ہیں مندر
جلے حرمتی دیوتاؤں تک کی ٭ دیکھی نہ تھی آج تک جو دیکھی

کس کام کی زندگی تمہاری ٭ رکھشا نہ ہوئی اگر ہماری
تاخیر کا وقت اب نہیں ہے ٭ کانٹا سا جگر میں جاگزیں ہے
جانباز اگر ہو جنگجو ہو ٭ اس میں نہ درنگ ایک مو ہو
ہو جاؤ مسلح دیر کیا ہے ٭ اس جام فنا ہی میں بقا ہے

شہزادے نے جب سنا یہ احوال ٭ منہ خشم سے سرخ ہو گیا لال
ہتھیار پہن وہ گھر سے نکلا ٭ بے خوفِ محن وہ گھر سے نکلا
شہزادی بھی خوش ہوئی کہ شوہر ٭ جانباز ہے مرد ہے دلاور

سلہ گائے

جاتا ہے وغا کو بن سنور کر ٭ مارے گا ہمیں کو جا [illegible]

گھوڑے پہ سوار جا رہا تھا ٭ ہر سمت غبار چھا رہا تھا
گردوں کا دہل رہا تھا سینہ ٭ کر دیگا عدو کا وہم جینا
اتنے میں وہ نامرادِ الفت ٭ کر بیٹھا سوار دل پہ وحشت
سینے میں خیال ایک اٹھا ٭ گھوڑے کی وہ باگ موڑ بیٹھا

رہ رہ کے وہ دل میں سوچتا تھا ٭ اے کاش دلہن کو مل کے آتا
پھر دل میں ہوس نہ کوئی رہتی! ٭ کملا بھی زبان سے یہ نہ کہتی
بیدرد مرا پتی ہے کیسا ٭ جاتے بھی نظر نہ بھر کے دیکھا
اس وہم میں گھر وہ لوٹ آیا ٭ آہستہ سے در کو کھٹکھٹایا

باندی نے کہا کہ نیم شب ہے ٭ دستک ہے یہ بے محل غضب ہے
للکار کے بول اٹھی کہ ہے کون؟ ٭ آندھی تو نہیں چلی ہے یہ کون
شہزادہ دبی زباں میں بولا ٭ میں آپ ہی لوٹ کر ہوں آیا
باندی لے کہا کہ اتنی جلدی ٭ سر تم نے مہم تمام کر لی!

شہزادے نے حالِ دل سنایا ٭ کملا کے لئے فقط ہوں آیا
بے دیکھے اسے چلا گیا تھا ٭ ڈر تھا کہ کہے نہ بیوفا تھا
کملا کو یہاں بلا کے لاؤ ٭ کہدو مجھے آ کے دیکھ جاؤ
لوٹونگا میں شاد پھر یہیں سے ٭ چھوٹونگا نہ فرض میں کہیں سے

کملا کو خبر ملی، کہ شوہر ٭ دیدار کا منتظر ہے باہر
بولی یہ روا نہیں ہے ان کو ٭ الفت کیلئے ہو یہ تگ و دو
کہدو کہ وہیں سے لوٹ جائیں ٭ میدان کو فتح کر کے آئیں
لونڈی نے یہ لا دیا جو پیغام ٭ افزوں ہوا اور اس سے سرسام

لونڈی سے کہا کہ کہہ مکرر ٭ میں آ ہی نگا مار کے با مر کر
ہمت مری پست ہے نہ ہوگی ٭ مانونگا جو تم مجھے کہو گی
جس کام سے جا رہا ہوں باہر ٭ انجام بخیر ہوگا آخر
دیدار سے گر رکھو گے محروم ٭ یکسوئی رہیگی دل سے معدوم

باتیں میں دیر تک یہ ہوتی ٭ کملا بھی مگر اڑی ہوئی تھی
باندی سے کہا ہزار افسوس ٭ کافر پہ ہے یار بار افسوس
دیکھا نہ جو اور کوئی چارہ ٭ تلوار سے آپ سر اتارا
بولی یہی بات ہے تو یہ لو ٭ دیدار کے منتظر کو دیدو

باندی نے یہ جشمِ تر اٹھایا ٭ شہزادے کو لا کے سر دکھایا
اس درجہ ہوا وہ دل میں نادم ٭ بر جا نہ حواس تھے نہ قائم
ہوتا تھا کبھی یہ اپنے جی پر ٭ خنداں تھا کبھی کبھی وہ گریاں
گھوڑے کو وہاں سے پھر بھگایا ٭ ایسا گیا لوٹ کر نہ آیا

رام راجیہ کی خوبیاں اور برکتیں

حکومت لوگوں کی ہو۔ اُن کے لئے ہو اور انکے ذریعے چلائی جائے

(بنگال کے مشہور لیڈر ڈاکٹر سر دیال ناگ کے قلم سے)

راجیہ ہندوستان کا آدرش ہے۔ جب راون
کے لئے خصوصاً ہندوستان کے لئے دہشت
کا ذریعہ بن گیا۔ اور انہوں نے اپنے کو اس کے
ظلم سے بچانے کے لئے جنگلوں میں پناہ لی۔
دھرم مایوس انگیز طریقہ میں سُست رہا تھا۔ اور
ساری سلطنت کا محل ڈگمگا رہا تھا۔ رام اور
... دھرم کی حمایت اور ادھرم کی جو عروج پر
پہنچ گئی تھا۔ راون ادھرم کا مجسمہ تھا۔ رام کا
خسر جنک اپنے زمانہ کے حکمرانوں میں ایک خاص نمونہ تھا۔ وہ راج رشی تھا۔ اس کی زندگی رعایا کی
فائدہ کے لئے تھی۔ وہ آدرش حکمران تھا۔ جو انسانوں پر حکومت کرنے کی جگہ ان کی سیوا کرتا تھا۔ ہندو
ایک آدرش فرمانروا اس بات کا اطمینان کئے بغیر کہ اس کی پرجا میں سے کوئی بھی دکھی نہیں ہے
دسترخوان پر نہیں بیٹھا کرتا تھا۔

رام چندر جی کا ارادہ

شری رام چندر جی نے اپنے بوڑھے پتا مہاراجہ دسرتھ کی مرضی سے اجودھیا کا فرمانروا بننے کی خاطر راج
تلک کے لئے تمام تیاریاں کر لیں۔ وہ اپنے خسر مہاراجہ جنک کی مانند ایک نمونہ کی حکومت قائم کرنے
کے خواہاں تھے۔ جو لوگوں کو اس خواہش میں ایک غلطی نظر آئی۔ ان کو حسرت ہوئی۔ کہ جب ایک راون
زندہ ہے۔ اور جب تک گوہ کا چنڈال اچھوت
رہے گا۔ تب تک رام دھرم راجیہ کیسے قائم کر سکتا
ہے۔ رام چندر کے لئے یہ ناممکن تھا۔ کہ راون
کی سلطنت کو الٹ کر اپنی سلطنت میں ملحق کرے۔
اور وہ بھی ادھرم کے عروج کے دوران میں اس کے بغیر۔ اس
لئے دیوتاؤں نے مہارانی کیکئی اور منتھرا کی معرفت
ان تمام انتظامات کو درہم برہم کرنے کے لئے سازش
کی۔ جو رام چندر نے اپنی تاجپوشی کے لئے کئے تھے

چنڈال کو سینہ سے لگایا

دسرتھ نے رام چندر کو راج تلک کی رسم ادا
ہونے سے پیشتر بن باس دیدیا۔ رام نے اپنے
پتا کا حکم نہایت خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔ اس کے
انکار کرنے کا جو مطلب تھا۔ وہ خود بخود
ان کے دماغ میں ظاہر ہو گیا۔ اس
حقیقت کی تکمیل میں اس نے جو پہلا کام کیا۔
یہ تھا کہ وہ اچھوت گوہ کا چنڈال کے گھر گئے۔
رام نے اس چنڈال کو نہ صرف سینہ سے لگایا۔ بلکہ
کئی دن تک اس کے ہاں مہمان رہا۔ اور اس
کی مہمانی قبول کی۔

دھرم راج کی قائمی

اس کے بعد رام نے سگریو سے دوستی پیدا کی اور
بالی کو قتل کیا۔ جس نے بانر قوم کے تخت کو غصب
کر لیا تھا۔ آخرکار رام نے راون کو قتل کیا۔ جو بنی نوع انسان کو سب سے زیادہ ستانے والا تھا
جب ادھرم کا راج بالکل تباہ ہو گیا۔ اور دھرم کا فی طور سے قائم ہو چکا۔ تو رام چندر جی اجودھیا واپس
آگئے۔ اور وہاں دھرم کی سلطنت کے اندر رام راجیہ قائم کیا۔ یہ راجیہ دراصل رام کا راجیہ تھا۔

رام راجیہ کی برکات

رام راجیہ میں قبل از وقت موت کا نام و نشان نہ تھا۔ وہاں فاقہ جیسی حالت یا خوراک کی کمی بالکل نہ
تھی۔ ہر شہری کو مساوی حقوق حاصل تھے۔ وہاں صناعوں کو مشینوں کے ذریعے تخریب دینے کا سلسلہ
نہ تھا۔ مشین سے بنی ہوئی چیزوں نے جھونپڑیوں کی سادہ زندگی کو نہیں مٹایا۔ ملک میں گھریلو دستکاریاں
کافی تعداد میں تھیں۔ اور وہ جھونپڑیوں میں رہنے والوں کی زندگیوں کو نہایت مسرور بناتی تھیں۔ کوئی
ایسا سبب نہ تھا۔ جس کے ذریعے لوگ بھوکے۔ ننگے یا بے گھر بار رہتے۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے
راجہ اپنی پرجا کی بہتری کے لئے قربان نہیں کر سکتا تھا۔

بے انصافی کی سزا

شری رام چندر جی نے اپنی معصوم اور پیاری رانی کو جلاوطن کر دیا۔ تاکہ وہ اپنی پرجا کو خوش کرے۔ وہ
رام راجیہ ایک جمہوری طرز کی حکومت تھی۔ اور اس کی بنیاد بالکل پرجا کی رضامندی پر رکھی گئی تھی۔

لیکن رام نے معصوم سیتا کے ساتھ بڑی بے انصافی
کی۔ اور اس کی سزا اسے دریا سرجو کے پانی میں
ادا کرنی پڑی۔

ڈومینین طرز کی حکومت ہندوستانیت کے بالکل
خلاف ہے۔ اور ہندوستان کے لئے غیر مفید ہے
وہ رام راجیہ کی مانند عوام کی حکومت نہیں ہے
امیروں کی جمہوریت عوام کی جمہوریت سے کوسوں
دور رہتی ہے۔ ڈومینین حکومت جو بدیشی امیروں
کے زیر سایہ ہو۔ اور جس میں مشینوں کے ذریعے چیزیں بنانے کا زور ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ
امیروں کی حکومت جسمانی طاقت کے ذریعے قائم کی جائے۔ اور لوگوں سے حد سے زیادہ فائدہ
اٹھایا۔ اور ان کا کچومر نکالا جائے۔ ایسی حکومت میں زیادہ تر لوگوں کی حالت افلاس کے پنجہ میں
گرفتار رہنا ناگزیر ہے۔

حقیقی سیلف گورنمنٹ ڈیٹرمینیشن (اپنے لئے آپ طرز حکومت مقرر کرنے کا اختیار) جو مشینوں کی
تہذیب اور مشینوں کے ذریعے مصنوعات پیدا کرنے سے آزاد ہو۔ اور برٹش سلطنت کے اندر ہم
وہ محض ایسی چیز ہے۔ جو اہل ہند کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔

جس ڈومینین حکومت پر لکھنؤ میں بحث ہوئی ہے۔ اس سے نہایت احتیاط کے ساتھ مشینوں
کے ذریعے صنائع کی تیاری مشینوں کی تہذیب
اور بدیشی تجارت کی حفاظت ہوتی ہے۔ حالانکہ
یہ چیزیں ملک کے لئے تباہی آور ہیں۔ یہ حکومت
لوگوں کی حکومت نہیں ہے۔ نہ وہ ان کے لئے
ہے۔ اور نہ ان کے ذریعے کی جاتی ہے۔ وہ
تو رام راجیہ کے برعکس ہے۔ ڈومینین حکومت
صرف انہی لوگوں کو فائدہ ہے۔ جن کو دفتری
حکومت سے حاصل ہونے والے عہدوں میں
سے زیادہ تر حصہ حاصل کرنے کی فکر دامنگیر
ہوتی ہے۔ ہندوستان کو اس کی سخت ضرورت
ہے۔ کہ اس میں لوگوں کی حکومت قائم کی
جائے۔ وہ لوگوں کے ذریعے چلائی جائے
اور لوگوں کے لئے ہو۔ اس میں موجودہ زمانہ
کی تمام ضروری باتیں اور چیزیں ہوں۔ مگر وہ رام
راجیہ سے مشابہ ہو۔

میرے جیون کا آدھار رام نام

رام بھگت ہنومان کی شردھا کی لاثانی مثال

(راجہ دلجیت سنگھ صاحب دشملہ) کے قلم سے)

ایک دن شری رام چندر جی مہاراج بمعہ سیتا مہارانی سنگھاسن پر براجمان تھے۔ اور شری رام
چندر کے پرم بھگت ہنومان جی انجنی پتر بھگوان کے چرنوں میں بیٹھے ہوئے پادسیون کر
رہے تھے۔ اس وقت سیتا ماتا کے ہاتھ میں وہ انمول نگینوں کی مالا تھی۔ جو بھبھیکھن نے
راون کے خزانے میں سے سب سے بیش بہا چیز سمجھ کر شری رام چندر کی بھینٹ کی
تھی سیتا جی نے ہنومان کی پرم بھگتی دیکھکر وہ مالا ان کو دیدی۔ ہنومان نے اس مالا
کو آنکھوں سے لگایا۔ سر پر رکھا۔ اور پھر ایک ایک منی کو بڑے غور سے دیکھنے لگے۔
تھوڑی دیر کے بعد سیتا نے دیکھا۔ کہ ہنومان جی ایک ایک منی کو توڑ رہے ہیں۔ اور توڑ توڑ
کے پھینکتے جاتے ہیں۔ شری رام چندر جی نے اس وقت جو خیال سیتا جی کے دل میں اٹھ
رہا تھا۔ اسے محسوس کر کے ہنومان سے سوال کیا۔

رام چندر جی۔ اے ہنومان تم ان نگینوں کو نظر غور دیکھتے ہو۔ پھر ان کو توڑ ڈالتے ہو۔
اور توڑ کے پھر دیکھتے ہو۔ اور پھینک ڈالتے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔

ہنومان نے دست بستہ عرض کی۔ کہ بھگوان! ماتا سیتا نے اپنی پرم کرپا سے جو یہ مالا مجھے
دی ہے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ کہ ان نگینوں میں میرے جیون کا آدھار رام نام ہے یا نہیں
چونکہ ان میں مجھے وہ نام دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے میں ان کو پھینکتا جاتا ہوں

شہید سنیاسی کے درشن

سورگیہ شری سوامی شردھانند جی مہاراج
بقول روپ سے اس سمے ہمارے درمیان
موجود نہیں لیکن آپ چاہیں تو اب بھی اُن کے
درشن کر کے آتم انتی کر سکتے ہیں۔ اس کا واحد
طریقہ یہ ہے کہ آج ہی

"کلیات سنیاسی اور پیام شہید"

کیلئے فوراً آرڈر بھیج دیجئے۔ کیونکہ شری شانت سوامی
الوبھوانند جی مہاراج نے بڑے پریشرم کے ساتھ ان
میں شری سوامی شردھانند جی کی جملہ تصانیف کو یکجا
کر دیا ہے۔ انکے پرکاشت کرنیکا کارن بھی یہی ہے کہ
شہید سنیاسی کے وچار و انکا زیادہ سے زیادہ پرچار ہو۔ اور
آریہ جنتا شری سوامی جی کے بتائے ہوئے مارگ پر چلکر
اپنی جیون یاترا سپھل کر سکے۔ اس شبھ اوسر پر کلیات سنیاسی
جو کہ سوا چھ سو صفحے کے گٹ بھگ معہ تین تصویروں کے ہے ۲) کی بجائے
۱) کے میں اور پیام شہید بجائے ۲) کے ۱۲ر میں دیا جا دیگی۔
شوچرندانس (منتری آریہ سماج چاوڑی بازار)
مینیجر شردھانند ساتھ سدن دہلی پالودی ہوؤس

"ڈیننس" میں بیمہ کرائیے

بھرت مِلاپ

(از افتخار الشعراء منشی راج بہادر صاحب برق دہلوی بی اے)

ضیا فروش ہے وہ جلوۂ بہارِ اودھ
کہ آج صبحِ بنارس ہے شرمسارِ اودھ

فروغِ نور سے ہر ذرہ جلوہ ساماں ہے
ہوئی ہے عجب سے آرائش دیارِ اودھ

پھرے ہیں چودہ برس بعد دن زہے قسمت
پھر آج ازسرِنو آئی ہے بہارِ اودھ

وفورِ جلوۂ گل سے زمین ہے گلپوش
ہے رشکِ دامنِ گلزار رہگزارِ اودھ

ہوئی ہے شہر میں ہر سمت آئینہ بندی
بنے ہیں شیش محل قصر نابدارِ اودھ

کس اوج موج سے بہتی ہے دھار سرجو کی
ہے کہکشاں کی طرح زینتِ کنارِ اودھ

سجی ہوئی ہے اجودھیا یوں دلہن کی طرح
کہ آج جلوہ فگن ہوگا تاجدارِ اودھ

ہر ایک دل ہے مئے انبساط سے مسرور
ہر ایک آنکھ ہے سرگشتۂ خمارِ اودھ

بھرے ہیں موتیوں سے تھال آرتی کیلئے
کھڑی ہیں در پہ حسینانِ گلعذارِ اودھ

جو آئیں رام تو سر پر گہر نثار کریں
دہریں جو پاؤں تو قدموں پہ سر نثار کریں

بھرت بھی باندھے ہوئے دل میں آس بیٹھے ہیں
خیالِ رام میں محوِ سپاس بیٹھے ہیں

مکٹ جٹاؤں کا پہنے کُشا کے آسن پر
بنے ہوئے شری رگھبر کے داس بیٹھے ہیں

حیات کرتے ہیں بن باسیوں کی طرح بسر
محل میں پہنے فقیری لباس بیٹھے ہیں

کھڑاویں رام کی رکھی ہیں تختِ زریں پر
ادب سے سر کو جھکائے یہ پاس بیٹھے ہیں

عیاں ہے کیفیتِ انتظار آنکھوں سے
مثالِ پیکرِ امید و یاس بیٹھے ہیں

امید و بیم سے دل میں عجب تلاطم ہے
کچھ انبساط میں ہیں کچھ اُداس بیٹھے ہیں

کبھی خیال یہ آتا ہے کچھ قصور ہُوا
مجھے بھلائے جو وہ حق شناس بیٹھے ہیں

کبھی یہ سوچتے ہیں خوش نصیب ہیں لچھمن
کہ میں تو دور ہوں وہ ان کے پاس بیٹھے ہیں

نہ آئے رام تو ہم بھی پران تج دینگے
یہ دل میں ٹھانے ہوئے بے ہراس بیٹھے ہیں

یہ منتظر ہے کہ شاہی نشان آپہونچا
پلک جھپکتے ہی پُشپک بوان آپہونچا

نوید لیکے ہنومان سنہ گام آئے
کہ رام جیت کے لنکا کو شادکام آئے

حیاتِ تازہ ملی سنکے مژدۂ جاں بخش
بھرت کی جان میں جان آگئی جو رام آئے

نظر پڑے جو شری رام لچھمن سیتا
سرِ نیاز جھکائے بصد خرام آئے

وششٹ جی کی قدم رام نے لئے جھک کر
گرو سے پیش بہ اعزاز و احترام آئے

گلے لگا لیا نیکو یوں آئیں تینوں مائیں
کہ جیسے پیاس بجھانیکو تشنہ کام آئے

بھرت نے دوڑ کے خاک قدم رکھی سر پر
ہجومِ شوق کا آنسو لئے پیام آئے

نہ کھلی بات بھی پوری برائے پرسشِ حال
لبوں تک آئے تو کچھ لفظ ناتمام آئے

بڑھا کے ہاتھ بغلگیر بھائی بھائی ہوئے
بدھائی دینے اجودھیا کی خاص و عام آئے

دسہرہ اور اُستاد صاحبان

ہندوستان کی سب قوموں کیلئے مشترکہ تہوار ہے

(از مسٹر کے ایل رلیا رام صاحب پرنسپل رنگ محل مشن ہائی سکول لاہور)

ہر سال دوسہرہ کا تیوہار آتا ہے۔ ہندو لوگ اپنے عقیدے کے مطابق اس کو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے دل کو خوش کرنے کیلئے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ ہندو عورتیں رام کی بھگتی میں سرشار ہو کر رامائن کی کتھا سُننا اپنا مذہبی فرض سمجھتی ہیں۔ مدرسوں میں بھی تاریخ کے اسباق میں رامائن کے واقعات کی توضیح کی جاتی ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس تیوہار کو ہر دلعزیز بنانے کیلئے ابھی اور محنت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ تیوہار ایک ایسی پاک اور اعلےٰ شخصیت سے وابستہ ہے۔ جس کی تشریح کی آج ضرورت نہیں۔ ہر کس و ناکس اس امر سے بخوبی واقف ہے۔ کہ کس طرح مہاراجہ رام چندر جی نے اپنے باپ کے قول کو نبھانے کے لئے دنیاوی عیش و آرام۔ شاہی زندگی اور جاہ و حشمت پر لات مار کر فقیرانہ زندگی بسر کی جنگلوں اور بنوں کے کند ہول پر گذارہ کیا۔ اور بکسوئے قلب کی مدد سے روحانی ترقی کے مختلف مدارج طے کئے۔ کس طرح ان کے بھائی لکشمن نے بھائی کے اصرار کے باوجود درباری کشمکشوں۔ رنواس کی سازشوں اور سیاسی حقوق سے علیحدگی کرکے بھائی کی خدمت کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ کس طرح سیتا جی جیسی پاکدامن استری نے اپنے خاوند کی مشکلات میں اپنی راحت اور اُن کے غم میں اپنی شراکت کا ساتھ دے کر صنفِ نازک کے لئے اعلےٰ پایہ کی مثال قائم کی کس طرح بھرت نے تخت و تاج کو پاؤں سے ٹھکرا کر بھائی کے حقوق کو غصب کرنا زہر ہلاہل خیال کیا۔ اور ایک برس نہیں دو برس نہیں۔ بلکہ پورے چودہ سال بان پرستوں کی طرح زندگی گذار کر بھائی کی واپسی پر اُن کی امانت اُن کے سپرد کر دی۔ کس طرح راون نے ان اعلےٰ اصول سیاسیات ہر کمزوروں پر رحم کرنا شاہی اوصاف ہے" کو پاؤں تلے روند کر اپنے خاندان۔ اپنے خویش و اقارب۔ اپنی سلطنت اور اپنی عاقبت کو برباد کیا۔ الغرض کہاں تک بیان کیا جاوے رامائن مختلف پند و نصائح کا مجموعہ ہے۔ جس سے نہ صرف بوڑھے اور عورتیں۔ بلکہ بچے بھی مفید اسباق سیکھ کر اپنی زندگی کو بہترین بنا سکتے ہیں۔

تیوہار کئی اقسام پر منقسم ہیں۔ بعض صرف مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض ہادیان دین اور رہنمایان ملک سے وابستہ ہیں۔ اور بعض قدرت کی مختلف تبدیلیوں کا ظہور سے جوڑ رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر پہلی قسم کی تقریبوں میں شمولیت اختیار کرنے میں مذہب حارج ہے۔ تو کم از کم موخر الذکر تیوہار سب کے لئے جمع ہونیکی دعوت ہے۔ کوئی قوم بھی اس وقت تک ترقی کے زینہ پر نہیں چڑھ سکتی ہے۔ جب تک کہ وہ بزرگان اکابر اور بہادران صف اوّلیں کی امثال کو اپنا نظام عمل قرار نہیں دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم اصول شجاع پرستی کہہ سکتے ہیں۔ جب تک ہم شجاع پرستی کے اصول پر نہیں چلتے۔ تب تک ہم دوسروں کے جذبات کا لحاظ کرنا نہیں سیکھتے۔ چونکہ یہ تیوہار ایسا مشترکہ ہے۔ کہ جس میں ہندوستان کی سب قومیں حصہ لے سکتی ہیں اور اُستاد صاحبان بھی تاریخ پڑھاتے وقت اس کی اہمیت کو ذہن نشین کر سکتے ہیں۔ اس لئے انکا فرض منصبی ہونا چاہیئے۔ کہ وہ ہر ممکن طریق سے بچوں کے دل میں ہندوستانی بزرگوں کی عزت کرنے۔ ان کے نقش زندگی پر چلنے کی آرزو کرنے اور ان سے مشعل ہدایت کا کام لینے کی خواہش پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ اس کار خیر میں ہاتھ بٹائینگے۔ تو بہت جلد ہمارے قومی مطلع پر مفروضہ شک و شبہات کی بادِ سموم سے مکدر فضائے ہندوستان صاف ہو کر متحدہ قومیت کی روشنی نمودار ہونے میں مدد کریگی۔

خوشی کی لہر سی سارے نگر میں پھیل گئی
وطن میں بن سے جو دونوں مہِ تمام آئے

چراغ گھی کے جلے شہر میں اُجالا ہُوا
قدم جو رام کے آئے تو بول بالا ہُوا

ہماری ذہنیت

شخصی ترقی پر ہی مطمئن اور شادماں نہ رہو

از شری لالہ دیوی چند جی ایم۔ اے پرنسپل ڈی اے وی ہائی سکول ہوشیارپور

قوموں کی ترقی اس کے افراد کی ذہنیت پر انحصار رکھتی ہے۔ ذہنیت تعلیم۔ اردگرد کے حالات۔ روایات۔ آب و ہوا و کلچر کا نتیجہ ہے۔ معمولی انسان ذہنیت میں تبدیلی کے خواہاں نہیں ہوتے۔ اور غلامی کا شکار ہو کر وہ اس کی غلامی میں ہی آنند محسوس کرتے ہیں۔ صرف مضبوط دل و دماغ رکھنے والے انسان ہی قوموں کی ذہنیت میں انقلاب عظیم لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور لگاتار سعی بلیغ سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ سوامی دیانند ان انسانوں میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے ہندوستانیوں کی ذہنیت کو بدلنے کا پریتن کیا۔ اور ہماری ذہنیت میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے جدوجہد کی۔ اگرچہ ہماری قوم ان خرابیوں سے کسی قدر آزاد ہو گئی ہے۔ تاہم ہمارا نقطۂ نگاہ ان کے متعلق صحیح راستہ پر نہیں پہنچا۔

(۱) عام لوگوں کے اندر یہ خیال عام پایا جاتا ہے۔ کہ یہ دنیا جھوٹی ہے۔ یہ لوک تچھ ہے۔ ہمیں پرلوک سدھارنا چاہیئے جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ ہم لوگ دنیاوی ترقی کے راستہ سے پرے جا رہے ہیں جو لوگ اپنا لوک نہیں سدھار سکتے۔ وہ پرلوک کیسے سدھار سکیں گے۔ اس دنیا کے جھوٹے ہونے کا خیال اویدک ہے۔ وید بھگوان میں پرماتما بار بار سنسارک اُنتی کے لئے اُپدیش کرتے ہیں۔ یہ دھرم لوگوں کو پرلوک کی ہی باتیں نہیں سناتا۔ بلکہ جیون کی کشمکش کے لئے تیار کرتا ہے۔ ویدک دھرم کے اندر پالیٹکس موجود ہے۔ اور دھرم کو پالیٹکس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ سوامی جی نے یہ خرابی محسوس کی تھی۔ اور اس کے متعلق ہمیں اپدیش دیا۔ یہ other worldliness کی پالیسی ہمارے لئے زہر قاتل کا کام کر رہی ہے۔ اس نے ہمارے اندر سے اُتساہ جوش۔ پرسپر پریم۔ سنگھٹن و دنیاوی ترقی کی جائز خواہش کو مفقود کر دیا ہے۔ ہمارے بچے۔ جوان اور بوڑھے اس زہر کو دیر سے پی رہے تھے۔ رشی نے اس کے برخلاف آواز اٹھائی۔ دوسری قومیں دیکھو کتنی ترقی علم و مادی دنیا میں کر رہی ہیں۔ ہر روز نئے معلومات ایجاد ہو رہے ہیں۔ ایک قوم دوسری سے بڑھنے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ مگر ہم ہیں۔ جن کے بچوں کی زبان سے یہ بچپن پر ونت نکلتا ہے۔ "ٹِکتے رہنا نہیں۔ مت فرستیاں کروتے"۔ ہمارے رہبر۔ سمپرداؤں کے سنچالک کبیر۔ دادو وغیرہ بھگت۔ ہمارے شاعر و فلاسفر تمام اس زہر آلودہ تعلیم کو پھیلاتے رہے ہیں۔ جس نے قوم کو نہایت ضعیف و کمزور کر کے غیروں کا غلام بنا دیا ہے اگر ہندو دنیا کی دوڑ دوپ میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی پرانی عظمت و شائستگی کو حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ تو انہیں اپنی ذہنیت کو تبدیل کرنا چاہیئے۔ اور دنیاوی ترقی کو روحانی ترقی سے کم ضروری نہ سمجھنا چاہیئے۔

کشمکش سے گریز

(۲) یہ دنیا آرام کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ میدانِ کارزار ہے۔ یہاں کوئی انسان ایک جگہ پر ٹھہرا نہیں رہ سکتا۔ ڈیوٹی و فرض میں بندھا ہوا۔ اپنا کرتویہ پالن کرتا ہوا ہی انسانی زندگی کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ وید بھگوان اسی بات کا اُپدیش کرتے ہیں

اے انسانوں۔ کرم کرتے ہوئے ہی سو برس تک جینے کی اچھیا کرو۔ گیتا کے اندر بھی کرشن مہاراج نے یہی اپدیش ارجن کو دیا ہے۔ کہ تم کشمکش سے مت گھبراؤ۔ تو اپنا فرض کرم کرتا جا۔ مگر ہندو آتما کے امرپن کو مانتے ہوئے بھی گیتا کے پاٹھ کرتے ہوئے بھی اپنے جسم کو بچانے کے خواہشمند ہیں۔ لڑائی سے گھبراتے ہیں۔ کشمکش سے بھاگتے ہیں۔ اسی لئے اکثر پیچھے جاتے ہیں۔ دنیا میں کمزوروں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں زبردست۔ توانا۔ بلوان ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔ جو لوگ جدوجہد سے گریز کرتے ہیں۔ وہ بھیرو اور کائر ہوتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے زندگی کے فلسفہ کو سمجھ لیا تھا۔ وہ جسم و آتما کی ماہیت کو بخوبی جانتے تھے۔ لہٰذا انہیں موت سے ڈر نہیں ہوتا تھا وہ موت کو محض تبدیلی تصور کرتے تھے۔ جیسے پرانے کپڑے اُتار کر نئے پہن لیتے ہیں۔ ویسے پرانا شریر تیاگ کر نیا شریر دھارن کر لیا جاتا ہے۔ ہم اس فلسفہ کو طوطا کی طرح تو روز گیتا کے پاٹھ میں رٹتے ہیں۔ مگر عملی ثبوت اس کے لئے اپنے جیون میں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ ہماری دوسری کمزوری ہے۔ جسے رشی نے محسوس کیا۔ اور اس کے برخلاف ہمیں اُپدیش دیا۔ کہ ہم موت سے نہ ڈریں۔ دنیاوی کشمکش سے نہ گھبرائیں۔ بلکہ جدوجہد کو آنند و سکھ پردان کرنے والی وستو سمجھ کر اُس پر اس کے اُپاسک بنے رہیں۔ اگر ہندوؤں کو زندگی مطلوب ہے۔ تو انہیں جدوجہد کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ جو کہ دھارمک۔ سوشیل و پولیٹکل جگت میں ہمارے سامنے ہے۔ اگر میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ تو ہماری قومی موت ہو گی

(۳) ہماری تیسری خرابی یہ ہے۔ کہ ہر ایک ہندو خودغرضی کا شکار ہو کر اپنی ذاتی ترقی کے درپے ہے۔ مگر مجلسی ترقی کا ہمیں خیال نہیں۔ شخصی طور پر ہم ٹیگور جیسے شاعر۔ جگدیش چندر بوس و پی۔ سی رے جیسے سائنس دان۔ مہاتما گاندھی جیسے شانتی کے دیوتا۔ مہاتما ہنس راج جیسے قربانی مجسم ایسے اشخاص پیدا کر سکتے ہیں۔ مگر سمشتی روپ میں ہماری قوم منظم طور پر وہ کام نہیں کر سکتی۔ جو کہ دوسری قومیں کر دکھاتی ہیں۔ قومی ترقی کے لئے انفرادی ترقی سے مجلسی ترقی زیادہ ضروری ہے۔ مجلسی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہر ایک انسان سماج و سوسائٹی کے لئے اپنے ذاتی مفاد کو قربان کر دے اپنے نفع کو قوم کے فائدہ کے مطیع کر دے۔ اگر ایسا ہم نہیں کر سکتے۔ تو ہماری قومی ترقی نہیں ہو سکتی۔ سوامی جی کے آنے سے پہلے ہر ایک ہندو اپنی ڈھائی چاول کی کھچڑی علیحدہ علیحدہ پکاتا تھا۔ سوشیل سنگھٹن کا ہمیں نام و نشان نہ تھا۔ اپنی رائے کا ہر ایک مالک تھا۔ جیسے سوسائٹی کے فائدہ کے لئے وہ قربان کرنا اپنی ہتک سمجھتا تھا۔ رشی نے اس کمی کو محسوس کیا۔ اور ہمیں بتایا۔ کہ ہمیں کیول اپنی اُنتی سے سنتشٹ نہیں ہو جانا چاہیئے۔ پرنتو سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہیئے۔ ہمارے اندر پریم کا جو بھاؤ دکھائی دیتا ہے۔ اس کی تہہ میں بھی سپرٹ کام کر رہی ہے۔ دوسرا دکھی ہو۔ میں تنہا ہوں مجھے کیا۔ ایک ہندو بھائی پر سنکٹ ہو۔ مصیبت اس کے سر پر پڑی ہو۔ بجائے اس کے کہ میں اس کی مدد کروں۔ اور اس کے دکھ درد میں شریک ہو کر انسانی ہمدردی کا اظہار کروں۔ میں یہ کہہ کر تسلی پا لیتا ہوں۔ "میں کیا کروں۔ مجھے کیا"۔ جب تک کہ ہم خود اس مصیبت کا شکار نہیں ہو جاتے۔ جو دوسروں پر نازل ہے۔ ہم دوسروں کے دکھ۔ درد کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ یہ isolation علیحدگی کی سپرٹ قومی ترقی کے منافی ہے۔ ہندوؤں کو پرسپر بھاتو بھوتی اور پریم کرنا سیکھنا چاہیئے۔ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ رشی کا اپدیش ہے

(۴) جنم کا بھوت ہمارے سر پر سوار ہے۔ ہر ایک اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ حالانکہ وید بھگوان کے اندر پرماتما ہم کو اپدیش دیتے ہیں۔

اے انسانوں! تم میں کوئی چھوٹا نہیں۔ کوئی بڑا نہیں۔ تم سب مل کر سگے بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کی اُنتی کے لئے پریتن کرو۔ مگر افسوس! ہم ویدکا یہ اعلیٰ اپدیش بھول گئے۔ اور ذات پات کے جھوٹے بندھنوں میں پڑ گئے۔ رشی نے ہماری اس کمزوری کو محسوس کیا۔ اور ہمیں بتایا۔ گن۔ کرم۔ سوبھاؤ سے ہے۔ نہ کہ جنم سے۔ جنم سے سب شودر ہیں۔ سنسکاروں سے دوج ہوتے ہیں۔ جنم کے غلط اصول نے ہماری سوسائٹی کے نظام کو درہم برہم کر دیا ہے۔ "ہمیں راہ کہ میروی بہ ترکستان است"۔ انسان کا ورن کرم سے تھا۔ جنم سے نہیں۔ کا Centripetal مرکز کی طرف کھنچنے والی طاقت کم ہو گئی ہے۔ اور ہماری منتشر یہ طاقت Centrifugal Force بڑھ گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ برہمن کھشتری۔ ویش۔ شودر آدی ورنوں کا آپس میں پریم و سنگھٹن نہیں۔ بلکہ درجوں کی طرف سے شودروں اور اچھوتوں کی طرف نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں دت بھائی ہندو دھرم کو خیرباد کہہ کر اسلام و عیسائیت کی گود میں جا پناہ گزین ہوئے ہیں۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے۔ کہ ہمارا وِشال ویدک دھرم اتنا تنگ و سنکچت بنا دیا جائے۔ کہ اس کے اندر اچھوتوں کے لئے کوئی باعزت زندگی گزارنے کے لئے جگہ نہ ہو۔ یہ عالمگیر ہندو دھرم جو کسی زمانہ میں ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا۔ جو غیر ہندوؤں کو ہندو بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اور جس کے زیر اثر دوسری قوموں کے ہزارہا افراد ہندو دھرم میں پرویش ہوتے رہے ہیں۔ آج کتنا کمزور دکھائی دیتا ہے۔ جب کہ یہ اپنا دروازہ دوسروں پر بند کرتا ہے۔ شاکا۔ ہون۔ سیتھین۔ جو لوگ حملہ آور ہو کر ہندوستان میں آئے۔ ان سب کو ہندو دھرم نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ مگر آج اس کا ہاضمہ ذات پات کے جھوٹے وچاروں سے کمزور ہو گیا ہے۔ رشی نے اس کمزوری کو محسوس کیا۔ اور ہمیں بتایا۔ کہ ہم اپنی ذہنیت کو بدل ڈالیں۔ ویدک دھرم عالمگیر ہے۔ کیونکہ وید بھگوان ہمارے جگت کو آریہ بناؤ۔ اس بات کا اُپدیش کرتا ہے۔ مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو بنائے جا سکتے ہیں۔ سات کروڑ اچھوت ہمارے بھائی ہیں۔ ان سے نفرت کرنا پاپ ہے۔ ان کو گرا کر ہم خود گرتے ہیں۔ ان کو اٹھانے سے ہم خود اٹھتے ہیں۔ شکر کا مقام ہے۔ کہ آریہ سماج کے لگاتار چالیس سال کے پرچار سے اب لوگوں کی ذہنیت میں کچھ فرق آنے لگا ہے۔ اور ہندو ان غریب اچھوتوں کو جو صدیوں سے ان کی جوتیاں برداشت کر رہے ہیں۔ جو کہ جسم۔ خون۔ ویش۔ جاتی۔ سبھیتا۔ سنسکرتی۔ اتہاس۔ سنسکاروں و تیوہاروں کے لحاظ سے پکے ہندو ہیں۔ اب قدر کی نگاہ الفت سے دیکھنے لگے ہیں۔ پرماتما کرے۔ ہمارا زاویہ نگاہ ان کے متعلق جلد بدل جائے۔ اور ہم جنم سے ابھیمان کو تلانجلی دے کر انہیں اپنائیں۔ یہی ایک علاج اس مہلک مرض کا ہے۔ جس کے ہندو شکار ہیں علاج رشی بتلا گیا ہے۔ استعمال کرنا ہندوؤں کے اختیار میں ہے۔

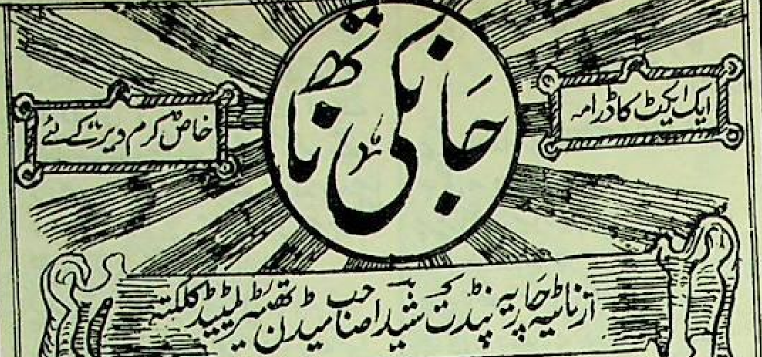

پہلا سین

لاہور منٹو پارک کے بغل والا میدان۔ دسہرے کا میلہ۔ راون جل رہا ہے بھگوان رام چندر کی سواری واپس جا رہی ہے۔ اتنا ہجوم ہے کہ کھوے سے کھوا چل رہا ہے۔ پنڈت پریم ناتھ اور اس کا ۸ برس کا نواسہ کل دیپک ہاتھ میں جینی کا رام لئے ہوئے ایک جگہ کھڑے ہو کر گا رہے ہیں۔

آواز:۔ رگھوپتی راگھو راجہ رام۔ پتت پاون سیتا رام

پریم ناتھ اور کل دیپک:۔ رگھوپتی راگھو راجہ رام پتت پاون سیتا رام۔

کل دیپک:۔ (گانا بند کرکے) لالہ جی۔ لالہ جی یہ "رگھوپتی راگھو راجہ رام۔ پتت پاون سیتا رام" کون تھا۔

پریم ناتھ:۔ اجودھیا کے مہاراجہ دشرتھ کا بیٹا۔

کل دیپک:۔ اور راجہ رام کی ماں کا کیا نام تھا لالہ جی

پریم ناتھ:۔ کوشلیا

کل دیپک:۔ اور یہ راون کون تھا۔ لالہ جی

پریم ناتھ:۔ لنکا کا راجہ

کل دیپک:۔ اس کے پتا کا کیا نام تھا۔

پریم ناتھ:۔ پلستیہ نندن وشروا

کل دیپک:۔ اتنا لمبا لالہ جی۔ اور راون کی ماں کا نام

پریم ناتھ:۔ کیکسی

کل دیپک:۔ جس طرح آپ کا نام پنڈت پریم ناتھ ہے۔ اسی طرح راون کے ناناجی کا کیا نام تھا لالہ جی

پریم ناتھ:۔ سمالی۔

کل دیپک:۔ لالہ جی! یہ سب نام آپ کو کیسے معلوم ہوئے۔

پریم ناتھ:۔ تلسی رامائن کے پڑھنے سے۔

کل دیپک:۔ پھر تو آپ یہ بھی جانتے ہونگے۔ کہ راون نے رام کا کیا بگاڑا تھا۔ جو رام نے راون کو جان سے مار ڈالا

پریم ناتھ:۔ ہاں ہاں میں سب جانتا ہوں سنو راون راکشس ہونے پر اتیاچاری تھا۔ یوں تو وہ چار وید چھ شاستر اٹھارہ پران کا جاننے والا تھا۔ مگر پرلے درجہ کا اہنکاری تھا۔ اور دوسرے وہ ستی سیتاجی کو چھل سے اٹھا کر لنکا لے آیا تھا۔

کل دیپک:۔ کیا اس سمے بھی اجودھیا سے لنکا تک ریل گاڑی چلتی تھی۔ لالہ جی!

پریم ناتھ:۔ نہیں نہیں بیٹا! اس سمے ریل گاڑی کا کام بیل گاڑی سے لیا جاتا تھا۔ مگر ہاں بڑے بڑے راجاؤں مہاراجاؤں اور دیوتاؤں کے پاس پشپک بوان ہوتے تھے راون بھی پشپک بوان میں چڑھ کر ستی سیتا کو لے آیا تھا۔

کل دیپک:۔ اوں سمجھا لالہ جی! یہ پشپک بوان کیا ہوتا ہے۔

پریم ناتھ:۔ یہی تمہارا ہوائی جہاز۔ جیسے کل بھی تو آکاش میں اڑتے دیکھا تھا۔ کیوں دیکھا تھا نہ۔

کل دیپک:۔ ہاں ہاں لالہ جی۔ دیکھا تھا۔ دیکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کوئی بھاری چیل اڑ رہی ہے۔

پریم ناتھ:۔ بس بس۔ وہی وہی۔ اسے سنسکرت بھاشا میں پشپک بوان کہتے ہیں۔

کل دیپک:۔ تو کیا رام اور راون کے زمانہ میں بھی ہوائی جہاز ہوتے تھے لالہ جی!

پریم ناتھ:۔ اس سے بھی پہلے۔ جب سے دنیا بنی تب سے ہی پشپک بوان بھی چلے آتے ہیں۔ دیوتاؤں کے سیر کرنے کا تو صرف یہی آکاشی رتھ ہوتا تھا جسے ہندی بھاشا میں اڑن کھٹولا بھی کہتے ہیں۔ بچو! اگلے وقتوں کے ہوائی جہاز تو ایک ایک دن میں دس دس ہزار کوس تک طے کیا کرتے تھے۔

کل دیپک:۔ اور آج کل کے ہوائی جہاز ان میں کتنے میل طے کرتے ہیں۔ لالہ جی!

پریم ناتھ:۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں دو سو میل۔

کل دیپک:۔ ایک گھنٹہ میں دو سو میل۔ ہوں۔ دن کے ہوئے ۱۲ گھنٹہ۔ سو ۱۲ دونی ہوئے ۲۴ یعنی دو ہزار چار سو میل دن بھر میں۔ بہت تھوڑے ہوئے۔ کہاں دن میں دس ہزار کوس اور کہاں دن میں دو ہزار چار سو میل۔۔۔۔ ہاں سچ۔ لالہ جی آپ نے یہ نہ بتایا۔ کہ یہ ستی سیتا رام کی کیا ہوتی تھیں۔

پریم ناتھ:۔ استری

کل دیپک:۔ جس طرح میری ماں پتاجی کی استری ہیں۔

پریم ناتھ:۔ ہاں۔ ہاں۔ اسی طرح۔

کل دیپک:۔ تبھی جسے دیکھو رام نام کے ساتھ سیتا کو لگا کر دونوں میاں بیوی کا نام رٹتا ہے۔ آپ بھی تو یہی رٹا کرتے ہیں۔

پریم ناتھ:۔ ہاں ہاں ٹھیک سمجھے۔ جس طرح نارائن کی استری لکشمی ہونے سے لکشمی نارائن شنکر کی استری گوری ہونے سے گوری شنکر اور کرشن کی پران پیاری رادھا ہونے سے رادھا کرشن ہوا۔

کل دیپک:۔ یہ تو میں سمجھ گیا۔ یعنی اسی طرح رام کی استری سیتا ہونے سے سیتا رام ہو گیا کنتو لالہ جی! آپ ہمارے پتاجی کو صرف ناتھ ہی کہہ کر کیوں بلاتے ہیں۔ پتاجی کے نام کے ساتھ میری ماں جانکی کا نام لگا کر کیوں نہیں بلاتے

پریم ناتھ:۔ (اس کی طرف غور سے دیکھ کر) بال کی کھال اتارتے ہو۔ بڑے باتونی ہو۔ پورے مغز چٹو ہو۔

کل دیپک:۔ بتاؤ نہ لالہ جی۔ آپ ہمارے پتاجی کو جانکی ناتھ کہہ کر کیوں نہیں بلاتے۔ اب کل سے انہیں ناتھ کی جگہ جانکی ناتھ بلاؤ گے نہ کہو تو کر بلاؤں گا۔

پریم ناتھ:۔ بھلا یہ چھوکرا کٹے مانیگا۔ یہ تو اپنی بات پوری کرکے رہیگا۔ چلو چلو اب گھر چلیں۔ اندھیرا ہو رہا ہے۔

کل دیپک:۔ (رونی صورت بنا کر) نہیں نہیں ہم تو گھر تبھی جائیں گے۔ کہ جب آپ ہمیں بتائینگے

پریم ناتھ:۔ آہ! بلا کا ضدی چھوکرہ ہے۔ ارے مورکھ! کہیں باپ بھی اپنی بیٹی کا نام اس کے پتی کے نام کیساتھ لگا کر اپنے جنوائی کو بلاتا ہے۔

کل دیپک:۔ تو کیا آپ اپنی ماں کا نام اپنے شری پتا کے نام کیساتھ لگا کر اسے بلا سکتے ہیں

پریم ناتھ:۔ ہرگز نہیں۔

کل دیپک:۔ کیا میں ایسا کر سکتا ہوں۔

پریم ناتھ:۔ اوں ہوں

کل دیپک:۔ جب آپ بھی "ہرگز نہیں" کر سکتے اور میں بھی "اوں ہوں" نہیں کر سکتا۔ تو پھر رام کے ساتھ سیتا (سوچنا) نارائن کے ساتھ لکشمی۔ شنکر کے ساتھ گوری۔ اور رادھا کے ساتھ کرشن کا نام لگا لگا کر لوگ انہیں کیوں بلاتے ہیں۔ کیا ساری دنیا ہی مورکھ ہے

پریم ناتھ:۔ دنیا مورکھ نہیں۔ سیانی ہے کیونکہ لکشمی۔ گوری سیتا اور رادھا سارے سنسار کی ماں۔ اور نارائن شنکر۔ رام اور کرشن پتا ہیں۔

کل دیپک:۔ تو کیا ہمارے بھی چار چار باپ اور چار مائیں ہیں۔

پریم ناتھ:۔ تمہارے کیا دنیا بھر کے یہ ماتا پتا ہیں

کل دیپک:۔ آپ کے چار چار باپ اور چار چار مائیں ہوں گی۔ ہمارا تو ایک ہی پتا ہے۔ اور ایک ہی ماتا۔ ہماری ماتا جی کا نام تو ہے جانکی اور پتاجی کا نام ہے ناتھ۔ کیوں لالہ جی ٹھیک ہے نہ

پریم ناتھ:۔ مجھ سے مہر لگوا لو۔ اچھا بابا یونہی سہی۔ اب میرا پیچھا بھی چھوڑ دو۔ چلو چلو گھر چلیں جانکی تمہارا راہ تکتی ہو گی۔

کل دیپک:۔ ہاں ہاں پہلے لالہ جی۔ کنتو پیچھا تو نہیں چھوڑیں گے۔ جب گھر چل کر چارپائی دراز ہوں گے۔ اس لئے جب تک گھر نہیں پہنچے

پریم ناتھ:۔ تو کیا تب تک یوں ہی ٹرٹراتے رہو گے میرا مغز کھاتے رہوگے۔

کل دیپک:۔ (ہاتھ پکڑ کر ہلاتے ہوئے) لالہ جی لالہ جی۔ کیا آپ خفا ہو گئے۔ تو تو۔ اب اور نہیں بولیں گے۔

پریم ناتھ:۔ اچھا بابا بڑبڑ۔ مگر بھگوان کیلئے اس طرح منہ کو نہ پھلاؤ۔ آج برس کا دن ہے۔ پوچھو پوچھو بابا۔ اور کیا پوچھنا چاہتے ہو۔

کل دیپک:۔ بس یہی۔ کہ جب راون ستی سیتا کو اپنے ہوائی جہاز میں بٹھا کر لنکا کی اور بھگا کر لے جا رہا تھا۔ تب پولیس والوں نے اپنا ہوائی جہاز اس کے پیچھے چھوڑ کر راون کے ہوائی جہاز کو کیوں نہیں پکڑا۔

پریم ناتھ:۔ یہ میں نہیں جانتا۔

کل دیپک:۔ نہیں نہیں۔ آپ جانتے تو ہیں۔ مگر ہمیں بتانا نہیں چاہتے۔ کیوں ٹھیک ہے نہ لالہ جی۔ تو کیا آپ یہ بھی نہیں جانتے۔ کہ راون سیتا کو بھگا کر لنکا کیوں لے آیا تھا۔

پریم ناتھ:۔ رام لکشمن سے اپنی بہن شروپ نکھا کی ناک کاٹنے کا بدلا چکانے کیلئے۔

کل دیپک:۔ تو کیا رام نے شروپ نکھا کی ناک، کاٹ کھائی تھی۔ آخ تھو۔۔۔۔

پریم ناتھ:۔ نہیں نہیں۔ الو۔ یہ رام کے چھوٹے لکشمن جی کے ہاتھ کی صفائی تھی۔

کل دیپک:۔ (حیرانی سے) لکشمن جی نے ایسا برا کام کیوں کیا۔

پریم ناتھ:۔ سنو سنو۔ جب شروپ نکھا رام پر موہت ہو کر رام کی استری بننے کیلئے ہاؤ بھاؤ کرنے لگی۔ حد سے زیادہ بڑھنے لگی۔ تب رام نے اسے لکشمن کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ لکشمن کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی۔ تب لکشمن ادھر ادھر بغلیں جھانکنے لگے۔ اس سین کو دیکھ کر رام اور سیتا ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر بن گئے۔ آخر رام نے لکشمن کو اشارہ سے شروپ نکھا کی ناک کاٹنے کیلئے سمجھا دیا بس پھر کیا تھا۔ لکشمن نے جھٹ بڑے بھائی کی آگیا سے شروپ نکھا کی ناک کا صفایا کر دیا

کل دیپک:۔ پھر کیا ہوا۔

پریم ناتھ:۔ پھر شروپ نکھا روتی پیٹتی اپنے بھائی کھر دوکھن کے پاس پہنچی۔ اپنی بہن کی ایسی بری حالت دیکھ کر فوراً آگ بگولا ہو گئے۔ اور راتوں رات کھر دوکھن نے بیشمار خونخوار سینا لے کر بن باسی رام لکشمن پر دھاوا بول دیا۔

کل دیپک:۔ دھاوا کیا لالہ جی۔

پریم ناتھ:۔ یعنی رام لکشمن پر ٹوٹ پڑے کنتو پلک جھپکتے ہی رام لکشمن نے کھر دوکھن کی بیشمار خونخوار سینا کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈھیر کر دیا۔ اور ساتھ ہی کھر دوکھن کو بھی جہنم پہنچایا۔

کل دیپک :۔ ہم سمجھ گئے۔ لالہ جی۔

پریم ناتھ :۔ چتا پر جل کر راکھ ہونے پر بھی جہاں پاپی لوگ جلا کرتے ہیں۔

کل دیپک :۔ اوں سمجھا۔ پھر کیا ہوا۔ لالہ جی۔

پریم ناتھ :۔ پھر دوکھن اور ان کی سینا کے سواہا ہونے پر شروپ نکھا کے دل میں ویر کی آگ پہلے سے بھی زیادہ بھڑک اٹھی۔ اور وہ اپنی کٹی ہوئی ناک ہتھیلی پر رکھ کر سیدھی اپنے بڑے بھائی لنکا پتی راون کے دربار میں پہنچی۔ اور لگی رو رو کر آپ بیتی سنانے۔ جب راون سنتے سنتے اُبکائیاں لینی شروع کیں۔ تب شروپ نکھا نے بات کا پہلو بدل کر ایسے خوبصورت شبدوں میں سیتا کی خوبصورتی کا بکھان کیا۔ کہ جسے سن کر راون کے منہ سے بھی رال ٹپکنے لگی۔ ایک سنتھ دوکاج والی مثال کو سامنے رکھ کر اپنے پریم ستر مریچ کے ساتھ "پنچ وٹی" پہنچا۔

کل دیپک :۔ لالہ جی۔ لالہ جی یہ مریچ کون تھا۔

پریم ناتھ :۔ برہما جی کا بیٹا تھا۔ مگر بہروپ بھرنے میں بلا کا استاد تھا۔ بڑے بڑے سراغ رسانوں کے دانت کھٹے کر دیتا تھا۔ ہاں تو جب دونوں پنچ وٹی پہنچے۔ تب دیکھا۔ کہ کٹیا میں سیتا کے پاس رام بیٹھے ہیں۔ اور باہر ایک طرف لکشمن سر جھکائے کھڑے ہیں اب سیتا کو اڑایا جائے۔ تو کس طرح اڑایا جائے۔ یہ ایک ایسا پیچیدہ سوال تھا۔ جسے جلدی سے دونوں حل نہ کر سکے۔ آخر بہت دیر تک ماتھا پچی کرنے کے بعد یہ طے پایا۔ کہ مریچ سونے کا مرگ بن کر سیتا کے دل کو لبھائے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ یعنی جب مریچ سونے کا مرگ بن کر چھلانگیں مارتا ہوا سیتا کے پاس سے نکلا۔ تب سیتا جی آپے سے باہر ہو کر کٹیا سے باہر نکل آئیں۔ اور رام سے کہنے لگی۔ کہ آہا کیسا سندر سونے کا مرگ ہے ہمیں بہت بھایا۔ یہی جی چاہتا ہے۔ کہ ہم اسے اپنے ہاتھ سے ہری ہری گھاس کھلائیں

کل دیپک :۔ پھر کیا ہوا لالہ جی

پریم ناتھ :۔ پہلے تو رام نے بہت سمجھایا۔ کہ دیوی! کہیں سونے کے مرگ بھی چھلانگیں مارتے ہیں۔ یہ ضرور کسی راکھش نے بہروپ بھرا ہے۔ کوئی راکھشی مایا ہے۔ مگر جب سیتا جی نے تریا ہٹھ سولہ آنے پورا کر دکھایا۔ تب رام جی نے "ہری اچھا بھاوی بلوانا" کہہ کر دھنش بان سنبھال سونے کے مرگ کے پیچھے دوڑ لگائی۔ ....

کل دیپک :۔ پھر کیا ہوا۔ لالہ جی

پریم ناتھ :۔ پھر کیا ہونا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مریچ نے سیتا کو دھوکے کے جال میں پھنسانے کیلئے رام کی سی آواز بنا کر ہا ہا کار مچانا شروع کر دیا۔ کہ کوئی آؤ۔ رام کو بچاؤ۔ لکشمن سب جانتے تھے۔ کہ یہ کسی راکھش کی آواز ہے۔ رام کی نہیں۔ مگر سیتا نے اس آواز کو رام کی آواز جان کر لکشمن سے کہا۔ کہ یہاں کھڑے کھڑے کیوں سے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تو جلدی جاؤ۔ اور اپنے بھائی رام کے کام آؤ۔ سیتا کی بات رکھنے کیلئے آخر کار لکشمن بھی جسطرف سے آواز آئی تھی۔ اس طرف چلے گئے۔ اور جاتے جاتے کٹیا کے باہر ایک لکیر کھینچ کر کہہ گئے۔ کہ جو بھی ہو۔ کنتو اس لکیر کے باہر قدم نہ رکھنا اور جو اس لکیر کے اندر آئیگا۔ وہیں بھسم ہو جائیگا

کل دیپک :۔ آگے کیا ہوا لالہ جی

پریم ناتھ :۔ جب سیتا جی اکیلی رہ گئی۔ تب راون سادھو کے بھیس میں بھکشا کیلئے کٹیا کے باہر الکھ جگائی۔ سیتا بھکاری کو بھکشا دینے کیلئے جونہی کٹیا سے نکل لکیر سے باہر ہوئی۔ کہ راون سیتا کو اٹھا۔ یہ جا وہ جا۔ ہوا ہو گیا۔

کل دیپک :۔ پھر کیا ہوا لالہ جی۔

پریم ناتھ :۔ جب رام کو معلوم ہو گیا۔ کہ در اصل اس سے چھل کیا گیا ہے۔ تو وہ فوراً اپنی کٹیا میں واپس آئے کنتو وہاں سیتا کو نہ پا کر پاگلوں کی طرح رونے لگے اور بہت دنوں تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد سوامی بھگت بانر کل بھوشن شری ہنومان کو کسندھا کے مہاراج سگریو۔ اور اس کی بانر سینا کی سہائتا سے سمندر پر پل باندھ لنکا پار کر راون پر چڑھائی کی۔ اور انت میں راون کو مار کر اپنی پیاری سیتا کو واپس اجودھیا لے آئے ہری اوم تت ست۔ کتھا گئی اس پار اور ہم دونوں رہے اس پار۔ اب جلدی گھر چلو برخودار۔ بجلی چمک رہی ہے۔

[اکسمات آندھی کا پربل ویگ ہونے سے موسلا دھار مینہ برستا ہے۔ چھوٹے بڑے کا سر پر ٹانگیں رکھ کر اپنے اپنے گھر کی راہ لینا۔ پریم ناتھ بھی اپنے نواسے کل دیپک کو کندھے پر بٹھا کر غائب ہو جاتا ہے۔]

(پردہ گرتا ہے)

دوسرا سین

(پنڈت پریم ناتھ کی بیٹی جانکی کا مکان)

جانکی کچھ دل ہی دل میں بڑبڑا رہی ہے۔

جانکی :۔ (اپنے دل میں) بادلوں سے گھری ہوئی آشاڑھ کی سندھیا۔ برس جانے پر جھلکتی ہوئی چاندنی کلی کے کھلنے پر سوگندھت پون کے جھونکو وہ تمہارا اندر جال کہاں ہے۔ ورتھا ہے۔ جیون کی آشا ورتھا ہے۔ یہ اپُور سُندر پرتھوی ورتھا ہے۔

(گانا)

جو پتی نہیں تو سب ورتھا ہے
جو پتی ہیں تو سب ہیں ارتھ والے
رجو تمو ستو گن سے بڑھکر ہی
پتی ہیں جگ میں سامرتھ والے
پتی کے اکشر ہیں یوں تو دو ہی
مگر بنے ہیں پرمارتھ کو کانو
پتی ہی گن ہیں۔ پتی پدارتھ
پتی دھرم یا۔ پتی ہی نو کا

(۹ بجے)

پریم ناتھ :۔ اجو پہلے سی ہی سُن ہا تھا اور میرا آشیرباد

جانکی :۔ ورتھا ہے۔

پریم ناتھ :۔ میرا دلی پریم

جانکی :۔ ورتھا ہے۔

پریم ناتھ :۔ میری پدرانہ محبت

جانکی :۔ ورتھا ہے۔ ورتھا .... (چونک کر) ہیں۔ کون پتا جی۔ آہ پتا جی۔ میں نے کیا کہا۔

پریم ناتھ :۔ بیٹی۔ جو کچھ تم نے کہا میں نے سُن لیا۔ (کل دیپک، جو اپنے پورا نے سائیکل پر ادھر ادھر پہلے ہی سے گھوم رہا ہے۔)

کل دیپک :۔ (ماں کے پاس آکر) ماتا جی! تو کیا میں بھی ورتھا ہوں۔

جانکی :۔ ہاں۔ ہاں .... نہیں نہیں (دیکھ کر کل دیپک کو گلے لگا لیتی ہے۔)

پریم ناتھ :۔ بولو نہ جانکی بیٹا۔ اب کیوں رک گئی اب کس لئے آپے سے باہر ہو کر پاگلوں کیطرح اسے گلے لگا لیا۔ اگر سنسار کا سکھ جینے کی ابھلاشا اور پتا کا آشیرواد ورتھا ہے۔ تو کیا یہ تمہارا کل دیپک ورتھا نہیں ہے۔ کیا یہ سنسار کی وستو نہیں ہے۔ کنتو ہونے پر بھی نہیں ہے۔ جانکی! تو میری بیٹی ہے۔ اور یہ تیرا بیٹا ہے۔ جس طرح میرے سینے میں تیرے لئے پریم کی گنگا امڈ رہی ہے۔ اسی طرح تیرے سینے میں بھی اس کیلئے سنیہہ کی منداگنی لہرا رہی ہے۔ پتا آشیرواد۔ پتا سنیہہ اور پتا جیون اس جیتے ہوئے چندر مکھ کل دیپک کے سامنے سوکھا ہوا کُل ہے۔ بنا جل کے بادل ہے۔ بسنت رتو کی انتم راتری ہے۔ کیوں بیٹا! سمجھتی ہو اب تم سب سمجھتی ہو ....

کل دیپک :۔ (اپنی ماتا کو روتے ہوئے دیکھ کر) ماتا جی۔ ماتا جی تم روتی کیوں ہو۔ لالہ جی نے تمہیں کیا کچھ کہا ہے۔ بولو نہ۔ کیا تمہیں گالی دی ہے۔ نہیں بولتی۔ تو ہم بھی اوں۔ اوں (رونی صورت بنا کر) جاتے ہیں ....

رگھوپتی راگھو راجہ رام پتت پاون سیتا رام بینہیں یہ نہیں۔ جو ہم نے نیا گانا جوڑا ہے وہی گائینگے (یاد کر کے) پتا ہمارے پیارے ناتھ پتت پاون جانکی ناتھ (سائیکل چلا کر گاتے ہوئے وہاں سے جانا)

پریم ناتھ :۔ بجھانے بجھانے ہردے میں دبی ہوئی چنگاری آنسوؤں سے بجھا لے۔

جانکی :۔ (پونچھ کر) پتا جی۔ پتا جی۔ میں کہاں رو رہی ہوں۔

پریم ناتھ :۔ تو کیا ہوں لگی ہو۔ سچ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب دُکھ کے شکتی شالی منتر سے منشیہ پاگل ہو جاتا ہے۔ تب اس کی ہنسی کے بھی بھاؤ ہوتے ہیں۔ ہو گا۔ بُڈھا ہو گیا ہوں۔ اب نہ تو اچھی طرح دیکھ سکتا ہوں۔ نہ ہی سن سکتا ہوں۔ اور نہ ہی چل پھر سکتا ہوں باقی رہا یہ کے سمان میرا پرانا شریر اس لئے تم لوگوں کو دیکھنے کیلئے کبھی کبھی ادھر آ جاتا ہوں۔ رہا نہیں جاتا۔ الاس اور پریم میرے گلے میں رسی ڈال کر تیرے گھر کی اور کھینچ لاتی ہیں (آنکھیں بھر آتی ہیں)

جانکی :۔ ہیں۔ ہیں۔ پتا جی آپ کی آنکھوں میں آنسو۔

پریم ناتھ :۔ (آنسوؤں کو روکتے ہوئے) آنسو ان آنکھوں میں آنسو کہاں۔ بڑھاپے میں آنکھوں سے پانی بہنے کا روگ ہو جایا کرتا ہے۔ مجھے بھی روگ ہو گیا ہے۔ بیٹی جانکی! مجھے وہی روگ ہو گیا ہے۔ آہ میں نے بڑی بھول کی۔ جو چھوٹی عمر میں تیری شادی کر دی۔ یہ سب اسی بھول کی سزا بھگت رہا ہوں۔ تیری ساس کیساتھ میں بھی بھگت رہا ہوں۔ وہ چکی پیس پیس کر بھگت رہی ہے۔ اور میں لکڑی میں لگے ہوئے دیمک کے سمان بھیتر ہی بھیتر چورن ہی چورن ہو رہا ہوں (کہاں ہے۔ وہ پُتر پریم کی باولی نہیں کوشلیا کہاں ہے۔ دیکھوں۔ تو سہی۔ وہ کسطرح جیون کاٹ رہی ہے۔

جانکی (روک کر) پتا جی! وہ گھر میں نہیں ہیں گنگا اسنان کو گئی ہیں۔

پریم ناتھ :۔ گنگا اسنان۔ کیا کہا گنگا اسنان کو گئی ہے۔ (ہنسنا) پہلے تو وہ آپ وشنو دیوی بھاگیرتھی بنی رہتی تھی۔ اس کا چرن دھو دن گنگا جل سے بھی پوتر سمجھ کر وہ وہ آہ وہ آوارہ بہروپیا پیارے ناتھ ہر روز پیا کرتا تھا اب کیا وہ اپوتر ہو گیا نیرس ہو گیا۔ گدلا ہو گیا۔ جو تمہاری ساس کو گنگا اسنان کرنے کی ضرورت پڑی۔ حد سے گئے گذرے لاڈ پیار سے تیری جڑوں میں پانی دینے والی پتر اُپاسکا پُتر پریم کی لہلہاتی کوشلیا! تم نے اپنے ساتھ ہی میری غریب گائے جیسی بچی کا بھی ستیاناس کر دیا۔ بیٹا! اس سے ادھک میں تیری بُری حالت نہیں دیکھ سکتا۔ (کھانسنا) معلوم نہیں یہ بوڑھا ایک سانس کی انتم گنتی ہی نہیں ہو جائیگا۔ (چلا جاتا ہے)

جانکی :۔ بھگوان وہ دن مجھے نہ دکھائے آپ سے پہلے میری باری آئے کیونکہ میرا بھوشیہ دُکھوں کا وشال بھارت ہے۔ وراٹ وشاد ہے۔ انرت نراشا ہے سو

کفن بھی چھین لیگی یہ نراشا میرے لاشے کا
نہیں معلوم کیا پرنام ہوگا اس تماشے کا۔

سلسلے کے لئے دیکھو صفحہ ۳۴

۱۔ رجو تمو اور ستو گن۔ ۲۔ دھرم۔ ارتھ۔ کام موکش ہم پدارتھ۔ ۳۔ کشتی چلانیوالا۔ (۳) اور پتی ہی کشتی ارتھات اگر ان سب انکوں کو ملایا جائے تو ۱۰۸ کا عدد بن جائیگا۔

(لیکھک)

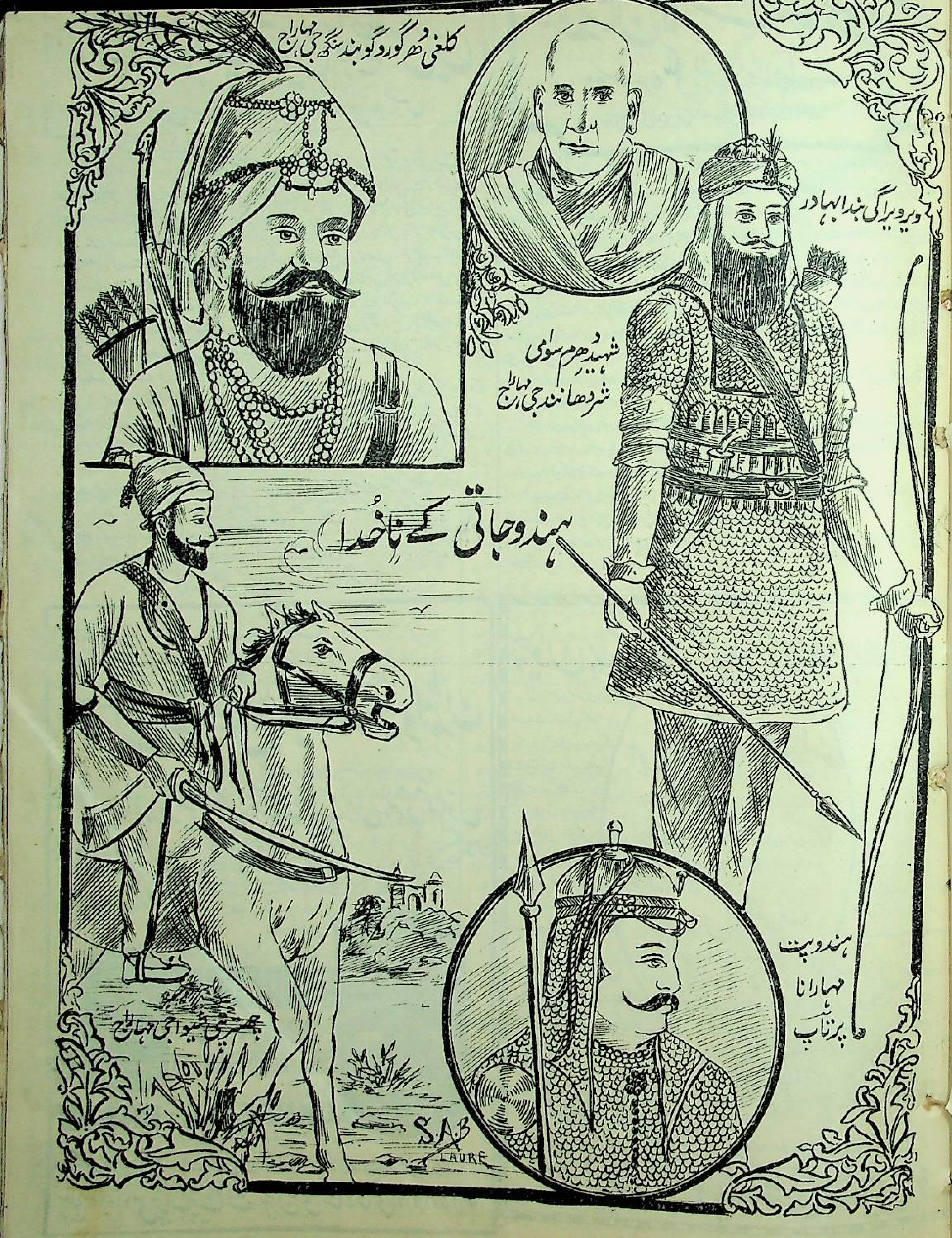
ہندو جاتی کے ناخدا
کلغی دھر گورو گوبند سنگھ جی مہاراج
ویر ویراگی بندا بہادر
شہید دھرم سوامی شردھانند جی مہاراج
ہندو پت مہارانا پرتاپ
چھترپتی شیواجی مہاراج
S.A.B

اگر ہندو زندہ رہنا چاہتے ہیں تو سوراجیہ حاصل کریں

(از مسٹر ایس ستیہ مورتی ممبر لیجسلیٹو کونسل مدراس)

ایڈیٹر صاحب "کرم ویر" لکھنؤ۔

آپ نے ازراہ مہربانی مجھ سے خواہش کی ہے۔ کہ میں آپ کے اخبار کے وجے دشمی نمبر کے لیئے چند سطور لکھوں۔ میں اس خواہش کی بڑی خوشی سے تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اتنی فرصت نہیں۔ کہ ایک لمبا مضمون لکھوں۔ البتہ میں چند سطور بڑی خوشی سے بھیجتا ہوں۔

میں لیڈران پنجاب کو اس شاندار کامیابی کے لیئے جو انہوں نے آل پارٹیز کانفرنس لکھنؤ میں حاصل کی ہے۔ اپنے جان و دل سے مبارکباد کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ جو پنجاب ایک دفعہ ہندوستان میں وہی رتبہ حاصل کرنے کے لئے تلا ہوا تھا۔ جو برطانیہ میں السٹر کو حاصل ہو گیا ہے اب اس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنی گذشتہ قومی خدمات کے لئے تعریف کا حقدار ہے۔ میں بڑی آنند کے ساتھ باشندگان پنجاب سے اپیل کرتا ہوں کہ لکھنؤ میں جو عظیم الشان سمجھوتہ ہوا ہے۔ اس کا نقش اہل پنجاب کے دلوں پر اس طور سے بٹھا دیں کہ صوبہ پنجاب کی پبلک زندگی سے فرقہ وار مرض نکال باہر کریں۔

میں یہ اپیل خاص طور سے اپنے ہندو بھائیوں سے کرتا ہوں۔ میں خود راسخ الاعتقاد (درڑھ) ہندو ہوں۔ میری تمنا ہے کہ ہندو دھرم زندہ رہے۔ اور پھلے پھولے۔ لیکن مجھے اتنا ہی یہ وشواس بھی ہے۔ کہ غلاموں کا کوئی دھرم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہندو دھرم کو پھر ایک بار زندہ اور عالی شان مذہب بننا ہے۔ تو وہ ویسا ہی بنے جیسا کہ وہ سری رامچندر مہاراج اور سری کرشن مہاراج کے زمانہ میں تھا۔ اور یہ کہ ہمیں سوراج ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔

ہم اس وقت تک سوراج حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ ہندو اور مسلمان امن اور اتحاد کے ساتھ زندہ رہنا اور کام کرنا نہ سیکھیں۔ کیا وہ مبارک دن تمام ہندوؤں کے لئے آ سکتا ہے۔ کیا میں تمام ہندوؤں سے یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ

"جننی جنم بھومی سورگ سے آدھی پگڑی سی"

ہندوستان کا مشترکہ ہیرو

دوسہرہ ملکی تہوار ہونا چاہیئے

از مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری ایڈووکیٹ لاہور

چند دنوں میں دسہرہ کا تہوار آنے والا ہے۔ کچھ دنوں کے لئے قریب ہر شہر میں بہت رونق اور چہل پہل بڑھ جائیگی۔ کیوں نہ ہو۔ اس ملک کے ایک بڑے کارنامے کی یادگار ہے۔ جو ایک ایسے انسان کی زندگی کو واضح کرتا ہے۔ جسے ہندوستان کے نبیوں یا مہاپرشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ تہوار جو ملکی تہوار ہونا چاہیئے تھا۔ ایک جماعتی تہوار بن گیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بھی ایسے اصحاب ملتے ہیں۔ جو راجہ رام چندر جی کی ویسے ہی عزت کرتے ہیں جیسے کوئی ہندو کر سکتا ہے۔ صوفیائے کرام میں سے ایک بہت بڑے بزرگ نے اپنی زندگی کے واقعات میں لکھا ہے۔ کہ وہ ایک دفعہ مراقبہ میں تھے کہ اس زمین میں سے انوار الہٰی نکلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ صوفیا کی اصطلاح میں انوار الٰہی وہیں سے نکلتے ہیں جہاں کوئی نبی مدفون ہو۔ اس پر وہ حیران ہوئے۔ اور جب مراقبہ میں زیادہ توجہ فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ انوار راجہ رام چندر جی کے متعلق ہیں۔

یہ تہوار اس امر کی یادگار ہے۔ کہ حق و صداقت خواہ وہ بظاہر کس قدر ہی کمزور ہو ہمیشہ باطل پر غالب ہوتی ہے۔ باطل کس قدر طاقتور معلوم ہو۔

ضرورت ہے کہ اس تہوار کو جماعتی رنگ سے نکال کر ملکی تہوار بنایا جائے۔ اسکے منانے کے پرانے طریق کو بدلنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے سوائے کھیل تماشا کے قطعاً کچھ فائدہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ راجہ رام چندر جی کی سیرت کو ہندو مسلمان دونو پر روشن کیا جائے۔ ان کی زندگی کے متعلق جلسے ہوں جس میں سب برابر کا حصہ لیں۔

ضرورت ہے کہ اس مہاپرش کے اس فعل کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ جس سے وہ ذات پات کے تفرقہ کو مٹانا چاہتے تھے۔ اور شیخ برہمن تو کجا برہمن و بھیل کو بھی ایک سا بنا دینا چاہتے تھے۔

کیا میں اپنے ہندوستانیوں سے یہ توقع کر سکتا ہوں کہ وہ راجہ رام چندر جی کو ہندوستان کا مشترکہ ہیرو بنانے میں بہت جلد قدم اٹھائیں گے۔

استعفا

(جملہ حقوق محفوظ)

منشی پریم چند کے قلم سے

خودداری اور غیرت کا امتحان

دفتر کا بابو ایک بے زبان مخلوق ہے۔ مزدور کو آنکھیں دکھاؤ تو وہ تیوریاں بدل کر کھڑا ہو جائے گا۔ قلی کو ایک ڈانٹ بتاؤ۔ تو سر سے بوجھ پھینک کر اپنی راہ لے گا۔ کسی بھکھاری کو دتکارو۔ تو وہ تمہاری طرف پُر قہر نظروں سے دیکھ کر چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ گدھا بھی کبھی کبھی اذیت پاکر دولتیاں جھاڑنے لگتا ہے۔ مگر بیچارے دفتر کے بابو کو آپ چاہے آنکھیں دکھائیں۔ ڈانٹ بتائیں۔ دتکاریں یا ٹھوکر ماریں۔ اس کے ماتھے پر بل نہ آئے گا۔ اُسے اپنے جذبات پر جو قدرت ہوتی ہے۔ وہ شاید کسی نفس کش سادھو میں بھی نہ ہو۔ قناعت کا پُتلا۔ صبر کی مورت۔ توکل کی تصویر۔ اطاعت کا مجسمہ۔ عبودیت کا پیکر۔ غرض وہ جملہ ملکوتی صفات کا ایک متحرک تودہ ہوتا ہے۔ مگر افسوس! خس و خاشاک کے تودہ کے بھی نصیب ایک دن جاگتے ہیں۔ دیوالی کے دن اس پر بھی روشنی ہوتی ہے۔ برسات میں اس پر بھی ہریالی چھاتی ہے۔ قدرت کی دلچسپیوں میں اس کا بھی حصّہ ہے۔ مگر اس غریب بابو کے نصیب کبھی نہیں جاگتے۔ اس کی اندھیری تقدیر میں روشنی کا جلوہ کبھی نظر نہیں آتا۔ اس کے چہرہ زرد پر کبھی تبسّم کی روشنی نہیں دکھائی دیتی۔ اس کے لئے ہمیشہ سوکھا ساون ہے۔ کبھی ہرا بھادوں نہیں۔ لالہ فتح چند ایسے ہی ایک بے زبان مخلوق تھے۔

کہتے ہیں۔ آدمی پر اس کے نام کا بھی کچھ اثر پڑتا ہے۔ فتح چند مستثنیات میں تھے۔ انہیں شکست داس کہنا زیادہ موزوں ہوتا۔ دفتر میں شکست۔ زندگی میں شکست دوستوں میں شکست۔ زندگی میں اُن کے لئے چاروں طرف شکستیں اور مایوسیاں تھیں لڑکا ایک بھی نہیں۔ لڑکیاں تین۔ بھائی ایک بھی نہیں۔ بھاوجیں دو۔ گانٹھ میں کوڑی نہیں۔ مگر دل میں رحم اور مروّت۔ سچّا دوست ایک بھی نہیں۔ جس سے دوستی ہوئی۔ اُسنے دغا دی۔ اس پر صحت کا نام نہیں۔ بتیس سال کی عمر میں بال کھچڑی ہوگئے تھے آنکھیں بے نُور۔ ہاضمہ چوپٹ۔ چہرہ زرد۔ گال پچکے۔ شانے جُھکے ہوئے۔ نہ دل میں ہمت۔ نہ جگر میں طاقت۔ نو بجے دفتر جاتے اور چھ بجے شام کو لوٹ کر گھر آتے۔ پھر گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ پڑتی۔ دنیا میں کیا ہوتا ہے۔ اس کی انہیں مطلق خبر نہ تھی۔ انکی دنیا۔ عقبیٰ لوک پرلوک جو کچھ تھا۔ دفتر تھا نوکری کی خیر مناتے۔ اور زندگی کے دن پورے کرتے تھے۔ نہ مذہب سے غرض تھی نہ دین سے واسطہ۔ نہ کوئی تفریح نہ کھیل۔ تاش کھیلے ہوئے بھی شاید ایک مدّت گذر گئی تھی۔

(۲)

جاڑوں کے دن تھے۔ آسمان پر کچھ کچھ ابر تھا۔ فتح چند ساڑھے پانچ بجے دفتر سے لوٹے۔ تو چراغ جل گئے تھے۔ دفتر سے آکر وہ کسی سے کچھ نہ بولتے تھے۔ چپکے سے چارپائی پر لیٹ جاتے تھے۔ اور پندرہ بیس منٹ تک بے حس وحرکت پڑے رہتے تھے تب کہیں جاکر اُن کے مُنہ سے آواز نکلتی تھی۔ آج بھی حسب معمول وہ مراقبہ میں ڈوبے مگر ایک ہی منٹ گذرا تھا۔ کہ باہر کسی نے آواز دی۔ چھوٹی لڑکی نے جاکر پوچھا۔ تو معلوم ہوا کہ دفتر کا چپراسی ہے۔ شاردا شوہر کے مُنہ ہاتھ دھونے کے لئے لوٹا گلاس مانجھ رہی تھی۔ بولی۔ اس سے کہدے۔ کیا کام ہے۔ ابھی تو دفتر سے آئے ہیں۔ ابھی سے پھر بلاوا آگیا۔

چپراسی نے کہا۔ صاحب نے کہا۔ ابھی بُلا لاؤ۔ کوئی بڑا جروری کام ہے۔ فتح چند کا مراقبہ ٹوٹ گیا۔ سر اُٹھا کر پوچھا۔ کیا بات ہے کون بُلا رہا ہے۔

شاردا۔ کوئی نہیں۔ دفتر کا چپراسی ہے۔

فتح چند نے سہم کر کہا۔ دفتر کا چپراسی۔ کیا صاحب نے بلایا ہے؟

شاردا۔ ہاں کہتا ہے۔ صاحب بلا رہے ہیں۔ یہ کیسا صاحب ہے تمہارا۔ کہ جب دیکھو بلایا کرتا ہے۔ صبح کے گئے گئے گھڑی مکان کو لوٹے۔ اس پر پھر بلاوا آگیا۔ کہدو۔ نہیں آتے۔ اپنی نوکری ہی لیگا یا اور کچھ۔

فتح چند نے صابرانہ لہجہ میں کہا۔ ذرا سُن لوں۔ کس لئے بُلایا ہے میں نے تو سب کام ختم کر دیا تھا۔ ابھی آتا ہوں۔

شاردا۔ ذرا جل پان تو کرتے جاؤ۔ چپراسی سے باتیں کرنے لگو گے۔ تو تمہیں اندر آنے کی یاد بھی نہ رہے گی۔

یہ کہہ کر وہ ایک پیالی میں تھوڑی سی دالموٹ اور سیو لائی۔ فتح چند اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ چیزیں دیکھیں۔ تو چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اور پیالی کی طرف حریصانہ مگر خوفزدہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "لڑکیوں کو دیدیا ہے؟"

شاردا نے آنکھیں چڑھا کر کہا۔ ہاں ہاں دیدیا ہے۔ تم تو کھاؤ۔

اتنے میں چھوٹی لڑکی آکر سامنے کھڑی ہو گئی۔ شاردا نے اس کی طرف قہر کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ تو کیا آکر سر پر سوار ہو گئی۔ جا باہر کھیل۔

فتح چند۔ رہنے دو۔ کیوں ڈانٹتی ہو۔ یہاں آؤ چنّی۔ یہ لو دالموٹ لے جاؤ۔ چنّی نے ماں کی طرف پُرخوف نظروں سے دیکھا اور باہر بھاگ گئی۔

فتح چند نے کہا۔ کیوں بیچاری کو بھگا دیا۔ دو چار دانے دیدیتا۔ تو خوش ہو جاتی۔

شاردا۔ اس میں ہے ہی کتنا۔ کہ سب کو بانٹتے پھرو گے۔ اُسے دیتے۔ باقی دونوں نہ آجاتیں۔ کس کس کو دیتے۔

اتنے میں چپراسی نے پھر پُکارا۔ بابو جی۔ ہمیں بڑی دیر ہو رہی ہے۔

شاردا۔ کہہ کیوں نہیں دیتے۔ اس وقت نہ آئیں گے۔

فتح چند۔ ایسا کیسے کہدوں بھائی۔ روزی کا واسطہ ہے۔

شاردا۔ تو کیا پران دے کر کام کرو گے؟ صورت نہیں دیکھتے اپنی۔ معلوم ہوتا ہے۔ چھ مہینے کا مریض ہو فتح چند نے جلدی جلدی دالموٹ کی دو تین پھنکیاں لگائیں۔ ایک گلاس پانی پیا۔ اور باہر کی طرف دوڑے۔ شاردا پان بناتی ہی رہ گئی۔

چپراسی نے کہا۔ "بابو جی۔ آپ نے بڑی دیر کر دی۔ اب ذرا لپکے چلئے۔ نہیں تو جاتے ہی ڈانٹ بتاویگا"

فتح چند نے دو قدم دوڑ کر کہا۔ چلیں گے تو بھئی آدمی ہی کی طرح۔ چاہے ڈانٹ بتائے یا دانت دکھائے۔ ہم سے دوڑا تو نہیں جاتا۔ بنگلہ ہی پر ہے نہ؟

چپراسی۔ بھلا وہ دفتر کیوں آنے لگا۔ بادشاہ ہے کہ دل لگی۔

چپراسی تیز چلنے کا عادی تھا۔ بابو فتح چند بیچارے آہستہ آہستہ جاتے تھے۔ تھوڑی ہی دور چل کر ہانپ اُٹھے۔ مگر مرد تو تھے ہی۔ یہ کیسے کہیں۔ کہ بھئی ذرا اور دھیرے چلو۔ ہمّت کر کے قدم اٹھاتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تلووں میں درد ہونے لگا۔ اور آدھا راستہ ختم ہوتے ہوتے پیروں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ سارا جسم پسینہ میں شل ہو گیا۔ سر میں چکر آگیا۔ آنکھوں کے سامنے تتلیاں اُڑنے لگیں

چپراسی نے للکارا۔ "ذرا قدم بڑھائے چلو بابو"

فتح چند بڑی مشکل سے بولے۔ "تم جاؤ۔ میں آتا ہوں"

وہ سڑک کے کنارے پٹڑی پر بیٹھ گئے۔ اور سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دم لینے لگے چپراسی نے ان کی یہ حالت دیکھی۔ تو آگے چلا۔ فتح چند ڈرے۔ کہ یہ شیطان جاکر نہ جانے صاحب سے کیا کہدے۔ تو غضب ہی ہو جاوے۔ زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھے۔ اور پھر چلے۔ مگر ضعف سے جسم ہانپ رہا تھا۔ اس وقت کوئی بچہ بھی انہیں زمین پر گرا سکتا تھا۔ بارے بہزار خرابی کسی طرح گرتے پڑتے صاحب کے بنگلے پر پہنچے۔ صاحب بنگلے میں ٹہل رہے تھے۔ بار بار پھاٹک کی طرف دیکھتے تھے۔ اور کسی کو آتے نہ دیکھ کر دل ہی دل میں جھلاتے تھے۔

چپراسی کو دیکھتے ہی آنکھیں نکال کر بولے۔ اتنی دیر کہاں تھا؟

چپراسی نے برآمدے کے زینے پر کھڑے کھڑے کہا۔ حضور جب وہ آویں تب تو۔ میں تو دوڑا چلا آرہا ہوں

صاحب نے پیر پٹک کر کہا۔ "بابو کیا بولا؟

چپراسی۔ آرہے ہیں حضور۔ گھنٹہ بھر میں تو گھر میں سے نکلے۔

اتنے میں فتح چند احاطہ کے تار کے اندر سے نکل کر آگئے۔ اور جُھک کر سلام کیا۔

صاحب نے کڑک کر کہا۔ اب تک کہاں تھا؟

فتح چند نے صاحب کا غضب آلودہ چہرہ دیکھا تو خون سرد ہو گیا۔ بولے حضور ابھی ابھی تو دفتر سے گیا ہوں۔ جونہی چپراسی نے آواز دی۔ حاضر ہوا۔

صاحب۔ جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم گھنٹے بھر سے کھڑا ہے"

فتح چند۔ حضور میں جھوٹ نہیں بولتا۔ آنے میں جتنی دیر ہو گئی ہو۔ مگر گھر سے چلنے میں مجھے بالکل دیر نہیں ہوئی

صاحب نے ہاتھ کی چھڑی گھما کر کہا۔ چپ رہو۔ سؤر۔ ہم گھنٹہ بھر سے کھڑا ہے۔ اپنا کان پکڑو۔

فتح چند نے خون کا گھونٹ پی کر کہا۔ حضور مجھے دس سال کام کرتے ہو گئے۔ کبھی ....

صاحب۔ چپ رہو سؤر۔ ہم کہتا ہے۔ اپنا کان پکڑو۔

فتح چند۔ جب میں نے کوئی قصور کیا ہو۔

صاحب۔ چپراسی! اس سؤر کا کان پکڑو۔

چپراسی نے دبی زبان سے کہا۔ حضور۔ یہ بھی میرے افسر ہیں۔ میں ان کا کان کیسے پکڑوں؟

صاحب۔ ہم کہتا ہے۔ اس کا کان پکڑو۔ نہیں ہم تم کو ہنٹروں سے ماریگا۔

چپراسی۔ حضور میں یہاں نوکری کرنے آیا ہوں۔ مار کھانے نہیں آیا ہوں۔ میں بھی عزت دار آدمی ہوں۔ حضور اپنی نوکری لے لیں۔ آپ جو حکم دیں۔ وہ بجا لانے کو حاضر ہوں۔ لیکن کسی کی عزت نہیں بگاڑ

ہندوستان کا مشترکہ ہیرو

دوسہرہ ملکی تہوار ہونا چاہئیے

از مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری ایڈوکیٹ لاہور

چند دنوں میں دسہرہ کا تہوار آنے والا ہے۔ کچھ دنوں کے لئے قریب ہر شہر میں بہت رونق اور چہل پہل بڑھ جائیگی۔ کیوں نہ ہو۔ اس ملک کے ایک بڑے کارنامے کی یادگار ہے۔ جو ایک ایسے انسان کی زندگی کو یاد دلاتا ہے۔ جسے ہندوستان کے نبیوں یا مہا پرشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ تہوار جو ملکی تہوار ہونا چاہئے تھا۔ ایک جماعتی تہوار بن گیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بہت ایسے اصحاب ملتے ہیں۔ جو راجہ رام چندر جی کی ویسے ہی عزت کرتے ہیں جیسے کوئی ہندو کر سکتا ہے۔ صوفیائے کرام میں سے ایک بہت بڑے بزرگ نے اپنی زندگی کے واقعات میں لکھا ہے۔ کہ وہ ایک دفعہ مراقبہ میں بیٹھے کہ انہیں اس زمین میں سے انوار الہی نکلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ صوفیا کی اصطلاح میں انوار الہی وہیں سے نکلتے ہیں جہاں کوئی نبی مدفون ہو۔ اس پر وہ حیران ہوئے۔ اور جب مراقبہ میں زیادہ توجہ فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ انوار راجہ رام چندر جی کے متعلق ہیں۔

یہ تہوار اس امر کی یادگار ہے۔ کہ حق و صداقت خواہ وہ بظاہر کس قدر ہی کمزور ہو ہمیشہ باطل پر غالب ہوتی ہے خواہ باطل کس قدر طاقتور معلوم ہو۔

ضرورت ہے کہ اس تہوار کو جماعتی رنگ سے نکال کر ملکی تہوار بنایا جائے۔ اسکے منانے کے پرانے طریق کو بدلا جائے کیونکہ اس سے سوائے کھیل تماشا کے قطعاً کچھ فائدہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ راجہ رام چندر جی کی سیرت کو ہندو مسلمان دونو پر روشن کیا جائے۔ ان کی زندگی کے متعلق جلسے ہوں جس میں سب برابر کا حصہ لیں۔

ضرورت ہے کہ اس مہا پرش کے اس فعل کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ جس سے وہ ذات پات کے تفرقہ کو مٹانا چاہتے تھے۔ اور شیخ برہمن تو کجا برہمن و بھیل کو بھی ایک سا بنا دینا چاہتے تھے۔

کیا میں اپنے ہندوستانیوں سے یہ توقع کر سکتا ہوں کہ وہ راجہ رام چندر جی کو ہندوستان کا مشترکہ ہیرو بنانے میں بہت جلد قدم اٹھائیں گے۔

اگر ہندو زندہ رہنا چاہتے ہیں تو سوراجیہ حاصل کریں

(از مسٹر ایس ستیہ مورتی ممبر لیجسلیٹو کونسل مدراس)

ایڈیٹر صاحب کرم ویر "ملتنے"۔

آپنے ازراہ مہربانی مجھ سے خواہش کی ہے۔ کہ میں آپ کے اخبار کے جے دشمی نمبر کے لئے چند سطور لکھوں۔ میں اس خواہش کی بڑی خوشی سے تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اتنی فرصت نہیں۔ کہ ایک لمبا مضمون لکھوں۔ البتہ میں چند سطور بڑی خوشی سے بھیجتا ہوں۔

میں لیڈران پنجاب کو اس شاندار کامیابی کے لئے جو انہوں نے آل پارٹیز کانفرنس لکھنو میں حاصل کی ہے۔ اپنے جان و دل سے مبارکباد کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ جو پنجاب ایک دفعہ ہندوستان میں وہی رتبہ حاصل کرنے کے لئے تیار ہو اٹھا۔ جو برطانیہ میں السٹر کو حاصل ہو گیا ہے اب اس نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنی گذشتہ قومی خدمات کے لئے تعریف کا حقدار ہے۔ میں بڑی آرزو کے ساتھ باشندگان پنجاب سے اپیل کرتا ہوں کہ لکھنو میں جو عظیم الشان سمجھوتہ ہوا ہے۔ اس کا نقش اہل پنجاب کے دلوں پر اس طور سے بٹھا دیں کہ صوبہ پنجاب کی پبلک زندگی سے فرقہ دار مرض نکال باہر کریں۔

میری یہ اپیل خاص طور سے اپنے ہندو بھائیوں سے کرتا ہوں۔ میں خود راسخ الاعتقاد (درڑھ) ہندو ہوں۔ میری تمنا ہے کہ ہندو دہرم زندہ رہے۔ اور پھلے پھولے۔ لیکن مجھے اتنا ہی یہ وشواس بھی ہے۔ کہ غلاموں کا کوئی دہرم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہندو دہرم کو پھر ایک بار زندہ اور عالی شان مذہب بننا ہے۔ تو وہ ویسا ہی بنے جیسا کہ وہ سری رامچندر مہاراج اور سری کرشن مہاراج کے زمانہ میں تھا۔ اور یہ کہ ہمیں سوراج ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔

ہم اس وقت تک سوراج حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ ہندو اور مسلمان امن اور اتحاد کے ساتھ زندہ رہنا اور کام کرنا نہ سیکھیں۔ کیا وہ مبارک دن تمام ہندوؤں کے لئے آسکتا ہے۔ کیا میں تمام ہندوؤں سے یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ

جننی جنم بھومی سورگ آدی پگری سی

استعفیٰ

(جملہ حقوق محفوظ)

منشی پریم چند کے قلم سے

دفتر کا بابو ایک بے زبان مخلوق ہے۔ مزدور کو آنکھیں دکھاؤ تو وہ تیوریاں بدل کر کھڑا ہو جائے گا۔ قلی کو ایک ڈانٹ بتاؤ۔ تو سر سے بوجھ پھینک کر اپنی راہ لے گا۔ کسی بھکھاری کو دھتکارو۔ تو وہ تمہاری طرف پُر قہر نظروں سے دیکھ کر چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ گدھا بھی کبھی کبھی اذیت پاکر دولتیاں جھاڑنے لگتا ہے۔ مگر بیچارے دفتر کے بابو کو آپ چاہے آنکھیں دکھائیں۔ ڈانٹ بتائیں۔ دھتکاریں یا ٹھوکر ماریں۔ اس کے ماتھے پر بل نہ آئے گا۔ اُسے اپنے جذبات پر جو قدرت ہوتی ہے۔ وہ شائد کسی نفس کُش سادھو میں بھی نہ ہو۔ قناعت کا پُتلا۔ صبر کی مورت۔ توکل کی تصویر۔ اطاعت کا مجسمہ۔ عبودیت کا پیکر۔ غرض وہ جملہ ملکوتی صفات کا ایک متحرک تودہ ہوتا ہے۔ مگر افسوس! خس و خاشاک کے تودہ کے بھی نصیب ایک دن جاگتے ہیں۔ دیوالی کے دن اس پر بھی روشنی ہوتی ہے۔ برسات میں اس پر بھی ہریالی چھاتی ہے۔ قدرت کی دلچسپیوں میں اس کا بھی حصّہ ہے۔ مگر اس غریب بابو کے نصیب کبھی نہیں جاگتے۔ اس کی اندھیری تقدیر میں روشنی کا جلوہ کبھی نظر نہیں آتا۔ اس کے چہرہ زرد پر کبھی تبسّم کی روشنی نہیں دکھائی دیتی۔ اس کے لئے ہمیشہ سوکھا ساون ہے۔ کبھی ہرا بھادوں نہیں۔ لالہ فتح چند ایسے ہی ایک بے زبان مخلوق تھے۔

کہتے ہیں۔ آدمی پر اس کے نام کا بھی کچھ اثر پڑتا ہے۔ فتح چند مستثنیات میں تھے۔ انہیں شکست داس کہنا زیادہ موزوں ہوتا۔ دفتر میں شکست۔ زندگی میں شکست دوستوں میں شکست۔ زندگی میں اُن کے لئے چاروں طرف شکستیں اور مایوسیاں تھیں لڑکا ایک بھی نہیں۔ لڑکیاں تین۔ بھائی ایک بھی نہیں۔ بھاوجیں دو۔ گانٹھ میں کوڑی نہیں۔ مگر دل میں رحم اور مروّت۔ سچّا دوست ایک بھی نہیں۔ جس سے دوستی ہوئی۔ اُسنے دغا دی۔ اس پر صحت کا نام نہیں۔ بتیس سال کی عمر میں بال کھچڑی ہو گئے تھے آنکھیں بے نور۔ ہاضمہ چوپٹ۔ چہرہ زرد۔ گال پچکے۔ شانے جھکے ہوئے۔ نہ دل میں ہمت۔ نہ جگر میں طاقت۔ نو بجے دفتر جاتے اور چھ بجے شام کو لوٹ کر گھر آتے۔ پھر گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہ پڑتی۔ دنیا میں کیا ہوتا ہے۔ اس کی انہیں مطلق خبر نہ تھی۔ انکی دنیا۔ عقبے۔ لوک پرلوک جو کچھ تھا۔ دفتر تھا نوکری کی خیر مناتے۔ اور زندگی کے دن پورے کرتے تھے۔ نہ مذہب سے غرض تھی نہ دین سے واسطہ۔ نہ کوئی تفریح نہ کھیل۔ تاش کھیلے ہوئے بھی شاید ایک مدت گذر گئی تھی۔

(۲)

جاڑوں کے دن تھے۔ آسمان پر کچھ کچھ ابر تھا۔ فتح چند ساڑھے پانچ بجے دفتر سے لوٹے۔ تو چراغ جل گئے تھے۔ دفتر سے آکر وہ کسی سے کچھ نہ بولتے تھے۔ چپکے سے چارپائی پر لیٹ جاتے تھے۔ اور پندرہ بیس منٹ تک بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے تب کہیں جاکر ان کے مُنہ سے آواز نکلتی تھی۔ آج بھی حسب معمول وہ مراقبہ میں ڈوبے تھے ایک ہی منٹ گذرا تھا۔ کہ باہر کسی نے آواز دی۔ چھوٹی لڑکی نے جاکر پوچھا۔ تو معلوم ہُوا کہ دفتر کا چپراسی ہے۔ شاردا شوہر کے مُنہ ہاتھ دھونے کے لئے لوٹا گلاس مانجھ رہی تھی۔ بولی۔ اس سے کہدے۔ کیا کام ہے۔ ابھی تو دفتر سے آئے ہیں۔ ابھی سے پھر بلاوا آگیا۔

چپڑاسی نے کہا۔ صاحب نے کہا۔ ابھی بُلا لاؤ۔ کوئی بڑا جروری کام ہے۔ فتح چند کا مراقبہ ٹوٹ گیا۔ سر اُٹھا کر پوچھا۔ کیا بات ہے کون بُلا رہا ہے۔

شاردا۔ کوئی نہیں۔ دفتر کا چپراسی ہے۔

فتح چند نے سہم کر کہا۔ دفتر کا چپراسی۔ کیا صاحب نے بلایا ہے ؟

شاردا۔ ہاں کہتا ہے۔ صاحب بلا رہے ہیں۔ یہ کیسا صاحب ہے تمہارا۔ کہ جب دیکھو بلایا کرتا ہے۔ صبح کے گئے گئے گھڑی مکان کو لوٹے۔ اس پر پھر بلاوا آگیا۔ کہدو۔ نہیں آتے۔ اپنی نوکری ہی لیگا یا اور کچھ۔

فتح چند نے صابرانہ لہجہ میں کہا۔ ذرا سُن لوں۔ کس لئے بلایا ہے میں نے تو سب کام ختم کر دیا تھا۔ ابھی آتا ہوں۔

شاردا۔ ذرا جل پان تو کرتے جاؤ۔ چپراسی سے باتیں کرنے لگو گے۔ تو تمہیں اندر آنے کی یاد بھی نہ رہے گی۔

یہ کہہ کر وہ ایک پیالی میں تھوڑی سی دالموٹ اور سیو لائی۔ فتح چند اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ چیزیں دیکھیں۔ تو چارپائی پر بیٹھ گئے۔ اور پیالی کی طرف حریصانہ مگر خوف زدہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ لڑکیوں کو دیدیا ہے ؟

شاردا نے آنکھیں چڑھا کر کہا۔ ہاں ہاں دیدیا ہے۔ تم تو کھاؤ۔

اتنے میں چھوٹی لڑکی آکر سامنے کھڑی ہو گئی۔ شاردا نے اس کی طرف قہر کی نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ تو کیا آکر سر پر سوار ہو گئی۔ جا باہر کھیل۔

فتح چند۔ رہنے دو۔ کیوں ڈانٹتی ہو۔ یہاں آؤ چنی۔ یہ لو دالموٹ لے جاؤ۔ چنی نے ماں کی طرف پُر خوف نظروں سے دیکھا اور باہر بھاگ گئی۔

فتح چند نے کہا۔ کیوں بیچاری کو بھگا دیا۔ دو چار دانے دیدیتا۔ تو خوش ہو جاتی۔

شاردا۔ اس میں ہے ہی کتنا۔ کہ سب کو بانٹتے پھرتے۔ اسے دیتے۔ باقی دونوں نہ آجاتیں۔ کس کس کو دیتے۔

اتنے میں چپراسی نے پھر پکارا۔ بابوجی۔ ہمیں بڑی دیر ہو رہی ہے۔

شاردا۔ کہ کیوں نہیں دیتے۔ اس وقت نہ آئیں گے۔

فتح چند۔ ایسا کیسے کہدوں بھائی۔ روزی کا واسطہ ہے۔

شاردا۔ تو کیا پران دے کر کام کرو گے ؟ صورت نہیں دیکھتے اپنی۔ معلوم ہوتا ہے۔ چھ مہینے کا مریض ہو

فتح چند نے جلدی جلدی دالموٹ کی دو تین پھنکیاں لگائیں۔ ایک گلاس پانی پیا۔ اور باہر کی طرف دوڑے۔ شاردا پان بناتی ہی رہ گئی۔

چپراسی نے کہا۔ بابوجی۔ آپ نے بڑی دیر کر دی۔ اب ذرا لپکے چلئے۔ نہیں تو جاتے ہی ڈانٹ بتادیگا

فتح چند نے دو قدم دوڑ کر کہا۔ چلیں گے تو بھئی آدمی ہی کی طرح۔ چاہے ڈانٹ بتائے یا دانت دکھائے۔ ہم سے دوڑا تو نہیں جاتا۔ بنگلہ ہی پر ہے نہ ؟

چپراسی۔ بھلا وہ دفتر کیوں آنے لگا۔ بادشاہ ہے کہ دل لگی۔

چپراسی تیز چلنے کا عادی تھا۔ بابو فتح چند بیچارے آہستہ آہستہ جاتے تھے۔ تھوڑی ہی دور چل کر ہانپ اُٹھے۔ مگر مرد تو تھے ہی۔ یہ کیسے کہیں۔ کہ بھئی ذرا اور دھیرے چلو۔ ہمّت کر کے قدم اُٹھاتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پنڈلیوں میں درد ہونے لگا۔ اور آدھا راستہ ختم ہوتے ہوتے پیروں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ سارا جسم پسینہ میں شل ہو گیا۔ سر میں چکر آگیا۔ آنکھوں کے سامنے تتلیاں اُڑنے لگیں

چپراسی نے للکارا۔ ذرا قدم بڑھائے چلو بابو۔

فتح چند بڑی مشکل سے بولے۔ تم جاؤ۔ میں آتا ہوں۔

وہ سڑک کے کنارے پٹڑی پر بیٹھ گئے۔ اور سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر دم لینے لگے۔ چپراسی نے ان کی یہ حالت دیکھی۔ تو آگے چلا۔ فتح چند ڈرے۔ کہ یہ شیطان جاکر نہ جانے صاحب سے کیا کہدے۔ تو غضب ہی ہو جاوے۔ زمین پر ہاتھ ٹیک کر اُٹھے۔ اور پھر چلے۔ مگر ضعف سے جسم ہانپ رہا تھا۔ اس وقت کوئی بچہ بھی انہیں زمین پر گرا سکتا تھا۔ بارے بہزار خرابی کسی طرح گرتے پڑتے صاحب کے بنگلہ پر پہنچے۔ صاحب بنگلہ میں ٹہل رہے تھے۔ بار بار پھاٹک کی طرف دیکھتے تھے۔ اور کسی کو آتے نہ دیکھ کر دل ہی دل میں جھلاتے تھے۔

چپراسی کو دیکھتے ہی آنکھیں نکال کر بولے۔ اتنی دیر کہاں تھا ؟

چپراسی نے برآمدے کے زینے پر کھڑے کھڑے کہا۔ حضور جب وہ آویں تب تو۔ میں تو دوڑا چلا آرہا ہوں

صاحب نے پیر پٹک کر کہا۔ بابو کیا بولا ؟

چپراسی۔ آرہے ہیں حضور۔ گھنٹہ بھر میں تو گھر میں سے نکلے۔

اتنے میں فتح چند احاطہ کے تار کے اندر سے نکل کر آئے۔ اور جھک کر سلام کیا۔

صاحب نے کڑک کر کہا۔ اب تک کہاں تھا ؟

فتح چند نے صاحب کا غضب آلودہ چہرہ دیکھا تو خون سرد ہو گیا۔ بولے حضور ابھی ابھی تو دفتر سے گیا ہوں۔ جونہی چپراسی نے آواز دی۔ حاضر ہوا۔

صاحب۔ جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم گھنٹے بھر سے کھڑا ہے۔

فتح چند۔ حضور میں جھوٹ نہیں بولتا۔ آنے میں جتنی دیر ہو گئی ہو۔ مگر گھر سے چلنے میں مجھے بالکل دیر نہیں ہوئی

صاحب نے ہاتھ کی چھڑی گھما کر کہا۔ چپ رہو۔ سؤر۔ ہم گھنٹہ بھر سے کھڑا ہے۔ اپنا کان پکڑو۔

فتح چند نے خون کا گھونٹ پی کر کہا۔ حضور مجھے دس سال کام کرتے ہو گئے۔ کبھی . . . .

صاحب۔ چپ رہو سؤر۔ ہم کہتا ہے۔ اپنا کان پکڑو۔

فتح چند۔ جب میں نے کوئی قصور کیا ہو۔

صاحب۔ چپراسی، اس سؤر کا کان پکڑو۔

چپراسی نے دبی زبان سے کہا۔ حضور، یہ بھی میرے افسر ہیں۔ میں ان کا کان کیسے پکڑوں ؟

صاحب۔ ہم کہتا ہے۔ اس کا کان پکڑو۔ نہیں ہم تم کو ہنٹروں سے ماریگا۔

چپراسی۔ حضور میں یہاں نوکری کرنے آیا ہوں۔ مار کھانے نہیں آیا ہوں۔ میں بھی عزّت دار آدمی ہوں۔ حضور اپنی نوکری لے لیں۔ آپ جو حکم دیں۔ وہ بجا لانے کو حاضر ہوں۔ لیکن کسی کی عزّت نہیں بگاڑ

خودداری اور غیرت کا امتحان

سکتا۔ نوکری تو چار دن کی ہے۔ چار دن کے لئے کیوں زمانہ بھر سے بگاڑ کریں۔

صاحب اب غصّہ نہ ضبط کر سکے۔ ہنٹر لیکر دوڑے۔ چپراسی نے دیکھا۔ یہاں کھڑا رہنے میں خیریت نہیں ہے۔ تو بھاگ کھڑا ہوا۔ فتح چند ابھی تک بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ صاحب نے چپراسی کو نہ پایا۔ تو اُن کے پاس آیا۔ ان کے دونوں کان پکڑ کر زور سے ہلا دیئے۔ بولا۔ تم سور گستاخی کرتا ہے۔ جا کر آفس سے فائل لاؤ۔

فتح چند نے کان سہلاتے ہوئے کہا۔ کونسا فائل لاؤں حضور۔

صاحب۔ فائل۔ فائل۔ اور کونسا فائل۔ تم بہرا ہے۔ سنتا نہیں۔ ہم فائل مانگتا ہے۔

فتح چند نے کسی قدر دلیر ہو کر کہا۔ آپ کونسا فائل مانگتے ہیں؟

صاحب۔ وہی فائل۔ جو ہم مانگتا ہے۔ وہی فائل لاؤ۔ ابی لاؤ۔

بیچارے فتح چند کو اب اور کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ صاحب بہادر ایک تو یونہی تیز مزاج تھے۔ اس پر حکومت کا غرور۔ اور سب سے بڑھ کر شراب کا نشہ۔ ہنٹر لے کر پل پڑتے تو بیچارے کیا کر لیتے چپکے سے دفتر کی طرف چل پڑے۔

صاحب نے کہا۔ دوڑ کر جاؤ۔ دوڑو۔

فتح چند نے کہا۔ حضور مجھ سے دوڑا نہیں جاتا۔

صاحب۔ "اوتم بہت سُست ہو گیا ہے۔ ہم تم کو دوڑنا سکھائیگا۔ دوڑو۔ (پیچھے سے دھکا دیکر) دوڑو۔ تم اب بھی نہیں دوڑے گا۔"

یہ کہہ کر صاحب ہنٹر لینے چلے۔ فتح چند دفتر کے بابو ہونے پر بھی انسان ہی تھے۔ اگر وہ طاقتور ہوتے تو اس بدمعاش کا خون پی جاتے۔ اگر ان کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا۔ تو اس پر ضرور چلاتے۔ لیکن اس حالت میں تو مار کھانا ہی ان کی تقدیر میں لکھا تھا بے تحاشا بھاگے۔ اور پھاٹک سے باہر نکل کر سڑک پر آگئے۔

(۳)

فتح چند دفتر نہ گئے۔ جا کر کرتے ہی کیا۔ صاحب نے فائل کا نام تک نہ بتایا۔ شاید نشہ میں بھول گیا۔ آہستہ آہستہ گھر کی طرف چلے۔ مگر اس تحقیر، ذلت اور تنبیہ نے پیروں میں بیڑیاں سی ڈال دی تھیں۔ مانا کہ وہ جسمانی قوت میں صاحب سے کمزور تھے۔ ان کے ہاتھ میں کوئی چیز بھی نہ تھی۔ لیکن کیا وہ اُس کی باتوں کا جواب بھی نہ دے سکتے تھے؟ ان کے پیروں میں جوتے تو تھے۔ کیا وہ جوتے سے کام نہ لے سکتے تھے۔ پھر کیوں انہوں نے اتنی ذلت برداشت کی۔؟

مگر چارہ ہی کیا تھا۔ اگر وہ غصّہ میں اُنہیں گولی مار دیتا تو؟ اس کا کیا بگڑتا۔ شاید ایک دو ماہ کی سادہ قید ہو جاتی۔ ممکن ہے دو چار سو روپے جُرمانہ ہو جاتا۔ مگر ان کا خاندان تو خاک میں مل جاتا۔ دنیا میں کون تھا۔ جو ان کی بیوی بچوں کی خبر لیتا۔ وہ کس کے دروازے ہاتھ پھیلاتیں۔؟ کاش اُن کے پاس اتنے روپے ہوتے۔ جس سے ان کے کنبہ کی پرورش ہو جاتی۔ تو وہ آج اتنی ذلت نہ برداشت کرتے۔ یا تو مر ہی جاتے۔ یا اس شیطان کو کچھ سبق ہی دے دیتے۔ اپنی جان کا انہیں خوف نہ تھا زندگی میں ایسا کونسا سکھ تھا۔ جس لئے وہ اس قدر خائف ہوتے۔ خیال تھا۔ صرف خاندان کی بے سرو سامانی کا۔

آج فتح چند کو اپنی جسمانی بے بسی پر جتنا افسوس ہوا۔ اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ اگر انہوں نے شروع ہی سے صحت کا خیال رکھا ہوتا۔ کچھ ورزش کرتے رہتے۔ لکڑی چلانا جانتے ہوتے۔ تو کیا اس شیطان کی اتنی ہمت ہوتی۔ کہ وہ ان کے کان پکڑتا۔ اس کی آنکھیں نکال لیتے۔ کم سے کم انہیں گھر سے ایک چھڑی لیکر چلنا تھا۔ اور نہ ہوتا۔ دو چار ہاتھ جماتے ہی۔ پیچھے دیکھا جاتا۔ جیل خانہ ہی تو ہوتا۔ یا اور کچھ۔

جوں جوں آگے بڑھتے تھے۔ ان کی طبیعت اپنی بُزدلی اور بودے پن پر اور بھی جھنجھلاتی تھی۔ اگر وہ اُچک کر اس کے دو چار تھپیڑ ہی لگا دیتے۔ تو کیا ہوتا۔ یہی نہ کہ صاحب کے خانسامے بہرے سب ان پر پل پڑتے۔ اور مارتے مارتے بیدم کر دیتے۔ بال بچوں کے سر پر جو کچھ پڑتی۔ پڑتی۔ صاحب کو اتنا تو معلوم ہو جاتا۔ کہ کسی غریب کو بیگناہ ذلیل کرنا آسان نہیں ہے۔ آخر آج میں مر جاؤں۔ تو کیا ہو؟ تب کون میرے عیال کی پرورش کریگا؟ تب ان کے سر جو کچھ پڑے گی۔ وہ آج ہی پڑ جاتی۔ تو کیا ہرج تھا۔

اس آخری خیال نے فتح چند کو اتنا مشتعل کیا۔ کہ وہ لوٹ پڑے۔ اور صاحب سے ذلت کا انتقام لینے کے لئے دو چار قدم چلے۔ مگر پھر خیال آیا۔ آخر جو کچھ ذلت ہونی تھی۔ وہ تو ہو ہی لی۔ کون جانے بنگلہ پر ہو۔ یا کلب چلا گیا ہو۔ شاردا کی بیکسی اور بچوں کی بے پدری کا خیال بھی آگیا۔ پھر لوٹے اور گھر چلے۔

(۴)

گھر میں جاتے ہی شاردا نے پوچھا۔ کس لئے بلایا تھا؟ بڑی دیر ہو گئی۔

فتح چند نے چارپائی پر لیٹتے ہوئے کہا۔ نشہ کی سنک تھی اور کیا۔ شیطان نے مجھے گالیاں دیں۔ ذلیل کیا۔ بس یہی رٹ لگائے ہوئے تھا۔ کہ دیر کیوں کی؟ ظالم نے چپراسی سے میرا کان پکڑنے کو کہا

شاردا نے طیش میں آ کر کہا۔ "تم نے ایک جوتا اتار کر دیا نہیں سور کو۔"

فتح چند۔ چپراسی بہت شریف ہے اس نے صاف کہدیا۔ حضور مجھ سے یہ کام نہ ہو گا۔ میں نے بھلے آدمیوں کی عزت اتارنے کے لئے نوکری نہیں کی تھی۔ اسی وقت سلام کر کے چلا گیا۔

شاردا۔ یہ ہے دلیری! تم نے اُس صاحب کو کیوں نہیں پھٹکارا؟

فتح چند۔ پھٹکارا کیوں نہیں۔ میں نے بھی خوب سُنائیں۔ وہ چھڑی لے کر دوڑا۔ میں نے بھی جوتا سنبھالا۔ اس نے مجھے دو تین چھڑیاں جمائیں۔ میں نے بھی کئی جوتے لگائے:

شاردا نے خوش ہو کر کہا۔ سچ! اتنا سا مُنہ ہو گیا ہو گا اُس کا۔

فتح چند۔ چہرے پر جھاڑو سی پھری ہوئی تھی۔

شاردا۔ بڑا اچھا کیا تم نے۔ اور مارنا چاہیئے تھا۔ میں ہوتی۔ تو بغیر جان لئے نہ چھوڑتی۔

فتح چند۔ مار تو آیا ہوں۔ لیکن اب خیریت نہیں ہے۔ دیکھو کیا حشر ہوتا ہے۔ نوکری تو جائیگی ہی۔ شاید سزا کاٹنی پڑے بلا

شاردا۔ سزا کیوں کاٹنی پڑے گی۔ کیا کوئی انصاف کرنے والا نہیں ہے۔ اس نے کیوں گالیاں دیں۔ کیوں چھڑی جمائی۔؟

فتح چند۔ اس کے سامنے میری کون سُنے گا۔ عدالت بھی اسی کی طرف ہو جائے گی۔

شاردا۔ ہو جائے گی ہو جائے۔ مگر دیکھ لینا اب کسی صاحب کی یہ جرأت نہ ہو گی۔ کہ کسی بابو کو گالیاں دے بیٹھے۔ تمہیں چاہیئے تھا کہ جونہی اس کے مُنہ سے گالی نکلی۔ لپک کر ایک جوتا رسید کرتے۔

فتح چند۔ تو پھر اس وقت زندہ لوٹ بھی نہ سکتا۔ ضرور مجھے گولی مار دیتا۔

شاردا۔ دیکھی جاتی۔

فتح چند نے مسکرا کر کہا۔ "پھر تم لوگ کہاں جاتیں؟"

شاردا۔ جہاں ایشور کی مرضی ہوتی۔ آدمی کے لئے سب سے بڑی چیز عزت ہے۔ عزت گنوا کر بال بچوں کی پرورش نہیں کی جاتی۔ تم اس شیطان کو مار کر آئے ہو۔ میں غرور سے پھولی نہیں سماتی۔ مار کھا کر آتے تو شاید میں تمہاری صورت سے بھی نفرت کرتی۔ یوں زبان سے چاہے کچھ نہ کہتی۔ مگر دل سے تمہاری عزت جاتی رہتی۔ اب جو کچھ سر پہ آئیگی۔ خوشی سے سر پر جھیل لونگی۔ ...... کہاں جاتے ہو۔ سنو سنو۔ کہاں جاتے ہو۔؟

فتح چند ایک مجنونانہ جوش میں گھر سے نکل پڑے۔ شاردا پکارتی رہ گئی۔ وہ پھر صاحب کے بنگلہ کی طرف جا رہے تھے۔ خوف سے سہمے ہوئے نہیں۔ غرور سے گردن اٹھائے ہوئے آہنی عزم ان کے چہرہ سے جھلک رہا تھا۔ ان کے پیروں میں وہ ضعف چہرہ پر وہ نقاہت۔ آنکھوں میں وہ بیکسی نہ تھی۔ ان کی کایا پلٹ سی ہو گئی تھی۔ اُس خستہ تن، نیمجان، زرد رو، لاغر اندام دفتری بابو کی جگہ اب ایک مردانہ صورت چاق چُست۔ ہمت سے بھرا ہوا، مضبوط، گٹھا ہوا جوان تھا۔ انہوں نے پہلے ایک دوست کے گھر جا کر اس کا ڈنڈا لیا۔ اور اکڑتے ہوئے صاحب کے بنگلہ پر جا پہنچے۔

(۵)

اس وقت نو بجے تھے۔ صاحب کھانے کی میز پر تھے۔ مگر فتح چند نے آج ان کے میز پر سے اُٹھ جانے کا انتظار نہ کیا۔ خانساماں تو کمرہ سے باہر نکلا۔ اور وہ چک اٹھا کر اندر داخل ہوئے۔ کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ زمین پر ایسی قالین بچھی ہوئی تھی۔ جیسی فتح چند کی شادی میں بھی نہ بچھی ہو گی۔ صاحب بہادر نے اس کی طرف خونبار نظروں سے دیکھ کر کہا۔ تم کیوں آیا؟ باہر جاؤ۔ کیوں اندر چلا آیا؟

فتح چند نے کھڑے کھڑے ڈنڈا سنبھال کر کہا۔ تم نے مجھ سے ابھی فائل مانگا تھا۔ وہی فائل لیکر آیا ہوں۔ کھانا کھا لو۔ تو دکھاؤں۔ جب تک میں بیٹھا ہوں۔ اطمینان سے کھاؤ۔ شاید یہ تمہارا آخری کھانا ہو گا۔ اس وجہ سے خوب سیر ہو کر کھاؤ۔

صاحب سناٹے میں آگئے۔ فتح چند کی طرف خوف اور غصّہ کی نظروں سے دیکھا۔ اور کانپ اُٹھے فتح چند کے چہرہ پر سفاکانہ عزم جھلک رہا تھا۔ صاحب سمجھ گئے۔ یہ شخص اس وقت مرنے مارنے کے لئے تیار ہو کر آیا ہے۔ قوت میں فتح چند ان کے پاسنگ بھی نہیں تھا۔ لیکن یہ یقینی تھا۔ کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں بلکہ لوہے سے دینے کو آمادہ ہے۔ اگر وہ فتح چند کو سخت سُست کہتے ہیں۔ تو کیا عجیب ہے کہ وہ ڈنڈا لیکر پل پڑے ہاتھا پائی کرنے میں باوجودیکہ انہیں غالب آنے کا یقین تھا۔ لیکن بیٹھے بٹھائے ڈنڈے کھانا بھی تو کوئی دانشمندی نہیں۔ کتّے کو آپ ڈنڈے سے ماریئے۔ ٹھکرایئے۔ جو چاہے کیجیے۔ مگر اسی وقت تک۔ جب تک وہ غراتا نہیں۔ ایکبار وہ غرا کر دوڑ پڑے۔ تو پھر دیکھیں آپ کی ہمت کہاں جاتی ہے۔ یہی حال اس وقت صاحب بہادر کا تھا۔ جبتک یقین تھا۔ کہ فتح چند گھُڑکی دھمکی۔ ہنٹر ٹھوکر۔ سب کچھ خوشی سے برداشت کریگا۔ تب تک آپ شیر تھے۔ اب وہ تیوریاں بدلے ڈنڈا سنبھالے بلی کی طرح گھات لگائے کھڑا ہے زبان سے کوئی کلمہ نا ملائم نکلا۔ اور اس نے ڈنڈا چلایا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اسے برخاست کر سکتے ہیں اگر مارتے ہیں۔ تو مار کھانے کا بھی خوف، اس پر فوجداری میں مقدمہ دائر ہو جانے کا اندیشہ مانا کہ وہ اپنے اثر اور وقار سے بالآخر فتح چند کو جیل میں ڈلوا دیں گے۔ لیکن پریشانی اور بدنامی سے کسی طرح نہ بچ سکتے تھے۔ ایک دانشمند دور اندیش آدمی کی طرح انہوں نے حاضرہ کا دل میں تجزیہ کر لیا۔ اور بولے او ہو! ہم سمجھ گیا۔ آپ ہم سے ناراض ہے۔ ہم نے کیا آپ کو کچھ کہا ہے آپ کیوں ہم سے ناراض ہے؟

فتح چند نے تن کر کہا۔ تم نے ابھی آدھ گھنٹہ قبل میرے کان پکڑے تھے۔ اور مجھے سینکڑوں اول فول کہا۔ کیا اتنی جلد بھول گئے!۔

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۶۰

موسم سرما میں استعمال کرنے کیلئے کارخانہ امرت دھارا کی تیار کردہ مشہور و مجرب بے خطا ادویات

اس مطلب کے واسطے ہمارے پاس چھ درجن سے زیادہ دوائیاں موجود ہیں اور انکے علاوہ اگر کوئی ایسی حالت ہو کہ انمیں سے کوئی دوائی بھی مفید نہ سمجھی جائے تو نئی تیار کر دیجاتی ہے

رسالہ امراض مخصوصہ مردان مفت طلب فرمائیں

فہرست مفت طلب کریں !

اکسیر نمبر ۱ مہت باجی کرن اوشدھ یہ دوائی بہت سی ادویہ مبہی و مقوی وغیرہ کا مجموعہ ہے یہ ان مریضوں کو استعمال کرنی چاہیے جن کو جریان وغیرہ کی تو ایسی بہت سی شکایت نہیں ہے صرف کمی باہ ہے اور یہ دوائی مقوی باہ کے علاوہ امراض بادی بلغمی کھانسی - نزلہ - زکام - درد کمر جوڑوں کا درد چھاتی کے درد کو نافع ہے دودھ گھی اس سے ہضم ہوتا ہے خون بڑھتا اور چہرہ سرخ ہوتا ہے + قیمت ۶۴ گولی چار روپے نمونہ ۸ گولی آٹھ آنے +

اکسیر نمبر ۲ لکھشمی ولاس رس یہ دوائی جریان و سرعت ... احتلام کو نافع ہے بیماری کے بعد جو کمزوری ہوتی ہے اسکو دور کرتی ہے بخاروں کے بعد جو کمی باہ یا جریان ہوتا ہے اسکو نافع ہے اس کی مداومت سے قوت باہ بھی بڑھتی ہے - بدبوئے منی وغیرہ کو نافع ہے - قیمت ۶۴ گولی چار روپے نمونہ ۸ گولی آٹھ آنے

اکسیر نمبر ۱۰ یہ دوائی مقوی باہ ہے جو لوگ ہر سال ایکبار بھی استعمال کر لیا کریں طاقت بہت رہے اس کی مداومت سے بالکل گئے گذرے انسانوں کو بھی بہت طاقت ہوتی ہے - قیمت ۶۴ گولی چار روپے نمونہ ۸ گولی ۸

اکسیر نمبر ۱۲ مہت باجی کرن اوشدھ یہ گولیاں انکے واسطے ہیں جو سرعت کے شاکی رہتے ہیں اگر دو دیر کو اس کی ایک سے ۴ گولی تک کھائیں تو استعمال ہوتا ہے قیمت ۶۰ گولی ۳ روپے نمونہ ۲۰ گولی ۱ روپیہ

اکسیر نمبر ۱۶ برہد بنگیشور اس میں سونا - چاندی موتی کستوری - ابرک - بھیم سینی کافور وغیرہ اشیاء شامل ہیں جریان فوراً اس سے دور ہوتی ہے کثرت احتلام اور سرعت کے واسطے نافع ہے جن کے اندر ہیج بہت کم ہے اور کمزور ہوں اسکو چند ماہ استعمال کر کے پھر جوان ہو سکتے ہیں جن کی بیخ خراب ہے اس کے صاف ہو جاتی ہے بخار وغیرہ کے بعد کی کمزوری کو نافع ہے مقوی دل دماغ و جگر ہے تپدق درجہ اول میں بھی مفید ہے پیشاب کا بار بار آنا شکر آنا و ۲۰ قسم کی پرمیہ کو مفید ہے - حرارت غریزی و رطوبت فضلہ منی - طاقت رنگ روپ اس سے بڑھتا ہے قیمت ۳۲ گولی چار روپے نمونہ ۸ گولی ایکروپیہ عہ

درجہ اول جس میں چندرا و دے ڈالا جاتا ہے ایک گولی ایکروپیہ اس کو جو کھا دے کبھی کمزور نہیں ہوتا ہے +

اکسیر نمبر ۱۸ کشتہ شنگرف یہ کشتہ خاص ترکیب سے تیار کیا جاتا ہے کشتہ شنگرف میں خدا نے خاص طاقت بھر دی ہے بالکل نامرد کو مرد کرنا اسکا کام ہے - تھوڑے دنوں میں ہمنے اس کشتہ سے اکثروں کو قابل بنایا تمام امراض بادی بلغمی گنٹھیا - فالج - لقوہ - دمہ - کھانسی بلغمی درد کمر - درد چھاتی - سردی سے بدن سن ہو گیا ہو تو بھی دو چار چاول گرم کر دیتے ہیں قیمت فیتولہ عہ ۱ روپے نمونہ ۳ ماشہ عہ

اکسیر نمبر ۱۹ کشتہ قلعی بے نظیر یہ خاص کشتہ قلعی ۱ اکو بیٹھڑے میں تو صرف صاف کیا جاتا ہے اسکے سامنے چاندی کا کشتہ بھی ہیچ ہے جریان اور ۲۰ قسم کی پرمیہ کو دور کرنے کے واسطے بے نظیر ہے سرعت احتلام کو نافع ہے منی اس سے بہت گاڑھی ہو جاتی ہے - سوزاک اور قرحہ کو بھی نافع ہے - مرد کو نینگ اور گھوڑے کو تنگ والا مقولہ اسی پر صادق آتا ہے قیمت فی تولہ عہ ۱۰ دس روپے ۳ ماشہ عہ ڈیڑھ ماشہ سوا روپیہ +

اکسیر نمبر ۲۰ من متھ رس یہ نسخہ شیوجی مہاراج کا تجویز کردہ ہے اس سے بوڑھا بھی جوان ہو جاتا ہے اور جوان پہلوان ہوتا ہے اور جو ہر سال کھائے کبھی کمزور نہ ہو - خوبی یہ ہے کہ تیز نہیں ہے آہستہ آہستہ فائدہ کرتا ہے ہمیشہ اسکو کھانے میں کوئی نقصان نہیں ہوتا - مقوی مبہی و ممسک ہے - قیمت ۶۴ گولی چار روپے - نمونہ ۸ گولی آٹھ آنے +

اکسیر نمبر ۲۱ یہ تیز نہیں ہے بلکہ معتدل ہے اور بھوک کو پہلے دن بڑھا دیتی ہے جسم میں چستی معلوم ہوتی ہے قوت باہ ۷ دن کے اندر بڑھنی شروع ہو جاتی ہے دو ماہ اسکو کھانے سے قوت رومی آ جاتی ہے - قیمت فی تولہ عہ ۱۶ روپے - ۶ ماشہ آٹھ روپے +

اکسیر نمبر ۲۶ کشتہ سونا درجہ اوّل تین ماشہ بھی جو اس کشتہ کو کھالیویگا اس کا معتقد ہو جاویگا کل اعضاء رئیسہ کو اس قدر قوت دیتا ہے کہ بوڑھا بھی جوان ہو جاتا ہے دل و دماغ جگر گردہ

معدہ مثانہ اعضاء تناسل سب کو قوت عظیم دیتا ہے حرارت غریزی کو قائم رکھنے والا اور بڑھانیوالا غرضیکہ یہ کیا نہیں ہے قیمت درجہ اول اسی ۸۰ روپے فیتولہ - نمونہ چار رتی چار روپیہ درجہ دوم معمولی قسم کا چالیس روپے تولہ ملتا ہے +

اکسیر نمبر ۲۷ حبوب آفتدار یہ گولیاں دافع جریان و سرعت احتلام ہیں مقوی باہ بھی ہیں خاص کر بعد فراغت ایک دو گولی کھا لینے سے تمام سستی کافور ہو جاتی ہے قیمت ۶۰ گولی ایکروپیہ عہ نمونہ ۳ +

اکسیر نمبر ۳۳ آیورویدک ٹانک اس بے نظیر دوائی کی تعریف کے واسطے ایک رسالہ چاہیے انگریزی کل ٹانک ادویہ اس کے سامنے ہیچ ہیں جن کے گھر اولاد نہ ہوتی ہو تو مرد و عورت دونو اسکو کچھ مدت استعمال کریں خدا فضل کر دیگا قیمت ۶۴ گولی چار روپے نمونہ آٹھ آنے +

اکسیر نمبر ۳۹ اکسیر عت یہ دوائی دودھ میں ڈال کر کھیر بنا کر کھائی جاتی ہے لذیذ ہے دیرنج کو بہت گاڑھا کرتی ہے چند دن کے استعمال سے بند صحیح ہو گیا ہو جاتا ہے ہر مزاج کے موافق ہے - قیمت ایکپاؤ دو روپے نصف پاؤ ایکروپیہ +

طلاء ۳ طلا مہت یہ طلاء مجلوقوں کو خاصکر مفید ہے معمولی حالتوں میں بہت نفع بخشتا ہے - از کار رفتہ کو بھی مرد بنا دیتا ہے قیمت ۴ ڈرام عہ نمونہ ۴

طلاء ۴ طلائے مایوسین اس کے بھی نمبر ۳ کے اوصاف ہیں تجربہ نے زیادہ تیز ہے اثر کرتا ہے زیادہ سخت حالتوں میں اسکو برتا جاتا ہے قیمت ۲ ڈرام تین روپے نمونہ بارہ آنے +

طلاء نمبر ۱۴ یونانی طلاؤں کے سینکڑوں اشتہار نکلتے رہتے ہیں اور خوش کرنے کے واسطے لوگ بھی انکی تعریف کرتے ہیں یارنگ بیٹھے بیٹھے کے اندر نئی روح پھونکنے والا اور کوئی طلاء نہیں قیمت فی شیشی ۳ نمونہ ۳ +

ان کے سوا کشتہ تانبہ - کشتہ ہڑتال - کشتہ فولاد - ابرک - جست سکہ رسکپور دارچکنا - سونا - مروارید منور - زہر مہرہ - عقیق سنگ یشب پارہ چاندی وغیرہ ہر ایک کشتہ و مومیائی وغیرہ تیار رہتی ہیں

بڑی فہرست امرت دھارا دینی رسالہ امراض مخصوصہ مردان ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجنے پر بھیجی جاتی ہے چھوٹی فہرست اپنے پاس سے ٹکٹ لگا کر بھیجی جاتی ہے

خط و کتابت و تار کیلئے اتنا پتہ کافی ہے امرت دھارا ۱۹ لاہور

المشتہر منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون امرت دھارا روڈ - امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

فریادِ بے زباں

(نتیجۂ فکر جناب بسمل پشاوری)

(خاص کرم ویر کے وجے دشمی نمبر کے لئے)

اے رام تری ذات پہ اُمید بڑی ہے
ہر ایک گھڑی سخت مصیبت کی گھڑی ہے
امداد کا یہ وقت ہے ساعت یہ کڑی ہے
اے رام بچا لے بڑے سنکٹ میں پڑی ہے
گائے پئے فریاد ترے در پہ کھڑی ہے

فریاد ہے چرخِ ستم ایجاد کے ہاتھوں
فریاد ہے بے رحمئی جلاد کے ہاتھوں
فریاد ہے ہر روز کی بیداد کے ہاتھوں
اے فاتح لنکا تری اولاد کے ہاتھوں
فریاد ہے فریاد ہے فریاد بڑی ہے

پہلے نہ تھی میں ظلم کی نخچیر کچھ ایسی
اب کی ہے ستمگار نے تدبیر کچھ ایسی
دیتا نہ تھا کوئی مجھے تعذیر کچھ ایسی
ڈالی ہے مرے پاؤں میں زنجیر کچھ ایسی
ہر ایک کڑی جس کی بڑی سخت کڑی ہے

زندہ بھی رہونگی مجھے وشواس کہاں ہے
سوکھے ہوئے ٹکڑوں کی بھی اب آس کہاں ہے
اب میرے لئے آب و ہوا راس کہاں ہے
پہلی سی چراگاہوں میں وہ گھاس کہاں ہے
ایسی ہے زمین خشک کہ بوٹی نہ جڑی ہے

بدبختی تقدیر نیا رنگ ہے لائی
اے رام دُہائی ہے دُہائی ہے دُہائی
گھیرے ہوئے ہیں آفتیں ارض و سما کی
گھبرا کے جدھر دیکھتی ہوں میں تو ادھر ہی
مونہہ کھولے ہوئے سامنے ہی موت کھڑی ہے

دنیا میں ہے اب مونس و غمخوار مرا کون؟
آئی ہوئی ٹالے مرے سر سے یہ بلا کون؟
اب تیرے سوا اور مددگار رہا کون؟
آئے مری امداد کو اب تیرے سوا کون؟
بندھن سے چھڑائے مجھے یہ کس کو پڑی ہے

آنکھوں سے رواں اشک ہیں ہونٹوں پہ ہیں نالے
اے رام پڑے ہیں مجھے اب جان کے لالے
بیگانے ہوئے مجھ سے مرے چاہنے والے
آخر کے سنبھالوں میں مجھے کون سنبھالے
آ آ کہ اب ہونٹوں پہ مری جان اڑی ہے

کون ایسے بُرے وقت میں آڑے مرے آئے
جلاد کے ہاتھوں سے مجھے کون بچائے
بگڑی ہوئی تقدیر مری کون بنائے
اب کون مجھے مژدۂ جان بخش سنائے
اے رام بجز آپ کے یہ کس کو پڑی ہے

موقع یہ ہنسی کا نہیں رونے کے ہے قابل
شاید کہ ہے یہ فطرتِ جلاد میں داخل
پتھر کا ہے ٹکڑا نہیں سینے میں مگر دل
ہنستا ہے مرے حال زبوں پر مرا قاتل
اور آنکھ سے جاری ادھر اشکوں کی جھڑی ہے

از راہ کرم مجھ پہ بھی ہو چشم عنایت
محروم تمنا نہ رہے طالب رحمت
پھر اور کسی چیز کی مجھ کو نہیں حاجت
بسمل کے لئے کیوں نہ کھلے باب مسرت
میں نے تو سنا ہے تری درگاہ بڑی ہے

عہدِ وفا

اوم　　　　اوم

ایک رقت انگیز سوشل افسانہ

از قلم جناب بابو ... کرشنا ... صاحب

گھنگھور بادلوں سے گھرے ہوئے آسمان کے نیچے ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر اوندھے منہ پڑی ہوئی للتا آج بھی اپنی قسمت کو رو رہی تھی تمام شہر خوشیاں منا رہا تھا۔ عورتیں اودے اور آسمانی رنگ کی ساڑھیاں پہن کر اور آنکھوں میں کاجل لگا کر جھولے پر بیٹھی ہوئی ساون کے ملہار گا رہی تھیں۔ شہر کے بعض زندہ دل آدمی اپنے بیوی بچوں سمیت دریائے راوی کی طغیانی کا پرلطف نظارہ دیکھنے کے لئے چلے جا رہے تھے جن آموں کو چند روز پہلے کوئی پوچھتا بھی نہ تھا آج پہلی ہی بارش نے انہیں سردلعزیز بنا دیا تھا۔ بچے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر ہوا کے زور سے دوڑتے ہوئے بادلوں کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ جب کبھی بادل کے گرجنے کی آواز کانوں میں سنائی دے جاتی یا کبھی جانب بجلی سیاہ بادلوں کا گھونگٹ اٹھا کر اپنے بے نظیر اور بے ہوش کر دینے والے حسن دجمال کی ایک جھلک دکھا کر روپوش ہو جاتی۔ تو یہ معصوم فرشتے خوشی سے تالیاں بجانے لگتے۔

آج موسم برسات کی پہلی جھڑی تھی۔ تمام ساون خشک ہی بیت گیا تھا۔ لوگوں نے تڑپ تڑپ کر دن کاٹے تھے۔ جانور گرمی کی شدت سے ہلاک ہو رہے تھے۔ پانی کا کہیں نام نہ تھا۔ ندی نالے۔ تالاب اور جوہڑ خشک ہو گئے تھے دن بھر پانی میں بیٹھنے والی بھینس کو بھی کہیں کیچڑ تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ گھاس اور چارہ کا قحط پڑ گیا تھا۔ اپنی بھوک کو مٹانے کے لئے مویشی بازاروں میں سے پھٹے۔ چیتھڑے اٹھا کر کھا لیتے تھے۔ آج پہلی مرتبہ بارش ہوئی تھی اور بارش بھی وہ بارش۔ کہ چاروں طرف پانی ہی پانی دکھائی دینے لگا۔ ساون کے مردہ جسم میں جیسے جان آ گئی۔ لوگ گرمی کی مصیبتوں کو بھول گئے۔ قدرت نے آج ابر رحمت برسا کر انہیں نہال کر دیا تھا۔

نخلستان کے پردے خشک ہو رہے تھے مگر آج سرسبز ہو گئے۔ پھول مرجھا کر رہ گئے تھے مگر آج کھل اٹھے۔ غنچے گرمی کے خوف سے اپنا منہ نہ کھولتے تھے۔ مگر آج دور دور تک اپنی دلفریب خوشبو سے تختۂ چمن کو معطر کر رہے ہیں یہ سب کچھ تھا۔ مگر للتا آج بھی مغموم اور متفکر تھی۔ آج بھی آنسو اس کی آنکھوں میں چھلک رہے تھے۔ اس کے بال آج بھی خشک تھے۔ اس کا چہرہ آج بھی مرجھایا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر آج بھی سرخی کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ اپنی قسمت کو رو رہی تھی۔ اپنے نصیبوں کو کوس رہی تھی۔ اور اپنی زندگی کو دھتکار رہی تھی۔ جس روز سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ ایک دن بھی اس کے شوہر نے پاس بیٹھ کر اس کی بات نہ پوچھی تھی۔ اس کی دلجوئی نہ کی تھی۔ پیار و محبت کی گفتگو سے اسے شاد کام نہیں کیا تھا۔

بعض لڑکیاں جنہیں سسرال کا گھر اچھا مل جاتا ہے۔ شادی کے بعد خوشی کے مارے پھول کر کپا ہو جاتی ہیں۔ للتا کے جسم کو جیسے گھن سا لگ گیا تھا۔ وہ دن بدن سوکھتی جا رہی تھی اس کے جسم کی ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ وہ چہرہ جو شادی سے پیشتر کندن کی مانند چمکتا تھا اب راکھ کی طرح سفید ہو گیا تھا۔

اس کی کیا وجہ تھی؟ —— ساس اور شوہر کی بدسلوکیاں۔ بات۔ بات میں اس غریب کے ساتھ الجھنا۔ للتا بڑے گھر کی بیٹی تھی۔ وہ ناز و نعمت سے پلی تھی۔ ماں اسے چھاتی سے لگا کر رکھتی تھی۔ باپ اس پر جان دیتا تھا نوکر چاکر اشاروں پر چلتے تھے —— للتا کے پتا رائے بہادر تھے۔

آج کل ہندو سماج میں لائق۔ قابل۔ پڑھے لکھے اور برسر روزگار لڑکوں کی بڑی کمی ہے بعض اوقات لڑکا تلاش کرنے میں برسوں گذر جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی حسب خواہش لڑکا نہیں ملتا۔ رائے بہادر سالگ رام نے بھی للتا کے لئے اچھا لڑکا تلاش کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر آخر وہی ڈھاک کے تین پات۔ لڑکا بھی ملا تو ایسا! جس نے چند روز میں ہی سالگ رام کا ناک میں دم کر دیا۔ بیوی کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ اور سسرال والوں کی جھڑکیں دھتکار نے پر تل گیا۔

اس میں شک نہیں۔ کہ بنسی لال گریجوایٹ تھا۔ لاء میں پڑھتا تھا۔ لاہور کی مہذب سوسائٹی میں گھومتا تھا۔ اور مختلف ممالک کے بہترین مصنفوں کی تصنیفات دیکھنے کا بھی شوق رکھتا تھا۔ مگر اس میں دوسروں کے جذبات کو سمجھنے کا مادہ نہ تھا۔ اس کے پہلو میں دل تھا۔ مگر وہ دل کسی کے دکھ سکھ کو محسوس نہ کرتا تھا۔

اس کی شادی کو تقریباً ایک سال ہو گیا تھا۔ للتا سیدھی۔ سادی لڑکی تھی۔ اسے فیشن۔ کیٹ نہ آتا تھا۔ اس کی طبیعت سادگی پسند تھی۔ زمین و آسمان کے قلابے ملا کر کسی کو خوش کرنا نہ جانتی تھی بنسی لال کا دل اسی لئے اس سے متنفر ہو گیا تھا۔

اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ بنسی لال پڑھتے پڑھتے تنگ آ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لاء میں پڑھنا محض تضیع اوقات ہے اور روپے کا بے جا استعمال۔ آج کل نئے وکیلوں کو کون پوچھتا ہے؟

اس کا خیال تھا۔ کہ سالگرام بڑے معزز اور بارسوخ آدمی ہیں۔ اگر ذرا سی کوشش بھی کریں۔ تو سو روپے کی نوکری ملنا کچھ مشکل نہیں۔ مگر وہ امداد دینا نہیں چاہتے ——

اس خیال سے وہ اور بھی للتا سے جلتا تھا۔ اور اکثر اوقات اس کے منہ پر ہی اس کے ماں باپ کو گالیاں سنایا کرتا تھا

لڑکیاں خود بُرا بھلا سن لیتی ہیں۔ مگر جب ان کے میکے والوں کی مذمت کی جاتی ہے۔ تو ان کے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتیں۔

للتا کو سن لعن طعن سنتے مہینوں گذر گئے تھے

عورت کا تمام تر زور خاوند پر ہوتا ہے۔ اور جب خاوند ہی اس سے ہمدردی ظاہر نہ کرے۔ تو اچھی بھلی عورت بھی چند روز میں پاگل ہو جاتی ہے اور للتا تو دو شکاریوں کے قبضہ میں تھی۔ اول تو شوہر کا سلوک ہی اس کے ساتھ اچھا نہ تھا اور اس پر طرہ یہ کہ ساس بھی دن رات اسے اور اس کے میکے والوں کو کوستی رہتی تھی۔ للتا اس زندگی سے موت کو بہتر سمجھتی تھی۔

آج صبح بھی یہی قصہ تھا۔ کہ للتا کی ساس مایا دیوی نے اسے اپنی ایک کرتی پہننے کے لئے دی تھی۔ اس کرتی میں کہیں جھول پڑ گیا بس پھر کیا تھا۔ للتا کو ہزار ہا صلواتیں سنا دیں اور للتا خاموش! —— جیسے اس کے منہ میں زبان ہی نہ تھی۔ اور اس نے کہا بھی تو یہی کہا۔ ماتا جی! آپ ناراض کیوں ہوتی ہیں میں کرتی ادھیڑ کر از سر نو ٹھیک کر دیتی ہوں یا بازار سے نیا کپڑا منگوا کر نئی کرتی سی دوں گی۔

للتا کا اتنا کہنا ہی تھا۔ کہ مایا دیوی کے غصہ کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ ہاں جھکا جھکا کر کہنے لگی۔ بس بس! رہنے بھی دے۔ آئی ہے۔ بڑے راجہ کی بیٹی! نیا کپڑا منگوا دیگی میاں کی جوتی میاں کا سر —— وہ بھی ہمارا ہی سر مونڈھیگا۔ نقصان ہوا۔ تمہارا ہوا تیرا کیا بگڑا؟ جن ہاتھوں نے نقصان کیا ہے وہ ہاتھ نہ توڑ دوں؟

للتا نے بہتیرے ہاتھ پاؤں جوڑے۔ مگر مایا دیوی کا غصہ فرو نہ ہوا۔ اس نے للتا کو روٹی تک نہ دی وہ غریب دن بھر بھوکی پیاسی پڑی رہی۔ تمام دن بارش ہوتی رہی تھی۔ نئی۔ نویلی بہوئیں ہین اوڑھ کر ساون کے گھٹا ٹوپ آسمان کے نیچے اپنی سہیلیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی تھیں مگر قسمت کی ماری للتا بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

(۲)

بنسی لال اپنے دوستوں کے ہمراہ راوی کے اس پار جہانگیر کے مقبرے کی سیر کو گیا تھا۔ وہ چراغ جلے لوٹ کر واپس آیا۔ تو مایا دیوی نے للتا کے خلاف شکایات کا دفتر کھول دیا۔ بنسی لال پہلے ہی سے للتا کے خلاف تھا۔ وہ بے دریغ اس پر برسنے لگا۔ اسے کچھ کہنے سننے کا موقع ہی نہ دیا۔ للتا کا خیال تھا۔ کہ بنسی لال اس کی حمایت میں ماں کو کچھ کہے سنیگا۔ مگر وہ گھر آتے ہی آگ بگولا ہو گئے اور للتا کی رہی سہی امیدوں پر اوس پڑ گئی وہ اپنے آپ کو رادن کی لنکا میں راکششوں کے درمیان گھری ہوئی محسوس کرنے لگی رونے کے سوا اس کے پاس اور چارہ ہی کیا تھا۔ اس کی آنکھوں نے آنسو بہا بہا کر کپڑے تر کر دئے تھے۔

بنسی لال فیصلہ کن لہجہ میں بولا۔ "بس اسی وقت تو ہمارے گھر سے نکل جا۔ میں تیری صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا۔ سمجھ لے۔ کہ میں جیتے جی تیرے لئے مر گیا۔ باپ سے کہنا۔ کہ تیری شادی کسی اور کے ساتھ کر دے۔ میری زندگی تیرے ساتھ کٹنی بہت مشکل ہے۔ جا جا! اپنا راستہ لے!"

عورت کا دل بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہے۔ مگر دوسری شادی کا نام سن کر للتا کا دل بیٹھ گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر اتنی روئی کہ شاید اس کی گریہ زاری سن کر پتھر بھی پگھل جاتے۔ مگر سنگدل مایا دیوی اور اس کے بیٹے بنسی لال پر اس ابلا کے رونے چلانے کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

بنسی لال کے پتا سوداگر مل کپڑے کی دکان کرتے تھے۔ کسی وقت ان کی دکان اچھی چلتی تھی۔ مگر جب سے ہندو مسلمانوں میں نفاق کی آگ روشن ہوئی تھی۔ ان کی آمدنی نصف رہ گئی تھی۔ مسلمانوں کی دو تین اپنی دکانیں ان کے پڑوس میں کھل گئی تھیں۔ اور مسلمان جو بڑے قوم پرست تھے۔ کپڑا خریدنے کے لئے انہی دکانوں پر جاتے تھے۔

سوداگر مل دکان بند کر کے نو بجے کے قریب گھر پہنچے۔ تو گھر میں یہ کہرام مچا ہوا دیکھا۔ انہیں للتا سے کسی قدر ہمدردی تھی۔ جب انہوں نے تمام قصہ سنا۔ تو مایا دیوی پر سخت ناراض ہو کر بولے:۔

"بس جی بس! تم ہمیشہ اس غریب ہی کو کوستی

کرتی ہو - ذرا یہ تو سوچو - کہ اس کی عمر ہی کیا ہے - نادان اور ناتجربہ کار ہے - اگر اس سے کوئی غلطی ہو بھی جائے - تو اُسے سمجھا دینا چاہیئے یا جو تہ لے کر اس کے سر پر سوار ہو جانا واجب ہے - بڑے گھر کی بیٹی ہے - جب سالگ رام اس کے دکھ - درد کا افسانہ سنیں گے - تو کس کے منہ میں تھوکیں گے - بس تم لوگوں نے مجھے بدنام کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے -

للتا دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی یہ باتیں سن رہی تھی - سوداگرمل کی ہمدردی پاکر اس کے آنسو ختم گئے - دل کو ذرا تسلی ہوئی اور کہنے لگی :-

"پرماتما ! تیرا شکر ہے - کہ پتاجی نے آج خدا لگتی بات کہی ہے -

سوداگرمل کی باتیں سن کر مایا دیوی خاموش نہ سکی - ذرا تیز ہو کر بولی :-

"بس ! تم نے ہی تو اس چھوکری کو بگاڑ دیا ہے - تب ہی تو وہ دن رات میرے سر کے بال نوچتی رہتی ہے - اگر تمہارا یہی وطیرہ رہا - تو گھر کی خیر نہیں !"

"بس ! بس ! ! اپنی زبان بند رکھو - اپنے بچھڑے کے دانت کون نہیں جانتا - میں تمہارے مزاج سے بخوبی واقف ہوں - معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے کہیں بھی بیٹھنے کے قابل نہیں چھوڑو گی اور ... بنسی کہاں ہے ؟

بنسی لال اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا کرم و بیر بیٹھا ہے - اور جب للتا کے چلنے کا وقت دیکھ رہا تھا - اس نے سوداگرمل کی باتیں سنی تھیں - مگر پتا کے سامنے بولنا مناسب نہ سمجھا - اس لئے چپ چاپ وہیں بیٹھا رہا -

سوداگرمل للتا کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے - اس نے ایک لمبا گھونگٹ نکال لیا - اور تھر تھر کانپنے لگی - سوداگرمل کا جی اس کی یہ حالت دیکھ کر اور بھی نرم ہو گیا - کہنے لگے "میری بیٹی ! تو بیچ مچ گنگو ہے گنگو ! —

بیٹی ! بھلا تو روتی کیوں ہے ؟ میں نے تیری ساس کو سمجھا دیا ہے - اب وہ تجھے کچھ نہ کہے گی - جا ! اُٹھ کر کھانا کھا لے - صبح سے ایک لقمہ بھی منہ میں نہیں گیا - اگر کپڑا خراب ہو گیا ہے - تو کچھ پرواہ نہیں - میں کل ہی دکان سے اور کپڑا بھجوا دونگا - اُٹھ ! بیٹی اُٹھ ! اتنا غصہ اچھا نہیں لگتا !"

للتا کانپتی ہوئی اُٹھ بیٹھی - اور رسوئی گھر میں جا کر دو چار لقمے زہر مار کر لئے -

سوداگرمل کے سمجھانے بجھانے پر بھی مایا دیوی باز نہ آئی - بلکہ للتا کو اس قدر تنگ کیا - اور آخر اس بیچاری کو اپنے باپ کے گھر کی راہ لینی پڑی - اس نے آتے آتے کئی بار بنسی لال کی منت - خوشامد کی - ہاتھ جوڑے - پاؤں پر سر رکھ دیا - آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی نچھاور کئے - مگر بنسی لال کا پتھر دل محبت کی گرمی پا کر بھی نہ پگھلا - وہ بت کی مانند خاموش بیٹھا رہا - اور جب للتا گھر سے باہر آیا - تو گھر سے باہر چلا گیا - للتا روتی دھوتی گاڑی میں بیٹھ کر حسرت آلود نگاہوں سے اپنے شوہر کے گھر کو دیکھتی ہوئی چلی گئی -

(۳)

للتا کہنے کو تو باپ کے گھر آگئی تھی - مگر اس کا دل اپنی سسرال میں ہی پڑا ہوا تھا - اس کے ساتھ اتنی بد سلوکیاں ہوئی تھیں - اس نے اتنے ظلم برداشت کئے تھے - کئی کئی دن تک وہ بھوکی پڑی رہی تھی - مگر پھر بھی سوامی کی بھگتی اس کے دل میں اس قدر گھر کر چکی تھی - کہ رات کو سوتے سوتے بھی اُسے اپنے شوہر کا ہی خیال آتا تھا - وہ ساس کے متعلق بُرا - بھلا سن لیتی تھی - مگر شوہر کا نام آتے ہی چین بے چین ہو جاتی تھی -

للتا کو میکے میں آئے ہوئے دو ماہ گذر چکے تھے اس عرصہ میں اس نے بنسی لال کو آٹھ - دس خط لکھے - جو التجاؤں سے بھرے ہوئے تھے لفظ لفظ میں معافی مانگی گئی تھی - بار - بار ہاتھ جوڑے گئے تھے - قسمیں دلائی گئی تھیں - مگر بنسی لال کا دل نہ پسیجنا تھا - نہ پسیجا - اس نے ایک کا بھی جواب نہ دیا - بلکہ دن بدن غلط فہمی بڑھتی ہی گئی -

دنیا کسی زخم خوردہ مظلوم کے زخموں پر نمک پاشی کرکے خوش ہوتی ہے - صلح اور آشتی کے پردے میں دشمنی بڑھا دیتی ہے - کسی نے آکر سوداگرمل سے کہدیا - کہ سالگرام تو تم پر نالش کرنے کی فکر میں ہیں -

سوداگرمل کو یہ سن کر سخت طیش آیا - انہوں نے کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی تھی - پھر ان کے ساتھ یہ سلوک کیوں ؟ —— وہ گھر آکر رونے بیٹھے - اور کہنے لگے - دیکھا جائیگا سالگرام کی گردن نہ توڑ دوں - تو میرا نام سوداگرمل نہیں ! ——

سارے گھر میں للتا کے بھی ایک ہمدرد تھے وہ بھی ظلم کرنے پر آمادہ ہو گئے -

سالگرام روتے تھے - کہ ہائے ! میں نے للتا کو اپنے ہاتھوں سے کنوئیں میں دھکیل دیا - للتا کی ماں ساوتری اُسے چھاتی سے لگا کر صبر کی تلقین کرتی - مگر للتا ! —— اس درخت کی مانند سوکھتی جا رہی تھی - جس کی جڑیں کٹ چکی ہوں جنہوں نے اُسے ۶ ماہ پیشتر دیکھا تھا - وہ تو اُسے پہچان بھی نہ سکتے تھے - تپدق کی مریض معلوم ہوتی تھی -

للتا کو میکے آئے ہوئے کئی ماہ گذر گئے مگر سسرال والوں نے اس کی سُدھ نہ لی - آخر لوگ سوداگرمل کو سمجھانے لگے - کہ لالہ ! یہ کام اچھا نہیں - بدنامی ہونے کا امکان ہے - گلی محلے کی عورتیں مایا دیوی کو تنگ کرنے لگیں - ادھر بنسی لال کا دوستوں - یاروں میں تمسخر اُڑنے لگا - آخر سوداگرمل نے سمجھا بجھا کر بیٹے کو سسرال روانہ کیا -

جب ایکبار کسی کے دل میں ایک خیال پیدا ہو جائے - تو وہ دور ہونے کی بجائے شک و شبہ

کی بنا پر اور بھی تقویت پا جاتا ہے۔ بنسی لال پہلے ہی سسرال والوں سے بدظن تھا۔ یہاں آتے ہی اس کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا۔ سسرال والے ایک اجنبی کی مانند اس کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں۔ سیدھے منہ بات تک نہیں کرتے۔ مجھے دیکھو۔ اسی کی بھویں چڑھی ہوئی ہیں۔ کل بارہ بجے تک کھانا ہی میسر نہیں ہوا تھا۔ آج صبح سے کسی نے منہ ہاتھ بھی نہ دھلایا تھا۔ پھر ناشتے کا کیا ذکر؟

دوپہر کے وقت جب سالگرام گھر میں نہیں تھے ساوتری بنسی لال کے پاس آ بیٹھی۔ اور اس کی ماں کی بدسلوکیوں کا ذکر کرنے لگی۔ بنسی لال ماں کا نام آتے ہی اور بھی جل بھن کر کباب ہو گیا۔ اور جب برائیاں سنتے سنتے تنگ آ گیا۔ تو کہنے لگا۔ "اپنی لاڈلی بیٹی کو ایسے بُرے گھر میں کیوں دیا تھا؟"

ساوتری یہ سن کر چپ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تمام دن بنسی لال سے نہ بولی۔ رائے سالگرام بھی یہ سن کر آگ بگولا ہو گئے۔

رات کو بنسی لال للتا سے ملا۔ للتا نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ بنسی لال کا غصہ اُسے مسکراتے دیکھ کر اور بھی تیز ہو گیا۔ اس نے سمجھا کہ یہ بھی میرا تمسخر اُڑا رہی ہے۔

للتا نے بنسی لال کیلئے پان لگا کر رکھا تھا۔ اس نے خوش کرنے کے لئے وہ پان بنسی لال کے منہ میں ٹھونس دیا۔ مگر اس نے منہ ہی بند کر لیا۔ للتا نے بہتیرا زور مارا۔ کہ کسی طرح پریم کا یہ پان بنسی لال کے منہ میں چلا جائے۔ مگر بنسی لال تو دانت پیس رہا تھا۔ للتا کی ہر ایک حرکت اس کے کلیجے میں چھُریاں چبھو رہی تھی۔

للتا نے دیکھا۔ کہ بنسی لال کی آنکھیں غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہی ہیں۔ تو وہ کانپ اُٹھی۔ وہ سوچنے لگی۔ کل سے میں پھر انہی کے پالے پڑوں گی۔ اور نہ جانے کیا حشر ہو گا......

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ تاریکی نے ہر ایک چیز پر اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ بنسی لال کے کمرے کا لیمپ بھی بُجھ چکا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ کہیں دور سے عورتوں کے گیت گانے کی آواز آ رہی تھی جو شادی سے چند روز پیشتر گھروں میں رات کے وقت گائے جاتے ہیں۔

بنسی لال بظاہر سو رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ اس کی نیند اُڑ گئی تھی۔ اُسے بخار نہیں تھا مگر غصے سے اُسکا تمام جسم آگ کی مانند گرم ہو رہا تھا۔ وہ سسرال والوں کے غیر شریفانہ سلوک سے اپنی ہتک کا احساس کر رہا تھا۔ للتا کی روتے روتے آنکھ لگ گئی تھی۔

بنسی لال اُٹھا۔ اور چور کی طرح دبے پاؤں کمرے سے باہر آیا۔ زمین و آسمان تاریکی کے ایک گہرے سمندر میں غوطہ زن تھے۔ ستارے جگنوؤں کی طرح سیاہ آسمان پر چمک رہے تھے۔ مگر اس خوفناک تاریکی کو دور نہ کر سکتے تھے۔ مکان کے پاس ہی کہیں آٹا پیسنے کی چکی تھی۔ جو اب تک برابر چل رہی تھی۔

بنسی لال باہر چھت پر بیٹھ گیا۔ اس وقت

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۵۵

"رام پیاری حسین سیتا جی!"

(مولانا رحمانی کے قلم سے)

ست کی دیوی تھی نور کی پُتلی!
پاکبازی تھی تیری فطرت میں
سچ تو یہ ہے کہ لے بنی برنا
استری کا "پریم" ہے گہنا!

اِستری پن کی لاج تُو نے رکھی!
اوج عصمت تھی تو حقیقت میں
بول بالا کیا ہے ست پن کا!
"پریم بھگتی" کا تیری کیا کہنا!

تُو نے یوں ایسی سختیاں جھیلیں
قوم کو کر دیا "سدا چاری"!

آفتیں ساری اپنے سر لے لیں
بھگت تیرے ہوئے پر اُپکاری

اے ستی دیوی تو نے ڈنڈک بن!
رام کا نام جب لیا تُو نے!
پاپ کا ناش کر دیا سیتا!!!

شمع عرفاں سے کر دیا روشن
ساری لنکا کو سر کیا تُو نے
ہند کو ست سے بھر دیا سیتا!!!

ہاں حقیقت میں تو تھی ستونتی!
"رام پیاری! حسین سیتا جی!"

میرا خواب

ہماری اخلاقی گراوٹ کا نمونہ!

از مسٹر گورمکھ سنگھ صاحب سونگیا ایم اے بیرسٹرایٹ لاء ایم آر اے ایس (لنڈن)

تعبیر اس کی شاید شام حیات دے گی.
دیکھا تھا خواب ہم نے جو صبح زندگی میں

اتوار کا دن تھا۔ اور گرمی کا موسم میں صبح سویرے سے مقدمات دیوانی اور فوجداری کے فیصلے لکھتے لکھتے تھک گیا تھا۔ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے آنکھ لگ گئی۔ قلم ہاتھ سے گر گئی۔ اس کے گرنے کی آہٹ سنتے ہی کیا دیکھتا ہوں۔ کہ روشندان میں سے ایک شخص چھلانگ لگا کر کمرہ کے اندر داخل ہوا۔ اور میرے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ جب غور سے دیکھا۔ تو مہاراجہ رام چندر جی کے درباری ہنومان جی کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ اٹھ کر پرنام کیا۔ ان کو اپنی کرسی پر بٹھایا اور خود ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میں نے ان کی تشریف آوری پر اظہار خوش قسمتی کیا ؎

وہ آئیں گھر ہمارے خدا کی قدرت
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔

میں نے ہنومان جی سے ان کی آمد کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے۔ کہ مہاراجہ رام چندر جی کے دربار میں ان کے کئی بھگتوں نے عرض کی ہے۔ کہ ہندوستان میں اس وقت ان کے دوبارہ تشریف لانے کی نہایت سخت ضرورت کو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جو بیش بہا سبق شری رام چندر جی نے اپنے پوتر جیون سے آریہ ورت کے لوگوں کو سکھلانے کی کوشش کی۔ وہ سب اُن کو بھول چکے ہیں۔ اور ان کی روحانی زندگی کو بچانے کیلئے شری رام جی کا دوبارہ جنم لینا ضروری ہے۔ اس لئے مہاراج نے مجھے حکم دیاہے۔ کہ تم بھارت ورش میں جا کر خود دریافت کرو۔ اور اپنی آنکھ سے کل واقعات دیکھ کر دربار میں عرض کرو کہ کیا واقعی طور پر لوگ ان کو بھول چکے ہیں۔ حسن اتفاق سے پہلا گھر کہ جس میں میں آکر داخل ہوا ہوں وہ تمہارا ہے۔ کیا تم مجھ کو بتلا سکتے ہو۔ کہ لوگوں کی کیا حالت ہے۔

میں نے عرض کی کہ ظاہراً تو ہم لوگ اس وقت تک سیتا رام کے نام لیوا ہیں۔ ہمالیہ سے لے کر لنکا اور برہما سے لیکر بمبئی تک ہر سال دسہرہ بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس لئے شری رام چندر جی کی محبت تو اس وقت تک ہمارے دلوں میں قایم ہے۔ مگر جو اخلاقی و روحانی سبق مہاراج رام چندر جی کی زندگی سے ہم سیکھ سکتے ہیں۔ ان پر ہم لوگ عمل کرنا بالکل بھول گئے ہیں۔ راماین کا سب سے بڑا سبق سچائی اور راستی کا ہے۔ مگر میں کچہری میں روز دیکھتا ہوں کہ لوگ معمولی سی غرض یا تھوڑے سے ذاتی مفاد کیلئے بھی جھوٹ بولنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

چند یوم کا ذکر ہے۔ کہ میرے ایک دوست نے کسی انگریزی اخبار میں یہ خبر پڑھی۔ کہ امریکہ کے ماہران سائنس نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے۔ کہ جس کی مدد سے یہ فوراً معلوم ہوسکتا ہے کہ کون گواہ جھوٹ بول رہا ہے اور کون سچ کہہ رہا ہے۔ میرے دوست نے مجھے یہ خبر سناتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ کہ اب تو جج اور مجسٹریٹ صاحبان کیلئے کام بہت ہی آسان ہو جائیگا۔ کیونکہ ہر مقدمہ کی سماعت کے وقت اس نئی مشین کی مدد سے وہ درست نتیجہ پر پہنچ کر انصاف کر سکیں گے۔ مگر میں نے اس کو بتلایا۔ کہ اس کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں ہر ایک مقدمہ میں دونوں فریقین اور دونوں فریقین کے گواہان سچائی سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ جھوٹ اور مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے ان مقدمات کی سماعت میں اس نئی مشین کی مدد بالکل بے فائدہ ہوگی۔ کیونکہ مشین تو صرف اتنا ہی بتلائیگی۔ کہ ہر ایک فریق اور ہر ایک گواہ کے بیان میں جھوٹ یا مبالغہ ضرور ہے۔ چنانچہ بچارے جج کیلئے تو مشکلات ویسی ہی رہیں گی۔ کہ جیسی اس مشین کی ایجاد سے پہلے تھیں۔

بطور مثال کے میں نے ہنومان جی کی خدمت میں ایک مقدمہ کی مسل پیش کی۔ کہ جس میں ابھی میں فیصلہ لکھ چکا تھا۔ اس مقدمہ میں مدعی نے حلفیہ بیان دیا تھا۔ کہ پرونوٹ متنازعہ مدعا علیہ نے اس کے روبرو اپنی قلم سے خود لکھ کر اسے دیا تھا۔ اور مدعا علیہ نے بھی حلفاً بیان تحریر کر دیا تھا۔ کہ اس دستاویز کو نہ کبھی اس نے لکھا نہ دیکھا۔ لطف یہ کہ ہر دو فریقین کیطرف سے تقریباً ایک ایک درجن گواہ پیش کئے گئے۔ کہ جن میں سے ہر ایک نے اپنے فریق کو درست اور فریق مخالف کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ہنومان جی نے اس مسل کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ مگر میں نے عرض کی۔ کہ یہ تو آج کل کی مقدمہ بازی کا ایک ادنے نمونہ ہے۔ لالچ اور طمع نفسانی کی خاطر لوگ جھوٹ بولنا تو درکنار قتل کرنے اور خون بہانے سے درگذر نہیں کرتے۔ چنانچہ میں نے ایک فوجداری مقدمہ کی مسل اٹھا کر پیش کی۔ کہ جسمیں ایک شخص نے اپنے ایک نزدیکی رشتہ دار کی وراثت لینے کیلئے اس کو زہر دے کر مار ڈالا تھا۔ کہاں تو وہ زمانہ کہ جب راجہ رام چندر جی نے سچائی اور راستی کی خاطر اپنا تخت و تاج چھوڑ بن باس میں جانا منظور کیا۔ اور کہاں آج کل کی حالت کہ لوگ ایک ایک پیسہ کیلئے اپنا ایمان فروخت کرنے کو تیار ہیں۔

کہاں تو وہ زمانہ کہ جب سوتیلے بھائی بھی ایک دوسرے پر جان نثار کرتے تھے۔ اور کہاں کلجگ کی کہانی کہ جس میں بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ ہنومان جی میری باتیں سُن کر رام رام کرنے لگے۔ اور فرمایا۔ کہ کچھ آج کل کی استریوں کی حالت بھی بتلاؤ۔ کیا ان کو پتی ورتا سیتا کا جیون یاد ہے۔ اور کیا وہ اس پر عمل کرتی ہیں۔

میں نے عرض کی کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ اب تو طلاق کے قانون تجویز ہو رہے ہیں۔ عورتیں مردوں کیساتھ ہر ایک کام میں مساوی حقوق طلب کرتی رہیں۔ "خاوند کی خدمت" کے الفاظ سنکر قہقہہ اڑتا ہے۔ ہماری عورتیں اپنے پرانے آئی ڈیلز ideals یا آدرش کو بھول چکی ہیں۔ گھر کے کام کاج سے جی چراتی ہیں۔ اور بچوں کی پرورش سے متنفر ہو رہی ہیں۔

ہنومان جی نے میری باتیں غور سے سُنیں مگر فرمانے لگے۔ کہ تم چونکہ جج اور مجسٹریٹ ہو۔ اس لئے روزانہ تمہارے سامنے دنیا کا صرف تاریک پہلو ہی پیش ہوتا ہے۔ اس لئے مجھے کچھ مزید دریافت اور لوگوں سے بھی کرنی ہے۔ وقت تنگ ہے۔ اب میں جاتا ہوں۔

یہ کہہ کر ہنومان جی نے مجھ کو آشیرواد دی اور اُڑ کر روشندان میں سے نکل میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ روشندان کے کھلنے اور بند ہونے کی آہٹ سے میری نیند کھل گئی۔ تو دیکھا۔ کہ میرا بیرہ چائے کے برتن میرے سامنے میز پر رکھ رہا تھا۔ اور دراصل اسی کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی تھی۔

جو کچھ کہ دیکھا خواب تھا۔
جو کچھ سُنا افسانہ تھا۔

قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق کی حفاظت

سوراجیہ کی قیمت

ہندو تہذیب کو کسی قیمت پر بھی کھونے کو تیار نہیں

از پروفیسر گلشن لال رائے جی وائس پرنسپل سناتن دھرم کالج لاہور

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس وقت تمام وطن پرست پارٹیاں ہندوستان میں اصول جمہوریت کے قائل ہیں۔ ہم سب یہ چاہتے ہیں۔ کہ حکومت ایک ایسی کونسل یا پارلیمنٹ کو جوابدہ ہو۔ جو عوام کی پوری طرح سے نمائندہ ہو۔ پنڈت موتی لال نہرو کی کمیٹی نے تو یہ سفارش کی ہے۔ کہ ہر مرد و عورت بالغ کو یہ حق دیا جائے۔ کہ وہ ہندوستانی پارلیمنٹ میں اپنا نمائندہ بھیج سکے۔ میں اس تجویز کا اصولاً مخالف نہیں ہوں۔ لیکن اس تجویز کا لازمی طور پر یہ اثر ضرور ہوگا۔ کہ ہر ایک صوبے میں ملک کی حکومت اس قوم یا جماعت کے ہاتھ میں ہوگی۔ جسکی اس صوبے میں اکثریت ہوگی۔ جمہوریت کے دلدادہ اصحاب تو فوراً کہدینگے۔ کہ جمہوریت کے یہی تو معنی ہیں۔ اور ہم یہی تو چاہتے ہیں۔ لیکن میری ناقص رائے میں یہ مسئلہ کوئی ایسے فوری جواب سے حل نہیں ہوجاتا۔ جب تک کہ حکومت کے فرائض محض یہ تھے۔ کہ ملک میں امن وامان قائم کیا جائے عدالتوں میں انصاف ہو۔ اور ملک کو بیرونی حملوں اور دیگر خطروں سے بچایا جائے۔ تب تک تو اکثریت اور اقلیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کثیر التعداد جماعت قلیل التعداد جماعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی لیکن موجودہ زمانے میں حکومت کے فرائض بہت بڑھ گئے ہیں۔ اب نہ ہی گورنمنٹ کا صرف یہ فرض ہے۔ کہ وہ ہر ایک شخص کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ بلکہ اس سے بڑھکر ہر ایک انسان کی دماغی۔ اخلاقی مجلسی۔ جسمانی اور روحانی ترقی کی ذمہ دار ہو تو صورت بدل جاتی ہے۔ اگر ملک چھوٹا ہے۔ اور اس میں ایک ہی نسل۔ تہذیب اور مذہب کی قوم بستی ہے تو بھی معاملہ صاف ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بھی اکثریت اور اقلیت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اور سادہ جمہوریت کا اصول کوئی دقت پیدا نہیں کرتا۔ لیکن اگر بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے کسی ملک میں کئی ایک مجلسی اختلافات ہوں۔ اور بلحاظ تہذیب و تمدن ایک ملک کے باشندے کئی ایک حصوں میں بٹے ہوئے ہوں۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ خالی جمہوریت ہم کو ہماری تمام مشکلات سے نجات نہیں دے سکیگی۔ ہندوستان میں ہندوؤں۔ مسلمانوں۔ عیسائیوں اور پارسیوں کی تہذیب و تمدن ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قوم اپنی اپنی مجلسی ترتیب پر فخر کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں آج کل ہندوستان میں ایک طبقہ خیالات ایسا بھی ہے۔ جو یہ سمجھے بیٹھا ہے۔ کہ تمام قوم پرست لوگوں کا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ کسی نہ کسی طرح سے سوراجیہ حاصل کر لیا جائے۔ ان کے خیال میں اگر ہندو تہذیب کو کر پرانے ہندو رشیوں کی یادگار مثلاً کرام و کرشن۔ وششٹ اور وشوامتر کے نام بھول کر انگریزیت کے گن گاکر اور مغربی تہذیب کے پروانہ بن کر ہندوستان میں سوراجیہ ہوسکتا ہے۔ تو یہ فوراً کہدیں گے کہ سوراجیہ لے لو۔ اور باقی سب کو تلانجلی دیدو۔ لیکن مجھے اس قیمت پر سوراجیہ منظور نہیں۔ میرے خیال ناقص میں ہندو تہذیب ہندو ترتیب۔ مجلسی اور ہندو طریق زندگی ایسی چیزیں ہیں جن کو میں کسی قیمت پر بھی نہیں کھونا چاہتا۔ میں تو یہ کہوں گا۔ کہ میرے لئے سوراجیہ نصب العین نہیں۔ بلکہ میرے نصب العین کے پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ میرا نصب العین تو یہ ہے کہ ہم پرانے ویدک رشیوں کی اولاد۔ ان رشیوں کی بنائی ہوئی تہذیب کو صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ اور اس تہذیب کے ذریعے موجودہ زمانہ کی مادہ پرستی کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کردیں۔ کیونکہ موجودہ حالت میں ہم اس نصب العین کو حاصل نہیں کرسکتے۔ بلکہ روز بروز اس نصب العین سے زیادہ دور ہورہے ہیں اس لئے ضروری ہے۔ کہ ہم حکومت کی مشینری کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم سوراجیہ حاصل کریں۔ موجودہ حکومت میں روٹی کا سوال ہم کو کچھ نہیں کرنے دیتا۔ مغربی تہذیب ہمارے نوجوانوں کو دن بدن مادہ پرستی کی طرف لے جارہی ہے۔ کیونکہ ہم نے پیٹ بھرکر کھانا کھانا ہے۔ اور اپنی تہذیب کو مغربی تہذیب کے زبردست حملے سے بچانا مطلوب ہے۔ اس لئے ہمیں سوراجیہ حاصل کرنا ہے۔ اگر ہمارے حصول سوراجیہ کا یہ مطلب ہے۔ تو اس صورت میں اس امر پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ سوراجیہ کی حکومت میں ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کی حفاظت کا پورا بندوبست ہونا چاہیئے۔ میں تو اس قسم کی سوراجیہ کی حکومت چاہتا ہوں۔ جس کے اندر کسی تہذیب و تمدن کے پیرو چاہے وہ اکثریت میں ہوں۔ یا اقلیت میں۔ اپنے مجلسی خیالات دوسروں پر نہ ٹھونس سکیں۔ کیونکہ اگر ایسا کیا گیا۔ تو مجھے ڈر ہے۔ ہندوستان خانہ جنگی کا میدان بن جائیگا۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ حکومت سوراجیہ میں ہر ایک قوم جو ہندوستان میں بستی ہے۔ بلحاظ مجلسی ترتیب و تمدن آزاد ہو۔ اگر پنجاب میں ہندو و سکھ اقلیت میں ہیں تو میں نہیں چاہتا۔ کہ پنجاب کے مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کے مذہبی مجلسی اور اخلاقی حالات میں دخل دے کر ان کے تمدن پر حملہ کریں۔ اسی طرح سے اگر مدراس میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ تو میں نہیں چاہتا۔ کہ مدراس کے ہندو مسلمانوں کی تہذیب و تمدن پر حملہ کریں۔ پنڈت موتی لال نہرو نے بھی اپنی رپورٹ میں لکھا ہے۔ کہ وہ ہر ایک قوم کو

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۵۰

نہرو رپورٹ میں صرف برٹش ہند کیلئے سوراج تجویز کیا گیا ہے

اس میں ریاستوں کو مساوی حصّہ دار کا رتبہ نہیں ملا ہے

نہرو کمیٹی کے مرتّب کئے ہوئے آئین کی فاضلانہ تنقیدی پڑتال

(از قلم مسٹر چونی لعل صاحب آنند ایم اے۔ پرنسپل لا کالج لاہور)

۲۰۔ اگست ۱۹۱۷ء کو مسٹر مانٹیگو سابق وزیر ہند نے ملک معظم کی حکومت کی طرف سے پالیسی کے متعلق جو اعلان کیا تھا۔ وہ برٹش ہند کی آئینی ترقی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح کرتا ہے۔ یہ اعلان کیا گیا تھا۔ کہ پارلیمنٹ کی پالیسی یہ ہوگی۔ کہ ہندوستانیوں کو نظم و نسق کی تمام شاخوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں لیا جائے گا۔ اور ملک میں سیلف گورنمنٹ والی انسٹی ٹیوشنوں کو رفتہ رفتہ ترقی دی جائیگی۔ تاکہ ہندوستان میں جو برٹش سلطنت کا جزو اعظم ہے۔ ذمہ دار حکومت ترقی کرنے والی رفتار کے ساتھ عملی صورت اختیار کرلی جائے۔ یہ اعلان ہمارے ملک کی تاریخ میں ایک نئی صورت کا آغاز کرنے والا تھا۔

ایک یکرنگ اصول

جو قانون ۱۸۳۳ء میں پاس کیا گیا تھا۔ اسی وقت سے پارلیمنٹ ایک یکرنگ اصول پر کاربند کام کرتی رہی تھی۔ جو ہندوستان میں آئینی تبدیلیوں کو ایک ضابطہ میں لاتی رہی۔ وہ یہ کہ ہندوستان کی اگیزکٹو (انتظامی) حکومت۔ انتظام۔ قانون سازی اور مالی معاملات میں آخری با اختیار مرکز ہوگی۔ اور وہ اپنی کاروائیوں کیلئے صرف ملک معظم کی حکومت کیلئے جو انگلستان میں ہے۔ اور برٹش پارلیمنٹ کے آگے ذمہ دار ہوگی۔

۱۸۶۲ء میں تبدیلی

اگرچہ ہندوستان میں کونسلوں کے فرائض کو رفتہ رفتہ ترقی ہوتی گئی۔ لیکن انہوں نے نیابتی جماعتوں کی حیثیت سے کبھی قدم آگے نہیں بڑھایا۔ ۱۸۳۳ء سے لیکر ۱۸۶۱ء تک گورنر جنرل کی کونسل برٹش ہند کیلئے واحد قانون ساز مجلس رہی اور اس میں کوئی غیر سرکاری عنصر داخل نہیں کیا گیا۔ ۱۸۶۱ء میں ہندوستان کی کونسلوں کے متعلق جو قانون پاس کیا گیا۔ اس کی بدولت صوبوں میں کونسلیں قائم کی گئیں۔ لیکن ۱۸۹۲ء تک ان کا کام محض یہ تھا۔ کہ قانون سازی کے نئے بلوں (قانون کے مسودوں) پر غور و بحث کریں۔ کونسلوں کی میٹنگوں میں یہ موقع حاصل نہ تھا۔ کہ ان میں سوالات کئے جائیں یا کوئی ریزولیوشن پیش کئے جائیں یا بجٹوں پر غور و بحث کی جائے۔ جو کونسلیں "منٹو مارلے" کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں۔ وہ بھی محض مشورہ کی جماعتیں تھیں۔

ایک اور قدم آگے

مگر ۱۹۱۹ء کے قانون نے آئین میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کر دی۔ اور صوبجاتی کونسلوں میں ذمہ داری کا کچھ عنصر داخل کر دیا۔ جہاں ۱۹۱۸ء میں آئینی اصلاحات کی مشترکہ رپورٹ کے مصنفوں نے یہ تسلیم کر لیا۔ کہ ہندوستان کی منزل مقصود ذمہ دار حکومت ہے۔ وہاں انہوں نے یہ بات نامنظور کر دی۔ کہ ہندوستان میں یہ قابلیت ہے کہ اس میں فوراً کامل پارلیمنٹری انسٹی ٹیوشن جاری کی جائے۔ ۱۹۱۹ء کے قانون کے دیباچہ میں پارلیمنٹ نے اپنے لئے یہ حق مخصوص کر لیا۔ کہ وہ ذمہ دار حکومت کی طرف قدم بڑھانے کے وقت اور ہر تدبیر کا تعین کرے گی۔ سائمن کمشن ۱۹۱۹ء کی آئینی اصلاحات کے عمل کی بابت تحقیقات کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور وہ ذمہ دار حکومت کے ترقی کن عمل کے سلسلہ میں یہ سفارشات کرے گا۔ کہ اصلاحات کی کونسی آئندہ قسط دی جائے۔

اس ملک میں جو لوگ آئین کے تعمیر کرنے والے ہیں۔ ان کو تین اہم امور کا معائنہ کرنا پڑے گا۔ یعنی (۱) انتخابی حلقوں کی سیاسی تعلیم۔

(۲) اقلیتوں کے مطالبات کا تعین اور ان کے حقوق کی حفاظت۔

(۳) سوراج کے آئین میں ہندوستانی ریاستوں کی پوزیشن کا تعین ۔

آل پارٹیز کانفرنس کی کمیٹی نے جو رپورٹ مرتب کی ہے۔ وہ بے حد دلچسپی والی دستاویز ہے کیونکہ اس میں اوّل اور دوم امور کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ ان دونوں مسائل کے حل یعنی ذمہ دار سیلف گورنمنٹ یا ڈومینین حکومت کی طرف کسی معقول قدم کا بڑھانا ممکن نظر نہیں آتا۔ جب ۱۹۰۹ء میں ہماری قانونی کونسلوں میں انتخاب کا قاعدہ سب سے اول جاری کیا گیا۔ تو قلیل قوموں کے فوائد کی حفاظت کی خاطر فرقہ دار نیابت منظور کی گئی۔ اور ملک کی کونسلوں میں ان کیلئے نیابت حاصل کرنے کا کارآمد طریقہ مقرر کیا گیا۔ اگرچہ ۱۹۱۸ء میں مشترکہ رپورٹ مرتب کرنے والوں نے اس طریقہ کی مذمت کی تھی۔ کہ وہ معقول نہیں اور خلاف جمہوریت ہے۔ مگر انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر محسوس کیا۔ کہ وہ نہ صرف مسلمانوں کیلئے اس طریقہ کے قائم رکھنے کی سفارش کریں۔ بلکہ اس کے اصول کو بعض دیگر قلیل قوموں کے لئے بھی جیسی کہ پنجاب میں سکھوں کی قوم ہے وسعت دیں۔ نہرو رپورٹ کا وہ حصّہ جس میں فرقہ دار نیابت پر بحث کی گئی ہے۔ نہایت قابلانہ ہے۔ اور اس کا مستحق ہے۔ کہ ملک کے تمام خیر خواہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ فرقہ دار انتخابی حلقوں کے ذریعہ حصول نمائندگی بعض شرائط کے مطابق بعض فرقوں اور جماعتوں کیلئے خاص نمائندگی حاصل کرنے کا موزوں طریقہ ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ قومی یا ذمہ دار طریقہ حکومت کی بنیاد کا کام نہیں دے سکتا۔

فرقہ دار نیابت کی مذمت

نہرو رپورٹ میں فرقہ دار انتخابی حلقوں کی حسب ذیل وجوہات پر مذمت کی گئی ہے:-

(۱) وہ قومی سپرٹ کی ترقی کیلئے مضر ہیں۔

(۲) وہ اکثریت والی قوم کو اقلیت والی قوم اور اس کے ووٹوں سے بالکل بے نیاز بناتے ہیں۔

(۳) ان سے صرف اکثریت والی قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور اسے از روئے قانون حکمرانی کا مستقل اختیار مل جاتا ہے۔

(۴) فرقہ دار نیابت کے زیر سایہ انتہائی فرقہ داری کا جذبہ سرسبز ہوتا ہے۔

اس رپورٹ میں آبادی کے مطابق فرقوں کے لئے نشستیں مخصوص کرنے کے اصول کی بھی کچھ کم مذمت نہیں کی گئی ہے۔ وہ مذمت یہ ہے:-

(۱) اس میں فرقہ داری کے اصول کو اگرچہ کمتر نقصان دہ صورت میں بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

(۲) اسے قوم کو اپنی پوزیشن قائم رکھنے کیلئے اپنی ذاتی طاقت پر نہیں بلکہ قانون پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔

(۳) وہ انتخاب کنندوں کے اس حق میں مزاحم ہوتا ہے۔ جسے وہ پسند کریں۔ اور اس لئے ہر

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۵۱

رام چندر جی کی آمد لنکا میں!

(از قلم اختر شیرانی صاحب)

فضائے صبح لنکا کس قدر مست نورانی ہے | نسیم جانفزا ہے کیسی محو عطر افشانی
چمن ہیں طعنہ زن فردوس پھولوں کی کثرت سے | بہار صبح ہے مستی میں مصروف گل افشانی
فضاؤں میں ہیں آوارہ بہاریں رنگ و نکہت کی | نظر آتا ہے ہر منظر کمال شان یزدانی
کھلا ہے سامنے گویا صحیفہ حسن فطرت کا | ہر اک منظر سرور افزا ہے ہر اک نظارہ لاثانی

کھلی جاتی ہیں کلیاں، پھول سارے مسکراتے ہیں!
کہ لنکا میں بہار فتح لیکر رام آتے ہیں!!

جانکی ناتھ

بقیہ صفحہ ۲۸

بہ کی رنگ شالہ میں نشا کالی بلا کی ہے
اور دے سورج کے ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی ہے

(گانا)

دل کی دیوار تو اٹھنے سے ہی پہلے ڈھہ گئی۔
ہاتھ ملتے کو میری جان اکیلی رہ گئی۔
ختم ہونے میں نہیں آتی ہے آنکھوں کی جھڑی
اشرو جل دھارا میں جینے کی تمنا بہ گئی۔
نہ ملا شلپی میرے دل کو بنانے والا
دل کی اجڑی ہوئی بستی میں میں روتی رہ گئی۔
آتما سے ہی ہے سب جسم کی رونق شیدا
موت کل رات کو سپنے میں یہ مجھ سے کہہ گئی

(گانے کے بعد دھیرے دھیرے دل ہی دل میں رگھوپتی راگھو راجہ رام۔ پتت پاون سیتا رام گاتی ہے)

کل دیپک:۔ نہیں نہیں ماں ایسے کہو ایسے ہ پتا ہمارے پیارے ناتھ۔ پتت پاون جانکی ناتھ (اپنے پتا پیارے ناتھ کو کھینچ کر اپنی ماں کے پاس لے آتا ہے)

جانکی:۔ کون کون پران۔ نمسکار۔ پراناد ھار پربھو! ہیں یہ کیا! ہ +

بدن میں کپکپی یوں ہو کہ جوں کلپ کدلی ہیں
میں سمجھی کیونکہ دل کا چاند ہے مستی کی بدلی میں

کل دیپک:۔ آپ بولتے کیوں نہیں۔ پتت پاون جانکی ناتھ۔ بولئے نہ جس طرح پہلے ہنس ہنس کر باتیں کرتے تھے۔ ویسے اب کیوں نہیں باتیں کرتے۔ کیا اب ہماری جانکی آپ کو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ کہو نہ۔ جو نہ آپ دن کو آتے ہیں نہ رات کو۔

جانکی:۔ بیٹا تم انہیں دق نہ کرو۔ جاؤ۔ ماں واری۔ باہر آنگن میں کھیلو۔ سائیکل چلاؤ۔ میں انہیں منا لوں گی۔

کل دیپک:۔ اوں ہوں۔ یوں تو ہم بھی نہیں جانے کے۔ نا ماں۔ جب تک پتا ہمارے پیارے ناتھ۔ پتت پاون جانکی ناتھ ہمیں نہیں بلائیں گے۔ تب تک ہم یہیں کھڑے رہیں گے۔ اپنی ضد پر اڑے رہیں گے۔ جانکی ناتھ پیارے جانکی ناتھ کیا آپ ہماری بات نہیں مانیں گے۔ بولو نا (جانکی ناتھ۔ ہماری ماں سے بولو بھی نا۔ (دھیرے دھیرے کھینچ کر اپنی ماں جانکی کے پاس لے جاتا ہے)

پیارے ناتھ:۔ (اپنے آپ ضبط کرنے پر بھی نہیں رہ سکتا) جانکی۔

جانکی:۔ ناتھ

کل دیپک:۔ اوہو جانکی ناتھ بول پڑے۔ جانکی ناتھ بول پڑے اب ہم بڑی ماں سے کہیں گے کہ پتا ہمارے پیارے ناتھ پتت پاون جانکی ناتھ نے ماں جی کو بلایا ہے۔ (جس طرح پیارے ناتھ نے جانکی کو اور جانکی نے پیارے ناتھ کو بلایا تھا۔ اس طرح بھاؤ بتا کر) جانکی ناتھ (دیکھتے ہوئے چلا جاتا ہے)

جانکی:۔ ناتھ! اس لہلہاتے ہوئے پھول کی بھینی بھینی خوشبو کی تمنا کرو۔ اگر پھر بھی آپ کا دل گرہست آشرم کے پھولے پھلے باغیچہ میں نہ رہنا چاہئے تو یہ سب میرے برے دنوں کا پھیر ہے۔ پران! یدی مجھ کرم جلی کو منہ لگانا نہیں چاہتے۔ تو گالیاں دو۔ یدی گالیاں بھی دینا نہیں چاہئے تو پیروں سے ٹھکرا دو! کنتو آج مجھے کچھ اپنا بھلول دکھاؤ۔ مجھے کچھ نہ کچھ ضرور سناؤ ہ سنے گی جب یہ داسی پران کی نرم بانی کو تو اپنا آنگ ادھار سمجھے گی اس بانی کو:۔

پتی کی گالیاں میرے لئے امرت کا پیالہ ہے۔
پتی کے ہاتھ سے مرنے میں بھی پتنی کا جینا ہے۔

پیارے ناتھ (آہ بھر کر دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے)

وہی چاہت وہی عزت وہی ستکار کی باتیں
جو پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں انوکھے پیار کی باتیں
تعجب ہے لے دشواہیں ابتک مجھ گھمنڈی پر
یہ مجھ پر پران دیتی ہے۔ کہ جو مرتا ہے رنڈی پر

.... ناتھ۔ ناتھ (نفرت سے) ناتھ۔ ناتھ۔ بس اس نام کے سوا تجھ میں کوئی گن نہیں۔ جو اس پتی پرانا دیوی جانکی کی چھایا کو بھی چھو سکے۔ گندی نالیوں میں بہنے والے گھرنت کیڑے! دھکار ہے تجھ پر لاکھ بار دھکار ہے.... ہیں یہ کون بولا.... کیا میں.... (ہنسنا) جاجا شرابی۔ جواری۔ وبھچاری۔ مجھے پاگل نہ بنا۔ بیوقوف۔ جسے تو ناتھ سمجھتا ہے۔ وہ تو اناتھ ہے۔ کہ اپنے بال بچوں کو اپنی ستری جانکی کو پیٹ بھر ان بھی نہیں دے سکتا۔ جو سچا ناتھ ہے وہ تو کوشلیا نندن رگھو ناتھ ہے۔ میرا نام تو سوارتھ ناتھ ہے بھیہ ناتھ ہے ہ

میں اپنے کام کو آیا ہوں نہ کہ سیکھ لینے کو
نہیں سمجھی میں پھر آیا ہوں تجھ سے بھیک لینے کو

بیلف:۔ (اچھوتے سپاہی کو لے کر گھنٹہ کی ٹن ٹن پر داخل ہوتا ہے) ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ نو دس اور یہ ہوئے گیارہ بس بس۔ لاؤ۔ لاؤ ڈگری کا روپیہ چکاؤ۔ ورنہ اپنے آزاد جیون کی آخری سانس لے کر اسے پہن (ہتھکڑی دکھاتے ہیں)

جانکی:۔ (ہتھکڑی کو دیکھ کر ڈر جاتی ہے) نہ نہ ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ میرے جیون مکٹ کو ہتھکڑی نہ پہناؤ

بیلف:۔ تو پھر لاؤ۔ ڈگری کا روپیہ تم لاؤ۔

جانکی:۔ روپیہ۔ کتنا چاہئے۔

بیلف:۔ ایک سو ساٹھ اور ۔۔۔ سنگینہ

کے حساب سے چار سال کا ہوا دو سو چالیس اور ۹-۱۵-۱۵۹ روپے خرچہ عدالت یعنی سب ملا کر ۹-۱۵-۴۹۹ روپے ہوئے۔

جانکی:۔ بھائی ایک دن کی کیول ایک دن کی اور مہلت دو۔

ساہوکار:۔ اچھا تمہاری بات مجھے سویکار ہے مگر پیارے ناتھ کا ضامن کون ہوگا۔

جانکی:۔ میں:۔

ساہوکار:۔ تم یہ بھی منظور ہے۔ تو پھر چلو

جانکی:۔ کہاں۔

ساہوکار:۔ میرے ہاں۔ وہاں تمہیں کل تک رہنا ہوگا۔ گھبراؤ نہیں گھبراؤ نہیں۔ یہاں سے وہاں اچھی رہوگی۔

جانکی:۔ نہ نہ۔ میں یہیں اچھی ہوں۔ اسی حالت میں اچھی ہوں ؎

ملا بن باس سیتا کو ضرورت کیا ہے کہنے کی
کتھا سب یاد ہے مجھ کو پرائے گھر میں رہنے کی
میں جیتے جی نہ رکھونگی کبھی گھر سے قدم باہر
کبھی اس گھر سے نکلوں گی جب نکلیگا دم باہر

بلیف:۔ اوں یہ شیخی سیٹھ صاحب اُنہیں دیکھتے ہو۔ آسامی کو ہتھکڑی لگا کر انارکلی بازار سے ہوتے ہوئے تھانہ میں لے چلو۔

جانکی:۔ نہ نہ ایسے پتھر دل نہ بنو۔ میں تمہارے پیروں پڑتی ہوں۔ کل تک کیول کل تک ٹھہر جاؤ۔

ناتھ:۔ جانکی! مجھے بڑی آشا تھی۔

جانکی:۔ تو پھر نراش نہ ہو جئے۔ آزمائیے ؎

بکی بھی جائے کاشی میں پتی کے واسطے تارا
گگن میں اس کے ست پن کا چڑھا ہے اب تک تارا
بنی خونی گئی مرگھٹ میں اپنا سر کٹانے کو
دکھایا ستیہ کا رستہ آخر کل زمانے کو

یدی بازار میں مجھ کو بھی دلیے بیچ ڈالو گے
میرا ادھار ہو گا اپنی بگڑی کو بنا لوگے۔

ساہوکار:۔ بازار جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارا خریدار تو یہیں موجود ہے تم اپنا دام بتاؤ

پیارے ناتھ:۔ چپ! دام کے نیچے مٹنے۔ یہ گستاخی (اس کے منہ پر زور سے تھپڑ لگاتا ہے)

بلیف:۔ سپاہیو! پکڑ لو۔ ہتھکڑی لگا لو۔ جانے نہ پائے۔ رنڈی کا ساتھی۔ کیا دیکھتے ہو جمعدار

جمعدار:۔ ابھی لو سرکار

پیارے ناتھ:۔ تیرے جمعدار کی ایسی تیسی

(جمعدار پیارے ناتھ کو ہتھکڑی لگانا چاہتا ہے۔ جانکی واویلا مچاتی ہے۔ گشت کرنیوالے حوالدار کا آکر دریافت کرنا۔

حوالدار:۔ کیوں کیا معاملہ ہے۔

(ساہوکار ڈھونگ کرتا ہے)

ساہوکار:۔ ہائے ہائے مرا دانت توڑ دیا۔ پکڑ لو حوالدار صاحب اس بدمعاش پاجی کو۔

حوالدار:۔ کہاں دانت توڑا ہے۔ کونسا دانت توڑا ہے۔ ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔

ساہوکار:۔ اب دانت کہاں۔ حوالدار صاحب دانت تو جلدی میں حلق سے بھی نیچے اتر گیا تبھی تو پیٹ میں بھی درد ہو رہا ہے۔ (پیٹ کو پکڑ کر) یہ رہا۔ یہ رہا۔ اب ادھر آیا۔ اف اف انتڑی میں پھنس گیا۔ ہائے۔ ہائے حوالدار صاحب آپ کو کیسے یقین دلاؤں

(ساہوکار کو دیکھ کر حوالدار ہنستا ہے۔ اور سمجھ جاتا ہے۔ کہ یہ ڈھونگ کر رہا ہے۔

ساہوکار حوالدار کو دیکھ کر اسے کچھ دیتے ہوئے) آپ جائیے۔ مفت میں آپ کس لئے حیران ہوتے ہیں۔ یہ لیجئے اپنا انعام۔

حوالدار:۔ سیٹھ جی رام رام

(مٹھی گرما کر چلا جاتا ہے۔)

کل دیپک:۔ (پھر سائیکل چلاتے ہوئے پرویش کرتا ہے) ماتا جی۔ ماتا جی یہ سب لوگ کون ہیں۔ (مخاطب ہو کر) تم ہمارے گھر میں کیوں آئے ہو۔

بلیف:۔ تیرے باپ کو جیل خانے کی ہوا کھلانے کیلئے (جمعدار سے) یہ سیدھے ہاتھوں کبھی ہتھکڑی نہ لگائیگا۔ پکڑ لو۔ مشکیں کس لو۔

کل دیپک:۔ نہیں نہیں۔ پتا ہمارے پیارے ناتھ پتا یا ون جانکی ناتھ جی کو ہتھکڑی نہ لگاؤ۔ انہیں چھوڑ دو۔ آج ہم نے بڑی مشکل سے انہیں منایا ہے۔

بلیف:۔ یدی اپنے باپ کو چھڑانا چاہتے ہو تو ڈگری کا روپیہ دیکر چھڑا لو۔

کل دیپک:۔ روپیہ دیکر چھڑا لوں۔ کیا روپیہ دینے سے تم لوگ ہمارے جانکی ناتھ کو چھوڑ دو گے۔

بلیف:۔ ہاں ہاں ضرور۔

ساہوکار:۔ بلیف صاحب آپ یہ کیا ہاں ہاں ضرور کہہ رہے ہیں۔ اور مجھے تھپڑ مارنے کا ہرجانہ۔

بلیف:۔ سیٹھ جی وہ بھی دلا دوں گا۔ دلا دونگا۔ گھبراتے کیوں ہو۔

کل دیپک:۔ کہو۔ کہو۔ تمہیں کتنا روپیہ چاہئیے

بلیف:۔ چار سو اٹھ روپیہ پندرہ آنہ اور ۹ پائی تو ڈگری کے۔ اور دو سو روپیہ سیٹھ جی کے منہ پر تھپڑ لگانے کا ہرجانہ

ساہوکار:۔ صرف دو سو روپیہ یہ نہیں ہوسکتا میں تو پانچ سو سے کم ایک کوڑی بھی نہیں لینے کا۔

بلیف:۔ سیٹھ صاحب۔ جانے دیجئے۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیے۔

ساہوکار:۔ جمعدار صاحب کیا دیکھتے ہو۔ لگا لو ہتھکڑی اس کے باپ کو۔

کل دیپک:۔ نہیں نہیں۔ سیتا رام کیلئے ہمارے جانکی ناتھ کو ہتھکڑی نہ لگاؤ۔

ساہوکار:۔ تو پھر ایک ہزار روپیہ دے کر اپنے باپ کو چھڑا لے۔

کل دیپک:۔ ایک ہزار روپیہ۔ سیٹھ جی! تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ اور آپ کیلئے ایک ہزار روپیہ لاتا ہوں۔

(جانا) چاہتا ہے۔ سامنے سے ایک بڈھا

(اور رو دیتا ہے)

بوڑھا:۔ جاننے کی ضرورت نہیں۔ جانکی ناتھ پیارے۔ لو یہ تھیلی۔ جتنا روپیہ چاہو نکال کر انہیں گن دو۔

(نوٹوں سے بھری ایک تھیلی دیتا ہے)

کل دیپک:۔ (حیران ہو کر) آپ کون

بوڑھا:۔ تمہارے پچھلے جنم کا دیندار

بلیف:۔ ہیں اتنے نوٹ۔

ساہوکار:۔ ہیں اتنے نوٹ۔ کلیجہ یوں ہو رہا ہے۔ لوٹ پوٹ۔

بلیف:۔ (جمعدار سے) کوئی چھپا ڈاکو ہے۔ کیا دیکھتے ہوں پکڑو اس اشتہاری ڈاکو کو

(جمعدار اور سپاہیوں کا بوڑھے کو ہتھکڑی لگانا چاہنا)

بوڑھا:۔ سادھو دھان اپنے آپ کو پہچانو تم ڈاکو ہو۔ کہ ہم

بلیف۔ ساہوکار جمعدار وغیرہ۔ تم تم تم

کوشلیا:۔ (گنگا سنان سے واپس آکر) ہیں! کون کون میرا ناتھ (گنگا جل کے چھینٹے مار کر) بیٹا تیرا شریر تو پوتر ہو گیا لے یہ تھوڑا سا گنگا جل پی لے۔ تاکہ تیرا ہردہ بھی پوتر ہو جائے۔

پیارے ناتھ:۔ (دیکھ کر ماتا کے پیروں پر گر پڑتا ہے) ماں ماں سری گنگا

جمعدار بوڑھے کو ہتھکڑی لگانے کے لئے جوں جوں آگے بڑھتا ہے۔ توں توں بوڑھا پیچھے ہٹتا جاتا ہے۔ اکسمات سین بدل جاتا ہے۔ اور بوڑھا رام چندر بھگوان کے روپ میں نظر آتا ہے۔ ہر طرف جانکی ناتھ جانکی ناتھ ہی نظر آتا ہے۔ بھگوان کو دیکھ کر بلیف ساہوکار جمعدار وغیرہ سب بیہوش ہو جاتے ہیں۔

کل دیپک:۔ ہیں۔ یہ تو رگھوپتی رگھو راجہ رام پتت پاون سیتا رام

بوڑھا:۔ نہیں نہیں تمہارا جانکی ناتھ

کل دیپک:۔ نہیں نہیں ہمارے جانکی ناتھ تو یہ رہے۔ (ماتا پتا کی طرف اشارہ کر کے)

پیارے ناتھ:۔ پرکاش۔ کیسا پرکاش سات ننت سوریہ کا پرکاش آکاش کے جھولے میں میرے کل دیپک کیسا تھا ہنس ہنس کر جھول رہا ہے۔ ماں ماں یہ سب تمہارے چرنوں کی دھولی کا پرتاپ ہے۔

کل دیپک:۔ ماں ماں تم بھی جانکی ناتھ کی چرن دھولی اپنے ماتھے پر لگاؤ۔ تاکہ تمہارا کلیان ہو جائے۔ جو راون بن کر تمہیں ستانا چاہتے تھے۔ انہیں تو اس

بندھے سیتا رام بابا نے چت کر دیا۔

کوشلیا:۔ (جانکی اور اپنے پتر ناتھ کو گود میں لے کر) بچو لو پھلو۔ میرے کو کھ رتن کی اردھنگنے! بچو لو پھلو۔ کوکھ مانگ سے ہری بھری رہو۔ بچو! دکھ کی رات بیت گئی اب سکھ کا سویرا ہے۔

کل دیپک:۔ بڑی ماں سچ کہا۔ کیونکہ ہمارے گھر میں بابا سیتا رام عرف جانکی ناتھ کا ڈیرہ ہے۔ (گاکر) ؎

پتا ہمارے پیارے ناتھ پتت پاون جانکی ناتھ

(ٹیبلو پر سین ختم ہوتا ہے)

کارخانہ سے براہ راست آپکے دروازے تک!

Direct from the Mills to your door!

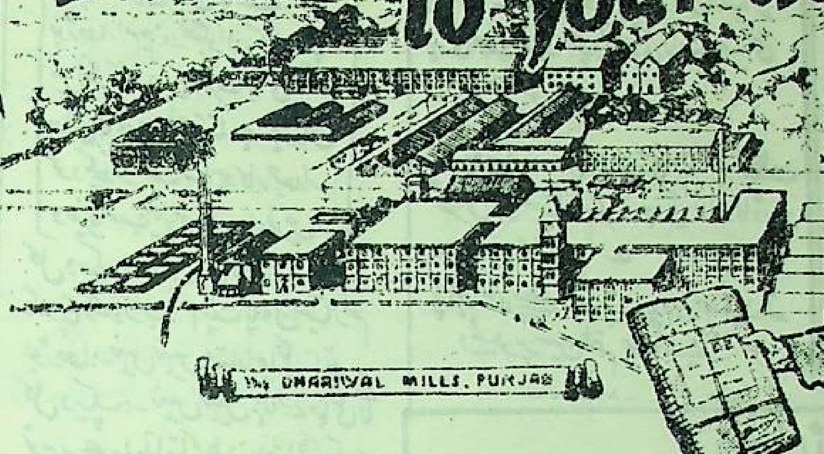

ہماری نئی فہرست جلد تیار ہوجائیگی اور اسکی ایک کاپی آپکو درخواست پر مفت ملجائیگی۔ ہمیں بھروسہ ہے کہ یہ فہرست جسمیں بہت سی نئی باتیں ہیں سب لوگوں کیلئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ کیونکہ اسمیں دھاریوال کے کارخانہ کے تواریخی حالات درج ہیں مشہور و معروف شاعر رڈیارڈ کپلنگ نے ۱۸۸۵ء میں اس عظیم الشان اونی مال تیار کرنے والے کارخانہ کو ملاحظہ فرماکر "دی اسمتھ اینڈ منسٹر ایشن" میں اسکی مفصل کیفیت اپنے نادر پیرایہ میں بیان کی تھی۔ اس فہرست میں اس عنوان سے کہ "دیکھنے والے کیا دیکھینگے" اون کی صنعت و حرفت کا مختصر مگر دلآویز حال بھی درج ہے جو ان سکولوں اور طالبعلموں کی خاص طور پر دلچسپ ثابت ہوگا۔ جو اپنے ملک کے اس عظیم الشان صنعت کا کچھ حال جاننا چاہتے ہیں۔

ہندوستان میں سب سے پہلے دھاریوال ہی میں مشہور و معروف اسکاٹش کلیں ٹارٹن رنگ کے نمونے اور خوبصورت و رنگین لوئیاں تیار ہوئی تھیں جو آجکل تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں یہاں تک کہ دوسرے کارخانوں نے نہ صرف اسکی بلکہ اسکے نمبروں تک کی نقل کر لی ہے۔

یہ دونوں باتیں اس ذراسی تکلیف کے مقابلے میں جو آپ کو اس فہرست کے منگانے کیلئے پوسٹ کارڈ لکھنے میں ہوگی زیادہ قیمتی ہیں۔ اس فہرست میں ان کپڑوں کمبلوں اور رنگ لوئیوں اور موزہ و جراب وغیرہ کے نمونے اور تصویریں دی گئی ہیں جو ہم خاص دیرپا اور لمبے گچھے دار اون سے تیار کرتے ہیں۔

ہم سب قسم کے پارچہ جات مثلاً کھیل کود کے موقعہ پر پہننے کے کپڑے فلالین براڈکلاتھ پلسفورسس۔ سرجیں ٹویڈ وغیرہ بناتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہم دیگر اسٹائل اور نفیس قسم کے اونی کپڑے بھی تیار ہوتے ہیں۔ جو خاص خاص تقریبوں کے موقعوں پر پہننے کے لائق ہوتے ہیں۔ دھاریوال کے بنے ہوئے کھیل کود کے لائق کوٹ سویٹر وغیرہ کی ہر دلعزیزی میں ہر سال بڑھ رہے ہیں۔ جسکی وجہ سے ہمکو اپنی موزہ۔ سویٹر کوٹ وغیرہ بنانے والی شاخ کو برابر توسیع کرنا پڑ رہا ہے۔

دھاریوال کے کارخانہ کو خاص طور پر ہندوستان کی آب و ہوا کے لائق مضبوط و دیرپا اونی کپڑے بنانے کا قریب پچاس برس کا تجربہ حاصل ہو چکا ہے ہم آٹھ سو سے زائد قسم کے کپڑے بناتے ہیں جو ہر ملک ہر قسم اور ہر موسم میں رات و دن آپ کے آرام و آسائش کا باعث ہونگے

ہمکو یقین کامل ہے کہ سنہ ۱۹۳۰ء کی فہرست کی اشاعت آپ کے لیے بہت کچھ فائدہ و دلچسپی کا باعث ہوگی۔ کیونکہ اس سے آپ کو یہ معلوم ہوجائیگا کہ آپ کسطرح اپنی ضرورت کی چیزیں براہ راست کارخانہ سے منگا سکیں بجائے اسکے آپ بازار کی دوکانداروں کے رحم پر رہیں جو اکثر اونی کپڑوں کے نام سے غیر ملکی سوتی اور بھی پرانے چیتھڑوں سے تیار کیا ہوا مال فروخت کرتے ہیں

خط و کتابت بنام سیل آڈر ڈپارٹمنٹ نمبر ۱۱۔ کے نام ہونا چاہیئے

دی نیو ایجرٹن اُولن ملس کمپنی

(شاخ برٹش انڈیا کارپوریشن لمیٹڈ)

TRADE MARK

دھاریوال پنجاب

کرم ویر ہو

(از قلم دیش بھگت کنور چاند کرن شاردوائی لے ایل ایل بی وکیل اجمیر)

آج ہماری فتح کے جھنڈے کے لہرانے کا مبارک دن ہے۔ آج بھگوان رام کے آدرش جیون اور ویرتا کیلئے سارے بھارت ورش میں وجے دشمی منائی جارہی ہے۔ آج تمام ہندو جگت ویر رام کی پوتر یاد میں رامائن کے گائین گا گا کر پریم سے جھوم رہے ہیں۔ آج کے روز ہی استری جاتی کے اپمان کرنے والا دشٹ راون اپنے کیفر کردار کو پہنچا تھا۔ آج بھگوان رام نے راکھشوں کے اپمانے اور انیا چاروں کے ناش کرنے کیلئے زمین خون سے لال کردی تھی۔ اس وقت ہمارے دیش کے ویر کھشتریوں کی ویرتا کا جھنڈا آسمان پر لہرا رہا تھا۔ ہمارے بزرگوں نے ہمارے سینہ میں دلیری کی روح پھونکنے کیلئے ہی ویر رام کی فتح کی یاد میں آج کا تیوہار منایا تھا۔ آج راجا بڑی دھوم دھام سے جلوس نکالتے ہیں۔ اور اپنے پرانے ہتھیاروں سے اپنی فوج کو سجا کر بازاروں میں سے نکلتے ہیں۔ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہند و قوم کا وہ نظارہ آجاتا ہے۔ جبکہ ہماری قوم کی ترقی کا آفتاب چمک رہا تھا۔ اور پھر ہمیں مسلمانوں کے عہد میں لڑنے والے ان ہندوؤں کی یاد آجاتی ہے۔ جو قدم قدم پر دھرم کے لئے کٹ کٹ مر کر خون بہا کر ایسی بہادری اور دلیری دکھاتے تھے۔ جس کی مثال دنیا کی کسی تواریخ میں نہیں مل سکتی۔

لیکن جب ہم اس زمانہ کے ساتھ موجودہ زمانہ کو دیکھتے ہیں۔ تو سر میں چکر آجاتا ہے۔ ہائے وہ کھشتریوں کا بھارت دنیا کو بہادری اور دلیری کے کارنامے دکھلانے والا تھا۔ رام لکشمن ارجن بھیم پرتاب گورو گوبند سنگھ درگاداس اور شیواجی والا بھارت آج کس گہرے غار میں پڑا ہوا ہے۔ آج ان راجاؤں کا دل بھی ڈگمگا گیا ہے۔ جو سورج کی طرح اس دنیا میں بہادری کے سبب چمکتے تھے۔ وہ آج بجھے ہوئے دیپک کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔ جن کی بہادری کے کارنامے وید ویاس سے لے کر بے شمار شعرا بیان کر گئے ہیں۔ وہ ہی اسلئے بزدل ہو گئے ہیں کہ وہ انگریزی ناچ سینما اور تھیٹر کے مقابلہ میں اپنے بزرگوں کی کتھائیں سننا ہی پسند نہیں کرتے۔ جن راجپوتوں نے اپنے بازو کے زور سے تمام سنسار کو جیت کر چکرورتی راج قائم کیا تھا۔ وہی آج گمنام پڑے ہیں۔ جن کے بزرگ گجا سنگھ جی نے غزنی کو فتح کیا تھا۔ وہ آج نہ معلوم کس نیند میں بے ہوش پڑے ہیں۔ اور غزنی بچہ بچہ مسلمان بن چکا ہے۔ ہائے افسوس کتنی بدقسمتی ہے۔ کہ جن کے بزرگ ہندو دھرم کے لئے اپنی جان تک قربان کر دیتے تھے۔ وہی آج اپنی حکومت میں مسلمان اور عیسائیوں کا ڈنکے کی چوٹ سے پرچار کراتے ہیں اور آریہ سماج کا پرچار نہیں ہونے دیتے۔ شدھی سے گھبراتے ہیں۔ اور ہندو دھرم کے راستہ میں کانٹے بچھانے میں ہی دن رات مستعد رہتے ہیں۔ اف راجپوتوں کی یہ حالت کیوں ہو گئی۔ ہماری دلیری شجاعت کہاں غائب ہو گئی۔ ہندو قوم غلط راستہ پر چلکر کیوں اپنے آپ کو تباہی کے غار میں گرا رہی ہے۔ یہ کیوں ہلتے بزدل اور کائر ہو گئے ہیں۔

یہ باتیں سوچ دل پہ ایک چھری سے چل جاتی ہیں۔ اور پھر امید کی ایک ننھی سی جھلک پیدا ہوتی ہے۔ کہ بھارت ورش کے گذرے ہوئے دن پھر آئینگے۔ لیکن یہ دن تبھی آسکتے ہیں۔ جب ہم کرم ویر ہونے کا عہد کریں۔ جو ہمیں دلیری اور بہادری کی تعلیم ملتی تھی۔ وہ اب نہیں ملتی۔ ہم یہ بھول گئے ہیں۔ کہ کمزور چاہے کتنے ہی لائق ہوں۔ ان کی دنیا میں عزت نہیں ہو سکتی۔ یہی کمزوری بقول پوجیہ لالہ لاجپت رائے جی کے انسان کو کمینہ۔ پاجی۔ بزدل۔ لالچی اور بدمعاش بنا دیتی ہے۔ کمزور انسان کبھی دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہم سے دلیری و شجاعت اڑا دی گئی ہے۔ اور ہمیں ڈرنا سکھایا جاتا ہے۔ جو تشی ملتے ہیں تو ہمیں ہمیشہ ڈرنا ہی سکھاتے ہیں۔ بلی کے بدلے میں آنے سے سیار کے بائیں طرف آنے سے گدھ کے مکان پر بیٹھنے سے جوتشی جی وشا شول بتاتے ہیں۔ بھوت پریت چڑیل دیوی دیوتا پری مزار فقیر بھیک ملنگے ہر وقت استریوں کو ڈراتے رہتے ہیں۔

اسلئے آج کے وجے دشمی کے روز ہم کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم بزدلی اور کاہلی کو مار کر بھگا دیں گے۔ سوائے پرماتما کے کسی بھی دنیا کی چیز سے نہیں ڈریں گے۔ بھگوان رام کی طرح تمام سلطنت وعیش و آرام کو لات مار کر استری کی رکھشا کے لئے بلیدان ہونے کو ہمیشہ تیار رہیں گے۔ ہم اپنی دولت مصیبت زدوں وانا تھوں کی سیوا میں لگا کر سچے دھنی بنینگے۔ ہم کایرتا کو چھوڑ کر دلیر بنینگے۔ آج ہم دکھیا بھارت ماتا کے لئے جنگ آزادی میں اپنی چھاتی ان کر میدان جنگ میں بھگوان رام کی طرح ڈٹ کر سچے کرم ویر بنینگے۔ بولو آریہ ویر بھگوان رام چندر کی جے۔

”اچھوتوں کی فریاد“

”بھائی ہندوؤں کے دربار میں“

(از قلم حقیقت رقم لالہ رام رکھا مل برق سیالکوٹی کراچی)

اچھوت ہم کو سمجھ کر بیطرح بیداد کرتے ہو ‏| سنا کر ہم غریبوں کو دلوں کو شاد کرتے ہو
نئے ہر روز ہم پر جو ستم ایجاد کرتے ہو ‏| حقیقت یہ ہے اپنی عاقبت برباد کرتے ہو

رہیں ہندو تو ہر دم درپئے آزار رہتے ہو
بنیں مسلم تو خدمت کیلئے تیار رہتے ہو

ہوا دیکھو زمانے کی گیا سارا جہاں بدلا ‏| اصول دوستاں بدلا طریق دشمناں بدلا
سنائیں ہم تمہیں کیا کیا مکیں بدلے مکاں بدلا ‏| خیالات کہن بدلے زمین و آسماں بدلا

نہیں بدلا تمہارا آجتک طرز ستمگاری
جہالت کے زمانے کی ہے رسمیں سب کی سب جاری

کہیں کیا اُن کے واعظ ہمکو کیا کیا کچھ بتاتے ہیں ‏| مسائل مذہب اسلام کے پڑھ پڑھ سناتے ہیں
کبھی زر کا کبھی زن کا ہمیں لالچ دلاتے ہیں ‏| کٹا چوٹی بنیں مسلم تو چھاتی سے لگاتے ہیں

اگر چھو جائیں تم سے تو ہمیں گالی سناتے ہو
اگر پڑ جائے سایہ جا کے گنگا میں نہاتے ہو

اگر چڑھ جائیں کنوئیں پر تو پھر شور و بکا کرنا ‏| اگر چھو جائیں بھولے سے تو اک محشر بپا کرنا
غریبوں کو ستانا مورد رنج و بلا کرنا ‏| رشی سنتان پر لازم نہیں جور و جفا کرنا

دل ناداں کیوں وقف خیال خام کرتے ہو
جہاں میں ہندوؤں کے نام کو بدنام کرتے ہو

حقوق اپنے جو مانگیں کشتنی ٹھہرائے جاتے ہیں ‏| اچھوت و فیچ و شودر کم سمجھ بتلائے جاتے ہیں
مظالم سے تمہارے تنگ آکر ہائے جاتے ہیں ‏| ہزاروں اور لاکھوں چوٹیاں کٹوائے جاتے ہیں

کئی کلمہ محمد کا ہیں پڑھ کر ہو گئے غافل
کئی عیسٰی کی بھیڑوں میں ہیں جا کر ہو گئے شامل

گرے ہیں قعر پستی میں ہمیں اوپر اٹھا لو تم ‏| تمہارے بھائی ہیں ہم بھی ہمیں بھائی بنا لو تم
ابھی بھی وقت ہے چھاتی سے بچھڑے ملکو لگا لو تم ‏| شریک رنج و راحت ہندوؤ ہم کو بنا لو تم

غرور و تمکنت کو چھوڑ دو ذلت اٹھاؤ گے
ستا کر ہم غریبوں کو نہ ہرگز چین پاؤ گے

برٹش سلطنت کے اندر یا اس سے باہر؟

نوآبادیاں فیصلہ کر سکتی ہیں۔ کہ ہندوستان سلطنت کے اندر رہے یا نہ رہے

(از سردار سردول سنگھ جی کویشر)

"جب ہندوستان کو سوراج مل جائے گا۔ تو ہندوستانی برٹش سلطنت کے اندر رہنا پسند کریں گے؟" یہ ہے وہ سوال جو اکثر اوقات کیا جاتا ہے۔ مگر اس کا تسلی بخش جواب شاذ و نادر ملتا ہے۔ میں ایک ایسے شخص کے نقطۂ خیال سے سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ جو ان فوائد و نقصانات کو وزن کرنے کی کوشش کرتا ہے جو ہندوستان اور برٹش سلطنت کے درمیان تعلق سے حاصل ہوتے ہیں۔ میں برسبیل تذکرہ موجودہ سیاسیات پر بھی اظہار خیالات کروں گا۔ اور اس ملک کے موجودہ طریق حکومت کی بابت کچھ زیادہ نہ کہوں گا۔ میں بحث کی غرض سے یہ فرض کروں گا۔ کہ ہندوستانیوں کو سوراج حاصل ہے۔ اور ان کو یہ انتخاب کرنے کی آزادی بھی ہے۔ کہ ان کے تعلقات دوسرے ممالک کے ساتھ کیا ہونے چاہئیں۔ برٹش نوکر شاہی کا خوف یا اس سے نفرت کو اس بحث میں دخل نہ ہوگا۔

برٹش نوآبادیوں میں ہندوستانیوں کا درجہ

پہلی بات جس کا اثر ہندوستانیوں کی رائے پر ہندوستان کے برٹش سلطنت کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں پڑے گا۔ وہ سلطنت کے مختلف حصص کی ہندوستان کے متعلق روش ہوگی۔ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے سے پیشتر ہی ہندوستانی یہ جاننے کی خواہش کریں گے۔ کہ آیا سلطنت ہندوستانیوں کے ساتھ مساوی درجہ کا سلوک کرنا چاہتی ہے۔ آزاد ہندوستان کسی ایسے معاہدہ پر رضامند نہ ہوگا۔ جو اس کے فرزندوں کو لکڑیاں کاٹنے والوں اور پانی بھرنے والوں کا درجہ دے۔ ایسی بڑی سلطنت کا رکن بننے سے چاہے دیگر فوائد حاصل ہوں لیکن اگر ہندوستانیوں کو سلطنت کے اندر اچھوتوں اور قوم سے خارج لوگوں کا درجہ دیا گیا۔ تو وہ اس کے اندر شامل رہنے پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔

برٹش نوآبادیوں میں سلوک

سلطنت کے مختلف حصص میں ہندوستانیوں کو مساوات کا درجہ حاصل نہیں۔ یہی وجہ ان کے لئے یہ ذلت ہوگی کہ وہ ایسی سلطنت میں حصہ داری قبول کر لیں جس میں ان کو باعزت شرائط پر رفاقت نہیں دی جاتی ہو۔ کینیڈا کے دروازے ہندوستانیوں کے لئے بند کر دیئے گئے۔ ان کے خلاف جو پابندیاں عائد کی گئیں ان کا نتیجہ وہ رنجیدہ واقعہ ہے جو جہاز کوماگاٹا مارو کو پیش آیا جبکہ کوئی پانچ سو ہندوستانیوں کو ساحل امریکہ سے واپس کیا گیا۔ گرو نانک سٹیم شپ کمپنی کو جو ناکامی ہوئی۔ اس سے ہندوستانیوں پر ان کی بیکسی ظاہر ہوگئی۔ اور کسی باعزت ہندوستانی کو کینیڈا کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

جنوبی افریقہ

جنوبی افریقہ میں جدید تارکان وطن کو آباد ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جن ہندوستانیوں نے یہاں ایک براعظم میں تہذیب پھیلائی۔ ان کے خلاف آئے دن پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ تاکہ اس ملک سے تمام ہندوستانی نکل جائیں۔ وہاں ایسے قوانین بنائے گئے ہیں۔ کہ جن کے باعث یہ ملک ہندوستانیوں کی سکونت کے لئے موزوں نہیں رہا۔ ان کو معمولی شہریوں کے حقوق بھی نہیں دیئے جاتے۔ سوشل طور پر وہ اچھوت اور سیاسی طور پر ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ گویا ان کے لئے یہی چارہ کار رہ گیا ہے۔ کہ وہ اس ملک سے ہندوستان واپس آ جائیں۔ یا اس ملک میں اپنے رہنے کے حق کے لئے آخر دم تک جد و جہد کریں۔

آسٹریلیا

آسٹریلیا میں ہندوستانیوں کے خلاف اور زیادہ سخت پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ جاپانیوں اور چینیوں کو اس ملک میں تقریباً آزادانہ داخلہ نصیب ہے لیکن ہندوستانیوں پر ریگولیشنوں کے ذریعہ اس نئے براعظم کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کئے جا رہے ہیں۔

کینیا

اس ملک میں ہندوستانیوں کی تعداد یورپین تارکان وطن سے زیادہ ہے۔ اس ملک کو ہندوستانیوں ہی نے قابل سکونت بنایا ہے۔ مگر وہاں سے ان کو دن بدن اس پوزیشن سے ہٹایا جا رہا ہے۔ جو ان کو حاصل ہو گئی تھی۔ اس ملک کے انتظام میں برٹش گورنمنٹ کو بڑے اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن ہندوستانیوں کو کسی طرف سے بھی کوئی مدد نہیں ملتی۔ ان حالات میں یہ بات مشکوک ہے۔ کہ ہندوستانی وہاں عزت کے ساتھ زیادہ عرصہ تک رہ سکتے ہیں۔

حصہ داری کا سوال

مختصر یہ کہ سلطنت کے ہر حصہ میں جہاں ہندوستانی آباد ہونے کے لئے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ غیروں سے بھی بدتر سلوک کیا گیا ہے۔ وہاں غیروں کو تو حقوق حاصل ہیں۔ مگر ہندوستانیوں کو کوئی حق حاصل نہیں ایسے حالات میں ہندوستانیوں سے یہ مطالبہ کہ وہ سلطنت کے اندر شامل رہیں۔ معنی یہ ہیں۔ کہ وہ اپنی سلطنت میں حصہ دار بن جائیں۔ جہاں ان کو مساوات کی جگہ کمتری کا درجہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر ہندوستانی ایسی حصہ داری منظور نہ کریں۔ تو کوئی شخص ان پر الزام نہیں لگا سکتا۔ دراصل سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستانی سلطنت کے اندر رہیں گے۔ بلکہ یہ ہے کہ کیا دوسرے شرکا سلطنت ہندوستانیوں کا سلطنت کے اندر رہنا گوارا کریں گے۔ اس سوال کا حل کرنا ہندوستانیوں کا کام نہیں ہے۔ بلکہ دیگر شرکا سلطنت کا کام ہے۔ انگلستان کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات چاہے کچھ ہی ہوں۔ مگر جس طریقہ میں نوآبادیاں ہندوستان کے ساتھ سلوک کرتی ہیں۔ اس کے لحاظ سے وہ ایسے رفیقوں کے ساتھ حصہ داری قبول نہیں کر سکتا۔

رنگت کا سوال

ہندوستانیوں کے ساتھ نوآبادیوں کی جو موجودہ روش ہے۔ وہ رنگت کے تعصبات پر مبنی ہے۔ رنگت کے سوال پر حال میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس سے عیاں ہے۔ کہ رنگت کا سوال برٹش سلطنت کے اندر نوآبادیوں کے باشندوں میں بڑا زبردست ہے۔

تعصب کی مثال

ایک دوست جو حال میں ایک نوآبادی سے واپس آیا ہے۔ اس نے رنگت کے سوال کی بابت بطور مثال ایک داستان بیان کی ہے۔ ایک دعوت میں ایک دوست معمولی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ اس گفتگو میں جو وہاں ہو رہی تھی۔ کوئی حصہ نہیں لیتا تھا۔ دوسرے لوگوں نے اس کی یہ خاص حالت دیکھ کر اس کی وجہ دریافت کی۔ کسی قدر پس و پیش کے بعد اس نے جواب دیا۔ کہ "میری بھوک جاتی رہی۔ جبکہ میں نے یہاں آ کر یہ دیکھا۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت جن کی رنگت ایک دوسرے سے متضاد ہے۔ (ایک ہندوستانی مرد اور ایک انگریز عورت) ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ٹہل رہے تھے۔"

اگرچہ یہ ایک الگ تھلگ واقعہ ہے۔ مگر اس سے صاف طور پر ظاہر ہے۔ کہ ہوا کا رخ کدھر کو ہے جب رنگت کا تعصب نوآبادیوں میں اس قدر زوروں پر ہے۔ تو برٹش سلطنت کے اندر مساوات کی بات چیت فضول ہے۔ اور جب مساوات ندارد۔ تو فریقین کے لئے مصیبت انگیز ہوگا۔

کہا جاتا ہے۔ کہ رنگت کا تعصب جلد قدرتی موت مر جائے گا۔ وہ دن مبارک ہوگا۔ اس روز ہندوستانی اپنی روش میں ترمیم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن جب تک کہ نوآبادیوں میں موجود تعصب باقی رہے گا۔ اور وہ ہندوستانیوں کے ساتھ وہی سلوک کریں گی۔ جو اس وقت کیا جاتا ہے۔ تب تک ہندوستانیوں کا ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق رکھنا حماقت ہوگا۔ خود اپنی عزت قائم رکھنے اور نوآبادیوں کے لوگوں سے رنگت کا تعصب دور کرانے کے لئے یہ قطعی ضروری ہے۔ کہ ہندوستانی سلطنت سے نکل جائیں۔

ہندوستانیوں کے ساتھ نوآبادیوں میں اس وقت جو سلوک کیا جاتا ہے۔ اس سے ہم مطمئن نہیں ہیں۔ اب یہ کام نوآبادیوں کا ہے۔ کہ وہ ہمارے دلوں کو جیت لیں۔ اور یہ ثابت کر دیں۔ کہ ان کی بابت ہمارا خیال غلط ہے۔ اب یہ ثابت کرنا نوآبادیوں کا کام ہے۔ کہ وہ ہندوستانیوں کو باہر نکالنا نہیں چاہتیں۔ بلکہ ان کو اصلی حصہ دار بنانے کے لئے فکرمند ہیں۔

جنگ سے تھوڑے ہی عرصہ پیشتر تک [illegible] کو سرکاری طور پر ماتحت ملک مانا جاتا تھا۔ [illegible] نخت نہیں کہا جاتا۔ بلکہ سلطنت کا رکن بنایا [illegible] ہے۔ لیکن نام کی یہ تبدیلی سطحی ہے۔ [illegible] برٹش چاہے وہ برطانیہ میں ہوں۔ یا نوآبادیوں [illegible] اسے اب تک ماتحت ملک ہی سمجھتے ہیں۔ [illegible] تک ہندوستان کا برٹش سلطنت کے ساتھ کوئی خاص تعلق پیدا نہ ہو جائے گا۔ ہندوستان کی [illegible] حالت قائم رہے گی۔ ایک طرف برتری کی [illegible] اور دوسری جانب کمتری کی یہ حالت [illegible] بالکل باقی نہ رکھنا چاہئے۔ بلکہ دونوں میں مساوات کا درجہ قائم کیا جائے۔

ہندو تباہی سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟

ہندو مسلم سوشل نظامات کا تصادم — ہندوؤں نے شدھی قربانی کرکے بدنامی مول لی

(لالہ رام چند صاحب سنچندہ ایڈوکیٹ لاہور کے قلم سے)

اس میں کلام نہیں۔ کہ ہندوازم اور بدھ ازم صدیوں تک اس خطہ زمین میں مل جل کر باامن زندگی بسر کرتے رہے آخر کار بدھ ازم میں وہ تمام خرابیاں اور نقائص پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے ہندوازم پر بدھ ازم نے کامیابی حاصل کی تھی۔ اور ساتویں اور آٹھویں صدی میں بتدریج بدھ ازم ہندوستان سے معدوم ہو گیا سوشل پہلو سے بدھ ازم کیا تھا ہندوؤں کے ذات پات اور جماعت بندی کا متضاد سوشل نظام تھا۔ جہاں ہندوازم میں سب سے اونچے اور اس سے بتدریج نیچے اترتے ہوئے جماعت بندی تھی۔ اور نہایت سخت اور کڑی سوشل طبقہ بندی تھی۔ وہاں بدھ ازم میں سوشل مساوات تھی براہمن اور چنڈال یکساں تھے۔ آخر کار بدھ ازم میں پھر ہندوؤں کی سی جماعت بندی بن گئی تو بدھ ازم ہندوازم میں مل کر یک جان ہو گیا۔ گو یہ عمل بتدریج خاموشی کے ساتھ ہوا۔

جب بدھ ازم ہندوستان سے بتدریج مٹ کر ہندوازم میں مل رہا تھا۔ تو عرب کے خشک ریگستان میں حضرت محمد کا قائم کردہ اسلام عرب میں زور پکڑ رہا تھا۔ اور تھوڑے عرصہ میں اسقدر زور پکڑا کر دنیا کو حیران کر دیا۔ اور اسلام کا سوشل نظام جس میں تمام مسلموں کو مساوات کا درجہ دیا گیا تھا۔ غلاموں کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ اور برابر کے سوشل حقوق دیدیئے گئے۔ اور عورتوں۔ بیواؤں اور یتیموں کو حقوق کی حفاظت کے کافی سامان مہیا کر دیئے گئے تھے۔ اور اس پہلو میں بدھ ازم سے بہت کچھ مشابہت نہیں۔ آناً فاناً ایشیاء کے بہت حصہ اور جنوبی یورپ میں پھیل گیا۔ اور بڑھتے بڑھتے ساتویں صدی کے آخر میں سندھ کی سرحد پر بھی آپہنچا۔ اور آٹھویں صدی کے شروع میں تو آرڈر کی وسیع سلطنت کو مغلوب کر کے عنانِ حکومت کو ہی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آرڈر کے دار السلطنت براہمناد کی جگہ منصورہ کو دار السلطنت بنایا اور دار الخلافت تو بغداد ہی تمام مسلم دنیا کے واسطے رہا۔ ایسے وقت میں سندھ میں کثیر التعداد نیچے طبقہ کے ہندوؤں نے اور رہے سہے بودھوں نے اسلام کو قبول کیا۔

اور ہندوستان کی سرائیں میں ہندو مذہب اور سوشل نظام کا اسلام کے ساتھ ظاہر ہو اور در پردہ مقابلہ شروع ہو گیا۔ جب کبھی مختلف بناوٹ کے سوشل نظام ایک جگہ موجود ہو جاتے ہیں۔ تو قدرتی طور پر تصادم پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو زیر زبر کرنے کا عمل دیر تک اور صدیوں تک جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک خیالی دوسرے کو مغلوب کر لیتا ہے۔

جہاں جنوب مغربی حصہ میں یہ تصادم آٹھویں صدی میں شروع ہوا وہاں شمالی مغربی میں اس کے تین سو سال بعد شروع ہوا۔ اور اس جگہ اس اسلام کے سوشل سسٹم سے شروع ہوا۔ کہ جو ترک گیارہویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں لے آئے۔ اس سے آئے دن ہندوستان میں اسلامی سوشل سسٹم پھیلتا گیا۔ اور ایک وسیع پیمانہ پر مقابلہ شروع ہوا۔ اس مقابلہ کو چھوڑے گیارہ سو سال گذر گئے مگر یہ مقابلہ ابھی تک بدستور جاری ہے۔ اور ہندوازم حفاظت خود کے اصول پر قائم ہو کر اپنی زندگی کو قائم رکھتا چلا آیا ہے۔ مگر کافی قربانی کیا تھا!!!

جب دو مختلف ساخت کے زندہ سوشل خیال آپس میں مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ضروری نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کیلئے پُر امن یا پُر جنگ وسایل اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے سے بہت حد تک مؤثر ہو کر ایک دوسرے کو اپنی خصوصیتیں ہی منتقل کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کی دو نمایاں خصوصیتوں نے ہندوازم پر نمایاں اثر ڈالا۔ اور بارہویں صدی میں جب ہند کی عنان حکومت افغانوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور اس کے بعد متواتر افغان حکمران رہے۔ تو ایسے بھگت پے در پے پیدا ہوتے رہے۔ کہ جو خدا کی وحدانیت اور ذات پات کے مخالف انسانی سوشل مساوات کی تعلیم دیتے رہے۔ اور ہندوازم کو اسلام کے ہتھیاروں سے بچاتے رہے۔ نمایاں طور پر جہاں تک کہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چل سکتا ہے۔ وحدانیت اور ذات پات کی مساوات کا اصول جیدیو بھگت نے اختیار کر کے اس پر عمل کیا۔ اور اس کے بعد نام دیو اور آخر کار کبیر بھگت وجود میں آئے۔ اور یہ مسلم جولاہا ہندوازم سے اسقدر متاثر ہوا۔ کہ رام اور رحیم کا فرق اس کی نظر میں دور ہو گیا۔ اور بجائے تصادم کے دونو خیالات میں صلح و صفائی کے زبردست وسایل اختیار کئے۔ اور بہت حد تک ہر دلعزیزی دونوں فرقوں میں حاصل رہی مغل و پٹھان حکمرانوں کے وقت جہاں ہندو سوشل نظام کا مسلم سوشل نظام سے قریب ساڑھے چار سو سال تک مقابلہ رہا۔ وہاں کئی اعلےٰ ترین ہستیاں وجود میں آئیں۔ کہ جنہوں نے اس جنگ میں صلح صفائی کرانے کی کوشش کی اور یہ ایک اچھا اثر تھا۔ جو کہ اس میل سے پیدا ہوا۔

آخر کار ایک بزرگ ترین پاک صاف باطن ہستی پنجاب کے دار الخلافہ لاہور سے دریائے راوی کے کنارے پر تلونڈی میں ۱۴۶۹ء میں وجود میں آئی۔ اور ہندو مسلم اتحاد و صلح اور صفائی کی تعلیم کے ہادی و رہنما بنے۔ اور انسانی مساوات کے پیغمبر تھے۔ ہندوؤں کے ذات پات کے خلاف عموماً جہاد کیا۔ اور قاضیوں ملاؤں کے تعصب کے برخلاف زبردست واعظ کیا۔ اور سلسلہ تعلیم جس کی بنیاد گورو نانک دیو نے رکھی متواتر مغل سلطنت کے عرصہ قیام میں جاری رہا۔ اور اب ۳۰ لاکھ کی آبادی اس تعلیم کی پیرو ہے۔ اور اگرچہ اس کی آبادی کی ترقی کسی زندہ شخصیت کی عدم موجودگی وجہ سے نمایاں ترقی بن کر رہی۔ مگر پنجاب کے ہندوؤں پر اس کا نمایاں اثر موجود ہے۔

ہندوستان میں اصلی عرب ترک پٹھان آبادی جس کو پردیسی آبادی بہت معنوں میں کہا جا سکتا ہے۔ بہت بڑھ رہی ہے۔ اور ۷ کروڑ میں سے کثیر آبادی ایسی ہے۔ یعنی وہ ہندو آبادی ہے کہ جس نے کسی وجوہات مذہبی۔ سوشل اور ملکی کیوجہ سے اسلام کو اختیار کیا۔ ہندو سوشل نظام واقعی نیچے طبقوں کے واسطے بہت کچھ نامناسب اور ناواجب برتاؤ روا رکھتا چلا آیا ہے۔ اور اغلب ہے۔ کہ شودر جماعت نے اسلام کے مساوات کو خیر مقدم کیا ہو۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ بھگتوں اور گوروں نے اس کے برخلاف آواز اٹھا کر ہندوازم سے یہ نقص دور کرنے کی کوشش کی ہو۔ ہمارا ان بزرگوں کے ساتھ اتفاق ہے۔ کہ ہندوؤں کا ذات پات اس کی کمزوری کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ اور اسی وجہ سے ہندوؤں کو نیچا دیکھنا پڑا۔ اور انہوں نے نیچا دیکھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور دن بدن کمزور ہو رہے ہیں۔ تزک جہانگیری شاہد ہے۔ کہ سولہویں صدی کے شروع میں چھ اشخاص میں سے ایک مسلم مغل ہندوستان میں تھا۔ اور اب تین سو سال کے عرصہ میں ۴ اشخاص میں سے ایک مسلم ہے۔ اور انگریزی عملداری کے پچاس سال میں ہندو جہاں تھے وہیں رہے۔ سو کے ایک سو ایک بھی نہیں ہوئے۔ حالانکہ ہمارے مسلم پردیسی قریب پچاس فیصدی بڑھ گئے ہیں۔ جس کو دیکھ بلا اختیار تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اسلام کے سوشل نظام میں ترقی آبادی کے اسباب موجود ہیں۔

اب دور تبدیل ہو رہا ہے۔ باہمی نفرت کدورت دور ہو رہی۔ بھگتوں اور گوروؤں کے قائم کردہ صلح اور اصول پر پھر سے عمل پذیر ہونے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ایک ہزار برس تک دونوں خیالات نے مقابلہ کیا۔ اور کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ اب وقت آگیا ہے۔ کہ بجائے پرانا رستہ چلنے کے نئے راستہ پر چلیں اور صلح کے کھیل کھیل کر دیکھیں۔ کہ اس میں کیا لطف آتا ہے ہاں اس راستہ پر چلنے کیواسطے انتہائی کوشش کی ضرورت ہے۔ اور سکولوں مدرسوں مسجدوں مندروں سے نفرت آمیز تعلیم کی جگہ محبت آمیز تعلیم کی ضرورت ہے۔ بھگت کبیر اور گورو نانک دیو کی تعلیم پر عمل کی ضرورت ہے۔

رامائن!

(از رائے بہادر پنڈت شو نرائن صاحب شمیمؔ)

۱۔ والمیکی۔ ادھیاتم۔ تلسی کرت تین رامائنیں مشہور ہیں۔ والمیکی اور ادھیاتم تو سنسکرت دان پڑھتے ہیں۔ تلسی داس گوسائیں کی رامائن روز افزوں قبول عام حاصل کر رہی ہے۔

۲۔ یورپین زبانوں میں سب سے پہلے والمیکی رامائن اطالیہ زبان میں ترجمہ ہوئی۔ بعد ازاں بہت سے یورپین زبانوں میں والمیکی رامائن ترجمہ ہوئی۔ گریفت نے اس کو انگریزی نظم میں ترجمہ کیا۔

۳۔ گوسائیں تلسی داس کی رامائن سٹر گروس نے انگریزی نظم و نثر میں ترجمہ کیا۔ مترجم اس کو گیتا سے بالا مرتبہ دیتا ہے۔

۴۔ ایک بنگالی صاحب نے انگریزی میں ایک رسالہ موسوم قدامت رامائن و دوسرا "جغرافیہ رامائن" از روئے والمیکی جغرافیہ رامائن کے ساتھ ہندوستان کا نقشہ دیا۔ جس سے رامچندر جی کے سفر کے نشان دیئے۔ اور یہ بھی دکھلایا کہ دکن میں بھی راون کی کہاں کہاں بادشاہت تھی۔

۵۔ مس میکڈانلڈ نے ریڈر آف انڈیا کے نام سے انگریزی نثر میں رامائن کا قصہ بیان کیا۔ جو بلاغت و فصاحت کا نمونہ ہے۔

۶۔ پروفیسر ویبر نے ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ رامائن کا قصہ ہومر کے ایلیڈ سے بنا ہے اس کے خیال میں یونان Yavanas کے ہندوستان آنے پر ہومر کا قصہ مشہور ہو گیا تھا۔ اس کا جواب آر تھر للی نے "راما اور ہومر" کتاب لکھ کر دیا۔ جس میں اس نے دکھایا۔ کہ ہومر کو پوری رامائن معلوم نہ تھی۔ اس لئے جب اس نے رامائن کی کہانی ایلیڈ کے نام سے لکھی داستان میں ربط نہ رہا اور سلسلہ واقعات میں سقم پیدا ہو گئے۔

۷۔ مغلیہ زمانہ میں رامائن نے اس قدر شرف قبول حاصل کیا۔ کہ نظم و نثر میں یہ داستان ہندو اور مسلم اہل سخن نے لکھیں۔ چنانچہ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ملا مسیح نے سارا قصہ فارسی میں نظم کیا۔ جسے مطبع نولکشور نے شائع کیا۔ اس وقت نظم و نثر میں بہت سے رامائن اردو و ہندی میں بازار میں بکتی ہیں۔

۸۔ صیغہ تحقیقات کے شعبہ کے معرفت ڈی اے۔ وی کالج سے والمیکی رامائن باقساط شائع ہو رہی ہے۔ اس شعبہ میں تمام ہندوستان سے بہت قلمی نسخے حاصل کئے گئے ہیں۔ جو جو اشعار بعد میں داخل کر دیئے گئے تھے۔ خارج کر دیئے گئے ہیں۔ اور جو باب مستند نسخوں میں نہیں پائے گئے وہ بھی نکال دیئے گئے ہیں۔ راقم الحروف کو بھی معلوم ہوا۔ کہ والمیکی میں بدھوں کی خدمت کی گئی ہے۔ ایسے شلوک ظاہر ہے کہ رامائن والمیکی میں ہو نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ بدھ کا زمانہ والمیکی کے صدیوں بعد ہوا ہے۔ ہم نے رسالہ مہادیو سی جرنل میں مولفان رامائن کی توجہ دلائی۔ پایا گیا کہ کئی نسخوں میں وہ باب نہ تھا۔ جہاں رامچندر جی بقول بعض رامائنوں کے سیتا جی کو جدا کرتے ہیں۔

۹۔ ملے Malay اور جاوا میں بھی رامائنیں دریافت ہوئیں۔ ملے والی رامائن کا نام سیرت سری رامچندر ہے۔ جو مسلمان عہد میں غالباً لکھی گئی۔ اور جاوا کی رامائن کے بنیاد پر لکھی گئی۔ اس میں داستان بابا آدم سے شروع کی گئی۔ لنکا کا بھی ذکر ہے۔

بعض ان رامائنوں میں اتر کانڈ۔ بعض میں مختلف اور بعض میں قطعی موجود نہیں۔

۱۰۔ رامائن کا مطالعہ ہند و دنیا میں بڑھتا جاتا ہے۔ رام کی پرستش عام طور سے بڑھ رہی ہے۔ اور بہ نسبتاً کرشن جی کی پرستش گھٹ رہی ہے۔ البتہ تعلیم یافتہ طبقے میں کرشن جی اور گیتا کا چرچا بدستور جاری ہے۔ بعض لوگوں میں ویدانت گھر کر رہا ہے۔

۱۱۔ "اردو" موسوم رسالہ میں جو اورنگ آباد سے نکلتا ہے۔ ایک طول طویل مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں دکھلایا گیا ہے۔ کہ تلسی کے رامائن اعلیٰ شاعری کا نمونہ ہے۔ مسلم مصنف اور شاعر اس رامائنوں سے ناآشنا ہیں۔ اُن کو چاہیئے۔ کہ اس بے مثل شاعر کے کلام سے استفادہ کریں۔ ایک صاحب خلیل نام نے جو امرت سر کے رہنے والے ہیں۔ حال ہی میں رامائن کو اردو نظم کا جامہ پہنایا۔ اس سے پہلے کائستھ صاحبان نے اور دھر کے عہد میں کئی منظوم رامائن لکھی تھیں۔

۱۲۔ کشمیری زبان میں بھی رامائن دریافت ہوئی ہے۔ گذشتہ بیس پچیس سال کے عرصہ میں بنگالی۔ مرہٹی۔ کناری۔ ملیم تامل تلیگو وغیرہ زبانوں میں رامائنیں لکھی گئی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ہندوؤں کے رگ و ریشہ میں رامائن رچی ہوئی ہے۔ سالانہ دسہرہ رام چندر جی کی داستان کو تازہ کر دیتا ہے۔ یہ سوال کہ آیا یہ داستان محض ایک افسانہ ہے یا اصلی واقعات پر شاعری کا رنگ چڑھا ہے۔ ادق سوال ہے۔ ہم عرصہ سے اس سوال کے طے کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم نے اشنور چترکوٹ اجودھیا جی۔ ناسک کے تیرتھ کئے۔ لنکا بھی دو مرتبہ گئے۔ ہنوز تحقیقات جاری ہے کسی اور موقعہ پر ہم اس مسئلہ پر اپنی تحقیقات کا نتیجہ شائع کرینگے سردست مضمون ہذا کو ختم کرتے ہیں۔

پیغام عمل

(از پروفیسر کنہیا لال صاحب ثاقب ایم۔ اے راولپنڈی)

خدا جانے سراسر عافیت کو بھول بیٹھے ہیں
ہمیں آخر بسر کرنے ہیں دن شیر و شکر ہو کر
بڑھیں جب اس طرح ہر کشمکش مطلب پرستو کی
عناد باہمی ہیں حوصلے صیاد کے دیکھو
حقیقت میں گنہ ہے کفر بھی کفران نعمت بھی

ہمارے دوستوں کو کھیلنے ہیں تیغ ہر ڈھال
ارے غافل ہے کب تک امت الجھن لڑائی کی
برہمن رام کہہ اٹھا۔ مسلمان نے دہائی کی
اسیر و اہوش آئیگی تمہیں کب ہمنوائی کی
کوئی حد سے نکل آیا۔ کسی نے پارسائی کی

اجی ثاقب کو رہنے دو گئے وقتوں کا بندہ ہے
اسے بس راس آتی ہیں تو باتیں آشنائی کی!

نہرو رپورٹ اور سوراجیہ آئین

از پرنسپل چونی لال صاحب آنند

بقیہ صفحہ نمبر ۲۹

کے ذریعہ سچے نیابتی اور ذمہ دار طریق گورنمنٹ کی نفی ہوتی ہے۔

رپورٹ میں سفارشات

اس رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے۔ کہ ملک کی قانونی کونسلوں کیلئے مشترکہ یا مخلوط انتخابی حلقے قائم کئے جائیں۔ دس سال کے تبدیلی پذیر زمانہ کیلئے مسلمانوں کو اُن صوبوں میں جہاں اُن کی اقلیت ہے۔ اور ہندوؤں کو صوبہ شمال و مغربی سرحدی میں آبادی کے مطابق صوبجاتی کونسل اور مرکزی کونسل میں نمائندگی دی جائے۔ اس میں مسلمانوں کے اس مطالبہ کو غیر معقول بتا کر نامنظور کیا گیا ہے۔ کہ اُن کے لئے مرکزی قانونی کونسل میں آبادی کے مطابق اُن کے حصہ سے زیادہ نشستیں مخصوص کی جائیں۔ یہ حد سے بڑھا ہوا مطالبہ کسی شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ جو کہ ان سیاست دانوں کی طرف سے کیا گیا ہے۔ جو مسلمانوں کی خواہشات کے مطالبہ کو ضروری طور پر صوبہ پنجاب اور بنگال میں محض اُن کی تعداد پر مبنی کرتے ہیں۔ اگر فرقہ وار انتخابی حلقوں کی جگہ مخلوط انتخابی حلقے مقرر کئے جائیں۔ تو ایک شخص یہ جاننا پسند کریگا۔ کہ وہ طریقہ کونسا ہے۔ جس کے ذریعہ رپورٹ میں اقلیتوں کے فوائد کی حفاظت کی تجویز کی گئی ہے۔ مسلم اور ہندو اقلیتوں کیلئے دس سال تک نشستیں مخصوص کرنے کے علاوہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ رپورٹ میں یہ مقصد حاصل کرنے کی غرض سے آئین کے متعلق قانون میں ایک اعلان ان بنیادی حقوق کی بابت درج ہے۔ جس کے ذریعہ قانون کے آگے بھی مذہبی آزادی کو مساوی رتبہ مل جائے۔ بالغوں کو ووٹ دینے کا حق ملے۔ اور شہریت کے تمام معمولی آئینی حقوق حاصل ہو جائیں۔ ملک میں ایسے سیاستدان موجود ہیں۔ جو قلیل فرقوں کے نمائندے ہیں۔ مگر وہ لوگ اس خیال میں ہیں۔ ان تدابیر میں فرقوں کے منصفانہ حقوق پر بیجا اثر ڈالے بغیر قومی ترقی کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کئے بغیر ہی خوبی پیدا کرنا ممکن ہے۔ میں یہ معلوم کرنے سے قاصر ہوں۔ کہ اقلیتوں کیلئے کونسلوں میں نشستیں مخصوص کرانے کے متعلق وقت کی قید کیوں لگائی جائے۔ میں اس طریقہ کے ذریعہ یہ فیصلہ کرنے کے خلاف ہوں۔ اکثریتوں کو اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئیے۔ کہ صوبوں میں اس طریقہ کے سوال کو جاری کیا جائے۔ اس لئے نامنظور کرنے کا مفید اقلیت طریق انتصواب کے ذریعہ کریں۔ قوم پرست سیاست والوں کو اس کی جہتہ آزادی رہے گی۔ کہ اقلیتوں کو یہ یقین دلا دیں۔ کہ نشستوں کی تخصیص اُن کے لئے مفید نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ ملک کے لئے نقصان دہ ہے۔

نہرو کمیٹی نے جو طریقہ آئین کی آئندہ مسودہ سے متعلق وضع کیا ہے۔ وہ تسلی بخش ہے۔ آئین میں قوم کی آزادیاں قائم کی جائیں گی اور اقلیتوں کے فوائد کی حفاظتی تدابیر داخل کی جائیں گی۔ اس آئین کی دفعات کو تبدیل کرنا صرف انتخابی حلقوں سے اپیل کرنے پر ممکن ہونا چاہئیے۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ صوبجاتی خود مختاری ایک سوانگ ہوگا بشرطیکہ صوبجاتی کونسلوں کی آواز کو صوبجاتی گورنمنٹوں کے متعلق ان اور تغیر کو شکل دینے میں دخل حاصل نہ ہو۔

میری رائے میں نہرو رپورٹ ہندوستانی ریاستوں کے مسئلہ کا تسلی بخش حل نکالنے میں ناکام رہی ہے اور اگر رپورٹ کی وہ سفارشات جو ریاستوں کے سوراجیہ گورنمنٹ سے تعلقات کے متعلق ہیں۔ اب سے پیشتر بھی والیان ریاست کی طرف سے مخالفت کا ایک طوفان برپا کرا چکی ہوں۔ تو مجھے کوئی حیرت نہ ہونی چاہئیے۔ یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگرچہ ریاستوں کے آئینی تعلقات کے ذریعہ تاج برطانیہ کے ساتھ تعلقات ہیں۔ مگر عملی دستور کے مطابق معاہدہ کی تکمیل ان معاہدات سے پیدا ہونے والے فرائض کی تکمیل اور انکی تشریح گورنمنٹ ہند کے بعض معمولی فرائض اور کارروائیں ہیں۔ چونکہ برٹش ہند کی گورنمنٹ اسی قدر شہنشاہ معظم کی حکومت ہوگی۔ جسقدر کہ موجودہ گورنمنٹ ہند ہے۔ اس لئے اس امر کے خلاف کوئی

اعتراض نہ ہونا چاہیئے ۔ کہ موجودہ گورنمنٹ ہند کی جگہ ڈومینین گورنمنٹ لے لے گی ریاستوں کے لیے جو یہ محض ماتحتی کی پوزیشن تجویز کی گئی ہے ۔ وہ غیر منطقی اور خلاف انصاف ہے ۔ اور اس نتیجہ کی تائید میں جو دلائل پیش کی گئی ہیں ، وہ مغالطہ میں ڈالنے والی ہیں ۔

۱۔ یہ بات نظر انداز کر دی گئی ہے ۔ کہ گورنمنٹ ہند اپنے موجودہ آئین کے مطابق تاج برطانیہ کے سہ گانہ تعلقات میں نمائندگی کرتی ہے ۔ وہ یہ کہ (الف) اس کا برٹش ہند سے تعلق ہے (ب) اس کا ریاستوں سے تعلق ہے ۔ (ج) اس کا عام طور پر تمام ہندوستان سے تعلق ہے برٹش ہند خود اپنے حلقہ میں سوراج کا مطالبہ کر سکتا ہے ، اور وہ یہ بھی مطالبہ کر سکتا ہے ۔ کہ عموماً تمام ملک سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اس کی آواز کو دخل حاصل ہو ۔ لیکن وہ سوراج مانگنے کے ایک کی حیثیت سے نہ تو یہ مطالبہ کر سکتا ہے ۔ کہ اسے تاج برطانیہ کے ریاستوں کے ساتھ تعلقات کو ایک قاعدہ میں لانے کا حق حاصل ہے ۔ یا یہ کہ وہ بلا شرکت غیرے تمام ہندوستان کی خارجیہ پالیسی یا اس کی حفاظت کے کام کو اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے ۔

۲۔ نہرو سکیم میں سوراج کو صرف برٹش ہند کے لیے محدود کیا گیا ہے ۔ دیسی ریاستوں کو سوراج کی حکومت میں کوئی جگہ یا حصہ حاصل نہ ہوگا ۔ انتخابی طریق جو سیاسی حق و اختیار کا آخری مرکز ہوگا ۔ اس میں صرف برٹش ہند کے لوگ شامل ہونگے جو سکیم ہندوستان کی ایک تہائی آبادی کو ملک کی حکومت میں کوئی حصہ دینے سے انکار کرتی ہے ۔ اسے تصور کی کوئی بھی جولانی جمہوری سکیم نہیں کہہ سکتی ۔

۳۔ اگرچہ تاج برطانیہ کے ریاستوں کے ساتھ تعلقات عہد ناموں پر مبنی ہیں مگر ۔ رپورٹ میں برٹش گورنمنٹ سے مطالبہ کیا جاویگا ۔ کہ وہ اپنے وہ حقوق اور فرائض جو اسے معاہدوں کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں ۔ برطانیہ کے طریق (نتیجہ)

یادِ رام

از پنڈت امرناتھ صاحب ساحرؔ دہلوی

ہیں یادِ رام سے میرے کام و دہاں لذید | اور ذکر خیر سے ہے سراسر زباں لذید
اوسکی شکر لبی سے ہے تنگِ شکر دہاں | شیرینئ مقال سے حرف و بیاں لذیذ
ہے اوسکا حسن کانِ ملاحت کہ ہف نظر | شور افگنی سے جسکے ہوا کام جاں لذیذ
کس لطف کا نمک ہے شکر خندہ میں ترے | زخمِ جگر کے ہیں لب کام و دہاں لذیذ

ساحرؔ نرالی چاشنی ہے رام نام کی
دلمیں خیال ہو تو دہن میں زباں لذیذ

حقتلف کرے ۔ اور وہ بھی ریاستوں کے فرمانرواؤں یا رعایا کی منظوری بغیر حکومت کے متعلق اس مجوزہ تبدیلی کی ریاستوں نے مخالفت کی ہے ۔ جو برٹش سلطنت کے اجزا ہونے کی حیثیت سے ڈومینین حکومت کے اسی قدر حقدار ہیں جس قدر کہ وہ برٹش ہند ہے ۔ ہندوستان کے سوراج کی سکیم میں برٹش ہند اور ریاستیں دونوں ہی شامل ہونی چاہئیں ۔ ہمارا آیندہ آئین فیڈرل یعنی مشترکہ طرز کا ہونا چاہیئے ۔ ہندوستان کی ریاستیں خصوصاً وہ ریاستیں جن کے ساتھ معاہدے ہیں ۔ اُن کو آیندہ امن و ملیخہ میں برٹش ہند کے ۔ اتحہ مساوی درجہ کے حصہ دار تسلیم کرنا پڑے گا ۔ اس کے معنی یہ ہیں ۔ فیڈرل اگزیکٹو (انتظامی محکمہ) کے آئین میں اس مطلب کی ایک دفعہ داخل کی جاوے ۔ اور مشترکہ قانونی کونسل کو وہ معاملات سپرد کئے جائیں ۔ جو برٹش ہند اور ریاستوں میں مشترکہ تسلیم کئے ہیں ۔ میں بعض اوقات

یہ خیال کرتا ہوں ۔ کہ اس بارہ میں نہرو کمیٹی کی رپورٹ میں جو حصہ ہے ۔ اس نے والیان ریاست کے دلوں میں اُن اُن کے آیندہ مرتبہ کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر کے ہندوستان کے سوال کو زیادہ پیچیدہ بنا دیا ہے ۔ اور یہ عاقلانہ بات ہو گی ۔ کہ مذکورہ بالا سفارشات کے ذریعہ جو غلط فہمیاں اور اندیشے پیدا ہو گئے ہیں ۔ اُن کو کنونشن میں ایک اعلان جاری کر کے دور کر دینا چاہیئے جس کا مطلب یہ ہو ۔ کہ نہرو سکیم میں جس یونیٹری سکیم کا خاکہ کھینچا گیا ہے وہ صرف برٹش ہند کے لیے ہے ۔ اور یہ کہ جب ریاستیں برٹش ہند کے ساتھ اتحاد کرنے پر رضامند ہو جائیں تو ہندوستان مساوی حصہ داروں کی فیڈریشن یعنی مشترکہ سلطنت بن جائیگی ۔ جب تک کہ ریاستیں اس فیڈریشن میں شامل ہونے کے لیے تیار نہ ہو جائیں ۔ تب تک برٹش ہند کو سوراج کا محدود تعداد ملنے کا امکان ہے ۔

لیکن وہ ڈومینین حکومت جس میں ملک کی حفاظت کا سوال بھی داخل ہو ۔ خارج از بحث ہے ۔ کیونکہ ان معاہدوں کے مطابق جو ریاستوں کے ساتھ کئے گئے ہیں ۔ برٹش گورنمنٹ کا فرض ہوگا کہ وہ ہندوستان میں کافی فوجی اور بحری طاقت رکھے ۔ تاکہ والیان ریاست کی اندرونی بد نظمیوں اور بیرونی حملوں کے مقابلہ میں حفاظت ہو ۔

۴۔ اگرچہ نہرو رپورٹ میں ریاستوں کے سوال کا کوئی قابل مقبول حل پیش نہیں کیا گیا ہے ۔ مگر اس میں خود برٹش ہند کے لیے سوراج کی سکیم نہایت عمدگی سے درج کی گئی ہے ۔ مجوزہ آئین کی بنیاد بالغوں کے حق انتخاب پر رکھی گئی ہے ۔ ہمیں اکثر بتایا گیا ہے کہ اس ملک کے عوام الناس بے زبان ہیں ۔ جاہل ہیں ۔ اور مفلس ہیں ۔ اُن کی ترقی کے صرف دو طریقے ہیں ۔ یعنی تعلیم اور ووٹ ۔ اس آئین میں ووٹ کا ذمہ لیا گیا ہے ۔ اور اس لیے اس کی قبولیت سے توقع کی جا سکتی ہے ۔ کہ وہ دنیا کی تاریخ میں ہماری زندگی ہی میں ۔ ہمارے ایک بڑے سوشل اور سیاسی انقلاب کی طرف رہنمائی کریگا ۔ ہم حق حکومت کو یا تو عوام الناس کے ہاتھوں میں دے سکتے ہیں ۔ یا خاص فرقوں کے ہاتھوں میں ۔ ان میں سے اول بات کو مضحکہ انگیز سمجھنا اور دوسری کو ناموزوں و ناخواستہ بتانا ۔ ہندوستان کی سوراج کی موجودہ منزل کی طرف پیش قدمی کے راستہ میں کم و بیش مستقل رکاوٹ پیدا کرتا ہے ۔ بالغوں کو حق انتخاب

سوراج کی قیمت

بقیہ صفحہ ۴۱

Cultural autonomy بنا دیتے ہیں

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ یہ کیا کیسے جائے۔ اس وقت جو بات ہندوستانیوں کے دماغ کو سب سے زیادہ تنگ کر رہی ہے وہ یہ ہے۔ کہ قلیل التعداد جماعتوں کی Cultural autonomy کیسے قائم رکھی جائے

پنڈت موتی لال نہرو نے اپنی رپورٹ میں کچھ حد تک تو اپنے مجوزہ حقوق شہریت میں ان باتوں کا حل کیا ہے۔ مثلاً وہ تجویز فرماتے ہیں۔ کہ اول ہر شخص . . . . کے خیالات میں آزادی ہوگی۔ اور اس کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ آزادی سے اپنے مذہب کے احکام کی پیروی کرے۔ (بشرطیکہ حفظ امن میں فرق نہ ہو)

دوئم ہر ایک جماعت اور طبقے کے شخص کو حق ہوگا۔ کہ وہ پرائمری تعلیم حاصل کر سکے۔ اور اس غرض سے کسی سرکاری یا پرائیویٹ امدادی سکول میں داخل ہو سکے۔

سوئم:- تمام اشخاص قانون کے سامنے برابر ہوں گے اور ان کو برابر کے حقوق حاصل ہوں گے۔

چہارم: حکومت کسی مذہب کو کسی قسم کی مدد نہ دیگی اور نہ ہی مذہب کی بنا پر کسی پر کوئی قید لگائے گی

پنجم:- کسی طالب علم کو مجبور نہیں کیا جائیگا۔ کہ سکول میں تعلیم پاتا ہو۔ اس کو کسی مذہبی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مجبور کیا جائے

ششم:- کسی شخص کو مذہب۔ ذات یا عقیدہ کی بنا پر کسی ملازمت یا عہدہ یا پیشہ سے محروم نہیں کیا جائیگا۔

ہفتم:- ہر شخص کو حق ہوگا۔ کہ وہ شاہراہ عام پر چل سکیں عام کنوؤں سے پانی بھر سکیں۔ اور دیگر عام مقامات میں جا سکیں۔

ان سات اصولوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پنڈت موتی لال نہرو کی کمیٹی اس بات پر زور دیتی ہے۔ کہ جو سختیاں اور مشکلات آج کل دلت جاتیوں کو برداشت کرنی پڑتی ہیں یا جو ایکٹ انتقال اراضی جیسے امتیازی قوانین اور ملازمتوں کے لئے بندشیں آجکل ہندوؤں کو تکلیف دے رہی ہیں وہ آئندہ نہ پاس ہو سکیں۔ ان مجوزہ حقوق شہریت سے یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ آئندہ مذہبی جلوسوں میں باجہ بند نہیں ہو سکیگا۔ اور نہ ہی کوئی گائے کی قربانی بند کر سکیگا۔ لیکن ایسے مذہبی احکام کی پیروی کے لئے ایک خاص قید لگا دی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مذہبی جلوسوں کے ساتھ باجہ تب ہی بجایا جا سکیگا۔ اگر اس سے حفظ امن میں فرق نہ آئے۔ گائے کی قربانی تب ہی ہو سکیگی۔ اگر حفظ امن میں فرق نہ آئے۔ لیکن کوئی جماعت مذہبی جلوسوں کے ساتھ باجہ بجانے پر معترض ہو اور آمادہ فساد ہو۔ تو شائد پنڈت موتی لال کی رائے میں باجہ نہیں بج سکیگا۔ ایسی صورت میں تو یہ قاعدہ متعلق حقوق شہریت بے معنی ہو جاتا ہے۔ خیر میں اس وقت باجہ اور قربانی گائے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ میں تو اس وقت پبلک کی ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آل پارٹیز سکیم کے مطابق اگر کوئی حکومت یہ چاہے۔ کہ مندروں۔ دیوستھانوں اور دیگر مذہبی اوقاف کو ضبط کر لیا جائے۔ تو وہ کر سکتی ہے۔ اگر وہ یہ چاہے۔ کہ سکولوں میں علم تواریخ اس طریق سے پڑھائے۔ کہ ایک خاص قوم یا جماعت کو ادنے ثابت کیا جائے۔ اور دوسری کو اعلے۔ تو وہ یہ کر سکتی ہے۔ اگر پنجاب کی حکومت یہ چاہے کہ سکولوں میں سنسکرت۔ ہندی اور گورمکھی کی تعلیم بند کر دی جائے۔ تو کر سکتی ہے۔

اگر وہ چاہے۔ کہ کسی فرقے یا قوم کے تیرتھ استھانوں اور مٹھ مندروں کے انتظام میں کوئی تبدیلی کر دے۔ تو وہ اس قوم کی رضامندی بغیر وہ کر سکیگی۔

اگر کسی صوبے میں غیر زراعت پیشہ جماعت کی اکثریت یہ چاہے۔ کہ مالگزاری زمین یا آبیانہ انہار بڑھا دیا جائے۔ تو وہ یہ کر سکیگی۔ اگر وہ یہ چاہے۔ کہ جنگلات میں سے لکڑی لینے پر خاص قیود لگا دی جائیں۔ تو وہ یہ لگا سکیگی۔ اسی طرح سے اگر کسی صوبہ میں زراعت پیشہ جماعت کی اکثریت اگر یہ چاہے کہ غیر زراعت پیشہ جماعتوں پر حیثیت ٹیکس یا پروفیشنل ٹیکس لگا دے۔ یا ساہوکارہ بل پاس کر دے۔ یا کارخانوں میں گورنمنٹ سے مہیا کی ہوئی بجلی کی قیمت بڑھا دی جائے۔ تو وہ کر سکیگی۔

اسی طرح سے مرکزی حکومت ہند میں پارلیمنٹ کو یہ اختیار ہوگا۔ کہ ہندوؤں میں رسم طلاق جاری کر دے۔ قانون وراثت میں رد و بدل کر دے۔ شادیوں میں شاستر پڑھنے کی ضرورت اُڑا دے۔ شادیوں میں ذات پات کے امتیاز کو بالکل اُڑا دے یا ہندو دھرم شاستر یا شرع محمدی میں اور کئی قسم کی تبدیلیاں کر دے

میرے خیال میں یہ تبدیلیاں ہندو سوسائٹی کو بنیادوں تک ہلا دیں گی۔ اس سکیم میں ہندو تہذیب اور تمدن کی حفاظت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان تمام باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے میں یہ تجویز کرتا ہوں۔ کہ وہ سوالات جن کا کسی قوم یا جماعت کی تہذیب و تمدن یا مجلسی ترتیب سے تعلق ہے۔ ایک علیحدہ فہرست میں درج کئے جائیں اور ان معاملات میں دخل دینے کا کسی کونسل یا پارلیمنٹ کو اختیار نہ ہو۔ جب تک کہ اس قوم یا جماعت کی جس پر کہ مجوزہ تبدیلی سے اثر پڑتا ہو۔ رائے نہ لی جائے

قسمت کا چکر

ٹیوب ویل کی برکات

بارش کی تنگی اور اس کے علاقہ میں نہری پانی کی عدم موجودگی میں غریب بسنت سنگھ کی فصل سوکھ گئی۔ فصل کے تباہ ہو جانے پر جو روپیہ اس نے ساہوکار سے بیج وغیرہ کے لئے لیا تھا۔ وہ بھی اس سے ادا نہ ہو سکا۔ "کمزور سب کی بیوی" کے مصداق پر بسنت سنگھ کو اس کے قریبی رشتہ دار بھی چڑانے لگے اور ساہوکار روپیہ کے لئے تنگ کرنے لگا۔

ان حالات سے تنگ آکر بسنت سنگھ اپنی بیوی بچوں کو ان کی قسمت کے حوالے کر کے خود لاہور چلا آیا۔ لاہور میں ۱۹۱۸ء کے آغاز میں عراق وغیرہ کی بھرتی جاری تھی۔ بسنت سنگھ کو بھی معمولی سپاہی بھرتی کر کے بصرہ بھیج دیا گیا۔

بسنت سنگھ بصرہ میں اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔ بیوی بچوں کی یاد اسے ہر دم ستاتی تھی۔ اپنی زمین کو ساہوکار کے پنجہ سے چھڑانے کا خیال اس کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا کہ یکایک ایک سپاہی کے پاؤں کی آواز نے اسے چونکا کر دیا۔ اور گورہ سپاہی نے اندر داخل ہو کر بسنت سنگھ کو اپنے پیچھے آنے کے لئے اشارہ کیا۔

بسنت سنگھ چپکے سے اس گورہ سپاہی کے پیچھے ہو لیا۔ اور ایک افسرانہ خیمہ میں جا پہنچا۔ جہاں آفیسر کمانڈنگ بیٹھا تھا۔ آفیسر کمانڈنگ نے اپنی بلند آواز سے بسنت سنگھ کو یوں مخاطب کیا۔

آفیسر کمانڈنگ۔ ہیلو بسنت سنگھ ہم تمہاری خدمت سے بہت خوش ہے۔

بسنت سنگھ۔ حضور کا اقبال ترقی پر ہو۔

آفیسر کمانڈنگ۔ ویل تمہارے لایق سرکار کو ایک اور کام پڑا ہے۔ کہو کرو گے؟

بسنت سنگھ۔ بندہ ہر وقت خدمت کے لئے تیار ہے۔

کمانڈنگ آفیسر۔ تو دیکھو یہاں سے پانچ میل پر ایک ٹرینچ میں ایک سیم صاحب اور ڈو بچہ پڑا ہے دشمن اس کے اوپر ہے۔ ان کے پاس یہ چٹھی لے جاؤ۔ اور فوج کے آنے کا خبر دو۔

بسنت سنگھ آفیسر کمانڈنگ سے چٹھی لے کر سلام کر کے چلا گیا۔ اندھیری رات میں بارش سے تر رستوں کو طے کرتا ہوا بھیس بدلا کے وہ دشمن کی فوج سے نکل کر خندق کے نزدیک جا پہنچا۔

خندق سے کچھ فاصلے پر دشمن آگ سلگائے گپیں ہانک رہے تھے۔ بسنت سنگھ مٹی اور کیچڑ میں لیٹتا ہوا خندق کے سرے پر جا پہنچا۔ اور اس میں کود پڑا۔

دو تین گھنٹہ بعد گولی چلنے لگی۔ انگریزی سپاہ دشمن پر فتح پا کر خندق کے سرے پر آ پہنچی۔ اور بسنت سنگھ کو معہ عورت اور بچوں کے خیمہ میں لے آئے۔

۱۹۲۲ء میں بسنت سنگھ ہندوستان واپس آیا۔ اب وہ معمولی سپاہی نہ تھا۔ بلکہ صوبیدار میجر کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ اپنی ہوشیاری اور قوت بازو سے وہ اپنے ساتھیوں پر گوئے سبقت لے گیا۔ مگر اپنے آباؤ اجداد کی زمین آباد کرنے کی دھن اسے بھی اس کے سر میں چکر لگا رہی تھی۔

اپنی زمین ساہوکار سے واپس لیکر اور اس کے ساتھ ملحقہ علاقہ خرید کر کے بسنت سنگھ اب اسے کاشت کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کرنے لگا۔ اس نے اس زمین میں چار پانچ کنوئیں بھی لگائے۔ مگر پانی ضرورت کے مطابق کافی نہ مل سکا۔

۱۹۲۶ء کے وسط میں بسنت سنگھ اپنے گاؤں سے لاہور کی طرف آ رہا تھا۔ کہ جڑانوالہ اسٹیشن پر اسکی نظر ایک ٹینکی پر پڑی۔ جس پر ۱۲۰۰۰ گیلن لکھا ہوا تھا۔ بسنت سنگھ اس کی بابت واقفیت حاصل کرنے کیلئے ٹکٹ کلکٹر کے پاس جا کھڑا ہوا۔

بسنت سنگھ (ٹکٹ کلکٹر سے) بابو صاحب! یہ بھارے بھارے حوض کیا ہیں؟

ٹکٹ کلکٹر۔ ان میں ٹیوب ویل سے پانی لیا جاتا ہے۔ جو کہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار یا چالیس ہزار گیلن پانی دیتا ہے۔ اور یہ پانی پینے اور ریلوے کی دیگر ضروریات کیلئے ہوتا ہے۔

بسنت سنگھ کیا یہ ٹیوب ویل کسی اور کام بھی آ سکتے ہیں؟

ٹکٹ کلکٹر۔ ہاں ایسے مقامات میں جہاں پانی کی تہی ہو۔ اور کھیتی باڑی کیلئے پانی نہ ملتا ہو۔ وہاں ہی ٹیوب کام دیتے ہیں۔

یہ سن کر بسنت سنگھ کی باچھیں کھل گئیں۔ اور ٹکٹ کلکٹر سے ایک دو کمپنیوں کے پتے لیکر اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔

(باقی آئندہ)

اور وہ اس تبدیلی کو منظور نہ کرے۔ اسی طرح۔ مختلف اقتصادی معاملات میں ان جماعتوں میں جن کا ایک دوسرے سے اختلاف ہو۔ اکثریت کو یہ حق نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اقلیت پر جبر کر سکے۔

میری یہ تجویز ہے۔ کہ تمدنی اور اقتصادی معاملات کے لئے علیحدہ فرقہ وارانہ کونسلیں یا کمیٹیاں بنا دینی چاہئیں۔ ہر ایک ایسی قوم یا جماعت کی کمیٹی یا کونسل میں اسی قوم یا جماعت کے ممبر ہونے چاہئیں۔ اور ان تمام مضامین کے متعلق جو تمدنی یا اقتصادی فہرست میں درج ہوں۔ کوئی رد و بدل ان کمیٹیوں کی رائے کے بغیر نہ کیا جائے۔ اگر پنڈت موتی لال کی سکیم میں یہ ترمیم کر دی جائے۔ تو پھر کسی قلیل التعداد جماعت کو کوئی بھی اکثریت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

تو کمروں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی
رنگ فق ہو گیا۔ حیرت و استعجاب سے ایک
دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سالگرام بکتے
جھکتے اُدھر آ ئے۔ اور ساوتری کو بیدار کیا
وہ بھی گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اور دروازے
کی بات سُن کر للتا کو جگانے کے لئے سیدھی
اس کے کمرے کی طرف دوڑی۔ اس کا خیال
تھا۔ کہ شائد بنسی لال سیر کی غرض سے چپ
چاپ علی الصبح دروازہ کھلا چھوڑ کر چلا گیا ہے
اس نے للتا کو کتنی ہی آوازیں دیں مگر وہ
تو بے ہوش پڑی تھی۔ اس نے غور سے دیکھا
تو معلوم ہوا۔ کہ وہ بالکل بے سُدھ پڑی ہے
بال بکھرے ہوئے۔ گردن جھکی ہوئی اور
آنکھیں کھلی ہوئیں ——————— وہ
یہ دیکھ کر گھبرا اُٹھی۔ اور چیخ مار کر باہر کی طرف
بھاگی۔ سالگرام دوڑ پڑے۔ دیکھا۔ تو
ساوتری کا کلیجہ کانپ رہا تھا۔ دل زور
زور سے دھڑک رہا تھا۔ سانس چھاتی میں
پھولا نہ سماتا تھا۔ جیسے اس نے کوئی بھوت
دیکھا ہے۔ سالگرام نے آسے سہارا
دیتے ہوئے کہا۔ کیوں؟ کیا ہوا؟
ساوتری کو غش آنے لگا۔ نوکر چاکر
پانی لینے کے لئے دوڑے۔ منہ پر پانی کے
چھینٹے دئے۔ چارپائی پر لٹایا۔ تب کہیں
ہوش میں آئی۔ تھوڑی دیر بعد رو کر بولی:۔
"ظالم بنسی لال نے للتا کو مار ......"

ساوتری کی زبان پورا فقرہ بھی ادا نہ کر سکی
سالگرام کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔
وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور للتا کے
کمرے کا رُخ کیا۔ للتا بے بسی کی حالت
میں پڑی تھی۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھیں خوف
کا اظہار کر رہی تھیں۔ جوڑا کھل جانے کی وجہ
سے سر کے بال بکھر گئے تھے۔ جنہوں نے
اس کے چہرے کا کچھ حصہ ڈھانپ لیا تھا
سالگرام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے
للتا کی نبض دیکھی۔ نہایت خفیف چل رہی
تھی۔ جسم کو ہاتھ لگایا۔ گرم تھا۔ انہوں نے
فوراً ڈاکٹر بلا لیا۔ ڈاکٹر ادویات کے فوری
اثر سے للتا کو ہوش میں لے آیا۔ للتا نے
ہوش میں آتے ہی زور سے ایک چیخ ماری
اور تھر تھر کانپنے لگی۔
ڈاکٹر بولا۔ یہ لڑکی ڈر گئی ہے۔ آپ
گھبرائیں نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔
سالگرام نے للتا کو دلاسا دیا۔ اتنے
میں ساوتری بھی آ پہنچی تھی۔ اس نے للتا کا سر
اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور پیار سے اُس کے
سر پر ہات پھیرنے لگی۔
للتا ہوش میں کیا آئی۔ سالگرام کو
قارون کا خزانہ مل گیا۔ انہوں نے اس
روز اتنا دان پُن کیا۔ کہ شہر بھر میں دھوم
مچ گئی۔ ساوتری روتی جاتی تھی۔ اور اپنے
ہات سے غریبوں کو کھانا بانٹتی جا رہی تھی
لڑکی کے بالکل تندرست ہونے پر اب

بنسی لال کا سوال پیدا ہوا۔ سالگرام اُسے
گرفتار کروانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے
ڈاکٹر سے سارٹیفکیٹ بھی حاصل کر لیا تھا
اور ساوتری کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر
للتا کا دل اس قدر ٹھوکریں کھا کر بھی سخت نہ
نہیں ہوا تھا۔ وہ اب بھی بنسی لال کو مصیبت
میں گرفتار دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ سالگرام
سے تو وہ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی تھی
البتہ ساوتری سے اس نے بنسی لال کی کئی
مرتبہ سفارش کی۔ وہ سوچتی تھی۔ میں کتنی
بدقسمت ہوں۔ کہ پتی کا پریم حاصل نہیں
کر سکی۔ اور اب میری وجہ سے وہ نہ معلوم کہاں
چلے گئے ہیں۔ میں انہیں کہاں ڈھونڈنے جاؤں
عورتیں تو پیدا ہوتے ہی مر جائیں۔ تو اچھا
للتا کے آنسو کسی وقت تھمتے ہی نہ تھے
اسے اپنے ساتھ اس زبردست بدسلوکی
کا خیال نہ تھا۔ وہ بنسی لال کے متعلق غور کر
رہی تھی۔ کہ نہ معلوم! اس وقت کہاں ہونگے
سالگرام نے سوداگر مل کو تمام واقعہ کی اطلاع
دے دی تھی۔ بنسی لال لوٹ کر گھر نہیں پہنچا تھا۔ وہاں
بھی کہرام سا مچ گیا۔ مایا دیوی ورلاپ کرنے لگی
سوداگر مل رونے لگے۔ ان کے ہاں کئی روز تک
چولھا نہ جلا۔
سوداگر مل مایا دیوی کو قصور ٹھہراتے تھے۔
مگر مایا دیوی اس الزام کو اپنے سر لینے کے لئے
تیار نہ تھی۔

(۵)

للتا سوچنے لگی۔ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ انہوں
نے میرا گلا گھونٹ کر مار ڈالنے میں کوئی کسر
نہیں چھوڑی تھی۔ اور ممکن ہے۔ کہ وہ خود بھی خودکشی
کر لیں۔ پھر میں کہاں جاؤں گی۔ میں رانڈ کہلانے
سے پہلے ہی اپنی جان دے دینا بہتر سمجھتی
ہوں۔ ہاتھوں کی چوڑیاں توڑنے کا دن میری
زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ میں بیواؤں کے
کپڑے کبھی نہ پہنوں گی۔ اس سے پیشتر ہی میرا
آتما اس شریر کو چھوڑ جائے گا۔ ہاں! تو پھر
مجھے کیا کرنا چاہیئے؟
للتا کچھ فیصلہ نہ کر سکی۔ جب رات کے وقت
گھر کے سب آدمی کھا پی کر سو گئے۔ تو للتا پھر
اسی اُدھیڑ بن میں مصروف ہو گئی۔ اس نے دیوار
کی طرف دیکھا۔ دیوار پر بنسی لال کا ایک فوٹو لٹکا ہوا
تھا۔ اس نے فوٹو سے سوال کیا۔ مجھے کیا کرنا
چاہیئے؟ اُسے معلوم ہوا۔ جیسے فوٹو اُس
کی اضطرابی کا تمسخر اُڑا رہا ہے۔ پھر اس نے
باہر کی طرف دیکھا۔ نیلگوں آسمان بیشمار ستاروں
سے جگمگا رہا تھا۔ ستارے اس کے حال پر
ہنستے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ وہ سوچنے لگی
دنیا کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔ سب دھوکا
ہوؤں کو دو دو وقت بھوجن ملتا
ہے۔ اس سنسار میں کوئی بھی کسی کو آسرا دینے
والا نہیں۔ اچھا! اے من! تو ہی بتا مجھے
کیا کرنا چاہیئے؟

قائم شدہ ۱۸۹۶ء

دی بھارت انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہیڈ آفس: بھارت بلڈنگس لاہور

اپنی زندگی کا بیمہ "بھارت" سے کرائیے

خالص ہندوستانی بیمہ کمپنی جو عرصہ زائد از ۳۲ سال سے قائم ہے۔

چیرمین سنٹرل بورڈ آف ڈائرکٹران:- لالہ ہرکشن لال بی۔ اے (کینٹب) بار ایٹ لاء

ڈائرکٹران (۱) مسٹر کے ایل گابا بار ایٹ لار (۲) لالہ شودیال ایم۔ اے پرنسپل ایم۔ ڈی کالج موگا۔ ۳۔ سردار مہر سنگھ چاولہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ

سب آفس:- کلکتہ۔ کراچی۔

شاخہائے۔ انبالہ۔ اجمیر۔ احمد آباد۔ الہ آباد۔ آگرہ۔ بانکی پور۔ بمبئی۔ کالی کٹ۔ کلکتہ۔ ڈھاکہ۔ دہلی۔ ڈیرہ اسمعیل خاں۔ گوہاٹی۔ کراچی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ ملتان۔ مدورا۔ مدراس۔ ناگپور۔ رنگون۔ راجکوٹ راولپنڈی۔ سکھر۔ سیالکوٹ۔

چیف ایجنسیاں۔ بنگلور۔ کردار۔ نیروبی (برٹش ایسٹ افریقہ)

کل سرمایہ زائد از . . . . ۸۶ لاکھ روپیہ

کل زر امدادی تقسیم شدہ زائد از . . . . ۵۸ لاکھ روپیہ

نئی پالیسیاں جو سال کے دوران میں جاری کی گئیں

سال	رقم
سنہ ۱۹۲۴ء	. . . . ۵۷ لاکھ روپیہ
سنہ ۱۹۲۵ء	. . . . ۷۲ لاکھ روپیہ
سنہ ۱۹۲۶ء	. . . . ایک کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ
سنہ ۱۹۲۷ء	. . . . ایک کروڑ ۵۱ لاکھ روپیہ

خاص خصوصیات ۲۰ روپے فی ہزار سالانہ کا سب سے بڑا بونس تمام قسم کی پالیسیوں پر دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ خواہ وہ پالیسیاں ساری زندگی کیلئے ہیں یا خاص مقررہ وقت کیلئے

پالیسیوں کی تجدید کسی وقت ہو سکتی ہے۔

(۲) استریوں کی زندگی کا بیمہ بھی کیا جاتا ہے +

(۳) خاص اور بالکل انوکھی رعایت جس سے حقوق ضبط نہ ہو سکیں +

(۴) پریمیم واجبی

(۵) خیراتی کاموں کے پریمیموں پر تخفیف کی جاتی ہے +

(۶) تمام انداز کے لوگوں کو موزوں بیٹھنے کیلئے خاص سکیمیں مثلاً چار گنا (FOURFOLD BENIFIT) بچوں کی مقررہ میعادی پالیسی (CHILDREN ENDOWMENT) + اینوویٹی وغیرہ (ANNUITY)

ایجنسیوں کے لئے درخواستیں پوزیشن والے اصحاب سے مطلوب ہیں۔ مزید واقفیت کے لئے ہیڈ آفس یا برانچوں سے درخواست کریں +

ملک گردھاری لال جنرل منیجر بھارت انشورنس کمپنی لمیٹڈ لاہور

[illegible] کہ استری
کو مرد کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اگر پاؤں میں طاقت ہے۔ ارادہ مضبوط ہے۔ تو چل اُٹھ! اپنے سوامی کی تلاش کر!

للتا کو دل کی یہ بات پسند آئی۔ بنسی لال کے کپڑوں کا ٹرنک اُسی کمرے میں رکھا تھا۔ اس نے مردانہ لباس پہن لیا۔ اور اپنے من موہن کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔

صبح کے وقت اُٹھ کر ساوتری کام کاج میں لگ گئی۔ جب بہت دیر لگ گئی۔ اور للتا دکھائی نہ دی۔ تو ساوتری نے سیتارام کو بلا کر کہا۔ ارے! ذرا للتا کو تو بلائیو۔ اتنا دن چڑھ گیا۔ اور وہ ابھی پڑی ہوئی خراٹے لے رہی ہے۔ کیا آج چوکھے میں آنچ بھی نہ جلیگی

سیتارام گھر کا پرانا نوکر تھا۔ للتا کے کمرے میں پہنچا۔ تو کمرہ خالی تھا۔ بستر اُلٹا ہوا رکھا تھا اس نے سوچا۔ ممکن ہے۔ چھت پر گئی ہو وہ اوپر گیا۔ مگر للتا کہیا۔ للتا کا سایہ تک کہیں دکھائی نہ دیا۔

سیتارام نے سارے گھر کا چکر لگایا۔ مگر للتا نہ ملی۔ ساوتری سیتارام پر ناراض ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ کہیں چھپ بیٹھنے کے لئے بیٹھ گیا ہو گا۔ مگر جب اس نے آکر یہ سنایا بی بی للتا گھر میں نہیں ہیں۔ تو ساوتری کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ دوڑتی ہوئی للتا کے کمرے میں گئی۔ وہاں میز پر جہاں لیمپ رکھا تھا۔ ایک چھوٹا سا پرزہ ملا۔ جس پر ہندی میں لکھا تھا۔

"ماتا جی! جہاں میرے سوامی گئے ہیں میں بھی وہیں جاتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں،،

ساوتری کے کانپتے ہوئے ہاتوں سے وہ پرزہ گر گیا۔ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ سالگرام اسی وقت سے واپس آئے تھے۔ اور ملاقات کے کمرے میں بیٹھے ہوئے کسی دوست سے باتیں کر رہے تھے۔ رونے پیٹنے کی آواز سُن کر وہ دوڑے ہوئے اندر آئے۔ اور گھبرا کر ساوتری سے پوچھنے لگے۔ آج پھر یہ رونا دھونا کیوں؟ کہہ تو دیا کہ تمہیں صبر سے کام لینا چاہیئے۔ سمجھ لو بنسی لال اس سنسار میں نہیں ہے۔ وہ اگر نالائق ثابت ہوا ہے۔ تو اس میں میرا کیا دوش ہے؟

ساوتری نے روتے ہوئے کہا۔ ہائے للتا دھوکا دے گئی۔ میری اکلوتی بچی نہ معلوم کس حال میں ہوگی۔ کہیں کنوئیں۔ تالاب میں گر کر اپنی جان نہ دیدی ہو۔

جب سالگ رام نے للتا کا وہ رقعہ پڑھا تو ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہیں پر ماتھا پکڑ کر بیٹھ گئے۔

(۶)

للتا مردانہ لباس میں نہ معلوم کہاں کہاں کی خاک چھانتی رہی۔ مگر اپنے پریتم کو نہ پا سکی جب کبھی مایوس ہو کر دوپہر کے وقت کسی درخت [illegible]

لگتی تھی۔

ہائے ری! موہے پیا بن کچھو نہ سہائے
دل کے بدلے ہائے قدرت نے اسے پتھر دیا
اور قسمت نے مجھے یہ سنگدل شوہر دیا
ہائے ری! . . . .
. . . .

اس کا دل پریم سے بھرا ہوا تھا۔ رگ رگ میں خون کے بدلے پریم کی دھارا بہہ رہی تھی ہر وقت اپنے پریتم کی یاد میں مگن رہتی تھی۔ کئی کئی دن تک کھانے پینے کو نہ ملتا تھا۔ مگر اُسے مطلق پروا نہ تھی۔ بنسی لال کی صورت ہر وقت اس کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی سوتے ہوئے کئی بار رات کو اُٹھ کر بیٹھ جاتی تھی۔ عالم تصور میں بنسی لال کو ہر وقت اپنے پاس موجود پاتی تھی۔

آخر للتا ہردوار آ پہنچی۔ جب وہ گاڑی سے اُتری۔ تو اس کے دل نے اندر سے آواز دی پریم مئی! تیرا پریتم سورگ کی مندر میں اسی گنگا کے کنارے کہیں پڑا ہوگا۔

للتا گھاٹ پر پہنچی۔ اور گنگا میا کو پرنام کیا منہ ہی منہ میں کچھ گنگنائی۔ اور پہاڑوں کی طرف منہ کر کے وہیں پلیٹ فارم پر بیٹھ گئی۔ اسکی نگاہ سامنے چوٹی پر بنے ہوئے منسا دیوی کے مندر پر جا پڑی۔ جو وہاں سے ایک چھوٹے سے پرندے کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ اُسے معلوم تھا۔ کہ لوگ دیوی کے درشنوں کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ وہ سوچنے لگی۔ کتنا کٹھن اور دشوار گذار راستہ ہے مگر بھگتی انہوں کو اپنے پروں پر بٹھا کر لے جاتی ہے۔ اور جب پریمی لوگ وہاں جا پہنچتے ہیں۔ تو دیوی کے درشن پا کر راستے کے تمام مصائب بھول جاتے ہیں۔

واقعی پریم میں بڑی زبردست شکتی پنہاں ہے۔ پریم انسان کو تھکنے نہیں دیتا۔ پریم بھوک۔ پیاس کی پروا نہیں کرتا۔ پریم راستے کی رکاوٹوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اپنے پریتم کے پاس دوڑ کر پہنچ جاتا ہے۔

للتا کو ہردوار میں آئے ہوئے کتنے ہی روز ہو گئے تھے۔ مگر اس کی آرزو پوری نہ ہوئی جس دھرم شالہ میں وہ ٹھہری ہوئی تھی۔ اسی میں متھرا کے ایک چوبے بھی براجمان تھے ان کا نام کیسری پرشاد تھا۔ بھگتی ان کی رگ رگ میں بھری ہوئی تھی —— وہ الیتو بھگت تھے

وہ آج صبح ایک سادھو کا ذکر کر رہے تھے۔ جو سورگ آشرم میں گنگا کنارے پُر فضا پہاڑ کے دامن میں سکن پذیر تھا۔ اس کا چہرہ کہہ رہا تھا۔ کہ وہ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دنیا کی مصیبتوں سے تنگ آکر گرہست کو چھوڑ آیا ہے۔

للتا کے دل میں شک پیدا ہوا۔ کہ کہیں پریتم ہی سادھو نہ بن گئے ہوں۔ اس نے اگلے روز ہی سورگ آشرم کی راہ لی۔ سورگ آشرم گنگا کے دوسرے کنارے پر واقع ہے نہائت خوبصورت اور دلفریب عمارت ہے

ہندوستان میں سب سے پہلا اور بڑا راگ گھر

قایم شدہ ۱۸۸۵ء

جو کہ ہزارہا سارٹیفکیٹ و سنہری تمغے حاصل کر چکا ہے

اس راگ گھر میں دیسی و ولایتی ہر قسم کے گانے بجانے کے متعلق ساز و سامان فروخت ہوتا ہے۔ مثلاً ہر قسم کے ہارمونیم۔ طبلے۔ وائیلن۔ کلانٹ۔ کلارینٹ۔ فلوٹ۔ دلربا۔ ستاریں۔ ڈرم۔ بگل بیگ پائپ۔ بینجو۔ گٹار وغیرہ وغیرہ معہ متعلقہ سامان اور اُن کے سیکھنے کی کتابیں۔ قیمتیں نہایت واجبی۔

ہارمونیم ڈبل سُر۔ قیمت ۲۰ روپے۔ ۲۵ روپے۔ ۳۰ روپے۔ ۳۵ روپے

چھوٹا ہارمونیم بچوں کے سیکھنے کے لئے ۱۰ روپیہ

وائیلن ولایتی درجہ اول معہ گز و بکس ولایتی کے ۶۰ روپیہ۔ ۵۰ روپیہ۔ ۴۰ روپیہ۔ ۲۷ روپیہ ۸/۔ ۳۰ روپیہ

اس کے علاوہ تھیٹریکل کمپنیوں و کلبوں کیلئے سامان وِگ۔ کرل۔ گنجی۔ داڑھی۔ مونچھیں وغیرہ وغیرہ بھی واجبی قیمت پر مل سکتے ہیں ؛

بلا اُستاد ہارمونیم طبلہ سیکھنے کی کتابیں

ہارمونیم گائیڈ :- یہ کتاب چھ حصوں میں تیار کیگئی ہے۔ اگر آپ کو علم موسیقی مکمل سیکھنے کا شوق ہے۔ تو ان چھ حصوں کا مطالعہ کریں قیمت فی حصہ آٹھ آنہ (۸/)

رسالہ پکھاوج :- طبلہ و پکھاوج کی لاثانی کتابیں۔ بھجناولی ہارمونیم گائیڈ یہ رسالہ دھرم اولمبی پرشوں اور استری جاتی کیلئے تیار کیا گیا ہے اسمیں ہر قسم کے بھجنوں کی سرگمیں ایسے آسان ڈھنگ میں لکھیں ہیں کہ ایک چھوٹی عمر کی کنیا بھی ہارمونیم بجا سکتی ہے قیمت صرف آٹھ آنہ (۸/)

المشتہر

پروفیسر پرتاپ سنگھ راگ گھر انارکلی۔ لاہور (پنجاب)

ہے۔ بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار انکے چنے کے خرچ کے لئے روپیہ بھیجتے رہتے ہیں۔ آشرم کی طرف سے کشتیاں چلتی ہیں۔ اور یاتری لوگ ان میں بیٹھکر ہفت پار اُتر سکتے ہیں۔

للتا بھی سورگ آشرم میں پہنچ گئی۔

وہاں کی صفائی۔ پوترتا اور خوبصورتی دیکھ کر اس کے دل کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کی طبیعت تروتازہ ہو گئی۔ اور آنکھیں روشن!

—— قدرت کے یہ عجیب و غریب نظارے شہر والوں کو دیکھنے نصیب نہیں ہوتے۔

گیارہ بجے کھانے کی گھنٹی بجی۔ سادھوؤں کی آمدورفت شروع ہو گئی۔ سادھو لوگ اپنی اپنی کٹیا سے نکل کر اپنے حصے کا بھوجن لینے کے لئے وہاں آموجود ہوئے۔ ان کی صورتیں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہر ایک اپنے رنگ میں مست تھا۔ کسی نے تمام جسم پر بھبوت ملی ہوئی تھی۔ کسی کا ماتھا کندن کی طرح چمکتا تھا۔ کسی کی جٹائیں اتنی لمبی ہو گئی تھیں کہ جوڑے کی بجائے سر پر چھاج رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کسی کا چہرہ۔ داڑھی اور مونچھوں کے بڑھ جانے سے اس قدر چھپ گیا تھا کہ صرف آنکھیں ہی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ اور لطف یہ کہ سب ہشاش بشاش تھے۔ انہیں سورگ کے سکھوں کا احساس ہوتا تھا۔ للتا نے انہیں پرنام کیا۔

... جوان سادھو آیا۔ جس کا سر منڈا ہوا تھا۔ جو لمبا اور خوبصورت جوان تھا۔ جس کے چہرے پر ورم داسی چھائی ہوئی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ ابھی مایا موہ کے پھندوں میں گرفتار ہے۔ گرہست آشرم سے ابھی نکل کر آیا ہے۔ طبیعت بے حد بے چین معلوم ہوتی تھی۔

للتا اُسے دیکھ کر چونک اُٹھی۔ یہی اس کے پریم کا دیوتا تھا۔ اسی دیوتا کا درشن پانے کے لئے کئی مہینوں سے تڑپ رہی تھی۔ اسی دیوتا کو حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنا لباس تبدیل کیا تھا۔ دُکھ اُٹھائے تھے مصیبتیں جھیلی تھیں۔ اور وہ دیوتا بہت دنوں کی تلاش کے بعد ملا تھا —— بنسی لال سادھو ہو گیا تھا۔

للتا دوڑ کر اس کے پاؤں میں اپنا سر رکھنا چاہتی تھی۔ مگر لوک لاج کے خیال سے اپنی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ البتہ اس نے اپنی تشنہ کام نگاہیں سادھو کے چہرے پر گاڑھ دیں۔ اُسے دنیا کی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ سادھو نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ کہ للتا اکیلی مردانہ لباس میں کبھی یہاں پر آ سکتی ہے۔ سادھو نے اپنے حصہ کا بھوجن لیا اور چپ چاپ اپنی کٹیا کی طرف واپس چل دیا۔ للتا بھی اس کی نظر بچا کر اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ سادھو نے ایک بار بھی مڑ کر پیچھے کی طرف نہ دیکھا۔

سادھو کٹیا میں پہنچ گیا۔ للتا بھی اس کے ساتھ ہی کٹیا میں داخل ہو گئی۔ اور جاتے ہی سادھو کے پاؤں پکڑ لئے اور اپنے آنسوؤں سے انہیں دھو ڈالا۔ اور اس قدر روئی۔ کہ تمام گرد و غبار جو اس کے دل پر جم گیا تھا۔ آنکھوں کے راستے آنسوؤں میں مل کر بہہ گیا۔

سادھو نے للتا کی آواز پہچان لی۔ اب بنسی لال پہلا بنسی لال نہیں تھا۔ اس کا دل بہت نرم ہو گیا تھا۔ وہ انسانی جذبات کو محسوس کرتا تھا۔ ایک چیونٹی کو بھی دکھ دینا نہیں چاہتا تھا —— سورگ آشرم نے اس کے دل میں پاکیزگی اور صفائی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔

بنسی لال پہلے تو بہت حیران ہوا۔ وہ غور سے للتا کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ اور جب اُسے یقین ہو گیا۔ کہ یہی وہ للتا ہے۔ جس کا گلا گھونٹ کر وہ ہلاک کر آیا تھا۔ تو اس نے للتا کو اپنی چھاتی سے لپٹا لیا۔ اور روتا ہوا بولا دیوی! تم نے ایک نرک کے کیڑے کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ مجھے تو اپنا منہ دکھاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ میں نے تمہیں مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں ابھی تک یہی سمجھتا تھا۔ کہ میں نے اپنی استری کا خون کر دیا ہے۔ اس خون کا پرائسچت ہی عمر تک نہ ہو سکیگا مگر میں خوش نصیب ہوں۔ کہ تم میرے نردئی ہاتھوں سے بچ گئیں۔ پریتما! تم سورگ کی دیوی ہو میں تمہارے پریم کا ادھیکاری نہیں۔ مجھے تو شرم کے مارے گنگا جی میں ڈوب مرنا چاہئے۔ دیوی! مجھے تمہاری صورت دیکھ کر ہی اپنے بے جا جور و ظلم کا احساس ہو رہا ہے۔ ہائے مجھے پرماتما نے انسان کا جامہ کیوں دیا۔ مجھے تو حیوان بننا چاہئے تھا۔

للتا بولی۔ سوامی آپ ایسی باتیں کہکر میرا دل چھوٹا نہ کیجئے۔ مجھے آپ مل گئے ہیں۔ یہی میری خوش قسمتی ہے۔ میں نے کھو کر پھر آپ کو پایا ہے۔ میں اپنی خوش قسمتی پر جس قدر فخر کروں تھوڑا ہے۔

للتا نے تمام واقعات بالتفصیل بنسی لال کو کہہ سنائے۔ اور بولی۔ پربھو! آپ کے ماں باپ آپ کی جدائی میں پاگل ہو رہے ہیں۔ میری رائے ہے۔ کہ آپ چل کر انہیں دھارس دیجئے روتے روتے ان کی آنکھیں اندھی ہو جائینگی

للتا کی قربانی دیکھ کر بنسی لال کا دل پھر ایک بار گرہست آشرم کی طرف کھنچ گیا۔ للتا کی محبت اُسے ایک بار پھر گرہست میں لے آئی۔ مگر نئے رنگ۔ روپ میں! جو نہایت ہی پاکیزہ اور پوتر تھا۔ پہلے بنسی لال راکشش تھا۔ مگر اب دیوتا بن گیا تھا۔

ہندوستان کا آئندہ مذہب

بقیہ صفحہ ۱۱

اسی طرح سرگرم فرادار بر سر پیکار رہینگے۔ تو وہ یکجہتی اور یگانگی کہاں اور کب میسر ہوگی۔ جو اس ملک کی فلاح و بہبود کا جزو لاینفک ہے۔ اگر ہندوستانیوں کو ہندوستان کے لئے زندہ رہنا نہیں آتا۔ تو وہ کسی مذہب کی پیروی نہیں کر سکتے۔ امن و امان ملکوں کی اصلاح و ترقی کے لئے لازمی امور ہیں۔ اور جس ملک میں اخلاق باعث شر و فساد ہوں۔ اس کی عاقبت معلوم۔

خواہ بزرگان اقوام و بلبل ہند بُرا مانیں سوال صرف یہی ہے۔ کہ ہندوستان کا آئندہ مذہب کیا ہوگا۔ اور کیا ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب فقط ایک ہی ہے۔ مذہبی رواداری!!!

میں نے پچھلے سال اکرم و بزم کے اسی وجے دشمی نمبر میں قومی تیوہاروں کے ضمن میں اس رواداری کے اصول پر بحث کی تھی۔ اور اس امر کی تشریح کی تھی۔ کہ ہندوستان کے بزرگان واجب الاحترام نے موسمی میلوں اور رسمی تقریبوں کی شکل میں وہ صورت حالات پیدا کر دی تھی۔ جس میں اس ملک کے مختلف العقائد اشخاص ایک متحدہ جگہ پر جمع ہو کر مادر ہند کی محبت کا ثبوت دے سکیں۔

اب بھی اگر ہندوستان کو امن و امان کی زندگی بسر کرنا ہے۔ اگر اس ملک کو یہ ہوس ہے۔ کہ دنیا کی اقوام کے ہمدوش ہو کر منازل ارتقا طے کرے۔ اور اگر اس سرزمین کو اب بھی یہ حسرت ہے۔ کہ تہذیب و تمدن عالم میں کوئی گرانقدر حصہ لے۔ تو اس کا آئندہ مذہب رواداری ہے۔ اور صرف رواداری۔

اسلام کے پیغمبر صادقؐ نے اس رواداری کی تعریف و تشریح اس آیت مبارک کے مختصر الفاظ میں کس وضاحت سے کر دی ہے۔

لکُم دینکُم ولیَ دین

تمہارے لئے تمہارا مذہب ہے۔ اور میرے لئے میرا مذہب ہے۔

استعفےٰ

منشی پریم چند کا افسانہ

بقیہ صفحہ ۳۴

صاحب۔ میں نے آپ کا کان پکڑا۔ اہہ ہہ ہہ ہہ! میں نے آپ کا کان پکڑا۔ اہہ اہہ ہہ ہہ۔ کیا مذاق ہے! کیا میں پاگل ہوں، یا دیوانہ؟

فتح چند۔ تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ چپراسی گواہ ہے۔ آپ کے نوکر چاکر بھی دیکھ رہے تھے۔

صاحب۔ کب کا بات ہے؟

فتح چند۔ ابھی ابھی۔ کوئی آدھ گھنٹہ ہوا۔ آپ نے مجھے بلایا تھا۔ اور بے وجہ میرے کان پکڑے اور دھکے دیئے؟

صاحب۔ او! بابو جی۔ اس وقت ہم نشہ میں تھا بہرا نے ہم کو بہت دیدیا تھا۔ ہم کو کچھ خبر نہیں۔ کیا ہوا مائی گاڈ! ہم کو کچھ خبر نہیں۔

فتح چند۔ نشہ میں اگر تم نے مجھے گولی مار دی ہوتی تو کیا میں مر نہ جاتا۔ اگر تمہیں نشہ تھا۔ اور نشہ میں سب کچھ معافی کے قابل ہے۔ تو میں بھی نشہ میں ہوں سنو میرا فیصلہ۔ یا تو اپنے کان پکڑو۔ کہ پھر کبھی بھلے آدمی کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کروگے۔ یا میں آکر تمہارے کان پکڑونگا۔ سمجھ گئے کہ نہیں" ادھر ادھر ہلو نہیں۔ تم نے جگہ چھوڑی۔ اور میں نے ڈنڈا چلایا۔ پھر کھوپڑی ٹوٹ جائے۔ تو میری خطا نہیں۔ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ وہ بے عذر کرتے چلو۔ پکڑو کان۔

صاحب نے مصنوعی ہنسی ہنس کر کہا۔ ویل بابو جی آپ بہت دل لگی کرتا ہے۔ اگر ہم نے آپ کو بُرا بات کہا ہے۔ تو ہم آپ سے معافی مانگتا ہے۔

فتح چند (ڈنڈا تول کر) نہیں۔ کان پکڑو۔

صاحب آسانی سے اتنی ذلت نہ برداشت کر سکے وہ لپک کر اٹھے۔ اور چاہا کہ فتح چند کے ہاتھ سے لکڑی چھین لیں۔ لیکن فتح چند غافل نہ تھا۔ صاحب میز سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ اس نے ڈنڈے کا بھرپور اور تُلا ہوا ہاتھ چلایا۔ صاحب ننگے سر تو تھے ہی۔ چوٹ سر پر پڑ گئی۔ کھوپڑی بھنا گئی۔ ایک منٹ تک سر کو پکڑے رہنے کے بعد بولے

۔۔۔ ہم دیر۔ ۔۔۔ ۔۔۔ دیگا۔

فتح چند۔ اس کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مگر آج میں تم سے بلا کان پکڑائے نہ جاؤں گا۔ کان پکڑ کر وعدہ کرو۔ پھر کسی بھلے آدمی کے ساتھ ایسی بے ادبی نہ کروگے۔ ورنہ میرا دوسرا ہاتھ پڑا ہی چاہتا ہے۔

یہ کہہ کر فتح چند نے پھر ڈنڈا اٹھایا صاحب کو ابھی تک پہلی چوٹ نہ بھولی تھی۔ اگر کہیں یہ دوسرا ہاتھ پڑ گیا۔ تو شاید کھوپڑی کھُل جائے۔ کان پر ہاتھ رکھ کر بولے :"اب آپ خوش ہوا؟"

"پھر تو کبھی کسی کو گالی نہ دوگے؟"

"کبھی نہیں"

"اگر کبھی پھر ایسی حرکت کی۔ تو سمجھ لینا کہ میں کہیں بہت دُور نہیں ہوں"

"اب کسی کو گالی نہ دیگا"

اچھی بات ہے۔ اب میں جاتا ہوں۔ آج سے میرا استعفےٰ ہے۔ میں کل استعفےٰ میں یہ لکھ کر بھیجونگا کہ تم نے مجھے گالیاں دیں۔ اس لئے میں نوکری نہیں کرنی چاہتا۔ سمجھ گئے"۔

صاحب۔ آپ استیپا کیوں دیتا ہے۔ ہم تو برکھاست نہیں کرتا۔

فتح چند۔ اب تم جیسے پاجی آدمی کی ماتحتی نہ کرونگا"

یہ کہتے ہوئے فتح چند کمرہ سے باہر نکلے اور بڑے اطمینان سے گھر چلے۔ آج انہیں سچی فتح کی خوشی کا تجربہ ہوا۔ زندگی میں یہ مسرت کبھی نہ حاصل ہوئی تھی۔

اگر آپ ۔۔۔ کسی مقامی شاخ کے منیجر سے درخواست کریں۔

یہ نشان

ایک بڑے سوال کی علامت ہے جو ہر سال ان ایام میں آپ کے سامنے آتا ہے، اور آپ سے پوچھتا ہے، موسم سرما جو لوئیوں کا موسم ہے سر پر آگیا آپ کونسی لوئیاں خریدیں گے؟

یقیناً آپ ایسی لوئیاں چاہتے ہونگے جو نہ صرف سو فیصدی اُون سے بنی ہوں، نہ صرف آپ کی حفاظت کرنے میں بہترین ہوں بلکہ خوبصورت بھی ہوں اور خریدنے میں ارزاں بھی ہوں، اگر یہ بات ہے تو

لال املی کی لوئیاں

خریدیئے، یہ لوئیاں بدیشی نہیں ہیں، آپ کے اپنے ملک میں طیار ہوتی ہیں۔

لوئیوں کی قیمتیں

		طول		عرض		قیمت	
		گز	گرہ	گز	گرہ	روپیہ	آنہ
نمبر [illegible] لوئیاں	(سفید اور رنگین)	۳	۔۔	۱	۸	۷	۹
نمبر [illegible] لوئیاں	(" ")	۲	۱۵	۱	۶	۶	۶
نمبر [illegible] لوئیاں	(" ")	۲	۹	۱	۴	۵	۔۔
نمبر [illegible] لوئیاں	(" ")	۲	۱۲	۱	۵	۵	۴
نمبر [illegible] لوئیاں	(" ")	۲	۱۵	۱	۶	۷	۔۔
نمبر [illegible] لوئیاں	(چارخانہ دار)	۲	۱۵	۱	۶	۶	۔۔
نمبر [illegible] لوئیاں	(سفید اور رنگین)	۳	۔۔	۱	۶	۱۲	۸

نوٹ۔ اِن لوئیوں کا طول و عرض جو اوپر بیان کیا گیا ہے اُس میں جھالر کا طول شامل نہیں ہے۔

LALIMLI
PURE WOOL

لال املی کی ایجنسیاں

آگرہ کناری بازار — اجمیر — احمد آباد پنچواں دروازہ — الہ آباد چوک — امرت سر بازار صبونیاں — بنارس شہر نیچی باغ — بنگلور سٹی چک پیٹھ — بھاگل پور — بیزوادا — پٹنہ بانکی پور — جبل پور لارڈ گنج — جمشید پور — جے پور — جھریا — دارجلنگ ۱۔ کمرشیل رو — ڈیرہ دون — دہلی نئی سڑک — رانی کھیت بجلی گنج — شملہ آکسفورڈ ہوس — کانپور سرائے لاٹھی محال — کلکتہ ۔ میر سٹریٹ — کوئٹہ ۔ بیکابہن — کلکتہ مارکیٹ — گورکھپور اُردو بازار — لاہور انارکلی — لکھنؤ امین آباد پارک — مظفر پور — منصوری گارڈن بیچ — ناگ پور اتواری بازار — نینی تال سرز مرے اینڈ کمپنی

ٹریڈ مارک

کانپور وولن ملز کمپنی (شاخ برٹش انڈیا کارپوریشن لیمیٹڈ) پوسٹ بکس نمبر ۵ کانپور

کیوں سرکاری دفاتر کے دروازے کھٹکھٹاتے ہو جبکہ ونسز الشورنس بنک میں آپ کو آزادانہ زندگی ... معقول تنخواہ مل سکتی ہے

نارتھ ویسٹرن ریلوے

واپسی ٹکٹ برائے تعطیلات دسہرہ ۱۹۲۸ء

دسہرہ کی تعطیلات کے لئے نارتھ ویسٹرن ریلوے پر ایسے اسٹیشنوں کے لئے جو سو میل سے زائد فاصلے پر ہوں۔ مورخہ ۱۲۔ اکتوبر سے ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء تک رعایتی شرح پر واپسی ٹکٹ جاری کئے جائیں گے۔ جو واپسی سفر کے لئے ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء تک کارآمد ہونگے۔

ان واپسی ٹکٹوں کی رعایتی شرح حسب ذیل ہے

اوّل دوئم درجہ کے ٹکٹ .... ۱ 1/3 کرایہ
درمیانہ درجہ کے ٹکٹ .... ۱ 1/2 کرایہ
تیسرے درجہ کے ٹکٹ .... ۱ 1/3 کرایہ

ڈی۔ بی ٹرلور
چیف کمرشل مینیجر

نارتھ ویسٹرن ریلوے
ہیڈکوارٹرز آفس لاہور ۲۸/۹/۱۸

ٹھیکہ جات محکمہ جنگلات گورنمنٹ پٹیالہ

ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ٹھیکہ جات ورکنگ پلین و آؤٹ آف ورکنگ پلین محکمہ جنگلات پٹیالہ کا نیلام مندرجہ ذیل تاریخہائے و مقامات پر ہوگا۔ شرائط ٹھیکہ موقعہ پر بولی دہندگان کی سہولیت کو مدّنظر رکھ کر مرتب کی جاویں گی۔ سوداگران چوب بیرونجات کے لئے نادر موقعہ ہے ۞

۲۶ کاتک سمت ۱۹۸۵ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۲۸ء چوکی پربانوں مقام کالکا۔

۲۹، ۳۰ کاتک سمت ۱۹۸۵ مطابق ۱۳ و ۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء
وکیل خانہ پٹیالہ شملہ ۞

سردار گورچرن سنگھ سوندھی بی۔ ایس سی۔ فارسٹری
کنسرویٹر آف جنگلات پٹیالہ گورنمنٹ

گرم ویر میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دلویں
(مینجر)

باجلاس لالہ گلونت رائے صاحب سینئر سب جج گجرات

مولا سنگھ ولد گوردت سنگھ قوم سکھ سکنہ جلیانوالہ تحصیل پھالیہ بنام فرم نانک سنگھ ارجن سنگھ وغیرہ

درخواست دیوالیہ

سائل نے درخواست دیوالیہ عدالت ہذا میں دی ہے۔ جو کہ درج رجسٹر ہو گئی ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ اخبار میں اشتہار دیا جاوے۔ اگر کسی قرضخواہ کو کوئی عذر ہووے۔ تو بتاریخ ۲۲ ۲۸/۱۲ حاضر عدالت ہو کر پیش کرے۔

دستخط حاکم   مہر عدالت

عدالت مطالبہ خفیفہ کراچی

مقدمہ نمبر ۲۱۳۲۸ سنہ ۱۹۲۸ء

میسرز انیاٹک الیکٹرک ٹریڈنگ کمپنی کراچی مدعیان بنام کیلاتش الیکٹرک کمپنی بذریعہ مینجنگ حصہ دار جی آر سیٹھی ہندو سوداگر راولپنڈی مدعا علیہم

بنام مدعا علیہم مندرجہ بالا

مقدمہ مندرجہ بالا برائے ۱۲۱۷ روپے و خرچہ تاریخ پیشی ۱۵ نومبر ۱۱ بجے قبل از دوپہر قطعی سماعت کیلئے مقرر ہوا ہے۔ جب تمہارا حاضر ہونا درکار ہے۔

دستخط عدالت (بحروف انگریزی)

جنرل انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ۔ اجمیر

ہمارا ریکارڈ ہی سوسائٹی کی حقیقی ترقی کو زبان حال سے بیان کر رہا ہے۔
نئے کام میں اضافہ حسب ملاحظہ کیجئے

پہلی ششماہی ۱۹۲۷ء میں ۱۲۲۰.۵ فیصدی
پہلی ششماہی ۱۹۲۶ء میں ۱۷۲۰.۶ فیصدی

پہلی ششماہی	موصول شدہ تجاویز پالیسی	بیمہ شدہ رقم	جاری شدہ پالیسیاں	بیمہ شدہ رقم	اضافہ
۱۹۲۶ء	۹۰۳	۱۴۰۵۵۰۰	۵۱۸	۸۲۸۵۰۰	
۱۹۲۷ء	۱۲۰۵	۱۹۷۹۵۰۰	۶۲۹	۱۰۱۵۰۰۰	۲۲۵ فیصدی
۱۹۲۸ء	۲۰۸۷	۳۵۱۵۰۰۰	۱۳۸۵	۲۲۵۸۵۰۰	۱۲۲.۵ فیصدی

اثاثہ زائد از ۲۲ لاکھ روپیہ — **بونس** — اداکردہ زرامداد زائد از دس لاکھ

۲۲ ½ فیصدی ساری زندگی پر فوراً دیا جاتا ہے

کسی ہندوستانی بیمہ کمپنی نے آجتک اتنے زیادہ بونس کا اعلان نہیں کیا۔ جو زندگی بیمہ کے میدان میں قسمت آزمائی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ درخواستیں بنام

پی ڈی بہارگو ایف ایس ایس (لندن) مینجر صدر دفتر جنرل انشورنس
سوسائٹی لمیٹڈ اجمیر
یا ایچ۔ ڈی مہتہ مینجر ناردن ڈویژن نمبر ۱۸ انسبت روڈ آنی چاہیئے

اورنٹیل

گورنمنٹ سیکورٹی لائف انشورنس کمپنی لمیٹڈ

گذشتہ تین سالوں کے شاندار نتائج سنہ ۱۹۲۵ء سے سنہ ۱۹۲۷ء تک

مشتہر منافع مبلغ ۱۶،۷۴،۹۷۷ روپیہ

پہلے سے بھی زیادہ منافع مشتہر کیا جاتا ہے

مبلغ ۲۵/ روپیہ فی ہزار سالانہ بیمہ کی رقم پر تمام عمر والی پالیسیوں پر۔
مبلغ ۲۰/ روپیہ فی ہزار سالانہ بیمہ کی رقم پر میعادی پالیسیوں پر
اس وقت خواہ آپ کتنی بھی رقم کے واسطے بیمہ شدہ ہوں تو بھی آپ کو اورنٹیل میں مزید بیمہ کرانے میں فائدہ ہی رہے گا۔ ہر سال ہزاروں اصحاب ایسا کرتے ہیں اور بالکل مطمئن ہیں

آپ قواعد کمپنی اور مفصل حالات کیلئے مفصلہ ذیل پتہ پر تحریر کیجئے

مسٹر گوپالداس سوفی برانچ سکرٹری نیا محلہ راولپنڈی
مسٹر ایس۔ ایس۔ ناظر برانچ سکرٹری مال روڈ۔ لاہور

کسی اور جگہ بیمہ کرانے سے پیشتر "وینبیر" کے ایجنٹ سے مشورہ کرلیں۔

بعدالت سردار غلام رسول صاحب اڈیشنل سب جج بہادر ترن تارن۔

دعوے دیوانی نمبر ۹۲ – فرم جیون مل ٹھاکر داس آڑہتیہ سکنہ نوشہرہ پنوآں تحصیل ترن تارن مدعی۔ بنام صورت سنگھ۔ ٹھاکر سنگھ۔ اودھم سنگھ پسران سوہن سنگھ پسران دلیپ سنگھ۔ ارجن سنگھ ولد ہمت سنگھ جٹ سکنائے مذکور۔ مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی مدعا علیہم مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام مدعا علیہم مذکور جاری کیا جاتا ہے کہ اگر مدعا علیہم مذکور تاریخ ۲۸ ۱۱/۲۸ کو مقام ترن تارن حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا۔ تو اُس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی۔ آج بتاریخ ۹/۲۸ کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

اشتہار زیر دفعہ ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت سردار غلام رسول صاحب اڈیشنل سب جج

درجہ چہارم ترن تارن مقدمہ دیوانی نمبر – دولا سنگھ ولد نرائن سنگھ راجپوت زرگر ڈھنڈ بنام بھگت سنگھ ولد گوردت سنگھ جٹ سکنہ مذکور۔ دعوے ۱۱۵/۰/۰ روپیہ۔ مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی بھگت سنگھ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام بھگت سنگھ مذکور جاری کیا جاتا ہے کہ اگر مدعا علیہ مذکور بتاریخ ۳ ۱۱/۲۸ کو مقام ترن تارن حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا۔ تو اُس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی۔ آج بتاریخ ۲۷ ۹/۲۸ کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

اشتہار زیر دفعہ ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت جناب سب جج صاحب بہادر چکوال

لکھا سنگھ سکنہ ڈھوڈھیال بنام تیجا رام ولد وسا وا رام ذات زرگر سکنہ ڈھوڈھیال تحصیل چکوال۔

دعوے ۲۴۴/۱۰/۰ روپیہ۔ مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی تیجا رام مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام تیجا رام مذکور جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر وہ تاریخ ۹ ۱۱/۲۸ کو مقام چکوال حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا۔ تو اُس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی۔ آج بتاریخ ۲۶ ۹/۲۸ کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

بعدالت جناب لالہ سرداری لعل صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی سب جج صاحب بہادر درجہ چہارم کامل پور

مقدمہ نمبر ۷۷ ۹ ستمبر ۱۹۲۸ء۔ محمد خاں ولد گاماں خاں قوم مغل سکنہ جعفر تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک مدعی بنام – تارا چند ولد حکم چند و جگت رام ولد تارا چند ذات کھتری سکنہ پشاور۔ حال وارد برہان سٹیشن ریلوے تحصیل اٹک۔ مدعا علیہم – دعوے ۱۰۴/۰/۰ روپیہ۔ بمقدمہ بالا درخواست و بیان حلفی مدعی سے ثابت ہے۔ کہ مدعا علیہم دیدہ دانستہ تعمیل سمن سے گریز کرتے ہیں۔ اور روپوش رہتے ہیں۔ لہذا حسب درخواست مدعی زیر آرڈر نمبر ۵ رول نمبر ۲۰ ضابطہ دیوانی اشتہار ہذا مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ مدعا علیہم واسطے جوابدہی و پیروی مقدمہ کے بتاریخ ۳ ۱۱/۲۸ کو عدالت ہذا میں حاضر ہوویں۔ ورنہ بصورت غیر حاضری مدعا علیہم کے حسب ضابطہ کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ تحریر ۱ ۱۰/۲۸

دستخط حاکم (مہر عدالت)

اشتہار زیر آرڈر ۵ قاعدہ ۲۰ ضابطہ دیوانی

اجلاس جناب بخشی منوہر سنگھ صاحب بی۔ اے سب جج بہادر درجہ چہارم ضلع شیخوپورہ۔

فرم سنت رام وغیرہ سکنہ منڈی ننکانہ صاحب۔ بنام ایشر سنگھ۔ دعوے ۹۰۰/۰/۰ روپیہ۔

اشتہار بنام ایشر سنگھ ولد پنجاب سنگھ اروڑہ سکنہ کچا لعمبو تحصیل ننکانہ صاحب۔ مقدمہ مندرجہ بالا میں حسب درخواست مدعی عدالت کو اطمینان ہو گیا ہے۔ کہ مدعا علیہ دیدہ دانستہ تعمیل سمن سے گریز کر رہا ہے۔ لہذا بذریعہ اشتہار ہذا مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ مورخہ ۳۱ ۱۰/۲۸ کو حاضر عدالت ہو کر پیروی نہ کریگا۔ تو اُس کے برخلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ ۱۸ ۹/۲۸

دستخط حاکم (مہر عدالت)

اشتہار مجریہ عدالت العالیہ ہائی کورٹ

باجلاس دیوان قیمت رائے صاحب بی اے ایل ایل۔ بی۔ سردار بخشیش سنگھ صاحبان ہائیکورٹ مالیر کوٹلہ

بمقدمہ دیوا سنگھ پسر جیون سنگھ قوم نجار سکنہ رسد الٰہ پور مدعی اپیلانٹ – بنام دیسراج بالغ مکھن لال و پرکاش نابالغان وغیرہ بنام جگ سنگھ پسر جیون سنگھ نجار مدعا علیہ رسپانڈنٹ سکنہ ایضاً۔ اپیل بنا راضی ڈگری عدالت اپیل ۳ جولائی ۱۹۲۸ء۔ بمقدمہ مندرجہ عنوان الصدر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیون سنگھ قوم نجار ساکن رسد الٰہ پور مدعا علیہ پر تعمیل نوٹس نہیں ہوئی۔ بیان حلفی مدعی اپیلانٹ سے معلوم ہوا۔ کہ مدعا علیہ مذکور مفقود الخبر ہے۔ اور تعمیل نوٹس سے گریز کرتا ہے لہذا بذریعہ اشتہار ہذا مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ بتاریخ ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء مدعا علیہ مذکور عدالت ہذا میں اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر جوابدہی مقدمہ کرے۔ اور مطلع رہے۔ کہ اگر تاریخ مقررہ پر حاضر نہ ہوگا۔ تو کارروائی یکطرفہ عمل میں آئے گی۔ آج بتاریخ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء بہ ثبت دستخط ہمارے و مہر عدالت ہذا جاری کیا گیا۔

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

بعدالت مسٹر سی۔ ایل بنرجی صاحب بی اے پی سی ایس جونیئر سب جج بہادر ضلع لدھیانہ

بسنت سنگھ پسر جوالا سنگھ جٹ سکنہ گھولیاں کلاں تحصیل موگا بذریعہ پریتم سنگھ برادر حقیقی خود مختار سکنہ لوہ گڑھ تھانہ ڈیہلوں تحصیل لدھیانہ مدعی۔ بنام مسماۃ جسونت کور بیوہ صوبیدار کرپال سنگھ جٹ سکنہ دیال پورہ ریاست نابھہ مدعا علیہا۔ دعوے دلا پانے۔ مقدمہ مندرجہ صدر میں مدعا علیہا پر معمولی طریقہ سے تعمیل سمن نہیں ہوتی۔ اس لئے بذریعہ اشتہار ہذا مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہا مورخہ ۳۰ ۱۰/۲۸ کو عدالت ہذا میں حاضر ہو کر مقدمہ کی پیروی و جوابدہی نہ کریگی۔ تو اُس کے خلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی۔ بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۸ اکتوبر ۱۹۲۸ء جاری کیا گیا۔

بعدالت جناب لالہ پرشوتم لال صاحب ایم اے ایل۔ ایل۔ بی سب جج بہادر درجہ دوئم ضلع لاہور

مسمات شام دیوی بیوہ لالہ ہر دیال کوچہ چودھریاں سوتر منڈی لاہور۔ ڈگریدارہ – بنام فرم دتو مل۔ ہر دیال بذریعہ خوشحال چند معرفت شو چرن مہرہ کوچہ ستھاں لوہلے تالاب لاہور

آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی برخلاف مدیون مذکور۔ مقدمہ مندرجہ بالا میں حسب درخواست ڈگریدارہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ مدیون دیدہ دانستہ تعمیل نوٹس تصفیہ نیلام سے گریز کر رہا ہے۔ لہذا اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدیون مذکور بتاریخ ۲۹ ۱۰/۲۸ اصالتاً و وکالتاً حاضر عدالت ہذا نہ ہوا۔ تو مناسب کارروائی عمل میں لائی جاوے گی۔ آج ہمارے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔ تحریر ۴ ۱۰/۲۸۔

بعدالت جناب شیخ عبدالقادر صاحب بہادر سب جج درجہ چہارم صدر مظفر گڈھ

ہندو خاندان مشترکہ لالہ آسانند نوٹکھنا و دیا دھر سوہن لعل بذریعہ آسانند ولد بیاری لعل و سوہن لعل نابالغ پسر براہی آسانند والد خود اقوام کاٹھیالیہ سکنائے کوٹ ادو مدعیان – بنام کالا رام ولد سمن مل ذات کھتری (۲) مہیش داس ولد نامعلوم ذات کھتری سکنائے ٹل ضلع کوہاٹ مدعا علیہم – دعوے ۲۲۳/۵/۳ روپیہ بروئے بہی کھاتہ۔ بمقدمہ مندرجہ بالا پایا گیا ہے۔ کہ مدعا علیہم دیدہ دانستہ تعمیل سمن سے گریز کر رہے ہیں۔ لہذا زیر دفعہ ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی بذریعہ اشتہار مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ مدعا علیہم مورخہ ۳۰ ۱۰/۲۸ حاضر عدالت ہذا آ کر جوابدہی مقدمہ بالا کی کریں۔ ورنہ اُن کی عدم حاضری میں کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاویگی۔ آج بتاریخ ۱۵ ۱/۲۸ بہ ثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

باجلاس میاں محمد عبدالعزیز صاحب بی۔ اے پی۔ سی۔ ایس سب جج بہادر بٹالہ۔

فرم تلسی رام منشی رام ساکن بٹالہ مدعی۔ بنام لال چند ولد اننت رام ساکن چھینہ تحصیل گورداسپور۔ شدیال ولد گنڈو مل اقوام برہمن ساکن نوشہرہ مجا سنگھ تحصیل گورداسپور مدعا علیہم دعوے ۵۸/۰/۰ روپیہ بروئے بہی۔ مقدمہ مندرجہ عنوان میں مدعا علیہم عمداً تعمیل سمن سے روپوش ہیں۔ اور اُن پر تعمیل سمن معمولی طریقہ سے نہیں ہوتی ہے۔ لہذا اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہم مذکوران بتاریخ ۲۶ ۱۰/۲۸ حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی و جوابدہی مقدمہ مذکور کی نہیں کرینگے۔ تو اُن کے خلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔ تحریر ۱۲ ۱/۲۸

دستخط حاکم (مہر عدالت)

بعدالت مطالبہ خفیفہ امرتسر

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی۔

فرم حاجی قادر بخش، مولا بخش۔ بذریعہ عطا محمد سکنہ امرتسر بیرون دروازہ رام باغ مدعی۔ بنام اروڑ سنگھ۔ بوڑ سنگھ ساکنان امرتسر لکڑ منڈی مدعا علیہم۔ دعوے۔ مقدمہ مندرجہ بالا عنوان میں مدعا علیہم تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتے ہیں۔ لہذا بذریعہ اشتہار ہذا زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہم مذکور بتاریخ ۲۶ ۱۰/۲۸ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ کی نہ کرینگے۔ تو کارروائی یکطرفہ برخلاف مدعا علیہم عمل میں لائی جاویگی۔ تحریر ۵ ۱۰/۲۸۔

دستخط حاکم (مہر عدالت)

پنجاب کے ہندو اور نہرو رپورٹ

ہندوؤں کی مخالفت سمجھ میں نہیں آتی

(روز بابو کالی ناتھ رائے ایڈیٹر اخبار "ٹریبون" لاہور)

مسلمانوں اور سکھوں دونوں کی طرف سے نہرو رپورٹ کی مخالفت ہو رہی ہے۔ اگرچہ مجھے اس مخالفت کے ساتھ ہمدردی نہیں۔ لیکن ہندوؤں کی مخالفت میری سمجھ میں نہیں آتی مسلمان تو رپورٹ کی دو وجہ سے مخالفت کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو یقین ہے کہ مشترکہ انتخاب کے زیر سایہ خود ان کو لیجسلیٹو کونسلوں اور مقامی جماعتوں میں منتخب ہونے کا کوئی موقعہ نہیں ملے گا۔ چاہے ان کی موجودہ نشستیں قائم رہیں۔ اور نیز ان میں اضافہ ہو جائے۔ دوسری یہ کہ ان کو "فرقہ وارانہ نمائندگی" کے باعث نقصان پہنچتا ہے۔ اور ان کو یقین ہے کہ اگر ایک آدمی کا دوسرے سے مقابلہ ہو تو اس میں مسلمان نہ تو ووٹر اور نہ امیدوار کی حیثیت سے ہندو کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

جہاں تک کہ دونوں وجوہات میں سے پہلی کا تعلق ہے۔ وہاں تک مجھے رپورٹ کی مخالفت کرنے والوں سے پورا اتفاق رائے ہے۔ مشترکہ طریق انتخاب کا چاہے اس میں نشستیں مخصوص کی جائیں یا نہ کی جائیں۔ ایک یقینی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ کونسلوں میں اور مقامی جماعتوں میں تمام قوموں کے فرقہ وار طبیعت رکھنے والے لوگ کم تعداد میں مگر قوم پرست طبیعت والے زیادہ تعداد میں داخل ہونگے لیکن یہ بات رپورٹ کے خلاف ایک دلیل ہونے کی جگہ ان زبردست دلائل میں سے ایک ہے جو اس کے حق میں ہیں۔

دوسری دلیل سے مسلمانوں پہ ایک بڑا الزام عاید ہوتا ہے۔ یہ بات بار بار ظاہر کی جا چکی ہے کہ قدرتی قابلیت میں مسلمانوں کو ہندوؤں پہ فوقیت حاصل ہے۔ وہ صرف مصنوعی تحفظ ہے۔ جس کی بعض مسلمان معمولی طور پر خواہش رکھتے ہیں۔ اور جس سے در اصل مسلم قوم فائدہ اٹھا رہی ہے۔ لیکن اس تحفظ ہی نے مسلمانوں کو بے دست و پا بنا دیا۔ اور ان کو نسبتاً کم قابلیت عطا کی ہے۔ لیکن یہی تحفظ وہ آخری بات ہے جسے تحفظ کے حامی جن میں سے بہت سے ایسے لیڈر ہیں۔ اسے اپنا سہارا سمجھ سکتے ہیں

اس لئے ایک شخص ان مسلمانوں کی جو نہرو رپورٹ کے مخالف ہیں ناعاقبت اندیشی کی اور حماقت کی چاہے کیسے ہی زبردست الفاظ میں مذمت کرے لیکن ان کی پوزیشن تو اس کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔

اسی طرح سکھوں کی مخالفت دو وجوہات پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ صوبہ میں سکھ قلیل تعداد والی قوم ہیں۔ اور یوپی میں تو وہ مسلمانوں سے بھی زیادہ کم تعداد رکھتے ہیں اور یہ کہ سکھ بھی خاص تحفظ کے عادی ہو چکے ہیں۔ ذرا خیال کرو کہ مشترکہ طریق انتخاب کے زیر سایہ جس میں نشستیں مخصوص نہ ہوں۔ سکھ کونسل میں اتنی نشستیں بھی حاصل نہ کر سکیں گے جتنی کہ ان کو اس وقت حاصل ہیں۔

ان میں سے پہلی وجہ تو دلیل وزن کے لحاظ سے درست ہے۔ لیکن بطور دلیل کے اس میں جواز اور پختگی بالکل نہیں ہے لیکن اس کے باعث سکھوں کو اس بات کا اقبال کرنا پڑے گا جس کا انہوں نے کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ وہ یہ کہ قلیل تعداد والی قوم کی خاص نیابت کے ذریعہ حفاظت ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ دوسری وجہ اس اہم حقیقت

شانِ عمل

نتیجۂ فکر منشی لبھو رام صاحب جوش

اے بہشت علم کے جویا کبھی جویا بھی ہو
وقف کر دے سعی بیجا کو خدا کے نام پر
وسوسہ کوئی نہ رہ جائے دل پر شوق میں
موج میں اپنی بہے جا انکسار و عجز سے
پاک دامانی پہ لے گرد غم الفت کے داغ
درد میں وہ حسن پیدا کر کہ درماں ہو نثار
اشتیاق شاہد مقصد کا ہے یہ اقتضا
گوشۂ عزلت سر کر دے برق پاشی بزم میں
بوند رحمت کی خدا جانے کہاں آ کر گرے
راستبازی کا شجاعت سے بھی ہو رتبہ بلند
تو بہت قربان حسن ماسوا پر ہو چکا
منزل مقصود کا پانا تو کچھ مشکل نہیں
جسم کی تاب و تواں پر ناز کرنا چھوڑ دے
سعی پیہم میں مقدر کی کبھی پروا نہ کر

الفت گلہائے تر میں سعی کھ کر کانٹا بھی ہو
طالب دنیا بھی ہو اور تارک دنیا بھی ہو
شورش دریا بھی ہو خاموشی صحرا بھی ہو
شان تیری اس میں ہے قطرہ بھی ہو دریا بھی ہو
صحبت احباب میں اچھا بھی رہ میلا بھی ہو
نالۂ مجنوں میں کچھ رعنائی لیلا بھی ہو
طالب صادق میں ہشیاری بھی ہو سودا بھی ہو
نذر صہبا بھی ہو اور پینۂ مینا بھی ہو
دامن دریا بھی ہو اور دامن صحرا بھی ہو
اس میں کچھ رسوائیاں آتی ہوں تو رسوا بھی ہو
اپنے حسن انجمن افروز کا شیدا بھی ہو
تو نے سرگرمی سے منزل کو کبھی ڈھونڈا بھی ہو
وار شمشیر حوادث کا اگر اوچھا بھی ہو
تیرے حق میں وہ برا ہو یا بھلا کیسا بھی ہو

عزم راسخ داری و پائے ترا معذور نیست
بر نصیب خویش نازاں شو کہ منزل دور نیست

"دسہرہ"

(از قلم خلیق الزمان صاحب مسٹر ایم۔ بی خلیق صفا الہ آبادی سشن جج کورٹ سرگودھا)

تیرا ہی نام ہر جگہ یہ کردگار ہے
جس وقت سری رام نے جنگل کا گھر لیا!
سیتا کو بڑے ڈھنگ سے راون نے ہر لیا
سیتا کو وہاں گردش دوران لے گئی!
اُس وقت سری رام نے طے بحر و بر کیا
لنکا میں جا کے رام نے روز حشر کیا
جنت کا نمونہ جو تھی برباد ہو گئی!
اہل فلک بھی خوش ہوئے خلقت بھی خوش ہوئی
لنکا کی سرزمین میں وہ کشمکش ہوئی!
نیکی نے بدی سے جہاں کو پاک کر دیا!
دُنیا کی تواریخ کا یہ کارزار ہے
آتا یہ مگر سال میں بس ایک بار ہے
گر دل میں سری رام کی دن رات یاد ہو
عبرت کا نمونہ ہے دسہرہ میرے آگے
جھنڈا ہے رہا رام کا لہرا میرے آگے

یہ جشن دسہرہ بھی بڑی یادگار ہے
گردوں نے اور ہی کچھ رنگ کر لیا
ظلم و ستم قہر کا بوجھ اپنے سر لیا
گلشن میں گویا آتشی انسان لے گئی!
آیا جو کوئی راہ میں ہر اک کو سر کیا
راون کا جس گھڑی تھا جدا تن سے سر کیا
لنکا کے گلستاں میں کیا بادہو گئی!
بھائی بھی سارے خوش ہوئے خوش ماہ وش ہوئی
جس کے اثر سے جگ میں بھارت ورش ہوئی
جنت کے نمونے کو سیاہ خاک کر دیا
ہر سال جس کا دیکھ نمونہ تیار ہے
ہر اک کی مگر چشم میں کیا انتظار ہے
جنت میں جا کے دیکھ لے قسمت بھی شاد ہو
انجام بد کا سوختہ صحرا میرے آگے
بیٹھا ہے آپ رام سر راہ میرے آگے

نیکی کی ظفر ہو گئی، راون جو جل گیا
خلیق گیا جنت میں جو یہ سر کچل گیا

[illegible]
کی ملامت کی ایک منصفانہ دلیل ہو سکتی ہے

آخری بات جسے ہندو عقل رکھنے والے انسانوں اور معمولی سمجھ والے لوگوں کی حیثیت سے کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ چونکہ نہرو کمیٹی نے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کو غلطی سے ایک ایسی چیز دی ہے۔ جو از روئے اصول مسلمانوں کے لئے بھی اتنی ہی خراب ہے جتنی کہ ہندوستان کے لئے ہے، اس لئے کمیٹی کو چاہیئے کہ وہ صوبہ پنجاب کے ہندوؤں کو بھی وہی خراب چیز عطا کرے۔ اگر کبھی کوئی ایسا معاملہ ہوا ہے۔ جس کے متعلق یہ یقین کر لیا گیا ہو کہ دو غلطیوں کے ذریعہ ایک صحیح بات ظہور میں آئی ہے تو وہ معاملہ پنجاب کے ہندوؤں کا ہے۔ ہندوؤں کے معاملہ کے متعلق جس بات کو ہر ہندو لیڈر بار بار ببانگ دہل کہہ چکا ہے وہ یہ ہے کہ ہندو کبھی کوئی ایسی تجویز کو قبول نہیں کریں گے جیسی کہ اکثریت والی قوم کے لیے نشستوں کا مخصوص کرنا ہے لیکن ٹھیک یہی وہ بات ہے جس کی نہرو رپورٹ کے مخالف ہندو اس وقت حمایت کر رہے ہیں، مگر ہندو اور سکھ قلیل قوموں کے لئے نشستیں مخصوص کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ مسلمانوں کے لئے بھی نشستیں مخصوص کی جائیں۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

اٹھاتے ہیں، اور نہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں کسی جگہ بھی ہندوؤں کو ایک ایسی پالیسی کے باعث نقصان پہنچا ہے۔ جسے "انصاف کا نہ کہ رعایت کا میدان" کہتے ہیں۔ اس لئے پنجاب میں ہندو نہرو رپورٹ کی کس طرح مخالفت کر سکتے ہیں۔ جو مذکورہ بالا پالیسی پر مبنی ہے، اس سوال کا یہ کوئی جواب نہیں ہے کہ دوسرے صوبوں میں رپورٹ نے عارضی مصالحت کی حمایت کی ہے، البتہ یہ جواب یا دلیل دوسرے صوبوں کے ہندوؤں کے لئے مجوزہ رپورٹ کی مخالفت کی ایک منصفانہ وجہ ہو سکتی۔ بشرطیکہ وہ رپورٹ کی مخالفت کریں، اور پنجاب کے ہندوؤں کے لئے ان ہندوؤں کی مخالفت کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کی ایک وجہ ہو سکتی ہے جب کبھی کہ اس کے ظاہر کرنے کا موقع ملے۔ ہندوؤں کے لئے اگر وہ چاہیں تو خالص قومی

کو نظر انداز کر دیتی ہے کہ بعض علاقوں میں سکھ ایک قابل قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہ انہیں علاقوں سے وہ اپنے اتنے ہی ممبر کونسل کے لئے منتخب کر سکتے ہیں جتنے کہ اس وقت ہیں۔ لیکن دونوں حالتوں میں مخالفت چاہے وہ کتنی ہی غیر معقول اور جواز سے خالی ہو، تاہم وہ اس قابل ہے کہ سمجھ میں آ سکے۔

مگر ہندوؤں کی مخالفت اس قسم کی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے اور ہر جگہ جداگانہ نیابت کے خلاف رہے ہیں، اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ وہ یہ کہ جداگانہ نیابت خود قلیل قوموں کے لئے غیر ضروری اور نقصان دہ ہے۔ اور وہ ایک زبردست قوم کی حیثیت سے ہندوستان کی ہستی کے لئے بالکل ناموزوں ہے۔ ہندو کسی طرح بھی اور خیال میں آنے والی کسی حالت میں بھی "فرقہ دار، کمتری" کے باعث نہ تو نقصان

ہندوؤں کی طرف سے رپورٹ کی جو مخالفت کی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ اس کے لیڈروں کی خود غرضانہ خواہش ہے تاکہ وہ فرداً فرداً اپنے ذاتی فائدہ کو ترقی دیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سب سے بڑا اور اب تک واحد ہندو لیڈر جس نے رپورٹ کی زبردست ترین مخالفت کی ہے وہ بالکل بے غرض انسان ہے اور اسے اپنا ذاتی فائدہ مقصود نہیں ہے۔ ہمیں اس بات میں بڑا شک ہے کہ اگر بھائی پرمانند کی قوم کے لئے کسی تعداد میں نشستیں مخصوص کر دی جائیں تو بھائی جی کو یہ رغبت پیدا ہو جائے گی کہ وہ کونسل یا کسی مقامی جماعت میں ایک نشست حاصل کرنے کے لئے کوشش کریں گے یا لطور بدل مشترکہ نیابت کی کوئی مقدار بھائی جی کے اس قوم کی طرف سے انتخاب کو روک سکتی ہے۔ جسے آپ منتخب کرانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ ہندوؤں کی مخالفت میری سمجھ میں مطلق نہیں آتی۔

رام دی جدائی وچ بھرت دی بیقراری

(نتیجہ فکر سردار ایشر سنگھ جی ایشر لاہور)

جیویں باہجھ پانی مچھلی تڑپ مردی جدوں بھس کے تے اندر دام آوے
مور مورنی جیوں پیلاں پاوندے نے آکھیں گھٹاں نہیں ل آرام آوے
سوہنی بین دی جیویں آواز سُن کے ناگ وچ مستی گھوم گھام آوے
بُلبل لوے تڑلے جیویں باغ اندر نظر اوہنوں نہ جے گلفام آوے
بھمبٹ جیویں پریت دیوچ گھبلدی شمع تے باہجھ پیغام آوے
کاہیں گوپیاں جیویں فراق اندر پچھوں شام ہووے پہلوں شام آوے
سیج پُھلاندی سُولاندی سیج وسدی جدوں تیک ناہیں گھنیشام آوے
ایسے طرح اج بھرت نوں رام باہجوں اک پلک نہ چین آرام آوے
کدی عرش ویکھے کدی فرش ویکھے بھرت بیا اُڈیکدا رام آوے
دُکھڑے سہے جیندڑی ایویں رام باہجوں بیٹھ ہیٹھ جیوں مغز بادام آوے
چُن چُن بوٹیاں تے پتر رام کھاوے مینوں کس طرح یاد طعام آوے
ننگے پیر پھردا رام کنڈیاں تے مینوں پلنگ تے کیویں آرام آوے
پانی رام نوں ملے نہیں جوگا خوشی مینوں کیوں وچ حمام آوے
رام لوے بن باس کیویں یاد مینوں چڑھنا گھوڑے تے پھڑ کے لگام آوے
ایوں کہہ رہیا پیارے رام باہجوں دھُکھدی لکڑی جیویں وچ خام آوے
صدقے کردواں ایشر بادشاہی لے جے رام دا کدی پیغام آوے

رام آواہن

(از نتیجہ افکار کوی بھوشن شری بیت راج بہادر صاحب شرے شری - دہلوی)

رام اپنا چندر مکھ اب پھر دکھاؤ ہند میں
دگ وجے کا شنکھ پھر آ کر بجاؤ ہند میں
پاپ کے اندھکار کو بھگون مٹاؤ ہند میں!
وید کا سُندر پھریرا پھر اُڑاؤ ہند میں

اگر تمہاری جوت کا پرکاش ہو جائے ابھی
آریہ جاتی کی اودیا ناش ہو جائے ابھی

چھوڑ کر تپ اتنے نربل ہو گئے ہیں آج ہم
وشو کے متھیا جھمیلوں میں پڑے ہیں آج ہم
دھرم اندر اسن سے سر کے بل گرے ہیں آج ہم
جھوٹی رسموں کے بکھیڑوں میں پھنسے ہیں آج ہم

بھید بھاؤ اونچے اور نیچے کا بھگون توڑ دو
شتو دھنش کی طرح سیتا در یہ بندھن توڑ دو

دھائے پر بھو دکھ میں ہیں اپنے کئے کے پاپ سے
آنکھ بھی کھلتی نہیں اپنی پتت سنتاپ سے
شتو در روپی پاؤں کاٹے ہمنے اپنے آپ سے
ہندو جاتی ہو گئی پتھر کسی کے شاپ سے

ہو اچھوتوں پر دیا سوامی تو بیڑا پار ہو
ایک ٹھوکر سے اہلیا کی طرح اُدھار ہو

شدھ جاتی کو کرو پربھو اچھوت اُدھار سے
آ سوتوں کو جگاؤ دھرم کی للکار سے
دان لو جیون کا دو پھر ستیہ کے سنچار سے
کمبھ کرن کی نیند توڑو پھر دھنش ٹنکار سے

رام پھر آ کر رچاؤ یگیہ وشوامتر کا
کھا رہی ہے بھارتی کو بھوت روپی تاڑکا

عہد وفا

بقیہ صفحہ ۵۵

کافی سردی تھی۔ مگر اس کا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میرے ساتھ یہ بدسلوکی۔ یہ ہتک آمیز گفتگو! یہ بے مروّتی! ——— یہ سب کیوں؟ صرف للتا کی وجہ سے۔ اس نے مجھے مٹی میں ملا دیا ہے۔ میرے جسم میں آگ لگا دی ہے یہ عورتیں بڑی چالاک ہوتی ہیں۔ سینکڑوں رنگ بدلتی ہیں۔ جب سامنے آتی ہیں۔ تو محبت کا راگ الاپتی ہیں۔ اور پس پشت برائیاں کرتی ہیں۔ للتا خوبصورت بلا ہے۔ مجھے بُری طرح لپٹی ہے یہ میری جان لے کر ہی رہے گی۔ اس سے یہی بہتر ہے۔ کہ میں خود ہی اسے ختم کر دوں۔ یہ بس کی پڑیا ہے ڈائن ہے۔ مصیبتوں کا مجموعہ ہے اگر آج للتا مر جائے۔ تو میری جان بچے۔ اس وقت مجھے کون دیکھتا ہے۔ کمبخت سوئی پڑی ہے۔ جا کر گلا گھونٹ دوں۔ اور خود دن نکلنے سے پہلے فرار ہو جاؤں۔

اس خیال کے آتے ہی بنسی لال نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ للتا کے زور زور سے سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔ بنسی لال ایک قدم آگے بڑھا۔ مگر پھر رُک گیا۔ باپ کے خیال سے اس کا جسم کانپ اُٹھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے کوئی زبردست اندرونی طاقت اُسے اس ذلیل کام کرنے سے منع کر رہی ہے۔ کچھ سوچ کر دو قدم اور آگے بڑھا۔ مگر پھر رُک گیا۔ اور گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی تاریکی کی آڑ میں اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے پاؤں کانپنے لگے۔

للتا اب بھی خواب نوشیں کے مزے لے رہی تھی۔

بنسی لال نے جرأت کر کے دیکھا۔ اور پھر آگے بڑھا۔ اور للتا کے سرہانے جا پہنچا۔ اندھیرے کی وجہ سے للتا کی چارپائی سے ٹھوکر کھائی۔ للتا گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ بنسی لال جلّاد بن کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا پکڑ کر اس زور سے دبایا۔ کہ اس کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ اور وہ بے ہوش کر پلنگ سے نیچے گر پڑی۔ بنسی لال کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ گھبرا گیا۔ اس کا گلا خشک ہو گیا۔ زبان پر کانٹے پڑ گئے۔ اُسے پانی کی سخت پیاس محسوس ہونے لگی۔ جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ وہ بھاگنا چاہتا تھا۔ مگر بھاگ نہ سکا۔ اُسے معلوم ہوا۔ جیسے للتا نے اُٹھ کر اس کا گلا پکڑ لیا ہے۔ بنسی لال ڈر گیا تھا۔ وہ ہمت کر کے کمرے سے باہر نکلا۔ مشرق کی جانب دکانوں کے پیچھے سے کرشن پکش کا چاند دبی ذرا سی شعاعیں بکھیرتا ہوا تاک جھانک کر رہا تھا۔ ایک ہلکی سی سفید روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ بنسی لال

میں سے للتا کا بھوت نکل کر اپنا انتقام نہ لے

جب بنسی لال کے جسم کو ٹھنڈی ہوا کے چند جھونکوں نے مس کیا۔ تو اس کا جوش و خروش جیسے ایک دم غائب ہو گیا۔ بنسی لال لاء میں پڑھتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ سرکار انگریزی کے عہد میں خون کے بدلے خون بہایا جاتا ہے۔ تو کیا اب اُسے پھانسی کے تختہ پر چڑھنا ہوگا۔ اور اس کے ماں باپ روتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ دنیا اسے گالیاں دیگی۔ اور جلّاد کہکر پکارے گی۔ اس نے بے سوچے سمجھے بیوی کو مار ڈالا ہے

بنسی لال کو للتا کی باتیں یاد آنے لگیں اس نے دینی بدسلوکیوں پر نظر کی۔ اس کا دل اسے نفرین کرنے لگا۔ بنسی لال اپنی زبردست غلطی کا خود قائل ہو گیا۔ مگر کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آتا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ بنسی لال قانون کے مضبوط ہاتھوں سے کسی طرح بھی بچ نہیں سکتا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کھڑا ہوا سوچتا رہا۔ پھر چوروں کی مانند دبے پاؤں نیچے اُتر آیا۔ اور پاگلوں کی طرح ننگے سر ایک قمیض اور دھوتی پہنے ہوئے گھر کا صدر دروازہ کھول کر رات کی سیاہی میں نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا۔

(۴)

دن نکلا۔ چاند کی روشنی ماند پڑ گئی۔ مرغان سحر نے یکزبان ہو کر خدا کی تعریف کے راگ الاپنے شروع کئے۔ کوؤں کی کائیں کائیں سے سالگرام کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اُٹھ کر نیچے گئے۔ تو صدر دروازہ کھلا پڑا تھا۔ نوکروں کو آواز دی۔ سیتا رام اور منشی ——— دونوں ہی اپنی کوٹھڑی میں سوئے پڑے تھے

اور ایک ہی لمحہ میں سالگرام کے سامنے آ موجود ہوئے۔

انہوں نے ترش رو ہو کر کہا۔ آج صبح صبح مکان کا دروازہ کس نے کھولا؟

جل رہے ہیں رام درشن کی لگن کی آگ میں
گھس گئے ہم سوچکر یہ دھرم رن کی آگ میں

آہوتی ہم من کی دیتے ہیں ہون کی آگ میں
کودتے ہو تم ہمیشہ بھگت جن کی آگ میں

پران لب پر آنے کو ہیں دل ذرا تیار ہو!
ریجھ جائیں جس پہ پربھو تیرا وہ شر لگا رہو!

لے دیا کا آسرا درشن کے سادھن کیلئے
ہر رواں تن کا کھڑا کر رام درشن کیلئے

درہ میں ہو جا چکوری چندر آنن کے لئے
نین دھرتی پر بچھا دے مرگ لوچن کیلئے

نینوں کی گنگا چلی ہو پریم کے جل سے بھری
آنسوؤں سے سینچکر پریت کی کیاری ہری

پھول جنگلے اسکے گھنڈن کے جو نیر چڑھا
شدھ کر ہردے کی والو شردھا کی دھونی اُڑا

مست ہو کر پریم دھن میں ناتھ کے گن گان گا
آرتی اُنکی بنے بھگتی کی ایسی لو لگا!

اے شرر بھگوان تک پہنچی ہے تیری ٹیر یہ
بھینٹ تیری بن گئی ہے بھیلنی کا بیر یہ

رال پلگ

Stop using old methods which give these results!

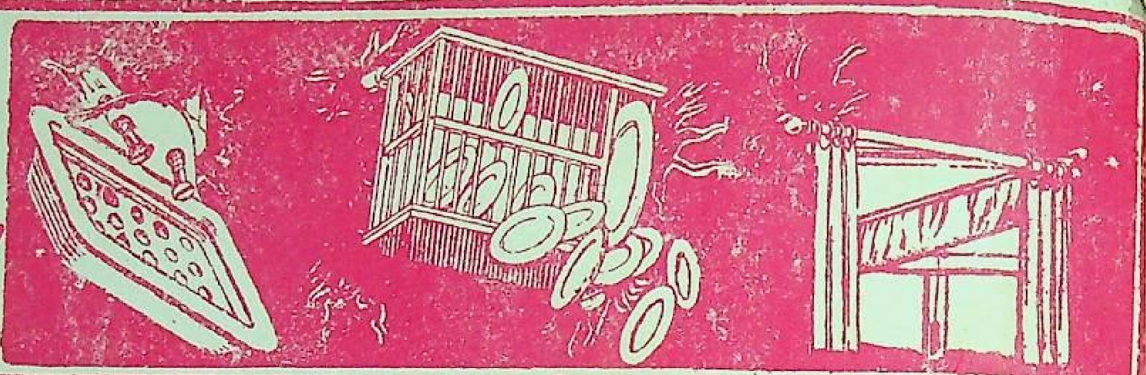

آپ اپنے خوبصورت مکانوں کو بے ڈھنگے طریقہ سے سامان آرائش یا بجلی لگانے کیلئے لکڑی کے ٹکڑے لگا کر بدنما نہ بنائیں۔ یہ لکڑی کے ٹکڑے برسات میں پھول جاتے ہیں۔ اور بعد میں خشک ہو کر دیوار سے باہر نکلتے ہیں۔ لیکن موجودہ زمانہ کی ایجاد

رال پلگ

ایک ایسی چیز ہے جو اینٹ۔ پتھر۔ شیشہ۔ سلیٹ۔ سیمنٹ۔ پلاسٹر۔ ٹائیل غرضیکہ ہر ایک چیز کے جگر میں لگتی ہے۔ اور کسی صورت میں پیچ دیوار سے باہر نہیں ہو سکتا۔

آج ہی ایک سیٹ خریدیں اور آزمائش کریں

سول ایجنٹ برائے پنجاب:۔ الائنس ٹریڈنگ کمپنی برانڈرتھ روڈ۔ لاہور و گھنٹہ گھر لائل پور۔ (پنجاب)

جس کا دھرم ہے وہ کامیاب ہے

یہی راز ہماری فرم کی روز افزوں ترقی کا ہے۔ جس نے ایک دفعہ ہم سے تعلق بیوپار کیا ہے۔ وہ ہمیشہ کیلئے مستقل خریدار ہو گیا +

اگر آپ کو کسی قسم کی مشینری کی ضرورت ہے یا آپ فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم سے خط و کتابت کریں +

ہم نئی مشینری خود مہیا کرتے ہیں۔ اور پرانی کے لئے مفت اطلاع بہم پہنچاتے ہیں +

خصوصیت: مشینری و سامان بجلی۔ برف مشین۔ سوڈا مشین۔ گیس سوڈا واٹر۔ سکرین ڈبل بوٹ۔ گیس لمپ۔ کٹسن لمپ۔ اکسپلر۔ پریس۔ ساجن۔ سنٹری فیوگل لمپ برائے آب پاشی آئل انجن وغیرہ۔

آپ ہر ایک چیز کیلئے مفصل لکھیں۔ کارڈ لکھ کر فہرستیں اکٹھی کرنے کی تکلیف نہ فرماویں +

الائنس ٹریڈنگ کمپنی برانڈرتھ روڈ لاہور و متصل گھنٹہ گھر لائل پور (پنجاب)

KARMVIR
LAHORE
ANNUAL NUMBER

ایڈیٹر
ارجن دیو بی اے

قیمت
۵/

لاہور کا کرم ویر وجے دشمی نمبر

12TH OCT 1929

سنیچر وار مورخہ ۱۲- اکتوبر ۱۹۲۹ء مطابق ۲۷- اسوج سمت ۱۹۸۶

شہید وطن مسٹر جتیندر ناتھ داس کے درشن

ہم نے نہایت کوشش سے شہید وطن کی فوٹو تین رنگوں میں ۱۴×۱۰ سائز پر تیار کی ہے اور قیمت صرف ۲ رکھی ہے

دھارمک تصویریں

شمع آزادی کے پروانوں مسٹر بھگت سنگھ اور بٹکیشور دت کے درشن کرنے کے لئے ہم سے ان کی ۱۴×۱۰ انچ سائز کی تین مختلف قسم کی رنگ برنگی تصویریں منگوائیے قیمت فی ۲

ہمارے ہاں نیچے لکھے ڈیزائینوں کی نہایت اعلیٰ اور عمدہ رنگ برنگی ۱۴×۱۰ انچ سائز کی دھارمک تصویریں تیار ہیں۔ جو کمروں میں لگانے سے جہاں کمروں کو سجا دیتی ہیں۔ وہاں ان کے دیکھنے والوں میں بہادری۔ دانائی وغیرہ بہت سی صفات پیدا کرتی ہوئی ہندوؤں کی پرانی تواریخ سے واقف کر دیتی ہیں۔ نمونہ اس اخبار میں ہے۔

قیمت فی تصویر ڈیڑھ آنہ۔ ایک درجن ایک روپیہ۔ خرچ وی پی علیحدہ۔ ایک روپیہ سے کم قیمت کی تصویریں وی پی نہیں بھیجی جاتیں۔ کم کیلئے ٹکٹ بھیجیں۔ چار تصویر تک رجسٹرڈ پارسل پر تین آنے اور دس یا بارہ پر چار آنے خرچ ڈاک آتا ہے:۔

(۱) ۹ شری لکشمی جی دیوالی پوجن
(۲) ۹ اترا ابھمنیو
(۳) ۹ کیلاش پتی شنوجی مہاراج
(۴) ۹ بیر بیراگی
(۵) ۹ بھگیاں وشنوجی
(۶) ۹ صدقی بیر بندہ
(۷) ۹ لفقہ بیچنے والے کی حالت
(۸) ۹ اودھار بیچنے والے کی حالت
(۹) ۹ شری گنیش جی
(۱۰) ۹ بیر راجپوتنی
(۱۱) ۹ شری لکشمی نارائن جی
(۱۲) ۹ بہادر سیواجی مرہٹہ کورگ
(۱۳) ۹ مہاراج بھرتری ہری جی ویراگ
(۱۴) ۹ شری کرشن جی اور سوراجیہ کے لیڈروں کا بھارت ماتا کو اپدیش
(۱۵) ۹ شری ۱۰۸ سوامی دیانند جی سرسوتی مہاراج مہا پرش
(۱۶) ۹ آریہ ورتن بننے گوروکل کانگڑی دیا نند اینگلو ویدک کالج لاہور سوامی دیانند سرسوتی جی۔ پنڈت گورودت جی۔ پنڈت لیکھرام جی۔ شری سوامی شردھانند جی مہاتما ہنسراج جی وغیرہ ۱۵ آریہ نیتا
(۱۷) ۹ ایک سندر استری (الیڈی)
(۱۸) ۹ ایک سندر استری اپنے محل میں۔ دھیان میں مگن۔
(۱۹) ۹ سنجے دھرتراشٹر کو مہابھارت سناتے ہوئے
(۲۰) ۹ دھرم یدھشٹر
(۲۱) ۹ بہادر بھیم سین
(۲۲) ۹ بہادر ارجن
(۲۳) ۹ نکل اور سہدیو
(۲۴) ۹ دان بیر کرن

(۲۵) ۹ گورو درونا چاریہ
(۲۶) ۹ بہادر ابھمنیو
(۲۷) ۹ بہادر دریودھن
(۲۸) ۹ مالن پھولوں والی
(۲۹) ۹ شری مہاں لکشمی
(۳۰) ۹ شری سرسوتی دیوی جی
(۳۱) ۹ بیرن بیوٹی
(۳۲) ۹ جنگل میں منگل
(۳۳) ۹ سکھدیو و بھگت سنگھ
(۳۴) ۹ مسٹر بھگت سنگھ
(۳۵) ۹ مسٹر دت
(۳۶) ۹ شہید وطن مسٹر داس
(۳۷) ۹ مہارانا پرتاپ
(۳۸) ۹ پنڈت جواہر لال جی نہرو
(۳۹) ۹ لالہ لاجپت رائے جی
(۴۰) ۹ مہاتما گاندھی
(۴۱) ۹ پنڈت مدن موہن جی مالوی
(۴۲) ۹ پنڈت موتی لال نہرو

شری کرشن جی مہاراج کا جیون

(۱) R کنس کے ظلموں کا آغاز
(۲) R کنس کا دیوکی کے پہلے بچہ کو مار ڈالنا۔
(۳) R شری کرشن جنم (جیل میں)
(۴) R وسودیوجی کا شری کرشن جی کو نند کے گھر لے جانا۔
(۵) R کنس کے بے شمار ظلموں پر مہا مایا کا ظہور پرکاش
(۶) R کنس کا سوپن (خواب)
(۷) R شری کرشن جی کے درشنوں کے لئے شوجی مہاراج کا نند کے گھر پر آنا۔
(۸) R شری کرشن جی کا اپنی ماتا سے چاند مانگنا۔
(۹) R شری کرشن مکٹ شرنگار
(۱۰) R شری کرشن اور کالی ناگ
(۱۱) R کنس بدھ (قتل)
(۱۲) R شری کرشن جی بنسری بجاتے ہوئے۔
(۱۳) R کرشن لیلی راج
(۱۴) R شری کرشن اور گوپی
(۱۵) R پریم پھلواڑی
(۱۶) R شری کرشن اور رادھا
(۱۷) R رادھے شیام
(۱۸) R شری کرشن جی گیتا اپدیش
(۱۹) R شری کرشن اور پانڈو۔
(۲۰) R رکمنی ہرن
(۲۱) R شری کرشن جی اور سداما
(۲۲) R دروپدی سوئمبر
(۲۳) R دروپدی چیر ہرن
(۲۴) R ارجن اور دریودھن کا جنگ کے لئے شری کرشن جی سے سہائتا مانگنے جانا۔
(۲۵) R ششو پال بدھ
(۲۶) R شری کرشن جی اور ارجن میدان جنگ میں۔
(۲۷) R ارجن کا شکھنڈی کے پیچھے سے بھیشم پتامہاں کے لئے بھومی سے پانی نکالنا
(۲۸) R ارجن پرتگیا جیدرتھ۔
(۲۹) R کرشن مایا اور ارجن۔
(۳۰) R شری کرشن جی اپنے بھگت کی رکھشا کرتے ہوئے۔
(۳۱) R بھیم پرتگیا دشاسن بدھ

(۳۲) R سدرشن چکر۔
(۳۳) R بھگوان کرشن
(۳۴) R ارجن اور کرن کا جنگ
(۳۵) R مہاراجہ بربریک کا شری کرشن اور ارجن کو اپنی طاقت دکھلانا
(۳۶) R شری کرشن جی اور پانڈو کا مہاراجہ بربریک کے سر سے پوچھنا کہ اس نے جنگ میں کیا دیکھا
(۳۷) R شری کرشن جی کے آخری درشن۔

رامائن کی تصویریں

(۱) R شری بالمیک جی کا رامائن لکھنا
(۲) R شری رام جنم
(۳) R شری رام جی کا بچپن۔
(۴) R یگیہ مکمل کرنے کے لئے مہرشی وشوامتر جی کا شری رام و لکشمن جی کو لے آنا۔
(۵) R تاڑکا بدھ۔
(۶) R وسرتھ اور رام چندر جی
(۷) R اہلیا ادھار
(۸) R شری رام چندر جی شری پرسرام جی کو اپنی شکتی دکھلاتے ہوئے
(۹) R شری رام چندر جی دھنش توڑتے ہوئے۔
(۱۰) R سیتا سوئمبر (جے مال)
(۱۱) R شری رام چندر جی اور کیکئی
(۱۲) R شری رام چندر جی
(۱۳) R شری رام جی کا بنباس مہاراجہ دشرتھ کی موت۔
(۱۴) R شری رام چندر جی بن کو جاتے ہوئے۔
(۱۵) R گنگا کو پار کرنے کے لئے شری رام چندر جی کیوٹ کو بلا رہے ہیں۔
(۱۶) R شری رام چندر جی لکشمن جی اور سیتا جی کشتی میں۔
(۱۷) R مہاراجہ دشرتھ جی کا سرون کو سمرن کرتے ہوئے پران تیاگنا۔
(۱۸) R شری رام چندر جی کا بھرت جی کو کھڑاویں دینا۔
(۱۹) R پنچوٹی کا نظارہ۔
(۲۰) R شری لکشمن جی کا سروپ نکھا کا ناک کاٹنا
(۲۱) R مریچ بدھ
(۲۲) R سیتا ہرن
(۲۳) R شری رام جی غصہ میں سیتا ہرن کے بعد۔
(۲۴) R سیتا جی لنکا میں
(۲۵) R شری رام چندر جی کا بھیلنی سے بیر لینا۔
(۲۶) R شری رام چندر جی اور سگریو پر رنگیا۔
(۲۷) R بالی بدھ
(۲۸) R مہاں بیر جی لنکا میں۔
(۲۹) R مہاں بیر جی سیتا جی کو شری رام چندر جی کا سندیش دیتے ہوئے
(۳۰) R ہنومان جی راون کے دربار میں۔
(۳۱) R راون کا سیتا جی کو رام اور لکشمن کا مایا روپی سر دکھلانا
(۳۲) R شری رام چندر جی کا کمبھ کرن کے ساتھ یدھ
(۳۳) R شری لکشمن جی کا میگھ ناد سے یدھ۔
(۳۴) R شری رام چندر جی کا راون کے ساتھ یدھ۔
(۳۵) R شری لکشمن مورچھا۔
(۳۶) R شری رام چندر جی لکشمن جی اور سیتا جی بن میں۔
(۳۷) R بھرت ملاپ
(۳۸) R شری رام چندر جی کو راج تلک
(۳۹) R سیتا جی کو بنباس
(۴۰) R شری سیتا جی و لوکش کی کٹیا میں۔

سکھ دھرم کی تصویریں

(۱) S گورو نانک دیوجی مہاراج
(۲) S گورو نانک دیوجی مع بالا و مردانہ
(۳) S گورو نانک دیوجی سرپ چھایا
(۴) S گورو نانک دیوجی سچا سودا
(۵) S گورو نانک دیوجی پنجہ صاحب
(۶) S گورو ارجن دیوجی تتیاں تویاں
(۷) S گورو گوبند سنگھ جی کا پہلا بلیدان۔
(۸) S گورو گوبند سنگھ جی معہ باز
(۹) S گورو گوبند سنگھ جی گھوڑے پر سوار۔
(۱۰) S گورو گوبند سنگھ جی
(۱۱) S بندہ بہادر
(۱۲) S ستی بندہ بہادر
(۱۳) S سری دربار صاحب امرتسر
(۱۴) S ست گورو (دس گورو) درشن

بیوپاریوں کے لئے خاص نرخ ہیں۔ جو بذریعہ خط وکتابت معلوم ہو سکتے ہیں:۔

المشتہر مینیجر اردو ہنس پریس انارکلی لاہور

ہر قسم کی نایاب کتابون کا ذخیرہ اس صفحہ مین دیکھیے

اہل ہنود کی کتب مذہبی فارسی
نایاب المول اور لاجواب کتابین

مہابھارت فیضی - یہ کتاب فیضی کی وہی مشہور و معروف اور لاجواب کتاب ہی جسنے اُس کی قابلیت کا ڈنکا بجا دیا - اہل ہنود کی تاریخی مذہبی معلومات کا اس سے اچھا اور کوئی ذخیرہ نہین ہے کامل اٹھارہ پرب ہین اور صرف ۸عہ قیمت ہے -

رامائن مسیحی - مسیح اپنے زمانے کا نامور شاعر ہی اُسی نے رامائن کو فارسی مین نظم کیا ہے یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے - ۱۰ر

سفرنگ ست سئی - مترجمہ ست سئی بہاری لال فارسی - ۱۲ر

بوستان معرفت تصوف - اُردو فارسی کا مجموعہ ہی اور نہایت ہی لاجواب اور بے مثل ہے قیمت ۱۲ر

ترجمہ سریمد بھاگوت اُردو - سریمد بھاگوت اتنی مشہور و معروف کتاب ہے کہ آج اسکی تعریف بیکار ہے اس کی اُردو بھاشا بہت صاف ہے سفید کاغذ ہے اور موقع بموقع کی خوشنما اور لاجواب تصویرین بھی اس مین شامل ہین ست باوجود ان سب خوبیون کے - ۵ر

ترجمہ دیبی بھاگوت اُردو - نہایت عمدہ سلیس عبارت اور مطالب تصوف بہت سلجھے ہوئے بیان کئے ہین - ۱۲ر

ترجمہ جوگ بشسٹ اُردو - روحانیت کا خزانہ تصوف کی کان گرو بشسٹ جی کا سری رامچندر جی کو گیان ویراگ کا اپدیش ہے اسکے پڑھنے سے دل آنند پاتا ہے اور انت مین نروان پد کو پراپت کرتا ہے قیمت مجلد ۱۲عہ

رامائن بالمیکی اُردو - بالمیک جی کی رامائن دُنیا کی نظرون کے سامنے ہے جس قدر عمدہ اور دلکش ہے اُس کا بیان بیکار ہے - مگر یہ کہنا ضروری ہی کہ ترجمہ مین اصل دلچسپی کو قایم رکھا ہے اور اس طرح تمام مطالب کو بیان کیا ہے کہ باغ و بہار بنا دیا ہے - قیمت ۸عہ

رامائن تلسی کرت بھاشا بخط اُردو - قیمت ۱۱ر

رامائن فرحت نظم - رامائن جیسی مقبول کتاب ہی اُسے نظم کا جامہ پہنا کر اور بھی دلکش بنا دیا ہے اور چار چاند لگا دیے ہین - قیمت ۵ر

رامائن خوش تر نظم - تلسی کرت رامائن کے بالکل موافق اور مطابق ہی ۹ر

رامائن یک قافیہ اُردو نظم - شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ پوری رامائن کو ایک ہی قافیہ مین ختم کر دیا ہے - اور کہین دلچسپی اور دلکشی مین کمی پیدا نہیں ہونے دی از ملک الشعرا دوارکا پرشاد افق - قیمت ۵ر

مخزن برہمہ گیان مسمے بہ آئینہ مذہب ہنود کی تمام باتین اس مین نہایت صفائی کے ساتھ بیان کی گئی ہین اور نہایت صاف آئینہ بنا دیا ہی - ۵ر

ہست نام بہار بندرابن اُردو - ایسی عمدہ کتاب ہے کہ ایک دفعہ ایک سطر دیکھ کر بغیر کتاب کے تمام کئے ہوئے چھوڑنے کو جی نہین چاہتا - ۱۱ر

سیدا مان جرتر - نہایت مشہور و معروف کتاب ہی اور بیحد دلچسپ ہی از ملتجی - ۵ر

لنگ پوران ترجمہ اُردو - اس کتاب کا زمانہ حال کے مطابق اُردو مین ترجمہ کیا گیا ہے - ۱عہ

بھگوت گیتا منظوم - از منشی رام سہائے تمنا - ۶ر

جنم ساکھی بابا نانک شاہ - اُردو ترجمہ نہایت عمدہ و دلچسپ ہے

جوہر معرفت گرو گرنتھ پردیپ - نہایت عمدہ گیان و تصوف - عہ

بر ہت سنگتا - جوتش کے علم مین نہایت لاجواب کتاب ہے - ۱۲عہ

منوسمرتی اُردو - ترجمہ معہ اشلوک مول سنسکرت - ۶ر

منہاج السالکین - چونکہ جوگ بشسٹ بڑی کتاب ہے لہذا اس مین اُسکا خلاصہ درج کیا گیا ہے - عہ

برتارک بھاشا - باترجمہ اُردو مول و سنسکرت - ۶ر

بھگوت گیتا - اُردو ترجمہ معہ مول و سنسکرت - اتنا عمدہ ترجمہ ہے کہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ہر شخص اُس سے لطف اُٹھا سکتا ہے - ۶ر

اردو کے نہایت عمدہ اور دلچسپ ناول

خواب کلکتہ کامل - ہندوستانی امیرون کی معاشرت و فضول خرچی کا اس حسن و خوبی سے فوٹو کھینچا ہی کہ دیکھا جی نہین چاہتا کہ ایک حرف پڑھنے سے رہ جائے - ۱ عہ

خاتون اودھ - بالکل جدید الطبع نہایت دلچسپ ناول ہی - ۱۰ر

لال چین - غیاث الدین تغلق کے وقت کے نہایت پُراسرار واقعات - ۱۰ر

بلا ز اغلول - اس سے زیادہ ہنسنے ہنسانے والا ناول آپکی نظر سے نہ گزرا ہوگا - ۱۲ر

دیر پرتاپ - جدید الطبع ناول ہی - مہارانا پرتاپ کے عجیب دلچسپ واقعات ۱۲ر

عائشہ بیگم - حسن و عشق جرأت و ہمت کے حیرت انگیز کارنامے - ۱۰ر

سندر شانتا - چار حصہ حصہ اول ۶ر دوم ۵ر سوم ۵ر چہارم ۵ر اس ناول کی عجیب شان ہی حسن و عشق کے وہ وہ پیچیدہ واقعے بیان کئے ہین کہ دیکھ کر آدمی حیرت کا پتلہ بنجاتا ہے - مصنفہ مولوی عبد الباری صاحب آسی -

پھول وتی - چار حصہ یہ بھی اُسی شان کا ناول ہے چار حصہ مین حصہ اول ۸ر حصہ دوم ۱۰ر حصہ سوم ۱۰ر حصہ چہارم ۱۰ر

کرشن کانتا - طلسمی حیثیت رکھنے والا اور دل کو بہلانے والا ناول ہی دو حصہ حصہ اول ۱۴ر حصہ دوم عہ

شوکت آرا بیگم - اتنا مشہور ہوا اور اتنا پڑھا گیا ہے کہ شاید کوئی ناول اُس کا مقابلہ کر سکے حصہ اول دوم ۸ر حصہ سوم ۳ر

رمبھا - جدید الطبع مگر بہت دلچسپ ناول ہے - ۱۲ر

فسانہ لارنس وردتھ - یہ ناول رینالڈ کے ایک ناول کا عمدہ اور نہایت سلیس ترجمہ ہی اسکی دلچسپی کی تعریف کرنا غیر ممکن ہے - ۱عہ

اُلّو کی دُم فاختہ - اگر تھوڑی دیر کو تفریح منظور ہی تو یہ ناول پڑھئے - ۵ر

سگندم - خفیہ پولس کی سراغرسانی کی دلچسپ سرگزشت - ۹ر

کلجگ کی کھونٹی - دو شریر لڑکون کے مسخرا پن کا افسانہ - ۵ر

الف لیلہ دنیا زاد بطرز ناول - الف لیلہ دلکش تھی مگر اور بھی دلکش

بنا دیا ہی اور مصنف کے قلم نے جادو کا کام کیا ہے - ۶ر

مرنالنی - ایک بنگالی ناول کا معمول سے زیادہ دلچسپ ترجمہ - ۱۲ر

روہنی - بنگالہ کے ناول کا ترجمہ حسن و عشق کا آئینہ - ۸ر

بنگالی دلہن - ایک دفعہ دیکھ لیجیے تو عمر بھر یاد کیجیے - ۱۰ر

مار آستین - سوتیا ڈاہ کے کرشمے اور عشق کے ولولے - ۸ر

ہندی بھاشا کی نئی چھپی ہوئی کتابین

بت برتا استریون کا جیون جرتر - نیک و شریف عورتون کے حالات اور کارنامے جسے دیکھنے کے بعد نیکی کی لہر دل مین پیدا ہوتی ہے - ۱۲عہ

استری اپدیش - یہ بھی تعلیم نسوان کی کتاب ہے - ۸ر

استری سوبودھنی - شریف بہو بیٹیون کو خانہ داری کے کام کھانے والی اور لڑکیون کو نیک راہ پر لگانیوالی یہ کتاب ہی ہزارون کی تعداد مین ملک کے ہر حصہ مین فروخت ہوتی ہے - ۶ر

پھول مین کانٹا - ایک نیا چھپا ہوا بہت عمدہ ناول ہی ضرور دیکھئے - ۱۲ر

بجھتر جرن - ضروری اور قابل دید کتاب ہی - ۱۰ر

بال کتھا کومدی - بہت عمدہ کتاب ہے - ۱۰ر

پیاری کہانیان - کتاب کے نام سے کتاب کی خوبی ظاہر ہو رہی ہے بیان کرنا فضول اور بیکار ہی پڑھنے کے بعد سب حال کھل سکتا ہے - ۱۰ر

اگن سمادھ - دیکھنے کے قابل کتاب ہے - ۱عہ

جدید الطبع اُردو کی عمدہ تاریخین

تاریخ ادب اُردو - یہ کتاب انگریزی مین شائع ہو کر بہت کافی شہرت حاصل کر چکی ہی اب مطبع نے بہت روپیہ صرف کرکے اس کو اُردو مین چھپوایا ہی - اُردو کی نظم و نثر کی اسوقت سے جب سے کہ اُردو کی بنیاد رکھی گئی اسوقت تک پوری تاریخ ہی - اور درمیان درمیان مین اس مین اُنکی جتنی جتنی ترقی کی ہی سب کا بھی بیان ہی - اُردو مین جو جو مشہور شاعر ہوئے اُنکا پورا پورا حال اور انکی دلچسپ سوانحعمری اور اکثر کی تصویرین اور کلام نثر لکھنے والون کا اول سے لیکر اسوقت تک مفصل حال معہ تصاویر و سوانحعمری لکھا گیا ہی ایک مفصل انڈکس اور مصنف اور مترجم کی تصویرین اور مضامین کی فہرست کاغذ لکھائی چھپائی اور جلد نہایت عمدہ - قیمت للعہ

تذکرۃ الخواتین - اُردو فارسی کی جتنی شاعرہ عورتین گزری ہین اور جو موجود ہین اُن سب کا اس مین کلام اور حال درج ہے نہایت سلیس عبارت ہے - بنظر تقطیع نہایت خوشنما اول مین ایک دلچسپ فوٹو مصنفہ مولانا عبد الباری آسی - قیمت ۱عہ

دیوان خواجہ میر درد - معہ مقدمہ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ صحت کے لحاظ سے بہت اعلی - قیمت ۱۲ر

المشتہر

منیجر نولکشور پریس صیغہ بک ڈپو لکھنؤ

کرم ویر لاہور وجے دشمی نمبر
سینچروار - ۱۲ - اکتوبر ۱۹۲۹ء

فتح کا پیغام!

کوئی سال خالی نہیں گذرتا۔ جب دسہرہ کا متبرک تہوار ہندوؤں کو جو کسی وقت آزاد تھے۔ اور آج غلامی میں دن کاٹ رہے ہیں۔ فتح کا پیغام نہ دیتا ہو۔ ہر سال انہیں یاد دلایا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے۔ جو بدی کو فتح کرنا جانتی ہے۔ ہر سال اُسے جتلایا دی جاتی ہے کہ جب تک وہ اپنے بزرگوں کی پرانی روایات کو تازہ کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوگی۔ نہ اُس کی ترقی ہو سکتی ہے۔ اور نہ نجات۔ یوں تو ہندوؤں کی تاریخ ایسے ہزاروں ہیروز کو چھپائے ہوئے ہے۔ جن کی زندگی کے ایک عمل کو بھی اگر ہندو اپنے سامنے رکھ لیں۔ تو موجودہ مصائب سے آزاد ہو جائیں۔ لیکن تین مختلف زمانوں میں جنہوں نے مشعل ہدایت کا کام دیا۔ ایسے سال رم ویراں میں سے صرف تین کو نمایاں صورت میں اپنے پاٹھکوں کے سامنے رکھتا ہے۔ باقیوں کے جیون چرتروں سے بھی بیش بہا سبق مل سکتے ہیں۔ لیکن شری رام۔ رانا پرتاپ اور شری سیواجی مہاراج کی سپرٹ کی اس وقت ہندوؤں کو خاص طور پر ضرورت ہے۔ اگر اُسے وہ گرہن کر لیں۔ تو دنیا کی کوئی مخالف طاقت نہیں۔ جو اُن کے قدم نہ چھوئے۔ استری جاتی کی رکھشا کے خیال سے دشمن کو ملیامیٹ کر دینے کا جذبہ شری رام سے ہمیں ملتا ہے۔ رانا پرتاپ کی ہزار صفات میں سے ایک صفت یہ ہیں۔ انہیں شاہی چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھاننی پڑی۔ مگر دوسرے کے آگے سر نہ جھکایا۔ اکبر کا غلام ایلچی مان سنگھ اُن سے کہتا ہے کہ اطاعت قبول کر لو۔ کیوں دکھ اُٹھاتے ہو۔ مگر رانا گردن نیچے کرنا جانتے ہی نہیں۔ اُنہوں نے صاف کہہ دیا ؎
تو نے گلے میں ڈال لیا طوق غلامی۔ اس طرح کا مجھ سے تو کبھی کام نہ ہوگا

سیواجی کی نڈرتا کو بھی کہ دشمن کی سبھا میں اظہار حق سے نہ رُکے ہندوؤں کو اپنے جیون میں جذب کرنا چاہیئے۔ یہی وہ چیزیں ہیں۔ جو قوموں کو زندگی اور تازگی بخشتی ہیں۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں کرم ویر آج چھٹے سال میں قدم رکھتے وقت اپنی جاتی کے سامنے رکھتا ہے۔ پچھلے سالوں میں رکھتا آیا ہے اور آئیندہ رکھتا رہیگا۔ یہ فتح کا پیغام ہے۔ کیا ہندو اسے سُنیں گے؟ سُنیں گے تب ہی زندہ رہینگے ورنہ نہیں۔

ہم بدلے — بات بدلی — یار بدلا

(از لالہ ہرکشن لعل صاحب لاہور)

۱- زمانہ تھا۔ کہ ہماری رہائش۔ چال۔ خوراک۔ پوشاک۔ زبان۔ لین دین۔ میل ملاپ۔ کھانا پینا۔ اُٹھنا بیٹھنا۔ شادی غمی۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ آنا جانا۔ سب پرانے طریق پر تھے۔ یعنی ایک جیسے چلے آتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ قانون قدرت میں تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور ہم قانون قدرت یا پیغام پیغمبری یا رشیوں کی ریت کو خوب سمجھے ہوئے ہیں۔ اور کیا چاہیئے تھا۔ بس ہم دُنیا اور دین کے دانا و بینا تھے۔ اور ہمارے برابر کون۔

۲- بہت کوشش کی۔ بہت سر پٹکا۔ بہت لیکچر دیئے بہت مضمون لکھے۔ اور کہا کہ اے ہندوستان والو۔ تم پرانے طریق پر رہو۔ اور اسی میں تمہاری نجات اور اسی میں تمہاری اُونتی ہے۔

۳- زمانہ زبردست ہے۔ اور زبردست آزاد ہے۔ اور اپنے طریق پر چلاتا ہے۔ اور اب یہ دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ ہم بھی بدلے ہیں۔ ہماری باتیں بھی بدلی ہیں۔ اور ہمارے یار اور دوست بھی بدلے ہیں۔ اور سب روز بروز بدلتے رہے ہیں کہاں تک جائیں گے۔ کہاں ٹھیرینگے۔ کہاں سے پھر لوٹینگے۔ کہاں آئیں گے۔ واپس آئیں گے یا نہ آئینگے۔ واپس آنا ممکن ہے۔ یا نہیں ہے۔ واپس آنا صحیح ہوگا یا غلط۔ خدا جانے یا قدرت۔

۴- ایک خیال ہے۔ کہ زمانہ بدلتا ہے۔ دُنیا بدلتی ہے۔ ہر چیز بدلتی ہے۔ نئے ڈھنگ اور طریق پیدا ہوتے ہیں۔ نئی چیزیں۔ نئے اجزا پیدا ہوتے ہیں۔ نئے سازوسامان ایجاد ہوتے ہیں۔ نئی پوشاک۔ نئی خوراک۔ نئی تہذیب۔ نیا اخلاق۔ نئی تابیر۔ نئی تعمیر۔ نئی تجویز۔ نئی تدبیر۔ نئے راستے۔ نرالی سواریاں۔ نئی تعلیم۔ نئی کتابیں۔ نئے مضمون اور نئے معنے۔ نئے شوق اور نئے شغل۔ نئی شادیاں۔ نئی ترانے۔ نئی جوانیاں۔ نئے ڈھنگ۔ نئی کونسلیں نئی تقریریں۔

۵- باوجود ان سب باتوں کے نہ خدا بدلتا ہے۔ اور نہ اُس کا قانون۔ مگر اُس کا بھی پیغام بدلتا رہتا ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں۔ کہ نہ گاندھی بدلتا ہے۔ اور نہ مالوی۔ کہاں تک یہ سچ ہے۔ خدا معلوم۔

آریہ جاتی میں وجے اور پھیلاؤ کا بھاؤ

شری سیواجی اور گورو گوبند سنگھ جی نے رامائن سے کیا سبق سیکھا؟

(از قلم شری مہاتما ہنسراج جی لاہور)

آریہ لٹریچر میں راماین کو خاص بزرگی حاصل ہے۔ اتہاس میں اس کا درجہ اول ہے۔ اور ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ کہ نیک زندگی کا سب سے اونچا آدرش جو راماین میں پایا جاتا ہے۔ وہ انسان کی بنائی ہوئی کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔ جن سنسکاروں سے آریہ جاتی بندھی ہوئی ہے ان میں راماین کا درجہ بہت ہی اونچا ہے۔ ہزاروں برس سے نوراتروں کے موقعوں پر لوگ راماین سنتے ہیں۔ اور رام لیلا بھی کرتے ہیں۔ بچے سے لے کر بڈھے تک سب کو شری رام کی زندگی سے واقفیت کرائی جاتی ہے۔ اور اپنے بزرگوں کے لئے پریم اور عزت کا بھاؤ ان کے دل پر نقش کیا جاتا ہے۔ راماین میں لکھا ہے کہ جب تک سورج اور چاند اس دنیا میں موجود ہیں۔ اور اپنی روشنی سے خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں اس وقت تک راماین بھی آریہ جاتی کی زندگی میں اپنا ادبی اثر پیدا کرے گی اگرچہ مہابھارت ایک عجیب تصنیف ہے مگر دو وجوہات سے وہ راماین کے درجے تک نہیں پہنچتی۔

اول یہ کہ راماین نیا زمانہ آریہ تہذیب کا وہ زمانہ ہے جب کہ آریوں نے اپنے بازو سے ایک زبردست دشمن کو لتاڑ کر اس کے ملک کو فتح کیا۔ راماین کی کہانی کوئی سنکوچ کی کہانی نہیں۔ بلکہ پھیلاؤ اور فتح کی کہانی ہے آریہ مشنریوں نے جگہ جگہ پر اپنے آشرم قایم کرکے دکھشن اور لنکا دیپ کے دور دراز ملکوں میں اپنی شائستگی کو پھیلایا اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر انہوں نے ویدک دھرم اور ویدک تہذیب کا پرچار کیا۔ کھشتری بیروں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ان مشنریوں کی رکشا کی اور دکھشن اور لنکا کے لوگوں کو ظالم راون کے پنجہ سے آزاد کرکے انہیں سوراج کا دان دیا۔ اس وقت دیش میں وہ سکڑنے کا بھاؤ موجود نہیں تھا جو بعد ازاں بدھ دھرم کے اپدیش سے ہندوؤں میں داخل ہوگیا۔ اس سنکوچ کے بھاؤ نے ہندوؤں کا بیڑا غرق کر دیا پچھلی لٹریچر کے پٹھن پاٹھن سے سنکوچ کا بھاؤ ان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جو اس وقت ہماری قومی زندگی کے لئے مفید نہیں۔ اگر قوموں کو ترقی کرنی ہوتی ہے تو ان کے اندر وجے اور پھیلاؤ کا بھاؤ پیدا کیا جاتا ہے مایوسی نہیں بلکہ امید کامیابی کا راز ہے۔ راماین کے پڑھنے سے امید کی امنگیں دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کا مطالعہ ایک ہندو کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ دوم مہابھارت کی بنیاد خانہ جنگی پر ہے۔ بھائی کا ہاتھ بھائی کے گلے پر ہے۔ راگ دویش کے بس ہیں آکر بھائی بھائی کو تباہ کرنا چاہتا ہے راماین ہمارے سامنے ایک مختلف نظارہ پیش کرتی ہے جہاں پر اونچا اخلاق اپنی پوری چمک سے ہمارے دل و دماغ کو روشن کرتا ہے رامچندر جی اور بھرت جی کا پریم اور لکشمن جی کی فرمانبرداری دنیا میں بے نظیر ہے۔ سیتا جی کی پتی برتا اور ماتاؤں سے پریم دیوتاؤں کے اندر پوترتا کا سنچار کرتے ہیں جب ملک کا اخلاق اتنا گر گیا ہو کہ بھائی اور بھائی میں دشمنی ایک ضروری امر تسلیم کر لیا گیا ہو تب راماین کے آدرش جیسے آدرشوں کی واقفیت حاصل کرنا آریہ جاتی کے اندر پریم اور دھرم کے بھاؤوں کا بڑھانا ہے اس لئے یہ بہت ہی مفید انسٹی ٹیوشن ہے کہ چند دن کے لئے لوگ راماین کا پٹھن پاٹھن کریں۔ اور اپنی شخصی اور قومی زندگی کو سدھاریں۔

مجھے دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے۔ کہ ہندو نوجوان بعض اوقات راماین کی قدر و منزلت کو پوری طرح نہیں سمجھتے۔ کئی تو یورپین اصحاب کی نقل کرتے ہیں اور یہ ماننے لگ پڑے ہیں۔ کہ راماین ایک فرضی قصہ ہے۔ محض ایک فسانہ ہے۔ اگر آریہ جاتی کے دشمن راماین پر یہ الزام لگائیں۔ تو کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ کیونکہ جب ان کے اپنے اتہاس میں رام بھرت اور سیتا جی جیسے اوتم جیون کے مرد اور استریاں نہیں پائی جاتیں۔ تو ان کے ہردے میں دویش کی اگنی جلنے لگ جاتی ہے۔ اور وہ ہمارے مہانو بھاؤں کو خیالی تصویریں بنا کر ان کی بزرگی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض نوجوان اس بات میں ہی اپنا فخر سمجھتے ہیں کہ وہ ان پوجیہ مہانو بھاؤں کی زندگیوں کے ساتھ ان نقصوں کو منسوب کریں۔ جو ان کے خیال میں ان کے اندر پائے جاتے تھے۔ مہاپرشوں کے مہتو کو نہ سمجھتے ہوئے ان کو ان کے اندر نقص ہی نقص نظر آتے ہیں۔ اور وہ ان مہاپرشوں کی اپنے ہم وطنوں کی نظروں میں گرانا چاہتے ہیں۔ ان کی کوشش ناپاک ہے۔ اور ان کو خود پاپ کے گڑھے میں گرانے والی ہے۔ پرماتما اس قسم کے فلسفے سے ہماری رکھشا کرے یہ بھی افسوس کا مقام ہے کہ راماین سے ہم پورا فایدہ نہیں اٹھاتے اگر راماین کتھا کے سسٹم کو بڑھایا جاوے اور اس کتھا کو بیان کرنے والے پنڈت سمجھدار لوگ ہوں تو تھوڑے ہی عرصہ میں بھارت کا کلیان ہو جاوے شری سیواجی نے راماین کو اپنے ہتھیار کے طور پر برتا۔ گورو گوبند سنگھ جی نے بھی اس سے زیادہ فایدہ اٹھایا۔ بہادر راجپوتوں نے بھی اس کے ذریعہ اپنے کھشاتر دھرم کو سنبھالا کیا۔ پرماتما ہمیں طاقت بخشے۔ کہ ہم راماین سے پورا پورا لابھ اٹھا سکیں۔

عزم بالجزم

(نتیجۂ فکر خواجہ دل محمد صاحب ایم اے میونسپل کمشنر و پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور)

در پیش ہو سفر تو حضر ہی سمجھ اسے — اور گھر بھی ہو تو راہگذر ہی سمجھ اسے
میدانِ عزم میں نہ تگ و دو سے کر گریز — پڑ جائے آبلہ تو گہر ہی سمجھ اسے
ہو پار جیسے آئینہ سے عکس پار ہو — دیوار رہ میں آئے تو در ہی سمجھ اسے
ہمت کا حرف سیکھ بڑی شد و مد کے ساتھ — درپیش زیر ہو تو زبر ہی سمجھ اسے
انسانیت سے دور ہے انساں سے ترکِ انس — ہو غیر بھی تو اپنا جگر ہی سمجھ اسے
بھائی ترا ہے قوتِ بازو ترے لئے — بے پر بھی ہو تو ضیغم نر ہی سمجھ اسے

تیری شبِ سیاہ کو گر طول کھچ گیا
اے دل دلیلِ قربِ سحر ہی سمجھ لے

سیاسی اصلاحات کے دودھ میں فرقہ پرستی کا زہر ہندوؤں کو منظور نہیں

فرقہ پرستی اور قوم پرستی

از قلم شریمان ڈاکٹر گوکل چند صاحب نارنگ بیرسٹر ایم-ایل-سی-

جب سے سائمن کمیشن کے سامنے مختلف فرقوں کے بیانات ہوئے فرقہ پرستی اور قوم پرستی کا سوال شدومد سے پبلک کے سامنے ہے۔ پنجاب کونسل کے تازہ اجلاس سے یہ سوال اور بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ مسلم اخبارات کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ وہ جس رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ مگر لطف یہ ہے۔ کہ بعض کوتاہ اندیش ہندو اخبارات بھی ایسے ہیں اور جو قوم پرستی کے نشہ میں ایسے سرشار ہیں۔ کہ انہیں ہندو نمائندگان بھی فرقہ پرست نظر آتے ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ فرقہ پرست کون ہے۔ اور قوم پرست کون؟

اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر ایک اور سوال کا جواب دینا لازمی ہے۔ یعنی فرقہ پرستی کیا ہے۔ اور قوم پرستی کیا؟

قوم پرستی کے صاف معنے یہ ہیں۔ کہ قوم کے مفاد کا لحاظ رکھا جائے۔ اور جو امر قومیت کے منافی ہو اُس کو نظر انداز کیا جائے۔ قوم سے مراد کسی خاص فرقہ یا مذہبی جماعت سے نہ ہو۔ بلکہ ایک ایسی وسیع جماعت سے ہو۔ جس میں تمام ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی۔ پارسی۔ یہودی شامل ہوں۔ جس میں برہمن اور شودر کی تمیز نہ ہو جس جماعت کا معراج نہ ہندویت ہو۔ نہ مسلمانیت۔ بلکہ ایک مشترکہ اور خالص ہندوستانیت ہو۔ جس میں سیاسیات کے لحاظ سے اور سیاسی حقوق کے لحاظ سے کوئی تمیز ایسی نہ ہو۔ جس کی بنیاد مذہب پر یا ذات پر یا نسلی اختلافات پر ہو۔ برعکس اس کے نسلی۔ مذہبی۔ ذات پاتی امتیاز پر اصرار و انحصار فرقہ پرستی ہے۔ اس بنیادی اصول کو مدِ نظر رکھ کر اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ وہ ہندو نمائندے جنہوں نے سائمن کمیشن کے سامنے ہندو نقطہ نگاہ پیش کیا۔ یا جنہوں نے پنجاب کونسل کے پچھلے اجلاس میں اپنی رائے ظاہر کی۔ فرقہ پرست ہیں۔ یا وہ مسلمان جو سائمن کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور وہ مسلمان یا اُن کے ہم خیال جنہوں نے پنجاب سائمن کمیٹی کی میجارٹی رپورٹ پر دستخط کئے۔ اور وہ مسلمان اور اُن کے اتحادی چودھری چھوٹو رام جنہوں نے کونسل میں میجارٹی رپورٹ کی تائید میں دھواں دھار تقریریں کیں۔ اس جرم کے مجرم ہیں۔

ہندوؤں نے سائمن کمیشن کے سامنے یہ کہا۔ کہ اس ملک کے آیندہ نظام سے فرقہ پرستی کی جڑ اکھاڑ دینی چاہیئے۔ سیاسی۔ انتظامیہ۔ محکمہ جات ملازمت۔ محکمہ قانون سازی غرضیکہ ہندوستان کے ہر پبلک شعبہ سے ذاتی۔ نسلی۔ مذہبی امتیاز کا قلع قمع کر دینا چاہیئے۔ پس افتادہ اور نام نہاد اچھوت اقوام کی ترقی کے واسطے تدابیر کرنی چاہیئں۔ تاکہ جو امتیاز اس وقت نام نہاد اونچی ذاتوں کو حاصل ہے۔ دُور کر دیا جاوے۔ اور انسان بحیثیت انسان برابر سمجھا جاوے۔ اور سیاسی حقوق میں کسی قسم کا فرق پیدائشی یا مذہب کی بنیاد پر نہ رہے۔ ہندو نمائندوں نے اس قوم پرستی کے اصول پر اتنا زور دیا۔ کہ سائمن کمیشن کے روبرو یہاں تک کہدیا۔ کہ اگر سیاسی اصلاح کے دودھ کے پیالہ میں فرقہ پرستی کا زہر ملا کر دیا جاویگا۔ تو اس زہریلے پیالہ کو پینے کی بجائے وہ ایسے دودھ کے بغیر ہی گذارہ کرنے کو ترجیح دینگے۔ جو ہندو نمائندے سائمن کمیشن کے سامنے پیش ہوئے۔ وہ بلحاظ لیاقت و سوشل پوزیشن پنجاب کے چیدہ بزرگ تھے۔ اور جو بزرگ پیش نہ ہو سکے۔ وہ اُن کے ہم خیال تھے۔

ان کے بعد مسلم نمائندے سر محمد شفیع صاحب کی سرکردگی میں پیش ہوئے۔ اور ہندو نمائندوں کا مضحکہ اُڑانے کی کوشش کی۔ اور یہاں تک کہدیا۔ کہ اگر فرقہ پرستی اور فرقہ وارانہ امتیاز اُڑا دیا گیا۔ تو مسلمان کسی ایسے نظام کو منظور نہیں کریں گے۔

کونسل کے تازہ اجلاس میں وہی کہانیاں دُہرائی گئیں۔ چودھری ظفر اللہ نے کونسل کے پار گفتہ قومیت کی تجہیز و تکفین اور فرقہ پرستی کی تاجپوشی میں صرف کئے۔ شیخ دین محمد نے یہاں تک کہدیا۔ کہ مسلمان ایک علیحدہ فرقہ نہیں۔ بلکہ ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کا مذہب جُدا ان کی زبان جُدا۔ ان کی روایات جُدا۔ ان کی نسل جُدا۔ غرضیکہ ان کا سب کچھ دیگر ہندوستانیوں سے علیحدہ ہے۔ اور وہ کبھی ہندوؤں وغیرہ کے ساتھ شامل ہو کر ایک قوم نہیں بن سکتے۔ اور ہندوستان کا آیندہ پولیٹیکل نظام ایک ایسا مصنوعی نظام ہونا چاہیئے۔ جو دو مختلف قوموں کے عہدنامہ کی شکل کا ہو۔ نہ کہ ایک مشترکہ اور متحدہ قوم کا نظام ہو۔ یہ مانا کہ شیخ دین محمد ایک نو مسلم کی طرح جو بہت اللہ اللہ کرتا ہے۔ ایک انتہائی ذہنیت کے اظہار کے مجرم ہوتے ہوں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان میں اور دیگر مسلمانوں میں اگر کوئی فرق ہے۔ تو زیادہ صاف گوئی کا ہے۔ اور بقول ٹربیون مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈروں کی ذہنیت بھی یہی ہے۔

بعض بھولے ہندو جن کے اندر قومیت کا جذبہ بہت موجزن ہے۔ اور بعض ہندو اخبارات بھی جن میں دوراندیشی کی نسبت جوش زیادہ ہے۔ کبھی بیٹھ کر یہ وچار نہیں کرتے۔ کہ مسلمانوں کی اس ذہنیت کے معنے کیا ہیں۔ اور اگر ان کی خواہش پوری ہو گئی۔ تو اس کے نتائج کیا ہونگے؟

مسلمان یہ چاہتے ہیں۔ کہ باوجود ان کی اکثریت کے انتخابات مشترکہ نہ ہوں۔ یعنی مسلمان ممبران کونسل و اسمبلی کے چناؤ میں ہندوؤں۔ سکھوں و دیگر لوگوں کی کوئی آواز نہ ہو۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ کوئی کم متعصب مسلمان منتخب ہو جائے۔ نہ ہی جب وہ کونسل میں جائے۔ اس کی رائے ہندو۔ سکھ لحاظ سے متاثر ہو۔ مسلمانوں کی طرف سے اپنی تعلیمی بے بسی اور اقتصادی کمزوری جداگانہ انتخابات کے حق میں دلائل پیش کی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی آبادی کی بنا پر کونسل میں اکثریت کا دعوے پیش کیا جاتا ہے۔ ہندو یہ کہتے ہیں۔ کہ مسلمان ہندو۔ سکھ افراد سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ لیکن بالفرض اگر مسلمان سچ مچ تعلیم کے لحاظ سے اور دولت کے لحاظ سے ہندوؤں اور سکھوں سے پس افتادہ ہیں۔ تو کیا یہ نقائص اس بات کی دلیل ہیں۔ کہ پنجاب کا نظام حکومت ان کے سپرد کر دیا جائے؟ عام طور پر کسی غریب شخص یا کم تعلیم یافتہ کو آنریری مجسٹریٹ کا عہدہ بھی نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ غریبی دیانتداری کے رستہ میں رکاوٹ اور کم علمی ادائیگی فرائض منصبی کے سد راہ ہے۔ مگر مسلمان ہیں۔ کہ محض تعداد کی بنا پر خالص اکثریت کا تقاضا کرتے اور اپنی بیان کردہ غریبی اور تعلیمی معاملات میں پس افتادگی کی دلائل پیش کر کے پنجاب کی عنان حکومت سنبھالنا چاہتے ہیں۔

ذرا آگے چلیئے۔ مسلمان یہ چاہتے ہیں۔ کہ پنجاب کی وزارت کے واسطے وزیر اعظم کو گورنر مقرر کرے۔ اور باقی وزرا کو وزیر اعظم تجویز کرے۔ اور وزارت کونسل کی اکثریت کے ماتحت اور اس کی مخالفانہ رائے سے موقوف ہو جائے۔

اب چونکہ اکثریت خالص مسلم اکثریت ہوگی۔ اسلئے اکثریت کی جگہ مسلم ممبران لکھ دینا غلط نہ ہوگا۔ جس کے صاف معنے یہ ہونگے۔ کہ مسلم اکثریت کو مسلم ہی منتخب کریں۔ مسلم ہی وزارت مرتب کریں۔ مسلم ہی جب چاہیں۔ مخالف رائے سے تمام وزرا کو موقوف کر دیں۔ اب ذرا قوم قوم پکارنے والے ہندو غور کر کے دیکھیں۔ کہ ایسی صورت میں پنجاب میں سوراج ہوگا۔ یا مسلم راج۔ ٹربیون اکثر "قومیت" کے نشہ میں سرشار رہتا ہے۔ مگر شیخ دین محمد کی تقریر اور میجارٹی رپورٹ نے اس کا نشہ کم از کم ۲۱۔ ستمبر کو اُتار دیا۔ کیونکہ جو لیڈر اس کے ۲۱ ستمبر کے پرچہ میں نکلا ہے۔ اس میں ایڈیٹر نے اس خوفناک منظر کا کچھ احساس کیا ہے۔ جو میجارٹی رپورٹ کے عمل میں آنے کی صورت میں اس صوبہ میں پیدا ہوگا۔ لطف یہ ہے۔ کہ ہندو ممبروں نے یہ نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ اور اُن کو بعض ناعاقبت اندیش ہندو "قومیت" کے متوالے مسلمانوں کے ساتھ ملانے اور انپر فرقہ پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ میں نے اپنا آدرش

فرقہ پرستی و قوم پرستی

(پچھلے صفحہ سے آگے)

یعنی سیاسی معراج ان ہی الفاظ میں بیان کیا۔ جو اوپر درج ہیں۔ مگر بصورت متبادل یہ بیان کرنا بھی ضروری سمجھا۔ کہ اگر مسلمان قوم پرستی کو دفن کر کے فرقہ پرستی کی تاجپوشی کرنا چاہتے ہیں اور پنجاب میں مسلم راج قایم کرنا چاہتے ہیں۔ تو اقلیتوں کی حفاظت کے واسطے چند تجاویز پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ اور میں اب بھی وہی باتیں کہنے کے لئے تیار ہوں۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ کانگریس کے چند نوجوانوں کو چھوڑ کر پنجاب کے تمام ہندوؤں کا مجھ سے اتفاق ہے۔

میں یہ بھی واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ ہمارے اختلافی نوٹ میں اور نہرو رپورٹ میں اصولاً کوئی فرق نہیں۔ جو باتیں ظاہراً مختلف نظر آتی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے غیر مشترکہ انتخابات پر مصر ہونے کا نتیجہ ہیں۔ بایں شرط کہ پنجاب کے ہندوؤں کو مسلم اقلیت کے سے حقوق دیئے جائیں۔ میں نہرو رپورٹ سے بالکل متفق ہوں۔

میں نے تو یہاں تک بھی کہدیا۔ کہ اگر کسی صوبہ میں اکثریت فرقہ وارانہ انتخابات کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تو اس صوبہ کی کونسل میں محض بلحاظ آبادی اس کو اکثریت حاصل نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ بھی کہدیا۔ کہ اگر سارے ہندوستان سے فرقہ پرستی معدوم ہو جائے۔ اور فرقہ وارانہ امتیاز ہٹا دیئے جائیں۔ اور خالص قومی نقطۂ نگاہ سے بطور پنجابی پنجاب کونسل میں ننانوے فیصدی بھی مسلمان آ جائیں۔ تو مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ مگر غضب تو یہ ہے۔ کہ مسلمان بطور مسلمان اکثریت چاہتے ہیں۔ اور بلا روک ٹوک مستقل اور ناقابل تبدیلی مذہبی اکثریت سے پنجاب پر راج کرنا چاہتے ہیں۔ اگر باایں ہمہ ہندو ہمائیندوں کو فرقہ پرست کہا جاتا ہے۔ تو "قوم پرستی" ان لوگوں کو مبارک ہو۔ جن میں حق و باطل کی تمیز نہیں۔ یا جن کو اقلیتوں کے ساتھ انصاف کی ضرورت کا احساس نہیں۔ یا جو محض قوم قوم کا ڈھول بجا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ یا فطرتاً غیر بالکل نانادوں کے شیدائی ہیں۔

ہمیں فرقہ پرستی ہی منظور ہے۔ اور اگر ایک جماعت کو جو کسی وقت دنیا کی اقوام کی سرتاج تھی۔ تباہی سے بچانے کی کوشش کرنا جرم ہے۔ تو ہم اس جرم کے مجرم ہیں ✣

(گوکل چند نارنگ)

دسہرہ و دیپ مالا اور سکھ

ہندو سکھوں کی نسلی تہذیب۔ اخلاق سوشل و پولٹیکل حالات مشترکہ ہیں

(از قلم سردار بہادر سردار مہتاب سنگھ صاحب بیرسٹر لاہور)

پنجاب میں فرقہ وارانہ خیالات اور کشمکش کا اس قدر غلبہ ہے۔ کہ گزشتہ تواریخ کے سبق اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات و خطرات کو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کوشش جاری رہی ہے۔ اور ہے۔ کہ دھارمک اصولوں کے اختلاف کی بناء پر سکھوں اور ہندوؤں کو باہمی برگشتہ کر کے ایک دوسرے سے بالکل توڑ دیا جائے۔ مگر ابتدائی نسلی تہذیب وملکی و قومی سوشل اور پولٹیکل حالات ایسی کوششوں کا ہمیشہ سدراہ رہے ہیں۔ اور رہینگے۔ ہمیشہ تواریخ اپنے آپ کو دوہرایا کرتی ہے۔ اور جو واقعات فی زمانہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر رہے ہیں۔ اُن سے سابقہ تاریخ کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شخصی اور افرادی واقعات جن میں ہندو۔ مسلمان اور سکھ فرقہ جات کے نیک آدمی ایک دوسرے کی حفاظت اور امداد وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں۔ صرف مستثنیات کا کام دیتے ہیں۔ عام طور پر صرف ہندو اور سکھ ہی رنج و راحت میں ایک دوسرے کے شریک حال رہے ہیں۔ تاریخ کی بیشمار مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی جو تصدیق زمانہ حال کر رہا ہے۔ اس کی طرف محض اشارہ کرنا ہی کافی ہے۔ ملتان میں ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ سکھ محفوظ اور علیحدہ نہ رہ سکے۔ کوہاٹ میں جہاں ہندوؤں کے مکانات جلائے گئے۔ سکھوں کا گوردوارہ اور مقدس سری گورو گرنتھ صاحب جی بھی آگ کی نظر کئے گئے۔ راولپنڈی کی ہیبت ناک آتشزدگی میں ہندو اور سکھ مشترکہ بدقسمتی کا شکار ہوئے۔ لاہور کے فسادات کی ابتدا سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان دہلی کابلی مل میں ہوئی۔ مگر ہندو محفوظ نہ رہ سکے۔ اور ان کی جان و مال کا نقصان کئی گنا زیادہ ہوا۔ قادیاں کے مقدمہ لوچرط خانہ میں ہندو و سکھ پہلو بہ پہلو صرف ملزمان میں موجود کھڑے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے کافی ہے۔ زمانہ سابق میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اب ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اور آئندہ ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ نسلی تہذیب و اخلاق اور مشترکہ سوشل اور پولٹیکل حالات اس کے برعکس ہونے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دینگے۔

ایسی صورت میں سکھوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے سے توڑنے کے بجائے ہی خواہان قوم وملک کو یہ سعی کرنی چاہیئے۔ کہ ہر دو فرقوں میں اتفاق بھی قائم ہو جاوے۔ اور پہلے سے بڑھ کر وہ ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک حال ہوں۔ آجکل پنجاب میں نیم اسلامی حکومت قایم ہو چکی ہے۔ اور صوبہ کی سیمن کمیٹی نے کثرت رائے سے کلی اسلامی حکومت قایم کرنے کی رپورٹ کی ہے۔ نہرو رپورٹ نے بھی عملی طور پر یہی راستہ دکھلایا ہے۔ ملک اور قوم کی بہتری اس میں ہے۔ کہ فرقہ وارانہ نیابت کو جڑھ سے اکھاڑ کر قومی اور ملکی نیابت قایم کی جاوے۔ ہندو اور سکھ مکمل یکجہتی قایم کر کے ہی اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ورگرنہ اُن کی ہستی سخت خطرہ میں ہے۔ سکھوں اور ہندوؤں کا مکمل اتفاق ہی ملک اور قوم کے واسطے امن اور ترقی کی گارنٹی ہے۔ اور اس کا قایم کرنا ایک نہایت لازمی امر ہے۔ ایسے اتفاق کی بنیاد ہندوستان کی تاریخ ہے۔ مہاراج سری رام چندر جی سارے ہندوستان کی قابل عظمت ہستی تھے۔ اُن کی ہستی اُن کے عالمگیر پاکیزہ اصولوں کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ سری رام چندر جی مہاراج سری گورو نانک دیو جی مہاراج کے مورث اعلےٰ تھے۔ سکھوں کا سری گورو نانک دیو صاحب جی مہاراج کی عزت کرنا۔ پرستش کرنا اور سری رام چندر جی مہاراج کی عزت نہ کرنا دو متضاد امور ہیں۔ سری رامچندر جی مہاراج کی قابل عظمت ہستی سکھوں کے واسطے ویسا ہی باعث توقیر فخر ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں کے واسطے۔ ایسی ہستی اور ایسے برگزیدہ بزرگ میں اشتراک سے دست بردار ہو جانا دور اندیشی سے بالکل بعید ہے۔ جب سری رام چندر جی مہاراج ہندوؤں اور سکھوں کے مشترکہ بزرگ اور قومی وملکی سرمایہ تھے۔ تو باہمی اتفاق کی بنیاد ایسی مستحکم ہے۔ کہ ہل نہیں سکتی۔ دسہرہ اور دیوالی کے تہوار مہاراج سری رام چندر جی کی یادگار رہیں۔ سری رام چندر جی مہاراج نے دسہرہ کے ایام میں غیر ملک سے جھوٹ کو بھارت ورش کے بیچ سے شکست فاش دے کر بھارت ورش اور سچائی کی فتح حاصل کی۔ ہمارا فاتح دیوالی کے موقع پر بھارت ورش اور سچائی کی شان کو قایم کر کے دیش کو واپس آیا۔ یہ ہر دو تہوار سکھوں کا ورثہ ہیں۔ سکھ ایک بہادر اور اپنی قومی آن شان پر مرمٹنے والا فرقہ ہے۔ سری رام چندر جی کی بہادری۔ سچائی اور فتحیابی دیگر فرقوں سے بڑھ کر سکھوں کا ورثہ اور اس کے واسطے باعث فخر و ناز ہیں۔ دیگر فرقوں سے بڑھ چڑھ کر سکھوں کو گورومت کے اصولوں کو پورے طور پر مد نظر رکھتے ہوئے اپنے گوردواروں اور گھروں میں دسہرہ اور دیوالی کے تہواروں کو پوری شان و شوکت سے منانا چاہیئے۔ قیاس اغلب ہے۔ کہ ہندوؤں اور سکھوں میں متفقہ طور پر ان تہواروں کا منایا جانا ہی ہر دو میں اتفاق قایم کرانے اور قایم رکھنے کے لئے ایک مضبوط زنجیر ثابت ہو۔ اور اُس سے قومی اور ملکی ترقی اور بہبودی قایم ہو سکے ✣

بھگوان کی کرودھ اگنی

نگہ نظارے ← → سے متعلق نظم

(مہارانی سیتا کے ہر جانے کے بعد بھگوان رام اور لچھمن کے دل کی غضبناک کیفیت)

(اثر خامہ پنڈت وِشنو پرشاد صاحب تنافد بی اے لاہور)

وہ زحمت کش سری رام لکھمن، جب صید سے واپس گھر آئے — تو ایک نظر میں دونو کے دل سوز دروں سے بھر آئے
جو پھول وہاں آویزاں تھے، ماتم کے پھول نظر آئے — نڈیوں سے نالے اُٹھتے تھے، اور جھونکے خاک بسر آئے

کیا بات ہے، دل میں کہتے تھے، موجود نہیں در پر سیتا؟
سُن پائے کھڑاؤں کی آہٹ اور بند رہے مضطر سیتا؟

بیم و امید کے جھگڑوں سے دل سہم رہا تھا دونو کا — بہتیرا دل کو سمجھایا، بہتیرا جذبوں کو روکا۔
لچھمن پہ غضب غالب آیا تو رام نے اُس کو یوں ٹوکا — سیتا جو نظر سے غائب ہے، غالب ہے نظر کا ہو دھوکا

لچھمن کو اُدھر سمجھاتے تھے، بےچین اِدھر تھے خود دل میں
اوجھل تھی نظر سے وہ سیتا، رہتی تھی جو آنکھوں کے تل میں

سیتا کو نہ پایا کُٹیا میں، آنکھوں میں ہوا تاریک جہاں — جس سمت نظر دوڑاتے تھے، آتی تھی نظر فطرت حیراں
منہ ڈھانپ رہا تھا بادل میں، خورشید فلک پہ سرگرداں — سارس اور بطخیں نالوں میں، طائر تھے درختوں پر نالاں

اک شور فضا میں برپا تھا، اندھیر مچا تھا عالم میں
اندوہ و الم اور گریہ تھا بادل کی چشم پُرنم میں

موجود تھے کچھ ارماں بھی، کچھ رنج و تعب تھا آنکھوں میں — حسرت آمیز تحیر تھا، اندوہ و غضب تھا آنکھوں میں
سیتا کا جو پاسِ خاطر تھا، وہ سب کا سب تھا آنکھوں میں — القصہ اُس جا پیشِ نظر اِک سین عجب تھا آنکھوں میں

اک ہُوک سی دل سے اُٹھتی تھی، بدکیش کسی کا کام ہے یہ
اُس بھولی بھالی سیتا کے ایثار کا کیا انعام ہے یہ

کچھ ایسا یاس کا منظر تھا، لچھمن کو ہُوا دو بھر جینا — اور رام کے کاری زخموں کا، سیتا ہی کو آتا تھا سینا
اُمڈے تھے جو جذبے سینے میں، آنکھیں تھیں اُن کا آئینہ — یا یوں کہئے کچھ آیا تھا، غصے سے آنکھوں میں سینا
کہتے تھے تلاشِ سیتا میں، ہم شوق سے اپنا سر دینگے — ہم ارض و سما کو زیر و زبر، دنیا تہ و بالا کر دینگے

ہندوؤں کی بے بسی

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

(از رائے بہادر لالہ سیوک رام صاحب ایم۔ ایل۔ سی پریذیڈنٹ پنجاب پراونشل ہندو سبھا لاہور)

"کرم ویر" کے "وجے دشمی" نمبر میں اچھے اچھے مضامین ہونگے۔ لیکن میری رائے میں زیادہ زور اس بات پر دیا جانا چاہیئے۔ کہ ہندوؤں کی موجودہ ضروریات کو کسطرح پورا کیا جائے۔ اس زمانہ میں ہندوؤں کی حالت بہت بُری اور قابل رحم ہو رہی ہے۔ ان پر جو مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر ایک ہندو کو ایکانت میں بیٹھ کر سوچنا چاہیئے جب وہ سوچیگا۔ تو اُسے پتہ لگیگا۔ کہ اس وقت اس کی قوم کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ اس کا علاج اگر فوراً نہ کیا گیا تو سخت خطرناک نتائج نکلیں گے میری رائے میں ہندوؤں کے سوچنے کے قابل یہ تجاویز ہیں جنہیں میں ایک ایک کر کے لکھتا ہوں۔

(۱) ہندو نوجوانوں کو کیا ہر ایک ہندو کو بے روزگاری کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ جو ہندو بی۔ اے۔ ایم۔ اے پاس کر لیتے ہیں وہ روزگار حاصل کرنے کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ لیکن بیچاروں کو کوئی ذریعہ معاش نہیں ملتا۔ ذرائع معاش بہت محدود ہیں۔ ایک تو سرکاری نوکریاں ہیں۔ ان کی طرف اوّل تو ہندو نوجوان قوم پرستی کے نشہ میں اس قدر چور ہیں۔ کہ دھیان ہی نہیں دیتے اور دوسرے ان کے لئے سرکاری ملازمت کے دروازے از خود بند ہیں۔ ہندو بی۔ اے پاس کرے۔ تو بھی سرکاری ملازمت میں نہیں بلایا جا سکتا۔ لیکن غیر ہندو انٹرنس پاس کرے تو بھی اس کو "دروازہ" کے اندر بلا لیا جاتا ہے یہ میں واقعات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ (۲) دوسرا ذریعہ زمینداری کر کے پیٹ پالنے کا ہے اگر کوئی ہندو اس طرف لپکتا ہے تو ایکٹ انتقال اراضی کا سانپ اُس کا راستہ روکے بیٹھا ہے۔ وہ اسے منزل مقصود پر پہنچنے نہیں دیتا ہندوؤں کی کثیر تعداد ایسی ہے جو اس خطرناک قانون کے ماتحت زمین نہیں خرید سکتی۔ اور اگر کاشتکاری کر کے گذارہ کرنا چاہیں تو اس میں بڑی مشکل یہ ہے کہ زمینوں کے مالک غیر ہندو ہیں جن کے رحم پر انہیں رہنا پڑتا ہے غیر ہندوؤں کو کیا پڑی ہے کہ ہندوؤں سے کاشتکاری کرائیں۔ وہ اپنے ہمقوم لوگوں کو کیوں نہ رکھیں۔ نالے بن تے نالے پھلیاں۔ اپنے ہمقوم کی پرورش بھی ہوگئی۔ اور اپنی زمین کی کاشت بھی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس قانون نے ہندوؤں کیلئے یہ دروازہ بھی بند کر رکھا ہے جبتک یہ نوجوان ہندوؤں میں بے روزگاری کا ایک بھاری سبب موجود رہیگا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ ہندوؤں کی اقتصادی حالت۔ قومی بہبودی اور فارغ البالی کے لئے یہ قانون ایک بھاری سانپ ہے۔ جس کا مارڈالنا ہی ضروری ہے (۳) تیسرا ذریعہ معاش تجارت ہے یہ بہت زیادہ وسیع ہے۔ اور ہندوؤں کو اپنے اندر جذب کر کے انہیں با روزگار بنا سکتا ہے۔ لیکن اب اس ذریعہ کو ہم سے چھین لیا جا رہا ہے۔ ہم اس پر اپنا اچھا گذارہ کر لیا کرتے تھے۔ لیکن رقابت تجارت نے روزمرہ کے گھاٹوں اور نقصان نے بیوپاریوں کے حوصلے پست کر دیئے ہیں۔ کوئی بیوپاری تجارت کرنیکا حوصلہ نہیں کرتا۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ لائل پور۔ منٹگمری اور جھنگ وغیرہ نئی آبادیوں میں دکانوں اور مکانوں کی قیمتیں اتنی بڑھا دی گئی ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص انہیں خریدیگا۔ تو اتنا غریب ہو جائیگا۔ کہ اسے بیروزگاری کا سامنا کرنا پڑیگا۔ ہندو ساہوکاروں اور تجارت پیشہ اشخاص کے لئے ایک اور مصیبت نازل ہوئی ہے گورنمنٹ نے کوآپریٹو سوسائٹیوں کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اُس نے ہندو ساہوکاروں کے ہاتھوں سے بہت سا کام چھین لیا ہے لیکن جو کام اس وقت تک ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہے وہ بھی چھین جائیگا۔ اگر نیا ساہوکارہ بل پاس ہو گیا۔ جو اس وقت پنجاب کونسل کے سامنے زیر غور ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں۔ یہ قانون براہ راست ہندوؤں پر ضرب ہے۔ جس سے ان کا کاروبار بالکل تباہ ہو جائیگا۔ اور ان کی تجارت اور پیشہ کو خاک میں ملا دیگا۔ گورنمنٹ کو ایک اور پالیسی سوجھی ہے جو ہندوؤں کے تجارتی کاروبار کے لئے زہر قاتل کا اثر رکھتی ہے اس پالیسی کا نام Exchange کی پالیسی ہے۔ ہندو اس سے بھی تباہ ہو رہے ہیں۔ ہندو ان مصیبتوں سے کسی حد تک بچ سکتے ہیں۔ مگر جائنٹ سٹاک یا کوئی کاٹیج انڈسٹری ان کے ہاتھ میں ہو۔ اس سے بہت سے ہندوؤں کو روزگار مل سکتا ہے۔ مگر انڈسٹری بھی کیا کرے گی۔ جبکہ روئی۔ غلہ اور دیگر اجناس کی مانگ مارکیٹ میں نہیں۔ ان کے بغیر بڑے بڑے کارخانے کیسے چل سکتے ہیں۔

یہ ہیں اصل چیزیں۔ جن کی طرف ہندوؤں کو دھیان دینا چاہیئے۔ جب تک ان کی بیکاری اور بیروزگاری دور نہیں ہو گی۔ اس کی وجوہات پر غور نہیں کیا جائیگا۔ جبتک ہندوؤں کا مستقبل تاریک رہے گا۔ لمبی لمبی تقریریں۔ کونسلوں کی کارروائیاں۔ جوش انگیز مضامین اور فلک شگاف نعرے۔ ہندوؤں کے مصائب کو دور نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ ہر ایک ہندو ان بتائی ہوئی باتوں پر غور کرے۔ اور انہیں حل کرنے کی کوشش کرے اقتصادی ترقی ہی کسی قوم کی جان ہوتی ہے۔ اس کے بغیر وہ مُردہ ہے۔

ہماری عورتیں!

(از رائے صاحب لالہ ہربلاس صاحب شاردا ممبر لیجسلیٹو اسمبلی اجمیر)

اس میں شک نہیں۔ کہ سوراجیہ لینا ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اپنے ملک میں ہماری اپنی ہی حکومت ہونی چاہیئے۔ یہ قدرتی بات ہے۔ یہ اصول عام ہے۔ اور اسے ہر حق پسند شخص نے جو اپنی اغراض کے بندہ نہیں۔ تسلیم کیا ہے۔ کہ کسی قوم کو دوسری قوم پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی کوئی ایسی فرشتہ خصلت قوم ہے۔ جو محکوم کی بہتری کے لئے اُس پر حکومت کرتی ہے۔ سر کیمبل بینرمین نے جو کسی وقت انگلستان کے وزیر اعظم تھے۔ خوب کہا تھا۔ کہ غیر ملکی حکومت چاہے کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔ سلف گورنمنٹ سے ہر حال میں کم ہے۔ وہ اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ لیکن آج ہم دنیا میں کیا دیکھتے ہیں۔ مختلف حکومتوں۔ مختلف طاقتوں۔ اور مختلف قوموں کے مخالفانہ مقاصد کی وجہ سے یہ بہت مشکل بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ ناممکن ہو گیا ہے۔ کہ ایک ملک یا قوم دوسرے ممالک یا اقوام کے حقوق کا خیال رکھیگی۔ یا اُن کا احترام کرے گی۔ قوموں میں ترقی کی طرف دوڑ جاری ہے۔ خیالات سرعت کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ ایک سے دوسرے ملک میں جانا بہت آسان ہو رہا ہے۔ روزمرہ کی ضروریات بڑھتی جا رہی ہیں۔ پرانے زمانہ کے خیالات میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے۔ ہر قوم کی یہ خواہش ہے۔ کہ وہ ترقی کر کے دوسری سے آگے نکل جائے۔ اور اپنی ضروریات کے لئے روپیہ فراہم کر سکے۔ چاہے کسی طریقہ سے جمع کیا جائے۔ ہر قوم اپنی قوت بڑھا رہی ہے۔ فوجی طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دولت و علم و ہنر میں ہر قوم دوسری سے آگے نکل جانا چاہتی ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے طاقتور انسانوں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ ہر قوم ایسے ذرائع استعمال کر رہی ہے۔ جن سے وہ اپنے مردوں اور عورتوں کو مضبوط کر سکے۔ تاکہ دوسروں کے حملوں سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ آزادی اور حقوق کی حفاظت کے لئے بھی یہ نہایت ضروری ہے۔

آؤ ہم اپنے ملک کی طرف دیکھیں۔ کیا ہم دنیا میں شامل نہیں۔ کیا اقوام کی دوڑ نہیں دیکھ رہے۔ کیا ہمارا فرض نہیں۔ کہ ملکی حفاظت و آزادی کے لئے اپنے آپکو مضبوط کریں۔ اگر یہ سب کچھ صحیح ہے۔ تو کیا یہ ضروری نہیں۔ کہ ہمارے مرد اور ہماری عورتیں مضبوط جسمانی طاقت رکھیں۔ عورتوں کے لئے اور بھی طاقتور ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مردوں کی طرح ہماری جنگ آزادی و ترقی میں مدد دے سکیں۔ اس بات کے لئے ہمیں ان سب رکاوٹوں کو دور کرنا ہوگا۔ جو ہمیں مضبوط نہیں بننے دیتیں۔ اگر ہمیں ترقی کرنا ہے۔ ملک کی حفاظت کے لئے تیار ہونا ہے۔ تو بچپن کی شادی۔ عورتوں کا پردہ۔ بدھواؤں کی شادی نہ کرنا۔ ذات پات کے دھندے۔ یہ سب باتیں چھوڑنی ہونگی۔ جس قوم میں بچوں کی شادی دس بارہ برس کی عمر میں ہو جاتی ہو۔ وہ کس طرح مضبوط بن سکتی ہے۔ دماغی اور جسمانی طاقت ان بچوں میں کس طرح آسکتی ہے۔ دوسرے ممالک کے نوجوانوں کی برابری وہ کس طرح کر سکتے ہیں۔ ہماری لڑکیوں کی حالت کتنی دردناک ہے۔ دس سال کی عمر میں شادی ہو گئی۔ اور اُسے پردہ میں بند کر دیا گیا۔ نہ اُسے اپنے جسم کو مکمل بنانے کا موقع ملا۔ نہ کھلی ہوا ملی۔ اب بتایئے۔ دوسرے ممالک کی عورتوں کی برابری وہ کیا خاک کریگی۔ اپنے وطن کی حفاظت کے لئے وہ کیا مدد دے سکتی ہیں۔ حالانکہ دوسرے ممالک کی عورتیں مردوں سے زیادہ ملکی معاملات میں حصہ لیتی ہیں۔ ایک مثال دیتا ہوں۔ یورپ میں جو بھاری جنگ ہوئی۔ انگلستان کے تقریباً تمام مرد میدان جنگ میں چلے گئے۔ اور ملکی معاملات کا سارا کام مثلاً ڈاک۔ ریلوے۔ خزانہ۔ بینک وغیرہ سب عورتوں نے سنبھال لیا۔ کیا ضرورت پڑنے پر ہندوستانی عورتیں یہ خدمات سرانجام دے سکتی ہیں؟ نہیں۔ اس لئے میں ملک سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ عورتوں کو آزادی دو۔ انہیں وطن کی سچی بیٹیاں بننے دو۔ چھوٹی عمر کی شادی کے شکنجے سے انہیں رہا کر دو۔ پردہ کی قید سے انہیں آزاد کر دو۔ پرانی رسوم کی زنجیروں کو توڑ کر عورتوں کو کھلی ہوا لگنے دو۔ یہ سب باتیں ملک کے مفاد کے لئے ہیں۔ ان میں مذہب کا کوئی واسطہ نہیں۔

ہماری مخالفانہ طاقتیں

(شری بھائی پرمانند جی کے قلم سے)

پُرانے روما کے لوگ جب دُوسرے ممالک کو فتح کرتے تھے۔ تو اُن کا یہ فائدہ تھا۔ کہ وہ خاص خاص مرکزی مقامات میں رومن کالونیز (Colonies) بستیاں یا چھاؤنیاں آباد کر دیتے تھے۔ ان کالونیز میں اور موجودہ چھاؤنیوں میں اتنا فرق تھا۔ کہ موجودہ چھاؤنیاں صرف سپاہیوں اور اُن کے خدمتگاروں کی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ لیکن پُرانے رومن کالونیز کے رومن سپاہی اپنے بال بچوں سمیت اُس مقام کو اپنے گھر کی طرح سمجھ کر رہا کرتے تھے۔ اِن رومن سپاہیوں کی محبت اپنے اصلی وطن سے وابستہ تھی۔ اور یہ مفتوح اقوام کو روم اور اُن کی حکومت کے نیچے رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھے جاتے تھے۔ محمود غزنوی سے لے کر جتنے مسلمان حملہ آوروں نے ہندوستان پر حملے کیے۔ اُن سب نے یہ کوشش کی۔ کہ وہ جہاں تک اُن سے بن سکے۔ ہندوؤں کو مسلمان بناتے جاویں۔ جتنے لوگ اپنے ہندو دھرم کو چھوڑ کر حملہ آوروں کا مذہب اختیار کر لیتے تھے۔ وہ سب اس ملک میں ایک طرح سے مسلمان حکومت کے لئے رومن نمونے کی کالونیز سی بن جاتی تھیں۔ جب تک اسلامی حکومت اس ملک میں رہی۔ ان مسلمان کالونیز نے رومن چھاؤنیوں کی مانند اپنے ملک کو اسلامی حکومت کے نیچے رکھنے میں پُوری امداد دی۔ اس وقت اگرچہ اسلامی حکومت نہیں ہے۔ ہندو اور مسلمان دونو ایک اَور حکومت کے ماتحت ہیں۔ تو بھی مسلمان لوگوں کے دلوں سے وہ پُرانا خیال دُور ہونے میں نہیں آتا۔ اُن کے دلوں میں ابھی تک یہی خیال کام کرتا معلوم دیتا ہے۔ کہ اُنہیں اسلامی حکومت کے لئے ہی یہاں پر میدان تیار رکھنا چاہیئے۔ تاکہ پھر سے اسلامی حکومت کو لانے کی کوششوں میں آسانی ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں اس قسم کا خیال ہمارے موجودہ پالٹیکس میں سب سے زبردست عنصر ہے۔ جس کو نظر انداز کرنا آفتاب کی موجودگی میں اس کی ہستی سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ جس کا مقابلہ ہمارا فرض اولین ہونا چاہیئے۔ جو لوگ اس عنصر کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ نہ صرف غلط راہ پر گامزن ہیں بلکہ ہندوستان کے پولٹیکل سوال کی پیچیدگی کو دُور نہیں کر سکتے۔ اس پیچیدگی کی صورت اس طرح پیدا ہوتی ہے۔ کہ جب ہندو لوگ ملکی آزادی یا پولٹیکل حقوق کے لئے موجودہ گورنمنٹ کے ساتھ جدو جہد کرتے ہیں۔ اُن کو بالکل ادھر مصروف پاکر مسلمان لوگ اپنے خیال کی تکمیل کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ دُوسری طرف جب ہندوؤں کی جدوجہد تھوڑی بہت خطرناک صورت اختیار کرتی ہے۔ تو موجودہ گورنمنٹ کا قدرتی فائدہ (Interest) اس میں ہوتا ہے۔ کہ وہ ہندوؤں کو اپنے پیچھے سے ہٹا کر مسلمانوں کی طرف لگا دے۔ اور اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے تھوڑا بہت مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے اور گورنمنٹ کی طرف سے یہ چال ایسی زبردست ہے۔ کہ جو ہندو لیڈر اُسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ اس قدر کوتاہ اندیش ہے۔ کہ وہ اپنی آنکھ کے آدھ گز فاصلے کی دُوری کو بھی دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم اُن مخالفانہ طاقتوں کو اچھی طرح سے سمجھ لیویں۔ اور پیش نظر رکھ لیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم پبلک کام کے میدان میں اپنا قدم اُٹھاویں۔

ہندوؤں کی آبادی کا کم ہونا سب سے پہلا خطرہ ہے۔ جو کہ ہمیں اپنے سامنے دکھائی پڑتا ہے۔ جیسا ہم نے کہا۔ پہلے حملہ آوروں نے تلوار کی طاقت سے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور اس تلوار کی بدولت ہندوستان کے کئی حصے فتح کیے۔ اس وقت تلوار کا حملہ نہیں ہے۔ لیکن اُس کی جگہ ویسا ہی زبردست حملہ غیر ہندوؤں کی آبادی کی ترقی کا ہے۔ جو کہ ہندوؤں کے خلاف چل رہا ہے۔ بعض حصے جیسا کہ پنجاب ہی تلوار کے زور سے فتح ہو گئے۔ اور فتح ہونے کے بعد ۷-۸ صدیوں تک غیر حکومت کے نیچے رہے۔ لیکن چونکہ آبادی کا بہت سا حصہ ہندو ہی رہا۔ اسی ہندو آبادی سے ۷۰۰ سال بعد ایک طاقت پیدا ہوئی۔ جس نے غیر ملکی حکومت کو مٹا دیا۔ اور اُس کی جگہ اپنا راجیہ قایم کر لیا۔ برخلاف اس کے افغانستان جیسے ملک میں جہاں ساری کی ساری آبادی ہندو سے مسلمان ہو گئی۔ وہاں ہندوؤں کے دوبارہ اُٹھنے کا موقعہ ہمیشہ کے لئے جاتا رہا۔ اسی طرح کی حالت اس وقت صوبہ سرحد کے ہندوؤں کی ہے۔ اُس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صوبہ سرحد میں ہندوؤں کی بہتری کی صُورت پیدا کرنا ایک امر محال بن گیا ہے۔ اور جو چار پانچ فی صدی ہندو آبادی ابھی تک وہاں پائی جاتی ہے۔ اگر یہ بھی اَور کم ہو کر موجود نہ رہے گی۔ تو صوبہ سرحد میں ہندوؤں کا خاتمہ ہو جاویگا۔ صوبہ سرحد سے آگے پنجاب آتا ہے۔ پنجاب میں ہندو آبادی کا تنزل اس تیزی سے ہو رہا ہے۔ اور پنجاب کے دیہات کیا اور شہروں میں کیا ہندو آبادی اس زور سے گھٹ رہی ہے۔ کہ بڑا بھاری اندیشہ لاحق ہو رہا ہے۔ اگر ہندو نہ سنبھلے۔ تو پنجاب میں بھی ایک عرصہ میں وہی بدبختی کی گھڑی آئیگی۔ جس کو لحہ بھر کے لئے دماغ میں لانے سے دل بیٹھتا ہے۔

یہ قدرتی امر ہے۔ کہ آبادی کم ہونے سے خود بخود ہی اخلاقی کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن پنجاب میں اس وقت ہندوؤں کو اخلاقی طور پر کمزور کرنے کے لئے کئی حالات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ گائے کو ایک مقدس جانور سمجھنا ہندوؤں کا نہایت قدیم جذبہ ہے۔ ابھی تک ہندوؤں کا اخلاقی رُعب پنجاب میں تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ عام طور پر مسلمان اُن کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے گائے کو تنہا ذو ناد ہی ذبح کیا کرتے تھے۔ لیکن اب کئی مقامات پر تو چھرا کھلم کھلا چلنے لگے ہیں۔ اور اس وبا کے ایک جگہ سے دُوسری جگہ پھیلنے کا اندیشہ ہندوؤں کو گھبرا رہا ہے۔ ہندو ابھی ایجیٹیشن کرتے ہیں۔ ارکان حکومت کے پاس اپنے وفد بھیجتے ہیں۔ لیکن اُن کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے۔ کہ وہ حکومت سے اپنے مطالبات منوا سکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اُن کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ اس سے پہلے نگر کیرتن اور مذہبی جلوسوں پر کبھی پابندیاں عاید کی جاتی تھیں۔ اب جہاں جس افسر کی مرضی ہوتی ہے۔ نگر کیرتن پر پابندی لگا دیتا ہے۔ لوگ پروٹسٹ کرتے ہیں۔ اخباروں میں ایک آدھ مضمون لکھتے ہیں۔ اور معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے مذہبی مضامین پر تقریر و تحریر کی کافی آزادی تھی۔ اور ہندو بھی اس آزادی کا استعمال کر سکتے تھے۔ دُوسرے لوگوں کو کبھی اس کے خلاف بھڑک اُٹھنے کا خیال تک نہ ہوتا تھا۔ لیکن اب کچھ ہی لکھو۔ ذرا سی کسی شخص سے ناراضگی ہوئی۔ جھٹ کتاب ضبط کر لی جاتی ہے بعض اوقات مقدمہ چلا کر بھی سزا دی جاتی ہے۔ لیکن اگر ہندوؤں کے خلاف لکھ کر اُن کی دلآزاری کی جاوے۔ تو وہ ریزولیوشن پاس کرتے رہتے ہیں۔ جن کا کوئی بڑا اثر نہیں ہوتا۔ بادی النظر میں یہ سب باتیں معمولی سی نظر آتی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ سب ہندوؤں کی اخلاقی کمزوری کی علامتیں ہیں۔ جو ہندوؤں کو دن بدن نیچے لے جا رہی ہیں۔

نیا کانسٹی ٹیوشن خواہ وہ جو نہرو رپورٹ میں تجویز کیا گیا ہے۔ یا وہ جو کہ پنجاب کونسل کے سائمن کمیشن کی اکثریت نے تجویز کیا ہے۔ پنجاب کے ہندوؤں کے لئے بڑا بھاری خطرہ پیدا کرنیوالا ہے۔ عام طور پر اس نئے کانسٹی ٹیوشن کو سوراج کی طرف ایک قدم کہا جاتا ہے۔ لیکن پنجاب کے مسلمانوں میں جو فرقہ پرستی اور کٹر ذہنیت پائی جاتی ہے۔ اُس کی موجودگی میں کسی قسم کا کانسٹی ٹیوشن ہندوؤں کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ پنجاب کے مسلمانوں کی اس ذہنیت کو دیکھتے ہوئے مجھے سخت تعجب ہوتا ہے۔ کہ پنجاب کے ہندو نوجوان سازشیں اور بھوک ہڑتالیں کرتے ہوئے محض ایک کھیل سا کر رہے ہیں۔ ابھی تک وہ یہ نہیں سمجھ سکتے۔ کہ جس سوراج کے لئے اپنے آپ کو اتنے عذاب میں ڈال کر وہ جانیں کھونے پر تیار ہیں۔ وہ سوراج تو ہندوؤں کے لئے پنجاب میں تباہی کا موجب ہوگا۔ مجھے ذرا تعجب نہ ہوتا۔ اگر مسلمان نوجوان اس سوراج کے لئے اپنے آپ کو قربان کریں۔ تعجب اسی میں ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کی مخالفت ہندو کریں گے۔ مارے جاوینگے ہندو نوجوان۔ لیکن اس نام نہاد سوراج سے پنجاب میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگی۔

پنجاب میں گورنمنٹ نے بہت عرصہ سے خاص جماعتوں کے تحفظ اور دوسروں کی بربادی کے لئے خاص قانون بنانے کا قاعدہ جاری کر رکھا ہے۔ ایکٹ انتقال اراضی والا قانون اس کی سب سے بڑی بھاری مثال ہے۔ یہ قانون کس طرح ہندوؤں کی بربادی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک نہایت تازہ مثال سے ثابت ہوتا ہے۔ قصبہ شورکوٹ کے پاس پٹھانوں کا ایک گاؤں کوٹلہ ہے۔ یہ پٹھان یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں۔ اور نہ یہ زراعت پیشہ ہیں۔ اتنی مدت تک غیر زراعت پیشہ ہونے کی وجہ سے اُنہوں نے شورکوٹ کے ہندوؤں سے دولاکھ کے قریب قرضہ لے رکھا ہے۔ اُنہوں نے اس عرصہ میں کوشش کی۔ لیکن ان کو زراعت پیشہ قرار نہیں دیا گیا۔

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۲۴

آتما کی شکتی!

ایک بلند پایہ اور فلسفیانہ مضمون

(از بابو کالی ناتھ رائے ایڈیٹر ٹریبون لاہور)

بورسٹل جیل لاہور میں مسٹر جتندر ناتھ داس کی موت اور اس سے ملک کے طول و عرض میں جو سنسنی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ہمیشہ تازہ اور ہمیشہ قائم رہنے والی سچائی کے کہ انسان کا آتما یقینی طور پر اس کے جسم یا اس کے دماغ سے زیادہ طاقتور اور زیادہ بلند ہے۔ تازہ ترین ثبوت ہیں۔ جسمانی طور پر جتندر ناتھ داس معمولی ہندوستانی نوجوان تھا۔ دماغی طور پر وہ اوسط درجہ کا تعلیمیافتہ بنگالی تھا۔ لیکن اپنی آتما کی قوت سے جو اس نے قربانی کے بلند ترین عمل میں دکھائی۔ اس نے اپنے آپ کو اپنے زندہ معاصروں میں سے چند چیدہ کو چھوڑ کر سب سے اونچا ثابت کر دیا۔ اور اس طرح اس نے اپنے لئے تمام زمانوں اور تمام ممالک کے زندہ جاوید انسانوں کے درمیان ایک شاندار جگہ حاصل کر لی ہے۔ ایک مخالف اینگلو انڈین اخبار نے مسٹر داس کی لاش کے عظیم الشان اور بے مثال جلوس پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔ کہ یورپین بھی مسٹر داس کو اس وقت کے بعد تک عزت کے ساتھ یاد رکھیں گے۔ جب اس کے ہموطن بھی اسے فراموش کر دیں گے۔ اس اظہار رائے میں ہندوستانیوں پر جو لطیف چوٹ کی گئی ہے۔ ہم اسے اس غیر متوقع ہدیہ تہنیت کیلئے جو آزادئ ہند کی راہ میں اس شہید وطن کی بہادری پر یہ دشمن ہند اخبار پیش کرتا ہے۔ معاف کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ مسٹر داس نے اپنی جان دینے میں جس عظمت کا اظہار کیا ہے۔ اسے لازمی طور پر ہر ایک دل کی گہرائی تک پہنچنا ہے۔ اور عالمگیر احترام اور عقیدت حاصل کرنی ہے۔

لیکن سب سے زیادہ اہم امر واقعہ یہ ہے۔ جسے ہر ایک شخص کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ یہ عظمت مکمل طور پر آتما کی عظمت ہے۔ ایثار۔ ارادہ کی مضبوطی۔ برداشت کا مادہ۔ ناقابل فتح عزم۔ اور خالص بے غرضی اور ان سب سے زیادہ یہ کہ انسان اپنے آپ پر قربانی کے لئے تیار رہے۔ اور انجام کار خوشی کے ساتھ اپنے مقدس مقصد کے لئے زندگی نثار کر دے۔ یہ تمام چیزیں روح کی ملکیت ہیں۔ اور ان سب کے مجموعہ کا نام ہی آتما شکتی ہے۔ یہی وہ آتما شکتی ہے۔ جس کے سامنے تمام ممالک اور تمام زمانوں میں مردوں اور عورتوں نے عقیدت مندانہ سر جھکائے ہیں۔ ایک ہرکولیز کی جسمانی طاقت۔ ایک ارسطو کی عقل و دانش۔ ایک یسوع مسیح کی قابلیت انتظامیہ۔ ایک نپولین کا فوجی جذبہ۔ یہ سب قوتیں ہمارے سجدوں کی مستحق ہیں۔ یہی خیال شاعروں۔ فلاسفروں۔ ارباب قلم سائینس دانوں اور سیاسی مدبروں کی قوتوں کے متعلق ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عظمت کی یہ صورتیں بذات خود دل کو کوئی اپیل نہیں کرتیں۔ اپنے اندر کوئی ایسی چیز نہیں رکھتیں۔ جن سے وہ انسانی نسلوں کو خالص عقیدت کے جذبات سے متحرک کر سکیں۔ یہ چیز قربانی اور ایثار اور جفاکشی کے بہادرانہ افعال میں ہی پائی جاتی ہے۔ جو بعض اوقات تمام بنی نوع انسان کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ لیکن ان سب میں ایک مشترکہ چیز بھی ہے۔ جسے ہم سب دیکھ سکتے ہیں۔ مگر اسے سمجھنے کی کوشش صرف چند نے کی ہے۔ میں اس کا اظہار ایک مشہور اہل قلم اور فلاسفر سے بہتر نہیں کر سکتا۔ جس نے ایک دفعہ کہا:۔

"ایک انسان ہمیشہ اپنے الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم روزانہ اپنی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ وہ بھی اپنی زبان سے ... ہے۔ وہ غیر قطعی طور پر اس کی قیمت بڑھا دیتا ہے۔ یا اسے بالکل نفی کے ہم پایہ کر دیتا ہے۔ اس خیال سے کہ ... والا معقول یا غیر معقول طور پر ... والے کی اخلاقی بلندی اور سپرٹ کا ... ہوتا ہے"

گو تم اپنے تیاگ کے اور یسوع مسیح ... پر چڑھ جانے کے بغیر بھی بہت بڑے آدمی ہوتے۔ لیکن یہ بات انتہا درجہ کی مشکوک ... کہ انہیں وہ عقیدت اور مستقل تہنیت حاصل کرنے میں کامیابی ہوتی ہے۔ جو ... تمام ممالک کے انسانوں کے دلوں میں ... کے لئے دیکھی جاتی ہے۔ دور کی بات جب ... دیکھئے۔ ہم اپنے زمانہ کی طرف آتے ہیں۔ دیش بندھو۔ لاجپت رائے۔ اور مہاتما گاندھی کی اپنے ملک کی پبلک لائف اور اپنے ہموطنوں کے دلوں میں کیا پوزیشن ہوتی۔ اگر ان کی زندگیاں قربانی کی زندگیاں نہ ہوتیں۔ یقیناً ان کی زندگیاں ذاتی اغراض سے بالاتر۔ مقدس اور متبرک اہل وطن کی خدمت کے لئے وقف۔ اور انصاف و صدق اور آزادی کو دائم کرنے کی بے خوف لگن سے بھرپور ہیں۔ ان تینوں نام آور اور سربرآوردہ اصحاب کی آج تک کی تمام تقریروں اور تحریروں کو۔ تمام معقول الفاظ جو آج تک ان کی زبان سے نکلے ——— ترازو کے ایک پلڑے میں رکھئے۔ اور دوسرے پلڑے میں ان کی قوت عزم۔ ان کی قربانیاں اور ان کی مصیبتیں۔ تو صریحاً آپ دونوں پلڑوں میں فرق دیکھیں گے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ فرق صرف اس عقیدت میں ہی نہیں۔ جو ان کے ہموطن ان کے تئیں ادا کرتے ہیں۔ بلکہ اس قوت میں ہے۔ جو بہت ہی زیادہ اہم ہے۔ اور وہ ہے وہ قوت جو ان اصحاب کے ہموطنوں کو بہادرانہ اور ایثار آمیز کاموں کی ترغیب دیتی ہے۔ دلیری کے ساتھ قربان ہونے اور تکالیف برداشت کرنے کا ایک اونس زبان سے نکالے ہوئے الفاظ کے ایک ٹن کی قیمت رکھتا ہے۔

اسی لئے تو تمام ممالک اور تمام زمانوں میں شہید کا خون نئی تحریک اور نئی زندگی کا بیج ثابت ہوتا رہا ہے۔ شہید کا خون لاکھوں مردوں اور عورتوں کے دلوں میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔ اور انہیں عزت کے ساتھ مرنے اور عزت کے ساتھ زندہ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ جتندر داس نے اپنی زندگی کی بھینٹ دے کر نہ صرف اپنے آپ کو زندۂ جاوید بنا لیا۔ بلکہ اپنے وطن اور ہموطنوں کی وہ عظیم الشان اور بے مثال خدمت کی۔ جو اس کی صدہا تقریروں اور تحریروں سے ہرگز ممکن نہ ہوتی۔ چاہے اس کی زندگی کا معمولی عرصہ ہزار گنا کیوں نہ ہو جاتا۔

نذرِ عقیدت!

(از خامہ جناب ابو ظفر نازش رضوی لاہور)

ہے بظاہر تو خلق میں مشہور - رام ہندوستان کا باشندہ
پر حقیقت یہ ہے کہ باطن میں - تھا وہ لاریب حق کا جویندہ
کیا ایفائے عہد اور نہ ہوا - باپ کی روح سے وہ شرمندہ
کانِ خوبی وجانِ صدق و صفا - نزدِ اہلِ نظر جو ہے زندہ
آسمانِ وفا پہ جس کا نام - بڑھ کے خورشید سے ہے تابندہ
این سعادت بزورِ بازو نیست - تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

Maharan Pratap's Ideal Patriotism

महाराणा प्रताप की आदर्श देश भक्ति ।

ہندو جاتی کا اُتھان

(پنڈت نردیو جی شاستری وید تیرتھ گورو کل جوالا پور)

ہندو جاتی کے اُتھان کے لئے مختلف کوششیں ہو رہی ہیں۔ ہندو جاتی بھی آہستہ آہستہ اپنے سروپ کو سمجھتی جا رہی ہے۔ ایک فریق کا یہ خیال ہے۔ کہ جب تک ہندو جاتی کا اپنا سنگھٹن مکمل طور پر نہ ہو جائے۔ اس وقت تک حقیقی معنوں میں ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو سکتا۔ ہندو سنگھٹن کا مقصد یہ نہیں۔ کہ کسی دوسری قوم کو دبا دیا جائے۔ یا کسی کے حقوق چھین لئے جائیں۔ دوسرا فریق یہ کہتا ہے۔ کہ جب تک مسلمانوں سے اتحاد نہ کیا جائے۔ تب تک ترقی کی کوئی امید نہیں ہو سکتی۔ ان کی پوزیشن یہ ہے۔ کہ ۷ کروڑ مسلمانوں کی پروا نہ کرکے کوئی اپنا سنگھٹن کیسے کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر ہر کوئی اپنا اپنا الگ سنگھٹن کرنے لگے۔ تو اسی میں سارا وقت گذر جائیگا۔ اور دوسری طرف نوکر شاہی کی بن آئے گی۔ ایک تیسرا فریق بھی ہے۔ وہ ہندوؤں میں بھی ہے۔ اور مسلمانوں میں بھی۔ ہندو ہندو راجیہ کے اور مسلمان مسلم راجیہ کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ اسی طرح دونوں قوموں میں مختلف خیالات کے لوگ رہتے ہیں۔ جو مختلف قسم کے راجیہ کا آدرش رکھتے ہیں۔ اس حالت میں نہ ہندو راجیہ قایم ہو سکتا ہے۔ نہ اسلامی حکومت چل سکتی ہے۔ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں بے اعتمادی رہی۔ تو ملوکیت پرستوں کی چاندی ہی چاندی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ باہمی عدم اعتماد کے باعث نہرو رپورٹ ٹوٹ پڑی ہے۔ اسی وجہ سے مہاتما گاندھی بھی لاہور کانگرس کے صدر بننے سے ہچکچاتے ہیں۔ اسی عدم اعتماد کو مدنظر رکھ کر نوکر شاہی اور امپیریلسٹ ہندوستان اور انگلستان میں ہندوستانی سایل کے متعلق غلط فہمی پھیلا رہے ہیں۔ اسی عدم اعتماد کا نتیجہ ہے۔ کہ مس میو جیسی عورت بھی ہندوستان کے متعلق جو چاہے لکھ دیتی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ حصول آزادی کے بغیر ہندوستانی چاہے وہ ہندو یا مسلمان۔ سکھ ہوں یا بودھ سب دُکھی ہیں۔ سب غلامی کی آگ میں جل رہے ہیں۔ جو بھی تحریک اٹھتی ہے۔ کچھ عرصہ تک زور پکڑ کر پھر ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ یہ بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ طاقت کے بغیر محض عقل سے کوئی قوم عرصۂ طویل تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اگر ممکن ہو۔ اور بھلائی اسی میں ہے۔ کہ دونوں جاتیوں کے سمجھدار لوگ پہلے سوراجیہ حاصل کرنے کے لئے کوشش کریں۔ وہ اپنے اختلافات کو دل سے نکالیں کاغذی معاہدوں کو پالیٹکس میں کوئی قیمت نہیں۔ ہر ایک ہندوستانی قومیت کی فضیلت کو سمجھے۔ مذہب کو صرف اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر رکھیں۔ اور چار دیواری کے باہر قومیت ہی کی رہنمائی میں زندگی بسر کریں۔ دُنیا میں یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ جس جاتی میں ودیا۔ بدھی اور سنگھٹن رہیگا۔ وہی جاتی پار ہوگی۔ وہ آزادی حاصل کر سکیگی۔

اس معاملہ میں ایشور کی طرف سے کسی قوم کو ہمیشہ کے لئے کوئی پٹہ نہیں ملا۔ کہ وہ ہمیشہ سر بنا رہے۔ دوسروں کو دباتی رہے۔ اور ہمیشہ اسی کی حکومت رہے۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔ اس لئے قومی تحریکوں میں صدقدلی۔ سنگھٹن۔ اتحاد۔ وغیرہ خوبیوں کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ ترقی کے موقعے ہر روز نہیں آیا کرتے۔ اگر ہم اس کے جھمیلوں میں ان موقعوں کو گنواتے رہے۔ تو پرماتما بھی ہم کو ایسے موقعے کم دیگا۔ پرماتما جس شخص یا قوم کو اٹھانا چاہتے ہیں۔ اس کو عقل سلیم دے دیتے ہیں۔ جس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی عقل چھین لیتے ہیں۔ دیکھتے نہیں۔ کہ دیکھتے دیکھتے دنیا میں کیا کیا انقلاب بپا ہو گئے۔ ہر ایک قوم اُٹھنے کی جدوجہد کرتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہر دوسری زبردست قومیں اُسے اُٹھنے نہیں دیتیں۔ پرماتما کی کرپا سے اسے ایسے موقع مل گئے ہیں۔ جن کے استعمال سے وہ آزادی حاصل کر لیتی ہے۔ وہ تو چھوٹے چھوٹے ملک تھے۔ یہ ہندوستان اتنا بڑا ہو کر غلامی میں کیوں پڑا ہوا ہے۔ صرف اس لئے کہ باہمی اعتماد۔ عقل سلیم۔ اور صدقدلی کی کمی ہے۔ باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لئے ہمدردانہ طور پر غور نہیں کیا جاتا ہے۔ تحریک عدم تعاون کے دنوں میں ایک دو سال کے لئے دونوں قوموں میں ایک دوسرے پر اعتماد تھا۔ صدقدلی تھی۔ اور اتحاد تھا۔ تو کیا نتیجہ ہوا تھا۔ یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ ہم لوگ منزل آزادی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جب فوج شکست کھاتی ہے۔ تو وہ آپس میں جھگڑنے لگتی ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں اور اس وقت سے یہ جھگڑے ختم ہونے میں نہیں آتے۔ اس وقت جو نوکر شاہی بوریا بستر باندھ کر جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ آج لمبی تانے مزے سے سو رہی ہے۔ اس کو اس بات کی کچھ پروا نہیں۔ کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ جب گھر کے لوگ آپس میں لڑتے ہیں۔ تو دوسرے اس کی پروا کیوں کریں۔ پرماتما ہمارے باہمی جھگڑے ...... شکوک و شبہات اور عدم اعتماد کو دور کرے۔ اگر اب بھی نہ سنبھلے تو یقین جانئے۔ کہ ہندوستان کی قسمت میں غلامی کے سو ڈیڑھ سو سال اور لکھے جانے والے ہیں۔ ؎

اب کی چڑھی کمان کو جانے پھر کب چڑھے

مثل مجنوں بھول جا صحرا کو محمل دیکھ کر

(نتیجۂ فکر پنڈت انند نرائن صاحب مُلّا ایم اے ایل ایل بی لکھنؤ)

جادۂ تاریک طے کر نور منزل دیکھ کر | بحر طوفاں سے گذر مینار ساحل دیکھ کر
فکر رنج دہر مت کر جلوۂ دل دیکھ کر | مثل مجنوں بھول جا صحرا کو محمل دیکھ کر

آرزوؤں کو بنا لے ترجمان زندگی
اپنے دل کے ہاتھ میں دیدے عنان زندگی

مستقل اپنے ارادوں پر مثال کوہ بن | جی میں آجائے تو صحرا کو بنا رشک چمن
ولولوں کو رکھ مثال بحر پیہم موجزن | مشکلیں ہوں لاکھ آنے دے نہ ابرو پر شکن

عاشق صادق مآل شوق سے ڈرتا نہیں
رہرو کامل کبھی مڑ کر نظر کرتا نہیں

اپنے سینہ کو بنا اک کشت زار آرزو | خون کے ہر قطرہ میں پیدا کر شرار آرزو
دل وہی دل ہے رہے جو بیقرار آرزو | زیست وہ اچھی جو ہو جائے نثار آرزو

لب تمناؤں کے اپنی چوم آئے دل ٹھکے تو
آسمان سے توڑ لا تارے فلک پر چڑھ سکے تو

دل کو دے درس جنون و رقص بانگ زنجیر کر | مکتب ہستی میں اس کو خوگر تعذیر کر
بندۂ تدبیر بن۔ کم شکوۂ تقدیر کر | آرزوؤں کی قبر پر امید پھر تعمیر کر

اپنی ہمت کی کمر کس اور خدا کا نام لے
زندگی کے جہد میں ناکامیوں سے کام لے

یاس کی محفل میں ارمانوں کو جا ہی نہ دے | اپنی صورت ناامیدی کو دکھانے ہی نہ دے
آتش دل آب حسرت کو بجھانے ہی نہ دے | کچھ بھی ہو چتون پہ لیکن میل آنے ہی نہ دے

نالۂ غم میں بھی انداز ترنم ہی رہے
مثل گل دل خوں ہو پر لب پر تبسم ہی رہے

کشمکش میں دہر کی مٹنے نہ دے تو اپنی ذات | چاہے سب کچھ جائے پر جانے نہ پائے دل کی بات
دل ہی کیا جس کی امنگیں ہوں اسیر ممکنات | اہل ہمت دے رہے ہیں تجھکو یہ درس حیات

گوہر مقصود پنہاں سینۂ انسان میں ہے
زندگی کا راز تیری طاقت عصیان میں ہے

(آنند نرائن مُلّا)

نغمۂ اتحاد

از ممتاز الشعرا جناب منشی پیارے لال صاحب رونق - دھلوی

اب نظر آتی نہیں وہ عظمت و شانِ وطن - مٹ رہی ہے دستبردِ غیر سے آنِ وطن
لوٹے لیتے ہیں وطن کو آہ مہمانِ وطن - خوابِ غفلت سے اٹھو اے نوجوانانِ وطن

اتحادِ باہمی کی ڈال دو بنیاد تم
چاہتے ہو ملک کو کرنا اگر آزاد تم

نور دہ بجائے لگا ہو وہیں ہمارا سنگھٹن - مہر انور بن کے چمکے ذرۂ خاکِ وطن
ہو ضیا بخشِ زمانہ اپنی شمعِ انجمن - ایک ہی رنگ و روش ہو ایک ہی اپنا چال چلن

حیرت افزائے نظر ہو عکسِ بابِ حریت
آئینہ آنکھوں کا بن جائے کتابِ حریت

پھیل جائے ملک میں ہر سو ضیائے اتفاق - جلوہ ریزِ خلق ہو رنگِ بہائے اتفاق
منظرِ دلکش ہے حسنِ ادائے اتفاق - چرخ ہفتم پر نظر آئے فضائے اتفاق،

ہر گھڑی لطفِ بہارِ جانفزا دیکھا کریں
گلشنِ امید کو پھولا پھلا دیکھا کریں

اتحادِ باہمی کا چاہیئے لینا سبق - کہہ رہا ہے صاف رامائن کا ہر زرّیں ورق
جس سے روشن چرخِ آزادی کے ہیں چودہ طبق - کاش ہو جائے زبان د اس کا مضمونِ ادق

ہو بدولت رام کی حاصل ہمیں ایسا کمال
خود جہاں میں ایک دن بن جائیں ہم اپنی مثال

یاد ہو جائے ہمیں وہ نسخۂ تسخیرِ حب - کھینچ لے ہر ایک دل کو جذبۂ تاثیرِ حب
نقشِ فریادی بنے کاغذ پہ ہر تحریرِ حب - شانِ آزادی دکھلائے جلوۂ تصویرِ حب

قوم میں ہو جائے دریائے محبت موجزن
رنگ لائے جوشِ الفت صورتِ رام و لکھن

یہ وہ تھے کھائے جنہوں نے بھیلنی کے بیر تھے - یہ وہ تھے ہیبت سے جنکی بن میں لرزاں شیر تھے
یہ وہ تھے سرکش جہاں کے جنکے آگے زیر تھے - یہ وہ تھے دل جنکے حبِ قومیت سے سیر تھے

یہ وہ تھے جنکو نہ تھی کچھ پریموں سے چھوت چھات
یہ وہ تھے نزدیک جنکے ایک تھیں ذات و صفات

یہ وہ تھے جنکا مطیعِ حکم تھا سارا جہاں - یہ وہ تھے اب تک ہے جنکے نام کا سکہ رواں
یہ وہ تھے قائم ہے جن سے مہر و الفت کا نشاں - یہ وہ تھے جھک کر قدم لیتا تھا جنکے آسماں

یہ وہ تھے حیواں بھی جنکے تابعِ فرمان تھے
یہ وہ تھے خلقِ مجسم جن پہ سب قربان تھے

عالمِ حیرت!

(از قلمِ معجز رقم لسان العصر عالیجناب پنڈت امر ناتھ صاحب مدن ساحر دہلوی تحصیلدار)

اک مستِ مئے حسن مرا اندِ نظر ہے
قلب و دلِ عشاق میں اک جلوہ گرِ ناز
ہیں عشق و فنا جلوۂ توحید میں باقی
کہتے ہیں تصور جسے عنقا کی ہے پرواز
جس نقشِ طلسمی کی ہر کونین سے تعبیر
لیلےٰ ہے نہ مجنوں ہے فقط یاد ہی باقی
اے بیخودیٔ شوق ذرا ہوش میں آجا

اس عالمِ مستی میں کسے اپنی خبر ہے
وہ حسن تماشا ہے یہ نیرنگِ نظر ہے
یہ بیخودیٔ حسن ہے وہ رنگِ اثر ہے
بے حرف ہے بے صوت ہے بے جنبشِ پر ہے
اک خوابِ پریشاں ہے کہ نیرنگِ نظر ہے
شیریں ہے نہ فرہاد مگر رنگِ اثر ہے
ذاتِ صمدی جلوہ میں آنکی خبر ہے

ہیں عالمِ حیرت میں دل و دیدۂ ساحر
ہے جلوہ نما قلب میں جو پیشِ نظر ہے

ہر طرف پھیلی ہوئی تھی حکمرانی آپ کی - تھی محیطِ عالمِ کل راجدھانی آپ کی
نصرتِ لنکا جہاں میں ہے کہانی آپکی - آجتک قائم ہے دنیا میں نشانی آپ کی

درسِ عبرت ہیں جہاں میں کارنامے آپکے
ہیں زبانِ خلق پر لاکھوں فسانے آپکے

انس و اخلاق و مروت کا تھا یہ اک معجزا - ہم رکابی میں تھے لاکھوں شور بیر و دیر ...
لشکرِ راون پہ جب یہ ٹوٹ کر لشکر گرا - دم زدن میں کر دیا سب ظالموں کا خاتمہ ...

ہے دسہرہ آپکی فرخ ظفر مندی کا دن
اہلِ عالم کو نہ ہو کیوں عیش و خرسندی کا دن

جس طرح سے فتح پائی رام نے لنکیش پر - جنگِ آزادی میں پائیں اسطرح ہم بھی ظفر
دیکھنا ہے جذبۂ حبِ وطن کا گر اثر - دشمنوں کے سامنے ہو جاؤ تم سینہ سپر

ٹوٹ جائینگے یہ سب بندِ غلامی یکقلم
کامیابی بڑھ کے خود چومیگی اے رونق قدم

دیگر قطعہ

ہو کے پیدا انکشافِ رازِ قدرت کر دیا - پیکرِ خاکی میں تھے گو صورتِ انسان ...
تھے مگر نورِ مجرد جلوۂ حسنِ ازل - رام کیا بھگوان تھے وہ سرّ پنہاں ...

بھگوان رام سے ارداس

(از افتخار الشعرا منشی نہاراج بہادر صاحب برق دہلوی بی اے مصنف مطلع انوار)

تیرے جلوے کی ہیں مشتاق نگاہیں آجا ۔۔۔ دیدہ و دل میں کھلی ہیں تری راہیں آجا

تا بکجا درد سے بیمار کراہیں آجا ۔۔۔ غمزدہ کھینچتے ہیں ہجر میں آہیں آجا

آ کہ پھر وقت ہے اعجازِ مسیحائی کا

پردہ رہ جائے ترے دیدہ جبیں سائی کا

جاں بلب تیری جدائی میں ہیں بھارت والے ۔۔۔ منتظر ہیں ترے جلوے کے بھارت والے

دانے دانے کو ہیں محتاج امارت والے ۔۔۔ پست ہمت ہیں جو پہلے تھے جسارت والے

نام لیوا ترے برباد ہیں غم کھاتے ہیں

خاک میں گوہرِ نایاب ملے جاتے ہیں

نام کو بھی نہیں اب شوکتِ ماضی کا نشاں ۔۔۔ خاک اُڑتی ہے وہاں ڈھیر تھے دولت کے جہاں

فکر و تشویش سے فرصت ہی نہیں عیش کہاں ۔۔۔ گردشِ دہر سے ملتی نہیں دم بھر بھی اماں

خاک افتادہ ہیں وہ تھے جو سرافراز کبھی

اس قدر ۔ آہ ! مقدر نہ تھا ناساز کبھی

ہندوستاں کو حاصل نہیں دنیا میں فراغ ۔۔۔ گُل کئے دیتی ہے اب بادِ حوادث یہ چراغ

بارِ افکار سے ہر اک کا پریشاں ہے دماغ ۔۔۔ ایک دل بھی نہیں ایسا نہ ہو جس پر سودا غ

خواب میں بھی نہیں تسکین کا ساماں کوئی

نظر آتا نہیں بہبود کا عنواں کوئی

حال ابتر ہے بہت تیرے پرستاروں کا ۔۔۔ نام دُنیا سے نہ مٹ جائے وفاداروں کا

دیکھنا دل ٹوٹ نہ جائے کہیں بیچاروں کا ۔۔۔ آسرا تیرے کرم پر ہے خطا داروں کا

لے کے اوتار زمانے میں اُجالا کر دے

مرتبہ ہند کا فردوس سے بالا کر دے

فسونِ اُلفت

(از مولوی محمد یعقوب صاحب ڈپٹی پریذیڈنٹ انڈین لیجسلیٹو اسمبلی)

آزادی کی رَو ۔ آزادی کی آندھی اور آزادی کا جنون ایک محشر خیز سرعت کے ساتھ بڑھتا چلا آتا ہے ۔ آزادیٔ تقریر اور آزادیٔ اظہار خیالات کی بڑی قدر کی جاتی ہے ۔ بشرطیکہ وہ دیانتدارانہ ہو ۔

ہندوستان ۔ بدنصیب ہندوستان ۔ ابھی آزادی کی منزل مقصود سے کوسوں دُور ہے لیکن آزادی کے نام پر جان دیتا ہے ۔ آزادی خواہ تقریر کی ہو یا تحریر کی ۔ اعمال کی ہو یا افعال کی ضرور قابل قدر ہے لیکن انسان اور خاص کر متمدن اور مہذب انسان کسی حالت میں غیر محدود اور غیر مشروط آزادی کا اچھی طور سے مطالبہ نہیں کر سکتا ۔ افرادِ انسانی یعنی نوعِ آدم کی زنجیر ہستی کی مختلف کڑیاں ہیں ۔ اور ان میں سے ہر ایک کڑی دوسری کڑی کے تحفظ اور قیام کی ذمہ دار ہے اور اس حد تک خود فطرت نے اس کی آزادی کو محدود کر دیا ہے اگر آپ چاہیں کہ مہذب سوسائٹی میں مادر زاد برہنہ رہ کر زندگی بسر کریں اور اس کو آزادیٔ عمل سے تعبیر کریں تو کوئی ذی ہوش آپ کے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے واسطے تیار نہ ہوگا ۔ اسی طرح آزادیٔ تقریر اور آزادیٔ تحریر ہر ملک میں آئینی قیود کے ساتھ محدود ہے مثلاً کسی شخص کو اس بات کی آزادی حاصل نہیں ہے کہ وہ تحریر یا تقریر کے ذریعہ سے دوسروں کو ارتکابِ جرم پر آمادہ اور برانگیختہ کرے تحریص جرم کے واسطے یہ ضروری نہیں ہے ۔ کہ مخاطب محرک کے سامنے موجود ہو یا مقرر مخاطب سے ذاتی واقفیت اور تعارف رکھتا ہو کسی مقام پر کھڑے ہو کر ایک آتش فشاں مقرر غیر متعارف سامعین کو ہزاروں کوس کے فاصلہ پر ارتکاب جرم کے واسطے آمادہ کر سکتا ہے اور اس حالت میں بعد مقامی اور مخاطب سے ناواقفیت اس کو اغوا کے اخلاقی جرم سے بچا نہیں سکتی ۔ حصول آزادی کے واسطے ملک میں پُرامن اور پرسکون فضا قائم کرنا اور قائم رکھنا ضروری ہے اس لئے حصول آزادی کے لئے ایک حد تک سلب آزادی لازمی ہے ۔ آزادی کا اصلی اور واقعی مفہوم سمجھانے میں بسا اوقات کہن سال اور تجربہ کار مدبر بھی کبھی نادانستہ اور اکثر جان بوجھ کر اپنے نفس کو اور ساری دنیا کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں ۔ دور حاضرہ میں حصول آزادی کے شیدائیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی ہے جو دنیا کے تمام ممالک میں کم و بیش پائی جاتی ہے اور جس کے مشن کا پہلا اور آخری آرٹیکل یہی ہے کہ موجودہ نظام عالم کا خاتمہ کر دیا جائے اور موجودہ ہست و بود کائنات کو توڑ پھوڑ کر فنا کے کھولتے ہوئے ظرف میں ڈال دیا جائے ۔ آئندہ مدنیت کیا صورت اختیار کرے گی اس سے ان کو بحث نہیں ہے نہ وہ اس کی پروا کرتے ہیں کہ ان کی مفروضہ آزادی کے دور میں تعمیر کس نہج سے ہوگی دنیا میں جذبات انسانی زندگی پر بہت کچھ اثر رکھتے ہیں ۔ بغیر جذبات کے عالم کون و مکان بالکل بے کیف اور بے لطف نظر آئیگا ۔ خاص کر حُبِ وطن اور حریت کا دارومدار بہت کچھ جذبات پر ہے لیکن اگر جذبات اور محض جذبات ہی کو عملی سیاست میں مایۂ زندگی قرار دیا جائے تو حصول آزادی سے پیشتر تو حصول آزادی سلب اور نابود ہو کر رہ جائیگی اور طالب و مطلوب دونوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہیگا

ہندوستان ابھی جذبۂ حصول آزادی کی ابتدائی منازل طے کر رہا ہے ۔ "قومیت" جو حکومت خود اختیاری کے حصول میں جزو اعظم ہے وہ یہاں ابتک اگر معدوم نہیں تو کالعدم ہے ۔ بغیر بنیاد بھری ہوئی عمارت بنانیکا خیال کرنا ایک سودائے خام ہے ۔ انقلاب پر خون صرف اُن ممالک میں کامیاب ہو سکتا ہے جہاں امتیاز قوم و ملت مٹ چکا ہو ۔ ہندوستان میں نہ صرف اختلاف مذاہب بلکہ اختلاف نسل ۔ اختلاف زبان ۔ اختلاف روایات اور اختلاف طرز معاشرت تخلیق "قومیت" میں سدِ راہ ہیں ۔ دنیا میں ایک اور صرف ایک ہی عمل ہے جو ان تمام موانع پر غالب آسکتا ہے ۔ اس کا نام "الفت" ہے اور "محبت" ۔ ہندی سادہ لوح اعداوت ۔ کینہ پروری ۔ منافرت اور دل آزاری کو چھوڑ کر "الفت" اور "محبت" کو دل میں جگہ دے ۔ نہ قتل و غارت گری تیری مشکل کو حل کر سکتی ہے ۔ نہ بغاوت اور جنگ جوئی تیرے درد کا درماں بن سکتی ہے ۔ نہ قانون شکنی تیری چارہ ساز ہو سکتی ہے نہ جیل میں فاقہ کر کر کے مر جانے سے تو زنجیر غلامی کو توڑ سکتا ہے ۔ تیرا مدعا اگر بر آسکتا ہے تو "الفت" سے ۔ اور "محبت" سے ہی ہو سکتا ہے ۔ لیکن ۔

منزل الفت کا طے کرنا نہیں آساں ہے

عشق کے جور و الم سہنے کو ہمت چاہیئے

ہندوستان کے مہارشی (پیغمبر) راجہ رامچندر جی کی یادگار

مجھے بہ حیثیت ہندوستانی وسلمان حضرت رامچندر جی پر فخر ہے

(از قلم مولوی غلام محی الدین صاحب بی۔ اے ایل ایل۔ بی قصوری ایڈووکیٹ لاہور)

مجھے بہ حیثیت ہندوستانی کے اس بات پر فخر ہے۔ کہ ملک ہندوستان کے اس برگزیدہ انسان کی یادگار کا دن آنے والا ہے۔ جس کا نام صدیوں سے زندہ چلا آتا ہے۔ اور جب تک تہذیب وتمدن قایم ہے۔ زندہ رہے گا۔ رامچند جی مہاراج دنیا کی برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ہیں۔ جو صدیوں کے بعد کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ افسوس ہے۔ زمانہ نے اور کچھ ملک کے مذاق نے ان کی یاد منانے کی طریق کو بھونڈی شکل دے دی ہے۔ ورنہ یہ ہستی اس قابل ہے۔ کہ آج ہر ہندوستانی بلا لحاظ مذہب وملت ان کے زندگی کے واقعات کو اپنے پیش نظر رکھے۔ اور اپنے لئے مشعل ہدایت بنائے۔ مجھے بہ حیثیت ایک مسلم کے اور بھی زیادہ فخر ہے کیونکہ قرآن کی تعلیم ہے کہ دنیا کے ہر حصے میں پیغمبر آتے رہے ہیں۔ اور میرے لئے تعجب ہوتا اگر میری جنم بھومی یعنی ملک ہندوستان میں جو زمانہ قدیم سے متمدن چلا آیا ہے کسی پیغمبر کا نشان نہ ملتا۔ یہ مقام مسرت ہے۔ کہ میرے ہندو بھائی حضرت رام چندر جی کو اس قطار میں کھڑا کرتے ہیں۔ جو میرے ایمان کے مطابق پیغمبروں اور رسولوں کی قطار ہے اور اس طرح میں اس تعلیم قرآنی کے مطابق حضرت رام چندر جی کو دنیا کے انبیاء میں سے ایک نبی مانتے ہوئے اپنے ادب اور تعظیم کے پھول ان کے قدموں میں پیش کرتا ہوں۔

مذہب کے نام پر لڑنے والے ہندو اور مسلمان اگر نظر غور سے مذہب کی تاریخ کو دیکھیں۔ تو انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ دنیا میں مذاہب نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی مذہب ہے۔ وہ ہر جگہ دیکھیں گے۔ کہ فطرت الٰہی ایک ہی قانون سب کے لئے مقرر کرتی ہے۔ اس پرماتما کی مہربانی دنیا میں سب جگہ مہارشیوں کی صورت میں اپنی رحمت کے فرشتے بھیجتی ہے۔ وہ سب ایک ہی تعلیم دے کر آتے ہیں۔ زمانے اور ملک کے لحاظ سے جزئیات میں کہیں اختلاف ہو تو ہو۔ اصل اصول میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دنیا کے تمام نبی ایک ہی سورج کی شعاعیں ہیں۔ اس لئے وقت آگیا ہے۔ کہ لوگ اس چیز کو سمجھیں اور معلوم کریں۔ کہ دنیا کے ہر حصے میں مہارشی تشریف لاتے رہے ہیں۔ اپنے کلام پاک سے اور اپنے نیک نمونہ سے دنیا میں ہدایت پھیلاتے رہے ہیں۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے۔ کہ ہم اپنی عقیدت کے پھول ان کے قدموں میں پیش کریں خواہ وہ ہندوستان کے ہوں۔ یا عرب کے۔ چین کے ہوں۔ یا جاپان کے۔

حضرت رام چندر جی کی زندگی ایک لحاظ سے موجودہ زمانہ میں ایک افسانہ بن گئی ہے۔ لیکن اس افسانے میں بھی ہم کو دو نمایاں رنگ نظر آتے ہیں۔ یعنی نیکی اور بدی۔ حضرت موصوف کی تمام زندگی کی تفسیر یہ ہے۔ کہ بدی کس طرح بھی طاقتور نظر آئے۔ آخر نیکی سے مغلوب ہو جاتی ہے کیا ایک دوسرے سے بیر کرنا ایک دوسرے سے نفرت کرنا محض اس لئے کہ کوئی ہندو ہے۔ یا مسلمان۔ ایک دوسرے کو اچھوت جاننا ایک دوسرے کے حقوق کو نظر انداز کرنا اس قابل نہیں۔ کہ ہم اس کو راون کی زندگی قرار دیں۔ کیا ہمارا فرض نہیں۔ کہ ہم حضرت رام چندر جی کے مداح اور معتقد ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کے اس ہر گھر کے راون کو مغلوب کریں۔ اگر ہے۔ تو اس دسہرے کے دن ہمیں دیکھنا ہوگا۔ کہ کاغذ کے راون کو جلا دینے سے نہ حضرت رام چندر جی کی روح خوش ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس بھارت ماتا کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اگر ہم ہندوستانی حضرت رام چندر جی کی روح کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اس دسہرے کے دن اور اس وقت جب کہ انجان لوگ کاغذ کی مورتی کو آگ لگا کر خوش ہوتے ہیں۔ اپنے دلوں میں عہد کریں۔ کہ حضرت رام چندر جی کی تقلید کرتے ہوئے ہم حق اور صداقت کی مدد کریں گے۔ خواہ وہ کہیں بھی ہو۔ اور جھوٹ اور پاپ کی مخالفت کریں گے۔ خواہ وہ بظاہر کس قدر بھی طاقتور ہو۔

سیتا اشوک بن وچ

(نتیجہ فکر گیانی ہیرا سنگھ درد ایڈیٹر پھلواڑی امرتسر)

رو رو آکھے سیتا۔ ہائے ہائے میں کی کیتا رام
چھلیاں نے ہائے ڈاڈھا دھوکا دے میں چھلیاں

بنی بن باسنی۔ پیاسنی پیا دی سدا
ہائے تقدیراں پر لکھیاں نہ ٹلیاں

برہوں دی کڑاہی وچ تیل ہے جدائی والا
مل مل تلیاں رو آکھے ہائے تلیاں

ٹھنڈاں۔ ڈھیاں جنگلاں پہاڑاں یا جھلیاں
تیریاں جدائیاں رام جاندیاں نہ جھلیاں

بیٹھی ہی اشوک وچ شوک روپ بنی سیتا
آکھے میرا حال جا کے رام نوں سنائے کون

رام باجھوں گھڑی پل جیوناں حرام میرا
رام نوں ملائے یا پرلوک نوں پہنچائے کون

موت نوں بلاواں کر کھلیاں ہیں باہواں پر
موت بھی نہ آئے مینوں دکھ نوں چھڈائے کون

تیرے ہتھ جیون تے موت میری پران پیا
تیرے باجھ سیتا نوں آ ملائے یا جوائے کون

ہندو جاتی کی سوشل ترقی میں کون کون روک کا وٹ ڈال رہے ہیں؟

غلامی اور آزادی

مان سنگھ ——— اور ——— پرتاب

(مہارانا پرتاب اور راجہ مان سنگھ کی رنگین تصویر کے متعلق منظم)

بزبان مان سنگھ:-

کب تک ستم و جورِ فلک سہتے رہو گے — کب تک فلکِ تیر فگن رام نہ ہوگا
کب تک یہ مصیبت کی گھٹا چھائی رہیگی — کب تک طرب افروزی کا ہنگام نہ ہوگا
حالت پہ تیری آہ۔ مجھے آتا ہے رونا — تجھ سا تو کہیں کشتۂ آلام نہ ہوگا
اِن جنگلوں کی خاک میں کیا رکھا ہے کچھ سوچ — روشن کبھی یوں بختِ سیہ فام نہ ہوگا
چل حلقہ بگوش اپنے شہنشہ کا بنا دوں — جس کے سوا تجھ کو کبھی آرام نہ ہوگا
حق میں کبھی ہوگی نہ ترے گردشِ ایام
جس وقت تک اس کا کرمِ عام نہ ہوگا

بزبان رانا پرتاب:-

تو نے ہی کیا نام مری قوم کا بدنام — دنیا میں کوئی تجھ سا بدانجام نہ ہوگا
تو نے گلے میں ڈال لیا طوقِ غلامی — اور مجھ سے کبھی اِس طرح کا کام نہ ہوگا
رکھنا ہے مجھے تازہ روایاتِ کہن کو — بے راہ رو اِس رہ سے کبھی گام نہ ہوگا
سر میرا جھکیگا نہ کبھی غیر کے آگے — اور جسم مرا لرزہ براندام نہ ہوگا
چتوڑ کا سورج رہیگا اوجِ فلک پر — ڈھل کر وہ کبھی زیرِ لبِ بام نہ ہوگا
بینی ہے جو مجھ کو تو پیوں گا ترو تازہ — لب تشنہ پئے دُردِ تہِ جام نہ ہوگا
ہاں ۔ اُسکی رگوں میں ہے رواں ہندوؤں کا خون
پرتاب مطیعِ شہِ اسلام نہ ہوگا

لاہور یکم اکتوبر

ہندوستان کی قسمت!

(از قلم پروفیسر روچی رام صاحب ساہنی ایم - اے)

ہم آج عالم الغیب کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ مستقبل کے بطن میں ہندوستان کے لئے کیا راز پنہاں ہیں۔ اگر کوئی بات یقینی ہے۔ تو وہ یہہ ہے۔ کہ کروڑوں انسان آج اس ملک میں آزادی کے واسطے تڑپ رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کا مصمم ارادہ کئے بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ تشویش اسکو ہرگز ستاتے ہوئے معلوم نہیں دیتے۔ کہ آزادی کے مندر تک پہونچنے میں ان کو کن کن دشوار گذار راستوں اور پگ ڈنڈیوں سے گذرنا پڑیگا۔ اور کسی کو خیال آتا ہے۔ کہ ذرا حساب لگا کر تو دیکھیں۔ کہ ہندوستان سے آزادی کی کتنی مہنگی قیمت مانگی جائے گی۔ وہ صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ دوسری قوموں نے آزادی کی نعمت کو بڑی بھاری قیمت پر خرید کیا ہے۔ اور ان کو بھی جس بہا قیمت ادا کرنی پڑیگی۔ ان کا اٹل ارادہ ہی ان کی واحد دولت ہے۔ جس کے بل پر وہ میدان جنگ میں کود پڑے ہیں۔ باقی رہا حساب کتاب کا سوال سو وہ کشیپ چندر سین کے اسی مقولہ کے قائل نظر آتے ہیں۔ کہ ایسی باتوں میں حساب لگانا بیوقوفوں کا منطق ہے"۔

Arithmetic is logic of fools

اگر تم فی الحقیقت آزادی کے لئے بیقرار ہو۔ اور تمہارے پہلو میں آزادی وطن کی تڑپ ہے۔ تو اس کے حاصل کرنے کا ایک اور صرف ایک ذریعہ ہے۔ یعنی حساب لگائے بغیر اس کی قیمت کوڑی کوڑی ادا کرنے کے لئے تیار رہو۔

یا تو ہم کو کوئی باعزت درجہ برطانوی سلطنت کے اندر ملے۔ ورنہ سلطنت کے باہر کسی بھی قسم کی جگہ حاصل کرنے کے لئے ہم تمنائی ہوں گے۔ یہہ ہے پُردرد آواز۔ ہمارے دشمن اسے ایک چیلنج قرار دیتے ہیں۔ جو اس وقت قوم کے نمائندہ لیڈروں کی زبان سے نکل رہی ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ یہ صدا ایک گزرا اور دردوکرب میں مبتلا قوم کے گلے سے نکل رہی ہے۔ وہ کل دنیا سے ببانگ دہل پوچھتی ہے۔ کہ ہندوستان کو چھوڑ کر وہ برٹش ایمپائر کہاں ہے۔ جس کی نسبت فخریہ یہہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ کہ وہاں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا۔ کیا لارڈ ڈیلر نے یہہ نہیں کہا تھا۔ کہ ہندوستان کے بغیر برٹش ایمپائر ایک بے معنی فقرہ رہ جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں ہندوستان ہی تو اصلی ایمپائر ہے۔ اس کو چھوڑ کر وہی صورت پیدا ہو جاتی۔ جو Hamlet کے کھیل میں سے Hamlet کا پارٹ حذف کر دینے سے ہوگی۔

ہم نے دو مارلیز کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ہم محسوس کرتے ہیں۔ یہہ وہ مارلے ہیں جس نے صرف دو سال پہلے اپنی مشہور لارڈ برڈ نٹ کے (...) تقریر میں Canadian fur coat کی تمثیل کہا تھا۔ کہ یہ ہندوستان کی پولیٹکل آب و ہوا کے لئے غیر موزوں ہے۔ وہ آدمی نہیں ہو سکتا۔ جس نے جون ۱۹۰۹ء میں انڈین سول سروس کے امیدواروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس کا مطلب وہ نہیں جو اس کے الفاظ سے بالکل صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ایک ماتحت کی حیثیت میں ہندوستان سلطنت برطانیہ کی طاقت میں اضافہ کا باعث ہو تو ہو۔ لیکن اس کی شان و شوکت یا اس کی عظمت و حشمت میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں تو کوئی شک نہیں۔ کہ برطانیہ کو سلطنت ہونے کے جو دعوے ہیں۔ ہندوستان ان کی وقعت کو کم کر رہا ہے۔ اور اس کے باوجود —— ہاں ہاں اس کے باوجود —— واقعہ ۱۸۸۵ء کے بعد سے طاقتور ترین برطانوی سیاست دان یہ سوچتے اور منصوبے گانٹھتے رہے ہیں۔ کہ ہندوستان کو کس طرح محتاج اور ماتحت بنایا جائے۔ نہ صرف برطانیہ اعظم کا۔ ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے تو اس کا ہے ہی —— بلکہ برطانیہ کے ساتھ ان تمام خود مختار نوآبادیات کا بھی جو برطانوی شہنشاہ کی وفاداری کا دم بھرتی ہیں۔ حق تو یہ ہے۔ کہ اس درد انگیز اور جگر پاش امر واقعہ کے احساس ہی نے ہندوستانی لیڈروں کو برطانوی مدبروں اور وزراء کے اعلانات۔ پیغامات۔ قراردوں اور وعدوں کی نسبت بے تابانہ طور پر بے قرار اور نا مطمئن درجہ بے اعتماد بنا دیا ہے۔

رکھیت - پراتھنا!

(از قلم راجہ دلجیت سنگھ صاحب شملہ)

(خاص کرم ویر کے وجے دشمی نمبر کے لئے)

دکھنو کچھو نہ "دلجیت" دو دیش ہند بیچ
بودھ کو جالا جوتی روپ پرگٹایئے۔
آپو داپ تاپ تندور سے تپائے تن۔
سیتل سمیر سکا منا چلائیے۔
چاہنا چنگاری انگاری پھوٹ پھوٹی چت۔
کرپا گھن گھور پریم مینہہ برسائیے۔
جات پات بھید بھاؤ من سے مٹائے ناتھ۔
ایک روپ روپن اکھاونا سکھائیے

۱۸۸۵ء

جیسا کہ میں نے اوپر کہا - واقعہ ۱۸۸۵ء کے وقت برطانوی وزیراعظم نے تمام خود مختار نوآبادیات کے نام اپیل جاری کی۔ کہ روس کے ساتھ جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ سلطنت کی حفاظت کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ اس اپیل کا خاطر خواہ جواب نہایت تیزی اور پھرتی سے دیا گیا۔ لیکن ان نوآبادیات کی طرف سے اشارتاً یہ کہہ دیا گیا۔ کہ اگر زمانہ جنگ میں ہم کو سلطنت کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینی ہے۔ تو ہم توقع رکھتے ہیں۔ کہ غیر ممالک کے ساتھ تعلقات میں برطانوی کارنامہ کے نظام کو چلانے کے لئے ہماری آواز کو وقعت دی جائیگی۔ لیکن وہ نازک موقع بغیر کسی قسم کے قطعی سمجھوتہ کے گذر گیا۔

بیس سال بعد جب جنوبی افریقہ کی کانفرنس کا وجود عمل میں آیا۔ تو یہ احساس کہ اگر سلطنت کو اپنی بڑائی کے بوجھ سے پاش پاش اور منتشر ہونے سے بچانا ہے۔ تو اس کے مختلف ممبروں کی سلطنت کے اندرونی مشوروں میں آواز کو دخل چاہیئے۔ —— جو اب تک کچھ مبہم سی شکل اختیار کئے ہوئے تھا۔ اب نمایاں طور پر ظاہر ہو گیا۔ یہی سبب ہے۔ جس نے اس صدی کے آغازی سالوں میں "امپیریل ترجیح" کے سوال کو جنم دیا۔ ہندوستانی رائے عامہ نے متفقہ طور پر اس نئے اصول و مسئلہ کی مخالفت کی۔ "انڈین اکونامک سوسائیٹی" نے امپیریل ترجیح کے ان ہوائی قلعوں کے متعلق اعلان کیا۔ کہ ہندوستان کے حق میں یہ اقتصادی طور پر ترقی کے لئے سدراہ سیاسی طور پر انتہائی غیر موزوں - اور مالی لحاظ سے تباہ کن ہیں - اکونامک سوسائیٹی کا فتوےٰ تمام ملک کا فتوےٰ تھا۔ آزادانہ تجارت کا پرانا اصول ہندوستان کے لئے کافی ضرر رساں تھا۔ لیکن اس میں ایک بات پسندیدہ تھی - اور وہ یہ کہ اُس نے سستا سے سستا غیر ممالک سے مال خریدنے اور اُن کو مہنگا سے مہنگا فروخت کرنے کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن بخلاف اس کے امپیریل ترجیح کا مقصد یہ تھا۔ کہ اس اصول کو بالکل اُلٹ دیا جائے۔ اس صورت حالات کو انڈین اکونامک سوسائیٹی نے بخوبی واضح کر دیا۔ اُس نے اعلان کیا۔

"اگر ہندوستان چاہتا ہے۔ کہ اس کی صنعتی ترقی دا فرائش معرض التوا میں نہ پڑے۔ اگر وہ چاہتا ہے۔ کہ وہ غیر ملکیوں کے لئے سونے کی چڑیا کا کام نہ دے۔ اور اگر وہ چاہتا ہے۔ کہ غیر ملکی صنعت کاروں کے لئے فائدہ بخش منڈی مہیا نہ کرے۔ تو اس قسم کی سکیم کو مسترد کرنے پر ہی اس کی زندگی کا دارومدار ہے"۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر وی اور فورڈ کے الفاظ بھی پیش کرنے کے قابل ہیں۔ یعنی کہ اقتصادی نجات کے بغیر سیاسی آزادی بے معنی اور فضول چیز ہے۔ اُس نے لکھا :-

"اقتصادی آزادی کے بغیر سیاسی آزادی پہاڑوں کی ان بلند چوٹیوں پر رہنے کے برابر ہے۔ جہاں فضائیں خوشگوار اور مسرت خیز ہیں۔ اور جہاں روحانی مناظر شاندار ہیں۔ لیکن جہاں فاقہ کشی کی تڑپا دینے والی درد انگیز مصیبتیں۔ بے روزگاری اور بے سروسامانی کی تکالیف دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ اور انسان کو اس قابل نہیں رہنے دیتیں۔ کہ وہ ان جنت نشان مناظر کی فرحت افزائیوں سے بہرہ ور ہو سکے"۔

جوزف چیمبرلین نے اس سے بھی زیادہ براہ راست کوشش اس امر کی کی۔ کہ ان خود مختار نوآبادیوں کو بہ حیثیت مجموعی سلطنت کو قسمت کا فیصلہ کرنے میں حصہ دار بنایا جائے اس نے " امپیریل فیڈریشن "۔ کی تدبیر مرتب کی جس کا فائق مفہوم خاص مشترکہ شاہی مفاد کے سوالات پر غور و خوض کرنے کے لئے' ایک "سلطنت کی کونسل" کی بنیاد ڈالنا تھا۔ اس کونسل کا منشا امپیریل اتحاد اور قوت کے "ظاہری نشان اور ذریعہ کا کام دینا تھا" لیکن برطانوی سیاست دانوں کے کسی بھی گروہ نے چیمبرلین سکیم کا گرم جوشی سے استقبال نہ کیا۔ لیکن بیج تو بو دیا گیا تھا۔ اور چند سال کے بعد وہ کافی پھل لایا۔

۱۹۰۵ء میں لنڈن ٹائمز نے ۲۴ مئی کو "ایمپائر ڈے" کی تقریب میں جو اپنا "خاص ضمیمہ" شائع کیا۔ اس میں اس نے اس امپیریل سکیم کی خامیوں کو دور کر دیا۔ اور اسے تفصیلاً برطانوی پبلک کے سامنے رکھا۔ نہ ہی اصل سکیم نے اور نہ ہی ٹائمز کی ترمیم شدہ سکیم نے ہندوستان۔ مصر اور دیگر مقبوضات کو جو سلطنت کے پسماندہ حصے خیال کئے جاتے ہیں۔ کوئی باعزت درجہ تجویز کیا۔ لارڈ ملنر کی ایک تجویز کی تقلید میں " ٹائمز " نے ایک نوٹ لکھا۔ اس نے کہا۔ کہ برٹش سلطنت ایک " مفرد" چیز نہیں۔ بلکہ یہ دو کی " مرکب" ہے۔ اور کہ جہاں خود مختار حصوں کو زیادہ مضبوط بنانے اور ان کے درمیان قریبی رابطہ اتحاد قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ وہاں ہمارا یہ بھی فرض ہے۔ کہ محکوم لوگوں کی ترقی اور نشوونما کے لئے بھی کوشاں رہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ ماتحت حصہ کا سلطنت کے معاملات کا انتظام کرنے کے لئے اکیلا برطانیہ ہی ذمہ دار کیوں ہو۔ خود مختار نوآبادیات بھی اس ذمہ داری میں اپنا حصہ کیوں نہ لیں۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گذرا جب کہ " راونڈ ٹیبل آرگنزیشن "۔ کے نام سے ایک سپیشل منتری کی جو تمام برطانوی سلطنت پر محیط تھی۔ بنیاد ڈالی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ نئے امپیریل آدرش کو مقبول عام بنایا جائے۔ اور بارسوخ حلقوں کا تعاون اس کے لئے حاصل کیا جائے۔

جنگ کے دوران میں اس "راونڈ ٹیبل آرگنزیشن" نے ان اعلیٰ افسران کی امداد اور حمایت سے اپنا پراپیگنڈا کسطرح شروع کیا۔ یہ اظہر من الشمس ہے اس راونڈ ٹیبل گروپ کی روح رواں ہندوستان میں مسٹر لائنل کرٹس و لاش من چرول۔ لنڈن ٹائمز کے نامہ نگار۔ سر (جو بعد میں لارڈ بنے) جیمز مسٹن اور سر ولیم میرس تھے۔ لیکن لائنل کرٹس کا منحوس خط کا قبل از وقت انکشاف نہ ہو جاتا۔ اور ہندوستانی حلقوں میں اس سے پیدا شدہ سنسنی - - - - - - - - نہ ہوتی۔ تو یہ سازش ضرور کامیاب ہو جاتی۔ ہم یہ کیوں کہیں کہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ جنگ کے بعد امپیریل کانفرنس میں سر ایس۔ پی سنہا کی شرکت اور اس کے ساتھ ہی ان کے نائب وزیر ہند مقرر ہونے۔ اور برٹش لارڈ بنائے جانے کے باوجود

ہندوستان کی آئینی پوزیشن میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ وہی رہی ہے۔ جو پہلے تھی۔ بخلاف اس کے " ملنر ٹائمز " کا اصول دو عملی مستقل طور پر تسلیم کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے اس دعوے کی تائید میں کبھی تازہ اعلانات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سلطنت کے " آدھے محکوم حصہ " سے متعلقہ مسائل میں ان خود مختار حصوں کی آواز کو زیادہ تقویت حاصل ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر مصر کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ ابھی اگلے ہی روز مصر کے معاملات کے تصفیہ کے سلسلہ میں یہ صاف طور پر کہا گیا تھا۔ کہ نوآبادیات کا مشورہ لئے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جائیگا اندریں حالات یہ بات معجزہ سے کم نہ ہوگی۔ اگر اگلے چند سالوں میں برطانوی گورنمنٹ نوآبادیوں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ہندوستان کو اپنے ساتھ مساوات کا درجہ دیں۔ تمام حالات اس کے برعکس ہی رہے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے۔ آج ہندوستان اس پر اسرار مرحلہ پر کھڑا ہے

جس سے آگے پتہ نہیں کہ کیا ہے۔ برطانوی مدبر کیسے ہی خوبصورت الفاظ اور چکنی چپڑی باتوں سے ہندوستان کو خوش کرنے کی کوشش کریں۔ یہ ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ کہ وہ باوجود اپنے تمام خلوص کے ساتھ ہندوستان کو اس پوزیشن سے جس میں کہ برطانیہ نے اسے اپنے طرز عمل اور حالات کے تسلسل سے پھنسا دیا ہے۔ نکال سکتا ہے۔

ایام جنگ میں خود مختار نوآبادیات نے برطانیہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ اور غالباً کسی قسم کا سمجھوتہ بھی ہوا تھا۔ لیکن بخلاف اس کے ہندوستانی لیڈران نے گو نہایت وسیع پیمانہ پر اور فراخدلی سے سامان جنگ کی پیشکش تو کی۔ مگر سودا کرنے کی سپرٹ کو بنظر حقارت دیکھا۔ اور آج ان کا جو حشر ہو رہا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مرحوم مسٹر مانٹیگو وزیر ہند زیادہ سے زیادہ جو چیز ہمیں پیش کر سکے۔ وہ ۱۹۱۷ء کا مقدس "اعلان" تھا۔ لیکن وہ بھی شرائط اور پابندیوں کی تین مسلسل دیواروں سے محدود تھا۔ نتیجہ یہ کہ ملک میں مایوسی یعنی اور کشیدگی و علیحدگی کی لہر دوڑ رہی ہے

رام راجیہ میں استریوں کا مان

(از شری نارائن سوامی جی پردھان آریہ سارودیشک سبھا)

سبھیتا کی ایک کسوٹی استریوں کا مان ہے۔ اگر کسی جاتی کی اس کسوٹی پر جانچ کرنی ہو۔ تو دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس قوم کے اندر استریاں کس عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ مغربی جاتیاں جو نہ صرف اپنے کو مہذب سمجھتی ہیں بلکہ دیگر اقوام کو مہذب بنانے کا ٹھیکہ دار بھی سمجھتی ہیں۔ اور اس ٹھیکہ داری کا نام انہوں نے [illegible] یعنی سفید رنگ والوں کا بوجھ رکھ چھوڑا ہے۔ اگر ان کو اس کسوٹی پر جانچا جائے۔ تو نا امیدی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مہذب ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے۔ اور محض ڈھکوسلہ رچا ہوا ہے ایک زمانہ تھا یوروپ میں استریوں کو بے جان پرانی سمجھا جاتا تھا۔ وہ کھلے طور پر کہتے تھے۔ کہ [illegible] کہ استریوں کے اندر روح نہیں ہوتی۔ وہ زمانہ اب یورپ میں نہیں رہا لیکن اب بھی ان کے سب معاملات میں پرشوں کے برابر سب ادھیکار پراپت نہیں ہیں۔ ٹالسٹائی جیسے بلند شخصیت نے اپنی مشہور کتاب " استری اور پرش " میں ایک جگہ لکھا ہے " استری پرش کی طرح بدھی مانک وکاس اور دیگر خصوصیتیں اعلیٰ ہے۔ ایسا سمجھنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے "۔ پھر ایک اور جگہ لکھا ہے " استری بہتان کا خشتر ہے " وغیرہ لیکن پراچین زمانہ میں استریوں کو بھی سبھی پرکار ادھیکار حاصل تھے۔ ان کے بغیر کوئی یگیہ نہیں ہو سکتا تھا وہ راجیہ میں یدھ میں غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے پہلو بہ پہلو استریاں شامل رہتی تھیں۔ جب شترگن نے دواریال کے بتلانے پر منتھرا کو قتل کرنا چاہا تھا۔ تو اگر رام کو معلوم ہو گیا۔ کہ تم نے ایک استری کا قتل کیا ہے۔ تو وہ تم سے پھر کبھی بات بھی نہ کریں گے (دیکھو بالمیک رامائن ۲/۸۷/۲۳) ظاہر ہے کہ استری اس وقت قتل کرنے کے قابل نہ سمجھی جاتی تھی۔ جب کہ یورپ میں رشتہ دار استریاں زندہ جلائی جا چکی ہیں۔

(نارائن سوامی)

ہندوؤں کی تہذیب

سری رام چندر سے خطاب

(از مولانا ظفر علی خاں صاحب مالک زمیندار لاہور)

نہ تو ناقوس سے ہے اور نہ اصنام سے ہے
ہند کی گرمی ہنگامہ ترے نام سے ہے

میں ترے شیوۂ تسلیم پہ سر دھنتا ہوں
کہ یہ اک دور کی نسبت تجھے اسلام سے ہے

ہو وہ چھوٹوں کی اطاعت کہ بڑوں کی شفقت
زندہ دونوں کی حقیقت ترے پیغام سے ہے

تیری تعلیم ہوئی نذر خرافات فرنگ
برہمن کو یہ گلہ گردش ایام سے ہے

نقش تہذیب ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر
تو وہ سیتا سے ہے لچھمن سے ہے اور رام سے ہے

ہندوستانی مذاہب
کوچۂ بدنامی میں!
(از قلم سردار سردول سنگھ صاحب کویشر بی۔ اے)

ہندوستان میں ایک نئی لہر پیدا ہو رہی ہے۔ جو لوگوں کو مذہب سے منکر اور متنفر بنا رہی ہے۔ عام مذاہب کی بنا خدا کی ہستی پر ہے۔ مگر جو نئی رَو چل رہی ہے۔ وہ خدا کی ہستی سے بھی منکر ہے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ اکثر اصحاب جن کو خدا کی ہستی پر یقین ہے۔ اور جو مذاہب کو انسانی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ اس لہر کی پولٹیکل اغراض سے ہمدردی رکھتے ہوئے بھی اس لہر کی وہ مدد نہیں کر رہے۔ جو وہ دوسری حالت میں کرتے۔ میرا خیال ہے۔ کہ اگر اس نئی لہر کے پیدا ہونے کی وجہ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ تو پھر نہ تو مذہب اور خدا پر یقین رکھنے والے اس لہر کی مخالفت کریں گے۔ اور نہ ہی وہ اصحاب جو اس لہر کی پولٹیکل اغراض سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس کی عملی مدد سے اس طرح بھاگینگے۔ جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔

ہندوستانی نوجوان خدا کی ہستی سے اس لئے منکر ہو رہے ہیں۔ کہ جو کچھ خدا کو اُن کے خیال میں کرنا چاہیئے۔ وہ خدا کر نہیں رہا۔ عوام کا خیال خدا کے متعلق صرف اتنا ہی ہے۔ کہ خدا ایک بڑے بادشاہ کی مانند ہے۔ جو ظالموں کو سزا دیتا ہے۔ اور کمزوروں اور بے کسوں کی مدد کرتا ہے۔ نیکوں کو انعام دیتا ہے۔ اور بدوں کو جرمانہ کرتا ہے۔ جب ہندوستانی نوجوان دیکھتے ہیں۔ کہ اُن کے مُلک میں ظالم مزے میں ہیں۔ اور مظلوم کو کوڑے پر کوڑے مار رہے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں۔ کہ نیک ہندوؤں کے پاؤں میں بیڑی پڑتی ہے۔ اور بدوں کو خطاب ملتے ہیں۔ تو وہ خدا کی ہستی سے منکر ہو جاتے ہیں۔ اُن کو خیال ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی خدا ہوتا۔ تو اتنا ادھرم اور پاپ جو اُن کے مُلک میں ہوتا ہے۔ نہ ہوتا۔ جن کو خدا کی ہستی پر یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ یہ خیال درست نہیں ہے۔ مگر اُن کو یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ خدا کی ہستی پر شک بعض وقت دُنیا کی اس عجیب حالت کو دیکھ کر اکثر بڑے بڑے خدا پرستوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت ایوب گردو پیش کی مصائب کو دیکھ کر اس طرح گھبرا اُٹھے تھے۔ جس طرح کہ ہمارے آجکل کے نوجوان۔ اسی طرح حضرت مسیح کے پاؤں اگرچہ خدا کے راستے سے کبھی نہیں لڑکھڑائے۔ مگر ایک وقت آیا۔ کہ اُن کی زبان بھی لڑکھڑا گئی۔ خدا دُنیا کو کس طرح چلاتا ہے۔ نیک کیوں دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ ظالم کو کیوں عروج ہوتا ہے۔ یہ ایسے بھید ہیں۔ کہ ان کو جلدی جلدی سمجھنا آسان نہیں۔ بڑی بڑی ہستیاں ان معموں کو دیکھ کر گھبرا اُٹھتی ہیں۔ تو پھر ہمارے نوجوان محبانِ وطن پر لاٹھیاں برستی دیکھ کر اور غداران قومی کو خلعتوں میں ملبوس دیکھ کر گھبرا اُٹھیں۔ تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے۔

ہمارے نوجوانوں کے مذہب سے متنفر ہونے کا دوسرا بڑا سبب مذہبی مناقشات ہیں اگر کسی شہر میں شہد اور دُودھ کی ندی بہتی ہو۔ مگر اُس کے باشندے لٹیرے ہوں۔ تو لوگ شہد اور دُودھ کو بھول جائیں گے۔ اور لٹیروں کی غارت گری کی وجہ سے وہ شہر بدنام ہو جائیگا۔ بالکل یہی حالت ہندوستان میں اب مذاہب کی ہے۔ اس وقت ہندوستانیوں کے درمیان جو فتنہ اور فساد آپس میں اُٹھ رہا ہے۔ اگر کونسلوں میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ تو وہ مذہب کے نام پر۔ اور اگر بازاروں میں سر پھٹول ہوتا ہے۔ تو وہ مذہب کے نام پر۔ جس طرح لٹیروں کی غارت گری کو دیکھ کر شریف آدمی دُودھ اور شہد کو چھوڑ جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہندوستان میں وہ اشخاص جو مذہبی دنگے اور فسادوں کو مُلک کی ترقی میں ہارج سمجھتے ہیں۔ مذہبوں کی ہستی سے ہی متنفر ہو رہے ہیں۔ مذہب کے برخلاف نفرت پیدا کرنے والے ہمارے نوجوان نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مذہبی لیڈر ہیں۔ جو مذہب کے نام پر لوگوں کو آپس میں لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو اپنے پیٹ کی خاطر ہندوؤں کا گلا مسلمانوں کے ہاتھوں کٹواتے ہیں۔ اور جو مسلمانوں کا گلا ہندوؤں سے۔ اُنہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ عوام جن کا کہ ایسے جھگڑوں میں درحقیقت نقصان ہوتا ہے۔ دیر تک مذہبی پیشواؤں کے دامِ فریب میں پھنسے نہیں رہ سکتے۔ مذہب کے نام کے غلط استعمال کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا۔ کہ باوجود مذہب کی حقیقی خوبیوں کے آخر مذہب بسبب بیرونی آلائشوں کے بدنام ہو جائیگا۔ بیرونی بُرائی کے باعث اندرونی خوبی کی بھی قدر جاتی رہے گی۔

قدیم روس کے لوگ بہت سیدھے سادھے تھے۔ ان کو مذہب اور خدا پر پُورا بھروسہ تھا۔ وہ زار کو مسیح کا اوتار اور اُس کے اہلکاروں کو مسیح کے نمائندے سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ روسی پادریوں نے ان خیالات کے پرچار میں خوب کوشش کی۔ اور جب تک زار اور اُس کے رفیق عوام کی بہتری کے لئے کوشش کرتے رہے۔ لوگوں کو ان خیالات سے ہمسایہ مذاہب کے پادریوں کی بڑی سے بڑی کوشش بھی متزلزل نہ کر سکی۔ انگلستان۔ ہالینڈ۔ سب کے سب پراٹسٹنٹ مذہب میں داخل ہو گئے۔ مگر لوتھر کے پیروؤں نے جب بھی روس کی مذہبی اصلاح کی کوشش کی۔ اُنہیں ناکامیابی ہوئی۔ مگر جب وقت روسی حکام نے پادریوں کے ذریعہ روسیوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک طرف سینٹ پیٹرز برگ میں کروڑوں روپیہ عیش و عشرت کی مجلسوں پر ہر سال خرچ ہونے لگ گیا۔ اور دوسری طرف عوام فاقوں سے مرنے لگے۔ تو انجام یہ ہوا۔ کہ آخر روسیوں نے نہ صرف پادریوں اور زار کے درباریوں کا خاتمہ کرا دیا۔ بلکہ اُن کے ساتھ مذہب کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ آج روس میں نہ وہ گرجے ہیں۔ اور نہ وہ پادری۔ نہ وہ زار اور اُس کے درباری اور نہ مسیح اور خدا۔ بُری چیزوں کے ساتھ اچھی چیزیں جن کی اوٹ میں بُرائی پیدا ہوئی تھی۔ مُلک سے خارج کر دی گئی ہیں۔ ہندوستانیوں میں جن لوگوں کو مذہب سے پیار ہے۔ جو مذہب کو دُنیا کی بہبودی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اُنہیں روس کی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیئے جو

خوابِ غفلت سے اُٹھو دیدۂ دربان بنو
(از منشی چندر بہان صاحب کیفی دہلوی۔ رامجس ہائی اسکول دہلی)

جاں نثارانِ وطن ملک و دل و یکجان بنو — ہند والے بنو ہندو نہ مسلمان بنو

ہوں تمہارے پرِ پرواز کبوتر کی طرح — آشیانے کو نہ بھولو کبھی گردان بنو

ہو زلیخا کی نگاہوں میں عزیزِ مصری — چشمِ یعقوب میں تم یوسفِ کنعان بنو

کھنچتے چونے کی طرح سرخروی حاصل ہو — سبز بختی ہو میسر جو تمہیں پان بنو

کوئی اُلجھن نہ رہے دل کی گرہ کھل جائے — بخت برگشتہ سہی زلف پریشان بنو

بزم میں جشنِ فریدوں کی دکھاؤ شوکت — رزم میں روکشِ صد سام و نریمان بنو

دانش آموز ہو گر غیر کی حکمتِ عملی — ایسی دانائی سے بہتر ہے کہ نادان بنو

ناک میں بیٹھے ہیں اس ملک کی لاکھوں رہزن — خوابِ غفلت سے اُٹھو دیدۂ دربان بنو

جلوہ گر دیر و حرم دونو ہیں کیفی اس میں
وید پاٹھی بنو یا حافظِ قرآن بنو

مُلک کے ناموَر لیڈران و معززّ اصحابؔ کی رائے میں

آریہ اناتھ آلیہ دہلی

بھارت کی راجدھانی کا عالیشان انسٹیٹیوشن ہے

مرکزی شہر ہونیکی وجہ سے دہلی میں چاروں طرف سے یتیم بچے اور لڑکیاں آتی رہتی ہیں جن کا کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا۔ اُنہیں آسرہ دینے کیلئے یہ اناتھ آلیہ عرصہ سے جاری ہے جس میں ہر جاتی کے بچے پرورش پا رہے ہیں جنکی تعداد آجکل ۲۵۰ ہے۔ بالکوں کے لئے انٹرینس۔ پراگیہ وِشارد شاستری تک شکشا کا پربندھ ہے۔ چنانچہ کئی بالک مختلف امتحانات پاس کر چکے ہیں۔ اور دستکاری میں موٹر۔ موٹر سائیکل و ہر قسم کی مشینوں کی مرمت۔ کھاتی کا کام وِنیز درزی کا کام سکھایا جاتا ہے جس کیلئے اب ایک بڑا ورکشاپ بھی تعمیر ہو گیا ہے۔ اِسی پرکار لڑکیوں کیلئے مڈل تک شکشا کا پربندھ ہے جنہیں گھر کا کام کاج کرنا ایک پُرانی تجربہ کار ادھشٹاتری سکھاتی ہیں۔ سولہ سال کی عمر ہو جانے پر لڑکیوں کی اُتم گُن وان وروں کے ساتھ شادی کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک اناتھ آلیہ بہت سی اناتھ لڑکیوں کے وِواہ سمبندھ گرہستیوں میں کر چکا ہے۔ جو آنند کیساتھ اپنا جیون وِتیت کر رہی ہیں۔ بینت و قلعی کا کام خاص طور پر کیا جاتا ہے؂

اس سنستھا کو مختلف معززّ اصحاب

شریمان مہاراجہ شاہ پورا دھیش۔ دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی۔ پرنسپل رامدیو جی آچاریہ گورُوکل کانگڑی۔ دان ویر سری سیٹھ جُگل کشور جی برلا۔ بابو مہندر پرشاد جی ممبر کونسل آف اسٹیٹ۔ بابو نارائن پرشاد سنگھ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔ شری یت جے رام داس دولت رام ممبر کونسل بمبئی۔ رائے بہادر بدری داس جی پردھان آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب۔ لالہ دیش بندھو جی ڈائرکٹر تیج۔ پنڈت دامجندر جی دہلوی۔ مہو اُپدیشک۔ رائے صاحب لالہ گنگا رام جی گورنمنٹ آف انڈیا۔ پروفیسر چھیلانی ایم۔ اے سیکرٹری ایجوکیشن بورڈ۔ لالہ سری رام جی سیکرٹری جنرل کلاتھ مل و وائیس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی دہلی۔ مسٹر جے۔ این۔ جی۔ جونس سابق چیف کمشنر دہلی۔ مسٹر لی۔ ڈپٹی کمشنر دہلی۔ سیٹھ پرمانند ایم۔ اے۔ انکم ٹیکس آفیسر۔ لیڈی بروڈ کمانڈر انچیف ہند۔ پنڈت دیو دھر جی پریذیڈنٹ سرونٹس سوسائٹی آف انڈیا۔ کرنل فرمکلن صاحب سابق سول سرجن دہلی۔ لالہ سنیہ نارائن جی گوڑوالے۔ لالہ لچھمنداس جی۔ لالہ منوہر لال جی بھارگو۔ لالہ رام پرشاد جی و میر محمد حسین جی میونسپل کمشنران دہلی۔ اِسے سویّم دیکھ کر اس کی اُپیوگتا اور حسن انتظام بالخصوص حساب کتاب کے متعلق نہایت اعلےٰ رائے کا اظہار کر چکے ہیں۔

ہندو دھرم شاستروں میں دان اور پرُاُپکار کیلئے بہت زور دیا گیا ہے۔ اور دان کے سچے مستحق اناتھ ہی ہیں۔ اس وجہ سے دانی پرشوں کا دھیان اس طرف دلایا جاتا ہے۔ کہ ہر ایک شبھ اوسر پر دان کے سمے اس مفید اور ضروری سنستھا کا خاص طور سے دھیان رکھیں۔ مرکان کی کمی اناتھ آلیہ کی ایک بڑی اوشکتا ہے۔ اس کی وجہ سے بالکوں کو بہت تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ اناتھ آلیہ کی دوسری ضرورت ۲۵۰ اناتھوں کے لئے گرم کپڑوں اور لحافوں وغیرہ کا مہیا کرنا ہے۔ تاکہ موسم سرما میں اُنہیں تکلیف نہ ہو۔ آشا ہے۔ کہ دانی مہاشے اس میں بھی سہایتا دے کر پُنیہ اور یش کے بھاگی بنیں گے۔

نوٹ یہ سنستھا آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی کے آدھین ہے۔ جس کے پردھان لالہ نارائن دت جی ٹھیکیدار۔ نیز اُپ پردھان لالہ بلاقیداس جی رئیس گوٹے والے۔ لالہ جگن ناتھ پرشاد جی منیجر الہ آباد بنک و رائے صاحب گنگا رام جی ہیں؂

نویدک

(لالہ) نارائن دت ٹھیکیدار گورنر اناتھ آلیہ	(لالہ) گیان چند ٹھیکیدار	شو چرنداس گپتا منیجر آریہ اناتھ آلیہ
پردھان آریہ سماج دہلی چاوڑی بازار	پردھان آریہ اناتھ آلیہ	سیکرٹری آریہ سماج چاوڑی بازار دہلی

G. 38. **Sevaji's boldness in Aurangzeb's Darbar** सेवाजी की गर्ज औरंगजेब के दर्बार में

R. 26 बाली वध **Bali Badh (Killing)**

ایک ایکٹ کا ڈرامہ

جاتیہ کرتویہ

خاص کرم ویر کیلئے

از ناٹیہ چاریہ پنڈت شیدا صاحب مینیجر میڈن تھیٹرز لمیٹڈ کلکتہ

(پہلا سین)

(ستھان شری رگھوناتھ جی کا مندر)

مہنت ۔ پوجاری ۔ براہمن ۔ بھکاری ۔

(رنگ گن وغیرہ آرتی اُتار رہے ہیں ۔ شری رگھوناتھ جی کی مورتی کے آگے پردا تنا ہوا ہے ۔ گھنٹے ۔ گھڑیال ۔ کرتال ۔ جھانجھ ۔ شنکھ ۔ ڈف ۔ نفیری ۔ شہنائی وغیرہ طرح طرح کے باجے بج رہے ہیں ۔ سب محو ہو کر آرتی کر رہے ہیں ۔ آرتی ختم ہونے پر شری رگھوناتھ جی کی جھانکی دیکھنے کے لئے بھگت جن ٹوٹ پڑتے ہیں ۔ امیر پیسے کے بل سے سب سے پہلے درشن کر کے پرشاد اور چرنامرت لے کر واپس جا رہے ہیں ۔ غریب پیچھے دھکیلے جا رہے ہیں ۔ ایک سندر نوجوان لڑکی کا اپنے نوکر کے ساتھ آنا اور مہنت کا اس کو کنکھیوں سے دیکھنا اور سب سے پہلے اُسے پرشادا اور چرنامرت دینے کی کوشش کرنا ۔)

(باہر سے آواز آتی ہے)

آواز ۔ ہٹو ۔ ہٹو ۔ راستہ چھوڑ دو ۔ ادھر سے ہٹ جاؤ ۔ کہاں جا رہے ہو ۔ سُنتے نہیں ہو ۔

مہنت ۔ کیوں جی ۔ کیا ہے جی ۔ یہ کیسا ہلا گُلا ہے ۔ سپاہی مہاشہ ! کون آ رہا ہے ۔ کیا کسی رانی ۔ ٹھکرانی کی سواری آ رہی ہے ۔

سپاہی ۔ رانی ۔ ٹھکرانی کہاں ۔ مہنت مہاراج ! یہاں کے بڑے مجسٹریٹ صاحب کی سواری آ رہی ہے ۔

مہنت ۔ بڑے مجسٹریٹ صاحب کی سواری اور ادھر آ رہی ہے ۔ ہے کھل دل گنجن ! اسر سُہاری ۔ کہیں ہمارا پردہ تو نہیں فاش ہو گیا ۔ ہائے ہائے کہیں ہماری قلعی تو نہیں کُھل گئی ۔ معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے ۔ آکاش کا رنگ بھی تو صاف نظر نہیں آتا ۔ کوئی نہ کوئی آفت ضرور آنے والی ہے ۔ تو کیا سارا ملمع اُڑ گیا ۔ بھانڈا پھوٹ گیا ۔ (کچھ سوچ کر اور کانپتے ہوئے) وہ رات والی لونگا تو کہیں پولیس کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی ۔ ہائے رے ۔ ہماری تقدیر کی گھڑی بگڑ گئی (سواری کو دیکھ کر کانپتے ہوئے) ارے ۔ ارے ۔ ایک طرف ہو جاؤ ۔ س ۔ س ۔ سُنتے نہیں ۔ بڑے مجسٹریٹ صاحب کی سواری آ رہی ہے ۔ (گلے میں کپڑا ڈال کر پالکی کے پاس آنا ۔ مجسٹریٹ صاحب کا پالکی سے اُترنا ۔ سینما والے فلم لے رہے ہیں ۔ فوٹوگراف تصویریں لے رہے ہیں ۔ شہر کے بڑے بڑے رئیس ۔ رائے بہادر ۔ خان بہادر ساتھ ہیں ۔)

مہنت ۔ پالکی کے سامنے کھڑا ہو گیا ۔

مجسٹریٹ ۔ Who is he,
Mr. Bhardawaj.

بھردواج ۔ His holy
priest my Lord.

مجسٹریٹ ۔ Oh! Holy Priest
(ٹوپی اُتار کر)
Very glad to see
you priest!

بھردواج ۔ مہنت جی مجسٹریٹ صاحب آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔

مہنت ۔ کیا کہا ۔ جج صاحب ! مجسٹریٹ صاحب خوش ہوئے ۔ (دل میں) بھگوان ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ۔ جو مجسٹریٹ صاحب خوش ہوئے ورنہ یہاں تو دھوتی ڈھیلی ہو چکی تھی ۔ جان میں جان آ گئی ۔ سچ ہے ۔ چور کی داڑھی میں تنکا (ظاہر طور پر) کیوں نہ ہو ۔ کیوں نہ ہو ۔ حضور مائی باپ ہیں ۔ وہاں ہمیں کیا ڈر ۔ (بھردواج جج صاحب کی طرف دیکھ کر) جہاں آپ ہیں ۔ رائے صاحب ! ان کی خوشی میں ہی ہمارا جینا ہے ۔ عزت ہے ۔ سُکھی رہو بڑے لاٹ صاحب بنو ۔

مجسٹریٹ ۔ What does he
say, Mr Bhardawaj.

بھردواج ۔ giving you
hearty blessings.
May god bless you
with viceroyalty.

مجسٹریٹ ۔ Mr. viceroy,!
Thanks for your
hearty blessing Priest!

(مجسٹریٹ صاحب کا ٹہلتے ٹہلتے مندر کی طرف جانا ۔ جمعدار صاحب کا بمپ شو کھولنے کے لئے جھکنا ۔)

مہنت ۔ ہرے ۔ ہرے ۔ حضور جوتا نہ نکالئے مائی باپ ! حضور ! سرکار کے ولایتی جوتے کی دھول جھاڑنے کے لئے یہ میرا اپنا دوشالہ جس دوشالہ کو میرے دادا گورو نے برسوں اوڑھا ۔ اسی دوشالہ کو حضور کے پیروں تلے بچھاتا ہوں ۔ آج اس دوشالہ کی عزت میں چار چاند لگاتا ہوں ۔

(مہنت کا دوشالہ بچھانا ۔ صاحب کا ہنسنا ۔ اور مندر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر دروازے کے پاس جانا)

مہنت ۔ حضور ! سرکار ! مائی باپ ! یہ ٹھاکر جی کا پرشاد لیجئے ۔ (رگھوناتھ جی کی مورتی کے گلے سے پھول مالا اُتار کر صاحب کو دینا)

مجسٹریٹ ۔ Thanks dear
priest!

(رکھتے ہوئے پالکی میں بیٹھنا ۔ اور ٹوپی اُتار کر سر جھکاتے ہوئے جانا)

پنچ کوڑی ۔ (اخبار بیچنے والا) آج کا ۔ آج کا ۔ آج کا ۔ سماچار ۔ بھیشن سماچار ۔ بابو جی ۔ سیٹھ جی ۔ لالہ جی ۔ شیخ صاحب ۔ جنٹلمین ۔ سر ۔ شریمان ۔ مسٹر ۔ مہاشہ ۔ منشی ۔ مولانا ۔ بیسویں صدی کا زمانہ ۔ شدھی سنگٹھن کا خون ۔ مذہبی دیوانوں کا جنون ۔ لاہور سنٹرل جیل میں ہنگر اسٹرائک زندہ شہید ۔ بھگت سنگھ ۔ دت اور مسٹر داس کی خطرے میں لائف ۔ دہلی میں تڑپتا جینڈال چوکڑی کا کمال ۔ پڑھ لو ۔ دیکھ لو ۔ سوتنتر ۔ وشوامتر ۔ لبرٹی ۔ نیو ایمپائر ۔ بھارت متر ۔ بنگلا دسومتی ۔ بنگالی ۔ بنگ باسی ۔ ڈھاکہ میں ہندوؤں کی ستیاناس (جانا)

(مہنت جی بڑی خوشی خوشی لوگوں کو پرشاد اور چرنامرت دے رہے ہیں ۔ کوئی آ رہا ہے ۔ کوئی جا رہا ہے ۔ تین اچھوت بچوں کا بھیک مانگتے ہوئے آنا ۔ ایک دُدھ مونہا بچہ گود میں ہے)

رودنی ۔ کوئی رستہ نہیں ۔ جینے کا کوئی رستہ نہیں ۔

کمنڈا ۔ آہ ۔ یدی ہم اپنے ہندو بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں ۔ تو باسی روٹی کے ٹکڑے کی جگہ ہزاروں گالیاں آہ گندی گالیاں کھاتے ہیں ۔ اور یدی تنگ آ کر کسی مسلمان کے دروازے پر آواز لگاتے ہیں ۔ تو کافر کے نام سے پکارے جاتے ہیں ۔ دھکے کھاتے ہیں ۔ کُتے کی طرح دھتکارے جاتے ہیں ۔

رودنی ۔ اتنی سختیاں جھیلنے پر بھی بھگوان ہمیں اپنے پاس نہیں بلاتے ہیں ..... (رو کر) ماں ! تو بڑی نصیبوں والی تھی ۔ جو بھوک کے ہاتھوں روز روز کے دکھ اٹھانے سے چھوٹ گئی (ایک سیٹھ کو دیکھ کر) او دولتمندو ! لکھشمی واہنو ! ۔ اگر تمہارے دلوں میں ہمارے لئے دیا نہیں ۔ تو نہ سہی ۔ کنتو اس ۔ اس ننھے پھول پر تو دیا دکھاؤ ۔ ورنہ میری مری ہوئی ماں کی یہ آخری نشانی میرا دُدھ مونہا بھائی بھی اپنا انگوٹھا چوستا چوستا ہی مر جائیگا ۔

سیٹھ صاحب ۔ اری ڈائن ! آہ تو نے تو چوکا لگا دیا ۔ مری ماگھی سنکرانت پر پانی پھیر دیا ۔ ایک تو پہلے سے ہی سردی کے مارے دانت بج رہے ہیں ۔ شریر سانجھ کے کمل کی طرح آپ سے آپ ٹھٹھر رہا ہے ۔ اس پر تو نے اپنی پاپ بھری چھایہ ڈال کر مجھے اپوتر کر دیا ۔ تیرا ستیاناش ہو جائے ۔ (ادھر اُدھر دیکھ کر) کوئی اپنی جات برادری والا تو نہیں دیکھتا ۔ ورنہ سر پر دو سو لوٹا ڈالنے ہی ٹڑی کی ٹیں بول جائیگی ۔ آدھ سیر بادام روغن چاٹنی ۔ تب کہیں شدھ آئے گی ۔ (اپنی جات والے کو دیکھ کر) ہیں کون چودھری اُوجاگر مل (دل میں) ہائے ہائے یہ کہاں سے آمرا ۔ اس بیلے ۔ (ظاہر میں) (زور زور سے) چل ہٹ ۔ دُور ہو ۔ چنڈالنی ! تیرا بھائی مرتا ہے ۔ تو میری جوتی سے ۔ دُور ہو ۔ ڈاکنی ! دُور ہو سامنے سے ہٹ ۔ میرا راستہ چھوڑے گی ۔ کہ نہیں ہیں چڑیل کی بچی ! سنتی نہیں ۔ کیا ہڈی پسلی کھجلا رہی ہے ۔ کیا مرمت کرائے بغیر نہ ہٹے گی ۔ (ڈنڈا اُٹھانا)

کمنڈا ۔ خبردار ۔ کھوسٹ ۔ یدی میری بہن پر ڈنڈا اٹھانا ۔ تو تمہارا سارا تانا بانا بگاڑ دوں گا ۔ تمہارے سر مُنہ کی ساری کچی پکی کھیتی اُجاڑ دوں گا ۔

سیٹھ ۔ باپ رے ۔ یہ ڈولڑا تو بڑا منہ زور ہے ۔ خونی ہے ۔ آدم خور ہے ۔ (بھاگ جانا)

کمنڈا ۔ ڈرو ۔ ابھیمانی ہندوؤ ! ڈرو ۔ غریب کی آہ سے ڈرو ۔ سُنا نہیں ۔

تلسی ہائے غریب کی کبھی نہ خالی جائے
مولے چام کے شواس سے سار بھسم ہو جائے

رودنی ۔ بھائی ! اغریب بھائی ۔

کمنڈا ۔ میری دُکھیا ماں جائی ۔ ارے تنگ دل ہندوؤ ! ..... آہ اگر تمہاری آنکھیں ہوتیں ۔ تو تم ہماری دُردشا دیکھتے ۔ تمہارے کان ہوتے ۔ تو تم ہماری دُکھ بھری آہیں سُنتے ۔ تمہارے سینے میں دل ہوتا ۔ تو اس طرح آئے دن اپنی جاتی کا سروناش

ہوتے ہو۔ یہ دیکھ کر تمہارا دل جوالا مکھی پربت کی طرح پھٹ جاتا۔ کنتو تم دیکھتے ہو۔ سُنتے ہو۔ دل رکھتے ہو۔ مگر ہم اچھوت بچوں کے لئے تمہاری سبھیتہ کے بھنڈار میں۔ تمہارے جانیہ پیار میں نفرت اور پھٹکار کے سوا اور کچھ نہیں۔

روشنی۔ کل سے میرا دُدھ موہا بھیا چھٹانک بھر دُودھ کے لئے تڑپ رہا ہے۔ کنتو تمہارا دل نہیں پسیجتا۔۔

مکندا۔ کیا اس لئے کہ ہم ڈوم۔ اچھوت بچے ہیں۔ مگر اس میں ہمارا کیا دوش۔ ہمارا کیا قصور۔ ہمیں اچھوت کل میں پیدا کرنے والا وہی بھگوان ہے۔ جو تمہارا بھی بھگوان ہے۔ اس لئے تم بھگوان سے لڑو۔ بھگوان سے بدلہ لو۔ کیوں ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پرسوں میری ودھوا ماں کو نگل چکے۔ کیا آج اس ننھے بچے پر تاک لگائے بیٹھے ہو۔ یاد رکھو۔ بھارت واسیو! یاد رکھو۔ یہی تمہاری بھارت بھومی۔ نہیں۔ نہیں۔ راکھشی بھومی میرے ننھے بھیا پر ہاتھ صاف کرے گی۔ تو میں۔ میں۔ میں ننھے بھیا کے خون کا بدلہ ہندو سماج سے لوں گا۔ ہندو جاتی سے لوں گا۔ کوئی نہیں بولتا۔ سب گونگے ہیں۔ کوئی نہیں دیکھتا۔ سب اندھے ہیں۔ کوئی نہیں سُنتا۔ سب بہرے ہیں۔

پادری صاحب (داخل ہو کر) لیکن میں سُن رہا ہوں۔ میرے پیارے بچے تمہارے ننھے ننھے سے دل کی آواز میں سُن رہا ہوں۔۔ بولو۔ تم کیا چاہتے ہو۔

مکندا۔ اپنے اس دُدھ موہنے بھائی کے لئے چھٹانک بھر دُودھ۔۔

پادری صاحب۔ اور۔

روشنی۔ اور پیٹ بھر کھانا۔

پادری صاحب۔ میرے پیارے بچو! آؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں پیٹ بھر کھانا کھلاؤں گا۔

روشنی۔ کیا ہم سب کو کھلاؤ گے۔ دیالو آتما!

پادری صاحب۔ ہاں۔ ہاں۔ میں تم سب کو کھلاؤں گا۔ تمہاری ساری جاتی کو کھلاؤں گا۔ بھگوان یسوع مسیح! مجھے بل دو۔ تاکہ میں ان بھوکے پیاسے بچوں کو مرنے سے بچاؤں۔ اُن کے کام آؤں۔ (تینوں کو ساتھ لے جانا)

مہنت۔ (پرشاد اور چرنامرت دیتے ہوئے ایک ہاتھ میں سمرنی لئے ہوئے) جلدی! رات کو ۹ بجے مندر کے پچھواڑے آنا۔

آج راماین کا بھوگ دُونگا۔ بھوگ۔ میناد بائی! تم بھی بھابی کے سنگ ضرور آنا۔ ہاں سُنا۔ چینو۔ کچھ بنا لو۔ کچھ جمع کر لو۔ ساتھ لینے کے لئے کچھ توشہ جمع کر لو۔ سمے ہے۔ ہندو دھرم دھواؤ! سمے ہے۔ نہیں تو بعد میں پچھتانے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنے کا (سب کا جانا مہنت کا پھر گئو مکھی میں مالا پھرانا شروع کرنا)

گلا بو۔ دُور ہو۔ دُور ہو۔ سامنے سے ہٹو۔ اپنی چھایا کو چھپا لو۔ بس یہی۔ یہی نفرت بھری آوازیں ۲۴ گھنٹے سُننے میں آتی ہیں۔ مانو دسوں دشاؤں نے سرد ہواؤں کے سوگندھت جھونکوں میں نفرت اور ترسکار کے تیر بھرے ہیں۔ جو ایک ایک کر کے ہمارے روئیں روئیں کو چھید کر جگر کے پار ہو رہے ہیں۔ اس پر بھی اپمان کا کُندن ہمیں چوٹی سے پکڑ کر تانڈوی ناچ سکھلانے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ آہ ناچ بھی وہ ناچ۔ جس ناچ میں نفرت ڈف بجاتی ہے۔ دھتکار مندیرا بجاتی ہے۔ ہماری ہنس ہنس کر بھاؤ بتاتی ہے۔ اور بدنصیبی بھوک کی روح قبض از بنت سے گھبرا کر موت کا باجہ بجا بجا کر ہمیں بغیر کفن دیئے مسان پہنچاتی ہے۔ اتنے سازو سامان ہونے پر بھی ہماری جاتی ہماری ہمارے کا بد دلت اچھوت جاتی کو موت نہیں آتی ہے۔ (اپنی چھایہ کو دیکھ کر) چھایہ۔ اچھوت جاتی کی چھایہ۔ دُور ہو۔ دُور ہو۔ تمہیں ہو۔ ہماری بربادی کا کارن تمہیں ہو۔ جاؤ۔ جاؤ۔ ہمیں جینے دو۔ بھگوان کے لئے ہمیں جینے دو۔ جب تک شومئے قسمت کی طرح تم ہمارے جسم کا پیچھا نہ چھوڑو گی۔ تب تک اچھوت جاتی کا اپمان اور ذلت کے ہاتھوں چھٹکارہ نہ ہوگا۔

مہنت۔ (مالا پھراتے ہوئے ہنس کر) پاگل ہے۔ ڈوم ڈا پاگل ہے (پھر مالا پھرانا شروع کر دیتا ہے)

گلا بو۔ دیا کرو۔ رگھوپتی راگھو راجا رام! دیا کرو۔ اور اس کی ناشنی جاتی کی چھایہ سے ہمارا پیچھا چھڑاؤ۔ کیا . . . . کیا . . . . . تم نہ جاؤ گی . . . . ڈائنی! یاد رکھو۔ اگر تم ہمارا پیچھا نہ چھوڑو گی تو . . . . ہم تمہیں . . . . . . بھیلنی کے جھوٹے بیر کھانے والے اس) . . . . اس . . . . . اس . . . . . .

بھگوان رام چندر کے پاس لے جائیں گے۔ (چھایہ کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے) اب کیوں گھبرانے لگی . . . . اب کس لئے پسینے چھوٹنے لگے . . . . ٹھیرو تو سہی۔ اب ہم تمہیں پکڑ کر اس اس مندر میں بیٹھے ہوئے بھگوان کے پاس لے جائیں گے۔ جو اس پتھر کی مورتی سے نکل کر تمہارا بھی تاڑکا راکھشی کی طرح دھونس کر دیں گے۔ . . . .

(چھایہ سے لڑتے ہوئے) دھونس کر دیں گے . . . .

(بار بار یہی کہتے ہوئے مندر کی آخری سیڑھی تک پہنچ جاتا ہے)

مہنت۔ (چلا کر) پکڑو۔ پکڑو۔ نیچ ڈوم ڈے نے اپنی چھایہ سے سارا پرشاد اپوتر کر دیا۔

گلا بو۔ اپوتر کر دیا۔ کیا کہا؟ اپوتر کر دیا۔ کیا اس کشمش کو۔ جو مسلمان میوہ فروش کی ٹوکریوں میں برسوں سڑتا رہا۔ اور اب تمہارے جل کے دو چار چھینٹوں سے پرشاد بن گیا؟

مہنت۔ ہرے۔ ہرے۔ نیچ چنڈال کی چھایہ پڑنے سے۔ میں۔ میرا بھگوان دونوں اپوتر ہو گئے۔ یہاں کی سب چیزیں اپوتر ہو گئیں۔ ستیاناش ہو جائے تیرا۔ بند کرو۔ پوجاری مہاشہ! مندر کا دروازہ بند کرو۔ ایک اچھوت شری رگھوناتھ جی کا درشن نہیں کر سکتا۔ (دروازہ بند کرنا)

گلا بو۔ کیا کہا۔ ایک اچھوت شری رگھوناتھ جی کا درشن نہیں کر سکتا؟

مہنت۔ ہاں۔ ہاں نہیں کر سکتا۔ ایک نیچ ڈوم بھگوان کا درشن نہیں کر سکتا۔

گلا بو۔ تو کیا تم لوگوں نے اکیلے ہی بھگوان کے درشن کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

مہنت۔ ہاں۔ ہاں۔ ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ جاؤ۔ جاؤ۔ دُور ہو۔ چلے جاؤ۔

پوجاری۔ مندر کی سیڑھیوں سے اُتر کر۔ آج سویرے سویرے ڈوم منہ لگا ہے۔ بھگوان جانے۔ آج اَن کا دانا کو بھوجن بھی نصیب ہوگا۔ کہ نہیں۔

مہنت۔ سُنا نہیں۔ کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ جاؤ۔ دُور ہو۔ اپنی اپوتر چھایہ کو چھپاؤ۔

گلا بو۔ بس کرو۔ منتھرے! بس کرو۔ کیا یہی تمہاری دیا ہے۔ جاؤ۔ جاؤ۔ نہیں سن سکتے۔ تمہاری یہ نفرت بھری دُور ہو۔ دُور ہو کی آوازیں ہم بھی اب اور نہیں سُن سکتے۔ یدی ہمارا جیون تمہاری آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اگر ہماری چھایہ تمہیں

اپوتر بناتی ہے۔ اگر ہمارے مُنہ سے نکلی ہوئی رام نام کی دھونی تمہارے ہردے میں پرلے کا طوفان پیدا کرتی ہے۔ تو اپنے اس ذرخرید بھگوان کے پاؤں پڑو۔ ہاتھ جوڑو۔ گھٹنے ٹیکو۔ ناک رگڑو۔ گھنٹہ بجا بجا کر اس سے کہو۔ کہ یہ ہمیں اپنے مُنہ سے اتنا ہی کیول اتنا ہی کہہ دے۔ کہ اچھوت میرے کچھ نہیں ہوتے۔ اچھوتوں کو پیدا کرنے والا کوئی دوسرا بھگوان ہے۔

مہنت۔ ارے واہ رے۔ ڈوم ڈے! کمینے۔ کم اوقات۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ بے حیا۔ اتنی دیدہ دلیری۔ زبان کیا چلتی ہے۔ مانو قینچی کی کتر کتر کو بھی مات کرتی ہے۔ ——— نیچ آتما! تو کیا جانے۔ شاستروں کے گوڑھ بھید۔ بس سو کی ایک بات ہے۔ کہ تو ہمارے بھگوان کے درشن نہیں کر سکتا۔

گلا بو۔ کس کی آگیا سے درشن نہیں کر سکتا۔

مہنت۔ میری آگیا سے۔

گلا بو۔ تمہاری آگیا سے (ہنسنا) تمہاری آگیا سے۔

مہنت۔ (بگڑ کر) ہاں ہاں میری آگیا سے۔

گلا بو۔ تم کون ہو۔

مہنت۔ میں۔ میں۔ شری رگھوناتھ جی کے مندر کا پرتشٹھت مہنت ہوں۔ میں ہندو سماج کا چودھری ہوں۔ میں سناتن دھرمیوں کا پرتی ندھی ہوں۔ سُن لیا۔

گلا بو۔ ہاں۔ ہاں۔ سُن لیا۔ اچھی طرح سُن لیا . . . . . . تو کیا شری رگھوناتھ جی کے مندر کے پرتشٹھت مہنت کا شریر سونے کا بنا ہے۔ اور اچھوتوں کا شریر لوہے کا۔ کیا ہندو سماج کے چودھری کی زبان میں امرت بھرا ہے۔ اور اچھوتوں کی زبان میں زہر۔ کیا سناتن دھرمیوں کے پرتی ندھی کے دل کو سویم برہما نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اور اچھوتوں کے دل کو کیل کانٹی کمہار نے۔ کیا براہمن کھشتری۔ ویشیہ اور شودر کی سیوا اگنی میں لال کر ڈھے ہیں۔ اور ہمارے اچھوت ڈوموں کی سیوا اگنی میں کیڑے پڑے ہیں۔ جو ہم سناتن دھرمیوں کے پرتی ندھی بن کر ایسی نیرس۔ دُکھ بھری خوفناک آگیا سُنا کر ہمیں ڈرا رہے ہو۔ ترسکار نہ کرو۔ اچھوت جاتی کا اتنا اپمان نہ کرو۔ ورنہ بھارت کی سات کروڑ آتماؤں سے رام راجیہ ہو کر اُجاڑ ن چھین لیا جائیگا۔ بھارت کے وشال ماتھے پر تم چاند کی طرح ہمارے ہری۔ وشنو اور ترمیتی تک کو دھرم والے لوٹ ڈالیں گے۔

باقی کے لئے دیکھو صفحہ ۵۹

اپنے گریبان میں منہ ڈالو

از رائے بہادر دیوان درگا داس صاحب ریٹائرڈ اسپکٹر جنرل پولیس پنجاب

کسی دانا نے برسات میں مینڈکوں کی آوازوں سے ایک برائی کی سچائی کا اظہار کیا ہے۔ ایک مینڈک بولتا ہے۔ پدرم سلطان بود پدرم سلطان بود۔ دوسرا دانا بزرگ مینڈک جواب دیتا ہے تراچہ۔ تراچہ۔ بعینہ یہی حالت آج ہماری ہے۔ کسی قومی برائی کا ذکر کرو تو جواب دیا جاتا ہے۔ کہ اس کی وجہ پرائی گورنمنٹ ہے۔ جب اپنی گورنمنٹ ہو جائیگی۔ تو یہ برائی خود بخود دور ہو جائیگی۔ اس ذہنیت کا نتیجہ لازمی یہ ہو رہا ہے۔ کہ برائی دور ہونی تو درکنار۔ الٹا ترقی کر رہی ہے۔ ہندو مسلمان تنازعات کو لے لیجیئے۔ حالت تو یہ ہے۔ کہ کوئی ہندو مسلمان پر اور کوئی مسلمان ہندو پر دلی اعتبار نہیں کرتا۔ اور معمولی بہانوں پر دل کی بھڑاس قتل خونریزی اور لوٹ کی صورت میں نکالی جاتی ہے۔ مگر بعد ازاں دونوں قوموں کے اصلی یا خود ساختہ لیڈر اس آڑ میں لوگوں کی اشک شوئی کرتے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ حکومت اور اس کے پٹھوؤں کی کارستانی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بغض۔ عناد۔ بے اعتباری تعصب اور بدلہ نکالنے کا جذبہ وغیرہ ویسے کے ویسے قائم رہتے ہیں۔ جو پھر کچھ عرصہ بعد جہاد اور غارتگری کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر اس کے برعکس بجائے دوسرے پر الزام لگانے کے اپنی اپنی قوم کی زیادتی کا سچا اور باحوصلہ اظہار کیا جاوے۔ تو یہ آئے دن کے فساد جو اب ہو رہے ہیں۔ دور ہو جاویں۔ اگر بہ نظر تعمق دیکھا جاوے۔ تو مذہب کسی صورت میں بھی فساد اور قتل کی تلقین نہیں کرتا ہے۔ دنیا میں ہر جاندار قدرتی طور پر سکھ اور راحت کا خواہاں ہے۔ اور اسی کے واسطے کوشاں اور سرگرداں ہے اس مسلمہ بات سے کسی کو انکار ہو نہیں سکتا ہے۔ اب اگر ہم اسی قدرتی جذبہ کی مذہب کے زاویہ نگاہ سے پڑتال کریں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر ایک مذہب میں ممنوعات نفسی ہی ہیں۔ جن کا ارتکاب ایک انسان کو سزا کا مستوجب بناتا ہے۔ مثلاً چوری مت کرو۔ جھوٹ نہ بولو۔ پرائی بہو بیٹی کی طرف بری نظر سے نہ دیکھو۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ امورات بھی ہر ایک مذہب میں ایک ہی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے برعکس باقی جو ہر ایک مذہب میں ہدایات درج کی ہیں۔ وہ ایک ایک فرد کی اپنی اپنی روحانیت کی ترقی کے واسطے ہیں۔ پھر اگر ایسی حالت ہے جو مسلمہ طور پر ہے۔ اور جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہو سکتی ہے۔ تو جائے غور ہے۔ فساد اور جھگڑے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے۔ موجودہ گورنمنٹ کو ان فسادات کا ذمہ وار قرار دینے کے لئے ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے۔ کہ عہد سلطنت مغلیہ میں یہ فسادات نہیں ہوتے تھے۔ مگر اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کہ اس وقت لڑنے والی قوموں میں سے ایک حاکم اور دوسری محکوم تھی۔ اسی لئے آجکل بھی عیسائیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں فساد نہیں سنا جاتا اور پھر اگر دلیل کی خاطر ایک منٹ کے واسطے یہ تسلیم بھی کر لیا جاوے۔ کہ موجودہ گورنمنٹ ہی ان فسادات کو اپنے مفاد کی خاطر رغبت دلاتی ہے۔ تو بھی یہ کہاں کی دانائی اور مردمی ہے۔ کہ ہم ایک غیر کی اکساہٹ اور بہکاوے سے ایک دوسرے کا سر پھوڑنے لگ جاویں۔ مزید براں اس بہانہ اور دلیل کو پیش ہی کرنا کیا اپنی بے وقوفی کمزوری۔ بزدلی۔ نالائقی اور ناقابلیت کی کھلے بندوں تسلیم نہیں ہے۔ جو قوم ان باتوں کو خود تسلیم کرتی ہے۔ وہ کس منہ سے حکومت کی اہلیت کا دعوے کرتی ہے۔ میرا اس مضمون سے کوئی پولیٹیکل مقصد ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ ہی گورنمنٹ کی امداد میرا مطلب ہے۔ بلکہ میرا مقصد خالص یہ ہے۔ کہ میں بزرگان قوم و عزیز نوجوانوں کی توجہ اپنی ناچیز اپیل سے اس طرف مبذول کراؤں۔ کہ تاوقتیکہ ہم ایک لائق ڈاکٹر کی طرح جو مریض کی چیخ و پکار کی پرواہ نہ کرتا ہوا اس کی جان بچانے کی خاطر چاقو کے استعمال میں دریغ نہیں کرتا ہے۔ اپنے مرض کی صحیح تشخیص کا اظہار اور پھر اس پر علاج ایمانداری سے نہیں کرتے ہم کامیاب نہیں ہونگے۔ اور قومی ترقی بہت مشکل سے حاصل کریں گے۔ تنزلی دامنگیر رہیگی۔

سیتا سوئمبر

از قلم پنڈت منموہن لال صاحب دیوانہ مصنف انودھ موتی - لاہور

راجے رانے دیس دیس دے شہ زور چھبیلے - پہن کے وستر اطلسی رنگ ساوے پیلے
بیٹھے مچھاں وٹ دے وچ آکڑ بھاری - اک دوجے نوں گھوردے جودھے ہنکاری
اکھ دھنش تے رکھ کے بیٹھے ویکھن سارے - کیویں ٹٹسی ہر کوئی ایہہ سوچ وچارے

ہویا حکم جاں اٹھ کے سب واروواری - لگے توڑن دھنش نوں واہ لا کے ساری
ہلیا نہ پر کسے توں شرمندے ہوئے - بھری سبھا وچ سورمے کل جیوندے موئے
وڈا سب توں سورما راون بلکاری - اٹھیا چھیکڑ گج کے اک للکارا ماری
بھریا غصے جوش دا ہتھ دھنش نوں پایا - ٹھکیا گیا نہ دھرت توں بل سارا لایا
ویکھ نتیجہ جنک نے ایہہ آکھ سنایا - کی ہیں سبھاں مرد نہیں کوئی ایتھے آیا
جیہڑا دھنش اٹھایا - دھی میری بھولی - ہلیا اوہ نہ کسے توں کنج دیواں ڈولی
مچھاں والے سورمے جودھے بلکاری - لاج لوا کے بنس نوں بیٹھے ہنکاری
کوئی نہ دسدا دیس وچ جو دھنش اٹھاوے - میرے سر توں بھار لاہ جے مال لٹاوے
سیتا میری جگ وچ جے رہی کواری - دکھی رہیگی رات دن ایہہ آیو ساری
سنکے گل ایہہ جنک دی دو گبھرو سوہنے - کھڑ کھڑا کے ہس پئے بانکے منموہنے
اک نے اٹھ کے سبھا وچ ایہہ آکھ سنایا - کہندا کون اے مرد نہیں کوئی ایتھے آیا
میں حیران ہاں کس گلے راجہ گھبرایا - ایس معمولی دھنش لئی کل دیش بلایا
اپنی آکھ کے سورمے لچھمن دے بھائی - ٹوٹے کیتے دھنش دے جے مال پوائی
وجے واجے خوشی دے راجے شرمائے - نموں جھانے ہو کے مڑ گھر نوں آئے
سیتا رانی رام دی بن گئی دلوانہ - جے بلوندا جہاں اج کل زمانہ!

اس پر خوشبو ڈالنے سے دور نہیں ہوتی۔ اس کی بو کسی عرصہ کے واسطے بند کی جا سکتی ہے لیکن اس کو پورے طور پر مٹانے کے واسطے اس کا جلانا یا ہٹانا ہی کارگر ہو سکتا ہے۔ میں خیال نہیں کر سکتا۔ کہ کوئی سمجھدار ہندوستانی دیانتداری سے ان خرابیوں کی موجودگی میں کسی دوسری قوم کے فرد کے سامنے اپنا منہ اونچا کر سکتا ہے۔ پس میں نہایت ہی عجز اور انکساری مگر پورے زور کے ساتھ اپنے نوجوان عزیزوں سے اپیل کرونگا۔ کہ وہ خود غرض مطلب پرست اور خود ساختہ رہنمایان کی باتوں اور بہکاوے میں آنے کی بجائے ان نقائص پر جو ہم لوگوں کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور پورے زور کے ساتھ ان کے دفعیہ کی کوشش کریں۔ جب نقائص دور ہوں گے۔ اہلیت خود بخود آ جاوے گی۔ اس وقت مسلمہ قانون قدرت کے بموجب بھی دنیا کی کوئی طاقت آپ کو آپ کے منتہائے مقصود سے محروم نہ کر سکیگی۔ اور گوہر مقصود سے آپ کا دامن خود بخود بھر جاویگا۔ بصورت دیگر سوائے محرومی و ناکامی اور کوئی حالت ناممکن ہے۔ کیا میرے عزیز میری اس ناچیز اپیل پر غور کرینگے پرماتما کرے۔ کہ میں ایک ہی صادق نوجوان کے دل پر اثر کرنے کے قابل ہو سکوں۔ کیونکہ مجھے موجودہ حالات کی موجودگی میں اندیشہ ہے۔ کہ اکثر اصحاب کی جانب سے دلیل کا جواب نہ ہونے کی صورت میں بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے اس کا اوچھا جواب یہی دیا جاویگا۔ کہ یہ ایک رائے بہادر کا اور اس لئے گورنمنٹ کے پٹھو کا مضمون ہے۔

دلت جاتیوں کی سمسیا کا حل

(از قلم لالہ دیوی چند صاحب ایم اے)

دلت قوموں کا سوال مذہبی۔ مجلسی۔ اقتصادی اور پولیٹیکل اہمیت رکھتا ہے۔ جو سوسائیٹی ان لوگوں میں کام کرنا چاہتی ہے۔ اُسے کامیابی حاصل کرنے کے لئے ان سب پہلوؤں کی طرف دھیان دینا چاہیئے۔ یہ سوال اتنا آسان نہیں۔ جیسا کہ سرسری نظر سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سوال کے حل میں مختلف طاقتیں مخل ہیں۔ جب تک اُن طاقتوں کا ہمارے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ اس سوال کا حل نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ وہ طاقتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلام۔

(۲) عیسائیت۔

(۳) پرانے دقیانوسی خیالات کے ہندو۔ عام ہندوؤں کی ذہنیت۔ اُن کی لاپرواہی وتنافت۔

(۴) آدھرمی۔ جو کہ اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ کھلم کھلا یہ پرچار کرتے ہیں۔ کہ اچھوت ہندو نہیں ہیں۔ جو کونسلوں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں ہندوؤں سے علیحدہ نیابت مانگ رہے ہیں۔ سوراجیہ کی تحریک کے سخت مخالف ہیں۔ گیتا اور سوامی کو ضبط کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواستیں کر رہے ہیں۔ یہ تحریک نہایت خطرناک ہے۔ اس کی تہہ میں دوسری طاقتیں ہیں۔ جو ہندوؤں کو کمزور کرنے کے درپے ہیں۔

(۵) گورنمنٹ ملازمین۔ جو بیگار و تعلیم کے بارے میں حکام بالا کے احکام کے برخلاف کام کرکے ان غریب مظلوم بیچاروں کو تنگ کرتے ہیں۔

(۶) دلت جاتیوں کے اندر تفریق۔ جس طرح دیگر ہندوؤں کے اندر ذات۔ پات اور اونچ۔ نیچ کا بھاؤ موجود ہے۔ ویسے ہی یہ ہماری دلتوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ ایک دلت قوم اپنے آپ کو دوسروں سے افضل اور اعلیٰ تر سمجھتی ہے۔

(۷) دلتوں کے بعض اوقات ناواجب مطالبات۔ ان مطالبات کو کوئی سوسائٹی پورے نہیں کر سکتی۔ زمین۔ ملازمت۔ مالی امداد۔ عام تعلیم وغیرہ ایسے مطالبات ہیں۔ جنہیں کوئی سوسائیٹی پوری نہیں کر سکتی۔ زبردست اور امیر عیسائی چرچ بھی ان کے مطالبات کو پورا کرنے میں ناکامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھنا چاہیئے۔

(۸) ہندوؤں کے اعلیٰ اخلاق۔ بعض اوقات ہمارا دوست یا غلط تصور شدہ اعلیٰ اخلاق ہمارے راستہ میں روکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ ہم اس کی پناہ لے کر اور نفرت اپنے تعلقی کا وطیرہ اختیار کرتے ہیں۔ اس اخلاق کی سختی سے تنگ آکر ہمارے لاکھوں بھائی اور بہنیں ہندو دھرم کی ناانصافی سے کہ غیر مذہب کی شرن لے کر تسکین پاتے ہیں۔ اگر ہندو بطور قوم کے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو اپنے مفروضہ اعلیٰ اخلاق کو ذرا ڈھیلا کریں۔ اور ان بندگان خدا کو اپنی قوم میں آزادی سے رہنے اور سانس لینے کی اجازت دیں۔ جو بدقسمتی سے اتنے اعلیٰ اخلاق کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ جس درجہ کے اخلاق کی کہ ہم ہر ایک سے توقع رکھتے ہیں۔ قوم میں نیک و بد سب کو جگہ ملنی چاہیئے۔

دلتوں میں کام کرنے والی سوسائٹیوں کا کام اس وقت کانگریس۔ ہندو مہاسبھا۔ آریہ سماج اور سناتن دھرم سبھا۔ یہ چار سوسائیٹیاں ہیں۔ جو کہ دلت ادھار کے سوال کو حل کرنے کے لئے کام کر رہی ہیں۔ ان کا نقطہ نگاہ اور کام کرنے کا طریقہ گو علیحدہ ہے۔ مگر علت غائی سب کی ایک ہے۔ جہاں تک ممکن ہے۔ ان سب سوسائیٹیوں کے اندر co-operation کواپریشن تعاون ہونا چاہیئے۔ ایک دوسرے کے برخلاف کام کرنے سے اپنی طاقتوں کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

آریہ سماج کے طریقہ کار پر اعتراضات

آریہ سماج کے طریقہ کار پر دو زبردست اعتراضات یہ ہیں۔

(۱) یہ معدودے چند کو اپنے اندر پردلیش کرتا ہے۔ اور بڑی بھاری تعداد کو یونہی چھوڑ دیتا ہے۔ اس اعتراض میں اصولاً صداقت نہیں۔ اگرچہ عملاً ہو۔ اپنی محدود طاقتوں کی وجہ سے آریہ سماج کروڑ اچھوتوں کی ویدا مرت پان اگر نہیں کرا سکا تو اس میں قصور آریہ سماج کا نہیں۔ اگر ہندو ہماری مالی امداد کریں۔ اور ہماری مخالفت نہ کریں۔ تو ہم سب کو وید کے جھنڈے تلے جلد لے آویں۔ ہمارا اصول اور ہماری خواہش اس بات کے متقاضی ہیں۔ کہ ہم دلت بھی ایک ایسی طرح کبھی ایسی نہ رہے۔ جو اچھوت یا دلت کہلا سکے۔

(۲) جو آریہ سماج میں پردلیش ہو جاتے ہیں۔ وہ غیر پردلیش شدہ سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ غیر پردلیش شدہ اسلام و عیسائیت میں چلے جاتے ہیں۔ آریہ سماج نے اس قسم کی نفرت یا بائیکاٹ کا اپدیش ہرگز ہرگز نہیں دیا۔ اور نہ ہی ایسی مثالیں نظر آئی ہیں۔ کہ غیر پردلیش شدہ لوگ پردلیش شدگان کے ہاتھوں تنگ آکر مسلمان یا عیسائی بن گئے ہیں۔ غیر پردلیش شدگان کی تعداد پردلیش شدگان سے کہیں بہت زیادہ ہے۔ پنجاب کے ۲۰ لاکھ اچھوتوں میں سے ابھی تک صرف ۳ لاکھ آریہ سماج میں پردلیش ہو چکے ہیں۔ اور ۱۶ لاکھ آریہ سماج کے دائرہ اثر سے باہر ہیں۔ ۳ لاکھ ۱۶ لاکھ کو تنگ نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے۔ کسی ایک دو مقامات پر سوشیل اصلاح کے خیال سے پردلیش شدہ لوگوں نے غیر پردلیش شدگان پر مجلسی دباؤ ڈالا ہو۔ مگر اس کے لئے آریہ سماج ذمہ دار نہیں ہو سکتی یہ اس ہندو ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ جس کے اچھوت ہماری طرح ابھی تک شکار ہیں۔

آریہ سماج ان لوگوں کے اندر کسی دنیاوی و ملکی غرض سے کام نہیں کر رہی۔ ہم ہندوؤں کی آبادی کو بڑھانے یا کونسلوں میں ہندو رائے دہندگان کی تعداد بڑھانے۔ یا آبادی کے تناسب پر پولیٹیکل حقوق کی تکمیل کی خاطر ان لوگوں میں کام نہیں کر رہے۔ ہم محض انسانیت کے بھاؤ سے پریرت ہوکر ان کا اُدھار کرنا چاہتے ہیں۔ اور سوراجیہ کی پراپتی کے بعد بھی جب موجودہ پولیٹیکل و دنیاوی اغراض مفقود ہو جائیں گی۔ آریہ سماج کا کام ان لوگوں میں اسی رفتار اور بھاؤ سے جاری رہیگا۔ جیسے کہ اب ہو رہا ہے۔

دلتوں کی ضروریات

(۱) اقتصادی حالت کا بہتر ہونا۔

(۲) تعلیم۔

(۳) مجلسی و مذہبی حقوق کی عطائیگی۔ ہندو مہاسبھا نے مجلسی حقوق عطا کئے جانے سے متعلق تو قرارداد میں پاس کی ہیں۔ مگر ابھی تک ان کو مذہبی حقوق مثلاً وید کا پڑھنا اور گائتری کا جاپ وغیرہ ہندو مہاسبھا دینے کے لئے تیار نہیں۔

(۴) سرکار کی طرف سے ان کو ملازمت میں لئے جانے کے لئے سہولیتوں کا بہم پہنچایا جانا۔ نیز ان کو پسماندہ قوموں کی فہرست میں شمار کرکے ان کو زمین ریاست اور ٹھیکہ کا اختیار دیا جانا۔

اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہندوؤں کو اپنی ذہنیت کو بدل دینا چاہیئے۔ ان سے محبت و پریم کرنا چاہیئے۔ ان کو تمام مجلسی و مذہبی حقوق عطا کر دینے چاہئیں۔ ان کی مالی حالت کو بہتر بنانے میں کوشاں ہونا چاہیئے۔ اگر ہو سکے تو ان میں سے لائق اشخاص کو کونسلوں و کمیٹیوں میں جانے کے لئے امداد دینی چاہیئے۔ دلت لوگوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے۔ کہ اُن کا بھلا ہندوؤں کے ساتھ رہنے میں ہے۔ نہ کہ اُن سے الگ ہونے میں گورنمنٹ کی شرن لے کر وہ پولیٹیکل حقوق شاید حاصل کر لیں۔ مگر کوئی گورنمنٹ ان کو مجلسی و مذہبی حقوق عطا نہیں کر سکتی۔ سائمن کمیشن اُن کے واسطے علیحدہ نیابت کی سفارش تو کر سکتا ہے۔ مگر ہندوؤں کو یہ حکم نہیں دے سکتا کہ تم ان کو کنوؤں پر چڑھنے دو۔ ان کے بچوں کو اپنے مدرسوں میں پڑھنے دو۔ ان کو اپنے مندروں میں جانے دو۔ اور ان کو گائتری کے جاپ اور وید کے پڑھنے کا حق عطا کر دو۔ یہ چیزیں اُن کو ہندوؤں سے الگ ہونے پر نہیں مل سکتیں۔ لہٰذا دلتوں کا بھلا اسی بات میں ہے۔ کہ وہ ہندو قوم کا انگ بنے رہیں۔ اور ہندوؤں کو بھی چاہیئے۔ کہ زمانہ کی نزاکت و موجودہ حالات کا مطالعہ کرکے وہ ان لوگوں کو ہندو دھرم میں رہنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ ورنہ اُن کو کسی روز کف افسوس ملنا پڑیگا۔ اور دنیا اُن کی نادانی۔ جہالت۔ تنگدلی۔ لاپرواہی۔ اور کوتاہ اندیشی پر ہنسا کرے گی۔ اوم شم

دسہرے کا آم

ازقلم بابو گوکل ارناتھ صاحب

خوشنویس جناب منگسلال سوہل

دلچسپ افسانہ

(پہلا)

"جی رہنے دو۔ ان چوچلوں کو! مرد پریم کرنا کیا جانیں!"

منوہر نے پریمیا کے منہ پر محبت کی مہر ثبت کرتے ہوئے کہا۔ "پریمیا! یہ تم کیا کہتی ہو۔ مرد تو پریم کے بھوکے ہیں۔ جہاں پریم کی جھلک دکھائی دی۔ وہ سر کے بل دوڑے ہوئے جاتے ہیں۔"

"جھوٹی بات ہے۔ مردوں کا پریم جھوٹا ہے سراب کی مانند ہے۔ سمندر کی لہروں کے مشابہ ہے۔ لہر اٹھتی ہے۔ کنارے کی طرف بڑھتی ہے مگر پھر واپس لوٹ جاتی ہے۔ مردوں کی محبت کا بھی بالکل یہی حال ہے۔ ان کی محبت کو قیام نہیں۔ جسے تم لوگ ایک دن دل وجان سے چاہتے ہو۔ اسے دوسرے ہی دن دھتکار دیتے ہو۔ اور ایسا روکھا برتاؤ کرتے ہو۔ جیسے پہلے کبھی جان پہچان ہی نہ تھی!"

"اور تریا چرتر تو زمانے بھر میں مشہور ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عورت سر سے پاؤں تک فریب کا مرقع ہے!"

"بس! اسی برتے پر پریم کا راگ الاپتے تھے۔ سوامی! جس عورت کو آپ فریب کا مرقع کہتے ہیں۔ وہی عورت پریم کی خاطر اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔ کیا ساوتری کا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا؟ سیتا کو ہندو بھول جائیں گے؟ پدمنی کو میواڑ کی سرزمین فراموش کر دے گی؟ ——— ایسی ایسی ہزاروں دیویاں اس بھارت ورش میں پیدا ہوئیں۔ اور ہوتی رہیں گی۔"

"پریمیا! وہ دن گئے جب خلیل خان فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اب تو یہ محض افسانے ہیں افسانے! کوئی اعتبار تک نہیں کرتا۔"

"نہیں ناتھ! اب بھی ایسی دیویاں موجود ہیں۔ جو پتی بھگتی کو ہی اپنی زندگی کا سب سے بڑا آدرش سمجھتی ہیں۔"

منوہر نے تمسخر آمیز ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک تم ہی تو ہو؟"

"ناتھ! میں تو کیا ہوں گی۔ میں تو ان کے پاؤں کی دھول سے برابر بھی نہیں۔ مگر ہاں! وقت آنے پر دکھا دوں گی۔"

"کیا دکھا دو گی؟ آجکل کی لڑکیاں بیوہ ہونے پر جھٹ دوسری شادی کر لیتی ہیں۔ چھ مہینے بھی تو صبر نہیں کر سکتیں۔"

"نہیں سوامی! یہ آپ مردوں کی بات کہہ رہے ہیں۔ جو تین تین شادیاں کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی طبیعت سیر نہیں ہوتی!"

"اچھا پریمیا! اگر خدانخواستہ میں مر جاؤں تو ———"

پریمیا نے منوہر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہنے لگی "بس اور آگے نہ بڑھیے!"

منوہر نے پریمیا کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "پریمیا! سچی بات ہے۔ مرنا تو سب نے ہے۔ پھر خوف کیسا؟ اگر میں مر گیا۔ تو تم کیا کرو گی؟"

پریمیا کے دل سے ایک ٹھنڈی سانس نکلی۔ وہ مایوسانہ لہجے میں بولی۔ "میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

"سچ کہتی ہو؟ ——— کوئی گواہ!"

"ایشور! نیلا آسمان! چاند۔ ستارے اور یہ سہانی رات!"

"پریمیا! تم شاعر ہو!"

"نہیں سوامی! میں شاعر ہوتی۔ تو آج کی رات کو اور بھی خوشگوار بنا دیتی۔ مگر افسوس! کہ میں شاعر نہیں ہوں!"

"شاعروں میں کوئی سرخاب کا پر تو لگا ہی نہیں ہوتا۔ جو شخص اپنے خیالات کا اظہار خوش اسلوبی سے موزوں الفاظ میں کر سکتا ہے۔ وہی شاعر ہے۔ پریمیا! میں خوش قسمت ہوں کہ میرے حصے میں تمہارے جیسا لال آیا ہے۔"

یہ کہہ کر منوہر نے پریمیا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور چاندنی رات میں چکور کی طرح اس کے چاند سے چہرے کو پرشوق نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

پریمیا شرما گئی۔

منوہر بولا۔ "پریمیا! پہلے ایک چاند تھا۔ اب دو ہو گئے۔ ایک چاند تو وہ ہے۔ جو لامحدود زمانے سے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ میں چمک رہا ہے۔ مگر ایک چاند زمین پر بھی موجود ہے۔ اور وہ تم ہو۔ چاہے دنیا مانے یا نہ مانے۔ مگر میرے تاریک ترین دل کو روشن کرنے والی تم ہو۔ میں تو اپنا چاند تم ہی کو تصور کرتا ہوں!"

یہ کہہ کر منوہر نے پریمیا کا ہاتھ پھر پکڑ لیا۔ پریمیا ہاتھ چھڑا کر بھاگتی ہوئی بولی۔ "بس رہنے دو۔ کیوں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہو۔ چند روز بعد مجھے ہی پرانے جوتے کی مانند اتار کر پھینک دو گے۔ اس وقت چاند تو کیا میری وقعت ایک مدھم ٹمٹماتے ہوئے ستارے سے بھی کم ہو جائے گی۔"

(دوسرا)

(ف) دولت منوہر پر قربان تھی۔ وہ ماں۔ باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ مگر بے حد فرماں بردار! لوگ کہتے تھے۔ کہ یہ آجکل کے زمانہ کا رام ہے۔ کیا مجال کہ والدین کا حکم ٹال دے۔ اس کے پتا لالہ ہربھگوان لاہور میں مجسٹریٹ تھے۔ وہ بارسوخ آدمی تھے۔ منوہر نے اسی سال بی اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اور اب آئی۔ سی۔ ایس میں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ شادی اسی بیساکھ میں ہوئی تھی۔ اس کی بیوی پریمیا ایک شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ ماں۔ باپ نے اسے اعلے تعلیم دی تھی۔ وہ صورت اور سیرت دونوں میں بے مثال تھی۔ اس نے آتے ہی منوہر پر ایسا جادو کیا۔ کہ اس کا دل مٹھی میں لے لیا۔ اب پریمیا تھی اور منوہر! پریمیا کو دیکھے بغیر منوہر کے حلق سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نیچے نہ اترتا تھا۔

جب سے پریمیا میکے گئی تھی۔ منوہر کا دل اداس ہو گیا تھا۔ اگرچہ ڈاک کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک خط آتا تھا۔ دوسرا جاتا تھا۔ مگر اس سے محبت کے متوالوں کی پیاس نہ بجھتی تھی۔

چند روز بعد دسہرہ آ پہنچا۔ منوہر نے ہر قسم کی سیفٹی پن۔ کریم۔ فیس پوڈر اور ریشمی رومال وغیرہ کتنی ہی چیزیں خرید کر پریمیا کو بطور تحفہ بھیجیں اور پریمیا نے اس کے بدلے ایک جڑاؤ انگوٹھی سوامی کے چرنوں میں ارپن کی۔ منوہر نے اس انگوٹھی کو چوم کر اپنے دائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں پہن لیا۔

لاہور میں دسہرے کا تہوار نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ پریڈ کے کھلے میدان میں آم کے درختوں کے جھنڈ کے آگے شام کے وقت بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ جس میں لاکھوں آدمی شامل ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے انگریز افسر اور لیڈیاں کیمپوں میں بیٹھ کر تماشہ دیکھتی ہیں۔ کاغذی لنکا اور راون کے قد آور بڑے بڑے بتوں کو آگ لگائی جاتی ہے۔ چٹاخ۔ پٹاخ سینکڑوں گولے پھٹتے ہیں۔ رنگین آتشبازی خوب بہار دکھاتی ہے۔ آگ کی روشنی اور دھوئیں سے تمام آسمان سرخ رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ قریب ہی ریت کی تہ میں پڑی ہوئی پرانی چھوٹی سی ندی کا منہ بھی یہ تماشہ دیکھ کر سرخ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں کھیل تماشے ہوتے ہیں۔

لالہ ہربھگوان منوہر کے ساتھ میلے میں موجود تھے۔ اتنے میں منوہر کا کلاس فیلو روشن لال آیا۔ اور منوہر کو میلے کی سیر اور تفریح کے لئے اپنے ساتھ لے گیا۔

دھندلی شام چاند اور ستاروں سے جگمگاتی ہوئی رات میں تبدیل ہو رہی تھی۔ راون کے کاغذی بت جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے تھے۔ جلے ہوئے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ہزاروں ٹکڑے آسمان میں اڑتے پھر رہے تھے۔ میلے کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ چاروں طرف ایک شور سا مچا ہوا تھا۔ جسے دیکھو وہ اپنی ہی دھن میں مست چلا جا رہا تھا۔ بھیڑ اس قدر تھی۔ کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ مگر پھر بھی راستہ نہ ملتا تھا۔ سرکلر روڈ کے پل کے پاس ہی گنے والے گنے بیچ رہے تھے۔ اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ سڑک کے کنارے ایک عورت بیٹھی ہوئی چلا رہی تھی۔ اس کا چار سالہ بچہ میلے میں کھو گیا تھا۔

اتنے میں یکایک اسی پل کے پاس زور کا دھماکا ہوا۔ ہوا میں چیخوں کی آواز گونج اٹھی۔ کتنے ہی لوگ وہاں پر گر گئے۔ راستہ بند ہو گیا۔ اور جو بچ رہے۔ وہ حواس باختہ تھے۔ جدھر جس کا سینگ سمایا۔ بھاگ کھڑا ہوا۔

پولیس کا بگل ہوا۔ سپاہی گھوڑے دوڑاتے ہوئے وہاں پر آ پہنچے۔ اور زخمیوں کو حلقے میں لے لیا۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ صرف چاند کی مدھم روشنی پولیس والوں کی مددگار تھی۔ مگر اس روشنی میں یہ معلوم کرنا مشکل تھا۔ کہ کون مرا ہے۔ اور کون جیتا ہے۔ چاروں طرف شور مچ گیا۔ کہ بم پھٹا ہے۔ لوگوں کے کلیجے دہشت کے مارے کانپ اٹھے۔ دلوں پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ اور چاروں طرف سرگوشیاں ہونے لگیں۔ پولیس نے ہنٹروں کی مدد سے لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔ اور سرچ لائیٹ کے ذریعے زخمیوں کو دیکھنے لگی۔

نظارہ نہایت خوفناک تھا۔ ایک کے اوپر ایک پڑا تھا۔

چاروں طرف خون ہی خون بکھرا ہوا تھا۔ کوئی مر چکا تھا۔ اور کوئی درد کے مارے کراہ رہا تھا۔ کسی کو اپنے تن بدن کی سُدھ نہ تھی۔ کئی عورتیں اور بچے بھی اس بم کا شکار ہو گئے تھے۔

مثل مشہور ہے جتنے منہ اتنی باتیں! بم سے متعلق ہر ایک کا جُدا جُدا خیال تھا۔ ایک کچھ کہتا تھا۔ دوسرا کچھ! کسی کا خیال تھا۔ کہ یہ پولیس کی اپنی ہی شرارت ہے۔ دوسرا بولا۔ "جی نہیں! یہ اُن لوگوں کا کام ہے۔ جو ہندو اور مسلمانوں میں نفاق کا بیج بونا چاہتے ہیں۔"

لوگ گروہ در گروہ قدم قدم پر کھڑے تھے۔

لالہ ہر بھگوان بھی موقعہ پر موجود تھے۔ اتنے میں ایک دوڑتا ہوا اُن کے پاس آیا۔ اور گھبرائی ہوئی زبان سے بولا۔

"چاچا جی! منوہر کا پتہ نہیں لگتا۔ وہ کچھ دیر پہلے میرے ساتھ تھا۔ جب ہم لوگ اسٹیل کے قریب پہنچے۔ تو زور کا دھماکا ہوا۔ میں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ منوہر نہ معلوم کہاں چلا گیا۔ جلدی تلاش کروائیے۔"

اب تک تو لالہ ہر بھگوان ایک منتظم کی حیثیت سے دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اور دیکھ کر گھبرا رہے تھے۔ پولیس کے انتظام میں مدد دے رہے تھے۔ مگر اب اپنے دل کو تھام کر ہوش و حواس جاتے رہے۔ گھبراہٹ سے ان کا چہرہ۔ سب انسپکٹر کو بلا کر کہنے لگے "بھائی! جلدی کرو۔ میرا منوہر نظر نہیں آتا۔ وہ بھی کہیں اس مصیبت کا شکار نہ ہو گیا ہو؟"

انسپکٹر بولا "حضور! لا دیاں آ رہی ہیں زخمیوں کو شفا خانہ پہنچا دیا جائیگا۔ ہم لوگ خود ہی جلدی کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو اپنے لڑکے کے متعلق کچھ شک ہے۔ تو آئیے دیکھ لیتے ہیں۔ میرے پاس سرچ لائیٹ موجود ہے۔"

(تیسرا)

(س) سپاہی۔ انسپکٹر اور مجسٹریٹ زخمیوں کے ڈھیر کی طرف بڑھے۔ لالہ ہر بھگوان بدحواس باختہ ہو رہے تھے۔ انہیں اس وقت لوگوں کی تکلیف دکھ کا تو خیال نہیں تھا۔ خیال تھا۔ تو صرف منوہر کا۔ وہ اسے جی جان سے چاہتے تھے۔ اُسے اپنی زندگی کا سہارا سمجھتے تھے۔ پیری کا عصا اور قوت بازو خیال کرتے تھے۔ وہ لاشوں کے ڈھیر پر جُھک گئے۔ زخمی چلا رہے تھے۔ کوئی ماں ہائے ماں! کہہ کر شور مچا رہا تھا۔ کوئی درد کے مارے آسمان سر پر اُٹھا رہا تھا۔ کوئی دو گھونٹ پانی کے لئے منہ پھاڑے ہوئے تھا۔ انہوں نے کسی کی آواز پر کان نہ دیئے۔ زخمیوں اور مردوں کو اس طرح اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے لگے۔ جیسے اناج کی بوریوں کو! کسی کی بیکسی یا فریاد نے اُن پر اثر نہ کیا۔

آخر لاشوں کے نیچے دبا ہوا منوہر مل گیا۔ اس کا تمام جسم زخمی ہو رہا تھا۔ کپڑے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اور بالکل بے سُدھ پڑا تھا۔

لالہ ہر بھگوان وہیں زمین پر بیٹھ کر رونے لگے۔ کبھی اُس کا منہ چومتے تھے۔ کبھی اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ اور کبھی اُسے پیار سے بلاتے تھے۔ مگر اب زبان بند ہو چکی تھی۔ منوہر کی روح عرش معلّے کی سیر کر رہی تھی۔ جسم مٹی کا ڈھیر بنا ہوا سڑک پر پڑا تھا ——— منوہر اس دنیا میں نہیں تھا۔

لالہ ہر بھگوان اپنے بیٹے کی لاش کو لے کر سیدھے ہسپتال پہنچے۔ کہ شاید جان کہیں اٹکی ہو۔ اور منوہر بچ جائے۔ مگر امید کا ستارہ ٹوٹ کر نیچے گر چکا تھا۔ اب اس کا روشن ہونا ناممکن تھا۔

شفاخانہ والوں نے لاش کا معائنہ کیا۔ اس میں جان نہیں تھی۔ ڈاکٹر لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

منوہر کی ماں نے جب یہ خبر سنی۔ تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ہوش و حواس گم ہو گئے۔ عقل کھو بیٹھی۔ اور پاگلوں کی مانند چھاتی پیٹنے اور سر دُھننے لگی۔ منوہر اُس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ اُسی کی صورت دیکھ کر جیتی تھی۔ اُسی کی خاطر اُس نے ہزاروں دُکھ اُٹھائے تھے۔ سادھو۔ سنتوں کی سیوا کی تھی۔ پیر۔ پیغمبروں کی منتیں مانگی تھیں۔ خیرات بانٹی تھی۔ دیوی دیوتا پر بھینٹ چڑھائے تھے۔ تب کہیں جا کر لال کی صورت دیکھی تھی۔ لیکن وہ بھی جوان ہو کر چلتا بنا۔

اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اُلٹے سیدھے کپڑے پہن کر روتی پیٹتی گھر سے تنہا ہسپتال کی طرف روانہ ہوئی۔ شہر میں ہلچل تو پہلے ہی سے مچی ہوئی تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ یہ لالہ ہر بھگوان مجسٹریٹ کی بیوی ہے۔ جو گھر سے بھول کر بھی گاڑی کے بغیر باہر قدم نہ نکالتی تھی۔ اور آج ہوا کی تیزی کے ساتھ بیٹے کی لاش پر رونے کے لئے اکیلی بھاگی جا رہی ہے۔

لوگوں نے سمجھا۔ یہ بھی کوئی دُکھیا عورت ہو گی۔ جس کا کوئی عزیز یا رشتہ دار بم کا نشانہ بن گیا ہے۔

منوہر کی ماں چیختیں مارتی ہوئی اور پاگلوں کی مانند بھیڑ کو چیرتی ہوئی جائے وقوعہ پر جا پہنچی۔ مگر اب وہاں پر کیا تھا؟ لاشیں اُٹھ چکی تھیں۔ زمین پر کہیں کہیں خون کے دھبے پڑے تھے۔ وہاں پر پولیس کا زبردست پہرہ تھا۔ پولیس والوں نے بڑھیا کو روک لیا۔ وہ وہیں پر بیٹھ کر رونے لگی۔

ایک کانسٹیبل بولا "مائی! یہاں پر کچھ نہیں ہے۔ تمام لاشیں بڑے ہسپتال میں جا چکی ہیں۔ اگر جانا ہے۔ تو وہاں جا۔ یہاں کیوں آئی ہے؟"

بڑھیا اُلٹے پیروں واپس آئی۔ گھر میں لالہ ہر بھگوان پہلے سے ہی پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے بہتیرا سمجھایا۔ بتایا۔ کہ جو ہونا تھا۔ وہ ہو چکا۔ اب منوہر واپس نہیں آ سکتا۔ ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ مگر ماں کی ممتا کہاں ہی جاتی ہے۔ باپ اُس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

(چوتھا)

(د) جب یہ خبر پریما کے میکے میں پہنچی۔ تو اُس پر غم و اندوہ کے بادلوں سے بجلی گری۔ اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ ایک درد انگیز چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ ہاتھوں اور پاؤں کی طاقت سلب ہو گئی۔ بدن سرد پڑ گیا۔ حالت مردوں سے بدتر ہو گئی۔

تقریباً دو گھنٹے کی جد و جہد کے بعد ذرا ہوش میں آئی۔ تو پھر پاگلوں کی مانند بکنے لگی۔ اُس کے والدین لڑکی کے دُکھ کو خوب سمجھتے تھے۔ مگر کر ہی کیا سکتے تھے۔ ابھی شادی کو پورا ایک سال بھی تو نہیں ہوا تھا۔ کہ یہ حادثہ پیش آیا۔ شروع شروع میں چوڑیاں جو نیا بیاہ [illegible] دُلہن کو عموماً ایک سال تک پہننی پڑتی ہیں۔ پریما کے ہاتھوں میں تھیں۔ اب وہ چوڑیاں اُسے توڑنی پڑیں گی۔ شادی کے بعد یہ جوانی کی پہلی بہار تھی۔ جس نے پھل کھلانے۔ جب اُسے اپنی مصیبت کا دھیان آتا تھا۔ تو وہ کلیجہ تھام کر رہ جاتی تھی۔ پر تبار دن دھوتی سے ال [illegible] ... اور ساتھ کی سکھیوں [illegible]

ہماری رام لیلا

(نتیجۂ فکر منشی لچھمی پرشاد صاحب مضطر لکھنوی)

ہو جائے آشکار جو ہم پر بنائے فرض
گھر سے ہمیں کے ترک کا جامہ اگر چلیں
گر عجز لو کمان کا حاصل شرف ہے
لچھمن کی طرح قوت بازو جو کام آئے
سیتا ہمارے واسطے صدق و صفا ہے
مثل نکھار جذبۂ مہر و وفا ہے
لنکا کا راستہ ہمیں ہر رنگ ذرا ہو
آنکھوں کا سرمہ راہ مصیبت کی خاک ہو
یارانہ جو صبر سے ہو سگریو کی صفت
انگد کی طرح اپنا جو ثابت قدم رہے
تاب و توان سے کام اگر نیل و نل کا لیں
دل مثل ہنومنت جو ذی مقدرت ہو
غفلت کے کمبھ کرن کو نذر فنا کریں
راون انانیت کا اگر ہو سپرد خاک

دل میں بسان رام ہو شوق ادائے فرض
پھر حصول فتح کمر باندھ کر چلیں
رخ ناوک خیال کا سوئے ہدف رہے
خواب خورش کا لب پہ نہ بھولا نام آئے
سکھ دے دیا ہمارے لئے سب بھلا سکے
یا والمیک شیوۂ فقر و فنا ہے
وشنت الم میں رنج و دکھ کی بہار ہو
دامن [illegible] حسرت کلفت ہی چاک ہو
بکرم جی کی دین جو امداد دے کو عزت
بہر مصاف ہمت عالی ہم ہے
ٹل دم زدن میں [illegible] مصائب پہاڑ دیں
ایشور کی یاد اس میں بھبکن صفت رہے
نخوت کے میگھناد کا ہم خاتمہ کریں
پورن فتح نفس کی جو کریں جنگ ہو کر [illegible]

زیبا ہے تب کہ جشن و دھوم منائیں ہم
بام فلک پہ اپنا پھریرا اڑائیں ہم

ہندو سوسائٹی کی سوشل اصلاح

(از قلم مسٹر گیا پرشاد صاحب سنہا۔ ممبر لیجسلیٹو اسمبلی مظفر پور بہار)

آجکل اکثر دیکھا جاتا ہے۔ کہ لوگ سیاسی معاملات میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اور یہ قدرتی بات بھی ہے۔ غلام ملکوں کے لئے سب سے پہلے غلامی کو دُور کرنے کی کوشش کرنا ہی اوّلین کام ہے۔

دوہا

پرادھینتا دکھ مہا سکھ جگ میں سواَدھین
سکھی رمت سکھ بن وِشے کنک پنجر دین

لیکن غلامی سے نجات پانے کے لئے بھی تو مجلسی کمزوریوں کا دُور کرنا ضروری ہے۔ جس سماج میں طاقت۔ ہمت۔ کیرکٹر قومیت وغیرہ کی کمی ہے۔ اُسے کمزور ہی سمجھنا چاہیئے۔ وہ شاہراہ آزادی پر کبھی گامزن نہیں ہوسکتی۔ مکان بنانے کے لئے بنیاد کا مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔ جس طرح ریت پر دیوار نہیں کھڑی رہ سکتی۔ اسی طرح کمزور بنیاد پر مکان تعمیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سچ ہے۔ کہ مجلسی رسُومات قبیح کی اصلاح کیلئے بھی کافی اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ اور یہ اختیارات سیاسیات کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے ہی سے مل سکتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ مجلسی اور سیاسی حالتیں ایک دُوسرے پر اچھی طرح اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور جو سماج اپنی ترقی چاہتا ہے۔ اُس کے لئے لازم ہے۔ کہ اپنے سب انگوں پر کا خیال رکھے۔ اور اُنہیں مضبوط بنانے کی زبردست کوشش کرتا رہے۔ میرے کہنے کا مطلب ہے۔ کہ سوسائٹی میں جو برائیاں داخل ہوگئی ہیں۔ اُن کو دُور کرنا اور سوسائٹی کو مضبوط بنانا قومی تعمیر کا بہت بڑا حصہ ہے اگر آپ ہندو سوسائٹی کی اس گری ہوئی حالت پر نظر ڈالیں گے۔ تو آپ کو فوراً معلوم ہوجائیگا۔ کہ اس میں کتنی ایسی برائیاں آگئی ہیں۔ جن کے باعث یہ سوسائٹی کمزور منتشر ہوکر دشمنوں کا شکار بن رہی ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ سماجک سنگٹھن کے لئے اُسے مضبوط بنایا جاوے۔ میں صرف ایک دو باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ چھوت چھات۔ اس سوسائٹی میں بہت بڑا مرض ہے۔ جن جماتیوں کو ہم اچھوت کہتے ہیں۔ اُن میں سے اگر تمام نہیں۔ تو بہت سی ایسی ہیں۔ جو گئو۔ گنگا۔ رام اور کرشن کے ماننے والی ہیں۔ جن کے دھارمک بھاؤ ہم لوگوں سے کسی پہلو میں بھی کا حوصلہ تک نہیں کر سکتے۔ یہ چھُوت چھات کا مرض ہندو سوسائٹی کی پیشانی پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ اور ہم لوگوں کا فرض ہے۔ کہ اس بدعت کو جلد تر دُور کردیں۔ بال وِواہ بے جوڑ کی شادی۔ اور بڑھاپے کی شادی وغیرہ بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں۔ جن سے ہماری سوسائٹی میں بہت

کم نہیں لیکن دکھ اور شرم کی بات ہے۔ کہ ہم اُن کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور اُن سے چھُونا بھی پسند نہیں کرتے۔ لیکن جب وہ اپنے دھرم سے بھرشٹ ہوکر دُوسرے مذہب میں جا پھنستے ہیں۔ گئو۔ گنگا اور رام و کرشن کی ہنسی اُڑانے لگتے ہیں۔ اُس وقت ہم اُن کو اپنے برابر بٹھاتے ہیں۔ عزت کے ساتھ اُن سے ہاتھ ملاتے ہیں۔ اور نفرت کرنے

سی خرابی پھیل رہی ہے۔ کچھ سماجک سبھائیں بھی اس طرف دھیان دینے لگ گئی ہیں۔ کھشتری سبھا۔ بھومی ہار سبھا۔ کائستھ سبھا۔ اور کچھ اور سبھائیں کچھ نہ کچھ ایجی ٹیشن کرتی ہی رہتی ہیں۔ لیکن میں یہ تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ان کا اثر جتنا ہونا چاہیئے۔ وہ نہیں ہوا۔ چھوٹی لڑکیوں کی شادی کی رسم تو اور بھی نقصان دہ ہے۔ جسمانی طاقت کا نربل ہونا ملک اور قوم کے لئے اچھا نہیں۔ لیکن ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو دھرم کے پوتر نام پر اس رواج کو قایم رکھنا چاہتے ہیں۔ میرے کہنے کا یہی مطلب ہے۔ کہ قومی زندگی کے لئے۔ قومی تعمیر کے لئے اور ملکی ترقی کے لئے۔ آزادی کے لئے سنگٹھن کے لئے مجلسی بدعتوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا بہت ہی ضروری ہے ٭

کرم ویر کے سمپادک مہاشہ جی نے مجھے جو دسہرہ انک میں کچھ لیکھ لکھ بھیجنے کے لئے درخواست کی ہے۔ میں اُس کے لئے انہیں دھنواد دیتا ہوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے۔ میں شملہ میں ابھی لیجسلیٹو اسمبلی کے جھمیلوں میں پھنسا ہُوا ہوں۔ اور لیکھ لکھنے کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل ہے۔ لیکن میں نے یہاں دو چار شبد کہہ کر اُن کی اچھیا کا پالن کیا ہے ٭

اسیری اور بہار

(از منشی خدا بخش صاحب اظہر امرتسری)

کرن خورشید کی میخانۂ مشرق سے جب اُٹھکر
سنہری ہاتھ کے جب فطرت سے بیتابی ملتے ہیں
نکلتی ہیں گلوں کی نکہتیں جب سیرِ عالم کو
سکوتِ شب ہوں کیوں جذبِ شوق انگیز نغموں میں
شعاعِ مہر عالمتاب بیتابی سے گرتی ہر
طیور زمزمہ پیدا کی امواجِ ترنم سے

شرابِ نور کی کرتی ہے بارش صحنِ گلشن پر
شفق کا غازۂ رنگین سحر کے روئے روشن پر
نسیم کیف پرور کے فلک پرواز توسن پر
شعاعِ مہر زخمہ زن ہے سازِ صبحِ روشن پر
لبانِ برق نوا ہنستی ہے شبنم کی خرمن پر
رواں ہوتا ہے موسیقی کا دریا ہر نشیمن پر

قفس میں مجھکو یہ کہکے صبا بے چین کرتی ہے
بہار آئی ہے اے اظہر تری شاخِ نشیمن پر

ہندو سماج کا راج روگ - بقیہ صفحہ ۵

کرنے کیلئے چھوت پن سے چھٹکارا مل سکیگا۔ اور اسی کی موت سے شدھی کامیاب ہوگی۔ جات پات کی موجودگی میں ہوا جس کی کامنا بھی ایک مرگ ترشنا ہے اسلئے ویش جاتی کے ہر ایک ہتیشی کا یہ پرم دھرم ہے۔ کہ وہ جات پات کے ناش کے لئے تن۔ من اور دھن سے کوشش کرے۔ تبھی ہندو سماج اور بھارت ماتا کی کلیان ہوگی ٭

غدار

(راجپوتوں کی جنگ آزادی کے ایک واقعہ پر سبق آموز ڈرامہ ایک سین میں)

"مان سنگھ اور پرتاپ"

مکرم ویر کے وجے دشمی نمبر کے لئے خاص طور پر لکھا گیا

(رانا پرتاپ کے دربار میں گفتگو)

چندردت - مہاراج کی جے ہو - اکبر کی فوجیں بڑی تیزی سے اس طرف بڑھتی چلی آتی ہیں -

پرتاپ - ہاں - ہاں - مجھے معلوم ہے - میں نے جنگل کے لوگوں کو حکم دے دیا ہے - کہ انہیں بھوکوں مارا جائے - نہ کچھ کھانے کو دیا جائے - اور نہ آگے بڑھنے کا رستہ بتایا جائے -

چندردت - سارے لوگ آپ کے ساتھ ہیں - وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے - کہ اس پوتر بھومی پر ترکوں کا راجیہ ہو -

پرتاپ - ایشور ان کی اچھیا پورن کریں گے - مجھے اپنی قوت بازو پر یقین ہے - ضرورت صرف اس بات کی ہے - کہ انسان کسی بھی مصیبت میں نراش نہ ہو

چندردت - سب لوگ ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دیں گے - لیکن اتنا چاہتے ہیں - کہ کب تک یہ جنگ ختم ہو جائے گی -

پرتاپ - بہادر سردارو - اس کا جواب آپ خود دے سکتے ہیں - میرے لئے صرف اتنا کہنا ہے - کہ جب تک میواڑ کو ترکوں کے اثر سے واپس نہ لاؤں گا - جب تک اپنی ماتری بھومی کو آزاد نہ کرا لوں گا - میں کبھی آرام سے نہ بیٹھوں گا - کیا آپ نے میرا حکم نہیں دیکھا - میں نے رسوئی سے چاندی اور سونے کے برتن ہٹوا دیئے ہیں - گھاس پر سونے کا پرن کیا ہے - جب تک میرا وطن آزاد نہ ہو جائے -

چندردت - ایشور آپ کے سر پر ہو ہماری تلواریں آپ کے ساتھ ہیں -

سنگدیو - (دوسرا سردار تلوار نکال کر سلامی اتارتا ہے) جے ہو میواڑ دیش کی جے ہو -

پرتاپ - ایشور تمہاری اچھیا پورن کریں - کہو کیا خبر ہے

سنگدیو - ساری رعایا آپ کے گن گاتی ہے - ان راجپوتوں کو گالیاں دیتی ہے - جنہوں نے دنیاوی آرام کی خاطر مغل بادشاہوں کی غلامی قبول کی - صرف یہی نہیں - اپنی لڑکیاں دے کر بادشاہ سے بیاہ دیا - ان کا نام سنتے ہی راجپوتوں میں غصہ کی لہر دوڑ جاتی ہے - لیکن بظاہر وہ کچھ کر نہیں سکتے - آپ اعلان جنگ کیجئے - وہ سب آپ کے ساتھ رہیں گے - وہ آپ کو اس دیش کا کلنک سمجھتے ہیں -

چندردت - جنگ کی تیاری ہو رہی ہے - ہم نے کومیر پر اپنا دارالخلافہ بنا دیا ہے - جہاں مغل فوجوں کا پہنچنا امر محال ہے - اگر ہمارا ایک بھی آدمی زندہ ہے - تو اس قلعہ پر ترک قبضہ نہیں کر سکتے - ہم اس سرزمین کی آزادی کے لئے اپنا خون بہا دیں گے -

ہونے نہ کبھی دیں گے غلام اپنے وطن کو
اور اس کی حفاظت میں لڑا جائیں گے تن کو

سنگدیو - ہماری تلواریں ان لوگوں کا خون پینے کے لئے بیتاب ہیں - جو ہماری آزادی کو چھیننے کی خواہش رکھتے ہیں - (تلوار نکال کر قسم اٹھاتا ہے)

اس وطن کے دشمنوں کے خون کی پیاسی ہے یہ
سینکڑوں کو قتل کرے گی مری تلوار ایک

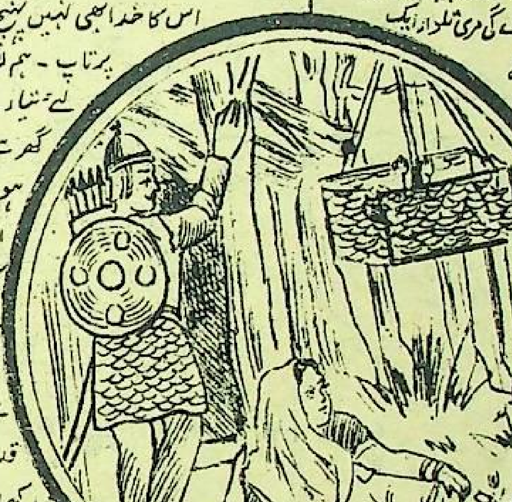

پرتاپ - مجھے آپ کے ارادوں پر ہی وشواش ہے - راجپوت کی شان کسی کی غلامی گوارا نہیں کر سکتی - ہمیں اس کا ثبوت دینا ہے - اور عنقریب دینا ہے - میں جانتا ہوں - ہمارے کئی بھائیوں نے لاکھوں روپیہ لے کر راجپوت دیش کو اکبر کے پاس بیچ دیا - مجھے یہ بھی معلوم ہے - کہ اکبر کے دربار سے انہوں نے بڑے بڑے خطابات اور لاکھوں روپے حاصل کئے - لیکن

ضرور ننگ وطن ہیں وہ راجپوت نہیں
غلام بن گئے جو اس دیش کے سپوت نہیں

سنگدیو - مہاراج اجمیر - مارواڑ - بیکانیر وغیرہ نے تو اپنی لڑکیاں بھی اکبر اور اس کے مسلم رؤسا کو دیدیں ان کی رگوں میں راجپوتی خون کا ایک بھی قطرہ باقی نہیں رہا -

پرتاپ - نہیں رہنا چاہیئے - یہ خون پاک خون ہے - ناپاک لوگوں کی رگوں میں رہنا اس کی شان کے خلاف ہے - وہ اپوتر ہو گئے - تو ہوا کریں - مگر یہ خون اس وقت تک پوتر رہیگا - جب تک ہم زندہ ہیں - ہماری تلواروں میں دشمنوں کے خون کی پیاس ہے - اور جب تک ہمارے حوصلوں اور ہماری ہمتوں میں پختگی ہے -

قوم کو میواڑ کی عزت کا جب تک پاس ہے
اور جب تک تیغ کو خون عدو کی پیاس ہے
شان ہم قایم رکھیں گے اپنے خون پاک کی
ایک مٹھی بھی نہ بیچیں گے وطن کی خاک کی

سولمبرا - (تیسرا سردار داخل ہوتا ہے) میواڑ دیش کی جے ہو -

چندردت - جے ہو - اس پوتر بھومی کی جے ہو

پرتاپ - ایشور تمہاری اچھیا پورن کریں - سردار! کہیئے - کیا خبر لائے -

سولمبرا - مہاراج - حاضر ہوا ہوں - دیش کی رکشا میں اپنی آہوتی ڈالنے کے لئے - سنا ہے اکبر نے فوجکشی کا حکم دے دیا ہے -

چندردت - بھلے سے دیتا رہے - اس جگہ اس کا خدا بھی نہیں پہنچ سکتا -

پرتاپ - ہم لڑنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں گھر سے بے گھر ہو گئے - ان رانیوں کو جنہوں نے مخمل کے بستروں سے نیچے قدم نہیں رکھا تھا - اور آج ہمارے ساتھ ان جنگلوں میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں - درخت کے پتوں پر سونا پڑتا ہے - بیسیوں قسم کے اعلیٰ اعلیٰ کھانوں کی جگہ جنگل کے پھلوں پر گذر کرنی پڑتی ہے - کیا یہ قربانیاں ضایع چلی جائیں گی -

سنگدیو - ہرگز نہیں - کدا چت نہیں

غلامی سے بچائیں گی ہمیں قربانیاں اپنی
روش بدلیگا آخر اک نہ اک دن آسماں اپنی

سولمبرا - سنا ہے - اکبر نے راجہ مان سنگھ کو حکم دیا ہے - کہ وہ آپ سے ملاقات کر کے آپ کو پھسلانے کی کوشش کرے -

سنگدیو - (تلوار نکال کر) ہیں یہ کیا کر دیا - ہماری سبھا میں اس چنڈال کا نام! (رانا سے مخاطب ہو کر) میواڑ پتی! ہم اس کا نام سننا گوارا نہیں کر سکتے - اس نے راجپوت قوم سے غداری کی -

چندردت - وہ دشمنوں کے ساتھ مل گیا ہے

اس کا نام لینا واقعی پاپ ہے - وہ کان جو مان سنگھ کا نام سنتے ہیں - وہ زبان جو اُس کے منہ سے نکلنے میں مدد دیتی ہے - اور وہ آنکھیں جو اس کی شکل دیکھتی ہیں - بھرشٹ ہو جاتی ہیں -

بنایا مخبر کا ہے راجپوتوں کو غلام اُس نے
کلنکت کر دیا اس جاتی کو یہ کر کے کام اُس نے

سنگدیو - اکبر کی سلطنت میں جتنے بھی راجپوت راجے شامل ہو گئے ہیں - ان سب کو اسی نے غلام بنوایا ہے - اکثر ان کے خلاف ہی فوجکشی کرتا رہا - اکبر مزے سے دہلی میں بیٹھتا تھا - اور اس چنڈال کو فوج دے کر روانہ کیا کرتا تھا - میری تلوار تو اس کا ناپاک خون پینے سے بھی انکار کر دے گی -

نہ ہوتا اگر مان سنگھ اُس کا ساتھی
نہ کرتا اکبر فتوحات اتنی
مسلمانوں کی کامیابی میں ہم کو
نظر آتی ہے آخرش بات اتنی

(دربار میں یہ گفتگو ہو رہی ہے - کہ ایک دوت خبر لایا - کہ مان سنگھ جو اکبر کا غلام ہے کومل میر میں رانا سے ملاقات کرنے آ رہا ہے - مان سنگھ کا نام سنتے ہی سارے سردار لال پیلے ہو گئے -)

چندردت - کون مان سنگھ؟ وہی چنڈال؟

سنگدیو - وہی جس نے مسلمانوں کی غلامی قبول کر لی - وہی جس نے کئی راجپوتوں کو بیچ ڈالا -

دوت - مہاراج - جو اکبر کے بڑے جرنیل ہیں شولاپور کا راجیہ فتح کر کے واپس آ رہے ہیں - کہتے ہیں - مجھے رانا سے ملنے کی اچھیا ہے؟

چندردت - یہاں آ کر وہ زندہ واپس نہیں جائیگا -

سنگدیو - [illegible] ہو گی - اگر اس کا سر

پرتاپ - مجھے آپ کے اس جذبہ کی قدر ہے - ہمارے میواڑ دیش کو خوش ہونا چاہیئے - کہ غداروں کے خلاف آپ کے دل میں اس قدر نفرت پائی جاتی ہے - وہ جاتی مر جائیگی ہے - جو غداروں کے خلاف نفرت کو زندہ نہیں

رکھتی۔ لیکن ہمیں اس وقت سنجیدگی سے کام لینا چاہیئے۔ پاپی کو مارنے کے لئے باپ ہی کافی ہے۔ مان سنگھ کو اگر آپ قتل کرا دیں گے۔ تو اس کا کیا بگڑے گا۔

کُنبھ لو۔ اُسے اپنے کیئے کی سزا ملنی چاہیئے۔ اسے معلوم ہو جانا چاہیئے۔ کہ وہ راجپوت ابھی زندہ ہیں۔ جو آزادی وطن کی تڑپ رکھتے ہیں۔ اور جن کی رگوں میں راجپوتی خون دوڑ رہا ہے۔

پرتاپ۔ بے شک۔ اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کا طریقہ اور بہتر طریقہ ہے۔ کہ یہ سب باتیں اس کے مُنہ پر کہدی جائیں۔ تاکہ اس کی رُوح اس پر پھٹکار بھیجے۔ جب تک وہ زندہ ہے۔ ہماری باتوں کو یاد کرنے پر مرتا رہے۔ کیا آپ نے سُنا نہیں۔ بزدل دن میں ہزار بار مرتا ہے۔

امرا۔ تو کیا حکم ہے۔

پرتاپ۔ ہم سب کو یہاں سے راد ھے جھیل پر چلا جانا چاہیئے۔ امر سنگھ یہاں اس کا استقبال کرے۔ اور جب وہ ہماری نسبت دریافت کرے۔ تو اُسے ایسا جواب دے۔ جس سے وہ اپنی بے عزتی اور بے غیرتی کو محسوس کرے۔

(رانا پرتاپ جھیل کے کنارے چلے گئے)

(وہاں صرف ان کا لڑکا امر سنگھ رہ گیا جسے مان سنگھ کے استقبال کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مان سنگھ اپنے رفیقوں سمیت وہاں پہنچا۔ اس کے سر پر مغل شاہی تمغہ لگا ہوا تھا)

امر سنگھ۔ آیئے۔ تشریف رکھیئے۔

مان سنگھ۔ رانا کہاں ہیں۔

امر سنگھ۔ آپ تشریف رکھیئے۔ (مان سنگھ بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ساتھی بھی بیٹھ جاتے ہیں) میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

مان سنگھ۔ مگر میں تو رانا پرتاپ سے ملنے آیا ہوں۔

امر سنگھ۔ مجھے اُنہوں نے ہی آپ کی خدمت کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور اختیار دیا ہے۔ کہ آپ جو کچھ پُوچھنا چاہیں۔ اس کا مناسب جواب دُوں۔

مان سنگھ۔ میں جانتا ہوں۔ آپ رانا کے فرزند ہیں۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میں 'راجہ' ہوں۔ راج نیتک معاملات میں رانا ہی سے گفتگو کر سکتا ہوں۔

امر سنگھ۔ کیا آپ راجہ ہیں۔ کہاں کے۔ کس دیش کے؟ آپ کے راجہ کا نام کیا ہے۔ (مان سنگھ خاموش ہو گیا۔ اُس کے دل پر سخت چوٹ لگی۔) میں تو سمجھتا ہوں۔ آپ مغل بادشاہ اکبر کے غلام ہیں۔ کیا آپ وہی مان سنگھ نہیں۔ جس نے راجپوتوں کے راجیہ چھین چھین کر مغلوں کو دیدیئے۔

مان سنگھ۔ تم ابھی بچے ہو۔

امر سنگھ۔ ایسا ہی سہی۔ مگر آپ بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ آپ بھاڑے کے ٹٹو ہیں۔

(مان سنگھ یہ سچی باتیں سننے سے تنگ آ گیا۔ لیکن بے شرمی کی وجہ سے اُٹھ بھی نہ سکتا تھا۔ اس کو غصہ تو بہت آیا۔ لیکن اس کا ضمیر اُسے کہہ رہا تھا۔ کہ جو کچھ تم سُن رہے ہو۔ یہ بالکل سچ ہے۔ آخر اُس نے گفتگو کا رُخ بدل کر کہا)

مان سنگھ۔ خیر۔ آپ رانا کو کہلا بھیجیئے۔ مجھے اُن ہی سے ملنا ہے۔

(تھوڑی دیر بعد رانا پرتاپ کا پیغام از خود آ گیا۔)

امر سنگھ۔ یہ لیجیئے۔ رانا نے خود ہی اپنا پیغام بھیجدیا ہے۔

مان سنگھ۔ کیا آنے والے ہیں۔

امر سنگھ۔ سنیئے وہ لکھتے ہیں:۔

"مجھے مان سنگھ کی حالت پر رحم آتا ہے۔ وہ دوسروں کا غلام بن کر راجپوتوں کو غلام بنانے پر تُلا ہوا ہے۔ میں اُس کی شکل تک کو دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔ جس راجپوت نے اپنی بہن مسلمان کو دے دی ہو۔ میں اُس کے ساتھ بات کرنا نہیں چاہتا۔"

مان سنگھ۔ (غصہ میں) اتنی سرکشی! اتنا غرور۔

امر سنگھ۔ ہاں۔ ہاں۔ یہ سب کچھ اسی لئے ہے۔ کہ ہم راجپوت ہیں۔ تم جیسے "مسلم سپوت" نہیں۔

مان سنگھ۔ تو کیا یہ آخری جواب ہے۔ رانا سے ہم نہیں مل سکیں گے۔

امر سنگھ۔ مجھے جو حکم ہوا تھا۔ سُنا دیا۔ (امر سنگھ چاول وغیرہ سے مان سنگھ کا ستکار کرتا ہے۔ درخت کے پتوں کے برتن بنا کر۔)

امر سنگھ۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ لیکن آپ جانتے ہیں۔ جنگل میں شاہی طریقہ پر ستکار نہیں ہو سکتا۔

مان سنگھ۔ یہ میری بڑی توہین ہے۔ کہ درخت کے پتوں پر ڈال کر کھانا لایا گیا ہے۔

امر سنگھ۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ ہماری ساری قوم ماتم میں ہے۔ ہم نے قسم کھائی ہوئی ہے۔ جب تک میواڑ کو آزاد نہ کرا لیں گے۔ اسی قسم کے برتنوں میں کھایا کریں گے۔

مان سنگھ۔ مجھے یہ منظور نہیں۔ میں جاتا ہوں۔

بھگوان رامچندر

(نتیجہ افکار۔ ڈاکٹر راج بہادر ما۔ ایم۔ڈی۔ انچ۔ راز بریلوی)

آجتک نقش ہے ہر دل پہ وہ عظمت تیری
اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے لیاقت تیری
تھی اجودھیا میں وہ رونق کہ وہ شوکت تیری
مُسکراتے ہوئے توڑا وہ دھنش انگلی سے
تو چلا بن کو تو بیچے تھی اجودھیا ساری
تُو نے راون کو کیا کُشتۂ نیرنگ فنا
جیت کر بخشدیا راج ببھیشن کے لئے
دم آخر یہ تمنا ہے زبان پر آئے

باعث فخر دو عالم بنے عبادت تیری
ساری دُنیا میں مسلّم ہوئی عظمت تیری
راجدھانی تھی تیری یا کہ وہ جنت تیری
جس سے خلقت پہ نمایاں ہوئی قدرت تیری
شان رکھتی تھی عجب طرز حکومت تیری
ساری لنکا کو ہے تسلیم شجاعت تیری
تا ابد زندہ رہیگی یہ سخاوت تیری
آج جس نام سے دُنیا میں ہے شہرت تیری

کیوں میں آنکھوں سے جُدا ہو نہ دل اسکو لے راز
وہ ہے تصویر ضیا پاشِ حقیقت تیری!

لیکن اس توہین کا بدلہ ضرور لوُں گا۔

(اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیتا ہے۔ اور خود بھی سوار ہونے کو تیار ہوتا ہے۔ کہ رانا پرتاپ آپہنچے ہیں۔)

امر سنگھ۔ ٹھہریئے رانا وہ آرہے ہیں۔

مان سنگھ۔ کہاں؟

امر سنگھ۔ وہ گھوڑوں پر سوار۔ دیکھو اُن کی شان امتیازی۔

مان سنگھ۔ ان کے کپڑے پھٹے پُرانے ہیں۔

امر سنگھ۔ قوم کو غلامی سے آزاد کرانے والوں کا حال یہی ہوتا ہے۔ تم اُن کی راجپوتی شان کو دیکھو۔ بال بال سے ٹپک رہی ہے۔

مان سنگھ۔ وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔

امر سنگھ۔ مگر دل مضبوط ہے۔ ارادہ مضبوط ہے۔ ان کی پیشانی چمک رہی ہے۔ ان کا سر بلند ہے۔ وہ آپ کی طرح کسی کے غلام نہیں۔

مان سنگھ۔ مصیبتوں نے انہیں بہت پتلا کر دیا۔ زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

امر سنگھ۔ مصیبتوں کا مقابلہ وہی کر سکتے ہیں۔ جو قربانی کے لئے تیار ہوں۔ دُنیا اُن کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھیگی۔ وہ ہندوستانی کا سُورج ہے۔ اور راجاؤں کا راجا ہے۔

(رانا پرتاپ آپہنچے۔ وہ بھی اور اُن کے ساتھی بھی گھوڑوں پر سے نیچے اُترے)

مان سنگھ۔ رانا! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

پرتاپ۔ آپ کون ہیں۔ میں آپ کو نہیں جانتا۔

مان سنگھ۔ مان سنگھ۔ امبر کا راجہ۔

پرتاپ۔ کیا آپ وہی ہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ تو کبھی کے مر گئے۔

مان سنگھ۔ میں زندہ ہوں۔

پرتاپ۔ ہاں۔ وہ مان سنگھ زندہ ہے جو اکبر کا غلام ہو گیا ہے۔ جس نے اپنی بہن مسلمان کو دے دی۔ اور جس نے راجپوتی شان کو بٹہ لگایا۔ لیکن وہ مان سنگھ مر گیا جس کی رگوں میں راجپوتی خون دوڑ رہا تھا۔

مان سنگھ۔ (غصہ میں آکر) آپ میری سخت توہین کر رہے ہیں۔

پرتاپ۔ آپ نے میری جاتی۔ میری قوم۔ میرے وطن کی توہین کی۔

مان سنگھ۔ میں اس کا بدلہ لوں گا۔ اگر میرا نام مان سنگھ ہے۔ تو میں تمہارے غرور کو توڑ دوں گا۔

پرتاپ۔ جس شخص نے اپنی روح۔ اپنی عزت اپنی قوم۔ اپنی ضمیر اور اپنی بہن تک مسلمانوں کو دیدی۔ اس کا اپنا غرور ٹوٹ چکا ہے۔ وہ میرا کیا توڑیگا۔ پرتاپ زندہ رہیگا۔ اس کا غرور زندہ رہیگا۔ اس کا نام زندہ رہیگا۔ اس وقت تک جب تک یہ زمین ہے۔ یہ آسمان ہے۔ اور یہ ستارے ہیں۔

(مان سنگھ چلا جاتا ہے۔ اور پرتاپ کے ساتھی سارے سردار گاتے ہیں)

مردار ہو گیا تھا اسی وقت مان سنگھ
دہلی میں جب بنا تھا مسلمان کا غلام
آزادیٔ وطن پہ جو پرتاپ مٹ گیا
زندہ رہیگا روز قیامت تک اس کا نام

(راز)

اجودھیا میں رام جنم گیان کی نظر سے

(از قلم حقیقت رقم علامہ دہر جناب منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی)

... اس کا ہے۔ ایسا نصیبہ ہم نے کم دیکھا
ہی ہے راج دھانی اندلوں چڑھتا ہوا سا گر
یہ بحر کیونکر جھنڈے سے نہ پہنچ آتا
وہیر و مرد و زن ہیں لِیں شاداں نظر آتے
روئے شگفتہ یوں نظر میں خوشگوار آیا
دل میں سمائی جب سہ جا دینے کو پانے سے
وہیں بیٹھے سروں پہ ہر طرف کا نا ہے
آنند ہے۔ ہر جا پہ ہے شانتی ہر جا
کے دل کو خطرہ کچھ نہیں آدھی بیادھی ہے

اجودھیا میں شری رگھبیر کا جس نے جنم دیکھا
وہ سما کس کو کہنا چاہیے۔ آنند کا ساگر
جب اس نے اوج پر ماہ رُخ رگھبیر کیا تھا
چمن میں جیسے غنچے پھول بن کر جوڑ کھلتے جاتے
رُخ گل پہ نسیم صبح سے جیسے نکھار آیا
تو لعب کی راہ باہر آئی گانے کے بہانے سے
جہاں دیکھو وہیں شادی کا تازہ شادیانہ ہے
اور اس آنند کی چہرے سے ظاہر کانتی ہر جا
ہر اک آنند میں ہے تن جو کی جس سمادھی ہے

اے پڑھنے والے یہ خیال تجھ پر آ سکے گا
... مجھے بھی رام درشن کرتے ہوتے
... ایسا مگر دل میں کبھی اتنا نہیں دیکھا
... رام درشن آجنا دوں رام دی سے
... کی ہے کیوں تو حسرت میں دل میں بیٹھی
... راجدھانی ہے۔ ذرا تو آپ درشن ...

عزا میں نے بھی کانی ایسے پریم سنگ کا لیا ہوتا
نہ شکوے دل میں رہتے کچھ۔ نہ کچھ لب پر گلے ہوتے
یہ ہے اک وہم باطل اس میں تحقیق جانا نہیں
ہوا ہے رام جنم اس روز پر تہوار ...
نہیں باہر اجودھیا تجھ سے وہ تو قلب ہے تیرا
لئے کر شلیا کو ساتھ ہیں کر رام کے درشن

حقیقت ہے یہی یعنی اجودھیا قلب ہے تیرا
وہ کیا جُدھیا۔ یہی۔ جبکہ ہر دم جُدھ ہوتے ہیں
جہاں باہم خصومت اور ہم پرخاش رہتی ہے
ہوس، غصہ، طمع، بغض و حسد، کبر و من و مائی
اُسر دل ہیں یہ سب۔ اُن کے مقابل ہیں سُر دل
باہم پرخاش دونوں میں۔ پھر آپس میں لڑائی ہے
من پرخاش سا ہوں اور مٹا سا راہ ... شور
ہوئی جب راجدھانی صاف یعنی شدھ من تیرا
یہ عالم عالم تمثال مثل خواب سے تیرا
تمہارے جسم رتھ۔ دس اندریاں اس میں گھوڑ
بجا ان سا رتھ گھوڑوں کی عنان رتھ بان ... ہی
نکل اس رتھ پہ چڑھ کر اور نقاروں کا تا گرین
تماشوں میں پھنسا تو رام درشن ہو نہیں سکتا
اجودھیا کا ہے لوگو راجہ یوں رگھبیر آتے ہیں

ہم یہی کوشلیا یعنی وہ جس کا نام کوشلیا
اسی سے عشق و الفت ہو اسی سے بس محبت ہو
غرض وہ من کی حالت ہو تری یکسو جو ہوتی ہے
تو اسے دسرتھ جیسی کوشلیا ہے یوں ہم ہوگا
وہ بس رام کو دیکھے گا تو اندر بھی باہر بھی
وہی داہن وہی بائیں وہی آگے وہی پیچھے
وہ یک اور پھر نہ ایک ست چت اور آنند گھن
اسی کو گیانی کہتے ہیں نہیں کچھ سوا جس کے

مگر تو نے ہے اسکو جُہل سے جُدھیا بنا رکھا
جہاں ہر وقت جا بن جنگ و لڑائی کے کھوتے ہیں
چھپتے چوری نہیں ہر وقت ہر دم فاش رہتی ہے
خودی و خود نمائی۔ خود ستائی اور خود رائی
بھرا ایسے دل ہیں دو نو جہاں سے جیسے ہوں دل
اجودھیا بن رہی ہے جُدھیا۔ کچھ شہر اس کی پائی ہے
تو اس جدھیا کو اسے پیارے نئے سرے اجودھیا کر
نکل دس گھوڑے والے رتھ پہ لے دسرتھ جہاں
تو اس کو یوں سمجھ دار الخلافہ ہے یہی تیرا
بنے ہیں ان کی جولانگہ بہت ہوں یا کہ ہوں تھوڑے
سوار ان پہ کچھ کرا دسرتھ ہے۔ تو انھوں کی کر سدھی
تماشے دیکھے گا وہ پر تماشوں میں پھنسنا مت
پھنسا ان میں رہا تو گنت بندھن میں نہیں سکتا
مہیا کر دہی ساماں۔ درشن جس کے پاتے ہیں

یہی ہے دھرم یعنی تیری اور یہ ہے دھرم تیرا
کسی جانب بھی تیرا من نہ جائے چھوڑ کر اس کو
یہ جب جس میں جائے جوگی بنتی اور خلق سوتی ہے
تو راجہ رام کا تیری اجودھیا میں جنم ہوگا
وہ یک رام وہ حد و نہایت کچھ نہیں جس کی
وہی بس ہاں وہی بس ہاں وہی اوپر وہی نیچے
نہ جس میں بھید ہے جس میں وہ نہ کچھ جس میں نشانے پر
طریقہ مکتی کا کوئی نہیں ہے۔ ماسوا اس کے

ندا ہے مہر کی ہاں کوئی اُس کو سننے والا ہے
یہاں کثرت نہیں وحدت ہی وحدت کا اُجالا ہے

سُدھارک بنو کرانتی کاری نہیں

اپنی تہذیب کی رکھشا کرو!

از قلم رائے بہادر ماسٹر آتما رام صاحب بڑودہ

حکایت ہے کہ ایک سکھ بھائی کے گھر میں ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ خاندان کے سب لوگ اُس کو موتی سنگھ بوجہ خوبصورتی کے کہنے لگے۔ ایک دن ایک فوجی رشتہ دار سکھ بھائی جب آیا۔ تو اُس نے پُوچھا۔ کہ بالک تو بڑا خوبصورت ہے۔ نام کیا رکھا ہے؟ باپ نے کہا۔ کہ موتی سنگھ۔ جوشیلا فوجی بھائی سُن کر کہنے لگا۔ کہ یہ بہادرانہ نام نہیں۔ باپ نے کہا۔ کہ آپ ہی بتاؤ۔ جس سے کہ اُس کی خوبصُورتی کا مطلب بھی فوت نہ ہو۔

فوجی بھائی نے کہا۔ کہ موتی سنگھ نہیں بلکہ موتا سنگھ رکھا جاوے۔ اُس کی ماں نے کہا۔ کہ میں موتا سنگھ موتی سنگھ کی جگہ ہرگز نہیں رکھوں گی۔ آخرکار گرنتھی صاحب دانا تھے۔ اُنہوں نے موتا سنگھ کی جگہ سُندر سنگھ نام رکھ دیا۔ اور دونوں فریق خوش ہو گئے۔

ٹھیک یہی مثال آجکل سچے دیش بھگت **سوامی ستت دیو جی** اور اُن کے ہم خیال انیک مضامین نویس سجنوں پر عاید ہوتی ہے۔ مہرشی دیانند جی نے جو سُدھار۔ پرا پکار۔ اُنتی آدی شبدوں کا بھاری پرچار آریہ سماج کے نیم بنانے اور ساہتیہ طیار کرنے میں کیا اُس کی جگہ ہمارے جیتی شبدوں کے پریمی سجن کرانتی شبد کا استعمال ہر جگہ کرنا چاہتے ہیں۔ دھارمک کرانتی۔ سا ماجک کرانتی جب تک یہ نہ لکھیں۔ تب تک اُن کی تسلی نہیں ہوتی۔

فرانس میں غدر یا انقلاب یا کرانتی کے خیالات جو روسو اور والٹیر وغیرہ نے پھیلائے۔ وہ تو ملکی انقلاب یا راج نیتک کرانتی کہلا سکتے ہیں۔ لیکن یہ جوشیلے سجن دھرم اور سماج سُدھار کے معاملات میں کرانتی شبد کا دیوہار کر کے اپنے خیالات میں ہر ایک چیز کو بہادر شبد بنانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ وہ فوجی سکھ موتی سنگھ کی جگہ موتا سنگھ نام رکھنا چاہتا تھا۔ ان ناتجربہ کار جوشیلے سُدھارکوں کو معلوم نہیں۔ کہ بھارت کی ۲۳ کروڑ ہندو جنتا شاستریہ سُدھار آدی کے آگے سدھرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ رشی دیانند کے بڑھی داد اور سُدھار کے خیال اب اس تیزی سے ۲۳ کروڑ جنتا کے لیڈروں میں کام کر رہے ہیں۔ کہ ان کو اُن کا کبھی خیال تک نہیں آتا ہوگا۔ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جب تک کرانتی کا شبد ہندو پرجا ہر ایک سدھار کے ساتھ نہیں لگائے گی۔ تب تک وہ سُدھار کر ہی نہیں سکتی۔

جس کو جرمنی کے ملک میں بورڈنگ سکول کہتے ہیں۔ اُس کو ہندوستان میں ہندو پرجا گُرکل یا رشی کل کا نام دیتی ہے۔ ہمارے کرانتی کاری بھائی دل مسوس کر رہ جاتے ہیں اور من میں تو ضرور کہتے ہوں گے۔ کہ اوّل تو ان بورڈنگ سکولوں کے نام کبھی گورُکل نہیں ہونے چاہئیں۔ اُن کے نام کرانتی بورڈنگ سکول ہونے چاہئیں لیکن سورگباشی دھرم ویر سوامی شردھانند جی اگر آج زندہ ہوتے۔ اور کرانتی شبد پریہ منڈل کے لیکھ اس مضمون پر نکلتے۔ کہ آریہ سماج نے پُرانے دقیانوسی نام کو اپنے سکولوں کے ساتھ کیوں لگایا ہے۔ یا کرانتی سکول ان کا نام ہونا چاہیے تھا۔ تو میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ وہ مہاتما شردھانند ضرور اپنے اخبارات میں کرانتی شبد کے بیجا استعمال کے لئے سخت جہاد کرتے۔ اسقدر شاید تین سال ہوئے۔ کہ آریہ ویر دل کی قائمی ہوئی۔ اس لئے کہ جہاں آریہ سماج کا نگر کیرتن بند کیا جاتا ہے۔ وہاں دھرنا دے کر نگر کیرتن ویر دل کرے۔ لیکن ودیا واچسپتی پنڈت اندر جی نے اب تجربہ کے بعد بتلایا۔ کہ جب آریہ سماج کے بہت سے ممبران سرکاری نوکر یا ٹھیکہ دار ہیں۔ تو یہ دھرنا نہیں دے سکیں گے۔ اس لئے سناتنی بھائی جب وید شاستر کے پرمانوں سے سُدھرتے چلے آ رہے ہیں۔

اور آریہ سماج اور مہرشی دیانند کو اپنا ادھارک مان رہے ہیں۔ تو ایسی حالت میں کرانتی شبد دھارمک اور سا ماجک سُدھار میں جوڑ دینے یا پرچار کرنے کا عملاً نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم ہندو جاتی کے مذہبی جذبات کی پروا نہیں کرتے۔ اور سُدھار کے کام کو صدیوں پیچھے ڈالنا چاہتے ہیں۔ تجربہ کر کے دیکھ لو۔ ایک شہر میں آپ ایک بورڈنگ سکول قائم کرو۔ اور اُس کا نام کرانتی سکول رکھو۔ پھر چندہ مانگنے ہندو سیٹھوں کے پاس جاؤ۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ گُرکل یا رشی کل کے لئے جو چندہ وہ رات دن برسوں سے دے رہے ہیں۔ وہ کبھی نہیں دیں گے۔

مسلمان عیسائی بھائی کتاب کو الہامی مانتے ہیں۔ برہمو اور آریہ سماجی کسی کتاب کو جو کاغذوں کی بنی یا لکھی ہوئی ہے۔ الہامی نہیں مانتے۔ بلکہ گیان کا داتا ایشور مانتے ہیں۔ سوامی ستت دیو جی کی سنسکرت یوگتا میکس مولر اور رشی دیانند جی سے ضرور کم ہے۔ فزیکل ریلیجن نامی کتاب میں پروفیسر میکس مولر نے صاف لکھا ہے۔ کہ وید کے معنے علم کے ہیں۔ اور یہی بات ہمارے سب رشی نیز سوامی دیانند کہہ رہے ہیں۔

”مائی انڈین فرینڈز“ نامی آخری کتاب میں پروفیسر میکس مولر نے لکھا ہے۔ کہ سوامی دیانند نے جو یہ پوزیشن اختیار کی۔ یہ علم الہامی ہوتا ہے۔ نہ کہ کتاب یہ اعلیٰ اور مدلل پوزیشن اُس دیانند نے ہم یورپ کے موجودہ وگیانیوں سے سیکھی ہے۔

اب اس بات کے جواب میں یہ پوزیشن اعلیٰ اور مدلل ہونے پر موجودہ یورپ سے سوامی دیانند نے سیکھی ہے۔ ویدانت درشن سا ستر کا ایک سوتر کافی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے۔ کہ

”شاستر یونی تو آت“

ادہنات وید روپی علم کا دینے والا ہے۔

ریاست گونڈل کے مہاراجہ صاحب سر بھگونت سنگھ صاحب ایم ڈی انگریزی کتاب History of Aryan Medicine میں لکھتے ہیں۔ کہ سنسکرت کے شاستر کے معنے ”سائنس اور فلاسفی“ کے ہیں۔ اس لئے سوامی ستت دیو جی جو کرانتی کا جا و بیجا استعمال کا پرچار نوجوانوں میں کرنے کے عاشق ہیں۔ اُن کو سمجھنا کہ اس بھارت کے ہندو کرم ویر نوجوانوں کو سُدھار شبد کا پریوگ اگر آپ اور دیگر دیگر ودوان ہر جگہ بتلائیں گے۔ تو وہ کام ٹھوس سُدھار۔ سچی ترقی اور سیوا کر سکیں گے۔ ضرورت ہے۔ کہ ہم کے نوجوان ولایتی شبدوں کے ترجموں پر موہت ہونے کے فیشن کو چھوڑ کر سنسکرت ساہتیہ کے امولیہ شبد روپی رتنوں سے جو تعداد میں اُن سے بھی اعلےٰ ہیں۔ کام لیا کریں۔

انمول رتن

نیاسئے درشن بمعہ اردو ترجمہ اور تشریح بطور سوال و جواب از سوامی درشنانند جی دو روپے
ویشیشک " " " " " " " ایک روپیہ آٹھ آنہ
سانکھیہ " " " " " " ایک روپیہ چار آنہ
ویدانت " " " " " " ایک روپیہ بارہ آنہ
ایش - کین - کٹھ - پرشن - منڈک - اور مانڈوکیہ اپنشد ہیں " ایک روپیہ بارہ آنہ
سوامی شنکر آچاریہ کے پرم گورو پاد آچاریہ کرت کارکایئں " ایک روپیہ
تتو دتیا رشی کی کتھا - " " ۸
ستیہ برتی مہانند اور دہرم کے پہلے لکشن کی تشریح " ۱۰
کشنا چندر اودے " " دو روپے
جانگیہ نیتی اردو ترجمہ ۴ - بھگوت گیتا اردو ترجمہ ۴ - یوگ درشن اردو ترجمہ ۴
ہنس جی پربندھ رتناولی (جوہر و جواہرات) اردو ترجمہ ۳ - مخزن اخلاق یعنی
پورانے شاستروں وغیرہ کے چیدہ چیدہ شلوک وغیرہ بمعہ اردو ترجمہ ۳
جیون یاترا (مسافرانہ زندگی) اردو - انسانی زندگی کی چار منزلیں - ۲
گیان پرکاش اردو ویدانت سے متعلق ایک اعلےٰ پستک ہے - ۸
صحیح اُپنشد اردو یعنی یجروید کا چالیسواں ادھیائے جوکہ پیدائش عالم کا
ایک باب ہے - بمعہ تفسیر ۸
رشی منڈل اس میں جتنے رشی آج تک ہو چکے ہیں - اُن کے مختصر جیون چرتر دیئے
گئے ہیں - اردو ۴
چمن راماین اس میں رامائن کے یودھاؤں کے جیون چرتر دیئے گئے ہیں اردو ۴
ہردوار کا اتہاس ہندی ۶ - مشاہدیک اُنتی ہندی ۴
رادھا - ہندی استری شکشا کے متعلق ایک دلچسپ پستک ہے - ایک روپیہ
ششو سدھار ہندی ۸ - پراچین رشیوں کی سائنس ہندی ۴
بہشتی درشن منظوم - ۲ - وچار درشن اردو ایک روپیہ
ایشور پوجا اردو ۸ - برہم وچار اردو ۵ - سورگ کی سیڑھی اردو ۲
بھگتی اردو ۸ - مکتی کا راستہ گیان اردو - ۲ - قانون کرم اردو ۱۲
بنگالی سادھو سوامی شیو نرائن کے سفر کے حالات - بنگالی سے اردو ترجمہ ۱۲
دواہ آدرش اردو ایک روپیہ - اس پستک کا مطالعہ کرنا ہر ایک
گرہستی کے لئے نہایت ضروری ہے - اس کے بغور مطالعہ اور عمل کرنے سے
گرہستھ سورگ دہام بن سکتا ہے -
نویں دیپ اچین ویدانت اردو - ۴
استھانگ یوگ پرکاش اردو - ایک روپیہ -
مخزن اسرار دونوں حصے اردو ۸ - ایشور ملاپ اردو ۴
یسوع مسیح کی بیس سالہ زندگی جوکہ انہوں نے بھارت ورش میں تعلیم
حاصل کرنے میں گذارے - کے حالات - اردو ۴

مذکورہ بالا اور دیگر دھارمک پستکیں

ملنے کا پتہ

وزیر چند شرما مالک ویدک پستکالہ

موہن لال روڈ لاہور

ایران کے پُرانے پارسی

(از مولانا مہیش پرشاد مولوی عالم فاضل پروفیسر انچارج محکمہ عربی فارسی و اردو ہندو یونیورسٹی بنارس)

ساتویں صدی عیسوی سے پہلے کی بات ہے کہ سارا ایران پارسی تھا - مگر اسی صدی میں مسلمانوں کے حملوں سے ایران کے سب کے سب پارسی مسلمان ہو گئے - مگر کچھ لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا - ان میں سے ہی وہ لوگ بھی ہیں جو ہندوستان میں آ گئے - اور زیادہ صوبہ بمبئی اور دیگر مختلف مقامات میں ہیں -

ملک ایران پہاڑی ملک ہے - چنانچہ مسلمانوں سے تنگ آ کر کچھ پارسی پہلے پہاڑوں میں چُھپ گئے تھے - بعدہ جب امن و امان ہوا تو پھر ظاہر ہو گئے - انہیں کی اولاد اس وقت ایران کے مختلف حصوں میں ہے - مگر زیادہ تعداد میں وہ کرمان و یزد نامی شہروں میں ہیں - ایران کی کل آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے - جس میں تقریباً بیس ہزار پارسی ہیں - ان کو مساوی حقوق حاصل ہیں مجلس یعنی کونسل ایران میں ان کا نمائندہ ہے - یہ مختلف کاروبار کرتے ہیں - کوئی تاجر ہے کوئی صناع ہے کوئی کسی نوکری میں ہے اور کوئی کاشتکاری کرتا ہے - ایرانی (مسلمان) لوگ ان کو ارباب کہہ کر پکارتے ہیں - مسلمان کے ساتھ باہمی تعلقات اچھے ہیں کھانے پینے میں مرد لوگ بہت کم پرہیز کرتے ہیں چھوت چھوت بہت کم رکھتے ہیں - مگر پورانے خیال کی پارسی عورتوں کے بارہ میں یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے میں چھوا چھوت کا وچار رکھتی ہیں -

میں جب کرمان میں ٹھیرا تھا - تو وہاں سب سے پہلے پُرانے پارسیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا - وہاں پارسیوں کا ایک محلہ ہی آباد ہے تقریباً دو ہزار پارسی وہاں رہتے ہیں - میں خود اس محلہ میں کئی بار گیا ہوں چنانچہ عام حالت میں نے اچھی پائی - صفائی وغیرہ کی باتیں قابل شکایت نہیں ہیں -

وہاں میں پارسیوں کے تین اسکول ہیں - دو لڑکوں کے لئے - اور ایک لڑکیوں کے لئے - ان تینوں کو میں نے دیکھا - بڑی خوشی ہوئی - کہ فارسی زبان کے ذریعہ سے تعلیم ہوتی ہے - کیونکہ تمام ایران کی عام زبان فارسی ہے - یہاں [illegible] بھی دی جاتی ہے اور

انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے - حالانکہ فارسی کے بعد جس دوسری زبان کا رواج ایران میں زیادہ ہے وہ فرانسیسی ہے - چنانچہ اپنے دوران سفر میں مجھے متعدد مدرسوں اسکول انسپکٹروں سے ملنے کا موقع پڑا ہے یہ سب کے سب فرانسیسی ضرور جانتے تھے - ان میں سے بہت ہی کم ایسے تھے جو انگریزی جانتے تھے - پس ایران میں سفر کرنے والے لوگ اگر فارسی نہ جانتے ہوں - اور فرانسیسی جانتے ہوں - تب بھی بہتر ہی ہے -

کرمان میں پارسیوں کا ایک آتش خانہ اسی سے ملا ہوا ایک مسافر خانہ ہے دو حمام اور دو خیمے یعنی شمشان سیڑھیاں علیحدہ علیحدہ ہیں پارسی لوگ اپنے مُردوں کو نہ تو گاڑتے ہیں اور نہ جلاتے ہیں - بلکہ ایک محفوظ مقام جو اسی کے لئے مخصوص ہوتا ہے - رکھ دیتے ہیں - وہیں ان کو گِدھ کوّے وغیرہ کھا لیتے ہیں - چنانچہ ایک محض مُردوں کے لئے - اور دوسرا عورتوں کے لئے -

پارسی لوگ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو خدا حافظ یا سلام کہا کرتے ہیں ان میں بچپن کی شادی کا دستور نہیں - اور نہ طلاق کا دستور ہی ہے - لڑکیوں کی شادیاں عموماً چودہ یا پندرہ سال کی عمر میں ہوتی ہیں - ان کے اور مسلمان عورتوں کے لباس میں فرق ہوتا ہے ان میں مسلمان عورتوں کی طرح پردہ نہیں ہے - اور نہ ایرانی مسلمان عورتوں کی طرح ان میں صیغہ (عارضی شادی) کا دستور ہے -

ہندوستان کے بہتیرے مسلمانوں کے نام میں لفظ مرزا پایا جاتا ہے - یہ دراصل ایران سے آیا ہے چنانچہ اس لفظ کو میں نے بہت سے پارسیوں کے نام کا جزو دیکھا ہے -

پارسیوں میں شدھی کا دستور نہیں - اس لئے جو (مرد یا عورت) مسلمان ہو گیا - وہ ہمیشہ کے لئے گیا - مگر اب اتفاق بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان ہو جائے - ایران و ہندوستان کے پارسی اگرچہ کافی عرصہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں - مگر دونوں کے درمیان رابطہ اتحاد قائم ہے ہر ایک دوسرے کی طرف بہبودی کو مدنظر رکھتا ہے - چنانچہ اس امر کے ستے ایران و ہندوستان میں انجمنیں ہیں -

دکھ انسان کو اونچا کرتا ہے

(از قلم پنڈت ٹھاکر دت شرما وید امرت دھارا از مقام لاہور)

سرکلوں و لیکچروں میں بھی سنتے ہیں۔ کہ انسان کیا چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک سب جانداروں کو سکھ کی ہی خواہش ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سکھ کی خواہش انسان کے واسطے اچھی نہیں سکھ کی خواہش انسان کا ادنےٰ جذبہ ہے دکھ اٹھانا بہادروں کا کام ہے اور دکھ اٹھانے کی خواہش انسان کو اونچا اٹھاتی ہے اور اس کی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے اور اس کی منزل مقصود پر وہاں اس کو ناقابل بیان آنند مل سکتا ہے۔ اور دکھ کے بعد کا وہ آنند کچھ اور ہی چیز ہے۔ جس کا بیان قلم نہیں کر سکتی ہے میں دنیاوی طور پر ذکر کر رہا ہوں۔ اگر ہر انسان سکھ کی خواہش کرتا رہے تو وہ اس کے ادنے خیالات کا نتیجہ ہے۔

رام نے چودہ برس بن باس کا دکھ جھیلا۔ اس کا ہے سے رکنا کافی تھا کہ میں بن باس نہیں جاتا۔ تمام رعایا اس کے ساتھ تھی مگر اگر بن باس نہ جاتے۔ تو آج رام ہمارے دلوں کے مالک کبھی نہ ہوتے۔ سونا آگ میں پڑ کر ہی کندن ہوتا ہے۔ ہیرا بار بار سان پر چڑھ کر ہی چمکتا ہے۔

دکھ کی خواہش کرنیوالے ہی دنیا کا بھلا کر کے جاتے ہیں۔ چندر ناتھ داس گھل گھل کر سنسار سے چلا گیا۔ اس نے اپنے ملک کی خاطر یہاں دکھ سہا۔ کون جا سکتا ہے کہ اس دکھ کے اندر کتنا اطمینان قلب۔ کتنا آنند اس کو حاصل ہوتا تھا۔ اور آگے اس کے واسطے کیا درجہ ہوگا اس کی موت سے ڈر کر دوسرے اس کے ساتھی پیچھے ہٹے۔ وہ اور بھی بہادری سے دکھ سہنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

دکھ کے بعد سکھ بھی ہوتا ہے۔ مگر کب ہوتا ہے۔ یہ بعض وقت تو معلوم ہوتا ہے۔ بعض وقت یہ کہنا انسان کی طاقت سے باہر ہے ایک طالب علم سکھ کی نیند سونا چاہے۔ تو وہ امتحان میں پاس نہیں ہو سکتا۔ ایک نوکر اگر آرام سے رہنا چاہے تو اپنے فرض کو پورا نہیں کر سکتا۔ ایک امیر اگر کھانے پینے سکھ کی اچھا ہی کرے۔ نہ صبح اٹھے۔ نہ ورزش کرے۔ نہ ریاضت کرے۔ نہ محنت کا کوئی کام کرے۔ تو یقیناً وہ بیمار ہو جاوے گا ایک امبیاسی اگر پرانایام۔ آسن چھوڑ دے تو کھانے پینے میں بندش نہ رکھے۔ وہ کبھی یوگی بن نہیں سکتا۔ دکھ کے بعد جو اس کا نتیجہ سکھ ہو۔ تب وہ نقصان دہ نہیں ہے۔ وہی سکھ نقصان دہ ہے۔ جو دکھ کے بدون حاصل کرنے کی کوشش کی جاوے۔ جب معیار سمجھ لیا۔ تو دکھ میں ہی سکھ پرتیت ہونے لگتا ہے۔ تمام قربانیاں ایسے ہی لوگوں نے کی ہیں۔ جو دکھ کے اندر سکھ کو دیکھتے ہیں۔ دکھ جیسے جیسے آتا ہے وہ آگے کے واسطے راستہ دکھاتا جاتا ہے۔ دنیا کے اندر تمام ایجادیں اور بڑے بڑے تجربات اس بنا پر ہوئے ہیں۔ دنیا کے واسطے نئی نئی دریافتیں کرنیوالوں نے نہ جانے کتنے دکھ اٹھائے ہیں۔ اتنے کشٹ اٹھا کر وہ خود تجربے کرتے ہیں۔ نتیجے ہمارے آگے رہتے ہیں۔

ایشور نے حیوانات کو عقل پوری دی ہے۔ مگر انسان کو انسانی تجربات کا پتلا ہے انسان کا بچہ تو آگ میں ہاتھ جلا کر ہی سمجھ سکتا ہے کہ آگ جلاتی ہے۔

سکھ چاہنے والے خواہشات نفسانی کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ اور دکھ کو سمجھا کر دکھ میں سکھ ہی پاتے ہیں۔ اور اسی لئے اسی لئے گورو نانک صاحب نے فرمایا ہے۔ "دکھ دارو سکھ روگ بھیا!"

نی کے بعد۔ پھر اس کے میں نہیں کہہ سکتا۔
نہ کونسا خونی پرلے بھارت کو غارت کرنے
کے لئے بھارت میں آئیگا۔ (کہتے کہتے سناٹے
میں آکر مہنت کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ
کر دیکھتا ہے)

مہنت۔ (دوڑتے ہوئے) ارے پولیس
ارے پولیس۔ پکڑو۔ گلبوے ڈوم کا
ماتھا پھر گیا۔ ہیں۔ میری اور یوں آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ چنڈال! بس
جلد جا۔ یہاں سے جلد جا۔ جلدی پیٹھ
دکھا۔ ورنہ میں تمہاری ساری اچھوت جاتی
پر اپنے بھگوان کی طرف سے ہتک عزت کی
نالش ٹھونک دوں گا۔

گلا لبو۔ بھگوان کی طرف کیا ہتک عزت کی
نالش ٹھونکوگے۔ اپنی ہتک عزت کی نالش
ٹھونکو نہ۔ یدی تم اس بات پر تلے ہوئے ہو۔
تو ٹھیرو۔ میں تم سب کو بھوت کی طرح جمیٹ
کرا پونز بناتا ہوں۔ ایک ایک کو ٹھکانے
لگاتا ہوں۔ دیکھو۔ آج ایک ڈوم کا ننگن
ناچ دیکھو۔ (اودھم مچانا) اب کہاں جاتے
ہو۔ اب میری باری ہے۔

آوازیں۔ پولیس۔ پولیس۔ گلبوا پاگل ہوگیا
پکڑو۔ اس کے سر پر خون سوار ہے۔
پولیس جمعدار۔ کیا بلا ہے۔ . . . . . کون

جاتیہ کرتویہ — دلچسپ ڈرامہ — از قلم پنڈت رشید صاحب

بقیہ صفحہ ۳۲

گلبو۔ اڈوم! کیا دیکھتے ہو۔ مارو پاجی کو۔
(مارنا)

گلا لبو۔ مارو۔ جی بھر کر مارو۔ تاکہ آج ایک
اچھوت کے بلیدان دینے سے ہندو سماج
کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے۔

پادری۔ (داخل ہوکر) چھوڑ دو۔ چھوڑ دو
بیچارا غریب مر جائیگا۔

جمعدار۔ پادری صاحب! اسے مرنے
دیجئے۔ یہ حرامزادہ۔ الو کی اولاد اسی لائق
ہے۔ دیکھو نہ۔ پہلے مندر کی سب چیزیں اپوتر
کردیں۔ اور اب بیچارے پوجاری کو مارنا چاہتا
تھا۔ (مارنا) کیا پھر ادھر آئیگا۔

پادری۔ (روکتے ہوئے) جمعدار صاحب۔
لیکن ایک سچا عیسائی اس سے زیادہ انسان
کی ذلت کا اور خونی تماشہ نہیں دیکھ سکتا
ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس اس کے لئے رحم
نہیں۔ اگر تمہارے دل میں اس کے لئے ہمدردی
نہیں ہے۔ تو اسے میرے حوالے کردو۔ اسے
میری گود میں چھوڑ جاؤ۔

گلا لبو۔ رحم کہاں ہے۔ ہمدردی کہاں ہے؟

پادری صاحب۔ اس دل میں۔ اس جسم کے
رونگٹے رونگٹے میں۔

گلا لبو۔ (اس کی طرف دیکھ کر) آپ کون ہیں؟

پادری صاحب۔ میں بھی تمہاری طرح ایک
انسان ہوں۔

گلا لبو۔ انسان ہو۔ تو بچو۔ بچو میری چھایہ
سے بچو۔ نہیں تو آپ بھی اپوتر ہو جاؤگے۔

پادری۔ اپوتر۔ اور انسان کی چھایہ سے:
ماں حوا اور بابا آدم کی سنتان کی چھایہ سے۔
بھول کرتے ہو۔ بھائی! بھول کرتے ہو۔ تمہارک
چھایہ! تمہاری چھایہ!! بھائی تمہاری
چھایہ میرے لئے سورگ کا کھلا دروازہ
ہے۔ بہشت کی پہلی سیڑھی ہے۔ ساتویں آسمان
میں چلنے والی ہوا کا معطر جھونکا ہے۔ دیا کرو۔
بھائی مجھ بوڑھے پادری پر دیا کرو۔ اور
مجھے اپنے گلے لگا لو۔ اور میری روتی بلکتی
آتما کو شانت کرو۔ (ہاتھ پکڑ کر اسے گلے
لگانا)

گلا لبو۔ (اس کی طرف حیرت سے دیکھنا) کیا
کیا آپ دیوتا ہیں۔ بھگوان رام چندر کی
دنیا کے رہنے والے ہیں۔

پادری۔ بھائی میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اور
یدی کچھ ہوں۔ تو کیول بھگوان یسوع مسیح کا
ایک تچھ بھگت ہوں۔ ادنےٰ سیوک ہوں۔

گلا لبو۔ کیا بھگوان یسوع مسیح کے تچھ بھگت
ایسے دیالو ہوتے ہیں۔ آہ اگر ہمارے بھگوان
رام چندر کے پوجاری بھی ایسے ہی دیالو ہوتے
تو آج اچھوت جاتی کا ادھار ہو جاتا . . . .
. . . . سمجھا۔ سمجھا۔ جس اچھوت جاتی کو ہندو
سماج نے اپنے جسم کا گندہ پھوڑا سمجھ کر جسم
سے الگ کر دیا۔ اسے کوڑے کے ڈھیر پر
سڑنے کے لئے پھینک دیا ہے۔ اسی۔ اسی
گندے پھوڑے کو بھگوان یسوع مسیح کا
ایک تچھ بھگت ایک ادنےٰ سیوک گلے لگا رہا
ہے۔ جس اچھوت جاتی کو سناتن دھرم کے
پرتی ندھی بھگوان رام چندر کے درشن بھی
کرنے کی آگیا نہیں دیتے۔ اسی اسی اچھوت
جاتی کو بھگوان یسوع مسیح کا پوجاری اپنی
دیا بھری گود میں بٹھا رہا ہے۔ اتنا انتر۔
اتنا بھید۔ یہ ہم سے جتنی نفرت کرتے ہیں۔
یہ ہم سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں۔ یہ جتنا
ہمیں مارتے ہیں۔ یہ اتنا ہی ہم پر مرتے
ہیں۔ یہ ہمیں ٹھکراتے ہیں۔ اور یہ ہمیں
گلے لگاتے ہیں۔ یہ ہمارے جیون نوکا کو

ڈباتے ہیں۔ اور یہ پار لگاتے ہیں۔ دھنیہ ہو۔ دیالو آتما! دھنیہ ہو۔ مجھے اپنے چرنوں کی دھونی دیجئے۔ (پیروں پر گر پڑتا ہے۔)

پادری۔ بھگوان یسوع مسیح کی جے۔ (ایک سنیاسی کا داخل ہونا)

سنیاسی۔ جے۔ اور ہندو دھرم کی کَے۔ ہندو سامراجیہ کی کھَے۔ بولو۔ چُپ کے سناٹے میں کیوں آگئے ...... تم ...... تم .... تم کون۔

گلّو۔ میں۔ میں بھگوان رام چندر کو ہردے سنگھاسن سے اتار کر بھگوان یسوع مسیح کو بٹھانے والا۔ گلّو ڈوم۔

سنیاسی۔ گلّو ڈوم ...... اور اتنا ساہس۔ گلّو ڈوم! اور اتنا پر یورتن۔ ہری اوم۔ ہری اوم ...... بھائی گلّو! کہاں جا رہے ہو؟

گلّو۔ بھگوان یسوع مسیح کی دنیا کی آبادی بڑھانے کے لئے۔

سنیاسی۔ تو کیا اپنے باپ دادا کی دنیا میں رہنے سے جی بھر گیا۔

گلّو۔ اس کا جواب سناتن دھرمیوں کے اس سوادرشتی۔ پربھی پرتی ندھی سے پوچھو مہنت۔ (گومکھی میں مالا پھراتے ہوئے)

ارے او نیچ ڈوم ڑے! یہ کیا بکتا ہے۔ کیا پھر پولیس کو بلاؤں۔ تجھے دھول دھپّہ پرشاد کھلاؤں۔

سنیاسی۔ (اشارے سے منع کرتے ہوئے) سمجھا۔ سمجھا۔ دھرم کا گوڑھ تتو سمجھنے میں بھاری بھرم پھیلا ہے۔ کنتو۔ بھائی گلّو۔ تمہاری آپس کی لڑائی میں ہندو جاتی کا سروناش ہو جائیگا۔

گلّو۔ ہونے دیجئے۔ مجھے کیا۔

سنیاسی۔ ۳۳ کروڑ دیوتا پاگل ہو جائینگے

گلّو۔ ہو جائیں۔ میری بلا سے۔

سنیاسی۔ جننی جنم بھومی بڑھیا بھارت ماتا کی گود خالی ہو جائے گی۔

گلّو۔ ہو جائے۔ میں کیا کروں۔ اپمان اور نفرت کے تیر کھاتے کھاتے کلیجہ چھلنی ہو گیا ہے۔ اب تو میں شری بھگوان یسوع مسیح کے اس تچھ بھگت کی چرن دھولی اپنے ماتھے پر لگا چکا ہوں۔ انہیں اپنا گورو بنا چکا ہوں۔ اب تم جاؤ۔ میرا پیچھا چھوڑو۔

سنیاسی۔ ہمارے سماج پر اتنا کال کے کل دیپک! پرائی دنیا میں اپنا ویل پرکاش پھیلانے کے لئے نہ جاؤ۔ اپنی دنیا میں اجالا پھیلاؤ۔ اسی میں مان ہے۔ ادھر مت جا اب بھی سمے ہے۔ چند روزہ زندگی کے لئے اپنے پرم پوتر دھرم کو مت گنواؤ۔ ارے بھائی! کوٹ پتلون کے لوبھ میں اپنی پیاری دھوتی کی دھجیاں نہ اڑاؤ۔

گلّو۔ کنتو۔ آپ نے بھی سنا ہوگا "تنگ آمد بجنگ آمد" سنئے۔ مہاتما جی! ہم نے بہت سہن کیا۔ آج تک۔ اس دم تک اپنی پاپ متی چھایہ کو چھپانے کے لئے اپمان اور بدسلوکی کی اندھیری غار میں پڑے سڑتے رہے۔ جب کبھی بھوک کی مصیبت سے گھبرا کر باہر نکلے۔ تو بے عزتی اور نفرت کی وہ موسلا دھار ورکھا ہوئی۔ کہ جس خونی ورکھا کی مرتیو سروپ باڑھ میں ہماری جاتی کی جاتی بہہ گئی ہے۔ دھنیہ باد ہے۔ بھگوان یسوع مسیح کے اس پرو پکاری بھگت کو جنہوں نے ہم ڈوبتوں کو بچا لیا۔ کنارے لگا دیا۔

پادری۔ (زور زور سے ہنستا ہے) سکھی رہو۔ آنند رہو۔ بھگوان یسوع مسیح تمہارا کلیان کریں۔

سنیاسی۔ آہ کیسی نفرت بھری ہنسی۔ جو ساری ہندو جاتی کو ٹھٹھوں میں اڑا دی ہے۔ (پادری پھر ہنستا ہے) (اسے ڈانٹ کر) آہ نہ ہنسو۔ نہ ہنسو۔ اُف کیسا بھیانک دکھاؤ۔ ہندوؤں کی گراوٹ کا کیسا عبرت ناک نظارہ۔ جس نظارہ کو دیکھ کر آتما کی دردناک چلاہٹ سے پھوٹ پھوٹ کر اُنماد بھری ہنسی آکاش اور پاتال میں کھلبلی مچا رہی ہے۔ جس عبرت ناک نظارہ کو دیکھ کر ہندو دھرم کی رہی سہی پونجی آخری لگن بھیدی گیتا نجلی سنا سنا کر بھارت ماتا کو پاگل بنا رہی ہے۔ جس پاگل پن کے سٹیج پر اچھوت جاتی کی پیڑا کا نگن ناچ ہو رہا ہے۔ آہ میں اس ننگن ناچ کو نہیں دیکھ سکتا۔ نہیں دیکھ سکتا۔ نہیں دیکھ سکتا۔ گرا دو۔ اس عبرت ناک نظارہ پر وشو پریم کا پردہ گرا دو۔ ار ر ر ر ر ر ر ر ر ر ر ر ر (ہاتھ جوڑ کر) آجاؤ۔ ہندو جاتی کے لال! ہمیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔

گلّو۔ نہ جاؤں۔ (ہنستا ہے)

سنیاسی۔ ہاں ہاں نہ جاؤ۔

گلّو۔ (ہنستے ہوئے) ہاں ہاں نہ جاؤ۔ کیوں نہ جاؤں۔ اب تو میں ضرور جاؤں گا۔ اور تمہاری چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے جاؤں گا۔ اور یہ کہتے ہوئے جاؤں گا۔

سنیاسی۔ کیا کہتے ہوئے جاؤ گے۔ بھائی گلّو۔

گلّو۔ یہی کہ تمہاری مطلبی ہندو جاتی پر تُف۔ (گلّو کا پادری کے ساتھ ہنستے ہوئے)

ہوئے جانا)

سنیاسی۔ رکھشا کرو۔ ہے پتت پاون!
دکھ بھنجن۔ دینا ناتھ۔ جگدیشور۔ اچھوت جاتی کی رکھشا کرو۔ ورنہ ہار گوری کی کوکھ کا ایک رتن کم ہو جائیگا۔ ہندو جاتی کا ایک انگ بھنگ ہو جائیگا

{سارا سین بدل جاتا ہے۔ رگھو ناتھ جی کا مندر سامنے آتا ہے۔}

(رگھو ناتھ جی کی مورتی سے آواز آتی ہے)
...... کیا کہا۔ ہندو جاتی کا ایک انگ بھنگ ہو جائیگا۔ اور تم —— اور تم یونہی دیکھتے رہو گے۔ دھکار ہے تمہارے سنیاسی بانے پر۔ دھکار ہے سنیاس آشرم کو۔ اپنی زہریلی سانس سے سانپ کا بل بنانے والے! اپنے پوروپرکھوں کی امر کیرتی کو ٹیکا لگانے والے۔ کاپرش! کیا تمہارا جاتیہ ابھیمان جاتا رہا؟
سنیاسی۔ (گھبراتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھ کر) نہ نہ نہ نہیں۔
آواز۔ کیا تمہارے جاتیہ گورو پر فالج گر پڑا؟
سنیاسی۔ نہ نہ نہ نہیں۔
آواز۔ کیا تمہارا جاتیہ کرتویہ مر گیا؟
سنیاسی۔ (چلا کر) نہ نہ نہ نہیں۔ نہیں
زندہ ہے۔ میرا جاتیہ کرتویہ زندہ ہے۔ ...... (اپنے آپ سے) کون بول رہا ہے۔ میری آتما میں کون بول رہا ہے۔
آواز۔ یہیں سین بدل جاتا ہے۔ رام چندر اور لکشمن کا بھیلنی کے جوٹھے بیر کھاتے ہوئے نظر آنا)
سنیاسی۔ (آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے) ک ک ک ک۔ کون ......
کون۔ سوریہ کل دواکر بھگوان رام چندر اور ویر لکشمن جی۔ رامائن کا جیتا جاگتا درشیہ بھیلنی کے جوٹھے بیر کھانے والا منوہر درشیہ۔ سمجھا۔ سمجھا۔ سیوک اپنا جاتیہ کرتویہ سمجھا۔ بھگوان میں پرتگیا کرتا ہوں۔ کہ آج سے۔ اس دم سے اچھوت اُدھار کے لئے جیونگا۔ اور اچھوت ادھار کے لئے ہی مر جاؤنگا
آواز۔ تتھاستو۔ جاتیہ کرتویہ کی زندہ مثال۔ بھارت لال۔ ایسا ہی ہو۔
(یہیں پر سین ختم ہوتا ہے)

دوسرا سین

دس برس کے بعد

(مسٹر روز لینڈ کے سونے کا کمرہ)

ﷺ۔ گلا بو ڈوم اس سمے روز لینڈر کے نام سے کان پور کے نامی رئیسوں میں گنا جاتا ہے۔ ایک دھنوان عیسائی کی ودھوا لڑکی سے شادی ہو جانے سے اس کے بھاگیہ چکر نے بھی اپنا چکر بدل دیا ہے۔ اس سمے گلا بو ڈوم لاکھوں میں کھیلتا ہے۔ بڑے بڑے ہندو اس کی چرن دھوڑی ماتھے پر لگانا سو بھاگیہ سمجھتے ہیں + شیدا

{مسٹر روز لینڈ سو رہے ہیں۔ پردہ اُٹھتے ہی سین بدل جاتا ہے سپنے کی دنیا۔ یعنی ایک طرف شری رگھو ناتھ جی کا مندر دکھایا جاتا ہے۔ جہاں گلا بو ڈوم کو پولیس پیٹ رہی ہے۔ اپنے ڈوم بھائی کی ایسی درگت دیکھ کر اچھوت جاتی ڈر کے مارے بھاگ رہی ہے۔ اور دوسری طرف گرجا گھر نظر آتا ہے۔ جہاں اچھوت جاتی کا سواگت منانے کے لئے ایک بوڑھا پادری کھڑا ہے۔ ان کے بیچوں بیچ ایک سنیاسی ویاکھیان دے رہا ہے۔ اتنا ہجوم ہے۔ کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ——}

سنیاسی ...... اس لئے ہمیں اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے نفرت کرنے کے بدلے چھوت چھات سے نفرت کرنی چاہیئے۔ جات پات کے ڈھکوسلوں سے نفرت کرنی چاہیئے۔ اور کیول وشو پریم کو ہی اپنا دھرم سمجھ کر ہندو سنگھٹن کو اپنا جیون کرتویہ بنانا چاہیئے۔ (تالیاں)
روز لینڈ۔ (چونک کر) آہ وشو پریم ہندو سماج میں آج وشو پریم کہاں؟ (کروٹ بدلتے ہوئے) آہ میرا ہندو دھرم ......
سنیاسی۔ سوریہ کل تلک شری رام چندر نے بھیلنی کے جوٹھے بیر کھا کر چھوت چھات کے جھگڑوں کا انت کر دیا تھا۔ بھارت سمراٹ چندر گپت نے بلخ کے یونانی سیلیوکس کی کنیا ہیلن سے وواہ کر کے جاتیہ بندھن کو توڑ دیا۔ اندور کے بھوت پوروو نریش سر تکو جی راؤ ہلکر نے مس ملر کو شدھی کی ویدی پر بٹھا کر گٹھ بندھن کر سمست سنسار میں ہندو سنگھٹن کا ڈنکا بجا دیا۔
یوں تو براہمنوں کو برے دنوں میں کھشتری ویشیہ اور شودر میں کیا اچھوت کنیا کا پانی گرہن کرنے کا ادھیکار ہے۔ کنتو اچھوت کنیا کے پتا کے ساتھ کنویں پر جل بھرنے سے۔ ایک ساتھ بیٹھ کر بھجن پوجن کرنے سے براہمن پن اور ہندو مریادا نشٹ ہو جاتی ہے۔
روز لینڈ۔ (بڑبڑاتے ہوئے) کیا اسے

خود غرضی نہیں کہتے۔ ہندو جاتی کا کتنا ادھکار ہے۔ ہائے ری میری ہندو جاتی......
(کچھ گنگناتے ہوئے پھر سوجاتا ہے)

سنیاسی۔ آہ ۔۔ ہندو جاتی۔ ہندو دھرم اور ہندو گورو کا نام مٹانے کے لئے آکاش میں کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ہمارے مندروں۔ ہمارے تیرتھوں۔ ہمارے ویدوں اور ہمارے رشیوں پر سیال سنکٹ آپڑا ہے۔ اور آپ چپ ہیں۔ کرم بھومی میں اُترنے کے بدلے آپس کے منقیامت بھیدوں اور لڑائی جھگڑوں میں اُلجھ رہے ہیں۔ آہ یدی ہماری ساماجک ادستھا کا دھن جاتیہ ادھار کی سیدھی سڑک پر نہ چلا۔ یدی ہم اسی طرح اپنے بچھڑے ہوئے سات کروڑ ہندو بھائیوں سے نفرت کرتے رہے۔ تو چار سو برس کے اندر سنسار میں ہندو جاتی کا ایک لال بھی باقی نہ رہیگا۔

روز لینڈ۔ .... آہ کیسی دل سوز جگر دوز آواز۔ آہ یہ میں نے کیا سنا۔ چار سو برس کے اندر سنسار میں ایک بھی ہندو جاتی کا لال باقی نہ رہیگا۔ یہ کون بولا؟ کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ سپنے کی بھبیشنا مجھے ڈرا رہی ہے۔ دیا کرو۔ بھگوان یسوع مسیح ہندو جاتی پر دیا کرو۔ (بڑبڑاتے ہوئے پھر سوجاتا ہے)

سنیاسی۔ .... اس لئے میں ہندو دھرم کی دُہائی دے کر ہندو سماج سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اب اچھوت بھائیوں کو اپنے سے الگ نہ رکھے۔ ہم اس وشو پریم کی مالا کے منکے بن جائیں۔ کہ جس مالا میں پروئے جانے سے ہماری جاتیہ شرنکھلا ہمیشہ کے لئے دُور ہو جائے۔ ہم جاتیہ اُدھار کے لئے ہمیشہ اُدیوگ کرتے رہیں۔ اور ہندو سنگھٹن کی جڑ کو مضبوط بنائیں۔

ہجوم۔ شُدھی پرچار کی جے۔ اچھوت اُدھار کی جے۔

روز لینڈ۔ آہ۔ اچھوت اُدھار کی جے۔ کیسا شانتی مئے ویاکھیان۔ جسے سُن کر ہردے کا بجھا ہوا دیپک پھر ایک بار روشن ہو گیا۔ آہ کیسی اُتساہ بھری آکاش بانی۔ جو ایکم کے چندرماں کی طرح بڑھتی ہوئی امرت بھری کرنوں سے میرے مرتک شریر کو جگا رہی ہے۔

(سین بدل جاتا ہے۔ سنیاسی کا پادری کے روپ میں بدل جانا)

روز لینڈ۔ ...... آہ۔ آہ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ دُور ہو۔ بدی تم سوپن مُورتی ہو۔ تو میری آنکھوں سے اوجھل ہو جاؤ۔ ہٹو۔ نکلو۔ دُور ہو۔ جلے پر اور نمک مت چھڑکو...... آہ اندھکار۔ نیرو اندھکار جس اندھکار کی سیاہی بھیروی کا روپ دھارن کر غریب اچھوت جاتی کا دھرم رکت پان کر رہی ہے۔ (روتا ہے)

سنیاسی...... بھول کرتے ہو۔ مہاشہ! بھول کرتے ہو۔ کیونکہ اس بھیروی تو اچھوت جاتی کا کلیان کر رہی ہے۔

روز لینڈ —— کلیان کر رہی ہے۔ کہاں کہاں۔

سنیاسی۔ اِدھر دیکھو۔ (سین بدل جاتا ہے۔ گاؤں کے گاؤں شُدھی کی وشال ویدی پر آکر ہندو دھرم کو گرہن کر رہے ہیں) ...... کیوں دیکھا۔ وشواس ہوا نہ ——

روز لینڈ۔ ہُوا۔ مہاتما جی۔ وشواس ہوا۔ آہ کیسا سوُرگیہ درشیہ! کیسا سورگیہ درشیہ کنتو میرا بھوشیہ۔

سنیاسی۔ تمہارا بھوشیہ؟ بھائی گلابو! تمہارا بھوشیہ تو مجھے بھور کے ننھے روی سے بھی زیادہ اُجل نظر آتا ہے۔

روز لینڈ۔ آہ۔ یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔ جس نام سے مجھے جننی بُلایا کرتی تھی۔ وہی پیارا نام کہکر مجھے کس نے بُلایا۔

سنیاسی۔ (مجسم داخل ہو کر) میں نے......

روز لینڈ۔ (آنکھیں مل مل کر دیکھتا ہے) تم ررررر تم کون؟

سنیاسی۔ سنیاسی۔

روز لینڈ۔ کیا...... کیا...... تم سوپن مُورتی ہو۔

سنیاسی۔ نہیں۔ نہیں۔ ساکھشیات۔ مورتی مان۔

روز لینڈ۔ مورتی مان! شریمان! تو پھر میری بھولی بھٹکی آتما کو سیدھے رستہ پر لگاؤ۔ میرا بھرم مٹاؤ۔

سنیاسی۔ ہرش سے۔ آؤ۔ ہندو جاتی کے بچھڑے ہوئے لال آؤ۔ میرے گلے سے لگ جاؤ۔ ہندو جاتی اپنی آنکھیں بچھا کر تمہارا سواگت مناتی ہے۔

روز لینڈ۔ ٹھیرو۔ مہاتما! ٹھیرو۔ پہلے میں گلے سے یہ صلیب اُتار لوں ——

سنیاسی۔ نہیں۔ نہیں۔ صلیب اُتارنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ جڑ پدارتھ ہے۔ اور تمہاری چیتنیہ آتما پرم پوتر ہے۔ بھائی گلابو! تمہاری آتما تو میری آتما سے بھی پوتر ہے۔ کیونکہ عیسائی ہونے پر بھی تمہارے روم روم میں جاتیہ پریم کا مہا ساگر اُمڈ رہا ہے۔ (کھینچ کر گلے لگاتا ہے)

(پھر سین بدل جاتا ہے۔)

[شری رگھوناتھ جی کے مندر کا دکھاؤ۔ وہی مہنت جس نے ایک سمے گلابو ڈوم کو مندر کی سیڑھیوں پر سے اُتارا تھا۔ وہی مہنت گلے میں کپڑا ڈال گھٹنے ٹیک کر]

مہنت۔ کھشما دھرم ویر بھائی گلاب رام میرے اپرادھ کھشما۔

روز لینڈ۔ (ہاتھ جوڑ کر) بھگوان! آپ ہمارے پوجیہ ہیں۔

اس کے بعد ویدک دھرم کی ودھی انوسار روز لینڈ اپنے پریوار سمیت ہندو دھرم میں پُنہ پرویش کرتا ہے۔ شری رگھوناتھ جی کے مندر کا اندرونی حصہ بجلی کے جگمگاتے بلبوں سے جگمگا رہا ہے۔ شری رام چندر ساکھشات درشن دیتے ہیں۔ سب کوئی ہاتھ جوڑتے ہیں۔

آواز۔ کلیان ہو۔ برت دھاری سنیاسی تمہارا کلیان ہو۔

جاتیہ سیوا سے رہے ہر دم تمہارا واسطا
پھولے پھلے کر تو یہ نندن میں تمہاری کامنا
جس سے کہ ہندو جاتی کی ترُٹیوں کی ٹوٹے شرنکھلا
بھارت میں ہو شیدا سدا تم سے اچھوتوں کا بھلا

(پردہ گرتا ہے۔)

ہندو سماج کا راج روگ

(از لالہ اسنت رام جی بی۔ اے منتری جات پات توڑک منڈل لاہور)

ہندو سماج کے سامنے اس وقت زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اس کے جسم میں تباہ کن شکتیاں تعمیری شکتیوں پر غلبہ حاصل کر رہی ہیں۔ جن سے پیدائش کی نسبت اموات کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ہندو سماج روپی شریر کو لاتعداد روگوں نے گھیر رکھا ہے۔ ان میں سے پردھان روگ، اچھوت پن دوسرے مذہب والوں کو جذب نہ کرنا اور سنگٹھن یا اتحاد کی عدم موجودگی ہے۔ اسی لئے آج ہم چاروں طرف سے اچھوت ادھار۔ شدھی اور سنگٹھن کا شور سنتے ہیں۔ ان تینوں تحریکوں پر لاکھوں روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ اور سینکڑوں آدمی کام کرتے ہیں۔ مگر ہندو سماج روپی روگی کی اوستھا ویسی کی ویسی ہے اسے کچھ بھی افاقہ نہیں۔ اس کا کارن کیا ہے؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اچھوتوں کو لکھا پڑھا دینے یا ان کی مالی حالت ٹھیک کر دینے سے ہندو سماج کا یہ سنکٹ، اچھوت پن اپنے آپ دور ہو جائے گا۔ آریہ سماج نے اچھوتوں کے لئے سکول کھولے۔ اور ان کو صنعت و حرفت سکھانے کا یتن کیا۔ مگر ڈوم کو "مہاشہ" چوہڑے کو "بھگت" اور چمار کو "رشی سنتان" نام دینے سے بڑھ کر وہ کچھ نہ کر سکا۔ وہ ان اچھوت نام دھاری لوگوں کے اچھوت پن کو دور کرکے ان کو اپنے شریر کا انگ نہ بنا سکا آریہ سماج ہی کیوں۔ کوئی بھی دوسری سوسائٹی اچھوت پن دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی بمبئی کونسل کے ممبر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ایم۔ اے بیرسٹر نے حال ہی میں ایک تقریر میں کہا تھا۔ کہ اگرچہ میں اتنا لکھ پڑھ گیا ہوں اور روپیہ پیسے کے لحاظ سے بھی اونچی جات کے کئی ہندوؤں سے اچھا ہوں۔ تو بھی ہندوؤں کی نظر میں ایک معمولی اچھوت سے بہتر نہیں۔ میں اپنے جنم کے کارن اچھوت پن سے نکل نہیں سکتا۔ اسی پرکار مدراس ہائیکورٹ کے جج مسٹر کرشنن اچھوت ودوان اور امیر ہو جانے پر بھی جنم سے اچھوت ہونے کے کارن براہمنوں کی گلیوں میں پاؤں نہیں رکھ سکتے تھے۔

شدھی کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ پچھلے دس برس کے مسلمان شدھ ہی بہت تھوڑے ہوئے ہیں۔ جو شدھ ہوئے بھی ہیں۔ وہ بہت گھٹیا درجے کے لوگ ہیں۔ ان میں سے بھی شمار کرنے پر آج آپ کو پچاس بھی ایسے نہیں ملیں گے۔ جن کو ہندو سماج نے روٹی بیٹی کے سمبندھ سے اپنے میں جذب کر لیا ہو۔ مسلمان عورتیں تو بیشک کسی حد تک جذب ہو جاتی ہیں۔ مگر مرد شاید پانچ بھی ایسے نہیں ملیں گے۔ جن کا شدھ ہو جانے پر بیاہ ہو گیا ہو اور جو ابھی تک بھی ہندو سماج میں ہی ہوں۔ اخباری دنیا کی باتیں اور ہیں۔ وہ سادہ لوح پبلک کو خوش کرنے کے لئے ہی گھڑی جاتی ہیں مگر حقیقت وہی ہے۔ جو میں نے اوپر بیان کی کہیں تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ شدھی کی تحریک ناکام رہی ہے۔ اب تو کیول کبیر پنتھیوں۔ رمداسیوں۔ ڈوموں اور سکھوں آدی کو جنیو دینے کا نام ہی شدھی رہ گیا ہے۔ پر میرا پرشن ہے۔ کہ یہ لوگ تو پہلے ہی ہندو ہیں۔ ان کو دوبارہ ہندو بنانے کے کیا معنی؟ کل اگر مالویہ جی لالہ ہرکشن لال کے گلے میں جنیو ڈال کر اس کا نام لالہ ہرکشن لال کی شدھی رکھ دیا جائے تو ایسی شدھی پر کیا آپ تالیاں بجائیں گے؟

اب رہا سنگٹھن۔ سو اس کی حالت یہ ہے کہ مدراس میں برہمن اور غیر براہمن دونوں ہندو ہیں۔ مگر ان کی آپس میں اتنی دشمنی ہے۔ جتنی کہ اتر بھارت میں ہندو اور مسلمان کی دونو اپنے مفاد کو ایک دوسرے سے متضاد سمجھتے ہیں اتر بھارت میں بھی مالویہ براہمن کو۔ بنیا بنئے کو۔ جاٹ جاٹ کو اور کالستھ کالستھ کو ہی عملی طور پر ہندو سمجھتا ہے۔ جس محکمے یا دفتر میں ایک بنیا افسر ہوگا۔ اس کی یہی کوشش رہیگی۔ کہ وہاں سب بنئے بھائی ہی نظر آویں۔ کوئی براہمن یا نائی یا جاٹ نوکر نہ ہو سکے۔ اسمبلی اور کونسلوں کے چناؤ کے موقعوں پر قابلیت کا کچھ بھی خیال نہ کرکے بڑے بڑے لیڈر تک اپنی ہی جات کے امیدوار کو ووٹ دیتے اور دلاتے ہیں۔ براہمن اور بھنگی دونو ہندو کہلاتے ہوئے بھی عملی طور پر ایک دوسرے سے کوئی ہمدردی اور پریم نہیں رکھتے ایسی حالت میں سنگٹھن کا ڈھونگ کیا معنے رکھتا ہے؟

اب ذرا سوراجیہ کی بھی سنئے۔ مدراس میں غیر براہمنوں کی تعداد ۹۷ فیصدی ہے۔ وہ بار بار کہہ رہے ہیں۔ کہ سوراجیہ کا مطلب براہمن راجیہ ہے اس لئے ہمیں اس سوراجیہ سے برٹش راجیہ کئی درجہ اچھا ہے۔ شمالی ہند کے اچھوت بھی سوراجیہ کے خلاف ہیں۔ ٹراونکور اور نیپال میں جہاں ہندو راجیہ ہے۔ وہاں ان غریبوں کو پبلک سڑکوں پر چلنے۔ سونا اور چاندی پہننے اور دودھ پینے تک کی اجازت نہیں۔ انگریزی راجیہ میں تو یہ لوگ لکھ پڑھ کر جج اور ڈاکٹر بھی بن سکتے ہیں۔ مگر ہندوؤں کے رام راجیہ میں وید منتر کان میں پڑ جانے سے کان پگھلے ہوئے سیسے سے بھر دیا جائیگا۔ اور ادھم کا شبد زبان سے نکل جانے پر زبان کاٹ ڈالی جائیگی۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ اچھوت ادھار شدھی اور سنگٹھن روپی علاج ناکامیاب کیوں ہو رہے ہیں؟ ان سے ہندو سماج روپی شریر کا روگ دور کیوں نہیں ہوتا؟ کارن یہ ہے۔ کہ اچھوت پن۔ سنگٹھن کا نہ ہونا۔ اور غیر مذاہب سے آنیوالوں کو جذب کرنے کی طاقت کی کمی یہ سب بیماری کے باہری لکشن ہیں۔ خود بیماری نہیں۔ بخار بیماری کا باہری لکشن ہے اس کا مول کارن تپ دق یا ملیریا کے کیڑے یا پیٹ میں درد یا کوئی سخت چوٹ ہو سکتا ہے جبتک مول کارن کو دور نہ کیا جائے بخار کو آرام نہیں ہوتا اسی طرح ہندو سماج کا مول روگ ورن ویوستھا یا جات پات ہے۔ جبتک یہ راج روگ ہے لاکھ کوشش کرنے پر بھی اچھوت ادھار شدھی اور سنگٹھن میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ مگر دکھ ہے کہ اس قوم کے سایک خود ہی اس روگ میں مبتلا ہیں۔ مالویہ جی جیسے ہندوؤں کے علاج دوسری جاتی کے براہمن کے ساتھ لڑکی کا بیاہ کر دینے کے سبب ہی اپنے سمبندھی پنڈت لکشمی کانت کو برادری سے باہر نکال دیتے ہیں۔ چھوٹی عمر کی شادی کی حمایت اور شاردا بل کی مخالفت کر کے وہ جاہلوں اور ضعیف الاعتقاد گھونگھا پنتھیوں میں ہر دلعزیز بنا رہنا چاہتے ہیں۔

ورن دیوستھا جات پات کی جڑ ہے جس دماغ سے برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر ان جماعتوں میں ہندوؤں کو تقسیم کیا۔ اس نے ہندوؤں میں سمتا (برادری) اور بھائی چارے کی جڑ پر کلہاڑا چلا دیا۔ اس نے ہاتھ کی محنت کی اہمیت کو گھٹا کر ہندوؤں کو بنیوں اور بابوؤں کی ایک ہیجڑی جماعت بنا دیا۔ اس نے بھائی کو بھائی سے الگ کر کے ہندوؤں کو ایکتا کے امرت پھل سے محروم کر دیا۔ اس نے جنم العیمان کو نشہ پلا کر ۲۲ کروڑ لوگوں کو

پاگل بنا دیا۔ جب تک شاستروں اور سمرتیوں کی غلامی ہے۔ اور جب تک جنم الیت سے ورن دیوستھا کو ایشور کی بنائی ہوئی مانا جاتا ہے۔ تب تک ہندو لوگ جات پات کے راج روگ سے مکت نہیں ہو سکتے۔

دنیا میں دیوستھائیں یا نظام سوسائیٹوں کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ مگر یہاں سوسائیٹی کو نظام کے لئے بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ واقعات اور شاہدوں کی بناء پر سدھانت یا سدھانت بنایا جاتا ہے۔ ڈاروِن نے واقعات کو دیکھ کر مسئلہ ارتقا یا وکاس واد کا سدھانت نکالا۔ مگر ہندو لوگ من گھڑنت ورن دیوستھا کی غلط بھیودی کے مطابق سوسائیٹی کو بنانے پر بضد ہیں۔ عام قاعدہ ہے کہ درزی جسم کے مطابق کپڑا تیار کرتا ہے۔ اگر وہ فٹ نہ ہو تو وہ کپڑے میں کتر بیونت کر کے اسے بدن کے ٹھیک بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ بھلا اگر کوئی درزی ایک کپڑا اسی کر لائے اور خریدار کے جسم پر فٹ نہ آنے پر اسے کہے۔ کہ صاحب میرا کپڑا تو بہت اعلے ہے۔ اس میں کاٹ چھانٹ نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنے جسم کو ہی اس طرح تراش کرائیے۔ کہ یہ کپڑا آپ کو ٹھیک آ جائے۔ تو آپ اس درزی کو سمجھدار کہیں گے۔ یا پاگل۔ مگر ہندوؤں کی یہ حالت ہے۔ کہ ورن دیوستھا موجودہ سوسائیٹی کے لئے "فٹ" نہیں۔ وہ اس کے جسم پر ٹھیک آتی ہی نہیں۔ اس سے سماج کا کام شانتی اور سکھ سے چل ہی نہیں سکتا۔ مگر وہ کہتے ہیں۔ نہیں صاحب۔ ہماری یہ ورن دیوستھا رشیوں کی بنائی ہوئی ہے یہ نہایت اعلے ہے اگر یہ سوسائیٹی کے لئے فٹ نہیں بیٹھتی تو سوسائیٹی کو چھیل چھال کر اس کے فٹ بنا دیا جائے۔ ایسی عقل کے مالکوں کو سمجھدار دنیا کیا کہے گی؟

میرا دعوے ہے۔ کہ جس ورن دیوستھا کا سمرتیوں اور شاستروں میں ذکر ہے وہ موجودہ زمانہ کی ہندو سوسائیٹی کے لئے بالکل ناموزوں اور اس کو موت کے منہ میں دھکیلنے والی ہے اس کے مطابق عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر شاستروں اور سمرتیوں کی دماغی غلامی ہندو کو اس کے خلاف آواز اٹھانے سے روکتی ہے۔ آریہ سماج نے بھی پچاس برس تک گن کرم انوسار ورن دیوستھا کے گیت گا کر دیکھ لئے مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ کوئی چاہے زبان سے کہے یا نہ کہے لیکن اسکا دل ضرور تسلیم کرتا ہے۔ کہ یہ ورن دیوستھا محض ڈھکوسلا اور بیوقوفوں کا ڈھونگ ہے اسی ورن دیوستھا [illegible] سے بھی زیادہ [illegible] ہے جن کو مٹانے کے لئے سبھی سمجھدار لوگ متفکر [illegible] پات کے ملیامیٹ ہونے سے ہی ہندوؤں میں سنگٹھن

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۳۰)

برہمن دیوی

ایک معنی خیز اور دلچسپ کہانی

(از ابو ظفر نازش رضوی صاحب لاہور)

اسبھا نہایت قبول صورت خوب سیرت نیک دل اور شریف لڑکی تھی۔ سوائے دولت وحشمت کے وہ تمام چیزیں جو ایک عورت کیلئے نہایت ضروری ہوتی ہیں۔ خدا نے اسے بہت فیاضی سے عطا کی تھیں

اسبھا اپنے غریب اور شفیق ماموں پنڈت شیام سندر کی پناہ میں رہتی تھی۔ کیونکہ بچپن میں ہی وہ ماں باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو چکی تھی۔ پنڈت شیام سندر اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے اور اپنی عزت اور شرافت کی طرح کی حفاظت اور خبرگیری کرتے تھے۔ اسبھا بھی انہیں اپنا حقیقی والد تصور کرتی اور سعادتمند بیٹیوں کی طرح اُن کی اطاعت اور خدمت گذاری میں شب وروز مصروف رہتی تھی۔

اسبھا کی عمر ۱۶ برس کے قریب تھی۔ یعنی اب اس کی جوانی کی بہار شروع ہوئی تھی اور دن بدن اس میں شگفتگی اور تازگی پیدا ہو رہی تھی۔ قصبہ کی تمام خوبصورت لڑکیاں اسے پیار اور محبت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتیں۔ اور جہاں کہیں چار عورتیں جمع ہو جاتیں اسبھا کی خوبصورتی اور حیا کے تذکرے چھڑ جاتے اور ہر ایک کے مُنہ سے یہی نکلتا۔ کہ

"اسبھا کیسی نیک اور خوبصورت لڑکی ہے"

سیٹھ رام گوپال میرے درجے کا پرلے درجے کا

نفس پرست آدمی تھا۔ ایک بار جو اس کے پھندے میں پھنسا۔ پھر وہ قیامت تک نہ چھوٹا۔ ایک دن اتفاقاً رستے میں وہ پنڈت شام سندر سے دوچار ہوکر نہایت کرخت اور دھمکی بھرے لہجے میں اپنے روپیہ کا مطالبہ کرنے لگا۔ پنڈت جی نے نہایت شریفانہ طور سے عدم ادائیگی کی معذرت چاہی۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور جواب میں بڑی بیباکی اور غصّہ سے بولا۔ کہ بس اگر ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر میرا قرض نہ چکایا۔ تو بذریعہ عدالت تمہیں بے عزت کر کے دام دام وصول کرونگا اور پھر تمام ہرجہ وخرچہ کی ذمہ داری تم پر عاید ہوگی۔ پنڈت جی نے بڑی منت وسماجت سے کہا۔ کہ سیٹھ جی دو ایک مہینے اور صبر کریں جبتک

کہیں نہ کہیں سے قرض لیکر آپ کا روپیہ ادا کردونگا اس پر وہ خبیث کہنے لگا۔ کہ

"مہاراج آپ تو بے سود کہیں نہ کہیں سے لینے کی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جب اصل زر آپ کے پاس موجود ہے۔ تو پھر اسے بیوپار میں کیوں نہیں لگاتے۔ اور ہم تو پر بیغرض جانے نفع دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔"

یہ فقرے نہیں تھے۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر تھے۔ جو رام گوپال کی زبان سے نکلے اور پنڈت شیام سندر کے دل میں پیوست ہوکر رہگئے غم وغصّے کے مارے اُن کا جسم کانپ اٹھا۔ اس نے سیٹھ کی بیہودہ باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور خون جگر پی کر چُپ چاپ گھر چلے آئے۔ اور

آتے ہی ڈیوڑھی کی چارپائی پر دراز ہوگئے۔

اسبھا حسب معمول گھر کے کام کاج سے فارغ ہوکر دیر تک پنڈت جی کی راہ دیکھتی رہی یہاں تک کہ سورج بھی غروب ہوگیا۔ اب تو اسبھا کا انتظار بیتابی میں تبدیل ہوگیا۔ طرح طرح کے پریشان خیالات نے اسے گھیر لیا۔ کبھی کہتی۔ کہ بڈھے آدمی ہیں۔ کسی گائے بیل کی جھپیٹ میں آکر کہیں پڑے سسک رہے ہوں گے۔ کبھی یہ وہم اسے بے چین کرتا کہ ناتوانی اور کمزوری کے باعث دم لینے کی خاطر کسی کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے ہونگے۔ اور کھانستے کھانستے بے قابو ہوکر اس میں گر پڑے ہوں گے۔ الغرض کامل ایک گھنٹہ تک انہی توہمات میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے اپنے دل سے فیصلہ کیا۔ کہ اب اسے خود پنڈت جی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ نہایت مضطربانہ انداز میں اُٹھی۔ اور اپنے کپڑوں کو سنبھالتی ہوئی جب وہ ڈیوڑھی میں پہنچی۔ تو اس نے پنڈت جی کو ایک خالی چارپائی پر سوتے پایا۔ اب تو اس کی جان میں جان آئی۔ اسبھا نے پنڈت جی کو جو بیچارے ضبط غم کئے پڑے جاگ رہے تھے۔ اپنے خیال میں نیند سے جگاکر اپنی فضول پریشانی اور انتظار کا ماجرا بیان کیا ستم رسیدہ پنڈت جی اسبھا کی پریشانی کا حال سُنکر آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور دیر تک

گردن جھکائے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اب اسبھا کو ایک نئی تشویش نے آگھیرا۔ وہ پنڈت جی کی خاموشی کو کسی ناراضگی یا اپنی کسی کوتاہی پر مبنی سمجھ کر بھرائی ہوئی آواز میں ہاتھ جوڑ کر بولی۔
"پتا جی کیا آپ مجھ ابھاگنی سے ناراض ہیں"
اسبھا کے اس معصومانہ اور عاجزانہ جملے نے پنڈت جی کے دل کو تڑپا دیا۔ اور وہ جو پہلے ہی سے بھرے بیٹھے تھے۔ اب بے اختیار بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے۔ آف! ایک ضعیف بے یار و مددگار شریف آدمی جو حوادث روزگار سے تنگ آ گیا ہو۔ اس کے آنسو تو پتھروں کو پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ اور اسبھا تو بھلا ایک نازک دل لڑکی تھی۔ بقول ۔

زخمی ہو جگر اور دل ہم راز نہ ہووے
مضراب لگے تار پہ اور ساز نہ ہووے

وہ اپنے پتا اپنے بزرگ اپنے ضعیف محسن کو اس طرح روتے اور کراہتے ہوئے دیکھتی۔ اور خود خاموش رہتی۔۔۔۔ آہ! پنڈت جی کا ایک ایک آنسو اس کے لئے تیر و نشتر سے کم نہ تھا۔ غرضیکہ وہ بھی روئی اور خوب ہی روئی یہاں تک کہ دلی جذبات کا متلاطم سمندر خودبخود ختم ہو گیا۔ اور اسبھا کے دوبارہ دریافت کرنے پر پنڈت جی نے اسبھا کی پوری پوری تشفی کر دی۔ کہ وہ اس سے کسی بات پر ناراض نہیں ہیں بلکہ ان کی خاموشی اور پریشانی کا باعث سیٹھ رام گوپال کے غیر شریفانہ اور ناجائز مطالبہ تھا۔ جو اس نے نہایت بے جا طریقہ پر سر راہ کیا تھا۔ پنڈت جی کی زبانی یہ تمام کیفیت سن کر فرط غیرت اور جوش انتقام سے اسبھا کا بدن لرزاں کانپنے لگا۔ اور وہ اپنے دلی جذبات کو دبائے ہوئے وہاں سے اٹھ کر اپنی چارپائی پر جا لیٹی۔

دوپہر رات گذر چکی ہے۔ تمام دُنیا پر نیند کا غلبہ طاری ہے۔ قصبہ بھر میں شاید ہی کوئی ذی روح جاگتا ہو۔ اندھیرے کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ سپاہی اور چوکیدار سب اپنی اپنی ڈیوٹیوں سے غافل ہو کر خراٹے بھر رہے ہیں۔ لیکن اس وقت ایک غیور اور باعصمت برہمن لڑکی سراپا جذبۂ انتقام میں ڈوبی ہوئی نہایت بے باکانہ انداز سے بےخوف و خطر ہو کر ہاتھ میں ایک کلہاڑی لئے ہوئے غیر معمولی تیزی کے ساتھ سیٹھ رام گوپال کے گھر کی طرف جا رہی ہے۔

" میں تمام انتظام مکمل کر چکا ہوں۔ دیکھو تم نہایت ہوشیاری سے سیڑھیوں والے دروازے پر پہرہ دو۔ اور جونہی کوئی آہٹ پاؤ۔ فوراً دبے پاؤں تالاب والی منڈیر کے قریب پیچھے گملوں میں اپنے آپ کو چھپا دینا میں نے تالاب والی منڈیر کے سہارے پر رستہ باندھ رکھا ہے۔ اور اب میں مستعد ہوں کہ دوسرے آدمیوں کو کتنے بجے میں آ کر لانے کے لئے جاتا ہوں۔"
"نہ ناراض جاؤ۔ تم بے فکر ہو کر سب کام انجام دو۔ میں یہاں کی دیکھ بھال کے لئے کافی ہوں"
بڑے بڑے پام کے گملوں کی اوٹ میں کھڑے ہوئے اسبھا نے یہ تمام گفتگو سنی۔ اور اندھیرے میں نہایت دبے پاؤں تالاب والی منڈیر کے پاس جس جگہ رستہ بندھا ہوا تھا پہنچ گئی۔ اور بڑی پھرتی و ہوشیاری سے منڈیر سے بندھے ہوئے رستے کو کھول کر پانی میں گرا دیا۔
اچانک پانی میں کسی شے کے زور سے گرنے کی آواز سنتے ہی وہ آدمی جو دروازہ کی دیکھ بھال پر متعین تھا آہستہ آہستہ آ کر منڈیر کے پاس تالاب کی طرف جھک کر دیکھنے لگا۔ اور پھر بے اختیار ایک ہولناک چیخ مارتے ہی تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ آدھی رات کے وقت اس دلدوز چیخ نے دفعتاً اس گھر کے تمام لوگوں کی نیند کو اُچاٹ کر دیا اور سب کے سب آناً فاناً لاٹھیاں اور لالٹینیں ہاتھوں میں لئے کوٹھے پر چڑھ آئے۔ اور دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان لڑکی خون آلودہ کلہاڑی ہاتھ میں لئے ہوئے بت کی مانند بے حس و حرکت منڈیر سے کچھ فاصلہ پر کھڑی ہے اور اس کے قریب ہی اس علاقہ کے مشہور ڈاکو چیندو کا ایک ساتھی لہو میں نہائے ہوئے زمین پر مچھلی کی طرح لوٹ رہا ہے۔ اس عرصہ میں پولیس بھی موقعہ واردات پر آ پہنچی۔ پولیس افسر کے حکم سے زخمی ڈاکو کو اسی وقت ہسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ اور اس کے بعد اسبھا کے بیانات قلمبند کئے گئے۔ اسبھا نے کہا کہ میں تو یہاں صرف اس (سیٹھ رام گوپال کی طرف اشارہ کر کے) پاپی اور چنڈال شخص سے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے آئی تھی۔ لیکن خلاف توقع اس مکان کا دروازہ کھلا ہوا پا کر جب اس جگہ پہنچی۔ تو میں نے اندھیرے میں دو آدمیوں کو (جن میں سے ایک یہی شخص تھا۔ جس پر میں نے کلہاڑی چلائی تھی) آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے پایا۔ جس پر مجھے یقین ہو گیا۔ کہ یہ لوگ آج رات ضرور اس مکان پر ڈاکہ ڈالیں گے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے منڈیر کے پاس پہنچ کر رسے کو کھول کر تالاب میں گرا دیا۔ جس کی آواز سنتے ہی مضروب آدمی منڈیر کی طرف لپکا اور جونہی کہ وہ گردن جھکا کر تالاب کی طرف دیکھنے لگا۔ میں نے کسی فوری اور نامعلوم جذبے سے متاثر ہو کر اس پر کلہاڑی کا وار کیا۔ جو اس کے سر پر لگا۔ اور اس نے بے ساختہ ایک ہولناک چیخ ماری جس پر یہ سب لوگ بیدار ہو کر یہاں پہنچ گئے۔

اسبھا کے اس اظہار پر اور اس کی غیر معمولی جرأت و ہمت پر بڑے سے بڑے شریف پولیس افسر نے دانتوں میں انگلی دبالی۔ اور سیٹھ رام گوپال تمام کنبے قبیلے اور نوکروں چاکروں کے ہجوم میں اپنے متعلق اسبھا کے صحیح صحیح بیانات سُن کر شن ہو گیا۔ یعنی۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں کا مصداق بن گیا۔ جس کے بعد پولیس نے اور متفرق لوگوں کے بیانات لکھے اور پھر اسی وقت پولیس افسر کے حکم سے پنڈت شیام سندر جی طلب کئے گئے۔ جو نامعلوم واقعات کی بنا پر ہانپتے کانپتے اٹک اٹک بہانے ہوتے تھوڑی دیر تک چند سپاہیوں کی معیت میں پولیس افسر کے روبرو حاضر ہو گئے۔ اور اسبھا کو اس جگہ مجمع عام میں دیکھتے ہی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ اسبھا بھی ان سے لپٹ کر رونے لگی۔ یہ محبت زار منظر دیکھ کر حاضرین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور ہوش میں آنے پر پولیس افسر نے پنڈت جی اور اسبھا کی دلجوئی کر کے بحفاظت تمام ان کو گھر پہنچا دیا۔

دوسرے دن علی الصباح سیٹھ رام گوپال اپنے دو نوکروں کو ساتھ لئے ہوئے پنڈت شیام سندر کے مکان پر گیا۔ اور قصبے کے چند معزز آدمیوں کے روبرو اس نے قرض کے متعلق تمام کاغذات تلف کر دیئے۔ اور پنڈت جی کو ایک رسید لکھ دی۔ کہ میں نے آج کی تاریخ سے اپنا تمام روپیہ وصول پا لیا۔ اور پھر اسبھا کو بلا کر اس کے سامنے دو زانو بیٹھا اور اپنا سر کو اس کے قدموں پر رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں یوں کہنے لگا۔
" دھنیہ ہو برہمن دیوی دھنیہ ہو"
یہ کہا۔ اور موتیوں کی ایک بیش بہا مالا ایک چھوٹی سی مخملی صندوقچی سے نکال کر اسبھا کو جان بچانے کے صلہ میں بطور نذرانہ کے پیش کی۔

دسہرہ کا قومی تیوہار

بھیلنی کے جُوٹھے بیر کھانیکی تہ میں راز

(از مسٹر کے ایل رلیارام پرنسپل نکلسن مشن ہائی سکول لاہور)

ہر سال دوسہرہ کا قومی تیوہار آتا ہے۔ ہندو لوگ اسے بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے۔ کہ جس عظیم ہستی کی یاد میں یہ تیوہار منایا جاتا ہے۔ اس کی قیمتی زندگی کے کارناموں سے بہت کم سبق لیا جاتا ہے۔ مثلاً رامائن میں ذکر آتا ہے۔ کہ جس وقت رام چندر جی کو باپ کی طرف سے چودہ برس کے بن باس کا حکم حاصل ہُوا۔ تو وہ اپنے وفادار بھائی لکشمن اور اپنی عصمت مآب عورت سیتا جی سمیت ڈنڈک بن کی طرف روانہ ہو پڑے۔ اس واقعہ کی خبر رام چندر جی کی ایک بھگتنی کو جو بھیل ذات سے تعلق رکھتی تھی۔ اور جسے ہندو ادنےٰ اقوام میں شمار کرتے ہیں۔ مل گئی۔ وہ بیچاری بڑی سادہ لوح عورت تھی۔ لیکن اس کے دل میں رام کے پریم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ دل میں سوچنے لگی۔ کہ مہاراج کی آمد پر اُن کا کس طرح استقبال کروں گی؟ میرے گھر میں کیا رکھا ہُوا ہے؟ جو تحفہ کے طور پر اُن کے سامنے حاضر کروں گی۔ اور تو اور ان کی شان کے مطابق کہاں سے کھانا لاؤں گی؟ بڑی متفکر ہوئی۔ ابھی اپنی خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہ اُسے ایک تجویز سُوجھی۔ جنگل کے رہنے والی تو وہ تھی ہی۔ جھٹ اُس نے پکے ہوئے جنگلی بیر توڑنے شروع کر دیئے۔ لیکن دل میں خیال آیا۔ کہ شاید یہ بیر کھٹے ہوں۔ ایسے ذی شان مہمان کا کھٹے بیروں سے سواگت کرنا ناموزوں ہے۔ اس کا بہتر علاج یہ ہے۔ کہ پہلے بیروں کو چکھا جائے۔ جو میٹھے ہوں۔ اُن کو علیحدہ کر لیا جائے۔ اور جو خراب اور کھٹے ہیں۔ اُن کو باہر پھینک دیا جائے۔

عقیدت مند بھیلنی نے اسی تجویز پر عمل کیا۔ ایک بیر کو اٹھاتی۔ دانتوں سے کاٹتی۔ اگر شیریں ہوتا تو ٹوکری میں رکھ لیتی۔ وگرنہ اُسے زمین پر پھینک دیتی۔ اس طرح گھنٹہ دو گھنٹہ کی محنت کے بعد اس کی ٹوکری بھر گئی۔ اور غریب بھیلنی اپنے گھر میں رسد کا سامان کر کے بے فکر ہو گئی۔

چند روز کے بعد رام چندر جی اپنے بھائی اور سیتا جی سمیت پھرتے پھراتے ادھر آ نکلے۔ بھیلنی کئی دن سے چشم براہ بنی بیٹھی تھی۔ جوں ہی مہاراج کے درشن ہوئے۔ باچھیں کھل گئیں۔ خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بیتابانہ آگے کو دوڑی اور قدموں میں گر گر پڑی۔ مہاراج نے اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔ اور اسے کھڑا کر کے خیر و عافیت پُوچھی۔ وہ بیچاری کبھی اپنی کٹیا کی طرف دیکھتی تھی۔ اور کبھی اپنی حالت کا مطالعہ کرتی تھی۔ دل میں کہتی تھی۔ کہ کہاں مہاراج رام چندر اور کہاں میں۔ آج تو پرمیشور نے بڑی مہربانی کی ہے۔ جو ایسے دھرماتما۔ شور بیر اور نیک ہستی کو میری جیسی اچھوت بھیلنی کے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی خوشی میں وہ میٹھے بیر جو اُس نے اپنی زبان سے چکھ چکھ کر ٹوکری میں جمع کئے ہوئے تھے۔ سامنے حاضر کر دیئے۔ مہاراج رام چندر جی پریم کے بھوکے تھے۔ اُنہوں نے جب اس عورت کی عقیدت مندی کو اس حد تک پایا۔ تو چند بیروں کو ٹوکری میں سے اُٹھا کر بڑے شوق سے کھانے لگے۔ ان کی دیکھا دیکھی لکشمن جی اور سیتا جی نے بھی بیروں سے ہی ناشتہ کیا۔ اور بھیلنی کی دیرینہ خواہش کو پورا کر کے اس کے قلب کو مطمئن کیا۔ ناظرین یہ معمولی واقعہ نہیں۔ اس کی تہ میں ایک اصُول کام کر رہا تھا۔ وہ اخوتِ انسانی تھا۔ مہاراجہ رام چندر جی کی نگاہ میں سب انسان یکساں تھے۔ ان کی نظر میں بھیلنی کی قدر و قیمت اس لئے کم نہیں تھی۔ کہ ادنےٰ ذات میں پیدا ہوئی تھی۔ وہ اس کے پریم۔ عقیدت مندی اور نیک اعمال کے دلدادہ تھے۔ ان باتوں نے انہیں مجبور کیا۔ کہ وہ بھیلنی کے جُوٹھے بیروں کو کھائیں۔ اسی طرح سری کرشن جی مہاراج نے دریودھن کے لذیذ کھانوں پر ودر جی کے ساگ پات اور سداماں کے ستوؤں کو ترجیح دی۔ یہ ان عظیم ہستیوں کے کارنامے ہیں۔ جو لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے اس دُنیا میں آتی ہیں۔ لیکن ان کے پیرو کار اچھوتوں سے کس قسم کا سلوک کر رہے ہیں۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بچہ بچہ واقف ہے۔ اسی لئے ہندوستان دن بدن نیچے گر رہا ہے۔ اور اس کی کہنہ عظمت صرف زبانی جمع خرچ کا مُوجب بن رہی ہے۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ ہمارا ملک بھی دُوسری قوموں کی نظر میں اعلےٰ درجہ حاصل کرے۔ ہمیں سوراجیہ حاصل ہو۔ مذہبی جھگڑے دُور کر دو۔ کیونکہ مذہب کسی کو بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ سکھ سب اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق اپنے خدا کی بندگی کرتے ہوئے آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہیں۔ ملک میں تعلیم پھیلائیں۔ کیونکہ ملک میں سے جہالت کے دُور کرنے کا واحد ذریعہ تعلیم ہی ہے۔ افسوس ہے۔ کہ ہمارے ملک میں اتنی کوششوں کے باوجود ابھی تک صرف چھ فیصدی شخص تعلیم یافتہ نظر آتے ہیں۔ اور مغربی ممالک میں سو فیصدی پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اس لئے آؤ ہم سب کوشش کریں۔ کہ ہمارے ملک سے جہالت کا بھُوت دُور ہو۔ اور ہمارا ملک دُنیا کی نظروں میں مہذب دکھائی دے۔

سکھ اتہاس کا ایک ورق

ودھی چند چھینہ

(از شری سوامی سوتنترانند جی مہاراج لاہور)

سکھ گورو ہرگوبند جی کے وقت میں سکھ پنتھ شستر دھاری ہُوا۔ پہلے گورو شستر نہیں رکھتے تھے۔ سب سے پہلے گورو ہرگوبند جی نے تلوار باندھی۔ اور سکھوں کو باندھنے کی آگیا دی۔ اور دھیرے دھیرے لڑائی کے سب سامان ہو گئے۔ جس وقت لڑائی کے سامان ہوئے۔ اُس وقت ضروری تھا۔ کہ بہادر بھی وہاں آ جائیں اس لئے کتنے ہی شور ویر گورو ہرگوبند جی کے پاس جمع ہو گئے۔ ان کے سورگ واس کے وقت کچھ یودھا چتا میں اُن کے ساتھ ہی پنج بھوتک شریر کو چھوڑ گئے۔

ان بہادروں میں ایک کا نام تھا۔ ودھی چند چھینہ۔ چھینہ ان کا گوتر تھا اور ودھی چند ان کا نام تھا۔ ان کے سمبندھ میں سکھ اتہاس میں کئی گھٹناؤں کا ذکر ہے۔ ان میں سے میں ایک گھٹنا کرم ویر کے پاٹھکوں کے منورنجن کے لئے لکھتا ہوں۔

شہر لاہور میں لاہور کے صوبہ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ جو بہت ہی سندر مانے جاتے تھے۔ گورو ہرگوبند جی اس وقت مالوہ میں رہتے تھے۔ ایک دن وہاں ان گھوڑوں کا چرچا ہوا۔ (کیسی کیسی اتہاس کار نے کہا ہے۔ وہ گھوڑے کوئی سِکھ گورو جی کے لئے لایا تھا۔ صوبہ نے اُن کو راستے میں ہی چھین لیا۔ مجھے اس سے کوئی تعلق اس وقت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس پر کچھ نہیں کہتا ہوں۔ میرا پریوجن صرف ودھی چند کی کاروائی سے ہے۔ اس لئے میں اتنے ہی لکھتا ہوں۔) اور بعد میں پرشن ہُوا۔ کوئی ان گھوڑوں کو لا سکتا ہے۔ اُتر میں ودھی چند جی نے کہا اگر حکم ہو۔ تو میں لے آؤں گا۔ پس اُن کو اجازت مل گئی۔

ودھی چند جی وہاں سے چل کر لاہور آئے۔ اور دو چار کر گھاس لا کر پہلے بیچنا شروع کیا۔ گھوڑے قلعہ کے اندر تھے۔ اس لئے انہوں نے گھاس بھی قلعہ کے پاس جہاں سرکاری گھوڑوں کے لئے خریدا جاتا تھا۔ وہاں بیچنا شروع کیا۔ ان کا گھاس زیادہ پسند کیا گیا۔ اور آخیر میں انہیں اُن ہی گھوڑوں کے لئے نوکر رکھا گیا۔ یہ ان کی خوب خاطر کیا کرتے تھے۔ جب یہ وشواس پاتر بن گئے۔ تو گھاس میں ایک پتھر رکھ کر قلعہ میں لایا کرتے۔ اور رات کو اس پتھر کو دریا راوی میں (راس وقت دریا قلعہ کے نیچے چلتا تھا۔) پھینک دیا کرتے۔ پہرے والوں کو شک ہُوا۔ کہ کیا ہے۔ جب ڈھونڈتے تو کچھ پتہ نہ چلے۔ آخیر میں انہوں نے سمجھا۔ دریا میں کوئی جانور ہے۔ انہیں دنوں میں چھینہ مہاراج نے پوچھا۔ ان گھوڑوں کے زین کہاں ہیں۔ جس وقت انہیں مرتی لگے زین دکھائے گئے۔ وہ بالکل بھولا بن گئے۔ اور پوچھنے لگے۔ ان پر یہ جو ادکے دانے کس لئے لگائے ہیں اس پر انہیں سمجھا گیا۔ بالکل گرائین ہے۔ کچھ نہیں جانتا۔

اسی طرح اپنا کام درست کر کے ایک دن رات کو گھوڑے کو ٹھیک کر کے سوار ہو کر فصیل سے دریا میں کود پڑا۔ پہرے والوں نے ہر روز کا حسب معمول شبد سمجھ کر کچھ دھیان نہ دیا۔ دن نکلنے پر پتہ لگا۔ گھوڑا نہیں ہے۔ جب پتہ لگا یا تو دیکھا کہ گھاس لانے والا بھی نہیں ہے۔ اس کی چالاکی پر لوگ حیران تھے۔ کہ بھولا بھالا بن کر کیا کام کر گیا۔

ودھی چند گھوڑا لے کر ستلج پار کر کے مالوے میں گورو ہرگوبند جی کے پاس پہنچ گیا اور گھوڑا بھینٹ کیا۔ وہ گھوڑا اداس ہو گیا۔ نہ دانہ کھاوے اور نہ پانی پیوے۔ گورو جی نے کہا۔ بھائی ودھی چند یا تو اس گھوڑے کو جہاں سے لایا ہے۔ وہیں چھوڑ آ۔ یا اس کے ساتھی دوسرے گھوڑے کو لے آ۔ دونوں میں جو مناسب سمجھتا ہے۔ سو کر لے۔

ودھی چند دوسرے گھوڑے کو لانے کے لئے تیار ہُوا۔ مگر اب کام پہلے کی طرح آسان نہ تھا۔ اس بات کو ودھی چند بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔

ودھی چند منزل بہ منزل لاہور پہنچا۔ اور شہر میں جہاں پہلے گھسیارہ تھا۔ اب جیوتشی کے روپ میں وارد ہُوا۔ رمل ڈالنے کا سامان ٹھیک کر کے گلی گلی گھوم کر لوگوں کے سوالوں کے جواب دینے لگے۔ آہستہ آہستہ شہر میں کچھ چرچا ہو گیا۔ اور جیوتشی جی مہاراج بھی قلعہ کے نزدیک چکر کاٹنے لگے۔ ایک دن کسی سرکاری آدمی نے کچھ پوچھا اُس نے ٹھیک اُتر دیا۔ بات بات میں کسی نے گھوڑے کا سوال پوچھ لیا۔ اچھا جی آپ بتا دیں۔ صوبہ کا گھوڑا کون لے گیا ہے۔

یہی بات وہ چاہتا تھا۔ اُنگلیوں پر گننا۔ حساب لگایا۔ آسمان کی طرف تاکا۔ کچھ گھوڑا کا حلیہ بتایا۔ اور چور کا کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں کیں۔ کچھ سچ ہونے پر پرشن کرتا دوں کو ٹریا ہو گئی۔ کچھ انہوں نے بات چیت میں خود بتا دیا۔ آخیر میں اس سے پوچھا گیا۔ وہ گھوڑا اب کہاں ہے۔ اس پر جوتشی جی مون دھارن کر گئے۔ حیران ہوئے۔ کچھ پتہ نہ چلے۔ پھر بولے۔ اگر مجھ کو وہ جگہ دکھاؤ جہاں گھوڑا تھا۔ میں وہاں بیٹھ کر پاٹھ کروں تو سب حال ٹھیک ٹھیک بتا سکتا ہوں۔ نوکروں نے افسروں کو خبر دی۔ انہوں نے صوبہ کو کہا۔ صوبہ نے حکم کر وہ جگہ بھی دکھا دی۔ اور رات کو پاٹھ کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

جوتشی جی مہا دھو کر شدھ ہو کر اپنے منتر کے جاپ میں لگے۔ رات کو دروازہ بند

بقیہ صفحہ ۷۶ پر دیکھو

رام بھجن!

(از مولانا تاجور پروفیسر دیال سنگھ کالج و ایڈیٹر اُردو بی ہفتہ وار لاہور)

رام تیرا نام ہے۔ سب کا ہے دل آرام تو
سب کے دل آرام! ہے ممدوحِ خاص و عام تو
نام پُر تقدیس تیرا زندۂ جاوید ہے
مہرِ تاباں کی طرح تابندۂ جاوید ہے

تاجور

استری جاتی کا آدرش

بھارت ورش کی ناریوں کو پھر مانک شکتی کی بے حد ضرورت ہے

(از قلم شریمتی لاجونتی دیوی جی راوت۔ بیرا سٹین شملہ)

بھارت ورش کی استریوں میں وہ آدرش نہیں رہا جو ایک زمانہ میں تھا۔ ہر ایک پرش و ناری کے مُنہ سے آج کل یہی الفاظ سننے میں آتے ہیں۔ آج اسی امر پر میں کچھ لکھنا چاہتی ہوں۔ کہ وہ آدرش ہم نے کھو یا کیوں۔ کیسے کھویا؟ کہاں تک کھویا؟ اور اس کا نتیجہ کیا ہوا۔؟

سب سے بڑا نقصان جو استری جاتی کو اس آدرش کے کھو جانے سے ہوا ہے۔ وہ "ناری اتیا چار" کی زیادتی ہے۔ زیادتی کس طرف سے ہے کون زیادتی کرتا ہے اگر ناری جاتی کا آدرش کھو گیا۔ تو اس کے لئے بہت حد تک کون ذمہ وار ہے یہی سوالات ہیں جن کا جواب پُرش کچھ دیتے ہیں اور ناریاں کچھ۔ گرچہ قصور وار دونوں ہی ہیں کوئی زیادہ۔ کوئی کم۔ پُرشوں نے جب سے اپنے طرز عمل کو بدل ڈالا۔ استریاں بھی بھگتی۔ پتی سیوا میں کہ جن میں وہ اپنے آپ کو لین کر دیتی تھیں۔ اور جس کے باعث ان میں ایک قسم کی روحانی طاقت ہوا کرتی تھی۔ دور دور ہٹنے لگیں۔ میرا یہ مطلب نہیں۔ کہ سب ہی استریوں نے پتی سیوا۔ پتی بھگتی سے منہ ہی موڑ لیا ہے۔ نہیں۔ بلکہ اتنی اہمیت نہیں دیتیں جتنی کہ کسی زمانہ میں دیا کرتی تھیں۔ پُرشوں نے اپنے طرز عمل کو کیسے بدل ڈالا؟ جب سے وہ استریوں کو خادمہ اور باندیاں سمجھنے لگے۔ آج اگر بھارت ورش میں زیادہ نہیں تو ۵۰ فیصدی استریاں ایسی نظر آئیں گی۔ جن کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر ہے۔ کتے کی بھی قدر ہوتی ہے۔ مگر اُن کی نہیں۔

آہ! بھارت ورش میں ناریوں کی یہ درد شا کب تک ہوتی رہے گی؟ کب وہ دن آئیں گے۔ جب کمزور ناری جاتی اپنا کھویا ہوا آدرش واپس لا کر اپنی آتمک آزادی دوارہ اپنی حفاظت آپ ہی کرنے کے لائق ہو گی؟ جب بھارت ورش کے اتہاس کے اوراق اُلٹ اُلٹ کر دیکھتی ہوں۔ تو صاف معلوم پڑتا ہے۔ کہ وہ بھی ایک زمانہ تھا۔ کہ [illegible] اپنی پاکیزگی کی مثالیں [illegible] اپنی عفت۔ شجاعت۔ دلیری اور استقلال کے باعث بڑے بڑے مرحلے طے کر لیتی تھیں ان میں یہ ہمت تھی۔ کہ اپنی حفاظت اپنے آپ کر سکیں ان کے بازوؤں میں اتنا زور تھا۔ کہ وہ ظالم خود غرض لوگوں کی گردن سے سرور کر زمین میں ملا دیں۔ جب یہ تمام باتیں طلائی حروف میں اتہاس کے صفحات پر دیکھتی ہوں بعد ازیں اس کا مقابلہ ناری جاتی کی موجودہ گراوٹ اور کمزوری سے

استری رکھشا کیلئے پُرشوں کا دھرم

(از لالہ دُنی چند جی ایڈووکیٹ انبالہ)

مکرم ویر کا وجے دشمی نمبر نہایت موزوں وقت پر نکلنے والا ہے۔ وجے دشمی کی دشمی بھارت ورش کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ وہ دن ہے۔ جب سچائی نے جھوٹ پر دھرم نے ادھرم پر بہادری نے بزدلی پر فتح پائی تھی۔ یہ دن اس بات کی یاد بھی دلاتا ہے۔ کہ پُرشوں کا استری رکھشا کے متعلق کیا دھرم ہے۔ اس وقت ہندوستان میں سوشل اور پولیٹیکل سوراج حاصل کرنے کے لیے مختلف طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ بھارت دیش موجودہ سوشل اور پولیٹیکل غلامی کا خاتمہ کرنے کے لیے ازحد بیتاب ہو رہا ہے۔ حال ہی میں شاردا بل کی شکل میں ہندوستان نے سوشل ریفارم کے واسطے میں ایک بڑا قدم اُٹھایا ہے۔ پولیٹیکل سوراج حاصل کرنے کے لیے کانگریس نے موجودہ گورنمنٹ کو چیلنج دے رکھا ہے۔ جو کئی ہزار برس ہوئے شری رام چندر جی مہاراج نے کام کیا تھا۔ وہ آج مہاتما گاندھی اور اُن کے رفیق کار بھارت ماتا کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لیے کر رہے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں۔ آپ کا وجے دشمی نمبر اس کار زار عمل میں اپنا حصہ لے گا۔ میں آپ کو وجے دشمی نمبر کے نکالنے کے خیال کام پر مبارک باد دیتا ہوں *

کرتی ہوں۔ تو دل میں افسوس کے بادل گھر آتے ہیں۔ افسوس ان میں آج وہ تیج کہاں؟ وہ شکتی کہاں؟ زمانے کے انقلاب کے ساتھ ساتھ وہ تمام روحانی طاقتیں کہاں ضائع ہو گئیں؟ ناریاں کیوں اس قدر کمزور ہو گئی ہیں؟ بہت سوچ کر میں تو اس نتیجہ پر پہنچی ہوں۔ کہ جب تک یہ اتیاچار جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اگر روکا نہ گیا۔ تو ان کی یہی حالت رہے گی۔ بلکہ اس سے بھی بدتر *

ناری کیا چاہتی ہے؟ سوتنترتا! کیوں چاہتی ہے۔ اس لئے۔ کہ وہ اس کے یوگیہ ہے۔ وہ بھی بھگوان کی بنائی ہوئی ایک ہستی ہے۔ ایشور نے اس کے جسم میں روح ڈالتے وقت۔ اس کی تقدیر میں زندگی کا راز نوشت کرتے وقت یہ اختلاف نہیں رکھا۔ کہ صرف پُرش ہی دیش کے کاموں میں۔ سماج کے بنانے میں حصہ لیں اور یہ الگ ہی الگ رہیں۔ وہ دیش کی اردھانگنی ہے۔ دیش کے امورات کی بہت کچھ ذمہ داری اس کے کندھوں پر بھی ہے۔ جس طرح جسم کے نصف حصے میں تکلیف ہو۔ تو دکھ تمام جسم میں محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح دیش کی اردھانگنی ہونے کی صورت میں اُسے بھی دیش کی بہتری کا خیال پریشان رکھتا ہے۔

آج کل زمانے نے کچھ ایسی روش اختیار کر لی ہے کہ سب ہی آئندہ ترقی کے وسائل ڈھونڈ رہے ہیں۔ ایک معمولی مزدور۔ ایک کم حیثیت مہتر بھی یہی کوشش کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے موجودہ کام کو ترک کر کے کوئی بہتر درجہ حاصل کرے۔ لہٰذا ایک ایسے زمانے میں جبکہ چاروں طرف ترقی ترقی کی صدائیں گونج رہی ہوں۔ اگر ناری ہردے بھی جاگ جائیں۔ اور ترقی کے میدان میں قدم رکھنا چاہیں۔ تو حیرت کا مقام نہیں۔ ترقی حاصل کرنے کا خیال صرف پُرشوں کے دلوں تک ہی محدود نہیں ناریاں بھی اس قسم کے احساس رکھ سکتی ہیں۔ ناریوں کو بھی اب سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ زندگی میں ترقی کرنے کی ضرورت ان کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ پُرشوں کیلئے۔ اتہاس کے اوراق پلٹ کر دیکھئے۔ ناری جاتی کی سوادھینتا۔ سوتنترتا ہمیشہ سے ہی پُرشوں کے پہلو بہ پہلو چلی آئی ہے۔ تواریخ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ناریوں کے لئے ایک ایسا ہی خاص درجہ مخصوص تھا۔ جیسا کہ پُرشوں کے لئے۔ ایسی مثالیں میرے خیال میں تاریخ کے کسی صفحے میں نہیں مل سکتیں۔ کہ ناریوں کو سوتنترتا دے کر پُرشوں کو نادم ہونا پڑا ہو *

اب سوال یہ ہے۔ کہ ناری سوتنترتا کیا چیز ہے؟ اور کیسی ہونی چاہیئے؟ سوتنترتا کا لفظ سنتے ہی بعض لوگ یہ خیال کریں گے۔ کہ ناری چاہتی ہے کہ اُسے ہر طرح سے آزادی دے دی جائے۔

مگر نہیں سوتنترتا کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کے دل میں بھی ایک قسم کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ جس سے وہ محسوس کر سکے۔ کہ اب وہ اس پرندے کی مانند نہیں جو قفس میں ہے اس کو اس قسم کی سوادھینتا دی جائے۔ جس سے اُس کے دل میں یہ بدگمانی ہی نہ ہونے پائے کہ وہ پرش کی نظروں میں ہیچ اور ناکارہ ہستی ہے اس کشمکش کی زندگی میں چھوٹے بڑے تمام کام صرف پُرشوں کے حصے میں نہیں آنے چاہئیں۔ بلکہ ناریوں کے بھی۔ یہ چاہیئے کہ ان کو ہر طرح سے یقین دلایا جائے۔ کہ وہ بھی اس دنیا میں قابل احترام ہیں

آج کل عورتوں کے دلوں میں یہ خیال بٹھا دیا گیا ہے۔ کہ وہ کمزور ہیں۔ ان میں مشکل امورات پر سوچ وچار کرنے کا مادہ نہیں۔ پس وہ بھی آخر اس نتیجہ پر پہنچ گئی ہیں۔ کہ وہ سچ مچ ہی کمزور و کم عقل ہیں۔ غلط فہمی ان کی یہی ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ ناریاں دن بدن اپنی آتمک شکتی کو ہی کھو رہی ہیں۔ بلکہ قدم قدم پر ان کو ٹھوکر لگتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی بھی طاقت نہیں رکھتیں۔

یہ جو سنسنی خیز واقعات اکثر سننے میں آتے ہیں۔ وہ اسی لئے کہ ناری اپنی محافظ آپ نہیں۔ یہ خیال کہ وہ کمزور ہے اپنے آپ کو ظالموں کے پنجے سے چھڑا نہیں سکتی۔ اس کی کمزوری کا باعث ہے ان تمام باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناریوں کے لئے سوتنترتا کی بے حد ضرورت ہے اس لئے کہ ان کی شکتی بجائے گھٹنے کے بڑھتی جائے۔

یہ سچ ہے۔ کہ ناری جاتی کی حفاظت کرنا پرشوں کا فرض ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں۔ تو وہ پُرش کہلانے مستحق ہی نہیں۔ مگر سوال ساتھ یہ بھی تو ہے کہ مرد عورتوں کی ہمیشہ حفاظت نہیں کر سکتے یہ ان کے لئے کب ممکن ہے۔ کہ ہر وقت ہی محافظ بن کر استریوں کا پہرہ دیتے رہیں۔ ناگہانی مصیبت ایشور جانے کب آ جائے۔ اور مرد امداد کے لئے موجود نہ ہو۔ پھر ایسی حالت میں اگر ناری اپنا بچاؤ آپ نہ کر سکے۔ تو کون اُسے بچا سکتا ہے میرا کہنے کا مطلب یہی ہے کہ استریوں کے لئے بھی دیہک شکتی۔ بازوؤں میں زور۔ دل میں ہمت کی بہت ضرورت ہے۔

مغربی دنیا کی عورتوں کو دیکھئے۔ دیہک و آتمک شکتی کے وسائل چونکہ ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اسی لئے وہ بڑے بڑے کارنمایاں کرتی رہتی ہیں۔ یہ کارنمایاں صرف ان کی ذہانت اور تیز فہمی سے ہی نہیں تعلق رکھتے۔ بلکہ قوت بازو کا بھی اس میں بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ریگستانی علاقوں میں وحشی آدمیوں کے درمیان اکیلے سفر کرنے کی ہمت ان میں کبھی نہ ہوتی۔ ان کی بلند ہمتی کے وجوہات کیا ہیں؟ یہی کہ آزادی کے جذبات ان کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ان کو اپنی قابلیت پر اعتماد ہے۔ ان کی طاقت کو بڑھانے اور قابلیت کو وسیع کرنے کے لئے ان کا سماج بھی خاص طور پر اُن کی مدد کرتا ہے۔

بڑے سوچ وچار کر استریوں کا نام رکھا ہے "ابلا"۔ "ان کو رکھا بھی گیا ہے" ابلا کی مانند بحث مباحثے میں تا بر استری جاتی کو "دیوی" کا خطاب اکثر مل جاتا ہے لیکن بایں ہمہ جس قسم کے سلوک بہت سے گھرانوں میں ان سے روا رکھے جاتے ہیں۔ وہ ایک ادنیٰ داسی کے لئے موزوں نہیں۔ ... تیج ناریوں میں ہونا چاہیئے۔ وہ اُن کے ... نکال دیا جاتا ہے۔ پھر انہیں بھی صرف ... ناکارہ ہستی ہونے کے علاوہ کچھ سمجھا نہیں دیتا۔ البتہ ماتری شکتی اُن میں ضرور ہوتی ہے لیکن یہ اس پایہ کی شکتی نہیں ہوتی۔ جو ایک ... کو اپنی جان کو اپنی اولاد کی حفاظت کرنے کے ... پالنے کے لئے ضروری ہوتی ہے

بحث مباحثے کے دوران میں بعض احباب کہتے ہیں۔ "ہندو ناریوں کو ایسا کون دکھ سوہان روح ہے۔ کہ وہ آہ و زاری کریں۔ ہندوستان میں سب ہی استریوں پر ظلم نہیں کئے جاتے ..." ایسا نہیں ہے۔ اور پرماتما سے یہی پرارتھنا کرتی ہوں۔ ایسے گناہ اس پاک سرزمین پر سرزد ہی نہ ہوں مگر جتنے "نمونے" ہمیں ملتے ہیں۔ اُن سے ہم کو اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے۔ کہ بہت سے گھرانوں میں عورتوں کی کوئی عزت نہیں ..... کوئی حقیقت نہیں۔ اسی لئے ہندو ناریوں کے لئے اب ایک زبردست طاقت کی ضرورت ہے اور وہ طاقت ان کو حاصل کرنی ضروری ہے۔ ان کو ضرورت ہے کہ وہ اپنے سہارے کھڑی ہو سکیں۔ ان کو ضرورت ہے کہ وہ اپنی محافظ آپ بنیں۔ ان کو ضرورت ہے۔ کہ وہ اہم معاملات کو اپنی قابلیت سے سرانجام دے سکیں۔ غرضیکہ ان کو ہر ایک بات میں ایسے ہی جذبات کی ضرورت ہے جو پرشوں کے حصے میں آئے ہیں۔

اب رہا سوال یہ۔ کہ ناریوں میں بھی پرشوں کی سی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں..... کچھ حد تک اگر نہ ہو سکتی ہو۔ مگر بالخصوص تعلیم کی رو سے ضرور اور بالضرور ہو سکتی ہے۔ بہت سے گھرانوں میں تو لڑکیوں کو لکھانا پڑھانا ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ افسوس! کہ بھارت نواسی ایسے بدقسمتی میں ہو کر بھی دقیانوسی چال کی الجھن میں پھنسے ہوئے ہیں۔

عورت پھول نہیں۔ کہ اُسے گلدان میں سجا کر رکھا جائے۔ عورت کھلونا نہیں کہ اسے دل بہلاوے کی چیز تصور کیا جائے۔ اور نہ ہی عورت دیوی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ کہ سب اُس کی پرستش کریں۔ نہیں وہ ایسے مطالبات ہرگز نہیں کرتی۔ وہ چاہتی ہے کہ اُسے وہی درجہ دیا جائے جس کی وہ صورت سے مستحق ہے "عورت اور کمزوری" یہ رشتہ ان ہر دو الفاظ میں ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے۔ کہ پھر امن و امان کا ... ہو۔ اگر اس طرح استری اور پُرش دونوں کی شکتی کا سنگھٹن ہو کر ایک ایسا آدرش قائم ہو جائے۔ جس سے بھارت ورش کی پوتر بھومی پھر ایکبار سورگ دھام بن جائے *

گوردوارہ تحریک اور ہندو سکھوں کے باہمی تعلقات

(از قلم سردار منگل سنگھ صاحب بی۔اے)

شری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے بعد اور سکھ راج قائم ہونے سے پیشتر کا زمانہ سکھوں کے لئے نہایت نازک اور مسلسل مصیبتوں کا وقت تھا۔ سکھوں کے لئے شہروں اور قصبوں میں رہنا ناممکن تھا۔ کئی دفعہ ان کے قتل عام کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ ان کے سروں کی قیمتیں مقرر ہو چکی تھیں۔ کئی دفعہ لاہور کے صوبہ کی طرف سے مرکزی گورنمنٹ کو یہ رپورٹ کی جا چکی تھی۔ کہ اب سکھوں کا نام و نشان مٹا دیا گیا ہے۔ اس مصیبت کے زمانہ میں جب امرت دھاری سکھوں نے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی۔ تو گوردواروں کی سیوا کا کام سہج دھاری اور اداسی سکھوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب سکھ راج قائم ہوا۔ تو شری دربار صاحب اور سری انندپور صاحب کی سیوا امرت دھاریوں نے سنبھال لی۔ لیکن باقی تمام گوردواروں کی سیوا سہج دھاری سکھ اور اداسی سادھو ہی کرتے رہے۔ انگریزی راج کی آمد پر تمام سکھ قوم میں مایوسی اور گھبراہٹ آگئی۔ اور وہ گوردواروں کی طرف سے لاپرواہ ہو گئے۔ برٹش حکومت نے سکھ قوم کو قابو میں رکھنے کیلئے اپنی پالیسی کے مطابق مہنتوں کو اپنے ہاتھ میں کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کی پالیسی اور سکھوں کی بے پرواہی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مہنت پنتھ کے اثر سے باہر ہوتے گئے۔ اور سرکاری اثر کے نیچے آتے گئے۔

مغربی پنجاب اور خاص کر دھنی پوٹھوہار میں سکھی پرچار کا اثر ہو چکا تھا۔ اور اس طرف بہت سے گوردوارے اور دھرم شالائیں بن گئیں۔ بابا کھیم سنگھ جی کے پرچار کی وجہ سے کئی سہج دھاریوں نے امرت چھکا لیا۔ لیکن امرت دھاریوں اور سہج دھاریوں کے باہمی تعلقات نہایت اچھے رہے۔ سنگھ سبھا کی تحریک جاری ہونے پر اگرچہ کئی جگہ اختلاف ہوا۔ لیکن عام طور پر حالات بہتر ہی رہے۔

لیکن گوردوارہ تحریک شروع ہونے سے کئی جگہ سکھوں اور سناتنیوں کے باہمی تعلقات خراب ہو گئے۔ جب گوردوارہ تحریک شروع ہوئی تو کئی ہندوؤں نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن پنڈت مدن موہن مالویہ۔ لالہ لاجپت رائے۔ سری سوامی شردھانند اور شری حکیت گوروجی کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی نے اس مخالفت کو دبا دیا۔ اور ہندوؤں نے بہ حیثیت مجموعی گوردوارہ تحریک میں سکھوں کی امداد کی۔ گوردوارہ تحریک کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ہندوؤں نے دل کھول کر سکھوں کی ہر طرح امداد کی۔ اگر ہندو لیڈروں کی طرف سے شروع میں ہی مخالفت کی جاتی تو اس قدر پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں۔ کہ آگے چلنا مشکل ہو جاتا۔ گوردوارہ تحریک میں پنڈت مدن موہن مالویہ و اور لیڈروں نے سکھوں کی جو قابل قدر امداد کی ہے۔ سکھ اس کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

اس مضمون کے لکھنے کا میرا مطلب یہ ہے کہ گوردوارہ تحریک کی وجہ سے سکھوں اور ہندوؤں میں کسی کسی جگہ جو ناخوشگوار جھگڑے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا حل تلاش کیا جائے ان جھگڑوں کے متعلق دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ جھگڑے فرقہ وارانہ نہیں ہیں۔ بلکہ قطعاً مقامی ہیں۔ ان کے ساتھ سکھ یا سناتنیوں کو جماعتی حیثیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ جھگڑے ایسے ہیں۔ جیسے ایک باپ کے دو بیٹوں

میں جائیداد کے تقسیم کرنے کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔

گوردوارہ تحریک کے شروع سے میری یہ رائے رہی ہے۔ کہ گوردوارہ تحریک کو صرف اتہاسک گوردواروں تک ہی محدود رکھنا چاہیئے دھنی پوٹھوہار وغیرہ کے علاقوں میں جو پنچایتی دھرم شالائیں ہیں۔ ان میں ہمیں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ چنانچہ راولپنڈی میں میں نے دو ایسی دھرم شالاؤں کے فیصلے اس اصول پر کئے ہیں۔ جو مقامی سکھوں میں سخت ناپسند کئے گئے۔

سب گوردواروں کو اصلاح کی تحریک میں شامل کرنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ایک تو سکھوں کے ہندوؤں سے تعلقات بگڑ گئے ہیں۔ دوسرے پوٹھوہار۔ سرحد۔ سندھ وغیرہ علاقوں میں بیسیوں ایسے گوردواروں سے گرنتھ صاحب اٹھا دیئے گئے ہیں۔ بلکہ گھروں میں جو لوگ گورو گرنتھ صاحب رکھا کرتے تھے۔ انہوں نے بھی اٹھا دیئے ہیں جس گورو گرنتھ صاحب نے ان کے آتما کو شانتی دینی تھی۔ وہی گورو گرنتھ صاحب ان کے لئے مصیبت ثابت ہونے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایسے لوگوں نے گورو گرنتھ صاحب کو پڑھنا ہی چھوڑ دیا۔ جن سکھوں کی یہ رائے ہے۔ کہ جہاں گورو گرنتھ صاحب دیکھا۔ وہیں قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ میں ان سے پوچھتا ہوں۔ کہ کیا اس طرح کرنے سے سکھی پرچار ہوا ہے۔ یا کہ سکھوں کے خلاف نفرت پھیلی ہے۔ اور گوربانی کا پرچار بند ہوا ہے۔ میری اب بھی یہی رائے ہے کہ اتہاسک گوردواروں کے سوائے باقی تمام گوردوارے اور دھرم شالاؤں کا انتظام مقامی لوگوں پر چھوڑ دیا جائے۔ گوردواروں پر کم از کم سناتن اور سہج دھاری سکھوں کا کوئی جھگڑا نہ کیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے اگر ایسا نہ ہو سکے۔ تو سب ایسے جھگڑوں کو فیصلہ کے لئے پنڈت مدن موہن مالویہ پر چھوڑ دیا جائے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ کو سکھ اور سناتنی ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور دونوں فریق یکساں عزت کرتے ہیں۔

جہاں جہاں ایسے جھگڑے ہیں وہاں کے مقامی سناتنیوں اور سکھوں سے پیندورا پیل کرتا ہوں۔ کہ وہ اس تجویز پر غور کریں۔ سرکاری عدالتوں میں خوار ہونے کی بجائے بہتر ہے۔ کہ ہم اپنے لیڈر سے فیصلہ کروا لیں۔ میرے پاس یقین کرنے کے لئے وجوہات موجود ہیں۔ کہ اگر سناتنیوں اور سکھوں دونوں کی طرف سے یہ کہا جائے۔ تو پنڈت جی وقت دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

ضرورت ہے تری پھر رام آجا!

(از لالہ رام رکھا مل صاحب برق کراچی)

رُخِ پُر نور کا جلوہ دکھا جا | ہمارا رنج و غم سارا مٹا جا
گرے ہیں قعرِ پستی میں اُٹھا جا | ہمیں بامِ ترقی پر چڑھا جا

ضرورت ہے تری پھر رام آجا

کہاں بھائی کو بھائی سے محبت | کہاں ماں باپ سے بیٹے کو اُلفت
کہاں بیوی سے شوہر کو ہے رغبت | بڑھی جاتی ہے آپس میں کدورت

سبق پھر ہم کو اُلفت کا پڑھا جا

غلامی پر فدا پیر و جواں ہے | یہی بربادیٔ ہندوستاں ہے
ہمارے بر سرِ کیں آسماں ہے | کہاں ہے تو کہاں ہے تو کہاں ہے

ترانے حبِّ قومی کے سُنا جا

زمانے میں ذلیل و خوار ہیں ہم | کریں کیا بے بس و لاچار ہیں ہم
حیاتِ تلخ سے بیزار ہیں ہم | فنا ہونے کو اب تیار ہیں ہم

بچا جا تو - بچا جا تو - بچا جا

یہ کہتا کون ہے آزاد ہیں ہم | یہ کہتا کون ہے دلشاد ہیں ہم
بہت ناشاد ہیں برباد ہیں ہم | شہیدِ خنجرِ بیداد ہیں ہم

تو آکر ظلم سے ہم کو چھڑا جا

جو گوہر تھے بنے وہ سنگِ خارا | جو تھے ہمدرد کر بیٹھے کنارا
زمانہ ہو گیا دشمن ہمارا | بس اب ہے آسرا گھبر تمہارا

عدو کو برق بن کر پھر جلا جا

مس میو کی کھری حمایت

میں نے "انکل شام" نامی کتاب کیوں لکھی

(از مسٹر کنہیا لال صاحب گابا بیرسٹر ایٹ لاء۔ لاہور)

"کریم ویرا" مجھ سے دریافت کرنا چاہتا ہے۔ کہ میں نے اپنی کتاب "انکل شام" Uncle Sham کیوں لکھی۔ مجھے خوشی ہے کہ جس مقصد کے لئے میں نے اسے مس میو کے جواب میں لکھا۔ وہ پورا ہو گیا۔ اسے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ امریکہ اور انگلستان میں صحیح جواب تسلیم کیا گیا۔ ایک معزز دوست جو مہاتما گاندھی کے لفٹنٹ بھی ہیں۔ یہ کتاب لکھنے کے لئے مجھ پر خوب برسے ہیں۔ اسی طرح چند دن ہوئے "ٹربیون" کے کالموں میں بھی ایک ہندوستانی صاحب نے جو امریکہ سے واپس آئے ہیں۔ مجھ پر نکتہ چینی کی ہے مسٹر راجگوپال آچاریہ نے "ہندو" مدراس کے کالموں میں لکھا ہے:-

"مانا کہ مس میو کی کتاب بری ہے لیکن اس قسم کی گندگی سے پر ایک اور کتاب ... کو حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایک غلطی کی تلافی کے لئے دوسری غلطی نہیں کی جانی چاہئے۔ اس کتاب میں آخر کیا لکھا ہے۔ یہی کہ امریکہ کے خلاف یوروپین پروپگنڈا کو نمایاں کیا گیا ہے۔"

یہ امر تسلیم کیا جائے گا کہ مس میو کی کتاب دو سال ہوئے پبلک کے سامنے آئی۔ دس سال ہوئے۔ جب کہ میں مغربی تہذیب سے براہ راست تعلق رکھتا تھا۔ اس سارے عرصہ میں میں نے کسی ملک کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اگر چند واقعات رونما نہ ہوتے۔ تو میں تصنیف کا راستہ اختیار نہ کرتا۔ ہندوستان اور اس کے باہر مس میو کے جواب میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن ذاتی طور پر میں انہیں مناسب طریقہ کا جواب نہیں سمجھتا۔ ہماری سوسائیٹی میں خرابیاں کیوں ہیں۔ اس کی وجوہات کئی ہو سکتی ہیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ خرابی موجود ہے۔ اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن محض اس لئے کہ سوسائیٹی کے خاص طبقوں میں خرابی پائی جاتی ہے آپ ساری قوم کو بدنام نہیں کر سکتے۔ اگر مس میو کی کتاب ایک واحد مثال ہوتی۔ تو میں اس کو نظر انداز کر دیتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے دو سال تک اسے نظر انداز کیا۔ لیکن اس نے اعلان کیا کہ وہ ایک اور کتاب شائع کر رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی چند اور مصنفوں نے بھی اس تیر کو ہندوستان کے خون سے رنگنا چاہا۔ انگریزی امریکن اور اینگلو انڈین اخبارات نے ان تمام کتابوں کا خوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ انہیں پسند کیا۔ اور بغلیں بجائیں۔ یہ کتابیں شائع کرنے کا مقصد یہ دکھانا تھا۔ کہ ہندوستان وحشی اور جاہل لوگوں کا ملک ہی نہیں۔ بلکہ اس کا طبقہ تذکیر خالص اور صادق نہیں۔ اور اس کا طبقہ تانیث خرابیوں اور قباحتوں سے بھرا پڑا ہے پس میں نے اپنی کتاب Uncle Sham اس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی کہ یوروپین امریکہ کو بتا دوں۔ کہ دوسروں کے ہاتھ میں بھی قوت ہے اور وہ بھی تمہارا بھانڈا پھوڑ سکتے ہیں۔

اگر "مدر انڈیا" اور تمام دوسری گندی کتابیں جو ہندوستان کے متعلق لکھی گئیں صداقت پر مبنی ہیں۔ اور ملک کے صحیح حالات کا فوٹو ہیں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ میری کتاب بھی مس میو کے ملک کی صحیح ترین تصویر ہے۔ میں نے یہ کتاب روپیہ پیدا کرنے کی غرض سے نہیں لکھی۔ بلکہ ہر ایک شخص کے سامنے یہ حقیقت آشکارا کرنے کے لئے لکھی ہے کہ ہندوستان کو بدنام کرنے والوں کی اپنی حالت کیا ہے۔

اس کتاب کو یوروپ امریکہ اور ہندوستان میں کس نظر سے دیکھا گیا۔ اس کا اندازہ ان اقتباسات سے لگایئے۔ جو وہاں کے اخبارات سے لئے گئے ہیں۔

"ڈیلی سکیچ لنڈن" ہندوستان کے مشہور قانون دان اور بزنس مین مسٹر کنہیا لال گابا نے اپنی کتاب میں امریکہ کو جتایا ہے کہ امریکہ خود ہی اس قدر گرا ہوا ہے کہ وہ دوسروں کے اخلاق پر کیا حملہ کرے گا۔"

"ڈیلی سٹار۔ کنیڈا:" "یہ کتاب مدر انڈیا" کے منہ پر چپت ہے۔"

ٹیلیگراف جرنل۔ سینٹ جانز (کنیڈا)

مس میو نے اپنی کتاب میں جو گندگی اچھالی ہے کیا بیسویں صدی میں ایسا کوئی ملک ہو سکتا ہے۔ جہاں یہ ممکن ہو۔"

ہندوستان میں اس کا استقبال کس طرح ہوا:-

بمبئی کرانیکل:- مسٹر گابا نے امریکہ کو دکھا دیا۔ کہ وہ اخلاقی طور پر خود کہاں کھڑا ہے۔

مسٹر شاستری:- میں نے آپ کی کتاب پڑھی۔ اور محظوظ ہوا۔

پائنیر:- مس میو نے جو کچھ لکھا۔ اس کا جواب اسے مل گیا۔

مسٹر پانیکار فارن سیکرٹری کشمیر:- میں امید کرتا ہوں۔ آپ اسے جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں بھی شائع کرائیں گے۔

انگلشمین کلکتہ:- مس میو کی کتاب کا بہترین جواب ہے۔

رام راج!

از ماخدائے سخن فخرِ پنجاب جناب منشی تلوک چند صاحب محروم بی۔ اے

نہ مظاہرے، نہ مقابلے۔ نہ ستم کشی، نہ ستمگری
نہ قتیلِ تیغِ جفا کوئی۔ نہ اسیرِ غم کوئی ناتواں
نہ کسی کا درد ہے لادوا۔ نہ کوئی غریب ہے بے نوا
نہ ہے تیرِ آہ نشانہ جو۔ نہ بلند ہے علمِ فغاں
کہیں بغض ہے نہ عناد ہے۔ کہیں فتنہ ہے نہ فساد ہے
نہ فریبِ پردۂ دوستی۔ نہ جفا طرازئ دشمناں
یہ زمانہ صدق و صفا کا ہے۔ جو ہے بندہ حلم و وفا کا ہے
جو نہاں تھا پیکرِ خاک میں۔ وہ ہوا بہ حسنِ عمل عیاں
صلۂ وفا، گلہ جفا سے۔ یہاں کسی کو غرض نہیں
کہ زہے رام ہیں جانِ دل۔ وہی رام جو ہے عزیزِ جاں
نفسِ حیات ہے تازہ پے۔ کہ شمیم قدس ہوا میں ہے
یہ زمیں ہے مسکنِ قدسیاں۔ ہوس و ہوا کا نہیں نشاں
جو ستم کرے وہ نہیں فلک۔ ہے نثارِ اہلِ زمیں فلک
کہیں خدشہ قحط کا ہو اگر۔ وہیں ابر تر ہو گہر فشاں
چلے جاؤ دامنِ کوہ سے۔ جو کنارِ بحرِ رواں تلک
کہیں لہلہاتی ہیں کھیتیاں۔ کہیں مسکراتے ہیں گلستاں
یہی وہ زمانہ ہے جس کے ہم۔ بہ ہزار شوق ہیں منتظر
یہ ہیں رام راج کی برکتیں یہ ہیں رام راج کی خوبیاں

سوراجیہ بطور بخشش کے

از قلم بابو ہردیال صاحب ناگ چاند پور (بنگال)

اس میں شک نہیں۔ کہ ایسے ہندوستانی ہیں۔ جو سوراجیہ چاہتے ہیں۔ مگر بخشش کے طور پر۔ اس طرح نہ ملے۔ تو وہ اُسے چاہتے ہی نہیں۔ لیکن اس طرح بخشش کی صورت میں دیا ہوا سوراجیہ قدرتی طور پر سلطنت برطانیہ کے اندر ہی ہو سکتا ہے۔ ہندوستان سلطنت برطانیہ کا حصہ دار نہیں۔ یہ ایک ایسا ملک ہے۔ جس کا برطانیہ واحد اور سب سے بڑا مالک ہے۔ ہندوستان ایک مفتوح ملک ہے۔ یہ اپنی الگ تاریخ رکھتا ہے۔ نو آبادیات جو برطانیہ کے قبضہ میں ہیں۔ گورے آبادکاروں نے نہیں پیدا کیے۔ شروع شروع میں اُنہیں گورے لوگوں ہی نے جو برطانیہ یا یورپین ممالک سے نکل کر گئے تھے۔ آباد کیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں سے کچھ مثلاً آسٹریلیا اور کینیڈا کو آزادی کا درجہ دے دیا گیا۔ جس کا نام "درجہ نو آبادیات" رکھا گیا۔ ہندوستان کی حالت ان نو آبادیات سے بالکل الگ ہے۔ برطانوی سلطنت کا بنیادی پتھر ہی ہندوستان کی محکومیت پر رکھا گیا ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ برطانیہ اعظم سر سے پاؤں تک ایک انڈسٹریل ملک ہے۔ یعنی صنعت و حرفت پر اس کا انحصار ہے۔ خوراک اور سامان ساختنی کے لئے برطانوی کلی طور پر ہندوستان کا محتاج ہے۔ برطانوی بیوروکریٹ لوگ (نوکر شاہی کے پُرزے) ہندوستان کی اصلی پوزیشن کو چھپانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔ وہ صاف صاف کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں انگریز اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان میں سے ایک کا قول ہے:۔

"ہندوستان ہماری مادر وطن کے لئے بے انتہا قیمتی چیز ہے۔ برطانیہ نے ہندوستان سے اشیاء خوردنی اور اشیاء ساختنی کی جو اس کی انڈسٹری کے لئے ضروری ہیں۔ بھاری مقدار حاصل کی ہے۔ برطانوی سلطنت کے ڈھانچے میں ہندوستان ایک ضروری حصہ ہے۔ اگر ہم نہیں چاہتے۔ کہ زمانہ سابق کی عظیم الشان روایات کو مرنے دیں۔ اور پولیٹیکل اور تجارتی گمنامی میں گر جائیں۔ تو ہندوستان کو چھوڑ دینا [illegible] پاگل پن [illegible] ہوگا۔"

جو لوگ ہندوستان کے لئے سوراجیہ بصورت بخشش کے چاہتے ہیں۔ یہ اُن کے لئے صاف جواب ہے۔ ایک اور برطانوی بیوروکریٹ لکھتا ہے:۔

"ہم نے ہندوستان کو ہندوستانیوں کے فائدے کے لئے فتح نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں۔ کہ مشنریوں کے جلسوں میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہم نے ہندوستان کو ہندوستان کا درجہ بلند کرنے کے لئے فتح کیا۔ مگر حقیقت یہ نہیں۔ ہم نے ہندوستان کو برطانوی اشیاء کی کھپت کے لئے منڈی کے طور پر فتح کیا ہے۔ ہم نے اُسے تلوار سے فتح کیا۔ اور تلوار کے ساتھ ہی اُسے غلام رکھیں گے۔ میں ایسا مکار نہیں ہوں۔ جو یہ کہوں۔ کہ ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بہتری کے لئے ہیں۔ ہم ہندوستان پر اس لئے حکومت کرتے ہیں۔ کہ برطانوی اشیاء کے لئے عموماً اور لنکا شائر کی روئی کی اشیاء کے لئے خصوصاً اس کو بہترین منڈی سمجھتے ہیں۔"

جو لوگ ہندوستان پر ہندوستانیوں کی بہتری کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنی تجارت کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ اُن سے یہ توقع کبھی نہیں ہو سکتی۔ کہ اس ملک میں اپنے اقتدار کے چھوٹے سے چھوٹے حصے کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ برطانوی بیوروکریٹ اپنے ہاتھ سے ہندوستانیوں کو [illegible] دے دیں گے۔ جس سے ہندوستان میں غیر ملکی تجارت کے خطرہ میں پڑ سکے۔ وہ اپنی موت کے وارنٹ پر خود دستخط نہیں کریں گے۔ ان وقتی اصلاحات [illegible] صاف طور پر اُن کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس

بالی کی موت کا عبرتناک سبق

از قلم جادو رقم جناب امیر الشعرا پنڈت تسنہ پرشاد صاحب فدا بی۔ اے

> سہ رنگا نظارہ بالی بدھ ہیں جس کے متعلق یہ نظم لکھی گئی ہے۔ بھگوان رام نے اپنے طرزِ عمل سے یہ بتلایا ہے۔ کہ پاپی دشمن کو مارنے کے لئے ہر ہتھیار جائز ہے جس کا ذکر نظم میں نہیں کیا گیا ہے:

عازمِ لنکا تھے یوں تو رام سیتا کے لئے
داورِ مظلوم تھے وہ چشمِ بینا کے لئے

پیش آئے زندگی میں اُن کو جو جو واقعات
سینکڑوں کھلتے ہیں اُن سے راز دنیا کیلئے

درپئے آزار رہتے تھے سبکاروں کے وہ
بیکے رہتے تھے دوائے دردِ دُکھیا کیلئے

دستِ شفقت اُنکا نیکوں کی سپر مشہور تھا
تیر تھے مخصوص اُن کے چشمِ اعدا کیلئے

لیگئی کِسکندھ خوش بختی اُنہیں سگریو کی
دی سزا بالی کو اُس کے ظلمِ بیجا کے لئے

مار کر بالی کو قائم کی زمانے میں مثال
موت ہے پاداشِ پاپی کے مداوا کیلئے

بھائی بھائی ہیں بظاہر شکل میں انسان سب
جمع کرتے ہیں جدا اعمالِ فردا کے لئے

عاقبت برباد کر مرتا ہے دنیا کے لئے
جی رہا ہے ایک اس دنیا میں عقبیٰ کے لئے

پردۂ اخفا سے اُن کو بھیجتا رہتا ہے رام
تیر نادان کیلئے، برکات دانا کے لئے

> اے فدا سگریو کی قسمت پہ سکو رشک ہے
> کیسی خوش منظر ہے وہ چشمِ تمنا کے لئے

موجودہ تجارت کو دھکا نہ لگے۔ سائمن کمیشن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کریگا۔ کہ موجودہ حالات کو زیادہ خوشگوار شکل میں پیش کرے۔

برطانوی بیوروکریٹوں کی اس دھمکی میں کہ وہ ہندوستان پر تلوار کے زور سے حکومت کر رہے ہیں کوئی بہادری نہیں۔ انہوں نے ایک ایک ہندوستانی کو نہتا کر دیا ہے۔ مٹھی بھر بیوروکریٹ ۳۲ کروڑ ہندوستانیوں کو جنہیں انہوں نے مکمل طور پر بے ہتھیار کر رکھا ہے۔ چیلنج دے رہے ہیں "ہم تلوار کے" ہندوستان کو تلوار کے زور سے محکوم رکھنے میں کوئی بہادری یا فخر کا کام نہیں۔ ان حالات میں صاف ظاہر ہے۔ کہ بخشش کے طور پر ہندوستان کو سوراجیہ ملنے کا کوئی چانس نہیں۔ اس لئے حصول سوراجیہ کا واحد طریقہ اپنے آپ کو تیار کرنے کا ہے۔ اس قسم کا سوراجیہ جھٹکا نہیں پڑیگا۔ ایک غیر ذمہ دار وزیر کو ۷ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ دینا زمانہ ماضی کی بات ہوجائے گی۔ پبلک سروس خدمت اور قربانی کا میدان ہوگا۔ نہ کہ طاقت اور غرور کا۔ جو ہندوستانی موجودہ فضول خرچ طرز کی حکومت میں طاقت اور غرور کے مزے لے رہے ہیں۔ قدرتی طور پر بخشش والے سوراجیہ کے خواہاں نہیں۔ تمام آزاد ممالک میں حب الوطنی واحد نہیں۔ تو بہترین قابلیت ہے۔ پبلک سروس میں شامل ہونے کی۔ لیکن غیر ملکی حکومت کے ماتحت حب الوطنی جرم ہوجاتا ہے۔ ہندوستان میں تمام پبلک سروس والوں "محب الوطن بننا اچھا خیال نہیں کیا جاتا"۔ وہ ہندوستانی جو اس وقت مزے لے رہے ہیں۔ اپنے لئے سوراجیہ چاہتے ہیں۔ اور اس قسم کا سوراجیہ بخشش کے طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی اُمید کے خلاف اُمید کرنا ہے۔ انگلستان سے ہندوستان کو کوئی سوراجیہ "ہوائی ڈاک" یا "سمندری ڈاک" کے ذریعہ نہیں آئیگا۔ ہندوستان کو اپنی قربانیوں ہی سے سوراجیہ لینا ہوگا۔ بلا تشدد عدم تعاون ہی واحد ہتھیار ہے۔ جس سے ہم سوراجیہ کی جنگ کامیابی کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ کوئی تلوار کوئی مشین گن بلا تشدد حب الوطنی کو تباہ نہیں کر سکتی۔ تمام جسمانی طاقتیں بلا تشدد عدم تعاون کے سامنے جھک جاتی ہیں۔

"پیامِ عمل!"

اُٹھ! نوجوانِ قوم اُٹھ!!

(حضرت مولینا "رحمانی" کے قلم سے)

اے نونہالِ قوم اُٹھ! - ہے اب زوالِ قوم اُٹھ! تو بن کمالِ قوم اُٹھ

لے ہاتھ میں شمعِ عمل - کر جستجو مقصد کی چل

جھگڑے بکھیڑے چھوڑ کر - غفلت سے منہ کو موڑ کر - اُلفت کے بندھن جوڑ کر

لے ہاتھ میں شمعِ عمل - کر جستجو مقصد کی چل

بگڑا ہے کچھ ایسا چلن - برہم ہوئی ہے انجمن - مغموم ہیں اہلِ وطن!

لے ہاتھ میں . . . .

اہلِ وطن کو شاد کر - برباد گھر آباد کر - عہدِ کہن پھر یاد کر

لے ہاتھ . . . .

لے ہاتھ میں قومی نشاں! - بن رام اُٹھا رامی کماں - آزاد ہو با عزوشاں

لے ہاتھ . . . .

ظلم وستم حد سے بڑھے ۔ بھارت بڑے رنغے میں ہے ۔ ماتا یہہ غم کب تک ہے
لے ہاتھ میں ....
حق وطن تسلیم کر ۔ بھارت کی کچھ تکریم کر ۔ ہاں قوم کی تنظیم کر
لے ہاتھ میں شمع عمل ....
چھائی ہے اب مردہ دلی ۔ اُٹھ دیکھ شان بیکسی ۔ کر جستجوئے زندگی
لے ہاتھ میں شمع عمل ۔ کر جستجو مقصد کی چل
تیر و کماں لے رام بن ۔ گلشن بنے بھارت کا "بن" ۔ ہوں سرخرو اہل وطن
لے ہاتھ میں شمع عمل ۔ کر جستجو مقصد کی چل

جھوٹے پر خدا کی لعنت

(اب بھی یقین نہ ہو ۔ تو رہی تمہاری قسمت)

نامردوں مجلوقوں اور کمزوری باہ کے مایوس العلاج مریضوں کو مژدہ جانفزا

وہ مریض جو بچپن کی غلط کاریوں یا کثرت عیاشی سے اپنے آپ کو تباہ کر چکے ہوں اور ہزاروں روپیہ بازاری یا اشتہاری ادویات پر خرچ کر چکے باوجود بھی اپنی قسمت کو روتے رہتے ہوں ایسے مریض ایکمرتبہ پتہ ذیل سے اکسیر مایوسین و طلا مایوسین منگوا کر استعمال کریں ۔ اگر ادویات اپنی تعریف سے بڑھ چڑھ کر ثابت نہ ہوں تو جو دل میں آئے کہنا ؟

اکسیر مایوسین یہ اکسیر بڑی محنت سے تیار ہوئی ۔ بیش بہا اجزا سے بنی ہوئی اور ہزاروں مرتبہ کی آزمودہ ہے نامرد کو مرد ۔ جوان کو نوجوان بلکہ پیر صد سالہ اور کمزور کو از سر نوجوان اور پہلوان بنا دیتی ہے اعلےٰ درجہ کی مقوی باہ ۔ دافع جریان و سرعت انزال ہے ۔ ہر موسم اور ہر عمر میں قابل استعمال ۔ چہرہ کا رنگ سرخ ۔ جسم موٹا ۔ خون بافراط پیدا کرتی اور وزن کو بڑھانیوالی ہے دودھ گھی جس قدر کھاؤ ۔ سب ہضم کر دیتی ہے اسکی تعریف میں کوئی مبالغہ نہیں ۔ صرف تین ہفتہ استعمال کرو ۔ عمر بھر طاقت کی ضمانت ۔ قیمت تین ہفتہ کی خوراک صرف پانچروپیہ علاوہ محصولڈاک وغیرہ

طلا مایوسین اگر آپ کے اعضائے مخصوصہ میں کسی قسم کی شکایت ہے .... تو اکسیر مایوسین کے ہمراہ طلا مایوسین سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے ۔ اس کے استعمال سے عضو ..... کی جملہ شکایات رفع ہو جاتی ہیں قیمت فی شیشی پانچروپیہ علاوہ محصولڈاک

زبردست عظیم الشان رعایت

ہم نے شری رامچندر جی مہاراج کی سالانہ یادگار میں ہر دو ادویات کی قیمتوں میں پچاس فیصدی رعایت کر دی ہے یعنی اکسیر مایوسین ۔ طلا مایوسین اکٹھا خریدنے پر بجائے دس روپیے کے پانچروپیے میں فروخت کی جاویگی لیکن اس عظیم الشان رعایت کے وہی خریدار حقدار ہونگے جو کہ اخبار کرم ویر کے وجے دشمی نمبر کا حوالہ دیکر ۱۵ ۔ نومبر ۱۹۲۹ء سے قبل آرڈر دیں گے اور قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر کے روانہ کر دیں گے بذریعہ وی ۔ پی طلب کرنے پر محصولڈاک و خرچہ پیکنگ وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا ۔

اکسیر مایوسین و طلا مایوسین کے مفید ہونیکی سینکڑوں سندات موجود ہیں جن میں سے چند ایک ہدیہ ناظرین ہیں

دیکھئے دُنیا کیا کہتی ہے ؟

(۱) ایم ۔ اے شیروانی صاحب سکینل کینال ڈیپارٹمنٹ گوجرانوالہ سے تحریر فرماتے ہیں ۔ کہ میں نے آپ سے اکسیر مایوسین و طلا مایوسین اپنے ایک دوست کو جو بچپن کی غلط کاریوں سے اپنے آپ کو تباہ کر چکا تھا منگوا کر دی تھی بہت سے اشتہاری حکیم ڈاکٹروں سے لُٹ جانے کے بعد آپ کی ادویات سے کُلی صحت ہوئی ۔ میں بڑے زور سے تصدیق کرتا ہوں کہ قوت باہ و نامردی کے مایوس العلاج مریض ان ادویات کو ضرور ایک مرتبہ منگوا کر آزمائیں (۲) ماسٹر محمد طفیل صاحب ناچیز مدرس لاہور سے لکھتے ہیں کہ آپ کی ارسال کردہ ادویات میرے ایک دوست نے استعمال کیں عام طور پر جو مخصوصہ شکایات مدرسین میں پائی جاتی ہیں ۔ ان کو دُور کرنے کے لئے آپ کی ادویات نعمت غیر مترقبہ ہیں ۔

منگوانیکا پتہ :۔ سندیا فیتہ حکیم ڈاکٹر ایم ۔ اے بخش ۲۷ صدر بازار چھاؤنی دہلی

سیواجی کا نعرہ اورنگ زیب کے دربار میں

(سیواجی والے سہ رنگے نظارے کے متعلق)

ہماری تیغ ابھی پیاسی ہے خون اعدا کی ۔ قسم خدا کی ابھی اس میں آب باقی ہے
نہیں ہوا ابھی خون اپنے بازوؤں میں سرد ۔ حرارت اس میں ابھی اسے شباب باقی ہے
نہیں ہوا ہے ہمارا وطن غلام اب تک ۔ ابھی تک اس میں اُبھرنے کی تاب باقی ہے
ابھی ہوئے نہیں جذبات زندگی مردہ ۔ تڑپ رہے ہیں ابھی اضطراب باقی ہے
اگرچہ تاروں کو شب نے چھپا لیا ہے مگر ۔ ہماری عزتوں کا آفتاب باقی ہے

ٹیلیگرافی کا واحد کالج

کلکتہ میں مسٹر ایڈورڈ گریبین پرنسپل کالج نے ایک نہایت مفید کالج کھول رکھا ہے جس میں وایرلیس ٹیلیگرافی کی تعلیم دی جاتی ہے ۔ کئی ہندوستانی نوجوان اس میں تعلیم حاصل کر کے اپنی روزی خوش اسلوبی سے کما رہے ہیں ۔ اور اچھے اچھے کاموں پر لگے ہوئے ہیں ۔ آیندہ زمانہ میں یہ فن بہت ترقی کرے گا ۔ اسلئے نوجوانوں کو جو بے روزگاری کا شکار رہنا نہیں چاہتے ۔ اس کالج کی خدمات سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے ۔ یہ اپنی طرز کا واحد تعلیمگاہ ہے ۔ نوجوان ذیل کے پتہ پر پرنسپل امپیریل کالج آف ٹیلیگرافی اینڈ کامرس (رجسٹرڈ) ۱۲۶ ۔ اے چاؤ بازار سٹریٹ کلکتہ سے خط و کتابت کریں ۔

کرم ویر میں اشتہار دیکر فائدہ اُٹھاویں ۔

ننھے منے بچوں کا ہفتہ وار اخبار

گلدستہ

جو رائے صاحب لالہ رگھوناتھ سہائے بی ۔ اے ہیڈ ماسٹر دیال سنگھ ہائی سکول لاہور کی ادارت میں ہر مہینے کی ۹ ، ۱۶ ، ۲۳ ، ۳۰ تاریخ کو نکلتا ہے ۔ چندہ سالانہ للعہ نمونہ مفت ۔ پتہ :۔ مینجر اخبار گلدستہ لاہور

THE WOMAN'S TONIC

الٹرس کارڈیل ریو

یعنی اکسیر نسواں

مستورات کی تمام امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے ڈاکٹر اس کی ہر گھر میں دائمی موجودگی کی سفارش کرتے ہیں ۔ ماؤں ۔ بہنوں ۔ بیٹیوں بیویوں کے لئے بہترین مقوی دوا ہے ۔
تمام دوا فروشوں اور بازاروں سے دستیاب ہوتا ہے ۔
دھوکے سے بچنے کے لئے لیبل پر ذیل کا پتہ دیکھ لیجیے ۔

Rio Chemical Co.,
79 BARROW STREET
NEW YORK (U.S.A.)

"لے آئے گائے بیٹا"

راجہ نے کچھ اُتر نہ دیا۔ گائے کو کھونٹی سے باندھ، ماتا کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے پُتر کے آنسو دیکھ کر سرسوتی تڑپ اُٹھی۔ وہ بیٹھی تھی۔ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پُتر کے پاس چلی گئی۔ آنچل سے اُس کے آنسو پونچھتی ہوئی کومل سور میں بولی "کیوں ارے کیوں رہے ہو؟"

راجہ چپ کھڑا رہا۔ آنسوؤں کا پرواہ اور بھی بڑھ گیا۔ اب کے بے چین ہو کر ماں نے پوچھا "میرے لال کچھ کہو بھی۔ کیا ہوا ہے؟ کیا کسی نے چھیڑا ہے؟"

"ہاں!" راجہ نے جواب دیا۔

"کس نے؟"

"جمعدار کے پُتر شاموں نے" چودہ برس کے راجہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہنا شروع کیا "میں گائے لا رہا تھا تو وہ دو تین شودروں کو لئے اپنے مکان کے باہر چارپائی پر بیٹھا تھا۔ جیوں ہی میں پاس سے گزرا۔ تو وہ نفرت کی ہنسی ہنس کر بولا۔ "دیکھو تو گوالے کا لڑکا کس شان سے جا رہا ہے۔ اُس کا یہ کہنا تھا کہ سب کھکھلا کر ہنس دیئے۔ میں پانی پانی ہو گیا۔ جی میں تو آیا کہ ایک ایک کا سر پھوڑ دوں۔ پر میں اکیلا کر ہی کیا سکتا تھا۔ اپنا سا مُنہ لیکر لوٹ آیا!"

"کائر"

(ایک فسانہ)

(از جناب پرتھوی ناتھ شرما۔ بی۔ اے۔ آنرز۔ لاہور)

سرسوتی کرودھ سے لال پیلی ہو گئی۔ اُس کے مُنہ سے گالیوں کی ایک نالی سی بہ نکلی۔ اور۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر شاموں کو گالیاں دی گئیں۔ کوئی دس منٹ تک بہاؤ جاری رہا آخر گالیوں کی دھار بند ہوئی۔ چپ ہو گئی۔ پُتر کی طرف دیکھ کر ایک سرد آہ بھری اور بولی۔ "آہ۔ آج بیچارے جن کے سامنے آتے ہوئے جمعدار بھی کانپتا تھا۔ ہوتے تو شاموں اور اُس کے گھر والوں کو یہ چھیڑ چھاڑ بہت مہنگی پڑتی" یہ کہتے کہتے اُس کے آنسو بھی بہ نکلے بے آسرے کا اور آسرا ہی کیا ہے؟

راجہ سچ مچ اُس بجواری کا پُتر تھا۔ جس کی دھاک علاقے بھر میں مچی ہوئی تھی۔ شاموں کا باپ تو کسی گنتی میں نہ تھا۔ چھوٹے موٹے نائب تحصیلدار بھی اُس سے دار دل لینے سے ہچکچاتے تھے۔ وہ بلا کا آدمی تھا۔ حاکموں تک تو اُس کی رسائی تھی ہی لیکن بازوؤں میں بھی کچھ کم زور نہ تھا۔ اُس کے چلے جانے پر اُس کے پُتر کی یہ دُردشا ہو رہی تھی۔ یہ ہے سنسار۔

راجہ نے ماں کو روتے دیکھا تو اُس کے آنسو بند ہو گئے۔ تھا تو مرد۔ اُسے دل نے اُبھارا۔ کرودھ سے جل کر بولا "ماں شانتی کرو اس اپمان کا بدلہ میں چھوڑنے کا نہیں۔ مجھے دو برس لگ جائیں۔ چار لگ جائیں۔ چھ لگ جائیں۔ پروا نہیں۔ پر یہ میں تیرے پاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شاموں کی ایک ایک پسلی توڑ کر چین لوں گا" اُس کے شبد اِرادے سے بھرپور تھے۔ آنکھوں میں آگ تھی۔

۲

پانچ برس کے بعد ایک دن جب اُس نے شاموں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو راجہ کچھ اور تھا۔ پر تگیا سے پرات گھور پری شرم دوارا بنا تھا اُس کا گٹھیلا شریر بادام کی سی بڑی بڑی آنکھیں علاقے بھر میں چرچا تھی۔ بٹھ چلانے میں میلوں تک اِدھر اُدھر وہ اپنا جوڑ نہ رکھتا تھا۔ اکھاڑے میں اُس کا نام خاص عزت سے لیا جاتا تھا۔

شاموں نے اُٹھ کر جب دوار کھولا تو حیران ہو گیا۔ ان پانچ برسوں میں اُن کی آپس میں کبھی ایک بات تک نہ ہوئی تھی۔ گھبرا کر پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔

راجہ ذرا مُسکرا کر بولا "تجھے مرتیو کا نیوتا دینے آیا ہوں"۔ شاموں کچھ نہ سمجھا۔ ٹکر ٹکر راجہ کی طرف دیکھتا رہا۔ راجہ نے گمبھیرتا سے پھر کہنا شروع کیا "شاموں تجھے یاد ہو گا کوئی پانچ برس ہوئے میں ایک دن گائے لے جا رہا تھا۔ تم نے میرا اپمان کیا تھا"

شاموں کو یاد آ گیا۔ بولا "شاید کیا ہو گا"

"شاموں" آنکھیں لال کر کے راجہ نے کہا "شاموں اس وقت میں نے ایک پرتگیا کی تھی۔ جانتے ہو کیا؟"

"کہے جاؤ" شاموں نے جواب دیا۔

"میں شاموں کی ایک ایک پسلی توڑ کر چین لوں گا۔ یہ تھی میری پرتگیا۔"

شاموں کانپ اُٹھا۔ راجہ کے لئے کسی کی بھی پسلیاں توڑنا بچوں کا کھیل تھا۔ شاموں

اپنے کو سنبھال کر ذرا بے پروائی سے بولا۔ "دو پہر؟" میں تجھے لٹھ یدھ کی چنوتی دیتا ہوں اگر مرد ہو تو کل ۴ بجے دھاری کے کھیت میں لٹھ لے کر پہنچ جانا۔

"بہت اچھا"۔ کانپتے دل سے شاموں نے جواب دیا۔

"یہ میں پھر بتا دوں۔ یدھ تبھی سماپت ہوگا جب ہم میں سے کوئی سماپت ہو جائے۔ پیچھی کی ترتیو کی یاد رہے گا!"

اُس نے ابھی شبد سماپت بھی نہ کئے تھے کہ سامنا دروازہ کھلا۔ راجہ نے اُدھر دیکھا۔ وہ شندر پرنتو سجل نیتر، اُس کی اور دیکھ رہے تھے۔ ایک چھپا ہوا ڈھنگ تھا۔ مدگ پیار تھا اُن میں جھلک رہے تھے۔ راجہ اپر شبھ سا ہو گیا۔ ہردہ اندولت ہو اٹھا۔ مانو اسے ایسے پرتیت ہوتا جیسے وہ کہہ رہے ہیں۔ کیا تم سچ مچ میرے سہاگ کا انت کر دوگے۔ کیا بچپن کی مور کھتاؤں کا۔ اتنا کٹھور دنڈ ہوتا ہے۔ کیا تم کسی کا جیون مجھے دان نہ کر دوگے۔ تم اتنے کٹھور ہو؟

کیا میں اتنا کٹھور ہوں؟ اُس کے نیچے کو ٹھیس لگی۔ بس جا کیا۔ اتیا چار نہیں۔ بچپن کی بات کو اتنی رنگت دے دینا۔ کیا پگلا پن نہیں۔ اُس کی مرت ماتا کا وہ چتر جب اُس کے ایمان پر وہ ... آنسوؤں بہا رہی تھی۔ سنکلپ آیا۔ ہردہ پھر کٹھور ہو گیا۔ پرنتیا نے پھر دخل جما لیا۔

پرنتو ایک بار پھر اُس کے نیتر سامنے کھڑکی زین سوستی پر جا پڑے۔ ہردہ میں پھر سنچار سنگرام ہونے لگا۔ کچھ نشچے نہ کر سکا۔ چپکے سے باہر نکل آیا۔

۳

خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ دوسرے دن چار بجنے سے بہت پہلے دھاری کے کھیت میں۔ آدمیوں کا سمندر اُمڈ رہا تھا۔ کھیت کے اس ... اس سرے تک بھیڑ تھی۔ آس پاس گرد کا کوئی ایسا ہی گاؤں ہوگا جہاں سے لوگ کافی تعداد میں نہ آئے ہوں۔ علاوہ ترکے انہیں لٹھ چلانے والے کے جوہر دیکھنے کے سوا دوسر کو بھلا کون ہاتھ سے نکلنے دیتا۔ ... انتظار دھڑکتے دلوں سے ہو رہی تھی۔

تین بج کر ٹھیک پچاس منٹ پر پیلا رنگ مرجھایا ہوا مکھ تھا ڈر کو چھپانے میں اچھل مسکراہٹ لئے ہوئے۔ شاموں نے پرویش کیا لوگوں نے دیا بھری ودشٹی سے۔ ایک بار اُس کو اور دیکھا۔ کچھ کھُس پھُس کی چرچا چلی۔ اور پھر سبھی کی درشٹی راجہ کے آنے والے پتھ پر جا لگی۔

چار بج گئے۔ راجہ کا کہیں پتہ نہیں۔ لوگ بے چین ہونے لگے۔ دس منٹ اور گزر گئے۔ جنتا ذرا ولی ہو اٹھی۔ انتظار اسہ سہی ہونے لگے۔ سوا چار بج گئے۔ بھیڑ اُداس ہو گئی۔ آخر کار دور سے راجہ آتا دکھائی دیا۔ لوگوں کے دل کھِل اُٹھے۔ بڑھ کر اُس کا سواگت کیا۔ چاروں طرف سے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ راجہ نے اُن کی طرف دیکھا۔ اور گمبھیرتا سے بولا۔ "شاموں کہاں ہے؟" لوگوں نے بتا دیا۔ وہ کھیت کے ایک کونے میں داہنے ہاتھ میں لٹھ لئے کھڑا تھا۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو بے چینی سے چبا رہا تھا۔ راجہ بھیڑ کو چیرتا ہوا اُس کے پاس پہنچا۔ شاموں! اُس کے پاؤں میں اپنی لٹھ پھینک کر ذرا اُونچے سُر میں بولا۔ میں لڑنے سے پہلے ہی ہار مانتا ہوں۔

شاموں حیرانی سے کانپ اُٹھا۔ لوگ دنگ رہ گئے۔ آوازیں آئیں۔ راجہ جوش میں تو ہو ... "کا ..."

"پھر لڑتے کیوں نہیں؟"۔

اُس نے کوئی اُتر نہ دیا۔

"کیوں اپنے نام کو بٹا لگاتے ہو؟"

پھر چپ!۔

جنتا دنگ ہو اٹھی! ... نر دیتا سے ... کی اور دیکھا۔ گمبھیر تا بھرے سُر میں بول اٹھی "کائر"۔

یہ شبد راجہ کے کانوں میں کوئی ہیجانی پرویش کر گیا۔ ایک سیکنڈ کے لئے کیول ایک سیکنڈ کے لئے اُس نے ... نت بہیے۔ پرنتو پھر مسکرا دیا۔

۴

آنند کی ہواؤں میں اُڑتا ہوا شاموں گھر پہنچا۔ تپنی چارپائی پر بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ اسے دیکھ رہی تھی۔ بولی۔ بڑے پرسن دیکھ رہے ہو۔

راجہ نے ہار مان لی ہے۔ وہ مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا گھمنڈ سے بولا۔ آدمی بدھی مان ہے جانتا تھا مقابلہ میں پُرانا کھلاڑی ہے۔ ایک بھی ہاتھ جم گیا۔ تو سماپت کر دے گا۔

تپنی چُپ رہی۔ کاغذ کے ٹکڑے کو مٹھی میں لے کر گیند سا بنا ڈالا۔ سامنے چولہا جل رہا تھا۔ اُدھر پھینکا۔ پرنتو چولہے سے ٹکرا کر باہر آ گرا۔ شاموں نے دیکھ لیا۔ پوچھا کیا ہے "کچھ نہیں" شاموں نے آگے بڑھ کر اُسے اُٹھا لیا کھول کر پڑھنے لگا "بہن" راجہ نے لکھا تھا "کل تیرے دوارہ تو نے مجھ سے کچھ مانگا تھا میں انکار نہیں کر سکتا۔ میں اُس سے ہار ماننے جا رہا ہوں لوگ مجھے کائر کہیں گے۔ کہنے دو۔ پرنتو یہ میں جانتا ہوں کہ اس ہار کے لئے مجھے کیا کیا نہیں تیاگنا پڑا۔"

پڑھتے ہی شاموں کا سر جھک گیا۔ چپکے سے کھاٹ پر بیٹھ گیا حقہ اٹھایا اور پینے لگا۔

رام آجائے

(از لالہ منوہر لال صاحب شہید علی پوری)

ہند میں پھر جو رام ہو جائے
سارا عالم نہ رام ہو جائے
وید اقدس کا بول بالا ہو
دھرم دنیا میں عام ہو جائے
شرم کی جا ہے رام کا پیرو
جارج۔ نیلسن یا ٹام ہو جائے

کہتے ہیں مندروں میں پنڈت جی
جس طرح بھی ہو کام ہو جائے
دھرم کی رٹ لگا رہے ہیں آپ
کیوں؟ کسی طور نام ہو جائے
فتنہ و شر کی علتِ غائی
اور خیر الا نام ہو جائے
بدنمائی کا بدترین نقال
نقلِ ماہِ صیام ہو جائے
پیشواؤں کا اور اماموں کا
پیشوا اور امام ہو جائے

چاندی سونے میں کیا ملے اس کو
صبح ہی جس کی شام ہو جائے
مقصدِ زیست سے ہو نا واقف
زندگی وقفِ جام ہو جائے
مئے و ساقی کے فحش قصوں میں
جس کا قصہ تمام ہو جائے
جس فسوں ساز کی درازیٔ زلف
اپنے پاؤں کا دام ہو جائے

نظارہ رام کا

(از جناب بسمل صاحب الہ آبادی)

لطف تو جب ہے ادھر کچھ ہو اشارہ رام کا
لوٹ لیں آنکھیں ہماری بھی نظارہ رام کا
دیکھنے والے ذرا دیکھیں تو آنکھیں کھول کر
ذرّے ذرّے میں چمکتا ہے ستارا رام کا
کشتیٔ امید و حسرت پار ہو منجدھار سے
اہلِ عالم کو جو مل جائے سہارا رام کا
حق پرستی پر چلے ناحق پرستی چھوڑ کر
وہ دلارا رام کا ہے وہ ہے پیارا رام کا
سچ کہا تم نے زمانے میں وہ خوش تقدیر ہے
جس کو اے بسمل میسر ہو نظارا رام کا

جس کا شیوہ ہی یاوہ گوئی ہو
گفتگو کاف۔ لام ہو جائے
موت اس کو حلال کیوں نہ کرے
جس کا جینا حرام ہو جائے

پھر بھی کہتے ہیں رام آجائے
سارا عالم ہی رام ہو جائے
ایں خیال است خام۔ ناکام است
در عمل کوش کہ دریں رام است

آنیوالا انقلاب

بقیہ صفحہ ۲۳

ہے۔ موجودہ حکومت کی سب سے بڑی خوبی عدل و انصاف - حق رسی اور انصاف تھا۔ مگر جب ازمنہ خیبنی کا نگرس نے جنم لیا۔ تو اس کے مقابلہ کے لئے فرقہ وارانہ پالیسی کو اختیار کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بے انصافی اور حق تلفی کی کوئی حد نہ رہی۔ اور اب کوئی شخص ایسا نہیں۔ اور تو اور خود حکومت کے ملازم ہی ایسے نہیں جو موجودہ نظام کے انصاف اور حق رسی کے قائل ہوں۔ اس لئے دل سے سب چاہتے ہیں۔ کہ تبدیلی پیدا ہو۔ اب اس کو روکنا ناممکن ہے۔ ہاں اگر انگلینڈ ہندوستان سے عمدہ تعلقات قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تو اسے فرقہ وارانہ پالیسی کو خود ترک کر دینا چاہیئے۔ اور حق رسی اور انصاف کو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ لہر بہت زور پکڑ گئی ہے سازش کے مقدمات کے ذریعے نوجوانوں کو جیلوں میں گلا دینے سے یہ لہر بڑھے گی رکیگی نہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ مدبرانہ تدبیر سے کام لیا جائے اور اچھے خاندانی نوجوانوں کو ایذا پہنچا کر دشمن سازی کے کارخانہ کو ترقی نہ دی جاوے۔ مگر نہایت ہی ناتدبیری سے کام لیکر دشمن سازی کی انجن کی رفتار کو بہت تیز کر دیا گیا ہے۔ ان حالات میں یہ کہنا نادرست نہ ہوگا۔ کہ ہم ایک نہایت ہی نازک اور خطرناک زمانہ کے نزدیک پہنچ چکے ہیں اور خدا جانے کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں تک میں کیا کیا انقلاب وقوع پذیر ہوں۔ ہر ایک شخص کا فرض اولین ہے۔ کہ ان حالات پر توجہ دے اور ملک کی کشتی کو تباہی اور کشت و خون والے انقلاب سے بچائے

حقیقت رام کی

(از نتیجہ افکار گوہر بار جناب پنڈت شیو نرائن صاحب شرما مذاق ویدراج دہلوی)
مصنف گلدستہ مذاق

کیوں نہ نظروں میں کھبے تصویر حیرت رام کی
کھنچ رہی ہے دل کے آئینہ میں صورت رام کی

ہیں ہر اک شئے میں کرشمے حسن فطرت ساز کے
ذرہ ذرہ میں نظر آتی ہے قدرت رام کی

پیکر انساں میں آیا انکشاف راز خفا
ہوگئی عالم پہ آئینہ حقیقت رام کی

نقش قدرت ہے یہ گوقلموئی باغ جہاں
ہے نمایاں ہر گل و غنچہ میں نکہت رام کی

جذبۂ مہر و وفا سے رام کرلیں خلق کو
جاگزیں دل اگر ہوجاے خصلت رام کی

فتحیابی ہو میسر مشکلات دہر پر
ہو ہماری ہر رگ و پے میں جو ہمت رام کی

کیوں نہ دیکھیں بزم میں لطف چراغاں اے مذاق
یہ دسہرہ ہے جہاں میں صبح نصرت رام کی

ایک ناخواندہ شخص ہم سے ملا۔ اس نے کہا۔ کہ اب موجودہ طرز کا انگریزی راج ختم ہونے والا ہے۔ کیونکہ جب راجیہ میں تبدیلی وقوع پذیر ہونیوالی ہوتی ہے۔ تو حکام وقت کی عقل ماری جاتی ہے۔ اور وہ غلطی پر غلطی کرتے ہیں اور ان کا اقتدار اور رعب گھٹ جاتا ہے ماتحتوں میں رشوت ستانی اور انصاف فروشی شروع ہو جاتی ہے اور چور اچکا چودھری لنڈی رانڈ پردھان ہو جاتی ہے اب یہ ساری نشانیاں آموجود ہوئی ہیں۔ اور لوگوں کو موجودہ حکومت سے بیدلی پیدا ہو رہی ہے اور بجائے اس کے حکام مرض کو دور کریں۔ وہ اس کو بڑھا رہے ہیں۔ اور موجودہ نظام کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ جدھر دیکھو ادھر ہی بے اطمینانی اور بے اعتمادی کی لہر چلتی نظر آتی ہے۔ اور فرقہ وارانہ پالیسی نے تو گورنمنٹ کے وقار کو مٹا دیا

روحانی کہانیاں

عام طور پر افسانے عشق و محبت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن میسرز دیوان چند گنگا رام تاجران کتب لوہاری دروازہ لاہور نے جو اخلاقی اور روحانی کتابوں کی اشاعت کیلئے مشہور ہیں حال میں روحانی کہانیاں کے نام سے ایک مفید کتاب شائع کی ہے جس میں پچیس دلکش و دلچسپ روحانی کہانیاں درج ہیں۔ ہم نے کہانیوں کو غور سے پڑھا ہے۔ ایک ایک کہانی نصیحت خیز۔ دلاویز اور زندگی کے اندر نہایت اعلے تغیر پیدا کرنے والی ہے۔ ان کے مطالعہ سے برے خیالات منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ اچھے وچار پیدا ہوتے ہیں۔ ان افسانوں کو پڑھ کر انسان اپنے اخلاق کو بلند اور چالچلن کو اعلے بنا سکتا ہے اور نیکی اور بھلائی کے خیال میں مست ہو کر اپنے جیون کو سپھل بنا سکتا ہے کتاب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اچھا ہے ضخامت ۱۴۴ صفحہ سرورق اعلی درجہ کی سہ رنگی تصویر سے مزین ہے ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف عمر ہے۔

آنے والا انقلاب

(از قلم لالہ راجچند صاحب منچندہ بی-اے-ایل ایل-بی ایڈوکیٹ لاہور)

دنیا میں کسی چیز کو نجات نہیں اور انسانی سوسائٹی بھی کایا بدلتی رہتی ہے۔ اگر انسان اپنی فطرت کو تبدیل نہیں کرتا۔ تو عادات کو تو ہمیشہ بدل کرتا رہتا ہے۔ جہاں تک پنجاب کا سوال ہے کوئی ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذرا۔ کہ گورنر لاہور کے مظالم سے لوگ تنگ آ رہے تھے۔ اور پنجاب کے سکھ اس کا ناک میں دم کر رہے تھے۔ اور آخر کار پنجاب میں کوئی ایسی اقتدار گورنمنٹ نہ رہی کہ جو عوام کی زندگی عزت اور مال کی حفاظت کر سکے۔ ایک طرف بدیشی افغان احمد شاہ ابدالی ہر سال حملہ کر کے ملک کو ویران کر رہا تھا۔ اور لوگ اس کے قہر سے نہایت ہی تنگ آ رہے تھے۔ اس زمانہ کی حالت کا نقشہ ذیل کی کہاوت سے مفہوم ہو سکتا ہے۔ ؎

کھادا پیتا لاہے دا
رہندا احمد شاہے دا

اور ادھر ملک کے اندر سکھ دھاڑ مارتے لوگوں کی زندگی وبال جان بنا رہے تھے اور ایک سردار بہادر کے زیر سرکردگی ملک میں ابتری اور بے چینی پیدا کر رہے تھے اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نظارہ پیدا ہو رہا تھا۔ عین اٹھارہویں صدی کے درمیان پنجابی اور پنجاب سے باہر کے اکثر حصوں کی سوشل اور اقتصادی زندگی تباہ ہو رہی تھی کہ پنجاب میں سکھوں کی بارہ مثلیں زور پکڑ گئیں اور قریب ۱۷۶۳ء کے لاہور پر قبضہ کر کے تین مثلوں کے سردار لاہور کے آقا و مدار بن گئے۔ اور جہاں کے اس طرف جہلم تک سکھا شاہی قایم ہو گئی۔ اکثر لوگ سکھا شاہی کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔ اس سے مفہوم ایسی سوشل اور پولیٹیکل شاہی اقتدار سے ہے۔ کہ جب مختلف سکھ سرداروں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اور دہلی کی حکومت کی تابعداری سے انکار کر دیا۔ اور لوگوں پر اپنی حکومت قایم کر لی۔ جب کہ خود سکھوں کا کوئی بڑا راجہ یا سردار نہ تھا۔ بلکہ ایک قسم کی طوائف الملوکی تھی۔ اور کسی قاعدہ قانون کی چنداں پروا نہ تھی۔

لاہور کے لوگ ایسی سرحاکمی سے جو سردار سوجا سنگھ، گوجر سنگھ اور لہنا سنگھ نے جو سکھوں کی تین مثلوں کے لیڈر تھے کی تھی تنگ آ کر ۱۷۹۹ء میں سوکر چکیا مثل کے سردار رنجیت سنگھ کو لاہور پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ اور سردار رنجیت سنگھ نے مئی ۱۷۹۹ء میں راتوں رات لاہور پر چھاپہ مارا۔ سرحاکموں کا خاتمہ کر اپنا شخصی راج قایم کیا۔ لوگوں نے شادیانے بجائے۔ کہ ظالموں کے پنجے سے چھٹکارا پایا۔ اور سکھا شاہی کے مقابلہ میں اب جو زمانہ شروع ہوا۔ اس کا نام مہاراج والا یا راج کہلاتا ہے۔ اور سکھی سے اگرچہ پیدا ہوا مگر اس سے بالکل نرالا تھا۔

مہاراج کے زمانہ میں پنجاب بھر میں پھر امن اور ترقی کا دور شروع ہوا۔ اور یہ زمانہ مہاراج کی زندگی تک قایم رہا۔ اور آخر کار جب مہاراج نے آنکھیں بند کیں۔ تو پھر تخت کے لئے سازش شروع ہو گئی۔ اور نہایت شرمناک اور سفاکانہ خانہ جنگی شروع ہوئی۔ نہ کسی کی عزت اور نہ ہی زندگی محفوظ تھی۔ مہاراج کی فوج جو مہاراج کے اقتدار کا باعث تھی۔ اب ملک کے لئے بدامنی کا سبب بن گئی۔ اور پھر سکھا شاہی کی جگہ پنچوں کا راج قایم ہو گیا۔ یہ پنچ فوجی سردار تھے اور ان کے مشورہ سے سب کام ہوتا تھا۔ فوج ان کے بس میں تھی۔ اور فوج کے بس سب کچھ تھا آخر کار یہ فوج ہی انگریزوں کے ہاتھ سے اور خود اپنے سرداروں کے منصوبوں سے جو اس فوجی طاقت سے خوفزدہ تھے۔ تتر بتر ہو گئی اور پنجاب میں اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں سے کم و بیش بیشتر انگریزی اقتدار کا سکہ ۱۸۴۹ء میں قایم ہوا۔ امن آیا۔ انصاف اور حق رسی آئی سڑکیں اور ریلوے تار آئے۔ تعلیم اور علم کی واقفیت آئی اور لوگوں نے ... دل سے اس نئے دور کا خیر مقدم کیا۔

اس نئے دور کو بہت عرصہ نہیں گذرا تھا۔ کہ بے انصافی حق تلفی اور خود غرضی کا تعفن پیدا ہو گیا۔ اور انصاف اور حق رسی کے نام پر انڈین نیشنل کانگرس کی طرف سے میمورئیل جانے شروع ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ نظام حکومت اور سوشل نظام کے خلاف ایک طوفان پیدا ہو گیا ہے۔ اور لوگ جلد تر اس کو بدلا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور اسی کانگرس کی طرف سے بجائے درخواست انصاف خواہی کے اب نوٹس دیا گیا ہے کہ بدلو۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ادھر اچھوتوں میں انتہائی درجہ کی ہل چل پیدا ہو گئی ہے اور وہ برابر کے حق مانگتے ہیں۔ اور ہندو سوسائٹی کو کایا پلٹنے پر مجبور کر رہے ہیں اور ادھر استری جاتی مردوں سے بہتر سلوک کے لئے واویلا کر رہی ہے۔ ہماری تاریخ پنجاب اس بات کی شاہد ہے۔ کہ جب ملک تبدیلی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تو ملک میں بدامنی اور ابتری پیدا ہوتی ہے اور لوگ قانون توڑتے ہیں۔ اور خطرناک کشت و خون کر کے انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ مگر اس وقت جو انقلاب پیدا ہو رہا ہے وہ نرالا ہے۔ لوگ اپنی جان کو دوسروں کی خاطر عذاب میں ڈالتے ہیں۔ اور بجائے دوسروں کو مار کر انقلاب پیدا کرنے کے وہ ایثار نفسی سے کام لے رہے ہیں۔ اور پُر امن انقلاب پیدا کر رہے ہیں۔

رام!

(شری بیت جیمنی سرشار صاحب)

اے ترے نور سے پر نور ہے کاشانۂ دل | اے ترے حسن سے معمور ہے ویرانۂ دل
اے ترے عشق سے مجبور ہے پروانۂ دل | اے ترے سحر سے مسحور ہے دیوانۂ دل

کون قسمت کا دھنی ہوگا زیادہ ہم سے
جن کا دل داغ دہ طور ہے تیر دم سے

کون سا سر ہے کہ جس میں نہیں سودا تیرا | کون سا دل ہے کہ جس میں نہیں جلوا تیرا
کون سی بزم ہے جس میں نہیں چرچا تیرا | ذکر ہر لب پہ ہے اے فاتح لنکا تیرا

آج اس دنیا میں ایسا کوئی انسان نہیں
جو ترے نام پہ جی جان سے قربان نہیں

سکھ اتہاس کا ایک ورق

بقیہ صفحہ ۵

ہوگئی۔ پہرہ والے پہرے پر کھڑے ہوگئے۔ جوتشی جی نے آدھی رات کے بعد دوسرے گھوڑے کو کھولا۔ اور اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے کہا۔

میں ہی پہلا گھوڑا لے گیا تھا۔ اور اب اسے بھی لے چلا ہوں۔ اور میرا پتہ یہ ہے۔ مالوے میں گورو ہرگوبند جی کے پاس میں بھی ہوں۔ اور آپ کے دونوں گھوڑے اگر لینا ہو۔ تو وہاں آ کر لے لیں۔

گھوڑے کو اسی راستے سے جس سے پہلے گیا تھا۔ کودوا کر راوی میں گرا۔ اور کا راستہ پکڑا۔ لوگ پکڑنے کی کو کرنے لگے۔ مگر سب رائیگاں تھی۔ ودھی جی اپنا کام کر گئے۔ اور گورو ہرگوبند جی پاس دوسرا گھوڑا لے کر پہنچ گئے۔

کتھا سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مہاشہ ودھی چند جیسے نے گورو جی کی سیوا کرنے میں اپنے آپ کو کس خطرہ میں ڈالا اسی طرح اگر کوئی خواہش رکھتا ہو۔ کہ دھرم یا دیش کی سیوا کروں۔ تو اسے ودھی چند جی کے جیون سے سکھنی لینی چاہیے۔ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ضروری ہے۔ ادیش را اپنی کے لئے گورو جی کا شبد ہے۔

"وو آپ گنوا ئیے تاں سہہ پایئے اور کیسی برائی"۔ اپنے آپ کو گنوا کر ہی سیوا ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو بچا کر نہیں۔ اگر بھارت کے نوجوان اپنا آپ نچھاور کرنے کو تیار ہیں۔ تب تو ٹھیک ہے۔ انہیں ودھی چند جیسے کا جیون چرتر دیکھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ (سوتنتر انند)

ہماری مخالفانہ طاقتیں

بقیہ صفحہ ۱۵

اب اچانک ایک مسلمان افسر کی سفارش پر ان کو زراعت پیشہ قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کہ ہندوؤں کا سارا روپیہ خطرہ میں پڑ گیا۔ خیال کیا جاتا تھا۔ کہ ملک میں نئے کانسٹی ٹیوشن رائج ہو جانے پر اس قسم کے فرقہ وارانہ قانونوں کا خاتمہ ہو جاویگا۔ لیکن ہندوؤں کی بدقسمتی دیکھیے۔ پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے ساہوکاروں کے پیشے کو بالکل مٹا دینے کی غرض سے پھر سے ساہوکارہ بل کونسل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ سوال دنیا میں روٹی کا ہے۔ جس کے پیٹ میں روٹی نہیں۔ وہ نہ زندہ رہ سکتا ہے۔ نہ کچھ کام کر سکتا ہے۔

یہ عجیب قاعدہ ہے۔ کہ خاص جماعت کے خلاف قانون بنا کر اسے پیٹ بھرنے کے ذریعے سے محروم کر دیا جاوے۔ اور اس جماعت کے لوگوں کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو۔ اس سے سب لوگوں کی گورنمنٹ نہیں رہتی۔ بلکہ خاص لوگوں کی گورنمنٹ ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے قانونوں کے ساتھ ملتی ہوئی گورنمنٹ کی وہ پالیسی ہے۔ جس سے کہ ہندوؤں کو مختلف دفاتر اور محکمہ جات کی ملازمت سے محروم رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ چونکہ ان کے اندر قابلیت ہے۔ یہ قابلیت ہی ان کے لئے ایک زحمت ثابت ہو رہی ہے۔

دسہرے کا غم!

(بقیہ صفحہ ۳۶)

مگر اب وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جو لوگ پہلے پریما کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ وہی اب اُسے حقارت سے دیکھنے لگے۔ کسی نے کھانے پینے تک کو نہ پُوچھا۔ تمام دن وہ بھُوکی بیٹھی رہی۔ سُسرال والوں کا خیال تھا۔ کہ یہی منحوس قدم ہے۔ جس کے آتے ہی گھر کا چراغ گُل ہو گیا۔

پریما سوچنے لگی۔ اب میرا یہاں کون ہے؟ میں کس کے بھروسے پر اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن کاٹوں گی۔ جس مکان کی دیواروں تک سے مجھے محبت تھی۔ وہی مکان اب مجھے کاٹنے کھاتا ہے۔ جس کمرے میں بیٹھ کر میں گھنٹوں اُن سے پریم کی باتیں کیا کرتی تھی۔ اُس کمرے میں جاتے ہوئے میری رُوح لرزتی ہے۔ دم فنا ہوتا ہے۔ کون جانے اُس میں بھُوت ہوں۔

پریما اپنی خیالات میں مستغرق دن بھر گھونگھٹ نکالے ہوئے فرش پر بیٹھی رہی۔ روتے روتے اُس کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ شام ہوئی۔ سورج دیوتا کا رتھ آسمان کا چکر لگا کر اپنے مغربی محل کے قریب جا پہنچا۔ اور اپنی بچی کھُچی آخری کرنیں اُونچے۔ اُونچے مکانوں سے سمیٹنے لگا۔ پریما اُوپر آئی۔ مگر سہمی ہوئی۔ اُس نے آہستہ آہستہ اُس کمرے کا دروازہ کھولا۔ جس میں منوہر بیٹھا کرتا تھا۔ کرسیاں بے ترتیبی سے پڑی تھیں۔ میز پر رکھی ہوئی کتابوں پر گرد جم گئی تھی۔ سامنے کھونٹی پر جو ٹوپی لٹک رہی تھی۔ اُس کا رنگ بھی مٹی سے کسی قدر تبدیل ہو گیا تھا۔ دری پر چلنے سے دھُول اُڑتی تھی۔

پریما نے یہ دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور چیزوں کو صاف کرنے لگی۔

اُس کی نگاہیں منوہر کی تصویر پر پڑیں۔ جو کمرے میں پہلو کی دیوار پر آویزاں تھی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اُتار کر سینے سے لگا لیا۔ اور کہنے لگی "ناتھ! ابھی کل کی بات ہے۔ کہ تم میرے ساتھ ہنستے کھیلتے تھے مجھے مناتے تھے۔ قسمیں دلاتے تھے۔ اور آج ایسے جُدا ہوئے۔ جیسے کبھی اس دُنیا میں تھے ہی نہیں۔

(پانچواں)

(ل) "سُنہ پریما! تو بیوہ ہے۔ تجھے اچھے کپڑے نہ پہننے چاہئیں۔ دُنیا ہنسے گی۔ طعنے دیگی۔ انگلیاں اُٹھائے گی۔ پھر بتا! ہم لوگ کون سا مُنہ لے کر رہیں گے۔ پریما! ہمارے سفید بالوں کی لاج رکھ"!

ساس کے ان الفاظ سے پریما کے دل کو دھکا سا لگا۔ اُسے ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے کسی نے اُس کے کلیجے میں خنجر بھونک دیا ہے۔ مگر تھی بے بس! چُپ کی چُپ رہ گئی۔ کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر اُوپر چلی گئی۔ اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

ساس کو کچھ دنوں سے پریما پر شک سا ہو گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں پریما میں غیر معمولی تبدیلی دیکھ رہی تھیں۔ وہ کھاتی۔ پیتی اچھی تو نہیں تھی۔ مگر اپنے بناؤ سنگار میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ ساس نے سوچا۔ کہیں نہ ہو۔ دال میں کچھ کالا ہے۔ جوان لڑکی ہے۔ اُمنگوں کے دن ہیں۔ مُنہ زور جذبات کوئی گُل کھلا کر رہیں گے۔ اُس نے بات بات میں روک۔ ٹوک شروع کر دی۔

ایک دن پریما بہت دیر تک رسوئی گھر میں کھانا کھانے کے لئے نہیں گئی۔ ساس گھنٹوں انتظار کرتی رہی۔ آوازیں دیں۔ نوکروں سے پُوچھا۔ مگر کسی نے بھی تسلّی بخش جواب نہ دیا۔ آخر ہار کر وہ اُٹھ بیٹھی۔ اور دبے پاؤں پریما کے کمرے کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اندر سے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔

ساس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُس نے دروازے کے سوراخوں کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا۔ مگر پریما دکھائی نہ دی۔ اُس کا شک یقین کی صورت اختیار کر گیا۔

تقریباً دو بجے پریما نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ساس موقعہ پا کر فوراً اندر گھُس گئی۔ اور کہنے لگی "کیوں بہو؟ آج طبیعت کیسی ہے؟"

اُس کی نگاہیں تیزی سے کمرے کا طواف کر رہی تھیں۔ مگر کمرہ خالی پڑا تھا۔

پریما بولی "نہیں ماتا جی! طبیعت تو ٹھیک ہے۔ یونہی دیر ہو گئی۔"

"کچھ میرا بھی خیال کیا کر۔ صبح سے اب تک بھُوکی بیٹھی ہوں۔ مجھے تو سارا سارا دن چُولھے کے پاس ہی بیٹھنا پڑتا ہے۔"

"نہیں ماتا جی! غلطی ہو گئی۔ معاف کریں!"

ساس کی ہمت نہ پڑی۔ کہ پریما سے کچھ پُوچھتی۔ مگر یہ خیال دن بھر اُس کے دل میں چٹکیاں لیتا رہا۔ اور جب شام کے وقت لالہ ہر بھگوان کچہری سے واپس آئے۔ تو سب سے پہلے ساس نے وہی ذکر چھیڑا۔ اور تمام قصہ بلا کم و کاست سُنا دیا۔

——— سچ ہے۔ کہ عورت کے پیٹ میں بات ہضم نہیں ہوتی۔

لالہ ہر بھگوان شش و پنج میں پڑ گئے۔ آخر مجسٹریٹ تھے۔ ناموری اور شہرت کے مالک تھے۔ اپنی عزت کو بچانے کی فکر کرتے ہوئے بولے "میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔ کہ شادی کر دو۔ یا میکے بھیج دو۔"

پریما کی ساس نے جواب دیا "بھلا میکے والے کیوں قبول کریں گے؟ جب اُنہوں نے شادی کر دی۔ تو لڑکی کے ساتھ اُن کا تعلق ہی کیا رہا؟"

"دُوسری شادی کر دیں گے!"

"وہ کیوں کرنے لگے؟ اب وہ ہمارے گھر کی بہو ہے۔ اُنہوں نے تو اپنی بیٹی دان کر دی۔ اب بُرے بھلے کے ہم ذمہ وار ہیں۔ اُنہیں کیا مطلب؟"

"مگر اُنہیں پُوچھنا تو ہو گا ہی۔ آخر بیٹی تو اُنہی کی ہے نا؟"

لالہ ہر بھگوان نے اُسی روز نر سنگھ داس کو خط لکھا۔ نر سنگھ داس پریما کے پتا تھے۔ اور مظفر گڈھ میں تحصیلدار!

(چھٹا)

(ہ) ہونی ہو کر رہتی ہے۔ پریما کے بیاہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بر کی عمر تیس سال سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ وہ کسی دفتر میں ملازم تھا۔ اُس کی پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ جس سے پانچ سال کا ایک لڑکا موجود تھا۔ شادی کے لئے دسہرے کا دن مقرر کیا گیا۔

جب پریما کو یہ معلوم ہُوا۔ تو اُس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ نہ معلوم کیوں؟ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کسی کی یاد میں! مگر وہ اُن آنسوؤں کو اندر ہی اندر پی گئی۔ اُس نے اپنا خیال کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۶۶

دسہرے کا بم!

بقیہ صفحہ (۶۵)

گلی کی لڑکیوں اور اُس کی سکھی سہیلیوں نے اُس کے ہاتھوں اور پاؤں میں مہندی لگائی۔ کنگھی چوٹی کی۔ اور بنا سنوار کر سہاگ گانے لگیں پرمیا کو ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے اُس کے کلیجے میں آگ کی چتا جل رہی ہے۔

دن تیزی سے ڈھل رہا تھا۔ شام قریب آ رہی تھی۔ اُسی شام کو ۸ بجے کے قریب اُس کے پھیرے تھے۔ پرمیا گرد و پیش کے حالات سے بے خبر اپنے ہی خیالات کے سمندر میں بہی جا رہی تھی۔

لڑکی کے پتا اور سسر دونوں ہی انتظام میں مصروف تھے۔ مگر پرمیا کی ماں کا چہرہ اُترا ہُوا تھا۔ وہ پُرانے خیال کی عورت تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی۔ کہ پرمیا کی دوسری شادی ہو۔ اُس کا عقیدہ تھا۔ کہ ایک جنم میں استری کا ایک ہی پتی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ دوسری شادی کر لے۔ تو کُل کلنکنی ہے۔

خیر شام ہو گئی۔ آفتاب مغرب میں ڈوب گیا۔ گھر میں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ ہر ایک اپنی دُھن میں مست تھا۔ کوئی پوجا کا سامان سجا رہا تھا۔ کسی کو روشنی کی فکر تھی۔ کوئی پانی مانگ رہا تھا۔ اور کوئی دُولہا۔ دُلہن کے لئے آسن بچھا رہا تھا۔

اتنے میں براہمن دیوتا بغل میں کتاب دبائے ہوئے آ پہنچے۔ اور اپنے آسن پر براجمان ہو کر عینک نکالنے لگے۔ اب کسر تھی تو دُولہا کی۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اپنے بھائی۔ بہنوں کو گود میں اُٹھائے مکان کے دروازے میں کھڑی ہوئی دُولہا کی راہ دیکھ رہی تھی۔

نئی روشنی کا زمانہ اور بدھوا بیاہ! بھلا گھوڑی۔ باجے۔ گاجوں اور آتشبازی کا کیا کام؟ دُولہا اپنے ساتھیوں سمیت موٹر میں سوار ہو کر دلہن کے مکان پر آ موجود ہُوا۔ لڑکی والوں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ اور احترام سے بٹھایا۔

جب سب سامان لیس ہو گیا۔ تو لڑکیاں پرمیا کو بُلانے کے لئے اُوپر گئیں۔ پرمیا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اور دھوئیں کے بادل اُٹھ رہے تھے۔

گھر میں آگ کا شور مچ گیا۔

چھوٹے بڑے سب اُوپر کی طرف بھاگے۔ کمرے میں آگ روشن تھی۔ شعلے اُٹھ رہے تھے۔ اور دھواں کثرت سے نکل رہا تھا۔ بامشکل دِقت دروازہ توڑا گیا۔ پرمیا آگ کے شعلوں میں لپٹی ہوئی منوہر کی تصویر کو سینے سے لگائے زمین پر اوندھے مُنہ پڑی تھی آگ پُوری طرح اپنا عمل۔ دخل کر چکی تھی۔ سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ہر ایک آگ بجھانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ مگر اب کیا تھا۔ پرمیا کا کام تمام ہو چکا تھا۔ بڑی مشکل سے آگ بجھی۔ پرمیا کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ منوہر کی جلی ہُوئی تصویر کا شیشہ ابھی تک اُس کی چھاتی سے لگا ہُوا تھا۔

سب حیران تھے۔ کہ پرمیا نے خودکشی کیوں کی؟ کیا وہ دوسری شادی کرنا نہیں چاہتی تھی؟

کمرے کے ایک کونے میں میز رکھی تھی۔ اُس پر قلمدان کے نیچے سے ایک خط ملا۔ اُس میں لکھا تھا:-

پتا جی!

آپ نے اپنی نصیبوں جلی پرمیا کو سمجھا نہیں وہ ہندو لڑکی ہے۔ اُسے شروع سے پتی بھگتی کا سبق سکھایا گیا ہے۔ ماں کی گود میں کھیلنے کے زمانے سے لے کر اب تک اُس نے پتی سیوا کا ہی اُپدیش سُنا ہے۔ سیتا اور ساوتری کی کہانیاں پڑھی ہیں۔ میوا ڑ کی اُن بہادر راجپوت عورتوں کے کارنامے مطالعہ کئے ہیں۔ جو شوہر کے میدان جنگ میں مرنے کی خبر پا کر چتا پر راکھ کا ڈھیر ہو جاتی تھیں۔ آپ کی پرمیا نہ معلوم کس خیال سے پتی کے مرنے کے بعد ایک سال تک زندہ رہی ہے۔ آپ اُس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ دوسرے شوہر کا مُنہ دیکھنا ایسا گناہ سمجھتی ہے۔ جس کا پرائشچت نہیں ہو سکتا۔ ایک سال تک اُس نے شوہر کی تصویر کے ساتھ اپنا دل لگائے رکھا ہے۔ مگر آج وہ دیکھتی ہے۔ کہ اُس کا دھرم خطرہ میں ہے۔ وہ تباہ ہونے والا ہے۔ اس لئے وہ اپنی مرضی سے نہایت خوشی کے ساتھ اپنا ناپاک جسم آگ کے سپرد کرتی ہے۔ آج کے دن اسی وقت اُس کے سوامی بم کا نشانہ بنے تھے اُن کی روح انتظار میں ہو گی۔ لو! الوداع! آپ کی بیٹی آپ سے رخصت مانگتی ہے۔

بدنصیب

"پرمیا"

جس نے بھی یہ خط پڑھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ برات اپنا سا مُنہ لیکر واپس چلی گئی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ چیخوں سے آسمان گونج اُٹھا۔ جو گھر دس۔ بیس منٹ پیشتر کاشانۂ عشرت بنا ہُوا تھا۔ وہی ماتم کدہ بن گیا۔ رنگ میں بھنگ اسی کا نام ہے ✦

شری بھگوان لنکا سے پھرے ہیں فتحیاب ہوکر

(از قلم خلیق الزمان جناب ابو المعالی مسٹر خلیق لاابالی سشن جج کورٹ سرگودھا)

آودھ کے "دن گئے تھے" جو سراپا انقلاب ہوکر
ستم اے کیکئی! تیرے جو ٹوٹے تھے عذاب ہوکر
جنک کی لاڈلی، آنکھوں کے تارے راجہ دسرتھ کے
اُٹھا کر سختیاں، بجرہی بنا کر اپنے بھگتوں کی
نہ چھوڑا "رام" نے فوجِ عدو میں کوئی بھی زندہ
کبھی چودہ برس میں ایک دن کی بھی نہ ہونے دی
وہ چٹکی چاندنی شامِ غریباں کی اجودھیا میں
سوالِ سخت بن کر جو کبھی محلوں سے نکلے تھے
اودھ کے سبزۂ اُمید کی لہروں کا کیا کہنا!
بڑھی ہیں بہرِ استقلال درشن کو تمنائیں!
اُدھر "سرجو" کی موجیں پاؤں دھونے کیلئے دوڑیں
بھرت کا پوچھنا ہے دل خوشی میں کس طرح اُچھلوں
ہجوم شوقِ نظارہ نے سیتا جی کو گھیرا ہے
شری بھگوان کے درشن کی شردھا کس کو کتنی ہے
کہاں اب راجہ دسرتھ! کس کو یہ مژدہ سنائیں ہم
بدھائی! "آرتی کوشلیا کر" گود پھیلا دے
تماشا کیوں نہ ہو "شامِ اودھ" کا آج نظارہ!
برنگِ شمع روشن تھا جو دل میں داغ فرقت کا
"سُمترا"، کیوں نہ خوش ہو کار نامے لکشمن جی کے
تماشا کیوں نہ ہو گردِ غبارِ دشت کا دامن
جھکا کر سر، جرن ماتاؤں کے بھگوان نے چومے
حقیقی والدہ کی "ماممتا" اب وہ خطائیں ہیں

پھرے ہیں اب وہ دورِ گردشِ جامِ شراب ہوکر
عوض اُن کے ترے حصے میں آئے ہیں ثواب ہوکر
چلے ہیں "بن" سے گھر کو امتحان میں کامیاب ہوکر
شری بھگوان لنکا سے پھرے ہیں فتحیاب ہوکر
کماں سے تیر جو نکلا وہ نکلا انتخاب ہوکر
ہوا ہے خاتمہ صحرا نوردی حساب ہوکر
وہ نکلا چندرماں صبحِ وطن کا آفتاب ہوکر
زہے قسمت وہ لوٹے ہیں جواب لاجواب ہوکر
کوئی انگڑائیاں لیتا ہو جیسے مستِ خواب ہوکر
چلا ہے جذبِ دل شوقِ بھرت کا انتخاب ہوکر
اِدھر درشن کی خاطر مچھلیاں اُچھلیں حباب ہوکر
سکونِ حال بن کر؟ یا گذشتہ اضطراب ہوکر
ٹپکتا ہے پسینا قطرۂ عطرِ گلاب ہوکر
یہ سمجھو تہ اگر ہو گا تو آپس میں حساب ہوکر
کہ "دن تیرے بڑھاپے کے پھرے رجنِ شباب ہوکر
تری ناکامیاں واپس ہوئی ہیں کامیاب ہوکر
ترے گھر آئی ہے "صبحِ بنارس" کا جواب ہوکر
بجھا ہے آج برسوں میں چراغِ بزمِ خواب ہوکر
ہوئے شائع دفائے حسنِ خدمت کی کتاب ہوکر
رُخِ پُر نور سیتا جی سے اُٹھا ہے نقاب ہوکر
دعائیں دل سے نکلیں انتخاب لاجواب ہوکر
جو ٹوٹی تھیں کبھی "سوتیلی ماتا" بھی عتاب ہوکر

ہمیں اتنا ہی ہے افسوس خلیق عقل لاادن پر
سو جنت گیا بھی تو گیا خانہ خراب ہوکر

آریہ اناتھ آلیہ فیروزپور چھاؤنی

پیوروہن تمہارے رابچک آن گر ۔ تم بھو بندھو ہمارے دین یا دو بر ۔

بھارت ورش کا شرومنی اور سب سے پہلا یتیم خانہ

رام راجیہ

دھرم راجیہ

تپ اور سوادھیائے میں تتپر، وید جاننے والوں میں سریشٹھ منی ورنارد سے تپسوی والمیکی جی نے پوچھا ہے بھگون کون مرد ہے جس میں سب لوک میں گن وان شکتی مان دھرتاتما۔ کرتگیہ ستیہ وادی اکھنڈ ورتی ۔ سدا چاری ۔ سرو ہتکاری ۔ ودوان ۔ سمرتھ ۔ سب کا پیارا ۔ بلوان ۔ آتم درشی جتیندریہ اور تیجاوی ہے ۔ ناردجی بولے ہاں ان گنوں والا بلکہ ان سے بھی ادھک گنوں والا اکشواکو ونش میں رام ہے ۔ جو شورویرتا کی مورتی ۔ برہمچریہ کا نمونہ دھرم آچرن اور ستیہ بھاشن میں پرورت ۔ برہم وادی ۔ وید وکتا ۔ بڑوں کا آگیا کاری ۔ اندر باہر سے شدھ اور شدھ ۔ لیشونت اور پرجا کے ہت میں رت ہے جن کا رکھشک سم درشی اور سب کا پیارا ہے ۔ وہ سادھو سجن ۔ پر اور ست سہارا ہے ۔ ایسے پوتر پربھو رام کے پرتاپ شالی وجے مہوتسو پر ہندو مات آریہ جاتی کے دان ۔ دیا اور اداریتا کے نام سے آریہ سماج یتیم خانہ فیروزپور کے سنچالک اپیل کرتے ہیں اگر یتیم فیاضی سے یا شاد بھی ہو جاوے ۔ نام ہو آپکا اور کام ہمارا ہو جاوے ۔

سوامی دیانند نے یوں تو بہت کام کیے ہیں لیکن ان کے کم سے کم برس کا بان تو خلائق ہیں ۔ ہمارا بھید کا وچھید رقومی یکانگت) نربلوں کی سہائتا اور وید مریادا کا قائم کرنا ۔ ان کے بیان میں ان کے تمام کارنامے آجاتے ہیں ۔ ہمارا مطلب اب صرف دوسرے نمبر کا ہے یعنی انہوں نے نربلوں کیلئے کیا کیا ۔ ان کے وقت میں بھارت ورش بھر میں کوئی یتیم خانہ نہ تھا ۔ سوامی دیانند کی غیرت ۔ پریم ۔ دوراندیشی اور رحم دلی اس بات کی مقتضی ہوئی ۔ کہ وہ اپنے پیروؤں کے دل میں یہ جوش پیدا کریں کہ یتیم خانہ کھولنا ان کا فرض اولین ہے ۔ ان کا یہ منورتھ پورن ہوا ۔ یتیم خانہ کھل گیا ۔ اب یہ آدھی صدی سے زیادہ عرصہ سے قائم ہے ۔ اور اس عرصہ میں خدمت خلائق سے وہ رتبہ حاصل کیا ہے کہ چاروانگ عالم میں مشہور ہے یہ در یتیم اپنی مثال آپ ہے اس کا کوئی ہم پایہ نہیں ۔ اس کی زمین اور عمارت لکھو کہا روپیہ کی نئی ہوئی اور اس کی اندرونی قیمت کی داد دیتی ہیں لوگوں کی فیاضی اس کی ضرورت کی عالمگیر تصدیق ہے گورنمنٹ عالیہ کی دانشمند آنکھ اسکی ضرورت کو تسلیم کرتی ہے معقول طریق سے سرپرستی کرتی ہے اسکی باضابطہ رجسٹری ہو چکی ہے اس کا ماہواری خرچ چار ہزار روپے سے اوپر ہے ۔ جو ایک پربندھ کمیٹی اپنے حسن انتظام سے پورا کرتی ہے اس میں تین آشرم ہیں ۔ بال آشرم کنیا آشرم ودھوا آشرم ۔ گؤشالہ اور زمین کار خانہ جات ہیں دو سکول لڑکے اور لڑکیوں کیلئے مڈل تک ہیں ۔ ایک ہسپتال ۔ ایک باغیچہ اس کے علاوہ ہیں جو لڑکے اور لڑکیاں یہاں سے فارغ التعلیم ہوں ان کیلئے باہر انتظام کیا جاتا ہے ۔ اب تک چودہ لڑکے شہر کے گورنمنٹ انڈسٹریل سکول میں تعلیم پاتے ہیں اور دو طالبعلم موگا کالج میں پڑھتے ہیں ایک ابھی جالندھر ڈی ۔ اے ۔ وی کالج سے ایف ۔ ایس ۔ سی پاس کر کے آیا ہے ایک کاشی میں سنسکرت کی تعلیم حاصل کر رہا ہے ایک امرتسر میں ۔ مرحوم لالہ لاجپت رائے پنجاب کیسری اسکو ہندو قوم کی ناک بتلاتے ہیں ۔ اور ہمیشہ اس کے سرگرم معاون رہے ہیں ۔ جہاتما منشی رام جی ہر طرح سے اس کی مدد کرتے رہتے ہیں اور ایک فیاض جود و نیک نیت پبلک اسکی پشت پر ہے گورنمنٹ عالیہ کے وزرا ۔ پبلک کے امرا ۔ خصوصاً اور عام سادھو سنگت بالعموم اس کے لئے دان دیتی ہے اور اپنی قیمتی آرا سے اسکو ایک نہایت مفید کار خیر بتلاتی ہے ۔ اسلیئے ایسے یتیم خانہ کیلئے جہاں ایک ایک گھنٹے کے بچے لئے جاتے ہیں ور دائیوں کے سپرد کئے جاتے ہیں کسی ایک فرد کا کام نہیں اسلیئے تمام اہالیان ملک راجگان رئیسان و دیگر بہی خواہان اور فیاضان کی خدمت بابرکت میں عرض ہے ۔ کہ پربھو رام کی عظیم الشان فتح کے مبارک دن کی تقریب پر مریادا پرشوتم کے نقش قدم چلتے ہوئے ونتی ہو اور اس موقع پر یتیم خانہ کو نہ بھولو اور اپنے سرمایہ میں سے اپنے بچوں کے پریم کے خیال سے یتیموں کو بیوگان کو یاد کرو انکو کھلاؤ ۔ پلاؤ ۔ بستر دو اور اپنی طبیعت میں عہد کرو کہ کم از کم ایک دن کی آمدنی اپنی سالانہ بجٹ میں سے اس کار خیر میں بھینٹ کرینگے اور کبھی عہد شکن نہ ہونگے کیونکہ رام نے بھی ان عہد کیا ہے جو ورتی تھے ۔ کوئی یتیم و بن دکھیا نہ رہے دو سب کو امرت کا پتر بنا دو ۔ رام کی جے جے کار کرو اسی طرح یاند پربھو کے بچے کو نردگھن سماپت کرو ۔ دیدو ۔ دلا دو اور رام سے بالو

نویدک

(لالہ) مکند لال بی اے ایڈوکیٹ
پردھان اناتھ آلیہ

(لالہ) شام لعل صاحب بی ۔ اے
ادھشٹاتا آریہ اناتھ آلیہ

(رائے صاحب) لالہ کوڑا رام
آنریری سیکرٹری یتیم خانہ آریہ سماج چھاؤنی فیروزپور

دیکھئے دنیا کی مشہور و معروف اور قابل اعتبار ہستیوں کے تجربات اور رایوں سے فائدہ اٹھائیے

اخبارات کے ریویو

روزانہ اخبار پرتاب لاہور سے بابو پرکاش...مالک صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے یہ لکھتے ہوئے نہایت خوشی ہو کہ آپکے دوائی کی چند دواؤں کے تجربہ کرنے کا اتفاق ہوا آپ کی تحریر کے بس مطابق ہیں اکثر مقوی دوا میں نیز نمک ہاضم اور خضاب خوردنی اکسیر شباب بہترین چیز ہو جس کا میں نے تجربہ کیا اور بیحد مفید پایا ایسی مفید ادویات کی کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں جس سے پبلک کو فائدہ پہونچے اور انشورکرے آپکا کارخانہ فارغ البال رہے۔

اخبار پارس لاہور نے ریویو کیا ہو کہ میں نے اپنے ایک دوست کے مجبور کرنے پر مشہور کارخانہ خوردنی خضاب حکمی شفا کے منیجر صاحب کو خوردنی خضاب بھیجنے کے لئے لکھا چند دن کے استعمال کے بعد میں نے بہت سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اپنے سر اور مونچھوں کے بالوں کی طرف اشارہ کر دیا کافی تھا کہ تھوڑی ہی سے بال بالکل سیاہ ہو گئے ہیں اور چہرے پر بھی ایک سرخی جھلک رہی تھی اس کے علاوہ انھوں نے کہا کہ میں اپنے جسم میں ایک نئی طاقت محسوس کرتا ہوں توی پہلے سے زیادہ چست ہو گئے ہیں دماغ میں کثرت کار سے تھکاوٹ وغیرہ محسوس نہیں ہوتی اور آجکل کھانا بھی خوب کھاتا ہوں خوردنی خضاب کے اشتہارات پارس میں چھپ رہے ہیں لوگوں کی صداقت آزمانے کے لئے ناظرین کو بھی ضرور آزمانی چاہئے مجھے امید ہو کہ ان کیلئے مفید ثابت ہوگی۔

سید جالب صاحب دہلوی سابق اڈیٹر روزانہ ہمدم اخبار لکھنؤ نے اخبار ہمدم میں ریویو کیا ہو کہ اس کے اجزا نظام عصبانی پر بہت اثر کرتے ہیں معدہ کو تقویت دیتے ہیں خون بدن بڑھاتی ہے اعصاب قوی ہو جاتے ہیں اور... کا دور ہو جاتا ہو بہت عجیب چیز ہو۔

ہفتہ وار اخبار شیعہ کالج نیوز نے ریویو کیا ہو میں نے خضاب خوردنی کا تجربہ کرایا تو واقعی سفید بالوں کے سیاہ کرنے میں بیحد مجرب ثابت ہوا۔

اخبار سرفراز لکھنؤ کے اڈیٹر خواجہ امین اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ واقعی اس کارخانہ کی جملہ ادویہ خصوصاً اکسیر شباب خوردنی خضاب کی نہ دوا ہی میں حیرت ہے اور انتہائی ...رکھی...پبلک کے لئے نہایت مفید ہو۔

بڈھے جوان بنگئے

صرف اکسیر شباب خوردنی خضاب کھانے سے

آب و ہوا کی ناموافقت ضعف دماغ اور زہر لیا دیگر خرابیوں سے قبل از وقت انسان کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور اکثر نوجوان جوانی سے پہلے ہی بڈھے ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ اکثر آدمی جوانی کی حسرت ہی میں گھٹ گھٹ کر موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے طبی اصول پر بصرف زر کثیر اور تجربات بسیار کے بعد تمام اسباب کا خیال رکھکر نباتاتی اجزاء سے جو مقوی **اکسیر شباب خوردنی خضاب** ترتیب دیا ہو وہ آپکو انشاء اللہ صرف ۲۰ خوراک میں بوڑھے سے جوان بنا دیگا اور شباب قربان ہوتا ہوا نظر آئے گا۔ لہذا اگر آپ اپنے گئے ہوئے شباب کی تمام طاقتیں چمکتے ہوئے رنگ اٹھتی ہوئی جوانی کی امنگ کو دوبارہ واپس بلانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ خواہش مند ہیں کہ آپ کا دماغ اتنا صحیح ہو جائے کہ ایکبار جسکی تقریر کو سن کر یا ایک مرتبہ کتاب کو پڑھ کر کبھی نہ بھولیں۔ اگر آپ ضعف مردمی جریان۔ کثرت احتلام (بدخوابی) وغیرہ کے تمام متعلقہ امراض جنکی مفصل لکھنا تہذیب کے خلاف ہو گرفتار ہیں بھوک بالکل ہی جاتی رہی ہو۔ نزلہ اور ضعف اعضائے رئیسہ نے پریشان کر رکھا ہو خفقان قلب یا تھوڑا ہی کام کرنے پر ہانپنے لگنا۔ آنکھوں کے نیچے دفعتہً اندھیرا آجانا اور مجھنگے سے دکھائی پڑنا وغیرہ کی شکایت ہو یا چہرہ مرجھا گیا ہو۔ شباب رخصت ہو رہا ہو بال ایک ایک کرکے سفید ہوتے جاتے ہوں تو جلد سے جلد اکسیر شباب **مقوی خضاب خوردنی** استعمال کریں۔ یوں تو امراض متعلقہ

ضعف مردمی کی یہ مخصوص دوا ہے

لیکن تجربہ کرنے والوں کا زبردست دعویٰ ہے کہ بال خواہ کسی وجہ سے وقت سے پہلے یعنی بچپن یا بیس سال کی عمر میں سفید ہو گئے ہوں تو اس کے استعمال سے از سر نو سیاہ اور حسب مثل قدرتی رنگ کے ہو جاتے ہیں جو پھر کبھی وقت مقررہ یعنی ۷۰۔۸۰ برس پہلے سفید نہیں ہوتے بینائی اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ عینک لگانے کی ضرورت نہیں رہتی

بے اولادوں کیلئے

اس کا کھانا اکسیر ہو اور مقوی تو اس قدر ہو کہ بڑے بڑے شاہی اور قیمتی نسخے بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں ناممکن بلکہ قطعی ناممکن ہو کہ اسے استعمال فرما کر آپ اپنی قوت کو ضبط کر سکیں آپ کے اطمینان کے لئے ہم یہ شرط بھی کرتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ دوا فائدہ نہ کرے یا دوا کا اثر چند روزہ ثابت ہو تو قیمت واپس یا دوبارہ سہ بارہ دوا مفت روانہ کریں گے۔ اب اس قدر مفید اور مستند ہونے کے بعد بھی

آپ اس کی قدر نہ کریں تو تعجب اور حیرت ہو

صحت کے لئے انسان ہزاروں روپیہ قربان کر ڈالتا ہو آپ بھی آزما کر دیکھیں گرمیوں میں یہ دوا خصوصاً خون پیدا کرنے کے لئے بیحد مفید ثابت ہوئی ہو قطعی بے ضرر ہے ایک گولی روزانہ صبح کو دودھ یا تازہ پانی کے ساتھ صرف ۲۰ دن متواتر کھائیے اور صرف تیل کھٹائی اور زیادہ تیز مرچوں سے حتی الامکان پرہیز رکھئے۔ ہر عمر اور ہر مزاج ہر موسم میں مفید ہو۔ **قیمت** مکمل بکس جس میں ۲۰ گولی سات روپیہ آٹھ آنے سہ محصول۔ دو بکس چودہ روپیہ تین بکس بیس روپیہ۔ چار بکس پچیس روپیہ چھ بکس بتیس روپیہ مع محصول ڈاک

نوٹ۔ دس روپیہ سے زائد کے خریدار کو ۲ روپیہ اور بیس روپیہ سے زائد کے خریدار کو فی روپیہ کمیشن دیا جائے گا۔

(نوٹ: فرمائش کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیجئے)

ملنے کا پتہ

منیجر کارخانہ حکمی شفا لکھنؤ

اڈیٹر صاحب اخبار گورو گھنٹال لاہور لکھتے ہیں ہمیں اس کارخانہ کی کئی ادویات کا اپنے دوستوں پر استعمال کرنے کا موقعہ ملا ہو ہمیں یہ تصدیق کرکے خوشی ہوتی ہو کہ آپ کی ادویہ بے خطا لاثانی اور مجرب ہیں ... دوا میں نمک ہاضم اور خضاب خوردنی خاص طور پر تعریف ہیں جن کی سو فی صدی فائدہ کی گارنٹی ہو ... دوائی کے تیار کرنے کے لئے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں ... ہے کہ پبلک بڑے زور سے آپ کے کارخانہ کا استقبال کرے۔

روزنامہ اخبار پرتاب لاہور اپنی اشاعت مورخہ ۱۵ ... میں رقمطراز ہو کہ اشتہار میں ... کا مضمون آجکل یہ سمجھا جاتا ہو کہ جھوٹے کے پل باندھے ہیں مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہو کہ ہندوستان کا بیش قیمت خزانہ ابھی خالی نہیں ہوا ہو اس میں بہت سے جواہرات موجود ہیں جیسا کہ دوا اکسیر شباب جو دوا حکمی شفا کی ایک مایہ ناز دوا ہو اور حقیقت کمزوری کو دائمی نزلہ وغیرہ کو روکتی اور بالوں کو سیاہ کرتی ہو بالوں کے سیاہ کرنے میں دو تین ہفتہ کی مدت لگی ... احتلام دیگر دردی وغیرہ کو دور کرکے دماغ کو طاقتور بنا دیتی ہو جس کا ہمارے بعض دوستوں نے تجربہ کرکے ہم سے تصدیق کی ہو قیمت فی بکس سات روپیہ

پتہ:۔ کارخانہ خوردنی خضاب لکھنؤ۔

عالیجناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب اڈیٹر رسالہ ... کا ریویو۔ کارخانہ خوردنی خضاب حکمی شفا لکھنؤ نے ... اکسیر شباب برائے ریویو بھیجا ہم نے حافظ عبدالرزاق ... کو استعمال کرایا۔ حافظ صاحب کا بیان ہو کہ اس سے انھیں بہت قوت حاصل ہوئی ہو جسم میں ... کام کرنے کو دل چاہتا ہو۔ بھوک لگتی ہو کوئی ... بھی معلوم ہونے لگا ہو۔

سکریٹری کانگریس و خلافت کمیٹی ... صاحب لکھتے ہیں کہ آپ کا مرسلہ خضاب خوردنی ... کیا گیا میرے کچھ بال بعمر ... جرح کے عالم شباب ہی میں ... ہو گئے تھے اس کے استعمال سے بفضلہ سیاہ ہو گئے ... کے لئے دو بکس اور بھیج دیجئے۔

آنریری مجسٹریٹ و رئیس اعظم جناب سردار ... خان صاحب قصبہ مو... اسواران ضلع کیمبل پور سے لکھتے ہیں ... ابتک پانچویں حصہ کے قریب سر اور داڑھی کے بال ... میں چار بکس اور بھیج دیجئے۔

علاوہ ازیں آپکے اطمینان کے لئے سر ... چند ...

متقدمین کی رائیں درج کرتا ہوں جن کی ... برآج ایک زمانہ عمل کرتا ہو ہماری ادویہ کے اجزا کے متعلق ... حسانی مصنف مخزن المفردات مصنف الفاظ الادویہ وغیرہ ... خزائن الادویہ وغیرہ اس کے اعلیٰ خواص ... فائدہ ...